سیرت نبوی پر ایک جامع، مدلل اور اب تک کی واقعاتی
سیرت النبی پر دنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

نورِ اُمّ النور
نورِ رحمۃ للعالمین

ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)

سیرتِ نبوی پر ایک جامع، مدلل اور اب تک کی واقعاتی
سیرت النبیؐ پر دنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

نورِ اُم النور
نورِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جلد سوئم

تالیف:
ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

نام کتاب	———	نورِ اُم النور نورِ رحمۃ للعالمین (جلد سوم)
موضوع	———	سیرت النبی ﷺ
تالیف	———	ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)
بار اوّل	———	شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ/ اگست 2007ء
کمپوزنگ	———	ورڈ میکر
تعداد	———	500
ناشر	———	ملک شبیر حسین
مطبع	———	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
قیمت	———	روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

شبیر برادرز

40 اُردو بازار لاہور 7246006

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور 7313885

ترتیب

جنات کی انسانوں میں تبلیغ

اس موضوع کو اچھی طرح سے سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے جنات کے متعلق بنیادی حقائق بتلا دیئے جائیں اور پھر اس کے بعد ان کے وجود اور ان کی انسانوں میں سعی تبلیغ کا ذکر کیا جائے۔

جنات یا جن بھی ہم انسانوں کی طرح اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات رب للعالمین کی ایک مستقل صاحب عقل یعنی کہ ذی شعور مخلوق ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی جو بھی ذی شعور مخلوق ہے قادر مطلق نے اسے عقل کے جوہر کے سبب اچھے برے میں تمیز کی صلاحیت دی ہے یا اچھے برے کی پہچان دی ہے اور عقل کے اعلیٰ ترین عنصر یعنی کہ ضمیر میں تو حق کے لئے بہت تڑپ و چاہت ہوتی ہے۔

اس تمیز و پہچان کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ذی شعور مخلوق میں اپنے نبی اور رسول پیدا فرمائے ہیں جو انہیں راہ ہدایت دکھلاتے بتاتے رہے اور انہیں فلاح دارین کے لئے تعلیم و ہدایات دیتے رہے۔

ذی شعور یا صاحب عقل مخلوق کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس جوہر خاص کے سبب جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اسے اچھے برے کی پہچان دی ہے اور اسے اپنی سمجھ و عقل کے مطابق اچھے یا برے کو اختیار کرنے کے لئے مختار بنایا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان میں سے کسی کو بھی اختیار کرے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ذی شعور مخلوق انس و جاں میں خواہشات کی محبت بھی بہت شدید دے دی یا دنیا کی محبت بھی بہت دے دی۔

سورۂ آل عمران کی آیت 14 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (سورہ آل عمران آیت 14)

ترجمہ: ''لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت' عورتیں اور بیٹے اور نیچے اوپر سونے

چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی جو کہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔"

اللہ تبارک تعالیٰ نے صاحب عقل مخلوق کو دنیا' اولاد' عورت' زمین' مال وزر' جائیداد اور حشمت وجاہ کی محبت چاہت بھی دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام ذی شعور مخلوق کو اپنے نبی' رسول انبیاء کرام کے ذریعے ایک مخصوص ضابطہ حیات بھی دیا ہے کہ وہ اپنی آخرت کو کامیاب بنانے کے لئے کن کن احکام اصول و ہدایات کے مطابق زندگی گزاریں۔ اپنے رب کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے پر جزا ہے اور احکام نہ ماننے پر یا احکام کے خلاف زندگی گزارنے پر سزا ہے۔ جزا کی آخری حد حصول جنت ہے اور سزا کی آخری حد جہنم ہے۔

ہم بنی نوع انسان' بنی نوع جن کی طرح ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی صاحب عقل مخلوق ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کی تخلیق جنات کی تخلیق سے کوئی دو ہزار سال بعد فرمائی ہے۔ ذی شعور مخلوق کی تخلیق اور ذی شعور مخلوق کے لئے دین' یہ دونوں ہی ایک وقت تک ارتقائی یا خوبصورتی اور کاملیت کی طرف ترقی پذیر رہے ہیں۔ پھر جب اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا اس ارتقائی عمل کو مکمل کر دیا اور قیامت تک کے لئے اسے حتمی شکل دے دی۔

جیسے خالق و مالک کائنات نے سورۂ تین کی آیت 4 میں ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○

ترجمہ: "بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت ساخت پر بنایا۔" (سورہ تین آیت 4)

اور جیسے سورۂ مائدہ کی آیت 3 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے دین اسلام کے بارے میں فرمایا

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا' اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔" (سورۂ مائدہ آیت 3)

ان آیات مبارک سے ظاہر ہے کہ جنوں کے مقابلے میں خالق و مالک کائنات' خلاق العلیم نے انسان کو بہترین ساخت صورت پر پیدا فرمایا اور پیغمبر اول و آخر واعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ کے لائے ہوئے دین سے پہلے جو بھی آسمانی دین تھے' دین کی تعلیمات تھیں وہ ارتقائی منازل طے کر رہے تھے اور پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے دین اسلام پر اس کی انتہا فرما دی اور اسی دین کو قیامت تک کے لئے اپنا آخری مکمل اور پسندیدہ دین قرار فرمایا۔

بہترین ساخت صورت سے مراد ہے ظاہری شکل و صورت' بناوٹ عقل وفہم' مختلف جسمانی اعضاء' مختلف جسمانی نظام اور ان کے کام وغیرہ۔

جنات کی تخلیق کے بعد جب تک اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو تخلیق نہیں فرمایا اس وقت تک جنات کو راہ ہدایت بتانے والے، سمجھانے والے، دکھانے والے نبی و رسول جنات میں سے ہی تھے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں یہاں اس نکتہ کی وضاحت کر دوں۔

خالق و مالک کائنات کا سورہ یونس کی آیت 64 میں ارشاد مبارک ہے۔

لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ

ترجمہ: ''اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں''۔ (سورہ یونس آیت 64)

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت نہیں بدلتی، اللہ تبارک تعالیٰ کا کسی مخلوق کے لئے طریق کار نہیں بدلتا۔

ہمیں نبی نوع انسان کے بارے میں علم ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا اسی وقت سے ان میں راہ ہدایت بتانے والے، سمجھانے والے، دکھانے والے مصلح نبی اور رسول پیدا فرمائے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ پیغمبر اول و آخر واعظم خاتم النبیین ﷺ پر ختم فرمایا۔

ظاہر ہے کہ بنی نوع جن، صاحب عقل، ذی شعور مخلوق سے اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ سنت تھی، یہ طریق کار تھا جو بنی نوع انسان پر بھی اپنایا گیا۔ ہاں یہ ہے کہ جنات کے انبیا کرام کو صرف اللہ تبارک اور اس کے محبوب پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ ہی جانتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں علم دینا ضروری نہیں سمجھا۔

پنی بات کو اچھی طرح سمجھانے کی خاطر میں پھر اوپر لکھے گئے۔ جملہ سے شروع کرتا ہوں۔

جنات کی تخلیق کے بعد جب تک اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو تخلیق نہیں فرمایا، اس وقت تک جنات کو راہ ہدایت بتانے والے، راہ ہدایت سمجھانے والے، راہ ہدایت دکھانے والے مصلح نبی و رسول جنات میں سے ہی تھے۔

اور جب اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرماوی اور مناسب وقت آنے پر، بنی نوع انسان کو راہ ہدایت بتانے والے، راہ ہدایت سمجھانے والے، راہ ہدایت دکھانے والے انسانوں میں سے ہی ان کے اپنے ہم نوع نبی رسول پیدا فرمائے، ارسال فرمائے۔ اور جب اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا بنی نوع جنات کو بھی بنی نوع انسان میں مبعوث ہونے والے انسان، بشر انبیاء کرام نے بھی ہدایت کا راستہ دکھلایا اور وہ اپنی حکمت و حاکمیت کے تحت جنات میں بھی نبی و رسول پیدا فرماتا رہا۔

پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کیونکہ خاتم النبیین، رحمت للعالمین اور رب للعالمین ہیں اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین بھی قیامت تک کے لئے ہے اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ

نے اس کرۂ ارض پر موجود تمام ذی شعور مخلوق کو آپ ﷺ کے مبعوث ہو جانے کے دن سے آپ ﷺ کی امت بنا دیا' قرار فرما دیا اور سب کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ یعنی کہ بنی نوع انسان و جن کے لئے قرآنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو ابدی بنا دیا۔ تمام ذی شعور مخلوق کی فلاح دارین کے لئے قرآن و سنت کو ان پر لازمی لاگو کر دیا۔

ہمیں یہ جاننا چاہیے

اور خاص طور پر ہم مسلمانوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضورِ انور نبی کریم' رؤف و رحیم رحمت للعالمین ﷺ صرف مسلمانوں کے ہی نبی اور رسول ہیں اور صرف مسلمان ہی آپ ﷺ کی امت ہیں یا آپ ﷺ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ نہیں' بلکہ سارے انسان خواہ وخدا اور رسول ﷺ کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں' جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں' کسی بھی جگہ یا ملک سے ہوں' کسی بھی دھرم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں آپ ﷺ کی بعثت کے دن سے قیامت تک کے لئے سب کے سب پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضور پُر نور' نبی کریم' رؤف و رحیم خاتم النبیین' ہادی انس و جاں' رحمت للعالمین ﷺ کی امت ہیں۔

آپ ﷺ کو ماننا' نہ ماننا' جاننا' نہ جاننا الگ بات ہے۔ کوئی لڑکا اگر اپنے باپ کو باپ نہ مانے تو کوئی یہ نہ کہے گا کہ فلاں شخص فلاں کا لڑکا نہیں ہے یا فلاں شخص اس کا باپ نہیں ہے۔ باپ تو اپنی جگہ پر حقیقت میں باپ ہی رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ مانے تو اس کے نہ ماننے سے وہ آپ ﷺ کی امت سے نہیں نکل سکتا۔

آپ ﷺ کی بعثت کے دن سے سارے انسان آپ ﷺ کی امت کے لوگ ہیں اور اسی طرح سے اس مبارک دن سے تمام جنات بھی آپ ﷺ کی امت کے لوگ ہیں۔ اور قیامت تک تمام جن و انسان آپ ﷺ کی ہی امت رہیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے فرمان کے مطابق سارے انسانوں اور جنات کو آپ ﷺ پر ایمان لانا' اطاعت و اتباع کرنا اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنا فرض ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام ذی شعور مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

خالق و مالک کائنات رب للعالمین کا سورہ ذاریات کی آیت 56 میں ارشاد پاک ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○

ترجمہ: ''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔'' (سورۂ ذاریات آیت 56)

ویسے تو کائنات کا ذی شعور مخلوق کے علاوہ سب کچھ ہی' زمین و آسمان میں جو کچھ بھی موجود ہے یعنی کہ جمادات' بناتات' حیوانات' چرند پرند' حشرت الارض' جاندار' بے جان غرضیکہ ہر چھوٹی بڑی شے ہمہ وقت اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثناء کر رہی ہے۔

سورۂ حشر کی پہلی اور آخری آیات مبارک میں اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان پاک یوں ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: ''اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔'' (سورۂ حشر آیت 1)

لیکن ذی شعور مخلوق، صاحب عقل مخلوق کی عبادت کی اور ہی شان ہے اور ہی سرور ہے کیونکہ غیر شعوری مخلوق یا وہ مخلوق جن کو ہماری طرح عقل نہیں دی گئی ہے۔ جیسے جمادات نباتات، حیوانات، حشرت الارض وغیرہ کو وہ ترغیبات، خواہشات، نفس و دنیاوی ذمہ داریاں، شدید نفسانی خواہشات اور سامان تعیش کا لالچ چاہت و ترغیب نہیں دی گئی ہے جو کہ تمام ذی شعور مخلوق میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔

میں اس کی وضاحت کے لئے سورہ آل عمران کی آیت پاک 14 کا حوالہ دیتا ہوں جس میں ہمارے پیدا فرمانے والے رب العالمین کا ارشاد پاک ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

ترجمہ: ''لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔''

جیسا کہ ذی شعور مخلوق میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیت 14 کے مطابق یہ خواہشات، ترغیبات، دنیا پرستی کے لئے حب و چاہت بہت دی ہوئی ہے ودیعت کی ہوئی ہیں اور انہیں زندگی میں بہت ساری جبلتی ذمہ داریاں بھی دی ہوئی ہیں (جیسے کہ اپنے بیوی بچوں کی اچھے طریقے سے کفالت کرنا) بلکہ یوں کہہ لیں خواہشات کی تکمیل، جاہ حشمت کی چاہ، مال و زر کا لالچ ہوس کی حد تک ہر انسان میں بھر دیا گیا ہے اور ہم نے زندگی بھی اسی ماحول میں گزارنی ہے۔ اتنی شدید، طاقتور ترغیبات کی موجودگی میں اللہ تبارک تعالیٰ کے احکامات اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا بہت زیادہ مشکل ہے اور یہ توفیق و عظمت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

جو بھی اللہ کے بندے ان شدید اور طاقتور ترغیبات و خواہشات سے بچتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گزاریں یعنی کہ دنیا کے کام کاج بھی پورے کریں اور ضرورتیں بھی پوری کریں لیکن وہ حدود اللہ کے اندر رہ کر۔ بالفاظ دیگر جو بھی اللہ کے بندے اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کے احکامات ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور کسمپرسی میں بھی صبر و شکر سے کام لیتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ ایسے لوگوں کے اعمال سے اتنا خوش ہوتے ہیں، اتنا زیادہ اسے پسند فرماتے ہیں کہ وہ اس ایک

شخص کے اچھے عمل و اعمال کے بدلہ میں ہزاروں لاکھوں کی برائیوں کو برداشت فرماتے ہیں یا ایک نیک بندے کی وجہ سے ہزاروں برے لوگوں کا بوجھ زمین پر برداشت فرماتے ہیں۔

اور انسانوں، جنوں کی اسی خوبی کو دیکھنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمادی۔ درج ذیل شعراس حقیقت کی کسی حد تک ترجمانی کرتا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے ایک اور نکتہ کی وضاحت کردوں اور وہ نکتہ ہے ''آپ ﷺ کا جنات سے رابطہ یا جنات کے آپ ﷺ سے رابطے۔''

یہ باہم رابطے صرف اتنے ہی نہیں ہیں جن کا ہمیں قرآن حکیم اور احادیث مبارک سے علم ہے۔ یہ تو صرف وہ رابطے ہیں جن کے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ نے ہمیں بتانا پسند فرمایا۔ آپ ﷺ جس طرح ہمارے لیے اللہ کے محبوب رسول رحمت للعالمین رہبر کائنات ہیں اسی طرح جنات کے لئے بھی ہیں بلکہ تبلیغ دین متین کے لئے بنی نوع جن کے لئے درج ذیل وجوہات کی بنا پر کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔

کیونکہ جنات کی تعداد ہماری تعداد سے نوگنا زیادہ ہے۔ ان کی پیدائش بھی ہم سے دو ہزار سال پہلے کی ہے جس کی وجہ سے احکام الٰہی اور ہدایات انبیا کرام سے انحراف ان میں زیادہ ہوگا۔ ان میں قتل وغارت گری بھی زیادہ ہے اور وہ ہماری نسبت زیادہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ ہر دو عالم، عالمین کے لئے رحمت للعالمین ہیں۔ انسانوں کے لئے جنوں کے لئے، برے کے لیے، اچھے کے لئے، چھوٹے کے لئے، بڑے کے لئے، ماننے والے کے لئے، نہ ماننے والے کے لئے، جاننے والے کے لئے نہ جاننے والے کے لئے۔ غرضیکہ ہر انس و جان کے لئے آپ ﷺ، رحمت رب للعالمین ہیں، رحمت اللعالمین ہیں۔

اسی لیے آپ ﷺ بنی نوع جنات کو بھی راہ راست پر لانے کے لئے، دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے، ان کی فلاح دارین کے لئے کم از کم اتنے ہی فکر مند تھے جتنا کہ بنی نوع انسان کے لئے۔ ہاں بنی نوع انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ عظیم فضیلت عطا فرمائی کہ پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ کو انسان کامل کی شکل میں مجسم فرمایا۔

اچھے انسانوں کی طرح اچھے جنات بھی نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد بعثت کے شدت سے منتظر تھے۔ اچھے انسانوں کی طرح وہ بھی کفر وشرک، بت پرستی اور معاشرتی ناہمواریوں اور برائیوں کے سخت خلاف تھے اور

اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا گو تھے' منتظر تھے' کہ کب اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نبی آخر الزمان (ﷺ) کے ذریعے سے انسانیت کو' بنی نوع جان کو اس ظلمت و ضلالت سے نکالے گا۔ اور جب دین متین آ گیا تو انسان مومنین کی طرح جنات مومنین نے بھی اسے فوری خوشی خوشی اور شوق سے اپنایا' اور پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف و رحیم ہادی انس و جاں رحمت للعالمین ﷺ کی پرخلوص اطاعت' فرمانبرداری و اتباع کیا۔

مندرجہ بالا اور درج ذیل کے واقعات' روایات احادیث مبارک سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

1- ولادت نبی پر اچھے جنات نے جبل ابوقبیس پر سے ندا دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف و رحیم ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی تو جبل ابوقبیس پر چڑھ کر جن نے ندا کی اور خوبصورت اشعار کی شکل میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خوب تعریف کی' افضل ترین پیرائے میں سراہا اور آپ ﷺ کی بھی خوب تعریف کی۔ (اسے آپ اسی باب میں قدرے تفصیل سے پڑھیں گے۔

2- مدینہ منورہ میں بعثت نبوی کی پہلی اطلاع جنات نے دی۔

اور اس نے کہا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس نے ہم پر عورتوں سے دوستی کو منع کیا ہے اور ہم پر زنا کو بھی حرام کر دیا ہے۔

3- حدیث پاک ہے کہ حضور ﷺ کے جنات کے سامنے سورۂ رحمٰن تلاوت فرمائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف و رحیم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے اول تا آخر سورہ رحمٰن کی تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ میں نے یہ سورت لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے پڑھی تو انہوں نے تم سے زیادہ بہتر جواب دیا۔ جب میں ارشاد باری "فبای الآء ربکما تکذبان" تک پہنچا تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم آپ کی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے' سب تعریفیں آپ کے لئے ہیں۔

(ترمذی' حاکم' بیہقی' کنز العمال اور دیگر)

مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنات میں بھی یقیناً سابقون الاولون ہوں گے۔ اور جنات میں سے اکا دکا حضرات تو بہت پہلے ایمان لے آئے ہوں گے لیکن جنات میں بھی کفار و مشرکین کی کثرت کی وجہ سے انہوں نے شروع کے سالوں میں اپنا دین بھی چھپایا ہو گا اور اپنے جابر' کافر و مشرک' معاشرے میں کٹ کر دب کر رہ گئے ہوں گے کیونکہ جنات میں دنگا فساد' قتل و غارتگری زیادہ تھی اور فرقے بھی زیادہ تھے یعنی کہ ان میں مخالف کے لئے قوت برداشت کم تھی اور مخالف کا' دشمن کا خون بہا دینا ان کے لئے آسان تھا۔

بہرحال اب تک آپ اس نکتہ کو تو سمجھ چکے ہوں گے کہ آپ ﷺ کے جنات سے رابطے یا جنات کے

آپ ﷺ سے رابطے یقینی طور پر ان سے کہیں زیادہ رہے ہوں گے جو کہ ہمیں قرآن حکیم اور احادیث مبارک سے بتلا دیئے گئے ہیں۔

جنات سے متعلق عوام الناس کی دلچسپی والے پہلو کے بارے میں گزارش ہے کہ جس طرح ہم انسانوں میں سے بہت ہی کم انسان جنات سے رابطہ یا ان سے دوستی کر پاتے ہیں اسی طرح جنات میں سے (شیاطین جنات کے علاوہ) بھی بہت ہی کم انسانوں سے رابطہ یا دوستی کر پاتے ہیں۔

انسانوں کے ساتھ الٹی سیدھی حرکتیں شریر جنات' شیاطین جنات ہی کرتے ہیں۔ مؤمنین یا اچھے علماء قسم کے مسلمانوں میں سے کچھ کا رابطہ تعلیم یافتہ اچھے جنوں سے ہو جاتا ہے اور وہ صرف اچھی باتوں' نیک کاموں کے لیے ہی معاون بنتے ہیں اور کچھ ایسے بھی وتے ہیں جو دینی علم سیکھنے آ جاتے ہیں لیکن ان کا اس ماحول میں رویہ ایک انسانی طالب علم کا سا ہی رہتا ہے۔ عموماً وہ اپنی نوع کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

جب کہ عام' دنیا دار لوگوں سے رابطہ کر لینے والے جنات کم تعلیم یافتہ اور اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں اور جادو ٹونے میں معاون جنات تو پکے ابلیس کی اولاد' شیاطین ہوتے ہیں۔

ہوائی مخلوق کے بارے میں' ان کی اقسام کے بارے میں سمجھانے کی خاطر میں (اس کتاب کا مصنف) یہی کہوں گا کہ آپ جن' جنات یا لفظ جنات کو یوں سمجھ لیں کہ جیسے ہم زمین پر نظر آنے والی سب مخلوق حیوانات' نباتات' حشرت الارض' چرند پرند اور انسانوں کے لئے لفظ ''جاندار'' استعمال کر لیا جائے۔ پھر اس لفظ ''جاندار'' کے تحت حیوانات' چرند' پرند' حشرات الارض' نباتات اور انسان اسی طرح آ گئے جیسا کہ لفظ جنات میں جنوں کی مختلف اقسام آ جاتی ہیں۔

جنات کا وجود

جنات کے وجود کے ثبوت میں اہل ایمان کے لئے تو قرآن حکیم کی آیات میں ان کا ذکر ہونا ہی کافی ہے۔ جب قرآن حکیم ان کے وجود کی گواہی دیتا ہے تو مسلمانوں کا تو ان کے وجود پر یقین کامل ہے اور جس کا یقین کامل نہیں ہے اس کا مطلب ہے کہ اس مسلمان کو قرآن حکیم کی خبروں کا انکار ہے لہٰذا وہ خود اس دائرے سے باہر ہو جاتا ہے جس میں اہل ایمان ہیں۔

قرآن حکیم میں جنوں کا ذکر بار بار آیا ہے اور وہ آیات مبارک بھی واضح ہیں کہ عام آدمی کو ان کا مطلب و مفہوم سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ اور ان سے عام مفہوم یہی نکلتا ہے کہ جنات بھی نبی نوع انسان کی طرح ایک مستقل ذی شعور' صاحب عقل نوع ہے اور انسانوں کی طرح ان پر اتباع انبیا کرام لازم ہے اور آپ ﷺ کی بعثت کے دن سے قیامت تک کے لئے ان پر بھی اسلام لانا اور اطاعت' فرمانبرداری اور اتباع پیغمبر اول و آخر ، اعظم ہادی انس جاں' رہبر کائنات' رحمت للعالمین ﷺ لازم ہے' فرض ہے۔

درج ذیل میں چند قرآنی آیات مبارک پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات موجود ہیں اور وہ ہماری ہی طرح کی مستقل نوع ہے۔ جس نے ہماری ہی طرح اپنے آپ کو جزا یا سزا کا مستحق بنانا ہے۔

قرآن حکیم کی سورہ احقاف اور سورۂ جن میں جنات کا ذکر بار بار آیا ہے اور قدرے تفصیل سے آیا ہے کہ جسے پڑھنے کے بعد کسی بھی صاحب عقل کو انہیں ایک بنی نوع انسان کی طرح مستقل نوع ماننے سے انکار نہیں ہوسکتا۔ جو ہماری طرح ان کے مکلف ہونے اور ان کے لیے بھی روز قیامت حساب ہونا اور اپنے کیے کی جزا یا سزا پانے کے بارے میں بڑی واضح ہیں۔

سورۂ احقاف کی آیت 29 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○

ترجمہ: ''اور جب ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے' کان لگا کر سنتے' پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو' پھر جب پڑھنا ہو چکا' اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے پلٹے۔''

(سورہ احقاف آیت 29)

سورۂ ذاریات کی آیت مبارک 56 میں ارشاد رب للعالمین ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○

ترجمہ: ''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔'' (سورہ ذاریات آیت 56)

سورہ رحمان کی آیت 14، 15 اور 16 اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان یوں ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

ترجمہ: ''اس نے آدمی کو بنایا بجتی مٹی سے جیسے ٹھیکری اور جن کو پیدا فرمایا آگ کی لو (صاف حصے) سے ''پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

سورہ رحمٰن کی آیت مبارک 31 میں ارشاد رب اللعالمین ہے

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ○

ترجمہ: ''جلد ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے' اے دونوں (جن وانس) بھاری گروہ۔''

(سورہ رحمٰن آیت 31)

سورۂ رحمٰن کی آیت 33 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا

تَنفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ؁

ترجمہ: ''اے جن وانسان کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جاؤ، تو نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔'' (سورہ رحمٰن آیت 33)

سورہ جن کی تو آدھی سے زیادہ آیات مبارک جنات سے متعلق ہی ہیں جو ان کے وجود کے ثبوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت سے بتاتی ہیں کہ دین اسلام، پیغمبر اول و آخر و اعظم دنیا، دنیاداری اور حق کی جستجو میں، اسے اپنانے میں ان کا انداز فکر، ان کا طرز عمل، تقریباً بنی نوع انسان جیسا ہی ہے اور یہ کہ جنات ایک مستقل نوع ہیں۔

سورہ جن آیت 1 میں ارشاد رب للعالمین ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ؁

ترجمہ: ''تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا تلاوت کرنا کان لگا کر سنا تو بولے، ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔'' (سورہ جن آیت 1)

سورہ جن آیت مبارک 7 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ؁

ترجمہ: ''اور یہ کہ انہوں (جنوں) نے گمان کیا کہ جیسا کہ تمہیں (انسانوں کو) گمان ہے کہ اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا۔'' (سورہ جن آیت 7)

سورہ جن کی آیت مبارک 11 میں خالق و مالک کائنات کا فرمان ہے

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ؁

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے، ہم کئی راہوں میں پھٹے ہوئے ہیں۔'' (سورہ جن آیت 11)

سورہ جن کی آیت 13 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ؁

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت سنی، اور اس پر ایمان لائے۔'' (سورہ جن آیت 13)

حدیث پاک میں جنات کا ذکر

کتنی ہی حدیث مبارک ہیں جن میں جنات کا زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تذکرہ ہے۔ میں نے پہلے ہی گزارش کر دی ہے کہ جنات کے وجود پر ایمان کے لئے مسلمانوں کو، اہل ایمان کو تو، قرآن حکیم میں فرمان رب للعالمین ہی کافی ہے۔

لیکن وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے یا جن کا ایمان متزلزل ہے ان کے لئے یہ احادیث مبارک' واقعات و روایات بھی جنات کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ واقعات یہ روایات جو مصدقہ بھی اور قابل فہم بھی دراصل سب ہی وجود جنات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں موجود نہیں پایا' جب صبح ہوئی تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو حراء کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر حضورِ انور ہادی انس و جاں' رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا' پھر میں نے جنات کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنات کی اور ان کی آگ کی نشانیاں دکھلائیں۔

ایک اور حدیث مبارک میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورِ انور نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں بکری اور دیہات پسند ہے پس جب تم اپنی بکریوں اور دیہات میں رہو تو نماز کے لئے اونچی آواز سے اذان دو' اس لیے کہ جو بھی تمہاری اذان سنے گا چاہے وہ انسان ہو یا جنات یا کوئی اور چیز ہو' وہ قیامت میں گواہی دیں گے۔

جنات کے وجود کی شرعی حیثیت

قرآن مجید میں جنوں کا ذکر بار بار آیا ہے' لہٰذا جنوں کے وجود کا اقرار فرض ہے اور ان کا انکار قرآن مجید کی خبروں کا انکار ہے' اگر ہم ان کو نہیں دیکھ پاتے تو ہم کو انکار کا حق نہیں' اس لیے کہ جس چیز کو ہم دیکھ نہ سکیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ چیز ہے ہی نہیں۔ مادی چیزوں کے ادراک کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم کو حواس خمسہ دیئے ہیں' سن کر' دیکھ کر' سونگھ کر' چکھ کر اور چھو کر ہم چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں۔ لیکن جو چیزیں غیر مادی ہیں اور ہماری گرفت سے باہر ہیں' ان کے براہ راست ادراک سے ہم معذور ہیں۔ لیکن ان کا انکار بھی صحیح نہیں ہے۔ فضائی لہروں میں آوازیں موجود ہیں جن سے بعض کو ایک خاص طریقہ سے اور خاص ضابطہ کے تحت ریڈیو کی مدد سے سن بھی لیتے ہیں۔ لیکن اگر ریڈیو یا اس جیسا آلہ استعمال نہ کریں تو ہم فضا میں موجود خاموش آوازوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں اگر ہم فضائی آوازوں کے وجود کا انکار کر دیں تو ہمارا یہ انکار حقیقت پر مبنی نہ ہوگا۔

ہماری نظر کا تو یہ عالم ہے کہ گھڑی کی تینوں سوئیاں مستقل حرکت میں ہوتی ہیں لیکن ہمیں صرف سیکنڈوں والی سوئی حرکت کرتی معلوم دیتی ہے۔

ہمارے گھروں میں جب بجلی کے پنکھے چل نہیں رہے ہوتے تو ان کے پر ہمیں صاف نظر آتے ہیں اور جب انہیں چلا دیں اور پنکھے کی رفتار تیز کر دیں تو وہی پر جو کچھ دیر پہلے ہمیں خوب واضح نظر آ رہے تھے اب

ایسے لگتا ہے' نظر آتا ہے کہ وہ لوہے ٹھوس اور مضبوط پر ایسے غائب ہو گئے ہیں' جیسے کہ وہ تھے ہی نہیں۔

ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کے پر تو بہت لمبے اور چوڑے ہوتے ہیں بلا مبالغہ ہوائی جہاز کے پنکھے کے پر چھ سات فٹ سے زیادہ لمبے' ایک فٹ سے زیادہ چوڑے اور ایک تہائی انچ موٹی اور ٹھوس سٹیل کے ہوتے ہیں۔ اور ہیلی کاپٹر کے پر تو لمبائی میں تیس فٹ کے قریب اور چوڑائی میں دو فٹ کے قریب ہوتے ہیں بلکہ کئی جدید کاپٹر کے پر اس سے بھی کہیں زیادہ چوڑے ہوتے ہیں۔

مگر جب انہیں تیز رفتاری سے گھمایا جاتا ہے تو وہ ہماری نظروں سے ایسے غائب ہو جاتے ہیں کہ جیسے وہ موجود تھے ہی نہیں۔

اب اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ پنکھے اور ان کے پر موجود ہی نہیں تھے۔ ان نہ نظر آنے والی اشیاء' مخلوق کے وجود کا انکار کرنا غیر منطقی اور غلط بات ہے۔ جنات کے وجود کا صرف اس لیے انکار کر دینا کہ وہ نظر نہیں آتے بہت ہی بودی دلیل ہے بلکہ اپنی بصارت کے بارے میں مذکورہ بالا کو جان کر بھی یہ کہنا کہ جو چیز نظر نہیں آتی اس کا وجود ہی نہیں نہایت احمقانہ بات ہے' سوچ ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ' خالق و مالک کائنات نے سورۂ اعراف کی آیت 27 میں شیطان جنات کے بارے میں خود ہی فرما دیا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ: ''بیشک وہ اور اس کے ساتھی تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔''

(سورہ اعراف آیت 27)

اب درج ذیل میں منکرین جنات پر کچھ امام و مقتدر علماء گرامی کے تبصرے پیش خدمت ہیں تاکہ ایمان بالغیب میں اضافہ ہو۔

امام الحرمین کا تبصرہ

امام الحرمین نے اپنی کتاب ''شامل'' میں لکھا ہے کہ اکثر فلاسفہ اور جمہور یہ قدریہ اور تمام زندیق لوگ اور ہمارے زمانے میں قادیانی بالکلیہ شیاطین اور جنات کا انکار کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر تو تعجب نہیں کہ علم شریعت میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتے (مثلاً فلسفی اور نیچری) تعجب تو قدریوں پر ہے کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور مشہورہ کے ہوتے ہوئے انکار کرتے ہیں۔ اس کے بعد امام الحرمین نے کتاب و سنت سے نصوص ذکر فرمائے ہیں۔

اس کے بعد امام الحرمین نے کہا ہے کہ جنات اور شیاطین کے وجود پر اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ہو چکا ہے اس لیے ظواہر اور احادیث سے استدلال کرنا محض ایک تکلف ہے۔ جب کہ تعوذ بالشیاطین منصوص بھی ہے۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے کسی اہل ایمان کو شک کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد امام الحرمین نے چند احادیث بیان فرمائیں ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے ان دلائل کے ہوتے ہوئے جس کو آگاہی نہ ہو وہ گویا دین پر تہمت لگا رہا ہے۔ دین کے دائرے سے باہر جا رہا ہے۔

شیخ ابو القاسم کا تبصرہ

ابو القاسم انصاری نے ''ارشاد'' کی شرح میں فرمایا ہے کہ معتزلہ کے بڑے علماء نے جنات کے وجود سے انکار کیا ہے۔ ان کے انکار میں کوئی وزن نہیں ہے بلکہ ان کی دیانت کی کمزوری' گراوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔ جن کے وجود کے اثبات میں کوئی عقلی خرابی نہیں ہے کتاب وسنت کے نصوص ان کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا عقلمندی کی یہی علامت ہے کہ دین کی رسی کو پکڑے رہے۔ جو بات نصوص سے ثابت ہوتی ہو اور عقل بھی اس کو جائز کہتی ہو اس کو اختیار کرے۔

قاضی ابوبکر باقلانی کا تبصرہ

قاضی ابوبکر الباقلانی نے کہا ہے کہ اکثر قدریہ نے زمانہ قدیم میں وجود جنات کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں ان کے وجود سے انکار کیا ہے اور بعض قدریہ نے ان کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ رقت جسامت کی وجہ سے دکھلائی نہیں دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کا چونکہ کوئی رنگ نہیں ہے اس وجہ سے وہ دکھلائی نہیں دیتے ہیں۔

قاضی ہمدانی رحمتہ اللہ کا تبصرہ

قاضی عبدالجبار ہمدانی نے فرمایا کہ جنات کے وجود پر دلیل سماعی ہے عقلی نہیں ہے چونکہ وہ اجسام جو غائب ہیں عقل ان کو کس طرح ثابت کرسکتی ہے عقل تو ایسی چیز کو ثابت کرسکتی ہے کہ جہاں کوئی علاقہ یا تعلق پایا جاتا ہو۔ جیسا کہ فعل کا فاعل کے ساتھ تعلق ہے اور جنات کے وجود کا اثبات اضطراری طور پر ممکن نہیں ہے کیونکہ دانشمندوں کا بھی اس باب میں اختلاف ہے بعض نے وجود جنات کی تصدیق کی ہے اور بعض نے انکار کیا ہے۔ چنانچہ فلاسفہ اور فرقہ باطنیہ بھی یہی کہتا ہے۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ تمام دانشمند یہ کہتے ہیں کہ زمین نیچے ہے اور آسمان اوپر ہے۔ البتہ قرآن پاک میں ان کے اثبات پر متعدد آیات ہیں اور حضور پُرنور' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت احادیث مروی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ کا تبصرہ

شیخ ابو العباس ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی نے بھی وجود جنات کا انکار

نہیں کیا ہے اور کفار تمام کے تمام وجود جنات کے قائل ہیں۔ رہے اہل کتاب یہود و نصاریٰ وہ بھی مسلمانوں کی طرح ہیں اور جنات کے وجود کے قائل ہیں اگرچہ ان میں سے بعض فرقے مسلمانوں کے بعض فرقوں کی طرح انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ تیمیہ اور معتزلہ اور اکثریت وجود کو تسلیم کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت وجود جنات کو تسلیم کرتی ہے۔ کیونکہ کہ اس باب میں احادیث مشہورہ اور متواترہ ہیں اس لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح عام مشرکین اور عام اہل کتاب خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں وجود جنات کو تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین تو یہاں تک قائل ہیں کہ وہ نقوش اور تعویذات اور عملیات کے ذریعہ جنات کی معاونت کو تسلیم کرتے ہیں۔ خاص طور سے اعداد میں لکھے جانے والے تعویذات اسی قبیل (قبیلہ جنات) سے ہیں۔

جنات کی پیدائش

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنات انسانوں سے پہلے پیدا کیے گئے ہیں۔
اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ حجر کی آیات پاک 26 اور 27 میں یوں ارشاد پاک فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا، جو اصل میں ایک سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جن کو اس سے پہلے بنایا، بے دھوئیں کی آگ سے۔''

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ جنات کو انسان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔
ابو حذیفہ اسحاق نے بسند عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے بنی نوع جنات کو حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا۔ ایسی ہی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ جنات ساکنان زمین تھے اور فرشتے ساکنان آسمان تھے اور ان سے زمین اور آسمان آباد تھے اور ہر آسمان پر فرشتے تھے اور ہر آسمان والے نماز تسبیح اور دعا میں مشغول رہتے تھے۔ غرض یہ کہ ہر آسمان کے اوپر جو آسمان تھا اس سے نیچے والے آسمان کے مقابلے میں زیادہ صلوٰۃ اور تسبیح اور دعا میں مشغول رہتے تھے۔

بہرحال فرشتے ساکنان آسمان تھے اور جنات ساکنان زمین تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ جنات نے دو ہزار سال تک زمین کو آباد رکھا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ چالیس سال تک آباد رکھا ہے۔ اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے سومیا یا شومیا کو پیدا کیا اور وہ ابوالجن تھا۔

اب پہلے کچھ سومیا یا شومیا کے بارے میں

شومیا یا سومیا ابو الجن ہے یا ابلیس لعین ابو الجن ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ابو البشر سارے انسانوں کے باپ کا نام آدم ہے۔ اسی طرح ابو الجن سارے جنوں کے باپ کا نام جان ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ جان ابلیس ہی ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جان ابو الجن اور ابلیس ابو الشیطان ہے جن مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔ جس طرح بنی آدم کھاتے پیتے ہیں مرتے جیتے رہتے ہیں یہی حال ان کا ہے۔ اور شیاطین مسلمان نہیں ہوتے۔ ابلیس کے مرنے سے پہلے ان کو موت نہ آئے گی۔

(لغات القرآن جلد 2 صفحہ 233)

اللہ تبارک تعالیٰ نے ابو الجن کو آگ کی لپٹ (بے دھوئیں کی آگ) سے پیدا کیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تو اپنی تمنا ظاہر کر اس نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ ''ہم تو دیکھیں اور ہمیں کوئی نہ دیکھے' اور ہمارے بوڑھے بھی ہمیشہ جوان ہی رہیں۔

میرے نزدیک علماء کی یہ رائے قرآن پاک سے زیادہ قریب ہے۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہے۔

1- والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (الحجر)

(اور جان کو پہلے گرم آگ سے پیدا کیا)

2- وخلق الجان من مارج من نار (الرحمن)

(اور پیدا کیا جان کو آگ کی لپٹ سے)

3- قال فانك من المنظر ین الی یوم الوقت المعلوم

(فرمایا تجھے مہلت ہے مقررہ مدت تک)

مہلت کا تقاضا یہ ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت کو موت نہ آئے گی۔

مذکورہ آیت 2,1 میں جان کے پیدا ہونے کی کوئی کیفیت ذکر نہیں فرمائی جب کہ آدم کی پیدائش کے سلسلہ میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے بلکہ انسانی شرافت کو ظاہر فرمانے کے لئے سورۃ حجر کی آیت 32 میں ارشاد فرمایا ہے:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ٥

ترجمہ: ''فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا۔'' (سورہ حجر آیت 32)

صاحب تفسیر روح المعانی نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے انسان اور عرش ہی کو پیدا کیا باقی تمام کائنات کو کن سے پیدا کیا۔ اسی کن سے جنات اور فرشتوں کو پیدا کیا۔

جنات میں ابو الجن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں توالد و تناسل ہے۔ مذکر و مونث ہیں۔

ان سے ان کی نسل بڑھتی اور پھیلتی ہے۔ ابلیس جنات میں سے ہے۔
کان من الجن' وہ جنات میں سے تھا۔
قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ جنات پہلے پیدا ہوئے اور وہ زمین پر آباد تھے اور انہوں نے زمین پر فساد برپا کیا تھا۔
جب اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو وہ بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں' اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا انسان کی پیدائش میں حکمتیں چھپی ہیں وہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔
یہ مندرجہ بالا مکالمہ سورہ بقرہ کی آیت 30 میں درج ہے جس میں اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا' میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور پاکی بولتے ہیں۔ فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔'' (سورہ بقرہ آیت 30)

فرشتوں نے غالباً اس وجہ سے کہا تھا کہ وہ اس سے بیشتر ساکنان زمین یعنی جنات کا فساد دیکھ چکے تھے۔ غالباً وہ اسی پر قیاس کر رہے تھے کہ باشندگان ارض کی خاصیت ہی فساد فی الارض ہوتی ہے۔ بخلاف ساکنان آسمان کے کہ ان میں اطاعت گزاری ہوتی ہے اور ہمیشہ استقامت کے ساتھ اطاعت گزاری میں رہتے ہیں۔ اس لیے آسمانوں میں خلافت کی ضرورت نہیں ہے۔
اللہ تبارک تعالیٰ نے ابوالجن کو جو اس نے مانگا عطا کیا چنانچہ وہ دیکھتے ہیں اور خود دکھلائی نہیں دیتے اور جب مر جاتے ہیں تو زمین میں غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا بوڑھا بھی جب مرتا ہے تو جوان ہو کر ہی مرتا ہے۔
اور جب اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان سے کہا کہ تمنا کر اس نے کہا کہ مجھے جنت (اس جگہ لفظ الجبیل بھی آیا ہے) کی تمنا ہے۔
اسحاق نے کہا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا اور زمین کے آباد کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ مدت

دراز تک اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ ایک مدت کے بعد انہوں نے نافرمانی اور قتل و غارت شروع کی اور ان میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام یوسف تھا اس کو انہوں نے قتل کر دیا (اسی کتاب میں دوسری جگہ بادشاہ کی جگہ رسول لکھا ہے۔)

روح المعانی اور کبیری میں یوسف علیہ السلام کو رسول لکھا ہے۔ یہ جن تھے اور جنوں کے رسول تھے۔ ان سے مراد یوسف بن یعقوب علیہ السلام نہیں ہیں۔ اس زمین پر جنات کی آپس میں قتل و غارت اور جنگ و جدل عرصہ دراز تک رہی ہوگی۔ لیکن ان کے خلاف جنگ اور ان کو مار کاٹ کر جزائر سمندر میں محصور کر دینا یہ واقعہ قتل یوسف کے بعد ہی ہوا کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس زمین پر عذاب اسی وقت نازل کیا جب کسی رسول کو قتل کیا گیا یا اس کی توہین و تکذیب کی۔

ان فرشتوں کو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملائک عنصرین قرار دیا ہے۔ اور سجدہ برائے آدم علیہ السلام کا معاملہ ان ہی عنصری فرشتوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ (الخیر الکثیر ص109)

جن کا معنی اور تعریف

حضرت ابن درید رحمۃ اللہ علیہ (محمد بن حسن ازدی امام الشعراء واللغات سن وفات 321ھ) فرماتے ہیں ''جنات انسانوں سے الگ مخلوق ہے' کہا جاتا ہے کہ اس کو رات نے چھپالیا اور وہ اس پر چھا گئی اور اس کو ڈھانپ دیا۔ جب چھپانے کے معنی میں استعمال ہوں تو ان سب کا معنی ایک ہے' ہر وہ شئے جو آپ سے مخفی ہو' وہ جو آپ سے چھپی ہوئی ہے۔ بعد میں یہ لفظ (جن) جنات کا نام رکھ لیا گیا۔ جنّۃ' جن اور جان سب ایک شئے ہے اور جن جنات میں سے ایک قسم کا نام ہے۔''

ابن درید نے مزید تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ جن انسان کی ضد ہے۔ چنانچہ بولا جاتا ہے جنۃ اللیل واجنۃ' وجن علیہ' وغطاء' ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ جب کوئی چیز کسی کو ڈھانپ لے جو چیز بھی تم سے چھپی ہے وہ جن ہے۔ جنات کو اسی وجہ سے جنات کہتے ہیں۔ اہل جاہلیت فرشتوں کو بھی جنات کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔ جن اور الجنۃ ایک ہی لفظ ہے اور الجنہ' ڈھال کو کہتے ہیں۔ جو ہتھیاروں کو روک دے اور آدمی کو چھپالے۔ لفظ جن' حاء کیساتھ یعنی الحن بھی بولا جاتا ہے یہ بھی جنات کی ایک قسم ہے۔

جنات کے درجے یا اقسام

1- عام بولا جائے تو جن مراد ہوتا ہے۔
2- جو جنات انسانوں کے گھروں میں رہتے ہیں ان کو عامر کہا جاتا ہے۔
3- جو بچوں پر اثر کرتے ہیں ان کو روح کہتے ہیں۔

4۔ ڈراؤنی صورت میں نظر آتا ہے تو اس کو شیطان کہتے ہیں۔
5۔ جن اگر بھیانک شکل میں آ کر ڈرائے تو اس کو خبیث یا عفریت کہتے ہیں۔
6۔ اور یہ سب نام سب جنوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں۔اسی طرح جو نام ہمارے یہاں مشہور ہیں جیسے بھوت پریت، دیو پری، چڑیل، ڈائن، بدروح، آسیب، چھلاوہ، یہ سب نام بھی جنات کے ہیں اور کوئی چیز نہیں۔ (عالم الجن والشیاطین صفحہ 8)

حن کون ہیں

حضرت ابوعمر الزاہد (علامہ محمد بن عبدالواحد بغدادی 345ھ) فرماتے ہیں کہ حن جنات کے کتے اور گھٹیا درجہ کے جنات ہیں۔

جان کون ہے

حضرت جوہری (ابراہیم بن سعید ابو اسحاق محدث عظیم بغدادی، سن وفات 247ھ) فرماتے ہیں۔ جان جنات کا باپ (ابوالجن) ہے۔"

مَرَدَہ کون ہیں

علامہ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مَرَدَہ انتہائی سرکش اور انتہائی گمراہ قسم کے جنات ہیں۔"

شیطان کون ہیں

یہی علامہ ابن عقیل فرماتے ہیں "شیاطین جنات کی وہ قسم ہے جو خدا کے نافرمان ہیں اور یہ ابلیس (ملعون) کی اولاد میں سے ہیں۔

شیطان اور ابلیس

نافرمان شیاطین بھی جن ہیں اور ابلیس سے پیدا ہوئے ہیں۔اور سرکش شیاطین ان میں سب سے زیادہ شریر اور گمراہ ہوتے ہیں۔ یہ سب ابلیس کے ساتھی اور مددگار ہیں اور ورغلانے میں اس کے تابعدار ہیں۔ حضرت جوہری رحمۃ اللہ علیہ سن وفات 247 ہجری نے یہ بھی کہا ہے نافرمان اور سرکش خواہ انسان ہوں یا جنات ہوں یا جانور ہو سب کو شیطان کہا جاتا ہے۔اور عرب سانپ کو اور پاگل اونٹنی کو بھی شیطان کہتے ہیں۔
اگرچہ فن طب سے یہ بات ثابت ہے کہ بدن انسانی میں نفسیات کی بھی ایک تاثیر عظیم ہے اور یہ تاثیر اسباب طبیہ سے بڑھ کر ہے یہی حال جنات کے اثر کا ہے۔پیغمبر اول و آخر اعظم، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان الشیطان یجری من ابن ادم مجری الدم، یعنی کہ شیطان جسم انسان میں خون کے جاری رہنے کی طرح ہے۔

مجری الدم کیا ہے؟ یہ وہ بخارات ہیں جن کو اطباء روح حیوانی کہتے ہیں جو قلب سے پورے بدن میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ (خون کے جاری رہنے) سے بدن کی حیات ہے۔

میں راقم الحروف اس کتاب کا مصنف ''مجری الدم خون کے جاری رہنے'' کو اس طرح سے سمجھا ہوں کہ جس طرح خون جسم میں حرارت، تازگی، رونق، امنگ، صحت و طاقت کا باعث بنتا ہے اسی طرح جب شیطان اس خون کی طرح یا خون کے ساتھ ہمارے جسم و بدن کے ہر حصہ میں گھوم جاتا ہے تو وہ ہماری تمام حسّوں (دیکھنا، سونگھنا، سننا، چکھنا، چھونا) میں شیطانیت کے لئے انتشار پیدا کرتا ہے، ہلچل مچا دیتا ہے، انہیں شیطانیت کی طرف راغب کرتا ہے، انہیں شیطانیت کے لئے ابھارتا ہے۔ وقت، حالات، جگہ، ماحول اور موقع کو شیطانیت کے لئے موزوں بنا دیتا ہے اور یوں انسان کی عقل سلیم کو زائل کر دیتا ہے، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے، برے نتائج سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور یوں اچھا بھلا انسان، آدمی کھلی شیطانیت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹری کے نکتہ نگاہ سے یا ڈاکٹری کے علم کے مطابق دل کے ذریعے خون سارے جسم میں ہر وقت جاری رہتا ہے۔ خون ہی جسم کے ہر حصہ کو خوراک یا انرجی Energy پہنچاتا ہے اور خون ہی فاسد مادوں کو گردوں پھیپھڑوں اور آنتوں میں لاتا ہے جہاں سے وہ خارج ہو جاتے ہیں۔

ابن درید نے کہا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک لفظ ابلیس ابلاس سے ماخوذ ہے جس کے معنی مایوس ہونے کے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا چنانچہ جب کوئی آدمی مایوس ہو جائے تو اس کو کہا جاتا ہے ابلس الرجال۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابلیس کا یہ نام اس وقت ہوا جب اس پر لعنت کی گئی چنانچہ ابن الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

''ابلیس کا نام جب وہ ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا عزازیل تھا اور اس کے چار بازو بھی تھے''

اور ابی مثنیٰ نے کہا ہے کہ ابلیس کا نام فائل تھا۔ جب اس پر اللہ کی ناراضی ہوئی تو اس کا نام شیطان ہو گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اس نے نافرمانی کی تو اس پر لعنت کی گئی اور وہ شیطان ہو گیا۔ اور سفیان سے مروی ہے کہ ابلیس کی کنیت ابو کدوس ہے۔ اور ابو البقاء نے کہا ہے کہ ابلیس عجمی اسم ہے اور غیر منصرف ہے عجمہ اور معرفہ ہونے کی وجہ سے۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ لفظ جن کے اہل کلام اور اہل زبان کے یہاں چند درجے ہیں۔ جب خالص جن کا ذکر کرتے ہیں تو جنی کہتے ہیں اور جب ان کی یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ آبادیوں میں رہتے ہیں تو

ان کو جنات عامر کہتے ہیں اور اس کی جمع عمار آتی ہے۔ اگر وہ جنات بچوں کو عارض ہوتے ہیں تو ان کو ارواح بولتے ہیں اور اگر وہ خبائث پر اتر آتے ہیں تو اس کو شیطان کہتے ہیں۔ اگر وہ شیطانیت میں زیادتی کرتے ہیں تو اس کو مارد کہتے ہیں اور اگر وہ اس میں بھی زیادتی کرتے ہیں اور قوی ہو جاتے ہیں تو ان کو عفریت کہتے ہیں اس کی جمع عفاریت ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال جنات انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک تیسری مخلوق ہے لیکن جنات اور انسان کے درمیان بعض چیزیں مشترک بھی پائی جاتی ہیں جیسے عقل وشعور اور اچھائی و برائی کا اختیار اور جس طرح انسانوں پر دین کی پابندی لازم ہے ایسے ہی جنات پر بھی دین کی پابندی لازم ہے اور ان کا نام جنات اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

جن ایسی لطیف مخلوق ہیں کہ سائنس کی اصطلاح میں ہم ان کو غیر مادی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ سائنس میں مادہ وہ ہے جو جگہ گھیرتا ہے اور وزن رکھتا ہے جب کہ قرآنی خبروں کے مطابق جن خالص آگ سے بنائے گئے ہیں، نہ وہ جگہ گھیرتے ہیں، نہ وزن رکھتے ہیں، صحیح روایات کے مطابق شیطان جن ہماری رگوں میں خون کی طرح دوڑتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں سونڈ ڈال کر وسوسہ ڈالتے ہیں مگر ہم کو محسوس نہیں ہوتا۔

جنات کا جوہرِ تخلیق

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے۔

1- الجان خلقناہ من قبل من نار السموم (سورہ حجرات آیت 27)

اور ہم نے جنات کو پہلے پیدا کیا گرم آگ سے۔

2- خلق الجنان من مارج من نار (سورہ رحمٰن آیت 17)

اور جان کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے شیطان کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا

خلقتی من نار وخلقتہ من طین

مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورۂ اعراف آیت 12)

نیز پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے نور سے اور جنات آگ سے اور انسان مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی جلد 8 صفحہ 123)

جنات کی طاقت وصلاحیت

اللہ تبارک تعالیٰ نے جنات کو عجیب طاقت وقدرت سے نوازا ہے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت

جلد منتقل ہو جاتے ہیں اور منٹوں سیکنڈوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ جنات میں سے ایک عفریت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں ملکہ سبا کے تخت کو آپ کے اپنی جگہ کھڑے ہونے سے پہلے پہلے یہاں لاکر حاضر کردوں گا (قال عفریت من الجن انا اتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین) جنات کی صلاحیت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ شکل وصورت بھی بدل سکتے ہیں۔

جنات کے قبائل

جنوں کی چار قسمیں ہیں:

(1) شیطان' بدروح۔

(2) عفریت ایک طاقتور بدروح۔

(3) مرید' اس سے طاقتور بدروح۔

(4) پریاں' نیک جن عورتیں' قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے: ''ہم جنوں میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ بد''۔

جنوں کی جو قسم شیطان کہلاتی ہے۔ وہ ابلیس کی اولاد ہے۔ یہ اس وقت تک زندہ رہے گی جب زمین پر ایک بھی انسان ہے (کیونکہ ان کو مہلت دی جا چکی ہے)۔ اور روز قیامت ابلیس سمیت سب مر جائیں گے۔ شیاطین کی پانچ قسمیں مشہور ہیں۔

1- قیر: یہ حادثات کا انتظام کرتا ہے۔

2- اعور: یہ بدمعاشی اور عیاشی سکھلاتا ہے۔

3- سوط: یہ جھوٹ بلواتا ہے۔

4- واسم: یہ زن وشوہر میں پھوٹ ڈلواتا ہے۔

5- زلم بور: یہ قحبہ خانوں اور زنا کے اڈوں میں کام کرتا ہے۔

مومن جنات جنت میں اور شیطان جہنم میں جائیں گے

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر جنات' شیطان جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس امر کا قرآن حکیم میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ اعراف کی آیت 18 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُ وْمًا مَّدْحُوْرًا ط لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

ترجمہ: ''ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا' میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔''

(سورہ اعراف آیت 18)

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 63 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○

ترجمہ: ''فرمایا دور ہو' تو جو ان میں تیری پیروی کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے' بھرپور سزا۔''

(سورہ بنی اسرائیل آیت 63)

سورۂ اعراف کی آیت پاک 179 میں قادر مطلق کا ارشاد پاک ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے بہت جن اور آدمی۔'' (سورہ اعراف آیت 179)

سورہ بقرہ کی آیت 81 میں حاکم الحاکمین کا ارشاد ہے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

ترجمہ: ''ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے' اور اس کے گناہ اسے گھیر لیں تو وہ دوزخ والوں میں سے ہے۔'' (سورہ بقرہ آیت 81)

سورۂ ھود کی آیت 119 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

ترجمہ: ''اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔'' (سورۂ ھود آیت 119)

مندرجہ بالا آیات مبارک' ارشادات رب للعالمین سے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ شیاطین و شیاطین جنات سب کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ رہی جنات کی دوسری اقسام کہ جن کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ مومن اور صالح ہوتے ہیں تو ان ہی آیات مبارک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

جب شیاطین اور شیطان جنات و انسان دوزخ میں جائیں گے تو بے شک مومنین جنات کا مومنین انسانوں کی طرح جنت میں ٹھکانہ ہو گا کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کے اصول' احکام' اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت کسی کے لئے بھی تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ بدل نہیں سکتیں۔

سورۂ یونس آیت 64 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ترجمہ: ''اللہ کی باتیں (فرمان' اصول' احکام' نظام) بدل نہیں سکتیں۔'' (سورہ یونس آیت 64)

اور مومنین (انسان وجن) کے لئے جنت کی بشارت دینے والی عظیم کامیابی کی بشارت دینے والی سینکڑوں آیات مبارک موجود ہیں۔

کیا جانور جنات کو دیکھتے ہیں؟

اگرچہ ہم جنات کو نہیں دیکھتے لیکن بعض جانور شیاطین اور جنات کو دیکھتے ہیں' خصوصاً کتا اور گدھا جنات وشیاطین کو دیکھتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے جب تم کتے کی آواز اور گدھے کی چنگھاڑ سنو تو اعوذ باللہ من الشیطان پڑھ کر اللہ کی پناہ مانگو شیطان کے اثرات سے' اس لیے کہ گدھے اور کتے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھتے۔ (عالم الجن والشیاطین' ابوداؤد)

مختلف شکلیں اپنانا

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنات انسان اور مویشیوں کی شکل میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ سانپ اور بچھو کی صورت میں' اونٹ' گائے' بکری' گھوڑا' خچر' گدھے کی صورت میں اور پرندوں کی صورت میں منتقل ہو سکتے ہیں اور انسان کے روپ میں بھی آ سکتے ہیں۔ جیسا کہ شیطان قریش مکہ کے پاس سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا تھا یہ واقعہ غزوۂ بدر کے موقعہ کا ہے۔

افضل کون ہے

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت پاک 70 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ؀

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی' اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا' اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں' اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔'' (سورۂ بنی اسرائیل آیت 70)

اس آیت مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جنات سے افضل ہیں۔ اور جنات کے لئے کوئی فضیلت نہ قرآن حکیم سے ثابت ہے اور نہ ہی احادیث پاک سے۔

یہ بات' یہ نکتہ اس آیت مبارک کے لفظ کثیر کی تھوڑی سی تشریح کر دینے سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

حسن کا قول ہے

کہ اکثر سے کل مراد ہے اور اکثر کا لفظ کل کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

واکثرھم کذبون اور مایتبع اکثرھم الاظنا

ان دونوں میں اکثر بہ معنی کل ہے لہٰذا ملائکہ بھی اس میں داخل ہیں اور خواص بشر یعنی انبیاء کرام علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور اسی طرح صالحہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت' بندگی' عبادت' وفرمانبرداری کے لیے ہی ہیں۔ یہی ان کی سرشت ہے ان میں عقل ہے لیکن شہوت نہیں اور بہائم (حیوانات' چرند' پرند' کیڑے مکوڑے وغیرہ) میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت وعقل دونوں کا جامع ہے۔ یعنی آدمی میں شہوت بھی ہے اور عقل بھی۔

تو جس نے عقل کو شہوت (خواہشات ترغیبات) پر غالب کیا وہ انسان ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم (جانوروں' حیوانات چرند پرند وغیرہ) سے بدتر ہے۔

اور خالق و مالک کائنات' اللہ تبارک تعالیٰ کا سورۂ تین کی آیت 4 میں ارشاد پاک ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

ترجمہ: ''بے شک ہم نے آدمی کو بہترین صورت' ساخت پر بنایا' پیدا فرمایا۔'' (سورہ تین آیت 4)

میں انہیں آیات مبارک کے بارے میں سورۂ مائدہ کی آیت 3 کے ساتھ پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یہ آیات مبارک ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کے دین اور ذی شعور مخلوق کی بناوٹ' شکل وصورت اس سے پہلے ارتقائی یا ترقی پذیر منازل ومراحل سے گزر رہی تھیں۔

اور ان آیات کے نزول پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے دین کی بھی تکمیل فرمادی ہے اور اپنی نئی مخلوق' بنی نوع انسان' کو بھی بہترین بناوٹ شکل وصورت اور جسم کے مختلف اعضا اور نظاموں کو بہترین کارکردگی والے بنایا

یہ آیت مبارک بھی ظاہر کرتی ہے کہ انسان جنات سے افضل ہیں۔

لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ مومن صالح انسان مومن صالح جن سے افضل ہے لیکن مومن صالح جن فاسق انسان سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں تقویٰ پر فضیلت ہے۔

اور یہ کہ پیغمبر اول و آخر واعظم' اصل الموجودات' حاصل کائنات' تاجدار دوجہاں' ہادی انس و جان نبی آخر الزماں ﷺ کو بشر کامل' انسان کامل بنا کر انسانوں میں مبعوث فرمایا۔ اب افضل الکائنات ﷺ سے جس کو بھی جتنی قریبی نسبت ہوگی اسی لحاظ سے وہ افضل ہوگا۔

ہم جنات کو کیوں نہیں دیکھ سکتے

قاضی عبدالجبار ہمدانی نے کہا ہے کہ ہم جنات کے اجسام کو اپنی ضعف بصارت (نظر کی کمزوری یا خامی) کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر ہماری بصارت قوی اور ان کے جسم کثیف ہوتے تو ہم

ان کو ضرور دیکھ سکتے تھے ان کے جسم کے رقیق ہونے پر یہ دلیل ہے۔

انه یرا کم هو وقبیله من حیث لاترونهم

وہ اور اس کی قوم تم کو دیکھتی ہے اس جگہ سے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

اور ہمارے بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے عدم رویت کے لئے ایک مانع رقت بھی ہے بشرطیکہ ضعف بصر بھی ہو جیسا کہ بعد (دوری) اور لطافت مانع رویت ہیں۔ اس لیے اگر اللہ تبارک تعالیٰ ہماری بصیرت کو خاص قوت دیتے تو ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں اور ایسے ہی اگر ان کے اجسام کو کثافت حاصل ہو جائے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ (خاص حاصل کردہ بصری قوت کے حامل لوگ) فرشتوں کو اور انبیاء علیہ السلام کو دیکھ لیتے ہیں وہ جنات کو بھی دیکھ لیتے ہیں جب کہ عام دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

دیکھنے کا تعلق صرف بصارت سے نہیں بصیرت سے بھی ہے جن لوگوں کو انجلائے قلب حاصل ہوتا ہے۔ (جن کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے) ان پر عالم مثال اور عالم ارواح اور برزخ کی بہت سی چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ وہ ان ہی سر والی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو دوسرے نہیں دیکھتے۔ خواب کی حالت میں بھی بہت سے اجسام دکھائی دیتے ہیں، اور مرنے سے قبل بھی بہت سے اجسام دکھائی دیتے ہیں۔ لطافت بصر کے ساتھ لطافت قلب روح بھی ضروری ہے پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور ﷺ اور دیگر حضرات اولیاء کبار فرشتوں کو دیکھتے تھے جب کہ دوسرے نہیں دیکھتے تھے۔

ترمذی نے اور نسائی نے الليوم والليلة میں حضرت ابو سعید خدری سے ایک روایت نقل کی ہے۔

ان بالمدينة نفرا من الجن قد اسلموا فاذا رائيتم من هذه الهوام شيئا فاننوه ثلاثه فان بدلكم فاقتلوه۔

مدینہ میں کچھ جنات رہتے ہیں پس جب تم ان موذی جانوروں (سانپ بچھو) میں سے کسی کو دیکھو تو ان کو تین مرتبہ بتلا دو پھر بھی اگر وہ ظاہر ہوں تو ان کو قتل کر دو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جنات کو اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ انسان اور حیوانات کی شکل میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ کا محافظ مقرر فرمایا، رات کے وقت ایک شخص آیا اور زکوٰۃ کے کھانے میں سے کھانا لے جانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں حضور پُرنور ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس شخص نے کہا کہ میں محتاج ہوں بال بچے دار ہوں اور بہت ضرورت مند ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو حضورِ انور ﷺ نے کہا کہ

اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمہارے رات والے قیدی نے کیا کیا؟ تو میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے محتاجی اور بچوں کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آ گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے تم سے جھوٹ کہا' وہ پھر لوٹے گا اسی طرح وہ تین رات تک برابر آتا رہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس پر رحم کھا کر چھوڑتے رہے۔

جب وہ شخص تیسری مرتبہ آیا تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا کہ میں تمہیں حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا کیونکہ تم بار بار آ جاتے ہو' تو اس شخص نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تبارک تعالیٰ تم کو ان کلمات سے نفع دے گا تو میں نے کہا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو' پس اللہ کی طرف سے تمہارے اوپر محافظ مقرر ہو گا اور شیطان بھی تمہارے قریب صبح تک نہیں آئے گا۔

میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے رات والے قیدی نے کیا کیا؟ تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت الکرسی والی بات بتلائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جھوٹے نے سچ کہا۔ تم نے اس کو پہچانا بھی وہ کون تھا۔ تو میں نے کہا نہیں تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ انسان کی شکل میں شیطان تھا۔ (صحیح البخاری مع فتح الباری جلد 4 صفحہ 487)

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جنات انسان کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس کھلیان میں کھجوریں جمع تھیں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو کھجوریں کم ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ انہوں نے ایک جوان لڑکے کو چوپایہ کے ساتھ دیکھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ جن ہو یا انسان؟ اس شخص نے کہا جن ہوں اور میں نے سنا ہے کہ تم صدقہ کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہو تو ہم نے بھی چاہا کہ ہم بھی تمہاری کھجوروں میں سے حصہ لے لیں۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تم سے کیا چیز نجات دلا سکتی ہے؟ تو اس نے کہا آیت الکرسی۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خبیث نے سچ کہا۔ (فتح الباری جلد 4 صفحہ 489)

انسان' جنات اور شیاطین کی مختلف صلاحیتیں

جن مومن بھی ہیں اور کافر بھی' شیطان بھی جنوں میں سے ہے' عام جن تو عام انسانوں کی طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں البتہ انسانوں اور جنوں میں خلقت (پیدائش' بناوٹ) کے اختلاف کے لحاظ سے بڑا فرق ہے اور جب کہ عام جن اور شیطان کی خلقت میں یکسانیت ہے لہٰذا دونوں میں یکساں قدرت و طاقت ہے۔ لیکن چونکہ شیطان کا ایک خاص مشن ہے اس لیے اللہ کی دی ہوئی اس طاقت کے استعمال میں شیطان اور عام جنوں میں بڑا فرق ہے۔ جنوں کے کاموں کی تفصیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنوں کے حوالے سے

قرآن کریم میں مذکور ہے۔ شیطان چونکہ ہمارا دشمن ہے اور مصلحتہً وہ ہمارے پیچھے بھی لگایا گیا ہے لہٰذا اس کے کیدوں (داؤ' پھندہ) سے بچانے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شیطان کے کاموں کی تفصیلات زیادہ بتائی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو قدرتیں اور طاقتیں شیطان کے لئے ثابت ہیں وہ سب جنوں کے لئے بھی ثابت ہیں بس مومن جن ان طاقتوں کو ناجائز میں نہیں استعمال کرسکتا۔

اصل موضوع کی طرف

جنات کے بارے میں اتنی ساری متعلقہ اور ضروری معلومات لکھ دینے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور اس موضوع کو بہتر انداز میں سمجھانے کی خاطر میں اس کا بیان شروع کے اِکا دُکا جنات کے دین اسلام قبول کرنے کے واقعات کے بجائے وہاں سے شروع کررہا ہوں کہ جب جنات کے ایک گروہ نے قرآن حکیم سنا' اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام وفرمان سنا اور ایمان لے آئے اور وہیں سے دین متین کے مبلغ بن کر' تبلیغ دین کا مشن لے کر' اپنے گھروں' قبیلوں' کو لوٹے اور بنی نوع جان میں دین اسلام کو پھیلایا۔ جنات کا ایسا پہلا گروہ پیغمبر اول وآخر واعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم' ہادی انس وجاں' سرکارِ دو عالم' تاجدارِ کائنات' رحمت للعالمین ﷺ کی خدمت اقدس میں اتفاقیہ اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ طائف سے واپسی پر مقام نخلہ پر تشریف فرما تھے اس لیے اس کا ذکر بھی طائف سے شروع کررہا ہوں۔ تاکہ حالات و واقعات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

طائف کی سرزمین ہدایت ورحمت کے نور سے خالی بالکل بنجر اور ویران پڑی تھی۔ مسیحائے وقت ﷺ کی نگاہ انتخاب اس سرزمین کی طرف اٹھی' نور ونگہت اور خیر وبرکت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب خود اس کی طرف بڑھا۔ مگر اہل طائف بڑے ہی نادان' تاریک باطن اور بدقسمت نکلے وہ مسلسل گمراہی میں رہ کر اندھیروں کے عادی ہو چکے تھے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ اجالا اور نور ہدایت اور رحمت کسے کہتے ہیں۔ اس لیے اہل طائف اجالوں کے سیلاب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بدک گئے اور الٹا اس کے آگے بند باندھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے جس بھونڈے طریقے سے انوار ہدایت کو آگے بڑھنے سے روکا۔ جس بھیانک انداز سے مسیحائے ذی شان ﷺ کا استقبال کیا اور جس بے دردی اور سنگدلی سے اسے طائف سے واپس کیا۔ اس سے قلب اطہر کو افسردہ کردیا۔

آپ ﷺ رنجیدہ دل لے کر وہاں سے مکہ کے لئے نکلے۔ ان کے بے ڈھب سلوک اور نازیبا حرکات سے طبیعت مبارک اتنی ملول ہوئی کہ آپ ﷺ چلتے ہی رہے کسی طرف دھیان ہی نہ دیا یہاں تک کہ اسی عالم میں آپ ''وادی نخلہ'' میں پہنچ گئے۔ یہ ایک سرسبز وشاداب اور دلکش وادی تھی جہاں قدرتی حسن ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر طبیعت مبارک کچھ سنبھلی' قدرت کو منظور ہوا کہ طبع مبارک پر جو غم کے بادل چھائے

ہوئے ہیں وہ چھٹ جائیں حزن و ملال کے اثرات زائل ہوں اور دل مبارک لازوال خوشیوں سے لبریز ہو جائے۔

پیغمبر اول و آخر واعظم' حضورِ انور نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ کو ایسی خوشیاں ایک ہی چیز عطا کر سکتی تھی اور وہ تھی ''مخلوق خدا کی ہدایت کی طرف رغبت' ان کا دین حق کی طرف میلان اور اسلام قبول کرنے کی طرف جھکاؤ۔

قدرت نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے اور ایک ایسی مخلوق کو ادھر بھیج دیا جو نظر نہیں آتی تھی۔ یہ جنات کی ایک جماعت تھی جو ادھر سے گزر رہی تھی۔ حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ کو دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اس وقت پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور ﷺ نماز فجر میں تلاوت قرآن پاک فرما رہے تھے۔ وہ کلام کی شیرینی میں کھو گئے۔ انہوں نے ایسا دلکش پر تاثر کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ کلام پاک کے وجد و سرور نے سب کو بے خود بنا دیا۔ انہماک سے سننے اور سمجھنے کے لئے انہوں نے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا:

اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۂ احقاف کی آیت 29 میں اس کا ذکر یوں فرمایا ہے

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○

ترجمہ: ''اے ہمارے رسول! یاد کیجئے وہ وقت جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سن سکیں جب وہ وہاں پہنچے تو بولے: خاموش رہو اور غور سے سنو!

(سورۂ احقاف آیت 29)

طائف کے سیاہ بخت انسانوں نے اسے سننے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جب ایک نادیدہ مخلوق نے اسے سن کر دل و جان سے قبول کرنے کے لئے شوق کا اظہار کیا تو سرورِ کائنات ﷺ کی خوشی کی انتہا نہ رہی' غم زائل کرنے کا حسب حال یہ ایک ہی طریقہ تھا۔ شان رحمت نے یہی طریقہ اختیار فرمایا اور قیامت تک آنے والے اہل محبت کے لئے یہ راز کھول دیا کہ پیغمبر اول و آخر واعظم محبوب رب العالمین حضور پُرنور ﷺ کو راضی کرنا سنت الٰہی ہے جو شخص کسی بھی ذریعے اور طریقے سے آپ کو راضی کرے گا وہ سنت خداوندی پر عمل کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

ان ھؤلاء الجن کانوا سبعة من جن نصیبین' فجعلهم رسول الله صلی الله علیه وسلم رسلا الی قومهم وقیل کانوا تسعة

علاقہ نصیبین کے یہ سات یا نو جن تھے جنہیں حضور انور نبی کریم ﷺ نے نمائندگی عطا کی اور حکم

دیا کہ وہ اپنی اپنی قوم میں جا کر تبلیغ اسلام کریں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 10 صفحہ 187)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر ان جنات کے اسماء گرامی بھی ذکر کیے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرات سامر، مامر، منسی، ماسی، احقب، زوبعہ، سرق اور عمرو بن جابر۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنات بہترین مبلغ ثابت ہوئے انہوں نے اپنی قوم میں جا کر دین اسلام، مصطفوی انقلاب کی دھوم مچادی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک زور پکڑ گئی اور جب یہ لوگ دوبارہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو تین سو کے قریب تھے اور اس کے بعد تو ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔ ان کے اسلوب تبلیغ کو قرآن پاک نے سورہ احقاف کی آیات 30 تا 32 میں اس طرح بیان فرمایا۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ: جنات نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اور حق وصداقت اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور عذاب الیم سے بچائے گا۔ لیکن جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اس قماش کے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (سورہ احقاف 30 تا 32)

جنات کو دین اسلام اور تحریک دین اسلام کے لئے تبلیغ کی جو ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے اسے صرف اپنی قوم اور علاقے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے انسانی معاشرے تک وسیع کر دیا۔ انسانی مبلغین جو فریضہ انجام نہیں دے سکتے تھے وہ انہوں نے اپنے ذمے لے لیا اور بطریقہ احسن انجام دیا۔ دین اسلام، تحریک دین اسلام کے لئے یہ ان کا وہ اقدام تھا جسے بارگاہ نبوی میں بھی پذیرائی نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طرز عمل اور طریق کار کو خوب سراہا اور پسند کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان کے کارناموں سے آگاہ فرمایا۔

اہل مکہ ظلم وتشدد کے سہارے تحریک دین اسلام کو دبانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ان کی یہی کوشش تھی کہ ان کے عقائد واقتدار کو چیلنج کرنے والی یہ قوت دب جائے اور کوئی اس کا نام لینے والا باقی نہ رہے اور جو لوگ اس کے زیر اثر آ گئے ہیں وہ تائب ہو جائیں اور از سر نو ان کے جاہلی معاشرے کا حصہ بن

جائیں۔ ان کے فاسد نظریات اور ضلالت و گمراہی کو تحفظ دینے کے لئے سرکش شیطانی قوتیں بھی میدان عمل میں آ گئیں۔ انہوں نے بھی ان کی علانیہ امداد شروع کر دی اور کچھ ایسے طریقے اپنائے جو اہل کفر و شرک کو گمراہی پر ثابت قدم رکھنے کے لئے بڑے موثر تھے اور انہیں گمراہی میں رکھنے کے لئے نیا عزم و حوصلہ بخش سکتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف اپنی مکروہ اور غیر انسانی کارروائیاں تیز کرنے پر ابھار سکتے تھے۔

اس ضمن میں کافر جنات اور شیطانوں نے بتوں میں گھس کر جگہ جگہ یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اے لوگو تم اپنے آباؤ اجداد کے درست راستے پر ہو۔ نئے دین نے بہت سے لوگوں کو پٹڑی سے اتار دیا ہے۔ تم ان کے خلاف ڈٹ جاؤ۔ جس طرح ہو سکے طاقت استعمال کر کے انہیں پیس ڈالو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو تم جیسا بے حمیت کوئی نہیں ہوگا۔ کمر ہمت باندھو اور نئے عزم کے ساتھ میدان میں آؤ اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دو۔

بعض جنات نے ذبح شدہ جانوروں کے اندر سے بولنا شروع کر دیا۔ کچھ سرکش جنات پہاڑوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے اسی قسم کا ہیجان انگیز اعلان کیا جسے انسانوں نے سنا۔ جب پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے تو کافروں کے اندر ایک جوش پیدا ہو گیا۔ غیب سے آنے والی آوازوں میں طعنے سن کر ان کی رگ حمیت و عصبیت پھڑک اٹھی اور انہوں نے ان غیبی آوازوں' امداد و رہنمائی سے یہ بھی سمجھا کہ وہ حق پر ہیں۔ وہ ان کو اپنی سمجھ میں اچھائی کی آوازیں سمجھتے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شیطانی آوازیں ہیں کیونکہ انہیں رحمٰن و شیطان اچھے برے کی تمیز نہ رہ گئی تھی۔ وہ تو پہلے ہی ظالم و جابر تھے ان غیبی آوازوں نے ان کے غیض و غضب کو اور ابھارا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف بھرپور اور سخت اقدام کا فیصلہ کر لیا۔

بتوں اور ذبح شدہ جانوروں کے اندر سے آنے والی غیبی آوازوں سے پیدا شدہ صورت حال کا اسی انداز سے مقابلہ کرنا انسانوں کے بس کا کام نہ تھا یہ ایک ایسی مخلوق ہی انجام دے سکتی تھی جو انہی کی طرح کی ہو بلکہ قوت و طاقت میں ان پر فائق ہو۔ تحریک اسلام کے اس نازک موڑ پر یہ فریضہ مسلمان جنات نے انجام دیا۔ انہوں نے کافر جنات اور شیاطین کا ہر مقام پر پیچھا کیا اور ہر محاذ پر بھرپور مقابلہ کیا اور ہر جگہ انہیں شکست فاش دی اور مسلمانوں کو ایسا تحفظ فراہم کیا جو انہی کا خاصہ و حصہ تھا۔ اس سلسلے کی چند دلچسپ اور حیرت انگیز مثالیں کچھ دیر بعد آپ اسی باب میں پڑھ سکیں گے۔

مسلمان جنات کے کارنامے تحریک دین اسلام کے مطابق' وقت' حالات و ضروریات کے مطابق مختلف نوعیت کے تھے۔ ان کا دین اسلام' بانی دین اسلام' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیک دل لوگوں سے لگاؤ' وابستگی اور پیار و محبت بھی انسان مسلمانوں کی طرح بہت شدید تھا اور اچھے انسانوں کی طرح نیک اچھے جنات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم' نبی آخر الزماں کی آمد اور بعثت کے شدت سے منتظر تھے۔ اس لیے انہوں نے شروع سے ہی مختلف اوقات

میں مختلف طریقوں سے دین اسلام کی خدمت کی۔

مثال کے طور پر مسلمان جنات کا

1- ولادت مبارک پر خوشی و شادمانی کا اظہار کرنا۔

2- بعثت نبوی کی مدینہ منورہ میں خبر کرنا۔

3- نیک دل انسانوں کو دین اسلام اختیار کرنے کا پیغام دینا۔

4- شیطان جنات کو تخریب کاری سے روکنا

5- ان کا پیچھا کرنا اور

6- ان کا ہر میدان میں مقابلہ کرنا۔

7- ان سے لڑائی کرنا اور انہیں مارنا۔

8- صحرا میں بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو راہ دکھانا۔

9- صحرا میں پیاسے مسلمانوں کو پانی کی راہ بتانا۔

10- مجبور و تنہا مسلمانوں کی حفاظت کرنا۔

11- جو شیطان کی پناہ مانگتے تھے انہیں اللہ کی پناہ کا بتانا

12- آپ ﷺ کو اپنے حالات و پیش رفت سے آگاہ رکھنا

13- جنات اور انسانوں میں مسلسل تبلیغ دین کرنا۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا جو خدمات مسلمان جن حضرات نے انجام دی ہیں ان کا فرداً فرداً ذکر کرنا تو ممکن نہیں ہے کہ اس طرح سے تو کتاب کی ضخامت بے قابو ہو جائے گی۔ ہاں اس موضوع سے متعلق زیادہ سے زیادہ واقعات روایات واحادیث مبارک پیش خدمت کیے جائیں گے۔

دراصل یہ سب واقعات وجود جنات کا ہر کسی کے لئے بہت واضح ثبوت ہیں اور یہ خاص طور پر ان کے لئے لکھے گئے ہیں جن کا ایمان کمزور ہے یا جنہیں جنات کے وجود کا بالکل یقین نہیں۔

الحمدللہ! ہم مسلمانوں کا تو ہر اس غیب پر یقین واثق ہے جس کا قرآن حکیم اور پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم تاجدار کائنات، ہادی انس وجاں، رحمت للعالمین ﷺ نے ذکر پاک فرمایا ہے۔

ولادت نبی پر جبل ابوقبیس پر جنات کی ندا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضورِ انور نبی کریم ﷺ کی ولادت شریف ہوئی تو جبل ابوقبیس اور حجون کے پہاڑ پر چڑھ کر جن نے نداء کی:

فاقسم لاانثی من الناس انجبت   ولا ولدت انثی من الناس واحدۃ

کما ولدت زھریة ذات مخفر	مجنبة لومر القبائل ماجدة
فقد ولدت خیر القبائل احمد	فاکرم بمولود واکرم بوالدة

1- میں قسم اٹھاتا ہوں انسانوں میں سے کوئی عورت مرتبہ والی نہیں ہوئی اور نہ انسانوں میں سے کسی عورت نے کوئی (ایسا) بچہ جنا۔

2- جس طرح کا ذات فخر بچہ آمنۃ الزہرا نے جنا ہے' یہ قبائل کی ملامت سے دور رہنے والی ہے' شان والی ہے:

3- اس نے تمام قبائل میں سے بہترین بیٹا ''احمد'' جنا ہے' کیا ہی شان والا بیٹا ہے اور کیا ہی شان والی ماں ہے۔

اور جو جن جبل ابوقبیس پر تھا اس نے یہ اشعار کہے:

یاساکنی البطحاء لاتغلطوا	ومیز والأمر بعقل مضی
ان بنی زھر ة من سرکم	فی غابر الدّھر وعندی البدی
واحدة منکم فھاتوالنا	فیمن مضی فی الناس او من بقی
واحدة من غیرکم مثلھا	جنینھا مثل النبی التقی

1- اے بطحا کے رہنے والو! غلطی میں نہ پڑو معاملہ کو روشن عقل کے ساتھ واضح کرو۔

2- بنو زہرہ تمہاری نسل میں سے ہیں قدیم زمانہ میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی۔

3- جو لوگ گزر چکے یا موجود ہیں ان میں سے ایک بھی خاتون ایسی ہو تو وہ ہمارے سامنے لاؤ۔

4- ایسی کسی غیر سے ہی لادو جس نے حضور پُرنور جیسا پاکباز نبی جنا ہوا۔

(ابن ابی الدنیا فی الھواتف صفحہ 65)

بعثت نبوی کی فوری خبر یثرب میں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور پُرنور نبی کریم' رؤف و رحیم ﷺ کے متعلق مدینہ منورہ میں سب سے پہلی جو خبر پہنچی تھی وہ اس طرح سے تھی کہ مدینہ میں ایک عورت جس کا نام خطیمہ تھا رہتی تھی جس کا ایک جن عاشق تھا اور وہ جن اس کے تابع تھا وہ ایک پرندہ کی شکل میں آیا اور ان کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گیا تو عورت نے اس سے کہا اتر آؤ ہم تمہیں کچھ سنائیں اور کچھ تم ہمیں سناؤ۔ اس نے کہا اب ایسا نہیں ہوسکتا' کیونکہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس نے ہم پر اس طرح کی دوستی کو منع کیا ہے اور ہم پر زنا کو بھی حرام کر دیا ہے۔ یہ روایت علی ابن حسین سے بھی مروی ہے۔

(معجم اوسط طبرانی' بیہقی دلائل النبوۃ ابونعیم (منہ) دلائل النبوۃ بیہقی سبب اسلام خفاف بن نحلہ جلد 2 صفحہ 261)

حضرت عثمان وحضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔

قدمت حديثا من الشام، فلما كنا بين معان والزرقاء فنحن كائنيام، اذ منا دينا د بها ايها النيام هبوا فان احمد قد خرج بمكة

ہم ملک شام سے ابھی ابھی آئے ہیں۔ جب ہم وہاں معان اور زرقاء کے درمیان قیام پذیر تھے اور نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ اچانک ایک آواز سنی جیسے کوئی ندا دینے والا کہہ رہا ہو۔ اے سونے والو جاگو! کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو گئے ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ 205)

اسی مقام پر سفیان حذلی کو یہی ندا سنائی دی اور ایک شہوار بھی دکھائی دیا جو زمین و آسمان کے درمیان معلق تھا اس کے الفاظ یہ تھے۔

ايها النيام هبوا، فليس هذا بحين رقاد قد خرج احمد، وطرت الجن كل مطرد

اے سونے والو جاگو! یہ سونے کا وقت نہیں ہے حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو گئے ہیں اور سرکش جنات وشیاطین بھگا دیے گئے ہیں۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ، صفحہ 151)

الفاظ وتراکیب اور مفاہیم کی یکسانیت بتاتی ہیں کہ مومن جنات سرگرمی کے ساتھ میدان عمل میں تھے اور جو بھی ادھر سے گزرتا اس کے کانوں تک یہ پیغام پہنچا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جس طرح بھی ان سے بن پڑا انہوں نے دین اسلام کا پیغام عام کیا اور جو کام مسلمان انسان نہیں کر سکتے تھے وہ کام انہوں نے کیا اور روز اول ہی سے تحریک دین اسلام کو پھیلانے کے لئے کوشاں رہے اور اسے سعادت سمجھ کر انجام دیتے رہے۔

شیطان ''مسعر''

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم حضورِ انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک مکہ کے ایک پہاڑ سے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف شعروں کی زبان میں خوب ابھارا۔ صبح کو یہ بات مشہور ہوگئی اور رات کو سننے جانے والے جوشیلے اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے اور کفار نے غضب میں آ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔

پیغمبر اول و آخر واعظم، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: اس شیطان کا نام ''مسعر'' ہے جو بتوں میں گھس کر

لوگوں سے باتیں کرتا ہے۔ قانون خداوندی یہ ہے کہ جب بھی کوئی شیطان نبی کے خلاف کسی کو بھڑکاتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ اسے ہلاک کردیتا ہے۔ پھر چند روز بعد حضورِانور نبی کریم' رؤف ورحیم نے فرمایا: اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا ہے ایک عفریت جن نے اسے مار ڈالا ہے جس کا نام ''سمحج'' تھا اور ہم نے اس کا نام ''عبداللہ'' رکھا ہے۔

جب رات ہوئی تو ہم نے وہاں ایک ''ہاتف غیبی' کی آواز سنی کوئی شعر کی زبان میں کہہ رہا تھا۔

نحن قتلنا مسعرا لما طغی واستکبرا

و سفه الحق وسن المنكرا بشمه نبينا المطهرا

جب مسعر نے سرکشی اور تکبر کی راہ اختیار کی حق وصداقت کا مذاق اڑایا اور گمراہی اور برائی کا جھنڈا گاڑا اور ہمارے پاک نبی ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو ہم نے اسے ہلاک کر دیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین' امام نبھانی: 191)

قبیلہ خثعم کا ایک شخص راوی ہے

نادان بت پرست آپس میں دنگا فساد کرتے اور جنگل کے وحشی جانوروں کی طرح لڑتے جھگڑتے رہتے تھے پھر صلح صفائی اور فیصلہ کرانے کے لئے بتوں کے چرنوں میں چلے جاتے اوران سے فریاد کرتے۔ کچھ اسی قسم کا معاملہ تھا ہم اپنا مقدمہ لے کر بت کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک غیبی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔

يا ايها الناس ذوا الجسام و مسند الحكم الى الاصنام

ما انتم وطائش الاحلام هذا نبى سيد الانام

اعدل فى الحكم من الحكام يصدع بالنور و بالاسلام

وينزع الناس عن الانام مستعلن فى البلد الحرام

اے عقل وشعور سے بے بہرہ صرف انسانی وجود رکھنے والے اور بتوں کے پاس اپنے فیصلے لے کر آنے والے لوگو! تم کتنے کم عقل اور ناداں ہو! ان بے جان پتھروں کے پاس آتے ہو حالانکہ ساری کائنات اور تمام مخلوقات سے افضل و برتر نبی تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں۔ جو تمام حکمرانوں سے بہتر اور عدل وانصاف پر مبنی فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ ایمان ونور کے مبلغ وقاسم ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے روکتے ہیں اور مکہ میں ان کی علانیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

اس آواز نے ہمیں حیران و پریشان اور کسی حد تک خوفزدہ کر دیا۔ ہم اس وقت تک اصلیت وحقیقت سے بالکل بے خبر تھے۔ اس آواز سے طبیعت میں تجسس پیدا ہوا کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر واقعہ کی اصل نوعیت معلوم

کریں تاکہ پتہ چلے اس ہاتف غیبی کے اعلان میں کہاں تک صداقت ہے جب وہاں پہنچے تو ساری حقیقت منکشف ہوگئی اور پھر بعد میں ہم مسلمان بھی ہو گئے جنات کی رہنمائی اور خیر خواہی نے ہمیں ہدایت عطا کر دی۔

جعد بن قیس

جعد بن قیس عرب کے معمر اور نامور شاعر تھے وہ اپنا اسی نوعیت کا ایک حیرت انگیز تجربہ بیان کرتے ہیں جس نے ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا اور رشد و ہدایت کی طرف ان کا دھیان لگا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بالآخر دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی صحابیت اور آپ کی غلامی کا شرف حاصل کرلیا۔

فرماتے ہیں۔ ہم چار دوست تھے حج کے ارادے سے گھر سے نکلے جب وادی یمن میں پہنچے تو رات کو وہاں قیام کیا اپنی سواریاں باندھ دیں اور سو گئے' جب ہر شے پر خاموشی طاری ہوگئی تو اچانک ہم نے بڑی صاف آواز سنی جو وادی کے ایک کونے سے آرہی تھی کوئی ہاتف غیبی ہمیں مخاطب کر رہا تھا۔

الا ایها الرکب المعرس بلغوا اذا ما وقفتم بالحطیم وزمزما محمدا المبعوث منا تحیة تشیعة من حیث سار وبما وقلوا له انا لدینك شیعة بذالك اوصانا المسیح بن مربما

اے رات کو قیام کرنے والے قافلے کے لوگو! جب تم حطیم شریف اور زمزم کے پاس پہنچو تو حضور محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہمارا سلام پہنچا دینا جو مبعوث ہو چکے ہیں۔ جس جگہ بھی سرکار تشریف فرما ہوں یہ سلام نیاز وہاں پہنچنا چاہیے اور یہ بھی عرض کرنا کہ ہم آپ کے دین کے مددگار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں اسی بات کی وصیت کی ہوئی ہے۔

اسلوب کلام سے پتہ چلتا ہے یہ دوسرے جنات تھے اور وادی نصیبین کے جنات جنہوں نے وادی نخلہ میں سرکار کی بیعت کی وہ اور تھے کیونکہ قرآن پاک میں ہے انہوں نے اپنے علاقے میں جا کر یہ کہا تھا۔

یقومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ

اے قوم! ہم نے ایک ایسی کتاب کی تلاوت سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (سورہ احقاف آیت 30)

گویا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے جو مسلمان ہو گئے اور یہ جنات جو وادی یمن میں ان لوگوں سے ہمکلام ہوئے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اسی لیے انہوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا اور بتایا وہ ان کی وصیت پر عمل کر رہے ہیں۔

شواہد و واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیسائی جنات جو مسلمان ہوکر تحریک دین اسلام میں شامل ہو گئے تھے یہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور ﷺ کی بعثت کے وقت ہی سے انقلاب کا ہراول دستہ بن گئے تھے۔ اور انہوں نے ذبیحہ جانوروں اور بتوں کے اندر بولنے والے کافر جنات کو ہلاک کر کے توحید و رسالت کی دعوت کا راستہ ہموار کرنا شروع کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جنگلوں اور بیابانوں میں قیام پذیر لوگوں تک بھی یہ پیغام حق پہنچاتے تھے چنانچہ ان کی دعوت اور کوشش سے بہت سے لوگ راہ راست پر آئے اور انہوں نے دین حق قبول کیا۔

بوانہ میں

''بوانہ'' ایک جگہ کا نام ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں ایک روز ہم نے اونٹنی ذبح کی تو اچانک اس کے پیٹ سے آواز گونجی۔

اسمعوا العجب' ذهب استراق الوحي ورمي بالشهب' لنبي بمكة اسمه احمد' مهاجره الى يثرب

عجیب بات سنو! فرشتوں کی باتیں سننے اور چوری کرنے کے لئے پہلے جنات آسمان کے قریب چلے جاتے تھے اب یہ راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس پر شہاب ثاقب کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ یہ سب کچھ اس نبی کی آمد پر کیا گیا ہے جس کا اسم گرامی ''احمد'' ہے اور ان کی ہجرت گاہ کا موجودہ نام یثرب ہے۔

(الوفا باحوال المصطفیٰ صفحہ 157)

خویلد ضمری

یہی باتیں خویلد ضمری نے ایک بلت کے اندر سے سنیں اور اسی سے ملتا جلتا پیغام عمرو ھذلی کو ایک ذبیحہ کے اندر بولنے والی آواز سے ملا اس کے الفاظ یہ تھے۔

العجب كل العجب خرج نبي من بني عبدالمطلب يحرم الزنا' و يحرم الذبح لاصنام' وحرمت السماء.

بڑی ہی حیران کن خبر ہے عبدالمطلب کی اولاد سے ایک نبی تشریف لائے ہیں جو بتاتے ہیں کہ بدکاری حرام ہے بتوں کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے۔ ان کی آمد پر آسمانوں کو جنات و شیاطین سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اس خبر نے ہمارے اندر جذبہ تجسس پیدا کر دیا حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے فوراً مکہ مکرمہ پہنچے مگر کسی نے ہمیں حضور ﷺ کی قیام گاہ سے آگاہ نہ کیا آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ہم نے کہا:

خرج بمكة احد يدعوا الى الله تعالٰى يقال له احمد؟ قال وماذاك ؟ فاخبرته الخبر' قال نعم' محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب' وهو رسول الله

اے ابوبکر! مکہ میں کوئی صاحب ظاہر ہوئے ہیں جو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کا نام احمد ہے؟ ابوبکر بولے: بات کیا ہے؟ ہم نے ساری روداد سنادی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا: ہاں وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 108)

جنات کے اور واقعات

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے ہمنشین حضرات میں سے موجود افراد کو فرمایا جنات کے متعلق کچھ ذکر کرو۔

تو ایک آدمی نے کہا اے امیر المومنین میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ملک شام کے لیے نکلا ہم نے سینگ ٹوٹی ہرنی پکڑی۔ اس وقت ہم چار شخص تھے۔ ہمارے پیچھے سے ایک شخص آیا اور کہا اس کو چھوڑ دو۔ میں نے کہا مجھے اپنی زندگی کی قسم میں اس کو بالکل نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا تم نے ہمیں اس راستہ پر دیکھا ہے اللہ کی قسم ہم دس ہزار افراد سے بھی زائد ہیں اور ہم (جنات) انسانوں کو اغوا بھی کر لیتے ہیں۔ یا امیر المومنین! اس نے یہ کہہ کہ مجھے پاگل کر دیا حتیٰ کہ ہم دیر عنین میں جا پہنچے اور پھر وہاں سے بھی روانہ ہو گئے۔ وہ شخص بھی ہمارے ساتھ تھا کہ اچانک ایک ہاتف نے منادی کی

یا ایها لارکب السمراع الاربعة	خلوا سبیل النافر المروعة
مهلا عن الغضباء ففی الارض سعة	ولا اقول ماقال کذوب امعة

اے چار افراد کی تیز رو جماعت اس بھاگنے والی خوفزدہ ہرنی کو چھوڑ دو۔
اس سینگ ٹوٹی ہرنی کو چھوڑ دو' جنگل سے اور ہرنی مل سکتی ہے' میں جھوٹے فسادی کی طرح جھوٹ نہیں بولتا۔

تو اے امیر المومنین! میں نے اس کی رسی کو اپنی سواری سے کھول دیا تو ہمارے راستے میں ہمارے پاس ایک بہت بڑا قبیلہ آیا اور ہمارے سامنے کھانا پینا پیش کیا۔ پھر ہم ملک شام چلے گئے اور اپنے کام کاج سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے تو جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں اس قبیلہ نے استقبال کیا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا' اے امیر المومنین! مجھے یقین ہو گیا کہ یہ جنات تھے پھر میں ایک گرجا گھر کے پاس گیا تو ایک ہاتف نے آواز دی۔

ایاك لاتجعل وخذ عن ثقة	اسیر سیر الجد یوم الحقحقة
قد لاح نجم واستوی بمشرقه	ذوذب کالشعلة المحرقة

یخرج من ظلماء عسر موبقة انی امرئو انبائوہ مصدقة

ترجمہ: 1۔ تم جلدی نہ کرو اور میری نصیحت کو مضبوطی سے تھام لو' تیز ترین چلنے کے دن کی طرح بہت جلدی روانہ ہو جاؤ۔

2۔ ایک ستارہ چمکا ہے اور مقام طلوع کو گھیرے میں لیا ہے' جلا دینے والے شعلہ کی طرح دم دار ہے۔

3۔ یہ ہلاک کر دینے والی تنگ و تاریک وادی سے طلوع ہوا ہے' میں وہ شخص ہوں جس کی اطلاع درست ہوتی ہے۔

تو اے امیر المومنین! جب میں واپس آیا تو حضور پُر نور' نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کا اعلان فرما رہے تھے انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں مسلمان ہو گیا۔

ایک اور آدمی نے بیان کیا کہ اے امیر المومنین! میں اور میرا ایک ساتھی اپنے کسی کام کو گئے تو ہم نے ایک سوار شخص کو دیکھا جب وہ مقام ''مزجر الکلب'' کے نزدیک پہنچا تو اس نے بلند آواز سے نداء کی:

احمد یا احمد' اللّٰہ اعلیٰ وافجد' محمد اتانا باله یوحد' یدعوا الی الخیر فالیه فاعمد

اے احمد! اے احمد! اللہ بہت بلند اور بزرگی والا ہے۔ حضورِ انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس صرف ایک خدا کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ وہ ہمیں سچائی کی دعوت دیتے ہیں تم ان کے پاس حاضری دو۔

اس کی اس بات نے ہمیں گھبرا دیا' پھر اس نے اپنے بائیں سے آواز دے کر کہا۔

انجزما وعد من شق القمر اللّٰہ اکبر النبی ظهر

(ترجمہ) اس نے چاند دو ٹکڑے کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا' اللہ اکبر' سب سے بڑی شان کے نبی ظاہر ہو گئے۔

جب میں واپس لوٹا تو حضور پُر نور ﷺ مبعوث ہو چکے تھے' انہوں نے اسلام کی دعوت دی تو میں بھی مسلمان ہو گیا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا میں جنات کے ایک ذبح شدہ جانور کے پاس تھا کہ اس کے اندر سے ایک ہاتف نے آواز دی۔

''اے ذریح اے ذریح! چیخنے والا چیخ رہا ہے کامیاب معاملہ کے لئے نجات دہندہ ہدایت کے لئے کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو میں نے واپس آ کر کے دیکھا تو حضورِ انور ﷺ تشریف لا چکے تھے انہوں نے اسلام کی دعوت دی تو میں بھی مسلمان ہو گیا۔

(فائد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا جو واقعہ مشہور ہے ہو سکتا ہے کہ واقعہ ہذا بھی ان کے اسلام لانے کا ایک سبب ہو۔ اور یہ ایک دو دن پہلے واقع ہوا ہو۔

(ابن ابی الدنیا (منہ) ہواتف الجبان ابن ابی الدنیا 94 صفحہ 76)

ایک اور واقعہ

ایک اور شخص نے قصہ سنایا کہ میں اور میرا ساتھی کسی ضرورت کے لئے جا رہے تھے ہم کو ایک سوار ملا جب وہ ہم سے تھوڑے فاصلہ پر رہ گیا اس نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا' میں تعریف کرتا ہوں اللہ کی' اللہ بزرگ و اعلیٰ ہیں' محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خدا کی تعلیم دی ہے۔ وہ خیر کی طرف بلاتے ہیں' خیر کا طالب ہونا چاہیے۔ جب ہم نے یہ سنا تو ہم ڈرنے لگے۔ پھر کسی نے بائیں جانب سے آواز دی اور کہا انہوں نے شق قمر کا معجزہ دکھلایا اب دین کے غالب ہونے کا وقت آ گیا جب ہم واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ حضورِ انور نبی کریم' رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دے رہے ہیں میں بھی اسلام لے آیا۔

ذباب بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت ذباب بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن وقشہ کا ایک جن تھا جو اس کو چند پیش آنے والی باتیں بتلا دیتا تھا' ایک دن وہ آیا اور اس کو ایک بات بتائی تو ابن وقشہ نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

یا ذباب یا ذباب اسمع العجب العجاب

بعث محمد بالکتاب یدعو بمکة فلا یجاب

1- ترجمہ: اے ذباب' اے ذباب' ایک عجیب و غریب بات سنو۔

2- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے لیکن اس کو مانا نہیں جا رہا میں نے اس کو کہا یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا ایسے ہی (جن کی طرف سے) کہا گیا ہے۔

(ابن شاہین فی الصحابۃ المعارفی فی الجلیس (منہ) دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 صفحہ 259)

صحیح گمان

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب کبھی کسی چیز کے بارے میں اپنا گمان ظاہر کیا' وہ چیز آپ کے گمان کے موافق ہی نکلی۔ ایک مرتبہ ایک شخص جا رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا گمان خطاء ہو گیا۔ یہ جانے والا شخص یا تو اپنے دین جاہلیت پر قائم ہے یہ جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا اس کو بلاؤ۔ وہ بلایا گیا۔ آپ نے اس سے بھی اس طرح فرمایا اس نے کہا کہ آج کی طرح کسی بھی مسلمان نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا۔ پھر اس نے

کہا کہ میں زمانہ جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرے شیطان نے کبھی کوئی تعجب خیز بات کہی ہو تو اس کو ذرا سنا۔ اس نے کہا کہ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا وہ شیطان میرے پاس گھبراتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ کیا تو نے جنات کی مایوسی نہیں دیکھی، وہ بالکل مجبور و ناچار ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور تائید فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔

اس کاہن نے ایک قصہ اور سنایا کہ میں ایک روز بتوں کے پاس تھا ایک شخص نے بچھڑا لا کر اس بت کے نام پر ذبح کیا۔ اس بچھڑے کے اندر ایک سخت چیخنے والے کی آواز آئی میں نے ایسی چیخ کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے گنجے سر والے ایک فلاح کی بات سن ایک شخص کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ اس چیخ کو سن کر تمام لوگ بھاگ گئے میں وہیں رہا اور میں نے کہا کہ اس کو دیکھ کر جاؤں گا کہ کیا ہے۔ پھر دوبارہ یہی حال پیش آیا میں نے پھر کہا کہ اس کو دیکھ کر جاؤں گا پھر تیسری بار ایسا ہی ہوا۔ کچھ ہی دیر بعد کسی نے کہا کہ مکہ میں نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے ہیں جو کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ۔

(بعض لوگوں نے اس قصہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی کر دی گئی ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ قصہ اس کاہن کو پیش آیا تھا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا تھا)

مازن طائی رضی اللہ عنہ

بیہقی نے مازن طائی کا قصہ نقل کیا ہے وہ عمان کی بستی شمائل میں بتوں کے پجاری تھے ان کے بت کا نام ناجر تھا۔ ایک روز اس کے نام پر انہوں نے ایک جانور ذبح کیا اس بت میں سے آواز آئی اور کہنے والا یہ کہہ رہا تھا۔

یامازن اقبل الی اقبل ۔۔۔ تسمع مالا یجهل

هذا نبی مرسل ۔۔۔ جاء بحق منزل

فامن بدلی تعدل ۔۔۔ عن حر ناب تشعل

وقوها بالجندل

1- ترجمہ: اے مازن! میرے پاس آ، میرے پاس آ (اور) ایسی بات سنو جس سے ناواقفیت نہیں کی جاتی۔

2- (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجا ہوا نبی ہے جو نازل شدہ حق لایا ہے۔

3- میری جگہ تو ان پر ایمان لے آ، تجھے شعلہ زن آگ سے بچایا دیا جائے گا۔

اس کا ایندھن بڑی (بڑی) چٹانیں ہوں گی۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم یہ تو عجیب بات ہے (آج بت بھی بول رہا ہے) میں نے چند دن بعد ایک اور جانور قربان کیا تو پہلے سے بھی زیادہ واضح آواز میں سنا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے

یا مازن اسمع تسر	ظھر خیر وطن شر
بعث نبی من مضمر	بدین اللّٰہ اکبر
فدع نحیتا من حجر	تسلم من حر سقر

1- ترجمہ: اے مازن! تجھے خوشی ہوگی' خیر ظاہر ہوگئی اور شر چھپ گیا۔

2- ایک نبی (مراد حضور پُرنور نبی کریم ﷺ ہیں) قبیلہ مضر سے مبعوث ہوا ہے اللہ کا بہت بڑا دین لے کر۔

3- پتھر سے گھڑے ہوئے (بت) کو چھوڑ' تو دوزخ کی آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔

مازن کہتے ہیں میں نے کہا یہ عجیب بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے لیے بھلائی کی بات ہے۔ پھر میرے پاس حجاز کا ایک شخص آیا میں نے اس سے دریافت کیا کہ ادھر کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ تہامہ میں ایک شخص مبعوث ہوا ہے جس کا نام احمد ﷺ ہے۔ لوگوں کو خدا کے دین کی دعوت دیتا ہے۔ مازن کہتے ہیں یہ سن کر میں نے کہا کہ یہ غیبی ندا ہے جو میں نے سنی ہے۔ پس میں نے اس بت کے ریزے ریزے کر دیئے اور سوار ہو کر چل دیا یہاں تک کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا اور میں نے یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

میں نے ناجر بت کے ٹکڑے کر دیئے' وہ گمراہی میں ہمارا معبود تھا۔ ایک ہاشمی سے ہم کو ہدایت ملی جب کہ اس کے دین کو ہم کچھ نہیں سمجھتے تھے کوئی کہہ دے عمرو اور ان کے بھائیوں سے کہ جو شخص ناجر کو خدا کہے گا میں اس کا دشمن ہوں۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھ کو گانا' شراب پینا' زنا کرنا' مرغوب تھا۔ پس ہم پر قحط سالی آئی اور ہمارے مال و زر سب تباہ ہو گئے اور میرے لڑکا بھی نہیں ہے حضور پُرنور ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ ہماری حالت بہتر فرما دیں اور میرے اندر حیا پیدا فرما دیں اور مجھ کو لڑکا عطا فرما دیں۔ حضور انور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو گانے کے بدلہ قرأت قرآن عطا فرما' اور حرام کے بدلہ حلال عطا فرما' اور شراب کے بدلہ حلال پینے کی چیز عطا فرما اور زنا کے بدلہ محنت عطا فرما اور اس کے اندر حیا پیدا فرما اور اس کو لڑکا عطا فرما۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے سب حالات بدل گئے اور قحط سالی بھی جاتی رہی اور میں نے چار آزاد عورتوں سے شادی کی اور میرے لڑکا بھی ہوا۔ پھر میں نے چند اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عمان سے عرب تک جنگلات کو طے کرنے کی طاقت آپ ﷺ کی طرف آنے کی وجہ سے آئی' تاکہ آپ ﷺ میری خدا کے یہاں شفاعت فرما دیں اور میں کامیاب ہو جاؤں' ایسی جماعت کے مقابلہ میں کہ میرا دین اور ان کا دین الگ الگ ہے۔ میرا ان سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ میں گانے اور شراب کی دلدادہ تھا۔

میری زندگی اتنی بگڑ گئی تھی کہ میرا جسم ہانپنے لگا تھا۔ آپ ﷺ کی بدولت شراب کے عوض خوف وخشیت نصیب ہوا، زنا کی عوض عفت و پاکدامنی میسر ہوئی۔ اب میری نیت جہاد فی سبیل اللہ کی ہوگئی۔ میرا نماز روزہ سب خدا کے لئے ہے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں اپنے قبیلہ میں آیا، انہوں نے مجھ کو الگ کر دیا اور مجھ کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک شاعر میری برائی کے لئے لگا دیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اس کی ہجو کروں گا تو یہ میری ہجو ہوگی پس میں نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور میں نے چند اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

اے میری قوم تمہارا برا بھلا کہنا مجھ کو ناپسند ہے اور میرا برا بھلا کہنا تم کو ناپسند ہے۔ اگر ہمیشہ تمہارے عیب بیان کیے جاتے رہیں اور تم ہمیشہ میرے عیب بیان کرتے رہو میں تمہارے عیب بیان کرنے سے خاموش رہوں گا اور تمہارا شاعر میرے عیب بیان کرتا رہے گا میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور تمہارے دل میں دشمنی وعداوت ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت مازن رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم سے الگ ہوکر ایک مسجد بنائی اور اس میں رہ کر عبادت کرنے لگے، جو بھی مظلوم اس میں آکر تین دن تک عبادت کرتا اور اخلاص سے دعا مانگتا اس کی دعا پوری ہو جاتی۔ اور کوڑھ مرض میں مبتلا لوگ آکر دعا مانگتے وہ بھی صحت یاب ہو جاتے اور اس مسجد کا نام آج تک بھی مبرص (کوڑھیوں کو شفا دینے والی مسجد) چلا آرہا ہے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میری قوم کو ندامت ہوئی کیونکہ میں ہی ان کا سردار و رہنما تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس پر احسان کریں گے پس ایک جماعت بن کر میرے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اے ہمارے بھائی ہم نے ایک بات تیرے لیے ناگوار سمجھی اور تجھ کو اس سے روکا۔ تو اس سے توبہ کر لے ہم تجھ کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ چل۔ میں ان کے ساتھ چلا گیا پھر وہ سب ہی ایمان لے آئے۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 صفحہ 255 تا 259)

حضرت مازن رضی اللہ عنہ کے قصہ کے مانند اور بھی بہت سی روایتیں مروی ہیں۔ عمرو بن جبلہ نے بت کے اندر سے یہ سنا تھا اے عصام اسلام آگیا بت ہلاک ہو گئے۔ طارق نے یہ آواز سنی تھی اے طارق نبی صادق مبعوث ہو چکے ہیں۔ ذباب ابن حارث نے یہ آواز سنی تھی اے ذباب ایک عجیب بات سن محمد ﷺ کتاب کے ساتھ مبعوث کیے گئے مکہ میں ان کی بات مانی جارہی ہے اور بھی بہت سے قصے ہیں جن میں جنات نے حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر دی۔

سواد بن قارب رضی اللہ عنہ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ سے فرمایا

ہمیں اپنی ابتدائے اسلام کی بات سناؤ؟ انہوں نے فرمایا میرا ایک کھیا جن تھا جس کی میں ساری باتیں مانا کرتا تھا۔ میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا اٹھ اگر تمہیں عقل ہے تو غور وفکر کر توی بن غالب کے نسب سے ایک رسول کی بعثت ہوتی ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار کہے:

عجب للجن وانجاسها　　وشدها العيس باحلاسها

تهوى الى مكة تبغى الهدى　　ماموءمنوها مثل ارجاسها

فانهض الى الصفوة من هاشم　　واسم بعينيك الى راسها

1- ترجمہ: میں جنات اور ان کی نجاستوں سے حیران ہوں اور بھورے رنگ کے (قیمتی) اونٹ کو (بے قیمت) ٹاٹ سے باندھنے پر بھی۔

2- تم ہدایت کی تلاش میں مکہ جاؤ (آپ ﷺ پر) ایمان لانے والے وہاں کے مومن بہت کمزور ہیں۔

3- بنو ہاشم کی پونجی (حضرت محمد ﷺ) کے پاس حاضری دو اور اس کے سر کو اپنی آنکھوں سے چوم لو' پھر اس نے مجھے بیدار کر کے پریشان کیا اور کہا اے سواد بن قارب: اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا ہے تم ان کے پاس جاؤ اور رشد وہدایت حاصل کرو۔

پر جب دوسری رات آئی تو وہ پھر میرے پاس آیا اور جگا کر یہ اشعار کہے:

عجبت الجن وتطلابها　　وشدها العيس باقتابها

تهوى الى مكة تبغى اهدى　　ليرقد اباها كادنابها

فانض الى الصفوة من هاشم　　واسم بعينيك الى نابها

1- ترجمہ: میں جنات سے اور ان کی سرگردانی سے حیران ہوں اور ان کے بھورے اونٹ کو کجاوہ سے باندھنے سے بھی۔

2- تم ہدایت کی تلاش میں مکہ جاؤ.....

3- تم بنو ہاشم کے سردار (حضور پُرنور حضرت محمد ﷺ) کی طرف جاؤ' اور اپنی آنکھوں سے اس کے سر کو بوسہ دو۔

پھر وہ تیسری رات بھی میرے پاس آیا اور بیدار کر کے کہا:

عجبت للجن وتنفارها　　وشدها العيس باكوارها

تهوى الى مكة تبغى الهدى　　ليس ذو والشر كاخيارها

فانهض الى الصفوة من هاشم　　ماموءمنوا الجن ككفارها

1- ترجمہ: میں جنات سے اور ان کے دور بھاگنے سے حیران ہوں اور بھورے اونٹ کو عمامہ کے پیچوں کے

ساتھ باندھنے سے بھی۔

2- تم مکہ کی طرف ہدایت کے لئے جاؤ‘ شریر نیکو کاروں کی طرح نہیں ہیں۔

3- بنو ہاشم کے عظیم الشان نبی کی طرف اٹھو‘ ایمان لانے والے (خوش بخت) جنات حضور پُر نور ﷺ کے کافروں (منکرین) کی طرح (بدبخت) نہیں ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اب بھی تمہارا سرغنہ جن تمہارے پاس آیا کرتا ہے؟

آپ نے فرمایا جب سے میں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا ہے وہ میرے پاس نہیں آتا اور قرآن پاک اس جن کا بہترین عوض ہے۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ اپنے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

میرے پاس مجھ سے سرگوشی کرنے والا شیطان آیا جب کہ میں سو رہا تھا میں اپنے اس واقعہ کو بیان کرنے میں سچ بول رہا ہوں اس نے تین رات تک آکر مسلسل یہ کہا کہ لوی ابن غالب میں نبی مبعوث ہوا ہے۔

پس میں نے تیاری کی اور مضبوط اونٹنی پر بیٹھ کر بیابان جنگلوں کو طے کیا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ ﷺ ہر غائب کے حق میں مامون ہیں اور اے کریم لوگوں کی اولاد آپ ﷺ کا مرتبہ خدا کے یہاں سب رسولوں سے بڑا ہے۔ اور ہم کو ہمارے رب کا حکم سنا اگرچہ وہ حکم کتنا ہی سخت ہو اور آپ ﷺ میری شفاعت کرنے والے بن جایئے اس دن کہ کوئی آدمی مجھ کو کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ حضور ﷺ کو میری باتیں سن کر ہنسی آ گئی اور آپ ﷺ کھلکھلا کر ہنسنے لگے اور مجھ کو کہا اے اسود تو کامیاب ہو چکا۔

(بیہقی (منہ) بخاری شریف کتاب مناقب الانصار باب 53 اسلام عمر بن طاب‘ ابن الجوزی‘ ابولعلی‘ خرائطی‘ فی الہاتف‘ سیرت ابن اسحاق‘ دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 صفحہ 248)

لیلۃ الجن

یعنی جنات کے پاس برائے تبلیغ آپ ﷺ کا رات کو تشریف لے جانا۔

پیغمبر اول و آخر واعظم‘ رہبر کائنات‘ ہادی انس و جاں‘ رحمت للعالمین ﷺ انس و جان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ نے جس طرح دین اسلام کو بنی نوع انسان میں پھیلانے کے لئے مسلسل محنت کی ہے اسی طرح بنی نوع جنات کی فلاح دارین کے لئے ان میں بھی دین اسلام کو پھیلانے کے لئے شروع سے ہی جدوجہد تبلیغ دین متین کی ہے۔

یقینی طور پر جنات مسلمانوں میں بھی سابقون الاولون ہوں گے۔ ان میں کے بھی اکا دکا بہت پہلے

ایمان لے آئے تھے۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ اوراق میں بیان کیا ہے کہ جنات کے ایمان لانے اور ان میں تبلیغ دین متین کے بارے میں ہمیں صرف وہی بتایا گیا جتنا کہ پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ہادی انس و جاں، رہبر کائنات ﷺ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے، مشیت ایزدی نے ہمیں بتانا مناسب جانا۔ اور میرے خیال میں یہ بھی ہماری ضرورت سے زیادہ بتا دیا گیا ہے یعنی کہ ہمارے لیے اتنا ہی علم کافی ہے۔

پیغمبر اول و آخر واعظم، رہبر کائنات، ہادی انس و جاں، رحمت العالمین ﷺ جتنے بنی نوع انسان کی فلاح دارین کے لئے متفکر و کوشاں تھے کم از کم اتنے ہی آپ ﷺ بنی نوع جن کی فلاح دارین کے لئے بھی متفکر اور کوشاں تھے اور کیوں نہ ہوں جب کہ آپ ﷺ ہادی انس و جاں رحمت للعالمین ہیں اور تمام جنات بھی آپ ﷺ کی امت ہیں اور انسانوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد بھی نو گنا زائد ہے۔

جیسا کہ شیطان ''مسعر'' کی شیطانیت پر اسے قتل کرنے والے مسلمان جن حضرت سمجع رضی اللہ عنہ جس کا آپ ﷺ نے نام عبداللہ رکھا اور یمن کی طرف کے دیگر مسلمان جن حضرات رضی اللہ عنہم جو شیطان جنات کا مقابلہ کر رہے تھے اور انسانوں کو بھی مختلف طریقوں سے دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے رہے تھے (اس سے متعلق بہت سارے مصدقہ واقعات آپ پڑھ چکے ہیں اور ابھی بہت سارے آگے پڑھنے کو ملیں گے) وہ یقینی طور پر وہ وادی یمن کے وہ مسلمان جنات تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ کی بعثت کے بعد بہت جلد اپنی قوم میں سے ایمان لے آئے اور تحریک دین اسلام کا اپنی نوع میں ہراول دستہ بن گئے۔

جن جنات حضرات رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی طائف سے واپسی (ماہ شوال سن 10 نبوی) پر وادی نخلہ میں کلام پاک سنا اور پھر ایمان لے آئے وہ وادی نصیبین کے جنات تھے اور وہ اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

اس سب مندرجہ بالا کے لکھ دینے سے میرا مقصد صرف یہی ہے کہ میں وضاحت کردوں کہ شروع سے ہی دین متین کی تبلیغ کے لئے پیغمبر اول و آخر واعظم ہادی انس و جاں رحمت للعالمین ﷺ کا رات کے وقت نہ جانے کتنی بار جانا آنا ہوا ہوگا اور اسی طرح جنات کا بھی نہ جانے کتنی بار خدمت اقدس میں حاضر ہونا ہوتا ہو گا۔ اس لیے یہ کہنا سوچنا بالکل بجا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ متعدد بار پیش آیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنات کا آپ ﷺ کے پاس آنا اور آپ ﷺ ان کو دعوت دین پیش کرنا مکہ مدینہ میں متعدد بار پیش آیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ میں بھی لیلۃ الجن میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابونعیم نے دلائل النبوہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن

غیلان فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے معلوم کیا میں نے سنا ہے کہ آپ لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ذرا مجھ کو وہ قصہ سنا دیجئے کس طرح پیش آیا۔

آپ نے فرمایا کہ ایک روز اصحاب صفہ میں سے ہر آدمی کو ایک ایک صحابی اپنے اپنے گھر کھانا کھلانے کے واسطے لے گئے اور میں رہ گیا' مجھ کو کوئی نہیں لے گیا۔ پس اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ ابن مسعود ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو کوئی نہیں لے گیا؟ میں نے کہا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ چل پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل دیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس تشریف لائے مجھ کو باہر کھڑا کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بچی اندر سے آئی اس نے کہا کہ ابن مسعود گھر میں کوئی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے کے لئے فرما رہے ہیں۔ پس میں واپس آ گیا اور مسجد میں جا کر زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ وہ بچی پھر آئی اور اس نے کہا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو یاد فرما رہے ہیں میں اس کے پیچھے چل دیا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا دیں گے۔ جب میں اس پہلی جگہ پہنچ گیا تو دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ کی چھڑی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میرے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ میں جہاں جاؤں گا تو وہاں میرے ساتھ چلے گا۔ میں نے کہا ضرور چلوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا میں نے تینوں بار یہی جواب دیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل دیا یہاں تک کہ ہم بقیع الغرقد میں پہنچ گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی سے ایک دائرہ بنایا اور مجھ کو حکم فرمایا کہ اس میں بیٹھ جا اور میرے آنے تک اس سے مت نکلنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو نظر آ رہے تھے پس میں دیکھتا ہوں کہ ایک سیاہ غبار سا اڑا اور پھر ختم ہو گیا۔ پس میں نے سوچا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جاؤں ہو سکتا ہے کہ قبیلہ ہوازن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں اور شور مچادوں مگر ساتھ ہی مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد آ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائرہ سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ پس میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی چھڑی سے پیچھے ہٹا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ بیٹھ جاؤ۔ پس وہ بیٹھ گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور چلے گئے۔

پھر میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ سے دریافت کیا کہ تو میرے بعد میں سو گیا تھا میں نے کہا کہ نہیں' بلکہ میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہوازن نے نہ پکڑ لیا ہو اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدد کے لئے آواز دینے ہی والا تھا کہ اچانک مجھ کو آپ ﷺ کی چھڑی کی آہٹ سنائی دی جب کہ آپ ﷺ ان کو بٹھا رہے تھے۔ (بیٹھ جانے کا فرما رہے تھے)

حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اس دائرہ سے نکل جاتا تو کوئی نہ کوئی جن تجھے ضرور مزاحمت کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں سیاہ قسم کے گندہ بغل لوگ تھے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نصیبین کے جنات کا وفد تھا اور انہوں نے مجھ سے اپنے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ پس میں نے ان کو ہڈی اور لید بتلا دی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جب وہ ہڈی اٹھائیں گے تو وہ ان کے ہاتھ میں پر گوشت ہو جاوے گی اور لید کے اوپر وہ دانے پیدا ہو جائیں گے جو اس کے اندر اس دن تھے جس دن اس کو کسی جانور نے کھایا تھا۔ پس تم ان سے استنجامت کیا کرو۔ یہ لیلۃ الجن کا قصہ ہجرت کے بعد مدینہ کا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس میں بھی آپ کے ساتھ تھے اور بقیع الغرقد میں آپ ﷺ نے حلقہ بنایا تھا اور اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ جب کہ مکہ میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ متعدد بار پیش آیا تھا۔

حضور کی جنات کے وفد سے ملاقات اور غدا کا تحفہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں ہجرت سے پہلے تشریف لے گئے۔ تو آپ ﷺ نے میرے لیے ایک لائن کھینچ دی اور فرمایا جب تک میں نہ آؤں اس سے باہر نہ جانا اور کسی سے بالکل بات نہ کرنا۔ پھر فرمایا تم جس چیز کو دیکھو اس سے مت گھبرانا۔ پھر آپ ﷺ تھوڑا سا آگے چلے اور بیٹھ گئے تو آپ ﷺ کے سامنے کالے آدمی جمع ہو گئے۔ گویا کہ وہ قبیلہ زط کے آدمی ہیں اور ان کے طور اطوار اور جمع ہونے' اکٹھے ہونے کے انداز ایسے تھے جیسے اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كادوا يكونون عليه لبدا (سورۃ الجن آیت 19)

ترجمہ: تو یہ جنات لوگ اس بندہ (نبی ﷺ) پر بھیڑ لگانے کو ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ آپ ﷺ سے چلے گئے۔ میں نے ان سے سنا' وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ہمارا وطن بہت دور ہے اب ہم چلتے ہیں آپ ﷺ ہمیں توشۂ سفر عنایت فرما دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا گوبر تمہارا طعام ہے اور تم جس ہڈی کے پاس جاؤ گے اس پر تمہارے لیے گوشت چڑھا ہوا ہوگا' اور جب تم لید کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہارے لیے کھجور بن چکی ہو گی پس جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ یہ کون تھے؟ فرمایا یہ نصیبین (شہر' علاقہ) کے جنات تھے۔

جنات کیا کھاتے ہیں

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی ''لیلۃ الجن'' (غالباً وہ سب سے پہلی والی رات جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور اکیلے ہی رات کو جنات حضرات کے پاس جبل حرا کے علاقہ میں' ان کے بلانے پر تشریف لے گئے تھے) میں حضور پُرنور کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس رات ہم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ لیکن ہم نے ایک رات (اس رات) کو پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نہ پایا تو ہم متفکر ہو گئے اور یہ گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے قابو میں آ گئے ہیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب کر لیا ہے۔

اسی گمان کی وجہ سے ہم مسلمان بہت متفکر تھے اور وہ رات ہم نے بہت بری حالت میں کاٹی۔ جب صبح ہوئی تو حضورِ انور نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم جبل حرا کی طرف سے تشریف لا رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی گزشتہ حالت (رات بھر متفکر و پریشان رہنے کی حالت) کی اطلاع فرمائی تو پیغمبر اول و آخر و اعظم' رہبر کائنات' ہادی انس و جاں' رحمت للعالمین حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''میرے پاس ایک جن نے آ کر دعوت دی تھی۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور ان (جنات) کے سامنے قرآن پاک پڑھ کر سنایا۔

پھر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم رہبر کائنات' ہادی انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس جگہ پر لے کر گئے جہاں جن حضرات قرآن حکیم سننے اور دین متین کی تبلیغ و تعلیم کے لئے اکٹھے ہو کر حاضر خدمت اقدس ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کے آثار دکھلائے اور ان کی آگ کے آثار بھی دکھلائے۔

ان جن حضرات نے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توشہ سفر مانگا کیونکہ یہ جنات کسی دور دراز کے جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

''ہر وہ ہڈی تمہاری غذا ہے جس پر اللہ تبارک تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو وہ ہڈیاں جنات اپنی خوراک میں استعمال کریں اور ہر قسم کی لید تمہارے چوپایوں کا چارہ ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم لوگ ہڈی یا لید سے استنجا نہ کیا کرو' کیونکہ یہ دونوں جنات کا طعام ہیں۔

(مسند احمد' مسلم' ترمذی حدیث 3258 صحیح مسلم حدیث 150' مسند احمد جلد 1 صفحہ 436 اور 457' بیہقی' دار قطنی' مستدرک حاکم جلد 1 صفحہ 11 اور 109 ابن کثیر جلد 7 صفحہ 275)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جنات کا ایک وفد حاضر ہوا اور عرض کیا۔

مسلمان ہڈی لید اور کوئلہ سے استنجا نہ کیا کریں کیونکہ ان میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمارا رزق مقرر فرمایا ہے۔ (ابوداؤد (منہ) 6/1 کتاب الطہارت باب 20' صحیح بخاری شریف مناقب الانصار باب 32)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے سورۂ رحمٰن تلاوت فرمائی

(حدیث) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے اول تا آخر سورۂ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ میں نے یہ سورت لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے پڑھی تو انہوں نے تم سے زیادہ بہتر جواب دیا' جب میں ارشاد باری تعالیٰ ''فبای الآء ربکما تکذبان' تک پہنچا تو انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے سب تعریفیں آپ کے لئے ہیں۔

(ترمذی' حاکم' بیہقی وصححہ (منہ) سنن ترمذی تفسیر سورۃ 55' دلائل نبوت بیہقی 232/2' 17' 473' درمنثور 140/6' کنز العمال حدیث نمبر 4146,2823' مستدرک حاکم 1473/2 لشکر لابن ابی الدنیا حدیث نمبر 37' تہذیب تاریخ دمشق ابن عساکر 204/2' 397/5' میزان الاعتدال 2918' زاد المسیر 112/8' تفسیر ابن کثیر 285/7)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انس وجن کے نبی ہیں

مسلمانوں کے مذاہب میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ بخاری اور مسلم شریف کی حدیث ''بعثت الی الاحمر والاسود کی تفسیر اسی سے کی گئی ہے کہ میں جنات اور انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(مسلم شریف حدیث نمبر 3 کتاب المساجد مسند امام احمد 250/1' 162,148,/5,416/4,301 ابن حبان حدیث نمبر 200' مجمع الزوائد 269,258/8,65/2' طبقات ابن سعد 127,1/1 البدایہ والنہایہ 154/2' تفسیر ابن کثیر 506,100/6' قرطبی 49/1)

معجزہ شق القمر کی اطلاع

ایک شخص نے قصہ سنایا کہ میں اور میرا ساتھی کسی ضرورت کے لئے جارہے تھے ہم کو ایک سوار ملا جب وہ ہم سے تھوڑے فاصلہ پر رہ گیا اس نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا' میں تعریف کرتا ہوں اللہ کی' اللہ بزرگ واعلیٰ ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو ایک خدا کی تعلیم دی ہے وہ خیر کی طرف بلاتے ہیں خیر کا طالب ہونا چاہیے۔ جب ہم نے یہ سنا تو ہم ڈرنے لگے۔ پھر کسی نے بائیں جانب سے آواز دی اور کہا انہوں نے شق قمر کا معجزہ

دکھلایا ہے اب دین کے غالب ہونے کا وقت آ گیا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں میں بھی اسلام لے آیا۔

عقبہ کے شیطان کا کفار مکہ کو بھڑکانا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں جب ہم نے لیلۃ العقبہ میں حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اس وقت شیطان نے عقبہ کی چوٹی پر ایسی چیخ ماری کہ اتنی اونچی آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے شہر والو! تم مذمم (محمد ﷺ کی بجائے کافروں کا بگاڑا ہوا نام) اور اس کے بے دین ساتھیوں کو قابو نہیں کر سکتے وہ تمہارے ساتھ جنگ کے لئے متحد ہو رہے ہیں۔

تو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ ازب العقبہ (شیطان کا نام) کی آواز ہے۔ پھر شیطان کو مخاطب ہو کر فرمایا اے ازیب العقبہ' اے دشمن خدا! میری بات غور سے سن لے میں بھی تم سے ضرور نمٹوں گا۔

(ابن اسحاق (منہ) دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 صفحہ 448' سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 57)

شیطان قریش کے دارالندوہ میں

قارئین کرام! اس کو اس کے زمانہ وقوع پر پوری تفصیل سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لیے یہاں اس کا مختصر بیان پیش خدمت ہے۔

دارالندوہ' مجلس کا گھر' مشورہ کی جگہ اور موجودہ زبان میں قریش کا پارلیمنٹ ہاؤس یہ قصی بن کلاب کا بنایا ہوا تھا۔ ہجرت سے قبل قریش نے حضور ﷺ کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ اس مجلس شوریٰ میں یہ لوگ تھے۔

1- عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوسفیان بن حرب' بنی عبدالشمس سے
2- طعیمہ بن عدی' جبیر بن مطعم الحارث بن عمرو بن نوفل۔ بنی نوفل سے
3- النصر بن الحارث۔ بنی عبدالدار بنی قصی
4- ابوالبحری بن ہشام زمعہ بن الاسود حکیم بن حزام۔ بنی اسد سے
5- ابوجہل بن ابن ہشام۔ بنی مخزوم سے
6- عتبیہ' مینہ ابن الحجاج۔ بنی سہم سے
7- آمیہ بن خلف۔ بنی الجم سے

یہ تیرہ سرداران قریش سات قبیلوں کے جمع ہوئے اور بعض دوسرے بھی آ گئے کہ ابھی مشورہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک نجدی شیخ پیر فرتوت (بوڑھے بزرگ) کی صورت میں (شیطان) دارالندوہ کے دروازہ پر

آ دھمکا۔ اس کو بھی بوڑھا تجربہ کار ہونے کی صورت میں شریک کرلیا گیا۔ کسی نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو قید کر دو۔ کسی نے کہا کہ ملک بدر کر دو۔ لیکن ابوجہل نے کہا کہ ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک جوان جائے اور صبح ہوتے ہی جیسے حضور محمد (ﷺ) باہر نکلیں حملہ کریں۔ شیخ نجدی (شیطان) نے اس رائے کی حمایت کی اور خوب سراہا۔ قرآن شریف میں اس بارے میں فرمایا ہے:

واذایکمروبك الذین کفرو یثتوك اویقتلوك اویخرجوك ویمکرون ویمکروالله والله خیر الماکرین۔

اور جب کافر مکر کر رہے تھے کہ آپ کو باقی رکھیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں۔ وہ بھی داؤں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا۔

ہجرت کے وقت حضور ﷺ کا ام معبد کے خیمہ میں نزول فرمانا اور جنات کا خبر دینا

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابوبکر اور رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے تو کفار قریش کے کچھ لوگ جن میں ابوجہل بھی تھا ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے معلوم کیا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا واللہ ہم کو کوئی خبر نہیں ہے یہ سن کر ابوجہل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے رخسار پر مارا جس سے میرے کان کی بالی ٹوٹ کر گر گئی۔ پھر وہ لوٹ گئے اور ہم کو بھی تین دن تک کچھ پتہ نہ چل سکا کہ حضور پرنور، نبی کریم ﷺ کہاں گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اسفل مکہ (زیرین مکہ) سے ایک جن کچھ شعر عرب کے طرز پر پڑھتا ہوا آیا اور لوگ اس کی آواز کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

جزی اللّٰہ رب الناس خیر جزائه — رفیقین قالا خیمتی ام معبد

هما نزلا بالبر ثم ترحلا — فافلح من امسی رفیق محمد

لهن بنی کعب مقام فتاتهم — ومقعدها للمومنین بمرصد

ترجمہ: (1) اللہ تبارک تعالیٰ بہترین بدلہ دے ان دو ساتھیوں کو جو ام معبد کے خیمہ میں نزول کیے ہوئے ہیں۔

(2) اس کے بعد وہ وہاں سے آگے چلے گئے اور کامیاب ہے وہ شخص جو محمد کا رفیق سفر بنا ہوا ہے۔

(3) بنو کعب کی ان کی وجہ سے ذلت ہوگئی اور مومنین کا وہ نشانہ بنیں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ہم نے اس کی بات سنی تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کس طرف کو تشریف

لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ اس وقت مدینہ منورہ کا رخ فرما گئے تھے۔

(ابن اسحاق (منہ) دلائل النبوۃ بیہقی 494,493,492,491/2 مطولاً البدایہ والنہایہ 192,191/3 ' سیرت شامیہ للصالحی 350/3 ' سیرت ابن ہشام 101,100/1 ' روض الانف 8/2 آ کام المرجان ص 134)

ابن قتیبہ کی روایت میں کچھ تفصیل وارد ہوئی ہے اور اس میں کچھ اشعار دیگر اور ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

اے بنو قصی اللہ تبارک تعالیٰ تم سے بزرگی اور کرامت لے کر ان کو نہ دے۔ ام معبد سے معلوم کر لو کہ اس کی بکری نے ان کا برتن دودھ سے بھرا ہے۔ اور اگر تم خود بکری سے بھی معلوم کرو گے تو وہ بھی تم کو بتلا دے گی۔ اس نے ایک بے دودھ والی بکری کو بلایا وہ اس کے پاس آتے ہی دودھ والی ہوگئی۔ وہ بکری انہوں نے ام معبد کے ہی پاس چھوڑ دی اور وہ صبح و شام دودھ دینے لگی۔

روایت میں آیا ہے کہ شاعر رسول اللہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی اور جن کے اشعار ان کو پہنچے تو انہوں نے جواباً اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

جس قوم کے پاس سے نبی چلا گیا وہ محروم ہوگئی اور جس کے پاس گیا ہے وہ باعزت ہوگئی۔ جن کے پاس سے نبی گیا ہے ان کی عقلیں گمراہ ہیں اور جن کے پاس گیا ہے ان کو نور میسر ہوا ہے۔ اللہ نے ان کو ہدایت دی گمراہی کے بعد اور حق کی اتباع کرنے والے کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ کیا برابر ہوسکتی ہے وہ قوم جو بھول گئی ہو ہادی کو اور وہ قوم جس نے ہدایت حاصل کی ہو۔ اہل یثرب کے پاس ایسے سواروں نے نزول کیا ہے جن کے پاس بہترین ہدایت ہے یعنی وہ نبی جو ایسی چیزیں جانتا ہے کہ کوئی اور نہیں جانتا۔ اور ہر نماز میں خدا کے کلام کی تلاوت کرتا ہے اگر وہ کسی دن کو غیبی بات بولتا ہے تو صبح و شام میں اس کی تصدیق منجانب اللہ ہو جاتی ہے۔ ابوبکر اپنی نسبی سعادت کی وجہ سے ان کا یار ہوا ہے اللہ جس کو نیک بخت بناتے ہیں وہی نیک بخت ہوتا ہے۔

یونس کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب قریش نے اس جن سے خبر سنی تو ام معبد کے پاس قاصد روانہ کیا۔ اس قاصد نے معلوم کیا کہ کیا تیرے پاس سے فلاں فلاں صورت کا انسان محمد (ﷺ) نامی گزرا ہے اس نے جواب دیا مجھ کو علم نہیں البتہ ایک شخص آیا تھا جس نے بے دودھ والی بکری کا دودھ دوہا تھا وہ دودھ والی ہو گئی تھی۔

اس وقت چار حضرات اس کے پاس سے گزرے تھے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط آپ کا رہبر جو رستہ بتلانے کے لئے آپ کے ساتھ آیا تھا۔ وہ اس وقت مسلمان نہیں تھا اور بعد میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ ابن ہشام کا خیال ہے

کہ ام معبد بنت کعب تھی بنو کعب کے خاندان کی عورت تھی اس کا شوہر ابو معبد تھا جس کا نام معلوم نہیں۔ وہ حضور ﷺ کی حیات ہی میں انتقال کر گیا تھا ان سے روایت بھی مروی ہے ام معبد کا مکان قدید میں تھا یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام معبد سے کہا کہ دودھ یا گوشت قیمتاً دے دو ان کے پاس سے کچھ نہ ملا کیونکہ وہ خود مبتلائے قحط و تنگ دستی تھی۔ پس آپ ﷺ کی ایک بکری پر نظر پڑی آپ ﷺ نے فرمایا یہ دودھ دیتی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا مجھ کو اجازت ہے اس کا دودھ دوہنے کی اس نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اگر اس میں دودھ ہو تو آپ ﷺ دوھ لیں۔

آپ ﷺ نے وہ بکری منگائی اور اپنے دست مبارک سے اس کے تھن ملے پس اس کے دودھ اتر آیا اور اس نے دودھ دینا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے ایک بڑا برتن منگایا جس میں ایک جماعت سیر ہو سکے۔ اس میں دودھ نکالنا شروع فرمایا یہاں تک کہ وہ برتن بھر گیا پھر سب نے سیر ہو کر پیا اور دودھ بھرا برتن ام معبد کے حوالے کیا اور وہاں سے چل دیئے۔

پھر کچھ دیر بعد اس کا شوہر آیا اس نے گھر میں دودھ دیکھ کر کہا کہ دودھ کہاں سے آیا ہے جب کہ بکری نہیں دیتی۔ ام معبد نے کہا کہ ایک مبارک آدمی آیا تھا اس نے دودھ نکالا ہے اور ام معبد نے آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ لوگ اس دن کو تاریخ کے طور پر بولتے تھے اور اس دن کو رجل مبارک (مبارک شخص) کا دن کہا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ اس مبارک آدمی کے آنے سے قبل ہم نے یہ کیا تھا۔

پھر ام معبد مدینہ میں آئیں اور ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بچہ بھی تھا۔ اس بچہ نے حضور ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ بھاگتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور کہا اے اماں آج میں نے رجل مبارک (ﷺ) دیکھا ہے۔ ام معبد نے اس بچہ کو کہا تیرا بھلا ہو اے بچہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ ہشام بن جیش فرماتے ہیں کہ میں نے وہ بکری دیکھی تھی وہ ام معبد اور ان کے پڑوسیوں سب کو سیراب کر دیا کرتی تھی۔ واللہ اعلم

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے اسلام لانے کی خبر

حضرت محمد بن عبس بن جبر فرماتے ہیں کہ قریش نے جبل ابو قبیس پر ایک بلند آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

فان یسلم السعدان یصبح محمد

بمکۃ لایخشی خلاف مخالف

ترجمہ: اگر دونوں سعد مسلمان ہو جائیں تو حضورِ انور ﷺ مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت ... نہ

مند نہیں ہوں گے۔

تو ابوسفیان اور اشراف قریش نے کہا یہ سعدان کون ہیں؟ کیا یہ سعد بن ابی بکر اور سعد بن زید اور سعد بن قضاعہ ہیں۔

جب دوسری رات ہوئی تو انہوں نے جبل ابوقبیس پر (دوبارہ) آواز سنی:

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا ویا سعد سعدا الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الهدی وتمنیا علی الله فی الفردوس زلفة عارف

فان ثواب الله لطالب الهدی جنان فی الفردوس ذات رفارف

1- ترجمہ: اے قبیلہ اوس کے سعد! تم مددگار ہو جاؤ اور اے صاحب سخاوت قبیلہ خزرج کے سعد تم بھی۔

2- تم دونوں ہدایت کے داعی (محمد ﷺ) کو لبیک کہو اور اللہ تبارک تعالیٰ کے سامنے جنت الفردوس میں عارف (خداوندی) کے قرب جیسی تمنا کرو۔

3- کیونکہ ہدایت کے طالب کا انعام اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے جنات الفردوس ہیں جو فرش بچھونے تکیے ریشمی باریک کپڑوں والی ہے۔

تو قریش نے کہا یہاں تو سعدان سے سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) اور سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) مراد ہیں۔

(فائدہ) حضرت عبدالمجید بن ابی عبس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے کسی حصہ میں مدینہ شریف میں سنا گیا کہ ہاتف یہ کہہ رہا تھا۔

خیر کهلین فی بنی الخزرج الغ ریسیروا سعد بن عبادة

المجیبان اذا دعا احمد الخیر فنالتهما ناك السعادة

ثم عاشا مهذبین جمیعا ثم لقاهما الملیك شهادة

1- ترجمہ: شان والے بنوخزرج قبیلہ کے بوڑھوں کے بہترین لوگو! سعد بن عبادہ کی طرف چلو۔

2- جب حضور پُرنور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے لبیک کہی اور ان دونوں کو اسی وقت سعادت حاصل ہوگئی۔

3- پھر ان دونوں نے مہذب زندگی گزاری پھر ان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے شہادت عطا فرمائی۔

(ابن ابی الدنیا، خرائطی، بیہقی، (منہ) الہواتف ابن ابی الدنیا (75) ص 63، دلائل النبوۃ بیہقی 429,428، البدایہ والنہایہ 165/3، روض الانف 272/1 ابن عبدالبر (منہ) لعلہ فی الاستیعاب، الہواتف ابن ابی الدنیا 76 صفحہ 64)

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حجاج بن علاط البہزاری سلمی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا

سبب یہ ہوا کہ وہ اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ جب خطرناک وادی میں رات ہوگئی تو ان کو ساتھیوں نے کہا اے ابوکلاب' اٹھو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے امان پکڑو۔ تو حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے ان کے گرد چکر لگایا اور حد بندی کی اور یہ شعر کہے۔

اعیذ نفسی واعیذ صحبی

من کل جن بھذا النقبی

حتی اؤوب سالما ورکبی

ترجمہ: میں اپنی اور اپنی جماعت کی پناہ طلب کرتا ہوں' اس وادی کے ہر جن سے' حتیٰ کہ میں اور میری جماعت صحیح سالم لوٹ جائیں۔

حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے (ان اشعار کے کہنے کے بعد) کسی سے یہ آیت (سورۃ رحمان آیت 33) سنی۔

یامعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فأنفذوا لاتنفذون الابسلطان ۔(سوۃ الرحمن آیت 33)

ترجمہ: اے گروہ جن وانس! اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو' (مگر) طاقت کے بغیر نہیں نکل سکتے (اور طاقت ہے نہیں' پس نکلنے کا واقع ہونا بھی ممکن نہیں) جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔(سورہ رحمٰن آیت 33)

جب یہ مکہ میں پہنچے تو مجلس قریش کو یہ ماجرا بتایا تو انہوں نے کہا اے ابوکلاب (حجاج بن علاط کی کنیت) قسم بخدا تو بے دین ہوگیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ یہ آیت اس پر نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! اس کو میں نے بھی سنا ہے اور میرے ان ساتھیوں نے بھی۔ یہ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ عاص بن وائل آئے' تو کفار قریش نے ان کو کہا اے ابو ہشام: ابوکلاب جو کہہ رہے ہیں تم نے بھی سنا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے اپنا واقعہ سنایا؟ تو عاص بن وائل نے کہا تم اس سے حیران کیوں ہورہے ہو یہ آیت جس کو انہوں نے وہاں پر سنا ہے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان (مبارک) پر القا ہوئی ہے۔

پھر اس قوم کفار نے مجھے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے روکا' لیکن اس معاملہ میں میری بصیرت اور بڑھ گئی تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد نے بتایا کہ وہ مکہ سے مدینہ چلے گئے ہیں تو میں اپنی سواری پر سوار ہوکر مدینہ کے لئے روانہ ہوگیا حتیٰ کہ مدینہ میں حضور پُرنور' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگیا اور جو کچھ سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سمعت واللہ الحق ھو واللہ من کلام ربی الذی انزل علی ولقد سمعت حقا یا ابا

کلاب۔

ترجمہ: اے ابو کلاب: قسم خدا تم نے جو کچھ سنا حق سنا' اللہ کی قسم یہ میرے رب کا کلام ہے جو اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔

تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مجھے اسلام کی تعلیم فرمائیں تو آپ نے مجھے کلمہ اسلام کی گواہی دلوائی اور فرمایا:

سر الی قومك فادعهم الی مثل ما ادعوك اليه فانه الحق

اپنی قوم کی طرف روانہ ہو جاؤ' اس کو ان کی دعوت دو جس طرح کہ میں نے تمہیں اس کی طرف دعوت دی ہے "یہ دین حق ہے۔"

(ابن ابی الدنیا ہواتف الجان (منہ) الہواتف 41 صفحہ 43' کنز العمال حدیث نمبر 32979 بحوالہ ہواتف ابن ابی الدنیا وتاریخ دمشق ابن عساکر' اس روایت میں ایوب بن سوید اور محمد بن عبداللہ لیثی ضعیف ہیں۔ (کنزل العمال 349/13)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک اونٹ گم ہو گیا میں اس کی تلاش میں نکلا۔ جب بارق الغراف مقام پر پہنچا اپنی اونٹنی کو بٹھلایا اور گھٹنا باندھ دیا پھر میں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

اعوذ بسید هذا الوادی اعوذ بعظیم هذا الوادی

(میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں' میں اس وادی کی عظیم شخصیت کی پناہ لیتا ہوں)

پھر میں نے اپنا سر (سونے کے لئے) اونٹ پر رکھ دیا تو رات کے وقت ایک ہاتف نے آواز دی اور کہا۔

الافعذ بالله ذی الجلال ثم اقراء ایات من الانفال

ووحده الله ولاتبال ماهول الجن من الاهوال

1- ترجمہ: ارے سن! جلال والے اللہ سے مانگ پھر سورۃ انفال سے کچھ آیات تلاوت کر۔

2- اللہ کو ایک جان اور اس کا خوف نہ کر جس سے جنات ڈراتے ہیں۔ تو میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور کہا۔

یاایها الهاتف ماتقول

ارشد عندك ام تضلیل

اے ہاتف! تو کیا کہتا ہے کیا تیرے پاس ہدایت کی بات ہے یا گمراہی کی اس نے جواب دیا۔

هذا رسول الله ذوالخیرات بیثرب یدعو الی النجاة

وینزع الناس عن الهنات یامر بالصوم والصلوٰة

1- ترجمہ: یہ اللہ کے رسول ہیں' خیر کے مالک ہیں' مدینہ منورہ میں نجات کی دعوت دے رہے ہیں۔
2- لوگوں سے رنج ومشقت کو دور کرتے ہیں' نماز روزے کا حکم فرماتے ہیں۔
اس کی یہ بات میرے دل کو لگی میں اپنے اونٹ کی طرف گیا' اس کا گھٹنا کھولا اور اس پر بیٹھ گیا اور کہا۔

ارشدنا رشدا اهديتا　　　لاجعت ماعشت ولاهويتا

بين لي الرشد الذی اوتيتا؟

ترجمہ: ہمیں اس کا پتہ دے جس سے تو نے ہدایت پائی جب تو سیراب ہوا تو پیاسا نہ رہا اور نہ بے ستر ہوا' مجھے اس ہدایت کی راہ دکھلا جو تجھے عطا ہوئی ہے؟

تو اس نے جواب دیا:

صاحبك اللّٰه وسلم نفسكا　　　وعظم الاجر وادی رحلكا

امن بـه افلح ربی كعبكا　　　وابذال لـه حتى اللمات نصر كا

1- ترجمہ: اللہ تیری طرف متوجہ ہو اور مجھے (دوزخ سے) محفوظ فرمایا' تیرا ثواب بڑھا دیا اور اور تیری سواری لوٹا دی۔

2- اس پر ایمان لے آ' پروردگار تیری شان بلند کرے' آخر دم تک حضور پُرنور ﷺ کی مدد میں لگا رہ۔

میں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہاں میں اہل نجد کا سردار مالک بن مالک ہوں' میں حضورِ انور نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو چکا اور ایمان لا چکا ہوں اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا ہوں' مجھے آپ ﷺ نے نجد میں رہنے والے جنات کی طرف روانہ کیا ہے تا کہ میں ان کو اللہ کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلاؤں۔ اے خریم تم بھی مومنین میں شامل ہو جاؤ' جب تم گھر پہنچو گے تمہارا اونٹ بھی پہنچ چکا ہو گا اس کو میں ڈھونڈ دوں گا۔

حضرت خریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اپنے دوسرے اونٹ پر بیٹھ کر مدینہ میں حاضر ہوا۔ یہ جمعہ کا دن تھا میں فوری حضورِ انور ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ اس وقت منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے کہا اونٹ کو مسجد کے دروازہ پر بٹھلا دیتا ہوں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوں گے تو آپ ﷺ کو اپنا واقعہ عرض کروں گا۔

جب میں اونٹ بٹھلا چکا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور کہا اے خریم! خوش آمدید حضورِ انور ﷺ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے ہیں خوش آمدید' آپ کے مسلمان ہونے کی خبر مجھے مل چکی ہے مسجد میں اندر آ جاؤ لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرو' تو میں داخل ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا کی' پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قد دفی لک صاحبک، وقد بلغ لک الابل، وھی بمنزلک

تیرے ساتھی (حضرت مالک بن مالک رضی اللہ عنہ) نے تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے، تیرا اونٹ تیرے گھر میں پہنچ چکا ہے۔

(تاریخ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، طبرانی، ابن عساکر (منہ) طبرانی کبیر (4166,4165) الہواتف (94) صفحہ 79، مجمع الزوائد 25/8، مستدرک حاکم 621/3 وتعقبہ الذہبی بقولہ لم یصح، اسد الغابہ ابن اکثیر 48,47/5، الاصابہ 34/6 کلاھما عن الطبرانی)

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت نر کھجور کے شگوفہ کے پاس تھے کہ ان کے سامنے ایک سفید شتر مرغ ظاہر ہوا۔ جس پر ایک سفید شکل کا سوار سفید کپڑوں میں تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اے عباس بن مرداس! تم دیکھتے نہیں ہو آسمان پر پہرے دار مقرر کر دیئے گئے اور جنات گھبرا گئے اور گھوڑوں نے اپنے سوار اتار دیئے، جو ذات بابرکات نیکی اور تقویٰ کے ساتھ سوموار کو منگل کی شب مبعوث ہوئی ہے وہ قصواء نامی اونٹ والی ہے۔

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آواز و پیغام سے میں مرعوب ہو کر کے نکلا، جو کچھ میں نے کیا سنا اور دیکھا اس نے مجھے مرعوب کر دیا تھا، میں اپنے ایک بت کے پاس جس کی ہم پوجا کرتے تھے ذی ضمار مقام پر آیا۔ ہم اس کے اندر سے آواز سنا کرتے تھے، میں اس کے پاس آیا، اس کے ارد گرد جھاڑو دیا، پھر اس کو چھوا اور بوسہ دیا تو اس کے اندر سے زور سے بولنے والے کی آواز آئی، وہ کہہ رہا تھا۔

1- ترجمہ: قبیلہ بنوسلیم کے تمام قبائل سے کہہ دو ضمار (بت) ہلاک ہو گیا اور مسجد والے (مسلمان) کامیاب ہو گئے۔

2- حضرت محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل ہونے سے پہلے جس کی پوجا کی جاتی تھی وہ ضمار ہلاک ہو گیا۔

3- وہ ذات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت و ہدایت کی وارث ہوئی ہے وہ ہدایت یافتہ، قریش میں سے (تشریف لا چکی) ہے۔(۱)

(فائدہ) آکام المرجان اور مکائد الشیطان میں اس حکایت میں مزید اضافہ بھی ہے کہ یہ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خوفزدہ ہو کر نکلا اور اپنی قوم میں آ کر ان کو واقعہ سنایا۔ پھر میں اپنی قوم بنی حارث کے تین سو (300) افراد کو لے کر کے حضورِ انور نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا۔ اے عباس! تم کیسے مسلمان ہو گئے؟ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا واقعہ سنا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا، اس طرح سے میں اور میری قوم (سب) مسلمان ہو گئے۔(۲)

1- ابن ابی الدنیا، طبرانی، ابونعیم، ہواتف الخرائطی (منہ) ہواتف ابن ابی الدنیا ص 82، ہواتف خرائطی ص 8، مجمع الزوائد 247/8 بدایہ والنہایہ 341/2، دلائل النبوۃ ابونعیم 34/2

2- ہواتف ابن ابی الدنیا ص 82، آکام المرجان ص 130 طبع مکتبہ خیر کثیر کراچی۔

خنافر بن توم رضی اللہ عنہ

حضرت کلبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ خنافر بن توم ایک کاہن تھا وہ ایک سرسبز وادی میں گیا' اس کا زمانہ کفر میں ایک رہنما جن تھا جب اسلام ظاہر ہوا تو وہ جن گم ہو گیا۔ یہ کاہن کہتا ہے کہ میں اسی طرح اس وادی میں تھا کہ عقاب کی رفتار کی طرح وہ میرے پاس آیا۔

خنافر کہتا ہے میں نے پوچھا شصار ہو؟ اس نے کہا (ہاں) میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا میں سنوں گا۔ اس نے کہا لوٹ آ غنیمت پائے گا ہر امت کی انتہا ہوئی ہے اور ہر ابتداء کا اختتام۔ میں نے کہا درست ہے۔ اس نے کہا ہر حکومت کی ایک عمر ہوتی ہے پھر سرگردانی' تمام مذہب منسوخ ہو گئے اور حقائق اصل دین کی طرف آ گئے۔

میں نے ملک شام میں آل العدام کے کچھ لوگ حاکموں کے حکام دیکھے ہیں' جو بارونق کلام کے طلب گار ہیں وہ گھڑے ہوئے شعر بھی نہیں اور پر تکلف سجع بندی بھی نہیں۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی تو ڈانٹ پائی پھر توجہ کی اور جھانک کر کہا تم کس شئے سے خوش ہو رہے اور کس شئے سے پناہ مانگ رہے ہو؟ انہوں نے کہا بہت بڑا خطاب ہے جو بادشاہ جبار کی طرف سے آیا ہے اے شصار تو بھی اس سچے کلام کو سن اور واضح ترین راستہ پر چل سخت ترین آگ سے نجات پائے گا۔

میں نے کہا یہ کیا کلام ہے؟

کہا یہ کلام کفر و ایمان کو جدا جدا کرتا ہے اس کو قبیلہ مضر کا رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر کے مبعوث ہوا ہے۔ پھر انسانوں میں سے ظاہر ہوا ہے پھر وہ ایسا فرمان لائے ہیں جو سب پر سبقت لے گیا اور سبقت پا گیا ہے۔ واضح راستہ والا ہے جس نے باقی سب نشان مٹا دیئے ہیں۔ اس میں اس کے لئے عبرتیں ہیں جو عبرت حاصل کرے۔ میں نے پوچھا ان بڑی آیات کے ساتھ کون مبعوث ہوئے ہیں؟

اے خنافر! میں تو ایمان لایا ہوں اور تیری طرف بھاگا بھاگا آیا ہوں تو بھی ہر نجس اور کافر سے دور ہو جا اور ہر مومن کا ہمقدم بن جا ورنہ تیرا میرا راستہ الگ ہے۔

وہ کاہن کہتا ہے کہ میں سوار ہو کر صنعاء (یمن) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اسلام کی بیعت حاصل کی' اور اسی کے متعلق میں نے کہا۔

الم تر ان اللّٰہ عاد بفضلہ   وافقذ من نفح الرجیم خنافرا

دعانی شصار للتی لو فضتھا   لاصلیت جمرا من لظی الھوان جائرا

1- ترجمہ: تم دیکھتے نہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور خنافر کو دوزخ کی لپٹوں سے دور کر دیا۔

2- مجھے شصار نے دین کی دعوت دی اگر میں اس کو چھوڑ دیتا تو ظالم بن کر ذلت کے شعلوں کے ساتھ

دوزخ کے انگاروں میں پھینک دیا جاتا۔ (الاخبار المنثورہ ابن درید)

جنگ بدر میں شیطان کی شرکت اور فرار

ابن اسحاق نے بیان کیا مشرکین جب مکہ میں تیاری کر چکے تو ان کو بنی کنانہ سے ایک خدشہ پیدا ہوا کہ وہ کہیں عدم موجودگی میں حملہ نہ کریں؟ فوراً ہی ابلیس سراقہ بن مالک مدلجی سردار بنی کنانہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کنانہ بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ قریش کو ہمت ہوئی اور وہ روانہ ہو گئے اور بدر میں سخت زمین اور پانی والے حصہ پر پڑاؤ کرلیا۔ ادھر مسلمان ریتلے حصہ پر قابض ہوئے اس وقت شیطان نے وسوسہ اندازی کی۔

غزوۂ بدر میں جب شیطان نے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام شیطان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو جب شیطان نے آپ کو دیکھا اس وقت اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ شیطان نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچا اور پیٹھ دے کر بھاگا۔ اور اس کی شیطانی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔

تو اس آدمی نے پکارا اسے سراقہ بن مالک مدلجی! تو تو ہمارا مددگار تھا؟ اب کہاں بھاگ رہا ہے؟ شیطان نے کہا میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے (اس نے اس وقت فرشتے دیکھ لیے تھے) بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اللہ بڑے سخت عذاب والا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۂ انفال کی آیت 48 میں یوں فرمایا۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: ''اور جب شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر کوئی شخص غالب آنے والا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں تم میں سے الگ ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔'' (سورہ انفال آیت 48)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابلیس نے جنگ بدر میں فرشتوں کو مشرکین کو قتل کرتے دیکھا تو خوف کے مارے قتل ہونے سے جان بچا کر بھاگنے لگا تو حارث بن ہشام (ابوجہل کا بھائی) اس کو سراقہ بن مالک سمجھ کر قابو کرنے لگا۔ لیکن ابلیس نے ابوجہل کے بھائی حارث کے سینہ میں ایسا گھونسہ مارا اس کو نیچے گرا دیا اور وہاں سے بھاگ کر خود کو سمندر میں جا گرایا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللهم انى اسئلك نظرتك اياى

(اے اللہ میں آپ سے میرے لیے دی ہوئی مہلت کی بھیک مانگتا ہوں۔)

محمد بن اسحاق نے کہا کہ مشرکین کو جب سراقہ بن مالک مکہ معظمہ میں ملا تو انہوں نے کہا' تو ہمیں چھوڑ کر بھاگ آیا اور تیری وجہ ہی سے ہمیں شکست ہوئی' تو اس نے قسم کھا کر کہا نہ میں گیا اور نہ مجھے خبر ہے۔

(ابن اسحاق' ابن جریر' ابن منذر' ابن ابی حاتم' ابونعیم' دلائل النبوۃ بیہقی (منہ) 468,467,466/2' طبرانی' ابونعیم)

جنگ بدر میں کفار کی شکست کی اطلاع

حضرت قاسم بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب قریش مکہ جنگ بدر کے لئے نکلے تھے تو جس دن ان پر مسلمانوں نے فتح پائی تھی اس دن مکہ میں ایک جن نے ترنم سے آواز کے ساتھ یہ اشعار کہے تھے جب کہ وہ خود نظر نہیں آ رہا تھا۔

ازار الحنیفیون بدرا وقیعة سینقض فیھا رکن کسریٰ و قیصر

ابادت رجلا من لوی وابرزت حرائر یضر بن الترائب حسرا

نیاویح من امسی علاو محمد لقد حاد عن قصد الھدی وتحیرا

1- ترجمہ: حنیفیون نے جنگ بدر میں خوب اکسایا' اس میں قیصر و کسریٰ کی بنیادیں اکھڑ جائیں گی۔

2- قبیلہ لوی کے جوانوں کو ضائع کر دیا اور ان کی عورتیں باہر نکل کر حسرت کے ساتھ سینہ پیٹنے لگیں۔

3- ” جہنت افسوس اس پر جس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دشمنی کی وہ ہدایت کے ارادہ کرنے سے ہٹ گیا۔ اور حیران پریشان رہا۔

تو کسی نے ان میں سے کہا یہ حنیفیون کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے اصحاب ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر ہیں اس کے بعد کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ان کے پاس مسلمانوں کی فتح کی پکی خبر بھی پہنچ گئی۔

(الدلائل علی معانی الحدیث بالشاھد والمثل (مخطوط بخزانہ الرباط) للمحدث اللغوی) قاسم ابن ثابت (سرقسطی) (منہ) آکام المرجان ص 137 خیر کثیر کراچی)

اذب شیطان نے افواہ اڑائی

غزوہ احد میں جب جنگ کے آخری لمحات میں لڑائی کا پانسا مشرکین کے حق میں بدلا اور خالد بن ولید کے گھڑ سوار دستوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نگران دستہ کو نرغے میں لے لیا تو احد کے جن شیطان اذب نے عینین پہاڑی پر سے پکار کر کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے ہیں۔

یہ آواز بہت سے لوگوں نے سنی اور اس سے وقتی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ جنگ میں' تلوار بازی میں' سپر اندازی میں نیزہ بازی میں کچھ کمی آ گئی۔ ابوسفیان نے بھی یہ آواز سنی اور اس نے اس آواز کے مطابق

اعلان کر دیا اور جنگ کی شدت میں کمی آ گئی اور کچھ ہی دیر بعد دونوں لشکر ایک دوسرے سے دور ہونے لگے۔

پیغمبر اول و آخر واعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ آواز اذب کی ہے جو یہاں کا شیطان ہے۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ دو بالشت کا آدمی دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بھی اپنا نام اذب بتایا تھا۔ جب میں نے اسے چھڑی دکھائی تو وہ فوراً بھاگ گیا۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قاتل جن تھے

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قاتل شیطان جن تھے۔ وہ ان دنوں ملک شام کے علاقہ حوران میں تنہا تھے اس لیے کسی عزیز و دوست کو ان کی شہادت کا پتہ نہ چل سکا۔ شیطان جنات نے ان کی موت کے بارے میں خود مطلع کیا۔

ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت سے اپنی مرضی سے مدینہ منورہ سے نکل گئے اور واپس نہیں آئے یہاں تک کہ ملک شام کے علاقہ حوران میں سن 15 ہجری میں وفات پائی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اڑھائی سال گزر چکے تھے۔ ایک روایت میں 14 ہجری آیا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی وفات ہوئی تھی اور ایک روایت 11 ہجری کی بھی ہے۔

بہرحال جو بھی ہو مگر اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ غسل خانہ میں مرے ہوئے پائے گئے اور آپ کا جسم سبز ہو چکا تھا۔ کسی کو ان کے مرنے کی خبر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک آواز سنائی دی اور کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے کہا کہ ہم نے خزرج کے سردار سعد ابن عبادہ کو قتل کیا ہے۔ ہم نے اس کے دو تیر مارے اور اس کا دل زخمی کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو جنات نے قتل کیا تھا۔ ابن جریج نے بھی حضرت عطاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

مسند الحارث میں ہے کہ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حالت قیام میں ہی کھڑے کھڑے فوت ہوئے تھے آپ کو جنات نے قتل کیا تھا، حاضرین نے کسی کہنے والے کو یہ شعر بھی کہتے ہوئے سنا تھا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادة   رمیناه بهم فلم یخطئ فواده

ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مار ڈالا، ہم نے اس پر ایسا تیر چلایا جس نے اس کے دل کا نشانہ کیا۔ (مسند الحارث)

معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کا قیدی

ابو الاسود رومی فرماتے ہیں کہ میں نے معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جس وقت آپ نے جن کو پکڑ لیا تھا وہ قصہ کس طرح ہوا تھا مجھ کو بتلا دیجئے۔ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو صدقات کا نگران بنایا میں نے صدقے کے کھجور اپنے ایک بالا خانے میں لا کر جمع کر دیئے۔ بالا خانے سے کھجور کم ہونے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے چرائے ہیں۔ میں رات کو بالا خانے میں چھپ کر بیٹھ گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پس اچانک ایک شدید قسم کی تاریکی ہوئی اور وہ تاریکی دروازہ کے اندر داخل ہوگئی پھر اس نے دوسری شکل بدلی اور دروازے کے سوراخ سے داخل ہو گیا میں نے جب اس کو دیکھا تو میں تیار ہو کر بیٹھ گیا اس نے کھجور کھانے شروع کیے۔

میں نے ایک دم اس کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کر لیا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن تم چوری کیوں کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھ کو چھوڑ دیجئے میرے مال بچے بہت زیادہ ہیں اور میں فقیر محتاج ہوں۔ ہم پہلے اس بستی میں رہا کرتے تھے جب تمہارے صاحب مراد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) رسول بنا کر بھیجے گئے ہم کو یہاں سے بھگا دیا گیا اور میں اب نصیبین میں رہتا ہوں آئندہ ہرگز نہیں آؤں گا آپ مجھ کو چھوڑ دیں میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ قصہ حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیا۔ جب میں واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قصہ دہرایا اور مجھے پوچھا کہ تیرا قیدی کیا ہوا؟۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا کہ وہ معذرت کرنے لگا میں نے چھوڑ دیا اور وہ وعدہ کر کے چلا گیا ہے کہ آئندہ نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ باز نہ آئے گا۔ میں پھر چھپ کر بیٹھ گیا اور وہ پھر آیا اور اس نے کھانا شروع کر دیا میں نے پھر اس کو پکڑ لیا اس نے پھر معذرت کی میں نے کہا کہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا چھوڑ دو پھر نہیں آؤں گا۔ اور میں آپ کو بتاؤں کہ اگر کوئی انسان سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں کسی مکان میں رات کو پڑھ دے تو ہم اس مکان میں اس رات کو داخل نہیں ہوتے۔ اس کے بدلے آپ مجھے چھوڑ دیں۔

دو نبیوں پر ایمان لانے والا جن صحابی

حضرت سہل بن عبداللہ (تستری رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ میں قوم عاد کے کسی علاقہ کی سمت میں گیا۔ (علاقہ میں گیا) میں نے وہاں پر ایک غار دیکھا جو کھدا ہوا تھا۔ اس غار کے درمیان میں پتھروں کا ایک محل تھا جس میں جنات رہتے تھے۔ میں اس میں داخل ہوا تو وہاں پر ایک بوڑھا آدمی دیو ہیکل جسم والا یعنی بہت ہی جسیم کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر رہا تھا۔ اس پر اون کا ایک جبہ بھی تھا جس میں تازگی تھی، مجھے اس کے عظیم الجثہ ہونے نے اتنا تعجب میں نہ ڈالا جتنا اس کے جبہ کی تازگی اور تراوت نے تعجب میں ڈال دیا۔ میں نے اس کو سلام کیا اور اس نے مجھے سلام کا جواب دیا، اور کہا اے سہل! جسم کپڑوں کو پرانا نہیں کرتے بلکہ ان کو

گناہوں کی بدبو اور حرام کھانے پرانا بوسیدہ کرتے ہیں۔ یہ جبہ مجھ پر سات سو سال سے ہے۔ اس میں میں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما السلام سے ملاقات کی تھی اور ان پر ایمان لایا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں ان حضرات میں سے ہوں جن کے متعلق سورۂ جن کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن

ترجمہ) ''تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا تلاوت کرنا کان لگا کرسنا۔'' (سورۂ جن آیت 1)

(صفۃ الصفوۃ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک صحابی جن کی شہادت کا واقعہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک بگولے نے ان حضرات کو آلیا۔ اس کے بعد اس سے بھی بڑا ایک اور بگولا آیا جو بکھر گیا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ ایک سانپ مردہ پڑا ہے تو ہم میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اپنی چادر کے دو حصے کیے اور ایک حصہ میں اس کو کفن دے کر دفن کر دیا۔

جب رات ہوئی تو ہمیں دو عورتیں پوچھ رہی تھیں تم میں سے کس نے حضرت عمرو بن جابر رضی اللہ عنہ کو دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا ہم تو حضرت عمرو بن جابر رضی اللہ عنہ کو نہیں جانتے؟ تو انہوں نے کہا اگر تم نے ثواب کی جستجو کی تھی تو وہ تمہیں مل گیا۔ کچھ فاسق جنات نے مومن جنات کے ساتھ لڑائی کی تھی اور انہوں نے حضرت عمرو بن جابر رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ وہی سانپ تھا جس کو تم نے دیکھا اور دفن کیا ہے۔ اور یہ ان جن حضرات میں سے تھا جنہوں نے حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک سنا تھا۔ اور پھر اپنی قوم کی طرف واعظ بن کر لوٹے تھے۔ (ابن سلام)

شہید جن سے خوشبو

حضرت معاذ بن عبیداللہ بن معمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا میں آپ کو ایک عجیب بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ''ہم ایک وسیع بیابان میں تھے کہ ہمارے سامنے دو بگولے آئے ایک ایک طرف سے اور دوسرا دوسری طرف سے۔ پھر ان کی مڈبھیڑ ہوئی اور مقابلہ ہوا پھر وہ الگ الگ ہو گئے پس ہم نے دیکھا کہ) ان میں کا ایک دوسرے سے زائد تھا (بڑا تھا طاقتور تھا) پھر میں ان کے اکھاڑے کی جگہ پر گیا تو وہاں پر ہر طرف بہت سے سانپ پڑے ہوئے تھے۔ ان سے زیادہ میری آنکھوں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ان میں کے ایک سانپ سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ وہاں پر ایک پتلا باریک ایک زرد رنگ کا سانپ بھی پڑا تھا میں ان کو الٹنے پلٹنے لگا تا کہ دیکھوں کہ یہ خوشبو کس سانپ سے آرہی ہے۔ تو وہ خوشبو اسی زرد باریک سانپ سے آرہی تھی، مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اس

کی کسی نیکی کی وجہ سے ہے تو میں نے اس کو اپنی پگڑی میں لپیٹا اور دفن کر دیا۔

اس کے بعد میں جا رہا تھا کہ ایک منادی کی میں نے آواز سنی جو مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کہا' اے اللہ کے بندے! تم نے یہ کیا کیا ہے؟ میں نے اس کو وہ کچھ بتا دیا جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس نے کہا تم نے درست کیا' یہ جنات کے قبیلے بنوشیعان اور بنواقیش تھے۔ ان کی آپس میں مڈبھیڑ اور لڑائی ہوئی اور ان کے مقتولین میں سے ایک وہ بھی تھا' جس کو تم نے دیکھا اور یہ شہید ہوا ہے اور یہ ان جن حضرات میں سے تھا جنہوں نے پیغمبر اول و آخر واعظم' حضور پُرنور' نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کو سنا تھا۔

(ابن ابی الدنیا کتاب الھواتف 158 ص 114 آکام المرجان ص 43)

ایک جن صحابی کی وفات کا واقعہ

حضرت کثیر بن عبداللہ ابو ہاشم ناجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو رجاء عطاردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے سوال کیا کہ آپ کے پاس ان جنات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم ہے جنہوں نے حضور پُرنور' نبی کریم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا تھا؟ تو وہ مسکرائے اور فرمایا میں وہ بات بتلاتا ہوں جس کو میں نے خود دیکھا اور سنا ہے۔ وہ یہ کہ ہم ایک سفر میں تھے جب ایک پانی کی جگہ پر اترے اور اپنے خیمے نصب کیے اور میں دوپہر کے آرام کرنے کو چلا گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے خیمے میں میرے سامنے ایک سانپ لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

میں نے اپنا پانی کا برتن لیا اور اس سانپ پر پانی چھڑکنے لگ گیا تو اس سے اس کو سکون ہو گیا اور جب ہم نے نماز عصر ادا کی تو اس وقت وہ مر گیا۔ میں نے اپنے تھیلے میں سے ایک صاف سفید کپڑے کا ٹکڑا نکالا اور اس کو اس میں لپیٹ دیا اور گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد ہم اگلی منزل کے لئے روانہ ہو گئے اور عصر کے بعد کا باقی دن اور رات ہم سفر میں مصروف رہے۔ جب دن چڑھا اور ہم ایک پانی کی جگہ اترے اور خیمے لگا لیے۔ میں دوپہر کو آرام کے لئے چلا گیا تو میں نے دو بار ''السلام علیکم'' کی آواز سنی۔

السلام علیکم کہنے والے لوگ تعداد میں ہزاروں سے کہیں زیادہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم جنات ہیں۔ اللہ تمہارا بھلا کرے' اللہ تمہیں برکت دے تم پر رحمتیں کرے' تم نے ہمارا ایک ایسا کام کیا ہے جس کا بدلہ چکانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ بس ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے اور دعائیں دینے آئے ہیں۔

میں نے پوچھا' میں نے تمہارا کون سا کام کیا ہے؟ وہ کہنے لگے وہ سانپ جو تمہارے پاس فوت ہوا تھا وہ ان آخری جن صحابہ حضرات رضی اللہ عنہم میں سے تھا جنہوں نے پیغمبر اول و آخر واعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم رہبر کائنات' ہادی انس وجاں ﷺ کی خدمت اقدس میں شروع کے دنوں میں حاضر ہو کر دین اسلام

قبول کیا تھا' دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔

(الہواتف ابن ابی الدنیا 35 صفحہ 39' حلیہ ابونعیم جلد 2 صفحہ 304' دلائل نبوت ابونعیم جلد 2 صفحہ 127)

شیطان سے وحی کی حفاظت

وحی کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تبارک تعالیٰ' قادر مطلق نہیں چاہتا کہ شیطان مردود کسی طرح سے بھی اور کسی جہت سے بھی وحی اللہ کے قریب پہنچ سکے یا اس کی سن گن پا سکے۔

قادر مطلق' اللہ تبارک تعالیٰ کا سورۂ جن کی آیت 27,26 میں ارشاد پاک ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○

ترجمہ: ''غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے' کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔ (سورۂ جن آیات 27,26)

اب ان آیات مبارک کا ترجمہ کچھ تفصیل سے پیش خدمت ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہی تمام غیبوں کا مالک ہے جاننے والا ہے اور وہ یوں ہی اپنے غیب کے علم میں سے' غیب میں سے' کسی کو نہیں دے دیتا۔ ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو اگر اپنے کسی ایسے علم غیب' ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو' خواہ مثبت نبوت ہو' جیسے پیش گوئیاں' خواہ فروغ نبوت سے ہو' جیسے علم احکام وغیرہ تو وہ اس کی تمام حفاظت کا بندوبست کر کے دیتا ہے۔

اور اس کی حفاظت کی خاطر وہ یوں کرتا ہے کہ وحی' وحی کے لے جانے والے' اور وحی کے پانے والے' حاصل کرنے والے' پیغمبر کے آگے پیچھے اور ہر جہت میں ہمہ وقت محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے تاکہ وحی اور اس کے پیغمبر کے قرب و جوار میں شیاطین کا گزر نہ ہو جو کہ وحی کے فرشتے سے سن کر اور کسی سے جا کر کہیں یا کسی وسوسہ کا القاء کر سکیں یا وحی مبارک کے متعلق وسوسہ ڈال سکیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق ہیں یعنی کہ اللہ تبارک ہر کچھ کر دینے پر ہمہ وقت قادر ہیں۔ اس نے اس زمین پر موجودہ تمام مخلوق جمادات' حیوانات' نباتات' انسان' چرند پرند' حشرت الارض سے کہیں زیادہ فرشتے پیدا فرمائے ہیں جن کا کام ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت و فرمانبرداری' حکم بجا لانا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ تو سب کا خالق و مالک ہے وہ چاہے تو وحی کی حفاظت کے لئے ان گنت فرشتے بطور محافظ لگا دے۔ چنانچہ پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف و رحیم ﷺ کے لیے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے۔ اور اس روایت کو کذافی روح المعانی بروایت ابن منذر عن ابن جبیر اور بروایت ابن مردویہ عن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ یعنی کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان راویوں کی معرفت مروی ہے۔

جماعت اکثریت سے ہٹنے والا

(حدیث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر فرمایا:

من اراد منکم بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطان مع الواحد وھو مع الاثنین ابعد

ترجمہ: تم میں سے جو شخص جنت کا عیش چاہتا ہے وہ جماعت مسلمانان کے ساتھ چمٹا رہے کیونکہ ایک شخص کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو کے ساتھ بہت کم ہوتا ہے۔

(حدیث) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ید اللّٰہ مع الجماعة والشیطان مع من یخالف الجماعة

ترجمہ: اللہ تبارک تعالیٰ کی تائید و نصرت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جو جماعت کی مخالفت کرتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

(حدیث) حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور' رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

یداللّٰہ مع الجماعة فاذا اشذ الشاذ منھم اخطفته الشیاطین کما یخطف الذئب الشاة من الغنم۔

ترجمہ: اللہ کی تائید جماعت کی ساتھ ہوتی ہے جب جماعت میں سے کوئی شخص علیحدہ ہوجاتا ہے تو اس کو شیاطین اس طرح سے اچک لیتے ہیں جس طرح سے بھیڑیا بکری کو ریوڑ سے۔

(حدیث) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور' نبی کریم' رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک لائن بنائی پھر فرمایا:

ھذا سبیل اللّٰہ مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله

ترجمہ: یہ سیدھا اللہ کا راستہ ہے اس کی پیروی کرو دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ راستہ سے بھٹک جاؤ گے۔

(حدیث) حضرت معاذ جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذا لشیاہ القاصیة والناصیة فایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة والمسجد۔

ترجمہ: بکریوں کے بھیڑیوں کی طرح شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جو دور وقریب کی بکریوں کا شکار کرتا ہے پس تم خود گروہوں میں بٹنے سے بچواور اپنے لیے (بڑی) جماعت' سواد اعظم (اکثریت' غالب حصہ' بڑی جماعت) اور مسجد کو لازم پکڑو۔

مذکورہ بالا پانچوں احادیث مبارک کے حوالہ جات ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

1- احمد' ترمذی (منہ) مسند احمد 26/1' ترمذی کتاب الفتن باب 7 وقال حسن صحیح' مستدرک حاکم 114/1' ترمذی 2125' نصب الرایہ 250/4' کنز العمال 32488' الشریعۃ امام آجری حدیث' تلبیس ابلیس 5

2- ابن صائد (منہ تلبیس ابلیس 6 طبرانی کبیر 144/17 بمقط)

3- دارقطنی (منہ) ترمذی بلقط وحسنہ والطبرانی بلقط انظر کشف الخفا 547/2' حدیث 3223 طبرانی کبیر 153/1

4- مسند احمد (منہ) 465/1' الشریعۃ للآجری 12,10' درمنثور 56/3

5- مسند احمد (منہ) 233/5' 243' مجمع الزوائد 219/5,23/2' جمع الجوامع 2637' کنزل العمال 1026' 20355' مشکوٰۃ 184' تفسیر ابن کثیر 63/4' تلبیس ابلیس 7' حلیۃ الاولیاء 247/2' تحاف السادۃ المتقین 337/6' ترغیب وترہیب 219/1 ابن ماجہ فی مقدمتہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان ڈرتا تھا

(حدیث) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ایہ یا ابن الخطاب: والذی نفسی بیدہ مالقیك الشیطٰن سالکا فجا الاسلك فجا غیر فجك

ترجمہ: اے ابن خطاب (رضی اللہ عنہ) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں راستہ چلتے میں شیطان کبھی نہیں ملتا وہ تیرے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہے۔

(حدیث) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان لیخاف منك یا عمر

اے عمر! شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے حوالہ جات

1- بخاری ومسلم (منہ) بخاری فضائل اصحاب النبی باب 6' کتاب الاب باب 28' بدالخلق باب 11' مسلم فضائل الصحابہ حدیث 22' مسند احمد جلد 1 صفحہ 187,182,171

2- ترمذی' نسائی (منہ) ترمذی کتاب المناقب باب 17' مسند احمد 353/5' بیہقی جلد 1 صفحہ 77' کنزل العمال 35839' فتح الباری 588/11

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہجرتِ یثرب

ہجرت کے عوامل ومحرکات

کئی سالوں تک سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں حرمِ مکہ تک محدود رہیں یہاں کے باشندے یا باہر سے یہاں آنے والے لوگ ہی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مخاطب تھے لیکن وہ دین جو صرف اہلِ مکہ یا جزیرۂ عرب کے مکینوں کی تقدیر بدلنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ یہ اللہ کا وہ پسندیدہ دین ہے جس نے سارے عالم انسانیت کو عقیدے اور عمل کی گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنا تھا۔ جس دین نے زندگی کے فکری' نظری اور عملی گوشوں کو نورِحق سے منور کرنا تھا۔ اس آفاقی عالمی دین کو کیونکر ایک تنگ گوشہ میں محدود رکھا جا سکتا تھا اس کی فطرت اپنے ظہور کے لیے وسیع آفاق کی متلاشی تھی' اسے اپنی گوناگوں برکات کے اظہار کے لیے بہت وسعتِ ارض کی ضرورت تھی بلکہ انس وجاں کے دوعالم کی ضرورت تھی۔

مکہ کے رئیسوں نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر نہ پہچانی' بجائے اس کے کہ وہ اس رہبر کائنات ہادیٔ برحق ﷺ کے قدموں میں اپنے دیدۂ ودل فراش راہ کرتے اور اس دعوت کو قبول کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ ان عقل کے اندھوں نے بڑی بے دردی سے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس داعی صادق پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ کی راہِ حق میں چٹان بن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سلیم الفطرت افراد جنہوں نے اس کلمہ توحید کو قبول کیا' اہلِ مکہ نے ان پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ ان کے جبر' ظلم وستم نے جادۂ حق کے ان خوش بخت مسافروں پر جینا حرام کر دیا' ان کے ترکش میں ظلم وستم' جبر وتشدد سے جتنے تیر تھے' انہوں نے ان بندگانِ خدا پر خوب دل کھول کر آزمائے۔

حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذات پاک باوجود اپنے ذاتی کمالات اور باوجود اپنی خاندانی وجاہت وسیادت کے ان کی دست درازیوں سے مستثنیٰ نہ تھی۔ ان کا اندھا تعصب تبلیغ اسلام کی راہ میں ایک سنگین چٹان بن کر حائل ہو گیا جب کفار ومشرکینِ مکہ ظلم وستم' جبر وایذاء رسانی میں حد سے گزر گئے تو پیغمبر اوّل و

آخر واعظم حبیب رب العالمین ﷺ نے اللہ کے ان پاک باز بندوں کو ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ ان مظلوموں کو ایک ایسا گوشۂ عافیت مل گیا جہاں وہ آزادی سے اپنے خالق و مالک کی عبادت کا شوق پورا کر سکتے تھے اور عزت کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ نیز انہیں یہ موقع مل گیا کہ جزیرۂ عرب سے باہر حبشہ کے ملک میں اپنے دین کی تبلیغ کر سکیں اور بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہِ راست دکھائیں۔ نیز اپنے اخلاقِ حسنہ‘ طرزِ عمل‘ بلند نظریات اور پاکیزہ کردار سے اسلام کی حقانیت پر گواہی دے سکیں۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت سے مکہ سے پانچ سو کلومیٹر دُور یثرب نامی ایک بستی کے مکینوں کے دِلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی اور پچھتر (۷۵) اہلِ وفا نے ایامِ تشریق میں منیٰ کی ایک گھاٹی کے دامن میں نصف شب کے بعد اپنے آقائے دوعالم سرورِ کائنات‘ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی اور ہر دشمن سے اپنے آقا ﷺ کا دفاع کرنے کے لیے جان و مال کی بازی لگا دینے کا عہد کیا تو مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو ایک نئی پناہ گاہ مل گئی جہاں وہ عزت و آرام سے اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کر سکتے تھے۔

مشرکینِ مکہ کو جب یثرب والوں کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور مسلمانوں پر انہوں نے جبر و تشدد کی مہم از سرِ نو بڑی شدت سے شروع کر دی تو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے اذن کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتے تھے‘ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے چند روز سکوت اختیار فرمایا۔ ایک روز حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مسکراتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا:

”مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا مقامِ ہجرت یثرب ہے جو شخص ہجرت کا ارادہ رکھتا ہو‘ وہ یثرب چلا جائے۔“

ابنِ کثیر نے بھی یہی عوامل اور وجوہات بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مشرکینِ مکہ‘ بانیٔ دینِ اسلام‘ دینِ اسلام اور اس کے پیروکاروں کے صفاتِ حمیدہ‘ انسانیت بھری خوبیوں‘ اطاعت‘ فرماں برداری‘ استقامت وقوتِ برداشت سے بہت زیادہ خوف زدہ تھے جن کے سبب مکہ کے کفار و مشرکین کا سارا منفی پروپیگنڈہ ریت کی دیوار ثابت ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی حب و اطاعت و استقامت کے سیلِ بے پناہ میں عالمِ کفر کی ساری پیش بندیاں خس و خاشاک کی طرح بہہ رہی تھیں‘ ایمان کی خوشبو ہر قسم کی رکاوٹوں کو عبور کرتی‘ دِلوں کے بند دروازوں پر دستک دے رہی تھی اور اسلام ایک آفاقی سچائی کے طور پر عقائد کی دنیا کو احکم الحاکمین خالق و مالک کائنات‘ رب العالمین کی بندگی کے شعور سے ہم کنار کر رہا تھا۔

اس منظر نامے میں مشرکینِ مکہ کو اپنی سرداریاں‘ چودھراہٹ‘ حاکمیت‘ جھوٹی انا یعنی کہ غیرت و خودداری اور

فرسودہ صدیوں سے جاری من پسند نظامِ حیات اور اس کی وجہ سے حاصل شدہ مراعات، آسائش، عیش وعشرت سب ہی ڈوبتے نظر آرہے تھے اس لیے انہوں نے مکہ میں آباد مسلمانوں پر بہت ظلم وستم ڈھائے اور ہر طرح سے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ کفار و مشرکین اپنی بے بسی اور انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کے جبر و ظلم، ایذاء رسانی و ظلم و تشدد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا گیا اور وہ ظلم و بربریت کی تاریخ میں نت نئے طریقوں و انداز کا اضافہ کرتے گئے۔ جب اس جبر اور تشدد میں ناقابلِ برداشت حد تک اضافہ ہو گیا تو آقائے دو جہاں ﷺ نے مسلمانانِ مکہ کو یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا تا کہ مسلمان اس جبر، ظلم و تشدد کی بستی سے نکل کر امن و امان کے ساتھ فریضۂ زندگی سرانجام دینے کے ساتھ تحریکِ دین اسلام کو آگے بڑھا سکیں۔ حضورِ انور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

''میں نے خواب میں خود کو مکہ سے کسی ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتے پایا جہاں کھجور کے درختوں کی کثرت تھی، میرا گمان تھا کہ وہ ارضِ یمامہ یا ہجر کی سرزمین ہو گی جبکہ وہ یثرب کا شہر تھا۔''

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

گویا واضح طور پر بتا دیا کہ حبشہ کے بعد اب یثرب مسلمانوں کا دوسرا مقام و جائے ہجرت ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور پُر نور رحمتِ دو عالم ﷺ نے مسلمانانِ مکہ کو مکہ سے ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائیوں اور گھر کا انتظام کر دیا ہے جہاں تم پُر امن طور پر رہ سکو گے۔'' (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مشرکین نے انصار کی اس بیعت کے بعد مسلمانوں پر اور زیادہ سختی شروع کر دی اور ظلم و ستم کی رہی سہی کسر بھی نکال دی بالآخر حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ستم رسیدہ مسلمانانِ مکہ کو اجازت دے دی کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ اس فرمانِ مبارک کے ساتھ ہی یثرب کی شاہراہ امن کھل گئی اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین یثرب جانا شروع ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا حال تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ ایک سال پہلے ہی یثرب چلے گئے تھے اور تبلیغ کر کے وہاں اسلام کی روشنی پھیلا چکے تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یثرب جانا تبلیغ دین کے لیے تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اپنی ذمہ داری اس خوب صورتی و کامیابی سے نبھائی کہ ہادیٔ انس و جاں، رہبر کائنات ﷺ کو خوش کر دیا۔

اور اب یثرب کے لئے ہجرت کرنے والوں میں پہل کرنے والے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ تھے، ان کے بعد مسلمان بکثرت یثرب (مدینہ) میں جانے لگ گئے۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی ان میں سے کچھ متبرک و مقدس ہستیوں کے نام یہ ہیں، خالق و مالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ ان سب پر ان کی آل و اولاد پر رہتی دنیا تک اربوں کھربوں بلکہ بے شمار نوازشیں، نعمتیں، رحمتیں اور

برکتیں نازل فرمائے۔آمین-رضی اللہ عنہم اجمعین

۱-حضرت عبداللہ بن جحش

۲-حضرت ابواحمد بن جحش

۳-حضرت عکاشہ بن محصن

۴-حضرت شجاع بن وہب

۵-حضرت عقبہ بن وہب

۶-حضرت اربد بن حمیرہ

۷-حضرت منقذ بن نباتہ

۸-حضرت یزید بن رقیش

۹-حضرت سعید بن رقیش

۱۰-حضرت محرز بن فضلہ

۱۱-حضرت قیس بن جابر

۱۲-حضرت عمرو بن محصن

۱۳-حضرت مالک بن عمرو

۱۴-حضرت صفوان بن عمرو

۱۵-حضرت ثقیف بن عمرو

۱۶-حضرت ربیعہ بن اکثم

۱۷-حضرت زبیر بن عبیدہ

۱۸-حضرت تمام بن عبیدہ

۱۹-حضرت سنجرہ بن عبیدہ

۲۰-حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش

۲۱-حضرت عمر بن خطاب

۲۲-حضرت عیاش بن ابی ربیعہ

۲۳-حضرت زید بن خطاب

۲۴-حضرت عمرو بن سراقہ

۲۵-حضرت عبداللہ بن سراقہ

۲۶-حضرت خنیس بن حذافہ

۲۷-حضرت سعید بن زید

۲۸-حضرت عمرو بن نفیل

۲۹-حضرت واقد بن عبداللہ

۳۰-حضرت خولی بن ابی خولی

۳۱-حضرت مالک بن ابی خولی

۳۲-حضرت ایاس بن بکیر

۳۳-حضرت عامر بن بکیر

۳۴-حضرت عاقل بن بکیر

۳۵-حضرت خالد بن بکیر

۳۶-حضرت طلحہ بن عبیداللہ

۳۷-حضرت صہیب بن سنان

۳۸-حضرت حمزہ بن مطلب

۳۹-حضرت زید بن حارثہ

۴۰-حضرت کناز بن حصین

۴۱-حضرت آنسہ

۴۲-حضرت ابوکبشہ

۴۳-حضرت عبیدہ بن حارث

۴۴-حضرت طفیل بن حارث

۴۵-حضرت حصین بن حارث

۴۶-حضرت مسطح بن اثاثہ

۴۷-حضرت سویبط بن سعد

۴۸-حضرت طلیب بن عمیر

۴۹-حضرت خباب مولی عتبہ بن غزوان

۵۰-حضرت زبیر بن عوام

۵۱- حضرت ابوسبرہ
۵۲- حضرت مصعب بن عمیر
۵۳- حضرت ابوحذیفہ
۵۴- حضرت سالم مولی ابوحذیفہ
۵۵- حضرت عتبہ بن غزوان
۵۶- حضرت عثمان بن عفان

مہاجرخواتین

۱- حضرت زینب بنتِ جحش
۲- حضرت اُم حبیب بنتِ جحش
۳- حضرت جذامہ بنتِ جندل
۴- حضرت اُم قیس بنت محصن
۵- حضرت اُم حبیب بنتِ ثمامہ
۶- حضرت آمنہ بنتِ رقیش
۷- حضرت سنجرہ بنتِ تمیم
۸- حضرت حمنہ بنت جحش
۹- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک رہا

مسلمانوں کی زندگی مدینہ آنے کے بعد بہت حد تک پُرامن ہوگئی لیکن ہجرتِ عظمٰی کے بعد سلسلۂ ہجرت جاری رہا اور لوگ برابر مدینہ آتے رہے کیونکہ ابھی تک بہت سے فدایانِ اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین کے پنجہ ظلم و جبرو استبداد کے اسیر تھے جوں جوں ان کو موقع ملتا رہا' وہ مدینہ آتے رہے۔

پھر اور بہت سے مسلمان جو مکہ کے حوالی واطراف میں دُور دُور رہتے تھے اور ابھی ہجرت کے انتظامات نہیں کرسکتے تھے' یہ بھی سفر کی سہولت پاکر رفتہ رفتہ پہنچتے رہے یہاں تک کہ فتح مکہ تک ہجرت کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ جب تک کفار کا پورا زور ٹوٹ نہ جاتا' ہجرت کس طرح ختم ہوسکتی تھی۔

چنانچہ غزوۂ خیبر سے ذرا ہی پہلے حضرت سعید بن عامر بن خدیم رضی اللہ عنہ' حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تھے پھر حبشہ سے مہاجرین کا آخری گروہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی معیت میں اس وقت مدینہ طیبہ پہنچا جب خیبر کے قلعے فتح ہوچکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس گروہ میں تینتیس (۳۳) مرد اور آٹھ (۸) خواتین تھیں اور اس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور اس کے دوسرے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

جو جب کئی سالوں پہلے مدینہ ہجرت کے لیے نکلے تو ان کی کشتیاں طوفان کے سبب حبشہ کے ساحل پر جا لگیں۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اور انہوں نے وہیں اقامت اختیار کرلی۔

اور فتح مکہ سے کچھ دن پہلے خاصی تعداد مہاجرین کی مدینہ آئی تھی جس میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ' حضرت خالد بن ولید' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت سلمہ بن اکوع' حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی اور حضرت

سلیمان بن حرؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

جب مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کا پورا پورا تسلط قائم ہو گیا تو پیغمبر اوّل و آخر واعظم ہادیٔ انس و جاں رہبر کائنات، سیدالمرسلین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے۔''

ہجرت کا فتح مکہ کے بعد خاتمہ ہو گیا کیونکہ اب اسلام اور مسلمانوں کو تمام عرب میں امن حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کو کسی دارالامان کی ضرورت نہ رہی۔

ہجرت کا آغاز

قارئین کرام! ہجرت فرمانے والے سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ اس وقت کے مسلمانوں کی ایک طرح کی اجتماعی ہجرت تھی جس میں مسلمانوں نے اپنے حالات، ماحول، مجبوریوں و ہدایات کے تحت فرداً فرداً یا بہت چھوٹے گروہوں کی شکل میں دیارِ ظلم و جبر و تشدد سے دیارِ امن و راحت و سکون کی طرف ہجرت فرمائی۔

ہجرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ نے پہلی ہجرت حبشہ سے لے کر اب تک بہت کچھ پڑھ لیا ہے۔ اس لئے اب چند اور وہ بھی چیدہ چیدہ جذبۂ حبِ اللہ، رسول، و دین اسلام کو ابھارنے والی، ولولہ انگیز، خون گرما دینے والی، ایمان افروز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کے بارے میں بیان کیا جائے گا۔

یثرب کی طرف پہلے مہاجر

حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ

یثرب کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے کی جس کو سعادت نصیب ہوئی، وہ حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے یہ ہجرت بیعتِ عقبہ کے انعقاد سے بھی ایک سال پہلے کی، ان کا پورا نام ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ہے۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد۲ صفحہ۲۱۵، السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ صفحہ۷۷)

انہوں نے اس سے پیشتر اپنے کنبہ سمیت حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، کئی سال کی جلاوطنی کے بعد جب مکہ واپس آئے تو قریش نے ان پر دوبارہ مشق جور و ستم شروع کر دی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا کہ یہاں سے کئی سو میل دُور یثرب شہر میں مسلمانوں کی کافی تعداد آباد ہے اس لیے اہلِ مکہ کے مظالم سے بچنے کے لیے انہوں نے یثرب جانے کا پروگرام بنا لیا۔ حضرت سلمہ نے اپنی دادی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دادا حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا واقعہ یوں روایت کیا ہے:

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے شوہر ابوسلمہ نے جب ہجرت کا پختہ عزم کرلیا تو وہ اپنی اونٹنی لے آئے' مجھے اس پر سوار کیا اور اپنے بیٹے سلمہ کو میری گود میں بٹھا دیا۔ اونٹنی کی نکیل پکڑی اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئے جب بنومغیرہ بن عبداللہ نے انہیں ہجرت کرتے دیکھا تو ان کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہا اے ابوسلمہ! اگر تم ہماری مرضی کے خلاف وطن چھوڑ کر چلے جانے پر مصر ہو تو تمہاری مرضی' ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے لیکن ہماری بچی اُم سلمہ کو لے جانے کی ہم تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابوسلمہ کے ہاتھ سے اونٹنی کی نکیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ واپس لے چلے۔

ابوسلمہ کے خاندان کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصہ سے برافروختہ ہوگئے' انہوں نے بنومغیرہ کو آ کر کہا کہ اگر تم ہمارے بھائی ابوسلمہ کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھیجنے پر رضامند نہیں تو پھر ہم بھی تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم ہمارا بیٹا (شیر خوار سلمہ) اپنے ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے میری گود سے میرا لختِ جگر چھین لیا اس کھینچا تانی میں میرے ننھے بیٹے کا بازو اُتر گیا۔

میرے شوہر ابوسلمہ کا فراق ہی میرے لیے جانکاہ تھا اب بیٹا بھی مجھ سے چھین لیا گیا اور اس کی جدائی کا زخم بھی مجھے سہنا پڑا۔ میرے خاندان والے مجھے لے گئے اور مجھے محبوس کر دیا اس طرح میرا سارا کنبہ بکھر گیا اور میرا سارا سکون غارت ہوگیا۔ میں الگ' میرا بیٹا الگ اور میرا خاوند الگ' ہم سب ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے۔

میں ہر صبح ابطح کے مقام پر پہنچتی جہاں میرا سارا کنبہ بکھرا تھا وہاں بیٹھ کر دن بھر اپنے خاوند' اپنے لختِ جگر کے فراق میں آنسو بہاتی رہتی اور شام کو واپس آ جاتی اس طرح تقریباً ایک سال گزر گیا۔

ایک روز میں وہاں بیٹھی رو رہی تھی کہ بنی مغیرہ میں سے میرا ایک چچازاد میرے قریب سے گزرا۔ اس نے جب میری یہ حالتِ زار دیکھی تو اس کا دل پسیج گیا۔ واپس آ کر اس نے اپنے قبیلہ والوں کو ملامت کی کہ تمہیں اس مسکینہ پر رحم نہیں آتا' تم نے اس کو اس کے خاوند کو اور اس کے بچے کو جدا جدا کر دیا؟ اس کے سمجھانے پر میرے خاندان والوں نے مجھے کہا اگر تم اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ' ہماری طرف سے اجازت ہے۔ میرے خاوند کے رشتہ داروں کو اس اجازت کا پتہ چلا تو انہوں نے میرا بیٹا مجھے واپس کر دیا۔ میں نے اپنے اونٹ پر کجاوا ڈالا اس پر سوار ہوگئی پھر اپنے بیٹے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور تنہا مدینہ طیبہ روانہ ہوگئی۔

مکہ سے باہر جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو وہاں مجھے عثمان بن طلحہ مل گیا اس نے مجھ سے پوچھا اے ابواُمیہ کی بیٹی! کدھر کا قصد ہے؟ میں نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں اس نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ہے؟ میں نے بتایا خدا کی قسم! اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا اور اس ننھے بچے کے سوا میرے ساتھ اور کوئی نہیں۔ اس نے کہا میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا اس نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور

مجھے لے کر چل پڑا۔ بخدا! میں نے آج تک ایسا کریم النفس رفیق سفر کوئی نہیں دیکھا جب وہ پڑاؤ پر پہنچتا تو اونٹ کو بٹھاتا پھر دُور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا۔ جب میں اونٹ سے اُتر جاتی تو وہ اونٹ کو پکڑ کر لے جاتا اس سے پالان اُتارتا اور اسے باندھ دیتا پھر دُور کسی درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لیے لیٹ جاتا۔ جب دوبارہ سفر شروع کرنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ پر کجاوہ کس کر لے آتا' اسے میرے قریب لا کر بٹھا دیتا' مجھے کہتا اب سوار ہو جاؤ۔ میں سوار ہونے لگتی تو وہ پرے ہٹ جاتا جب سوار ہو کر بیٹھ جاتی تو وہ آ کر نکیل پکڑ لیتا اور چلنے لگتا۔ سارے سفر میں اس کا یہی معمول رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے مدینہ پہنچا دیا۔ جب قبا کی بستی دِکھائی دینے لگی جہاں بنو عمرو بن عوف آباد تھے اور وہاں ہی میرے شوہر قیام پذیر تھے تو اس نے کہا کہ تمہارا خاندان اس گاؤں میں ہے وہاں چلی جاؤ' اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں برکتیں عطا فرمائے۔

مجھے وہاں پہنچا کر وہ مکہ واپس چلا آیا۔ آپ فرماتی ہیں:

''بخدا! میں اسلام میں کسی خاندان کو نہیں جانتی جسے ابوسلمہ کے خاندان سے زیادہ مصیبتیں جھیلنی پڑی ہوں اور نہ میں نے کوئی ایسا ساتھی دیکھا ہے جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف النفس ہو۔''

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)

آپ غور فرمائیے اہلِ ایمان کی اس استقامت اور عزیمت پر' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اس کی بیوی چھین لی جاتی ہے' ان کے لختِ جگر کو اس سے جدا کر دیا جاتا ہے لیکن حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی منزلِ محبت سے رُخ نہیں پھیرتے' سب کو اللہ کے حوالے کر کے مدینہ کی طرف والہانہ انداز میں قدم بڑھاتے جاتے ہیں۔ معصوم بچے کو ماں اور باپ دونوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کو بیک وقت دو صدمے برداشت کرنے پڑ رہے ہیں' اپنے شوہر کا فراق اور اپنے نورِ نظر کی جدائی لیکن کیا مجال کہ پائے استقامت میں ذرا سی جنبش بھی آئی ہو۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ مع اپنی رفیقہ حیات لیلیٰ بنت ابی حیثمہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے' یہ عدی بن کعب کے حلیف تھے' آپ نے انہیں کے پاس اقامت اختیار کی۔

پھر عبداللہ بن جحش' اپنے وطن اور اہلِ وطن کو' اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول و مکرم ﷺ کی محبت میں چھوڑ کر اپنی دولتِ ایمانی کو اپنے سینے میں سمیٹے مدینہ طیبہ پہنچتے ہیں۔ انہوں نے تنہا ہجرت نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ اپنا سارا خاندان لے کر روانہ ہوئے۔ ان کی زوجہ محترمہ' ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے' یہ نابینا تھے۔ بایں ہمہ مکہ کی اونچی نیچی گلیوں اور گھاٹیوں میں بغیر کسی قائد کے آزادانہ گھومتے پھرتے تھے۔ یہ بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے' ان کی بیوی ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھی اس کا نام ''الفارعہ'' تھا' ان کی والدہ کا نام ''امیمہ'' تھا جو سردار بنی ہاشم حضرت عبدالمطلب کی صاحب زادی تھی۔

اتنے بڑے نانا کا دوہتا (نواسا)' ابوسفیان جیسے رئیسِ مکہ کا داماد اور قادر الکلام شاعر جب میخانہ توحید کے ساقی کے دستِ مبارک سے مئے توحید کا جام پیتا ہے تو اپنے خالق کے سوا سب کو بھول جاتا ہے' اپنے سارے تعلقات کو توڑ دیتا ہے اور اپنی معذوریوں کے باوجود ذوق وشوق کی پُرخار وادیوں کو روندتا ہوا منزلِ جاناں کی طرف مستانہ وار بڑھتا چلا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس مہاجر کارواں کے بیس (۲۰) مردوں اور آٹھ (۸) خواتین کے نام گنائے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

ان سب کے وہاں سے چلے آنے سے ان کا گھر جہاں ہر وقت گہما گہمی رہتی تھی' اُجڑ کر رہ گیا۔ ایک روز عتبہ بن ربیعہ' حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل کا اس طرف سے گزر ہوا۔ عتبہ کی نظر اس گھر پر پڑی جو سُونا پڑا تھا اور اس میں بسنے والے اسے یوں ویران چھوڑ کر چلے گئے تھے اس نے لمبی آہ بھری اور یہ شعر پڑھا:

''ہر گھر خواہ وہ طویل عرصہ تک آباد اور سلامت رہا ہو' ایک نہ ایک دن اس پر بربادی آئے گی اور وہ اُجاڑ ہو جائے گا۔''

وہ لوگ جو اپنے آباد گھروں کو سُونا کر کے چلے گئے تھے' انہیں ان کے اُجڑنے کا ذرا دُکھ نہ تھا کیونکہ انہوں نے معرفتِ الٰہی کے چراغ روشن کر کے اپنے حریم دل کو آباد کر لیا تھا۔ انہوں نے فانی دنیا کے عوض آخرت کی ابدی نعمتیں اور سچی مسرتیں حاصل کر لی تھیں' وہ اس سودے پر بہت نازاں اور خوش اور از حد مسرور تھے۔

ابواحمد (عبیدہ اللہ بن جحش)' وہ نابینا شاعر اس ہجرت کی روح پرور کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

۱- ''جب میری بیوی اُم احمد نے مجھے سویرے سفر پر آمادہ دیکھا اس ذات کی رضا کے لیے جس سے میں حالتِ غیب میں بھی ڈرتا ہوں اور خائف رہتا ہوں۔''

۲- ''وہ کہنے لگی اے میرے سرتاج! اگر تم نے یہاں سے کوچ کرنے کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو کسی اچھے شہر کا رُخ کرنا اور یثرب جانے سے بچنا۔''

۳- میں نے اسے کہا آج تو ہماری منزلِ مقصود یثرب ہی ہے اور جو اللہ تبارک تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے' بندہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔''

۴- ''میرا رُخ' اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جو اپنے چہرے کو اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب متوجہ کر لیتا ہے' وہ نامراد نہیں رہتا۔''

۵- ''ہم نے منزل جاناں کی طرف ہجرت کرتے ہوئے اپنے کتنے مخلص دوستوں کی جدائی اختیار کی ہے اور کتنی ایسی نصیحت کرنے والیوں کو آنسو بہاتے ہوئے اور آہ وفغاں کرتے ہوئے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ محض کسی فرد کا نہیں ایک تحریک کا نام ہے۔ وقت کے فرعونوں کے روبرو سر

اُٹھا کر چلنے کی تحریک کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال و جمال کے پیکر کا نام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیرتِ ایمانی کی علامت' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاں نثاری کی روشن مثال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جرأتِ اظہار کا بلیغ استعارہ۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام کو پوشیدہ قبول نہیں کیا بلکہ باقاعدہ اس کا اعلان کیا' یہ کفار کے لیے ایک چیلنج تھا لیکن کسی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اتنی جرأت نہ ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستے کی دیوار بنتا۔ عشق بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑتا ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس عشق کے مظہر تھے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو ایک نیا حوصلہ ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا ہم تفصیل سے ذکر کر آئے ہیں' ان کی ہجرت اسی بے خوفی کا آئینہ دار تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ علی الاعلان مکہ سے رخصت ہوئے لیکن کسی کو جلالِ فاروقی کے سامنے دَم مارنے کی مجال نہ تھی۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' حضرت عیاش بن ابی ربیعہ اور حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا۔ اگلے روز طے شدہ پروگرام کے مطابق صبح کے وقت تینوں احباب کو بنی غفار کے علاقے میں ''تناضب'' کے مقام پر اکٹھے ہو کر ایک ساتھ سوئے یثرب عازمِ سفر ہونا تھا۔ کفار و مشرکین میں سے کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرتا۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی چھپتے چھپاتے روانگی کے مقام پر پہنچ گئے لیکن ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ اس مقام تک نہ پہنچ سکے کیونکہ کفارِ مکہ کے کانوں میں حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ چنانچہ انہیں ہجرت سے روک لیا گیا' پس وعدے کے مطابق وہ دونوں یثرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ (سیرت ابن کثیر ۲: ۲۲۰)

شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم' حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میری دانست میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے بھی علی الاعلان ہجرت نہیں کی بلکہ قریش کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ہجرت کا فریضہ رازداری سے سرانجام دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تلوار' تیر و کمان اور نیزے سے مسلح ہو کر کعبہ کے طواف کے لیے حرم شریف تشریف لے گئے' قریش کے چند گروہ آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کا منظر دیکھ رہے تھے لیکن کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا راستہ روکتا۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کیے' نماز سے فارغ ہو کر باری باری قریش کے ہر گروہ کے پاس تشریف لے جاتے اور بلند آواز سے اعلان کرتے جاتے:

> ''تم میں سے جس کسی کو یہ خواہش ہو کہ اس کی ماں اس کے کھو جانے پر روئے اور اس کی اولاد یتیم ہو اور اس کی بیوی بیوہ ہو تو وہ اس وادی کے دوسری طرف مجھ سے ملے۔''

(السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱' ۲۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو بھی مداخلت کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی کسی قریشی نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چیلنج قبول کیا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے آقا تاجدارِ کائنات سرکارِ دوعالم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں بے وطنی قبول کر لی حالانکہ سارے مکہ میں اپنی تمام تر اسلام دشمنی کے باوجود قریش حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبہ کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔

حضرت نافع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہجرت کا واقعہ یوں روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص رضی اللہ عنہما نے اکٹھا ہجرت کرنے کا پروگرام بنایا اور طے یہ کیا کہ بنی غفار کے تالاب کے پاس ''تناضب'' کے مقام پر صبح سویرے اکٹھے ہوں گے اور وہاں سے ایک ساتھ یثرب روانہ ہوں گے اور یہ بھی طے کیا کہ اگر ہم تین میں سے کسی شخص کو کوئی مجبوری پیش آئے اور وہ وقتِ مقررہ پر وہاں نہ پہنچے تو باقی دو ساتھی مزید انتظار کیے بغیر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں۔ عیاش تو چھپ چھپا کر اس مخصوص مقام تک پہنچ گئے، ہشام سرے سے وہاں پہنچ نہ سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مقامِ مقررہ پر میں اور عیاش بن ابی ربیعہ پہنچ گئے لیکن ہشام نہیں پہنچے۔ ہم نے اندازہ لگا لیا کہ کفار کو ان کی ہجرت کا علم ہو گیا ہے اور انہوں نے ہشام کو روک لیا ہے، ہم روانہ ہو گئے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں جا کر قیام کیا۔

حضرت عیاش رضی اللہ عنہ

ابوجہل اور حارث کو جب پتہ چلا کہ عیاش بن ربیعہ ہجرت کر کے یثرب چلا گیا ہے تو وہ دونوں اس کے تعاقب میں یثرب پہنچے۔ عیاش ان دونوں کے چچا کا لڑکا بھی تھا اور ماں کی طرف سے ان کا بھائی بھی تھا جب ابوجہل اور حارث وہاں پہنچے تو انہوں نے عیاش رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور اسے کہا جب تیری ماں کو تیری ہجرت کا علم ہوا تو اس نے نذر مانی ہے کہ جب تک تجھے دیکھے گی نہیں، اپنے بالوں میں کنگھی نہیں کرے گی اور نہ سائے میں بیٹھے گی۔ اپنی ماں کا حال سن کر عیاش رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا اور وہ واپس جانے پر تیار ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اسے کہا اے عیاش! بخدا! یہ تیرے رشتے دار تیرے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں اور تجھے اپنے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ بخدا! جس وقت تیری ماں کو جوئیں کاٹیں گی تو وہ خود بخود کنگھی کرے گی اور جب مکہ کی کڑکتی دھوپ اس پر آگ برسائے گی تو خود ہی سایہ میں جا کر بیٹھ جائے گی۔ عیاش نے کہا کہ میں ایک دفعہ جاؤں گا تاکہ ماں کی قسم کو پورا کروں۔ نیز میں وہاں اپنا کافی مال چھوڑ کر آیا ہوں، وہ بھی لے آؤں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا' اے عیاش! (رضی اللہ عنہ) تو جانتا ہے کہ میں مکہ کے بڑے رئیسوں میں سے ایک ہوں' میں اپنا نصف مال تجھے پیش کرتا ہوں تو وہ لے لے اور اپنے اوپر رحم کر اور ان لوگوں کے دامِ فریب میں نہ پھنس لیکن اس نے میری بات نہ مانی اور واپس جانے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر میں میں نے اسے کہا کہ اگر تم میری کوئی بات نہیں مانتے تو ایسا کرو میری یہ اونٹنی لے جاؤ' یہ بڑی تیز رفتار اور فرماں بردار ہے اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤ' اثنائے سفر اگر ان مشرکین کی طرف سے تمہیں کوئی شک وشبہ گزرے تو اس کو ایڑی لگانا' وہ تمہیں ان کے چنگل سے نکال لے جائے گی اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی اونٹنی لے لی اور اس پر سوار ہو کر ابوجہل اور حارث کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

جب کچھ سفر طے کر چکے تو ابوجہل نے کہا' میرے بھائی! میں نے اپنے اونٹ کو بڑی مشقت میں ڈالا ہے اب یہ تھک گیا ہے' کیا تم اپنی ناقہ پر مجھے اپنے پیچھے نہیں بٹھا لیتے تا کہ میرا اونٹ کچھ ستا لے اور تازہ دَم ہو جائے؟ عیاش نے کہا' ہاں! پس تینوں نے اپنے اپنے اونٹوں کو بٹھایا تا کہ ابوجہل' عیاش کے پیچھے اس کی اونٹنی پر سوار ہو جائے جب وہ زمین پر اُتر گئے تو ان دونوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق اس کو پکڑ لیا اور اس کے پاؤں اور ہاتھوں کو مضبوط رسی سے جکڑ دیا اور اسی حالت میں اسے لے کر دن کے اُجالے میں مکہ میں داخل ہوئے جہاں سے گزرتے لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے' وہ ان کو کہتے:

''اے مکہ والو! تم بھی اپنے احمقوں کے ساتھ یہی سلوک کرو جو ہم نے اپنے اس احمق کے ساتھ کیا ہے۔''

دونوں نے باری باری حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو سو سو دُرّے لگائے اور جب وہ مکہ پہنچے تو انہیں باندھ کر چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا گیا۔ ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک یہ دینِ اسلام کو ترک نہیں کرے گا اس کی رسیاں نہیں کھولی جائیں گی اور یوں ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ابوجہل اور حارث حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو قیدی بنائے مکہ میں داخل ہوئے تو یہ دن کا وقت تھا' لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوئے تو ابوجہل اور حارث نے ان سے کہا:

''اے اہلِ مکہ! تم بھی اپنے بے وقوفوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ہم نے اپنے بے وقوف کے ساتھ کیا ہے۔'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۷۵)

اگر حضرت عیاش رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بات مان لیتے تو وہ دشمنوں کے دامِ فریب میں آ کر اپنی آزادی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے مسلمان مزید چوکنا ہو گئے اور یثرب کے مسلمانوں نے حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کی واپسی پر یہ گمان کرنا شروع کر دیا کہ جو پلٹ کر فتنے میں چلا گیا' اللہ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ اس شخص کے فرض، نفل اور توبہ کو قبول نہیں کرتا جو فتنے میں مبتلا ہو گیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۳۱۶)

کیا عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ نے دینِ اسلام کو ترک کر کے پھر کفر اختیار کر لیا؟
اگرچہ بعض روایات میں اس رائے کی تائید ہوتی ہے لیکن اس سے قوی دلائل ایسے ہیں جو اسلام پر ان کی ثابت قدمی کی شہادت دیتے ہیں۔ کفارِ مکہ انہیں مسلسل طرح طرح کی سزائیں دیتے رہے اگر انہوں نے دوبارہ کفر قبول کر لیا ہوتا تو پھر ان کو سزا دینے کا کوئی جواز نہ تھا۔ نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو چالیس دنوں تک ہر صبح کی نماز میں ان کی نجات کے لیے دعائیں مانگتے، عرض کرتے:

''اے اللہ! کفار کے پنجہ استبداد سے نجات دے ولید بن ولید، عیاش بن ربیعہ، ہشام بن العاص کو رضوان اللہ اجمعین۔ نیز ان کمزور اہلِ ایمان کو بھی نجات دے جو مکہ میں ہیں اور جو کسی حیلہ سے ہجرت کی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ انہیں کوئی راہِ فرار دکھائی دیتی ہے۔''

(السیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۶)

ان دونوں کا نام لے کر حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نجات کے لیے دعا فرماتے رہے۔ خدانخواستہ اگر انہوں نے اسلام سے رُخ موڑ لیا ہوتا تو وہ قطعاً اس دعا کے مستحق نہ تھے۔ کفار کا انہیں مسلسل عذاب دیتے رہنا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے یہ دعائیں مانگنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انہوں نے اسلام سے اپنا رشتہ منقطع نہیں کیا تھا۔

قریش نے ان دونوں کو محبوس کر دیا اور کئی سال وہ ان کی قید میں رہے۔ ۲ ہجری میں جنگِ بدر ہوئی، مسلمانوں نے کفارِ مکہ کے ستر آدمیوں کو جنگی قیدی بنا لیا۔ ولید بن ولید حضرت خالد کے بھائی بھی ان جنگی قیدیوں میں تھے۔ خالد اور ہشام نے اپنے بھائی ولید کا فدیہ ادا کیا اور انہیں رہا کرا کے واپس مکہ لے آئے۔ مکہ پہنچ کر ولید نے اسلام قبول کر لینے کا اعلان کر دیا یعنی وہ مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ اس پر ان کے دونوں بھائی بہت برہم ہوئے اور ولید کو کہا کہ اگر تم مسلمان ہو گئے تھے تو پہلے اعلان کر دیا ہوتا، ہم زرِ فدیہ دینے سے تو بچ جاتے۔ ولید نے کہا کہ اگر میں اس وقت اپنے ایمان لانے کا اعلان کرتا تو ممکن ہے کچھ لوگ یہ گمان کرتے کہ میں فدیہ سے بچنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ لوگ میرے بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ کچھ روز بعد وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۶)

علامہ ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضور پُرنور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''کون ہے جو عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص کو میرے پاس لے آئے؟''
ولید نے عرض کی، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدمت میں انجام دوں گا۔ وہ اسی وقت تعمیلِ ارشاد کے لیے مکہ

روانہ ہو گئے اور چھپتے چھپاتے مکہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں ایک عورت ملی جو کھانا لے جا رہی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا' اللہ کی بندی! تم کدھر جا رہی ہو؟ اس نے جواب دیا' ان دو قیدیوں کو کھانا پہنچانے جا رہی ہوں۔ آپ اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور اس مکان کا پتہ چلا لیا جہاں ان کے دو دینی بھائی محبوس تھے۔ یہ ایک چار دیواری تھی جس پر چھت نہ تھی جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو وہ آہستہ سے وہاں پہنچے اور دیوار کو پھاند کر نیچے اُتر گئے جہاں انہیں ہتھکڑیاں لگا کر قید کر دیا گیا تھا۔ ولید نے ان کی ہتھکڑیوں کو ایک پتھر کے اوپر رکھا اور تلوار کا وار کر کے ان ہتھکڑیوں کو کاٹ ڈالا پھر انہیں باہر نکالا' اپنے اونٹ پر سوار کیا' خود نکیل پکڑی اور انہیں لے کر اپنے محبوب پیارے رسول' آقائے دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ راستے میں ان کا پاؤں پھسلا' ایک انگلی زخمی ہوئی اس سے خون بہنے لگا' فوراً انگلی کو کہا:

''کیا ہے ایک انگلی ہی ہے جس سے خون بہنے لگا ہے' مجھے یہ تکلیف اللہ کے راستے میں ہوئی ہے۔''

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۸'۸۷)

ان تینوں میں سے حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ کو سفر سے پہلے ہی اہلِ مکہ نے اپنے قابو میں کر لیا تھا' ل اور حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو مکر و فریب سے پھر پکڑ کر مکہ میں واپس لے آئے۔

(السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲' ۲۲

حضورِ انور ﷺ کے یثرب تشریف لانے اور یثرب کے مدینۃ النبی بننے تک وہاں کے عام مسلمان دل ہی دل میں حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ رائے قائم کیے ہوئے تھے (اگرچہ وہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے) کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی لیکن حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ہجرت کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے حق میں سورہ زمر کی آیات 53 تا 55 نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

''اے حبیب! آپ فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی پیروی کرو جو اچھی سے اچھی تمہارے رب سے تمہاری طرف اُتاری گئی قبل اس کے کہ عذاب تم پر اچانک آ جائے اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔

(سورۂ زمر آیات ۵۳'۵۵)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد انہوں نے ہشام بن العاص

رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خط میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تب میں نے بارگاہِ الوہیت میں دعا کی:

''اے میرے اللہ! مجھے اس کی سمجھ عطا کر۔''

تب اللہ کی طرف سے اس کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا اور میں اونٹ پر بیٹھ کر حضورِ انور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں مدینہ حاضر ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۷۶)

حضور پُرنور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی دل جوئی فرماتے' ان کے دُکھ سکھ میں شریک ہوتے' قائد کی اپنے کارکنوں کی مشفقانہ سرپرستی ان کے اعتماد میں اضافہ کرتی ہے' ان کے خلوص پر اعتماد تحریکوں کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکلیف کا سُن کر بے چین ہو جایا کرتے تھے اور دستِ اقدس بارگاہِ خداوندی میں ان کی سلامتی کے لیے اُٹھ جاتے۔ ان کمزور اور غریب اہل ایمان جو مکہ سے مجبوریوں کے سبب ہجرت نہ کر سکے' کے ساتھ حضرت عیاش اور ہشام رضی اللہ عنہما بھی وہ خوش قسمت صحابہ تھے جن کی رہائی کے لیے رحمتِ دو جہاں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس (۴۰) روز تک ہر صبح کی نماز میں دعا مانگتے رہے۔

مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔ حضرت زید' حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے عمر میں بڑے تھے اور ان سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ نیز عہد صدیق میں جب منکرین ختمِ نبوت کے خلاف خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علم جہاد بلند کیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

''میرا بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گیا۔ مجھ سے پہلے اس نے اسلام قبول کیا اور مجھ سے پہلے شرفِ شہادت حاصل کیا' آپ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات پر سخت دُکھ ہوا۔''

علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قبا پہنچے تو ان کے خاندان کے دوسرے افراد بھی ہجرت کر کے ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں ان کے بھائی زید بن خطاب' عمرو عبداللہ فرزندانِ سراقہ بن معمر' آپ کے داماد خنیس بن حذافہ سہمی آپ کے بہنوئی سعید بن زید نیز واقد بن عبداللہ تیمی (آپ کے حلیف) خولی ابن خولی و مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲' السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۸)

ان حضرات کی ہجرت کے بعد مہاجرین کی آمد کا تانتا بندھ گیا جس وقت کسی کو موقع ملتا' وہ مکہ چھوڑ کر یثرب روانہ ہو جاتا۔ امام بخاری' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن اُم مکتوم تشریف لائے' وہ لوگوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دیتے تھے پھر حضرت بلال' حضرت سعد' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم

ہجرت کر کے ہمارے ہاں پہنچے پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیس (۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں وہاں تشریف لے آئے۔'' (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی مہاجرین سابقین میں سے تھے جو رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یثرب تشریف آوری سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔

حضرات حمزہ، زید بن حارثہ، ابو مرثد اور ان کا بیٹا مرثد رضی اللہ عنہم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے جو حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قبا میں عصبہ کے مقام پر حضرت منذر بن محمد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آ کر ٹھہرے، حضرت طلحہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما ہجرت کر کے مدینہ کی ایک اضافی بستی السخ میں حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے ہاں آ کر اُترے۔ خبیب، بلحارث بن خزرج کے بھائی تھے۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر بارگاہِ نبوت کے بھائی حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں رہائش اختیار کی۔

وہ مہاجرین جو تنہا تھے یعنی اہل وعیال کے بغیر ہجرت کر کے آئے تھے، وہ سب حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر فروکش ہوتے کیونکہ وہ خود بھی اہلِ وعیال کے جنجال سے آزاد تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۲)

ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے بعد میں مدینہ پہنچنے والے صحابی شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جنہیں نہ تو قریش نے فتنے میں مبتلا کیا اور نہ انہیں نظر بند ہی کیا۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا کہ تین روز مکہ میں قیام کریں، رات میرے بستر پر آرام کریں اور وہ امانتیں جو لوگوں نے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو امین اور صادق جان کر ان کے پاس رکھوائی تھیں، ان لوگوں کے سپرد کر کے سفرِ ہجرت اختیار کریں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ہدایت پر عمل کیا اور بعد میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آن ملے۔

(دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۶۴)

ہجرتِ صہیب رضی اللہ عنہ

صہیب کا اصلی وطن دریائے دجلہ یا فرات کے ساحل پر واقع ایک گاؤں تھا جب رومی لشکر نے اس علاقے پر چڑھائی کی تو انہیں جنگی قیدی بنالیا۔ اس وقت یہ کمسن تھے، رومیوں نے انہیں بنوکلب کے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ انہیں لے کر مکہ آیا، عبداللہ بن جدعان نے انہیں اس شخص سے خریدا اور آزاد کر دیا۔ آپ نے مکہ میں ہی رہائش اختیار کر لی اور جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمار بن یاسر اور حضرت

صہیب رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک روز اسلام قبول کیا۔ ایک دن حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ صہیب! تمہارا لڑکا تو ہے نہیں پھر تم نے اپنی کنیت کیوں رکھ لی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے آقا کا کرم ہے' میرے آقا نے خود میری کنیت ابویحییٰ رکھی ہے۔ ان کی زبان میں بہت زیادہ عجمیت تھی' عربی لہجہ میں عربی الفاظ کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تھے' طبیعت میں بلا کی ظرافت تھی۔

ان کی ظریفانہ باتوں سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت محظوظ ہوتے۔ ایک روز ان کی ایک آنکھ دُکھتی تھی' کہتے ہیں میں اس حالت میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوریں اور روٹی میرے سامنے رکھی' میں کھجوریں کھانے لگا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صہیب! تمہاری آنکھ بھی دُکھتی ہے اور پھر تم کھجوریں کھا رہے ہو؟ عرض کی میں دوسری صحیح آنکھ کی طرف سے انہیں کھا رہا ہوں۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر بہت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد ا صفحہ ۴۱۷'۴۱۸)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں ہی کاروبار شروع کیا جو بہت چمکا اور ان کا شمار مکہ کے مالدار تاجروں میں ہونے لگا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا دل بے چین ہو گیا' طبیعت بے قرار رہنے لگی' کسی پہلو آرام نہیں آتا تھا۔ آخر ارادہ کیا کہ وہیں جا کر بسیں جہاں حضور پُرنور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر جمال جہاں افروز رہتا ہے۔ مکہ سے رخصت ہونے لگے تو اہلِ مکہ کو پتہ چل گیا چند نوجوانوں نے آ کر ان کا گھیراؤ کر لیا اور انہیں کہا:

''اے صہیب! جب تم یہاں آئے تھے تو مفلس و قلاش تھے اور ایک حقیر انسان تھے یہاں رہ کر تم نے یہ بے شمار دولت کمائی ہے اور معاشرہ میں بلند مقام حاصل کیا ہے اب تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو اور اپنا مال و متاع بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔ بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اگر میں اپنا سارا مال تمہارے حوالے کر دوں تو کیا پھر تم مجھے جانے دو گے؟''

انہوں نے کہا' ہاں! آپ نے فرمایا' یہ لو میرا سارا مال و متاع' تمہیں یہ مبارک ہو' مجھے منزلِ جاناں کی طرف جانے سے نہ روکو۔

حضورِ انور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے جاں نثار صہیب کے اس بے مثال ایثار کی اطلاع ملی تو اس ذرہ پرور اور دل نواز آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اپنے غلام کو داد دی اور حوصلہ افزائی فرمائی:

''بڑا نفع کمایا صہیب نے' بڑا نفع کمایا صہیب نے'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۹)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی

مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والوں کے علاوہ پچاس (۵۰) مہاجرین کا ایک اور جتھہ حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ کی معیت میں یمن سے مدینہ کے لیے چلا لیکن حبشہ جا پہنچا۔ اس کے بارے میں امام بخاری باب ہجرۃ الحبشہ کے ضمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

''ہم یمن میں تھے' ہمیں یہ اطلاع ملی کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں' ہم وہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے تاکہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کریں لیکن راستے میں ہمیں سمندری طوفان نے آ لیا اور ہماری کشتیاں حبشہ کے ساحل پر جالگیں۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ چنانچہ ہم نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور کئی سال وہاں قیام کیا اور ہم اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ طیبہ آئے جبکہ خیبر کے سارے قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا' ہمیں دیکھ کر حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کہ اے کشتی میں سوار ہو کر آنے والو! تمہیں دو ہجرتوں کا ثواب ملے گا۔''

پہلی ہجرت اپنے وطن سے حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مسلمان نجاشی کے زیر سایہ امن و عافیت کے دن گزار رہے تھے اور بڑی آزادی سے اپنے رب قدوس کی عبادت کیا کرتے تھے تو نجاشی کے خلاف حبشہ کے ایک شخص نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ ہمیں اس سے بڑا قلق ہوا کہ مبادا وہ باغی غالب آ جائے تو معلوم نہیں وہ ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کرے۔ ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں نجاشی کی کامیابی کے لیے ہر وقت دست بدعا رہتے تھے اور بڑی عاجزی سے دعا مانگتے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کی نصرت فرمائے اور اسے فتح بخشے۔ چنانچہ دریائے نیل کے دوسری جانب ایک میدان میں دونوں لشکر قوت آزمائی کے لیے جمع ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے آپس میں کہا کہ ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو میدانِ جنگ میں جائے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرے پھر اس جنگ کے نتیجے سے ہمیں مطلع کرے؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو سب سے کم عمر اور نوجوان تھے وہ بولے' یہ خدمت میں بجالاؤں گا۔ ایک مشک میں ہوا بھری اور اس کے منہ کو باندھ دیا پھر وہ اس کے ذریعے دریائے نیل کو تیر کر عبور کرنے میں کامیاب ہوئے اور دوسرے کنارے پر پہنچے جہاں دونوں لشکر برسرپیکار ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے اس معرکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں کی التجاؤں کو شرف قبول بخشا اس باغی کو شکست ہوئی' وہ میدانِ جنگ میں مارا گیا اور نجاشی کو اللہ تبارک تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی ہے

حضرت زبیر پھر دریائے کو عبور کرتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے اور دُور سے ہی اپنی چادر لہرا کر ہمیں یہ خوش خبری سنائی:

''اے بندگانِ خدا! مبارک ہو اللہ تبارک تعالیٰ نے نجاشی کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔''

ہمیں نجاشی کی اس کامیابی سے اتنی خوشی ہوئی کہ ہم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں' ہم وہاں امن سے ٹھہرے رہے۔

حبشہ کے تمام مہاجرین یکبارگی واپس نہیں آئے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس کے بعد جلد ہی مکہ لوٹ آئے۔ باقی ماندہ مسلمانوں نے جب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ہجرت کے بارے میں سنا تو ان میں سے تینتیس (۳۳) مرد اور آٹھ (۸) عورتیں حبشہ سے مدینہ طیبہ واپس آ گئیں اور ان میں سے چوبیس (۲۴) نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد' امام یوسف صالحی شامی جلد ۲ صفحہ ۵۲۴)

ابن سعد طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ یہ تینتیس (۳۳) مرد اور آٹھ (۸) خواتین حبشہ سے مکہ آئے یہاں دو نے وفات پائی' سات کو اہلِ مکہ نے اپنی حراست میں لے لیا' بقیہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ (طبقات الکبریٰ' ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۰۷)

اور حبشہ کے مہاجرین کا آخری گروہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی معیت میں اس وقت واپس مدینہ طیبہ پہنچا جب خیبر کے سارے قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ ان کی آمد پر حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ ان دو باتوں میں سے مجھے کس سے زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہے۔ خیبر کی فتح سے یا جعفر کے آنے سے۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۰)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب آئے تو نجاشی کی طرف سے بہت سے تحائف ہمراہ لائے' نجاشی نے اپنے بھتیجے ''ذونختر'' یا ''ذومخمر'' کو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ اس کی طرف سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت بجا لائے۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۰)

اگرچہ مسلمانوں کو نجاشی کے زیرِ سایہ ہر قسم کا آرام و سکون میسر تھا' وہ آزادی سے اپنی عبادات بجا لاتے' اپنے معبودِ برحق کے ذکر اور یاد میں مصروف رہتے' کوئی ان کو منع کرنے والا نہ تھا البتہ ایک حادثے سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔ ان کے دو ساتھی عبیداللہ بن جحش اور سکران بن عمرو بن عبد شمس نے وہاں عیسائیوں کے مزین و آراستہ گرجے دیکھے' پادریوں کے کروفر کا ملاحظہ کیا' ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کو اختیار کر لیا۔

اس حادثے نے یقیناً ان کے مسلمان ساتھیوں کو قلبی رنج اور دکھ ہوا ہو گا' ان دونوں کی بیویاں بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ عبیداللہ کی اہلیہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں اور سکران کی زوجہ کا نام حضرت سودہ بنت زمعہ

نی اللہ عنہا تھا' یہ دونوں پکی مومنہ تھیں' نہ انہیں کلیساؤں کی زینت و آرائش متاثر کر سکی اور نہ ان کے خاوندوں کا ارتداد انہیں اپنے عقیدے سے متزلزل کر سکا۔ وہ بڑی ثابت قدمی سے اسلام پر ڈٹی رہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تو جب اپنے خاوند کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر فوراً مکہ واپس آ گئیں اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاوند سے اسی وقت قطع تعلق کر لیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی ان نیک بندیوں کو ان کے اس ایثار کا یہ صلہ دیا کہ دونوں کو اُمہات المومنین میں داخل ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد تو وہاں ہی حضورِ پُرنور ﷺ سے کر دیا گیا اور نجاشی نے اپنی گرہ سے چار سو دینار بطورِ مہر ادا کر دیا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ انہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں بھیج دیا اور حضرت سودہ کو رحمتِ دو عالم ﷺ نے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد شرفِ زوجیت بخشا۔ انشاء اللہ مکمل تفصیلات اُمہات المومنین رضوان اللہ تبارک تعالیٰ علیہن کے حالات کے ضمن میں بیان کی جائیں گی۔

صحاح ستہ میں ہے کہ جس دن نجاشی نے انتقال کیا' حضورِ پُرنور ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس کی موت کی اطلاع دی اور ارشاد فرمایا:

''آج ایک نیک بخت آدمی وفات پا گیا ہے' اُٹھو اور اپنے بھائی اَصحم کی نمازِ جنازہ پڑھو۔''

(السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

چنانچہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ' صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی معیت میں شہر سے باہر جنازگاہ میں تشریف لے گئے' صفیں بنائی گئیں اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔ (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی سنت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' آپ فرماتی ہیں کہ لوگ بیان کرتے تھے کہ نجاشی کی وفات کے بعد اس کی قبر سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

ہجرت شاہِ دو عالم ﷺ

وجوہات اور حکمتیں

قارئینِ کرام! ہر مسلمان یقینی طور پر ہجرت کی وجوہات جانتا ہے' سمجھتا ہے اور ان کو دل و جان سے حق ما
ہے۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین رحمت للعالمین رہبر کائنات ہادیٔ
انس و جاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اقدام' تدابیر' مسائل کے حل' رہنمائی کے اقدامات' کہیں آنا جانا' کلام
فرمانا' ارشاداتِ مبارکہ غرضیکہ سب کچھ ہی خدائی ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ آپ ﷺ کو ہر لمحہ' ہر قدم پر اللہ
تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات کی تائید' رہنمائی و نصرت حاصل تھی۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا سورۂ نجم کی 3 اور 4 میں فرمان مبارک ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے' وہ تو نہیں مگر وحی جو نہیں کی جاتی ہے۔''

اگر کوئی مسلمان اس آیتِ مبارکہ کے علم کے باوجود شک و شبہات کا اظہار کرتا ہے' آپ ﷺ کے
اقدامات کو خدائی نہیں مانتا تو ہم اس کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اسے ہدایت دے۔ آمین

درج ذیل سمجھانا تو نہ ماننے والوں کے لیے ہے' ان کے لیے ہے جو نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ اور دین
متین سے ناواقف ہیں اور خاص طور پر ان لوگوں کے لیے ہے جو دانستہ دینِ اسلام' بانیٔ دینِ اسلام اور اُمتِ
مسلمہ کے بدخواہ ہیں اور خلقِ خدا کو جان بوجھ کر اُلجھنوں میں ڈالتے ہیں' گمراہ کرتے ہیں۔

درج ذیل میں حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے فارسی زبان میں کہے گئے اشعار کا ترجمہ ہے اگر میں
یہاں یہ بھی کہتا چلوں کہ ہمارا سارا دینی مواد پہلے عربی اور پھر فارسی زبان میں موجود تھا اور ہے لیکن اُمتِ مسلمہ
کی بدقسمتی کہ ہم مسلمانوں کی اکثریت ان دونوں زبانوں سے لابلد ہے' لاتعلق ہے' تو بے موقع نہ ہوگا۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حُبِ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ اور قرآن و احادیث کی فہم

وَٱتَّخَذَ عطا فرمائی تھی۔ آپ کے ہر شعر میں کسی حدیث یا آیتِ مبارک کا فرمان یا حوالہ ہے۔ مختصراً آپ نے بھی اپنے ان اشعار میں یہ فرمایا ہے کہ ہمارے نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ انتہا کی شانوں، عظمتوں، رفعتوں کے حامل ہیں۔ ہجرت کے بارے میں کسی کا یہ سوچنا، کہنا کہ وہ حالات سے فرار تھی، سراسر باطل ہے، جھوٹ ہے اور ایک بہت ہی گری ہوئی گناہوں میں ملوث کر دینے والی، عاقبت خراب کر دینے والی سوچ ہے۔

حضرت علامہ اقبال، تاجدارِ کائنات سرکارِ دوعالم ﷺ کی ہجرت کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہمارے آقا ﷺ نے اپنے وطن سے ہجرت فرما کر مسلمان قومیت کے عقدہ کی گرہ کھول دی۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی حکمت نے کلمہ توحید کی بنیاد پر ایک ایسی ملت تعمیر فرمائی جو عالمگیر تھی۔

یہاں تک کہ دین کے اس بادشاہ کی جودوسخا کے طفیل ساری روئے زمین ہماری مسجد بنا دی گئی۔

وہ ذاتِ اقدس جس کی تعریف اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمائی ہے اور اس کی جان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس کی ہیبت سے دشمن ہر وقت بے دست و پا رہتے تھے اور جس کی فطرت کے دبدبہ سے ان پر لرزہ طاری رہتا تھا۔

بایں ہمہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے آبائی وطن سے کیوں رختِ سفر باندھا، تیرا یہ گمان ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے خوف سے ڈر کر بھاگ گئے۔

ہجرت کا واقعہ بیان کرنے والوں نے حق کو ہم سے چھپا لیا ہے اور ہجرت کا غلط معنی سمجھا ہے۔ (رموزِ بے خودی، علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ)

اس لیے یہ گمان کرنا سراسر غلط ہے کہ حضور پُر نور سرکارِ دوعالم ﷺ نے دشمنوں کے خوف اور ڈر سے مکہ کو چھوڑا اور وہاں سے بہت دُور یثرب کی ایک بستی میں اقامت گزیں ہو گئے جس کا اللہ محافظ ہو جس کا اللہ مددگار ہو اس کو کسی دشمن کا کیا خوف ہو سکتا ہے؟ اور بڑے سے بڑا دشمن اسے کیا گزند پہنچا سکتا ہے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی تیرہ (۱۳) سالہ مکی زندگی کا ہر دن حضورِ انور ﷺ کی بہادری اور شجاعت پر شاہد عادل ہے۔ اس عرصے میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں حضورِ انور ﷺ نے ہزاروں سخت و شدید مشکلات کا سامنا کیا لیکن ہر موقع پر حضورِ پُر نور ﷺ نے ایسی شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کیا کہ دشمن بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ ان کے بغض و عناد کے اسلحہ خانہ میں کون سا ایسا مہلک ہتھیار تھا جو انہوں نے ہادیٔ برحق ﷺ کے خلاف نہ آزمایا ہو؟ مکہ کی سنگلاخ وادیاں ہوں یا طائف کے کوچہ و بازار، شعب ابی طالب میں

محصوری کے تین سال ہوں یا حرمِ کعبہ کا کوئی گوشہ' راہِ حق کے اس مسافر کا قدم کبھی نہیں پھسلا' منزلِ توحید کا یہ راہی مشکل ترین حالات میں بھی اپنی راہِ منزل سے کبھی نہیں ہٹا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رحمتِ دو عالم ﷺ کی ہجرت کی وجوہات یہ تھیں:

۱- کہ مکہ کے ماحول میں جہاں کفر و شرک کے تنگ دل اور سنگ دل پرستاروں کو بالادستی حاصل تھی وہاں دعوتِ توحید کا شجر بارآور نہیں ہو سکتا تھا' خاندانی برتری کا بھوت جہاں سروں پر سوار تھا وہاں اسلامی مساوات کا نظریہ کیونکر نشوونما پا سکتا تھا؟

۲- جہاں دولت اور طاقت کی نخوت کے باعث عظمتِ انسانی کی ساری قدریں پامال ہوتی رہتی تھیں وہاں اسلامی عدل و احسان کے اصولوں کو کیونکر پذیرائی حاصل ہو سکتی تھی؟

۳- جہاں سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں نے سارے معاشرے کو غریب و امیر دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہو وہاں اسلام کے کریمانہ اور فیاضانہ نظامِ معیشت پر عمل کیونکر ممکن تھا؟

۴- جہاں ہر شخص اپنے قبیلے کی قوت و طاقت کے بل بوتے پر ہر ظلم روا رکھتا ہو وہاں اسلامی انصاف کے نازک نظام کو کیونکر عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا؟

۵- جہاں غریبوں اور زیردستوں کو ستانا اور لوٹنا' سیادت کی نشانی ہو' جہاں ےےخواری اور قمار بازی' دولت و ثروت کی علامت ہو' جہاں فسق و فجور کا ارتکاب متمول خاندانوں کے نوجوانوں کا محبوب ترین مشغلہ ہو' جہاں فحبہ گر عورتوں کے گھروں پر جھنڈے جھولتے ہوں وہاں اسلام کے اخلاقی' معاشی' معاشرتی اور انسانیت پرور نظامِ حیات کا نفاذ کیونکر ممکن تھا۔

اس لیے ضروری تھا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ایک ایسے مقام کو اپنی رہائش کے لیے اختیار کرے جہاں کی آزاد فضا میں اسلام اپنے تمام عقائد' قوانین' اخلاقی ضوابط اور سیاسی عادلانہ اصولوں کو باآسانی نافذ کر سکے۔

ہجرت کے فوری محرکات

آپ یہ پڑھ آئے ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو اجازت عطا فرمائی کہ وہ ہجرت کر کے چلے جائیں' اللہ تبارک تعالیٰ کے یہ مخلص بندے وطن' اہلِ وطن' اپنے مکانات' اپنی حویلیاں' اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی دولت کے انباروں کو نظر انداز کر کے سوئے یثرب ہجرت کر کے جانے لگے یہاں تک کہ ان نفوسِ قدسیہ سے مکہ خالی ہو گیا۔

رفتہ رفتہ مکہ مکرمہ میں بہت کم مسلمان باقی رہ گئے' اکثر اصحاب رسول یثرب پہنچ کر نئے دنوں کی پذیرائی کے اہتمام میں مصروف ہو گئے۔ مکہ معظمہ میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور ختمی مرتبت ﷺ کے علاوہ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ ان دو عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بعض معذور افراد اور چند ایک غلام جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ہجرت کی استطاعت نہ رکھتے تھے' بھی مکہ میں موجود تھے حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بے چینی سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے حکم کے منتظر تھے۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جب نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب فرماتے تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ:

''حوصلہ رکھیں' امید ہے کہ مجھے اذن دیا جائے گا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۳۶)

''جلدی نہ کرو' امید ہے کہ اللہ تمہارا کوئی رفیقِ سفر بنادے گا۔''

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸۰' السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۷)

حضرت صدیقِ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم حکم نبوی کی تعمیل میں بے تاب تھے کہ کب اجازت ملے اور وہ یثرب کے لیے رختِ سفر باندھیں لیکن ادھر کاتبِ قدرت ان کے مقدر میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیقِ سفر بننے کی لازوال سعادت لکھ رہا تھا۔ ان کے مقدر کا ستارہ اوجِ ثریا سے بھی بلندی پر چمکنے والا تھا' انہیں والی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہونے والا تھا اور انہیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا اعزاز ملنے والا تھا۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لطیف اشارے کو سمجھ رہے تھے اور یہ آرزو دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی کہ کاش وہ ہم سفر وہ ہمرکاب جس کا حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرما رہے ہیں' وہ ہمسفر اور ہمرکاب سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ہوں۔ یہ خیال ذہنِ صدیق میں آتا تو وہ جھوم اُٹھتے' کبھی سوچتے شاید یہ ہمسفر اور ہمرکاب دل شکستہ مسلمان ہوں جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے اس خیال پر بھی سرِ تسلیم جھک جاتا' مقصود حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی تھی' حکم دیں کہ سر آنکھوں پر رکھیں۔

انتظارِ ہجرت

غالب گمان یہی تھا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا و مولا تاجدارِ کائنات' سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرتِ مدینہ کی لازوال سعادت نصیب ہوگی۔ آپ' حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے ہجرت سے چار ماہ قبل دو اونٹنیاں خریدیں اور احتیاطاً انہیں گھر ہی میں رکھا' مبادا وہ چرنے کے لیے باہر گئی ہوں اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کا حکم فرمادیں' اونٹنیاں باہر سے منگوانے میں حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں تاخیر کا امکان تھا اس لیے یارِ غار رضی اللہ عنہ نے ایک لمحے کی متوقع تاخیر کو بھی گوارا نہ کیا۔

(سیرت ابن ہشام' جلد ۲ صفحہ ۱۲۸' انساب الاشراف ۲۵۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا گھرانہ متوقع حکم ہجرت کی بجا آوری کے لیے ضروری اقدامات میں

مصروف تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' ہم نے آپ کے زادِ سفر کے لیے خصوصی اہتمام کیا:

''ہم نے ان دونوں کے لیے بہترین پسندیدہ سامان تیار کیا اور (سفر کی ضروریات کے مطابق) کھانا بھی توشہ دان میں رکھ دیا۔'' (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۲۹)

دارالندوہ میں خفیہ اجلاس اور مشرکین کا ہولناک فیصلہ

حق و باطل کی آویزش اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہی تھی' ایک طرف رحمانی قوتیں خدائے لم یزل کے پیغامِ ابدی کو چار دانگ عالم میں پہنچانے کے لیے منصوبہ بندی کر رہی تھیں تو دوسری طرف دارالندوہ میں ابلیسی قوتیں حق کا نام و نشان مٹانے کے لیے سرجوڑ کر بیٹھی تھیں۔ کفار و مشرکین کے اس سازشی ٹولے میں شیطان لعین انسانی روپ میں موجود تھا تاکہ تحریکِ دینِ اسلام کی راہ میں رکاوٹوں کی دیوار کھڑی کرنے والوں کے ہاتھ مضبوط بنائے جاسکیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر خاکم بدہن کاری ضرب لگانے کا جو موقع اس وقت مشرکین و کفارِ مکہ کو مل رہا تھا' اسے ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ میں چند ایک ہی مسلمان رہ گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ چند غلام اور معذور افراد تھے جو ہجرت کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ اہلِ شر نے سوچا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کا اس سے اچھا موقع پھر نہ مل سکے گا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں پہنچ گئے تو جزیرہ نمائے عرب میں ایک فیصلہ کن حیثیت میں اُبھر کر ہماری سرداری اور ہمارے نظام کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ اس لیے تحریکِ دینِ اسلام کو روکنے کے لیے بھرپور اور آخری وار کے لیے سب قبائل کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

تحریکِ دینِ اسلام کا زیادہ تر انحصار حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبشِ ابرو کے منتظر رہتے اور حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ سے اشارے پر آتشِ نمرود میں کود جانے کو اپنے لیے باعثِ سعادت خیال کرتے تاہم ابھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی تربیت کا یہ عمل جاری تھا' مکمل نہیں ہوا تھا اس لیے تحریکِ دینِ اسلام کا تمام تر انحصار فقط حضورِ پُرنور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر تھا۔

کفار و مشرکین جانتے تھے کہ اگر (خدانخواستہ) حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع حیات گل کر دی جائے تو مسلمانوں کو اپنے پرانے دین کی طرف لوٹانا اتنا مشکل نہ ہوگا حالانکہ یہ بھی ان کی خام خیالی تھی۔ عملاً ثابت ہو چکا تھا کہ شمع رسالت کے پروانے کس طرح دیوانہ وار اپنے آقا سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے منتظر رہتے ہیں۔ بہرحال یہ ایک تاثر تھا جو کفار و مشرکین میں پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ روشنی کے مرکز و منبع ہی کو بند کرنے کے درپے ہوگئے کہ اس مرکز و منبع کے بند ہوتے ہی روشنی کا سفر بھی رُک جائے گا اور پھر یہ روشنی ؟؟ کفر کے اندھیروں میں ہی کھو جائے گی۔

دارالندوہ قصی بن کلاب کی بنائی ہوئی وہ جگہ تھی جہاں قریش مل بیٹھ کر اجتماعی نوعیت کے فیصلے کیا کرتے تھے اور اب خاص کر اسلام کے خلاف تمام سازشوں کا مرکز یہی دارالندوہ تھا۔ اسلام کے خلاف سازشیں یہیں پرورش پاتیں اور کفار و مشرکین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف سارے منصوبے یہیں بناتے۔

(سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۷)

شرکت کی کڑی شرائط

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب کفار و مشرکین کو اجتماعی طور پر انتہائی اہم فیصلے کرنا ہوتے تو وہ دارالندوہ میں جمع ہو جاتے۔ دارالندوہ اسلام کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا اب کفارِ مکہ کے اس مرکز کی پُراسرار سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں اب تو صرف اسلام کے خلاف فتنوں کی پرورش دارالندوہ کی پہچان بن گئی تھی۔ دارالندوہ کا یہ اجلاس حق و باطل کے معرکے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سردارانِ مکہ نے اس اجلاس کو خفیہ رکھا اور کسی کو اس کے انعقاد کی کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔

اس میں خفیہ اجلاس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ چالیس (۴۰) سال سے کم عمر شخص کو یہاں آنے اور شریک اجلاس ہونے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ لیکن آج اس شرط میں نرمی پیدا کر کے ایک تیس (۳۰)، بتیس (۳۲) سال کے آدمی کو اپنے قبیلے کی نمائندگی کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ یہ اسلام کا کھلا دشمن عمر بن ہشام المعروف ابوجہل تھا۔ اس کی یہی اسلام دشمنی مذکورہ اجلاس میں اس کی شرکت کا جواز بن گئی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵)

علامہ ابن ہشام نے اس مجلسِ شوریٰ میں شریک ہونے والوں کے اسماء اور ان کے قبائل کے نام تفصیل سے تحریر کیے ہیں:

نام قبیلہ	شرکت کرنے والوں کے نام
بنی عبد شمس	عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب
بنونوفل بن عبد مناف	طیعمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حرث بن عامر بن نوفل
بنی عبدالدار بن قصی	نضر بن حارث بن کلدہ
بنی اسد بن عبدالعزیٰ	ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام
بنی مخزوم	ابوجہل بن ہشام
بنی سہم	نبیہ و منبہ پسران حجاج
بنی جمح	امیہ بن خلف

ان کے علاوہ بھی چند آدمی تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۷، السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۳)

یہ سات (۷) قبائل کے چودہ (۱۴) افراد تھے، ان کے علاوہ قریش اور دیگر قبائل کے چند ایک دوسرے

افراد بھی مشاورت میں شامل تھے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸۱)

مکہ کے بھیڑیا صفت اور زیرک لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس مجلس میں شریک ہوئی تھی اس لیے یہ دن ''یوم الزحمہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

جب یہ لوگ دار الندوہ میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھا جس نے ریشمی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا' شکل وصورت' وضع قطع اور لباس سے کسی قبیلہ کا رئیس معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا ''من الشیخ؟'' اے بزرگ! آپ کس قبیلہ کے سردار ہیں؟ حقیقت میں وہ ابلیس تھا جو انسانی شکل میں وہاں آ موجود ہوا تھا اس نے جواب دیا:

''میں اہلِ نجد کا سردار ہوں' میں نے اس امر کے بارے میں سنا جس کو طے کرنے کے لیے تم یہاں اکٹھے ہوئے ہو' میں بھی حاضر ہو گیا تا کہ تمہاری گفتگو سنوں اور مجھے امید ہے کہ میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ اور رائے دے سکوں گا۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۴' السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

ابلیس نے یوں اعتماد کے ساتھ اپنا تعارف کرایا تو سردارانِ قریش مکہ مطمئن ہو گئے اور اس اجنبی کو اجلاس میں شرکت کی اجازت دے دی اور یوں ابلیس اس مشاورت میں با قاعدہ شریک ہوا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس لعین نے شیخ نجدی کا روپ کیوں دھارا؟ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ابلیس نے خود کو خطہ نجد سے اس لیے منسوب کیا کہ قریش اہلِ تہامہ سے کسی فرد کو مشاورت میں شامل کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے کیونکہ اہلِ تہامہ حضورِ پُر نور ﷺ کے بارے میں مخالفانہ جذبات نہیں رکھتے تھے' اس لیے ابلیس شیخ نجد کے روپ میں ظاہر ہوا تا کہ سردارانِ قریش اجلاس میں اس کی شرکت پر اعتراض نہ کریں۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵)

شیخ نجدی

مذکورہ خفیہ اجلاس میں ابلیس کا شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی اس سے قبل بھی وہ ایک بار اسی بہروپ میں سردارانِ قریش کی مجلس میں شریک ہوا تھا۔ بیت اللہ کی تعمیر کے موقع پر حجر اسود کو نصب کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو ہر قبیلہ یہ سعادت حاصل کرنے کا آرزومند تھا بالآخر ایک تدبیر کے تحت اللہ رب العزت نے حجر اسود کی تنصیب تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے کروائی۔ عین اس وقت جب حضور انور ﷺ حجر اسود اپنی جگہ پر نصب فرمانے لگے' ابلیس لعین شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور قریش کو مخاطب کر کے چلایا:

''اے گروہِ قریش! کیا تم اس لڑکے سے حجر اسود نصب کرانے پر راضی ہو گئے' اپنے معزز اور بڑوں کو چھوڑ کر۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۲۹)

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ابلیس کے بار بار شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہونے کی طرف حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ دعا فرما رہے تھے کہ الٰہی! ہمارے یمن اور شام میں اپنی خاص برکتیں نازل فرما' اس پر نجد کے رہنے والے ایک شخص نے کہا "وفی نجدنا" (کہ ہمارے نجد پر بھی) حضورِانور رحمت للعالمین ﷺ نے یہ سُن کر فرمایا:

"وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ برآمد ہوگا۔ (کئی فتنوں کی ابتدا ہوگی)" (مسند احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ ۱۱۸)

نجد وہ بدقسمت قریہ زمین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا وہ تو زلزلوں اور فتنوں کی سرزمین ہے۔

ابلیس نے اپنا تعارف بطورِ شیخ نجدی کرایا تو اہلِ مجلس مشرکین نے کہا' آیئے! تشریف لے آیئے۔ چنانچہ وہ ان کے ہمراہ ان کے پارلیمنٹ ہاؤس میں داخل ہوگیا جب سب معززینِ مکہ جمع ہوگئے تو اصل موضوع پر گفتگو شروع ہوئی' یہ کہنے لگے:

"اس شخص (حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ) کے حالات تمہارے سامنے ہیں' ان کے سارے ساتھی یثرب میں اکٹھے ہوگئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ خود بھی کسی روز یہاں سے چلے جائیں اور اپنے ساتھیوں سے جاملیں۔ اگر یہ (ﷺ) ہمارے قبضے سے نکل گئے تو کوئی بعید نہیں کہ وہ اپنی قوت جمع کر کے ہم پر حملہ کر دیں۔ اس وقت ہم کچھ نہیں کرسکیں گے' ہمیں آج ہی اس خطرے کے سدباب کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیے' سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مشورے ہونے لگے۔

یہ دراصل شیطان کی مجلسِ شوریٰ تھی' ابلیسی قوتوں کا اجتماع تھا جسے آج شیطانیت کی تمام حدود کو پھلانگ جانا تھا۔ جب تمام کفار و مشرکین جو اس خفیہ اجلاس میں مدعو تھے' آگئے اور ابلیس بھی شیخ نجدی کے روپ میں ان کے درمیان آموجود ہوا تو انتہائی رازداری سے اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ایک متفقہ رائے پورے ہاؤس میں گردش کر رہی تھی کہ اس شخص (محمد ﷺ) کے تمام تر حالات ہمارے سامنے ہیں۔ اس کے ساتھی یکے بعد دیگرے شہر چھوڑ کر جاچکے ہیں' عین ممکن ہے وہ بھی کسی روز اپنے ساتھیوں سے جاملے اور آنے والے وقت میں ہمارے مقدس شہر اور ہمارے آبائی مذہب کے لیے خطرے کا باعث بنے اور ہمیں اپنے مروجہ نظامِ حیات کے انہدام پر کفِ افسوس ملنا پڑے۔ لہٰذا آج ان تمام امکانات کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کوئی تدبیر سوچنا ہوگی۔

باہمی مشاورت کے بعد سب سے پہلے ابوالبختری بن ہشام گویا ہوا۔ میری رائے یہ ہے کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے اس کا دروازہ مقفل کر دیا جائے پھر صبر سے اس دن کا انتظار کیا جائے جس روز زمانہ ماضی کے شعراء زہیر' نابغہ وغیرہ کی طرح ان کی زندگی کی شمع بھی گل ہوجائے۔

یہ سُن کر وہ نجدی رئیس بولا:

''یہ رائے بالکل لغو اور بے معنی ہے اگر تم اسے کسی مکان میں قید کر کے دروازہ مقفل کر دو گے تو اس کے عقیدت مندوں کو اس کے قید ہونے کی اطلاع پہنچ جائے گی' وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں گے' تم پر حملہ کر کے وہ انہیں نکال کر لے جائیں گے اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اس لیے یہ رائے قطعاً قابلِ غور نہیں۔

شیطان لعین اس اجلاس میں شریک ہی اس لیے ہوا تھا کہ متوقع اجتماعی فیصلے میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں نرم مؤقف اختیار نہ کیا جائے بلکہ سخت مؤقف اختیار کر کے تحریکِ دینِ اسلام کو روکنے کے لیے کوئی مؤثر فیصلہ کیا جائے تا کہ یہ تحریک اپنی موت آپ مر جائے۔

ابلیس لعین کی مداخلت کا یہ اثر ہوا کہ ابوالبختری کی تجویز کو یکسر مسترد کر دیا گیا' اس کے فوراً بعد اسود بن ربیعہ کو ایک ترکیب سوجھی' وہ بولا کہ میری رائے کہ محمد (ﷺ) سے بچنے کے لیے انہیں جلاوطن کر دیا جائے' علاقہ بدر کر دیا جائے' وہ کہیں اور چلے جائیں گے تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ شیخ نجدی یہ تجویز سُن کر آگ بگولا ہو گیا اس سے پیشتر کہ مجلس میں شریک کوئی اور شخص اپنے تاثرات بیان کرتا' رائے دیتا' شیخ نجدی بول اُٹھا:

''نہیں بخدا یہ رائے تمہارے حق میں نہیں ہو سکتی۔''

ابلیس لعین کی کوشش یہ تھی کہ مختلف قبائل کے نمائندوں کو انتہا پسندانہ رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا جائے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ تو پہلے سے بھی بُری (کمزور' گئی گزری) رائے ہے۔ کیا تم لوگ ان کے شیریں کلام اور حسنِ تکلم سے آگاہ نہیں ہو؟ وہ تو فوراً لوگوں کے دِلوں میں گھر کر لیتے ہیں بخدا اگر تم نے انہیں شہر بدر کر دیا تو وہ یقیناً کسی دوسرے قبیلے کو اپنی میٹھی باتوں سے اپنے ساتھ ملا لیں گے اور بالآخر ایک مضبوط قوت بن کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہیں اس مقدس شہر سے نکال باہر کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی اور تجویز سوچنی چاہیے۔

کچھ دیر پھر بحث جاری رہی۔ آخر میں ابوجہل اُٹھا اور کہنے لگا' میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اس پر غور کرو۔ ساری محفل پر سناٹا چھا گیا' سب حاضرین اس کی تجویز سننے کے لیے سراپا گوش بن گئے۔ ابوجہل نے کہا' میری رائے یہ ہے کہ:

> ''ہم ہر قبیلہ سے ایک جوان چنیں جو بہادر ہو' عالی نسب ہو' اپنے قبیلہ کا سردار ہو۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں پھر وہ سب مل کر یک بارگی شخص واحد کی طرح ان (ﷺ) پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں اور اس طرح اس مصیبت سے ہمیں نجات مل جائے گی۔''

اس کی حکمت اس نے یہ بیان کی کہ جب ہر قبیلہ قریش کا ایک نامی گرامی جوان ان کے قتل میں شریک ہو گا تو ان کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جائے گا۔ بنوہاشم سارے قبیلوں سے تو بیک وقت قصاص نہیں لے سکیں گے' آخر کار وہ دیت لینے رضامند ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر بڑی آسانی سے ان کی دیت ادا کر دیں گے۔

یہ سُن کر شیخ نجدی کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور کہنے لگا:

''بہترین تجویز یہ ہے جو اس شخص نے کہی اس کے علاوہ اور کسی رائے کی ضرورت نہیں۔''

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲صفحہ۹۴'۹۵'دیگر کتب سیرت)

سب حاضرین نے اس کی تائید کی اور سب اس تجویز پر متفق ہوگئے۔ یوں یہ طے کر کے یہ مجلس برخواست ہوگئی۔

ابلیس لعین اپنی ابلیسی منصوبہ بندی میں کامیاب رہا' یہ شیطانی پلاننگ شیخ نجدی کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے نہ صرف بلا تامل سردارانِ قریش سے اس ناپاک منصوبے کی توثیق کرالی بلکہ یہ تجویز پیش کرنے والے ابوجہل' دشمنِ اسلام کی توصیف میں چند اشعار بھی کہے۔ ابن کلبی نے اپنی کتاب **"جمھرۃ الانساب"** میں ان اشعار کا ذکر کیا ہے اور ان اشعار کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''رائے دو طرح کی ہوتی ہے' ایک وہ جس کو کوئی ہدایت یافتہ شخص نہیں جانتا اور دوسری وہ جو تلوار کے پھل کی طرح معروف ہوتی ہے جس کا آغاز بھی باعثِ عزت و تکریم ہے اور انجام بھی بزرگی اور تشریف والا ہوتا ہے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۳ صفحہ ۳۲۶)

ادھر لات و ہبل کے پرستار پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم محبوبِ خدا ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے' ادھر ربِ کائنات محافظ محمد ﷺ اپنے محبوب ﷺ کا بال بھی بیکا نہ ہونے کا ارادہ فرما رہا تھا۔ کائنات کے خالق و مالک اور قادرِ مطلق نے اپنا فیصلہ صادر فرما دیا اور بذریعہ جبرائیل علیہ السلام اس کی اطلاع اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو پہنچا دی۔

علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اسی روز سورۂ انفال کی یہ آیتِ (آیت 30) مبارکہ نازل ہوئی:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

ترجمہ ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ ﷺ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ ﷺ کو قید کر دیں یا آپ ﷺ کو شہید کر دیں یا آپ ﷺ کو جلاوطن کر دیں' وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تبارک تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔'' (سورۂ انفال آیت ۳۰)

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو آج رات یہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ عرض بھی کی کہ آج رات حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے بستر پر آرام نہ فرمائیں۔

اہلِ مکہ اگرچہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خون کے پیاسے تھے' اپنے باطنی بغض و عناد سے

مجبور ہو کر انہوں نے یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شمع کو بجھا کے دَم لیں گے جس کی روپہلی کرنیں ان تیرگیوں سے برسرِ پیکار تھیں جن کے وہ صدیوں سے خوگر تھے اس کے باوجود اپنے قیمتی زیورات اور جواہرات وغیرہ کی حفاظت کے لیے اگر کوئی امین ان کی نگاہوں میں جچتا تھا تو وہ بھی یہی ذاتِ کریم ﷺ تھی جو ان کی ہدایت کے لیے اور عذابِ الٰہی سے ان کو بچانے کے لیے رات رات بھر جاگ کر اور آنسوؤں کے دریا بہا بہا کر ان کی ہدایت اور مغفرت کے لیے دعائیں مانگتی رہتی تھی۔

شبِ ہجرت بھی امانتوں کی حفاظت

وہ رسولِ اوّل و آخر و اعظم ﷺ جنہیں کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا' جن کے سرِ اقدس پر ختمِ نبوت کا تاج سجایا گیا' جنہیں محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ میں مبعوث فرمایا گیا' وہ نبی آخر الزماں ﷺ اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ وہ رسولِ کائنات ﷺ جنہوں نے پتھروں کی بارش میں بھی اللہ کی وحدانیت کا پرچم بلند کر کے فریضۂ نبوت ادا کیا تھا۔ عالی جاہ' عالی نسب و پُر وقار جو یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولا ہیں' حرمِ کعبہ سے جدا ہو رہے تھے' وہ مخبر صادق ﷺ جن کا تصور ہی ابرِ کرم بن کر تشنہ زمینوں کی پیاس بجھا دیتا ہے' مکہ کے کفار و مشرکین اس رسولِ عظیم ﷺ کی نفی کر رہے تھے۔

کفار و مشرکینِ مکہ خدا کی تخلیق کردہ کائنات کی اس سب سے بڑی سچائی کی تکذیب کے مرتکب ہو رہے تھے' وہ بدبخت حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن عظمت و رفعت کی آخری مسند پر جلوہ افروز رسولِ کائنات ﷺ شبِ ہجرت بھی اپنے خون کے پیاسوں کی امانتوں کی حفاظت فرما رہے تھے اور ان کی واپسی کا اہتمام کر رہے تھے۔ کفارِ مکہ ایک طرف تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے' اپنی امانتیں ان کی تحویل میں دیتے کہ والیِ کون و مکاں ﷺ سے زیادہ کوئی ان کی امانتوں کی حفاظت کرنے کے اہل نہیں اور دوسری طرف وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی عملاً نفی اور مخالفت کر رہے تھے۔

کردار کی عظمت اس گواہی کا نام ہے' پوری تاریخِ کائنات ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے' تاریخ انگشت بدنداں ہے' وقت دَم سادھ کھڑا ہے اور چشمِ فلک حیرت زدہ ہے اور آسمان کفار و مشرکین کی عقل پر نوحہ کناں ہے۔ جب دِلوں پر قفل پڑ جائیں تو ان کی سوچیں بھی مفلوج ہو جاتی ہیں۔ اہلِ مکہ اسی جمودِ مسلسل میں مبتلا تھے' وہ جمودِ مسلسل جس کا ہر راستہ مرگِ مسلسل کے عمیق غاروں کی طرف جاتا ہے۔ جس کی ہر کھڑکی جہالت کے اندھیروں میں کھلتی ہے اسی مرگِ مسلسل کو شعور کی موت کا نام دیا جاتا ہے۔

ادھر مکہ کو آج رات چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت مل گئی ہے' ادھر ان خون کے پیاسوں کی امانتوں کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ ان امانتوں سے بھی عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔ ہجرت کر کے جانا بھی ہے اس سربستہ

راز کو افشا ہونے سے بچانا بھی ہے اور امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانا بھی ہے۔ اس گراں بار ذمہ داری کو کس طرح نبھایا جائے؟ ہر ایک کی امانت صحیح وسلامت اس کو واپس مل جائے تاکہ یہ دامن پہلے کی طرح دشمنوں کی نگاہوں میں بھی پاکیزہ اور اُجلا رہے۔ اس انتہائی مجبوری اور معذوری کے باوجود بھی اس دامن پر معمولی سا دھبہ بھی نہ لگنے پائے ورنہ منبع ہدایت کے اس سراجِ منیر کی روشنی کے بارے میں ناروا شکوک پیدا ہو جائیں گے۔ اگر یہ منبع رشد و ہدایت گدلا ہو جائے تو اللہ تبارک تعالیٰ کی گمراہ، بہکی، بھٹکی ہوئی مخلوق ہدایت کی روشنی تلاش کرنے پھر کہاں جائے گی؟ اس لیے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کے بھروسہ پر ایک شدید خطرہ کا سامنا کرنے کا عزم کر لیا۔ اپنے محترم چچا کے لختِ جگر، نورِ نظر، اپنے پیارے بھائی، اپنے راز دان اور مستقبل میں اسلام کے بازوئے خیبر شکن حضرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بُلایا اور فرمایا:

"اے علی! (رضی اللہ عنہ) آج مجھے مکہ چھوڑ کر چلے جانے کا حکم ملا ہے۔ آج میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر تمہیں سونا ہوگا۔ ذرا اندیشہ نہ کرنا، تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور آرام سے سو جاؤ۔ تمہارے قریب کوئی ایسی چیز نہیں آسکے گی جو تمہیں ناپسند ہو۔"

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی ادنیٰ تردد کے بغیر تعمیل ارشاد کے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا اس واقعہ کے بارے میں سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے نفس کی قربانی دے کر اس ہستی کی حفاظت کی جو ان تمام لوگوں سے افضل ہے جنہوں نے زمین کو پاؤں سے روندا اور جنہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کے پرانے گھر اور حطیم کا طواف کیا۔"

"وہ اللہ کا رسول ہے جس کے خلاف انہوں نے مکر کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے جو بڑی قدرت والا ہے، اپنے رسول (ﷺ) کو ان کے مکر سے نجات دی۔"

اس سارے پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ جب رات کو اللہ تبارک تعالیٰ کا محبوب اپنے کریم و قدیر رب کی حفاظت میں اپنے یار وفا شعار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے ہجرت کر جائے تو سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچا دیں تاکہ قیامت تک آنے والے اپنوں اور بیگانوں پر واضح ہو جائے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور حضرت محمد ﷺ الصادق الامین کے لقب سے اسی لیے ملقب ہوئے کہ وہ نازک ترین لمحات میں بھی اپنی شانِ امانت کا حق یوں ادا کرتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لازوال اعزاز

سردارِ قریش عبدالمطلب سے ابو طالب تک اور ابو طالب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک نبی آخر الزماں

ﷺ کو حصارِ عافیت میں لے کر اہلِ شر کے شر سے محفوظ رکھنے کا جو عظیم فریضہ اس مقدس گھرانے نے سر انجام دیا اس کا ایک ایک لمحہ پوری انسانیت پر قرض ہے اس مقدس گھرانے کی خدماتِ جلیلہ کا تصور کر کے جبیں اس گھرانے کے احترام میں برائے آداب و سلامی جھک جاتی ہے کہ انہوں نے جان پر کھیل کر شمع نبوت کی حفظات کی۔ شبِ ہجرت چشمِ فلک ایک حیرت انگیز منظر دیکھ رہی تھی۔ حضورِ پُرنور ﷺ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

''میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔ پس تمہیں ان دشمنوں سے کسی قسم کا کوئی گزند' نقصان نہیں پہنچے گا۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸۲' ۴۸۳)

وہ بستر جو کفار و مشرکین کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا اور جس پر آج شب ننگی تلواروں کا مینہ برسانے کی منصوبہ بندی مکمل ہو چکی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بصارت بھی بیدار تھی اور بصیرت بھی جاگ رہی تھی۔ حکمِ رسول اللہ ﷺ کو ایک عظیم سعادت سمجھ کر قبول کیا' نہ اضطراب کی گرد اٹھی اور نہ خدشہ وابہام کی مٹی اُڑی' سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس مزے کی بے خوف نیند میں شبِ ہجرت فراشِ پیغمبر اوّل و آخر واعظم اصل الموجودات ﷺ پر سویا' ایسی بہترین نیند پھر مجھے ساری زندگی نہ ملی۔

خوف کس بات پر' جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ تو ہر گھڑی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جنبشِ ابرو کے منتظر رہتے کہ کب حضورِ پُرنور ﷺ اشارہ کریں اور وہ یہ زندگی حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے قدموں پر نثار کر کے سعادتِ کونین کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ اس شب جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرہانے اور پائنتی پر پہرہ دیا۔

''جبرائیل (علیہ السلام) حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے سر مبارک کی طرف تھے اور میکائیل (علیہ السلام) آپ (رضی اللہ عنہ) کے قدموں کی جانب پس جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا مبارک ہو' مبارک ہو' اے ابو طالب کے بیٹے! تیری مثل کون ہو سکتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرشتوں کے درمیان تجھ پر فخر کر رہا ہے۔'' (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۷)

چشمِ فلک حیرتوں کے سمندر میں گم' ایک عجیب منظر دیکھ رہی تھی' تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ حق کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں' جرأت اور استقامت کی ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی تھی۔ نبی آخر الزماں ﷺ اذنِ الٰہی کے مطابق سفرِ ہجرت پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امانتوں کی بابت نصیحت فرما رہے تھے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو لوٹا کر یثرب چلے آنا۔ یہ حق دار کون تھے جن کی امانتیں لوٹانے کی خاطر حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کی ہدایت کی جا رہی تھی اور جاں نثارِ مصطفیٰ ﷺ سر تسلیم خم کر کے حکم کی

بجا آوری کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔

یہ امانتیں مشرکین و کفارِ مکہ کی تھیں جو حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آج شب حضورِ انور ﷺ کے بستر پر سونے کا کیا مطلب ہے' لیکن وہ جاں نثار جو اپنے آقا و مولا ﷺ کے ایک ادنیٰ سے اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں' وہ خطرات کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔ آقا' آقائے دوعالم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی سعادت کا حصول ہی ان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔

اذنِ سفرِ ہجرت اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

اوّلین سیرت نگار امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مکہ کے متمول تاجر تھے' انہوں نے بارگاہِ رسالت میں ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اس معاملے میں جلدی نہ کرو شاید اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے لیے کوئی رفیق سفر بنا دے۔''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اس ارشاد سے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ امید پیدا ہوگئی کہ شاید اس سفر میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی معیت نصیب ہو جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں فوراً خریدیں' ان کو چرنے کے لیے دوسری اونٹنیوں کے ساتھ جنگل میں نہ بھیجتے بلکہ انہیں گھر باندھ لیا' وہیں ان کے چارے وغیرہ کا بندوبست فرماتے۔ کیا معلوم کس وقت ہجرت کا حکم ملے' اس وقت یہ اونٹنیاں پاس ہوں تاکہ فوراً تعمیلِ ارشاد ہو۔ اونٹنیوں کو باہر سے منگوانے میں بھی تاخیر نہ ہو۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ پُرنور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ دن میں ایک بار ہمارے گھر ضرور تشریف لاتے' کبھی صبح سویرے اور کبھی شام کے وقت جس روز حضورِ انور ﷺ کو ہجرت کا اذن ملا' اس روز خلافِ معمول دوپہر کے وقت تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوپہر کے وقت حضورِ پُرنور ﷺ کو آتے دیکھا تو کہنے لگے آج کوئی خاص بات ہے کہ حضورِ انور ﷺ اس وقت تشریف لا رہے ہیں۔

حضورِ پُرنور ﷺ نے ہمارے گھر میں قدم رنجہ فرمایا۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنی چارپائی سے پیچھے ہٹ گئے' حضورِ پُرنور رحمتِ دوعالم ﷺ نے ہمارے گھر میں قدم مبارک فرمایا اور حضورِ انور ﷺ نے فرمایا' سب کو باہر نکال دو' ایک راز کی بات کرنی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ یہاں صرف آپ ﷺ کی دو غلام زادیاں عائشہ اور اسماء ہیں اور کوئی نہیں' میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں' کیا معاملہ ہے؟ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا:

اللہ تبارک تعالیٰ نے آج مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے کا اذن دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بصد ادب گزارش کی:

''اے اللہ کے پیارے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اس نیازمند کو بھی معیت کا شرف عطا ہو۔''

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) تم یقیناً اس سفر میں میرے ساتھی ہو گے۔''

یہ مژدہ سُن کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے فرطِ مسرت سے آنسو ٹپک پڑے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''بخدا! مجھے آج کے دن سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی کوئی روتا ہے یہاں تک کہ میں نے اس دن حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو روتے ہوئے دیکھا جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہمراہ لے جانے کی خوش خبری سے نوازا۔'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۷)

پھر عرض کی یا نبی اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر کے لیے یہ دو اونٹنیاں میں نے تیار کر رکھی ہیں۔ سفر میں راہ دِکھانے کے لیے عبداللہ بن اریقط کو اُجرت پر مقرر کیا گیا۔ یہ بنی الدیل بن بکر کے خاندان کا فرد تھا اس کی ماں بنی سہم بن عمرو کے قبیلے سے تھی۔ یہ دونوں سواریاں اس کے حوالے کر دی گئیں اور اسے بتا دیا گیا کہ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں جگہ ان کو لے کر حاضر ہو جائے۔

اب صاحبِ ذوق کے لیے خلوت کی خاص باتیں

درج ذیل ضیاء النبی، (پیر کرم شاہ صاحب) جلد ۳ صفحات ۵۲ تا ۵۶ سے لیا گیا ہے۔

خلوت خاص میں جو گفتگو نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور اپنے یارِ وفا شعار حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی اور ان نیازمندانِ ازلی نے جو جواب عرض کیا، یہ جواب سُن کر ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جن کلماتِ طیبات سے نوازا اس سرِنہاں سے اس ہستی نے پردہ اُٹھایا جو خانوادہ رسالت کے اسرار کا راز داں اور امین تھا یعنی حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ

آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے قلم بند فرمایا ہے۔ حضرت امام کی عبارت جوں کی توں بشکل اردو ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں اگر کوئی طالبِ حق ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر خلوص نیت سے اس کا مطالعہ کرے گا تو یقیناً آئینہ دل پر جمی ہوئی غلط فہمیوں کی گرد و غبار چھٹ جائے گی اور حقیقت کا رُخ زیبا بے نقاب ہو جائے گا۔

امام مذکور کی تفسیر کے جس نسخے سے یہ اقتباس نقل کر رہا ہوں، وہ نسخہ سلطان ناصر الدین قاچار والی ایران کے عہدِ حکومت میں تہران میں چھپا اور شائع ہوا اس کے آخری صفحہ پر سال طباعت ۱۲۴۸ھ رقم ہے۔

اگرچہ اس اقتباس میں قدرے طوالت ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر امید ہے قارئینِ کرام بصد شوق اس کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ اس کے ہر جملے کا سلیس ترجمہ تحریر کروں گا تاکہ ہر پڑھنے والا آسانی سے اس کا مطلب سمجھ سکے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی کریم کی طرف یہ وحی فرمائی:

''جبرائیل (علیہ السلام) نے عرض کی یا محمد! ﷺ جو سب سے اعلیٰ و برتر ہے' وہ آپ (ﷺ) کو سلام فرماتا ہے۔''

''اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ ابوجہل اور قریش کے رئیسوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی ہے۔''

''اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آج رات اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سُلائیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ ان کا تعلق آپ ﷺ کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے حضرت اسماعیل ذبیح کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل (علیہ السلام) سے تھا۔ علی نے اپنے نفس کو آپ ﷺ کی ذات پر فدا کر دیا ہے اور اپنی روح سے آپ ﷺ کی حفاظت کی ہے۔

نیز آپ ﷺ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس سفر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ اپنے ساتھ لے جائیں۔ اگر اس نے آپ ﷺ کی دلجوئی کی' آپ ﷺ کی مدد کی' آپ ﷺ کی تقویت کا باعث بنا' اپنے وعدے اور اپنے عقد پر جو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہے' ثابت قدم رہا تو وہ جنت میں آپ ﷺ کے رفقاء میں سے ہوگا اور جنت کے کمروں میں آپ ﷺ کے پُرخلوص احباب سے ہوگا۔''

پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''اے علی! (رضی اللہ عنہ) تم اس بات پر رضامند ہو کہ دشمن مجھے تلاش کرے اور نہ پا سکے اور تجھے پا لے اور شاید جاہل جلدی میں تمہاری طرف دوڑ کر آئیں اور تمہیں قتل کر دیں۔''

''ہاں! یا رسول اللہ! میں اس بات پر راضی ہوں کہ میری روح حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی روح مبارک کی حفاظت میں کام آئے۔ میرا نفس حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ذات پر قربان ہو۔ کیا میں زندگی سے بجز اس کے محبت کر سکتا ہوں کہ وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں گزرے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اوامر و نواہی کی بجا آوری میں صرف ہو۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دوستوں کی محبت' احباب کی نصرت اور آپ ﷺ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بیت جائے۔ اگر یہ امور پیشِ نظر نہ ہوتے تو میں ایک لحہ کے لیے بھی اس دنیا میں زندہ رہنا پسند نہ کرتا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ حضرت علی کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا:

''اے ابوالحسن تیرے اس کلام کی تصدیق لوحِ محفوظ کے مؤکلین نے کی ہے اور انہوں نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے جو ثواب دارالقرار میں اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے اس کی مثل نہ کسی نے سُنی اور نہ دیکھی نہ کسی کے ذہن میں اس کا تصور آیا۔''

یہاں تک وہ گفتگو بیان کی گئی ہے جو رحمتِ دوعالم ﷺ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے درمیان ہوئی۔

اس کے بعد حضرت امام حسن عسکری' حضرت امام باقر کے واسطے سے وہ کلام بلاغت نظام نقل فرماتے ہیں جو محبوب رب العالمین اصل الموجودات ﷺ اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مخلص اور پیارے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم میرے ساتھ ہو جس طرح میری تلاش کی جاتی ہے اسی طرح تمہاری تلاش بھی کی جائے اور تم اس بات سے پہچانے جاؤ کہ جس دین کی میں تبلیغ کر رہا ہوں اس پر تم نے مجھے آمادہ کیا ہے' بے ساختہ مدد کی ہے پھر میری وجہ سے تمہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جائیں؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ! ﷺ اگر میں اتنی مدت زندہ رہوں جتنی دنیا کی عمر ہے اس طویل زندگی میں مجھے سخت ترین عذاب دیئے جائیں نہ مجھ پر وہ موت نازل ہو جو مبتلائے عذاب کو راحت پہنچاتی ہے اور نہ مجھے ان مصائب سے نجات دی جائے اور یہ سب اذیتیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی محبت کے باعث مجھے دی جائیں تو یہ ساری اذیتیں اور عذاب مجھے اس بات سے محبوب تر ہیں کہ میں آپ ﷺ کی مخالفت میں نعمت ومسرت کی زندگی بسر کروں اور دنیا کے سارے بادشاہوں کے ملکوں کا مالک ہوں' میری تو دلی آرزو ہے کہ میرے سمیت میرے بیوی بچے سب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر قربان ہوں۔''

سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے عقیدت کیش اور عاشق دلفگار غلام کے اس جواب کو سُن کر کیا ارشاد فرمایا' اسے بار بار پڑھیے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجیے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے دل پر آگاہ ہو گیا ہے اور تیری زبان پر جو کلام جاری ہوا ہے اس کو تیرے دل سے بالکل مطابق اور ہم آہنگ پایا ہے اور تجھے میرے لیے بمنزلہ

کان اور آنکھوں کے کر دیا ہے۔ نیز جسم سے سر کا اور بدن سے روح کا جو تعلق ہے' وہ تیرا میرا تعلق ہے۔'' (تفسیر امام حسن عسکری مطبوعہ تہران جلد ا صفحہ ۲۱۲' بحوالہ ضیاء النبی' پیر کرم شاہ جلد 3 صفحہ 52 تا 56)

شبِ ہجرت

سفر کے جملہ انتظامات کی تفصیلات طے پا گئیں' سورج آہستہ آہستہ مغربی اُفق کی اوٹ میں رات بسر کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ آنے والی تاریخ ساز رات نے اسے اپنے آغوش میں چھپا لیا اور اپنے تاریک پر ساری کائنات پر پھیلا دیئے۔ جب اندھیرا گہرا ہو گیا تو قرشی قبائل کے منتخب نوجوان ابلیسی منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے عزم سے سرشار ہو کر اس سادہ سے مکان کی طرف بڑھنے لگے جہاں اللہ تبارک تعالیٰ کا محبوب اور کاروانِ انسانیت کا خوش بخت قائد ابتلاء و آزمائش سے لبریز زندگی بسر کر رہا تھا۔ انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر بہت جلد اس مرکز رشد و ہدایت کو اپنے حصار میں لے لیا۔ خون کی پیاسی بے نیام تلواریں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ وہ اب اس لمحے کا انتظار کرنے لگے جب رسول بحر و بر تاجدارِ کائنات اللہ کا حبیب ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس سے قدم باہر رکھے' وہ بجلی کی سرعت کے ساتھ اس پر یکبارگی حملہ کر کے (دشمنوں کے منہ میں خاک) اس کا کام تمام کر دیں۔ کفر و شرک کے ان جیالوں کے ناموں کو تاریخ نے فراموش نہیں کیا بلکہ ان کو اپنے صفحات پر ثبت کر دیا ہے تاکہ روزِ قیامت تک جب بھی مہر و وفا اور اس کے مقابلے میں جور و جفا کی یہ داستان بیان کی جائے تو ابوبکر صدیق و علی رضی اللہ عنہما جیسے جاں نثارانِ حق کے اسمائے گرامی کے ساتھ ساتھ ان ناموں کا بھی ذکر ہوتا رہے جو طرح طرح کی گمراہیوں' بُرائیوں کا شکار بن کر' عالمِ انسانیت کے مقدر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ظلمتوں اور تیرگیوں کے حوالے کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے تھے۔

میں ان کے نام علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کی ''سیرت الحلبیہ'' سے نقل کر رہا ہوں:

۱۔ الحکم بن ابی العاص
۲۔ عقبہ بن ابی معیط
۳۔ نضر بن حارث
۴۔ اُمیہ بن خلف
۵۔ زمعہ بن اسود
۶۔ ابوالہیثم
۷۔ ابوجہل

(السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۷)

یہ تھے مکہ کے وہ سورما' دولت مند اور بارسوخ خاندانوں کے چشم و چراغ جو برہنہ تلواریں اپنے فولادی ہاتھوں میں تھامے اس غلط فہمی کا شکار ہو کر میدان میں نکلے تھے کہ وہ اس آفتاب عالم تاب' سراج منیر کو بے نور کر دیں گے جس کو اس کے خالق نے تاابد مطلع حیات پر ضیاء بار رہنے کے لیے طلوع ہونے کا حکم دیا ہے۔

قدرت کا یہ اعلان کہ:

''اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا' خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔''

اس اعلان کو سننے سمجھنے ماننے سے قریش کے یہ سورما بالکل قاصر تھے۔

سورۂ صف آیت ۸ میں فرمانِ خالق و مالکِ کائنات ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

ترجمہ ''یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔'' (سورۂ صف آیت ۸)

کفار ومشرکین کا جب یہ خون خوار دستہ اکٹھا ہوا تو یہ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی دشمنی میں ہذیان بکنے لگے۔ نازیبا کلمات سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرنے لگے۔ اخلاق اور شائستگی کی دھجیاں اُڑانے لگے' اسلام کی آفاقی تعلیمات کو ہدفِ تنقید بنا کر دل کا غبار نکالنے لگے۔ ظلمتِ شب کچھ اور بھی گہری ہوگئی' کفر کے اندھیروں میں ان کے من اور بھی کالے ہوگئے۔ اندر کے شیطان نے درندگی' بربریت اور سفاکی کا چولا پہن لیا اور ابوجہل بولا:

''بے شک محمد (ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر تم ان کی اطاعت اختیار کر لو تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا اور اردن کے باغات کی طرح سرسبز باغات ملیں گے۔ اور اگر تم ان کی اطاعت اختیار نہ کرو گے تو تمہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے گا اور موت کے بعد زندہ کر کے آگ کے بھڑکتے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا۔'' (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۳)

اس طرح کی باتیں کر کے جس وقت وہ اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑا رہے تھے عین اسی وقت نبی معظم رسولِ مکرم ﷺ دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے اور فرمایا:

''ہاں! میں نے ایسا ہی کہا ہے اے ابوجہل! ان میں سے ایک تم ہو۔''

حضورِ پُرنور ﷺ اس وقت سورۂ یاسین کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت کی تلاوت کی:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○

ترجمہ ''ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔'' (سورۂ یٰسین آیت ۹)

تو ان پر پھونک دیا۔ فوراً محاصرہ کرنے والوں کی بینائی سلب ہوگئی۔ نیند غالب آ گئی اور اونگھنے لگے۔ انہیں لمحوں میں ان کے نرغے کو توڑتے ہوئے اپنے ربِ قدیر قادرِ مطلق کی امان میں حضورِ انور ﷺ بخیر و عافیت تشریف لے گئے۔ گزرتے ہوئے سب کے سروں پر ایک ایک چٹکی مٹی کی لے کر ڈالتے گئے۔ وہاں سے سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کا رُخ کیا۔ وہ چشم براہ بیٹھے تھے' اُٹھ کر اپنے آقا ﷺ کو مرحبا اور خوش آمدید کہا اور دونوں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے عقب میں چھوٹے دروازے سے نکل کر غارِ ثور کی

طرف روانہ ہو گئے۔

دشمنوں کا محاصرہ توڑ کر اور ان کے سروں پر خاک ڈال کر نکل آنا حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ حضورِ پُرنور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ جاں نثارِ مصطفیٰ ﷺ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے حضورِ پُرنور ﷺ کے قدموں کی چاپ پر کان لگائے بیٹھے تھے۔ دشمنانِ رسول کے مقدر میں رسوائی لکھی ہوئی تھی سو ان کے سروں پر خاک ڈال کر ان کی ذلت کا باب مکمل کر دیا گیا۔ وہ اپنی تمام قہر سامانیوں کے باوجود اللہ کے نبی کا بال بھی بیکا نہ کر سکے' اللہ کی تدبیر کارگر ہو چکی تھی۔

سورۂ آلِ عمران آیت ۵۴ میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

''اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' (سورۂ آل عمران آیت ۵۴)

اور قادرِ مطلق' اللہ تبارک تعالیٰ کی تدبیر بشکل معجزہ کارگر ہو گئی کہ سب خونخوار پہرہ داروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے آپ حضورِ پُرنور' حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف بڑھ گئے۔

اس اثناء میں جب کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والے قریشی نوجوان کھڑے پہرہ دے رہے تھے' ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا۔ اس نے ان سے پوچھا' یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے فخر سے بتایا کہ ہم اپنی قوم کے طے شدہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہاں کھڑے ہیں' جونہی وہ قدم باہر رکھیں گے' ہماری تلواریں یکبارگی بجلی کی سرعت سے ان پر کوندیں گی اور ان کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ اس شخص نے کہا' تمہارا خانہ خراب ہو' وہ تو کافی عرصہ پہلے تمہارے حصار سے نکل کر چلے بھی گئے ہیں اور جاتے ہوئے تمہارے سروں پر مٹی ڈالتے گئے ہیں۔

انہوں نے جھٹ اپنے ہاتھ اپنے سر کے بالوں کو ٹٹولنے کے لیے بلند کیے تو ان کی انگلیاں خاک آلود ہو کر واپس ہوئیں' وہ بھونچکا ہو کر رہ گئے لیکن پھر بھی انہوں نے اس شخص کی اس بات کو سچ تسلیم نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں سامنے حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا بستر نظر آ رہا تھا اور اس پر حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی سبز چادر میں لپٹا ہوا کوئی سو بھی رہا تھا۔ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ وہ آپ ہی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی سوچا کہ جس طرح چوکنا ہو کر وہ پہرہ دیتے رہے ہیں' چڑیا بھی یہاں پھٹک نہیں سکتی' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم جیسے ہوشیار اور چالاک نوجوانوں کے نرغے سے وہ نکل گئے ہوں اور انہیں کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ یقیناً یہ شخص جھوٹ کہتا ہے شاید ہمیں دھوکہ دینے کی یہ کوئی چال ہو کہ ہم یہاں سے تتر بتر ہو جائیں اور وہ (ﷺ) موقع پا کر یہاں سے نکل جائیں۔

انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اس محاذ پر ڈٹے رہیں گے۔ چنانچہ وہ صبح تک وہاں پر چاق و چوبند کھڑے پہرہ دیتے رہے' صبح صادق طلوع ہوئی تو سونے والا سبز چادر سمیٹتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو علی (رضی اللہ عنہ) ہے۔ انہوں نے فوراً سوچا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں گئے؟ ان پر ایک دم ندامت کا منوں پانی پڑ گیا اور کہنے لگے کہ اس آدمی نے واقعی سچ کہا تھا۔

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۶' دیگر کتب سیرت) السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۳)

شبِ ہجرت نے اپنی بساط لپیٹی' سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیدار ہوئے' محاصرین کی امیدوں پر اوس پڑ گئی' وہ کفِ افسوس ملنے لگے کہ رات جس نووارد کی باتوں پر ہم نے یقین نہیں کیا تھا' وہ سچ کہہ رہا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا حصار توڑ کر اور ہمارے سروں پر خاک ڈال کر جا چکے ہیں' وہ سب بے ساختہ پکار اُٹھے:

''تم (العیاذ باللہ) بہت لئیم (کمینے ہو' برے ہو' گئے گزرے ہو) ہو' تم اپنے ساتھی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے اور ہم اس سے بے خبر رہے۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۲۷)

کفار و مشرکین کے یہ منتخب نوجوان اپنی خفت مٹانے کے لیے اول فول بکنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اللہ قادر مطلق نے اپنے رسولِ معظم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی' باطل کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے:

''حضور پُرنور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے عقبی دروازے سے رات کے وقت نکلے اور دونوں غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے۔'' (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۸۷)

حضرت ابوبکر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے روانہ ہونے سے پہلے اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر کفار کی دوڑ دھوپ اور نئے منصوبوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور شام کے وقت غار میں آ کر سب حالات سے آگاہ کرے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے چرواہے عامر بن فہیرہ کو ہدایت کی کہ وہ دن بھر غار کے گرد و نواح میں بکریاں چرائے اور شام کو انہیں غار کے دہانے پر لے آئے اور تازہ دودھ دوہ کر اور اسے گرم کر کے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرے۔ اور اپنی صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ارشاد فرمایا کہ ہر روز کھانا پکا کر شام کے وقت غار میں پہنچا آیا کرے۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۸' دیگر کتب سیرت)

بوقتِ ہجرت

مکہ مکرمہ سے نکلتے ہوئے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے درد بھرے دل سے بصد ادب و نیاز اپنے

خالق و مالک کی بارگاہِ اقدس میں ان کلمات سے دامن دعا پھیلایا:

''سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے پیدا کیا جبکہ میں کوئی شے نہ تھا۔''

''اے اللہ! دنیا کی ہولناکیوں' زمانہ کی تباہ کاریوں' شب و روز کے مصائب برداشت کرنے پر میری مدد فرما۔''

''اے اللہ! میرے سفر میں تو میرا ساتھی ہو۔''

''میرے اہل و عیال میں تو میرا قائم مقام ہو۔''

''اور جو رزق تو نے مجھے دیا ہے اس میں میرے لیے برکت ڈال۔''

''اور اپنی جناب میں مجھے عجز و نیاز کی توفیق دے۔''

''اور بہترین اخلاق پر میری تربیت فرما۔''

''اے میرے رب! مجھے اپنا محبوب بنا لے۔''

''اور مجھے لوگوں کے حوالے نہ کر۔''

''اے کمزوروں کے پروردگار! اور تو میرا بھی پروردگار ہے۔''

''میں تیری ذاتِ کریم کے طفیل جس کی روشنی سے آسمان اور زمین چمک رہے ہیں۔''

''اور جس کی برکت سے اندھیرے دُور ہو گئے ہیں۔''

''میں تیری ذاتِ کریم کے طفیل اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے۔''

''یا نازل کرے تو مجھ پر اپنی ناراضگی۔''

''میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیری نعمت زائل ہو جائے۔''

''اور تیرا غضب اچانک اُتر پڑے۔''

''اور تیری سلامتی کا رُخ مجھ سے پھر جائے۔''

''تیری رضا میرے نزدیک ہر چیز سے بہتر ہے۔''

''میرے پاس کوئی طاقت نہیں' کوئی قوت نہیں بجز تیرے۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۴۵' السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۴' ۲۳۵)

اس اثنا میں راہِ حق کے دونوں مسافر مکہ کی پُر پیچ گلیوں سے گزرتے ہوئے غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے' شہر سے باہر نکل کر محبوب رب العالمین ﷺ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مکہ شہر پر نگاہِ واپسیں ڈالی اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے ان کلمات سے مکہ کو الوداع کہا۔

ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ:

''بخدا! اے مکہ کی سرزمین تو مجھے اللہ کی ساری زمینوں سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک اللہ کی تمام زمینوں سے اللہ کو زیادہ پیاری ہے اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔'' (سیرت زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۰۷' السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جملے یوں روایت کیے ہیں:

''حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے مکہ کے شہر! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تو مجھے کتنا پیارا ہے اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں ہرگز کسی اور شہر میں سکونت اختیار نہ کرتا۔''

حرمِ مکہ کی فضیلت دیگر احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز اس کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں ادا کی ہوئی ایک لاکھ نماز سے بہتر ہے۔'' (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

جب نماز کی یہ شان ہے تو دیگر اعمال حسنہ جو مسجد حرام میں ادا کیے جائیں گے' وہ دیگر مقامات پر ادا کیے جانے والے اعمال سے ایک لاکھ گنا زیادہ بہتر ہوں گے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص پیدل حج ادا کرتا ہے' ہر قدم کے عوض اسے حرم میں ادا کی ہوئی نیکیوں میں سے سات سو (۷۰۰) نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ عرض کی گئی یا نبی اللہ! حرم کی نیکیاں کیا ہوتی ہیں؟ فرمایا حرم میں ادا کی ہوئی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔'' (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بس

انقلاب کی تاریخ ایثار و قربانی کے مسلسل عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی' تاریخ اسلام بھی ایثار و قربانی کی ان گنت مثالوں سے بھری پڑی ہے' قدم قدم پر راہِ حق کے مسافروں کو ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا لیکن وہ ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلے' سفر ہجرت بھی ایک بڑا امتحان تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تلواروں کی چھاؤں میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سبز چادر اوڑھ کر سوئے رہے اور کفار و مشرکین کو مغالطے میں رکھ کر حضور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حفاظت کے ظاہری اسباب فراہم کرنے کا موقع فراہم کیا' اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسوں کے نرغے میں استقامت کا کوہِ گراں بنے رہے۔

ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کا امتحان بھی شروع ہو چکا تھا اور وہ بھی ہر امتحان پر پورا اُترے۔ ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آقائے کائنات حضور پُرنور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارِ غار (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مکہ کو الوداع کہنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال جو پانچ یا چھ ہزار درہم پر مشتمل تھا' بھی ساتھ لے لیا تا کہ اس مال کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کر کے ان کی خوشنودی کی سعادت حاصل کر سکیں۔

اندھیری رات ہے' ہُو کا عالم ہے' اللہ کا محبوب نبی' نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا عاشق دلفگار رضی اللہ عنہ دونوں ایک ایسی غار کی طرف جا رہے ہیں جو از حد دشوار گزار پہاڑیوں کے درمیان میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہ غار' غارِ ثور کے نام سے مشہور ہے اس وقت کے مکہ شہر سے تقریباً تین میل کی مسافت پر جنوبی سمت میں واقع تھی اب یہ شہر بہت پھیل گیا ہے اور مکانات کا سلسلہ ان پہاڑوں تک پہنچ گیا ہے جہاں غارِ ثور واقع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلتے چلتے کبھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل جاتے ہیں' پھر پیچھے چلے جاتے ہیں' کبھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' اے ابوبکر صدیق! (رضی اللہ عنہ) یہ کیا ماجرا ہے؟ عرض کی' یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خیال آتا ہے کہ مبادا دشمن پیچھے سے تعاقب میں آ رہے ہوں تو پیچھے چلا جاتا ہوں پھر خیال آتا ہے کہ وہ لوگ آگے کسی کمین گاہ میں نہ بیٹھے ہوں تو بھاگ کر آگے چلا جاتا ہوں' کبھی دائیں اور کبھی بائیں چلا جاتا ہوں تا کہ آگے یا پیچھے سے دائیں یا بائیں سے اگر بداندیش حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کریں تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غلام ان کے ناگہانی حملہ کے لئے سدِ سکندری بن کر کھڑا ہو جائے تا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ جہاں راستہ بہت کٹھن ہوتا' حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ' حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیتے۔ (دلائل النبوۃ' بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۷۷)

چلتے چلتے جب غار کے دہانے تک پہنچ گئے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی:

''میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' عرض کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف نہ لے جایئے' پہلے میں داخل ہوں گا اگر وہاں کوئی موذی چیز ہو تو پہلے وہ مجھے اذیت پہنچائے۔''

آپ رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے' تاریک رات پھر غار کا اندھیرا' کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پہلے جھاڑو دیا پھر غار کے چپہ چپہ کو ہاتھوں سے ٹٹولا جہاں کوئی سوراخ معلوم ہوا' اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر اسے بند کیا' چادر ختم ہو گئی لیکن ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا۔ دل میں سوچا اس پر اپنی ایڑھی رکھ کر بند کر لوں گا' ہر طرح مطمئن ہونے کے بعد عرض کی' آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آیئے خود اس سوراخ پر ایڑھی رکھ کر بیٹھ گئے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تشریف لائے، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرما ہو گئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا، بے تاب نگاہیں اور بے قرار دل اپنے محبوب کے روئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے، نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں، وہ حسن سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا، آج صدیق رضی اللہ عنہ کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بخت صدیق کی رفعتو! تمہارے کیا کہنے تم پر یہ خاک پریشان قربان اور یہ قلب حزیں نثار۔ اسی اثناء میں حضرت صدیق کی ایڑھی میں سانپ نے ڈس لیا، زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بیدار ہوئے۔ اپنے یارِ غار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہو گئی۔

گھر سے نکل کر غارِ ثور تک پہنچنے میں یارِ باوفا رضی اللہ عنہ پر ایک عجیب سی کیفیت رہی، سرکارِ دو عالم ﷺ کی حفاظت انہیں دنیا کی ہر شے سے عزیز تھی۔ وہ پیکرِ عشق دیوانہ کبھی حضور پُرنور ﷺ سے آگے نکل جاتے اور اسی وارفتگی کے عالم میں کبھی حضورِ انور ﷺ کے پیچھے ہو جاتے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے جاں نثار کی یہ اضطراری حالت دیکھی تو فرمایا کہ ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) کیا بات ہے؟ سیّدنا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''یارسول اللہ! ﷺ جب مجھے پیچھے سے متوقع حملہ کا خیال آتا ہے تو آپ ﷺ کے پیچھے آ جاتا ہوں اور جب آگے سے کسی کمین گاہ کا خطرہ محسوس کرتا ہوں تو آگے آ جاتا ہوں۔''

(دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷۶)

اس محبت بھرے جواب پر تاجدارِ کائنات حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) کیا تجھے پسند ہے کہ کوئی ناگوار شے میرے بجائے تجھے نقصان دے؟''

عشق وجد میں آ گیا، یارِ باوفا رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جی ہاں! قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے جو کوئی بھی مصیبت آئے، میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کے بجائے مجھ پر آئے۔'' (دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷۶)

حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا سرِ انور آپ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، حضور پُرنور ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سانپ نے پاؤں پر کاٹا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شدید تکلیف کے باوجود اُف تک نہ کی مبادا حضورِ پُرنور ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو۔ درد کی شدت کو برداشت کیا لیکن حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ ناگاہ چشمِ ضبط سے ایک آنسو رخسارِ مصطفیٰ ﷺ پر ٹپک پڑا۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ چونک پڑے، استفسار کیا تو یارِ وفا رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے:

''مجھے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہ تھا۔'' (السیرۃ الحلبیہ جلد۲صفحہ۳۵)

حضورِ پُرنور ﷺ نے سانپ کے ڈسے پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تو زہر کا اثر فوراً دور ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس وفاشعاری سے خوش ہو کر حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

''اے اللہ! ابوبکر کو جنت میں میرے ساتھ اسی درجے میں رکھنا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۳ صفحہ۳۳۹)

یارِ باوفا کی خوش بختی

وہ منظر کیا منظر ہوگا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرِ اقدس گود میں لیے کونین کے والی ﷺ کے چہرۂ والضحیٰ کا نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھیں طوافِ چہرۂ انور میں مصروف تھیں' دل کی ہر دھڑکن صرف پیاس بن کر حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قدموں پر نثار ہو رہی تھی' ہر سانس میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے چراغ جل رہے تھے' لہو کی ایک ایک بوند عالمِ وجد میں تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ابوبکر صدیق اکبر کی وہ رات عمر بن خطاب کی تمام آل سے بڑھ کر ہے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد۲ صفحہ۲۲۸)

اس سوراخ میں سانپ تھا اس نے ایک بار نہیں' کئی بار ڈسا لیکن کیا مجال کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ذرا سی جنبش کی ہو یا اضطراب کا مظاہرہ کیا ہو۔ حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے آرام میں خلل انداز ہونا آپ رضی اللہ عنہ کو کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔

علامہ زینی دحلان نے تحریر کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ! ﷺ تشریف لے آیئے' میں نے جگہ کو درست کر دیا ہے۔ حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ تشریف لے گئے' اپنا سر مبارک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا اور سو گئے یارِ باوفا' یارِ غار رضی اللہ عنہ جو سوراخ بند نہیں ہو سکتے تھے' ان پر اپنے پاؤں کی ایڑھیاں رکھ لیں۔ سانپ نے ڈسا' آپ رضی اللہ عنہ نے ذرا حرکت نہ کی مبادا حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی نیند میں خلل واقع ہو۔'' (السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد۱ صفحہ۳۰۸)

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ تو طلوعِ صبح سے پہلے غارِ ثور میں پہنچ گئے۔

ادھر مکہ میں جب صبح کا اُجالا ہوا تو حضورِ پُرنور ﷺ کے بجائے بستر سے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُٹھے۔ یہ دیکھ کر رات بھر محاصرہ کرنے والوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر مکہ کے گھر گھر پہنچ گئی کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) رات کی تاریکی میں خاموشی سے ان کا گھیرا توڑ کر نکل گئے ہیں اس سازش کی ناکامی پر کہرام مچ گیا۔ مشرکین کی ٹولیاں حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی تلاش میں ہر طرف پھیل گئیں' ان کا

غالب گمان یہ تھا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ یثرب کی طرف چلے گئے ہوں گے جہاں مہاجرین کا ایک طاقت ور گروہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لیے چشم براہ ہے۔

اس خیال سے وہ اس راہ پر دُور تک گئے لیکن کہیں سراغ نہ ملا پھر دوسری سمتوں میں تلاش شروع کی۔ ان راستوں پر بھی خاک چھاننے کے بعد خائب و خاسر ہو کر ناکام لوٹے۔ غارِ ثور مکہ کے جنوبی سمت میں اس شاہراہ کے قریب ہے جو یمن کو جاتی ہے' انہیں یہ گمان تک بھی نہ تھا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ادھر بھی جا سکتے ہیں۔

جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ناچار ادھر کا رُخ کیا جب غار کے قریب پہنچے تو ان کے ماہر کھوجی نے ایک نقش پا کو دیکھ کر کہا یہ تو ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاؤں کا نشان ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا نقش پا ہے' میں اسے نہیں پہچان سکا۔ یہ اس پاؤں کے نشان سے بڑی مشابہت رکھتا ہے جو مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر ہے۔

قادر مطلق' اللہ تبارک تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ کفار اِدھر اُدھر سے مایوس ہو کر نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں اس طرف بھی ضرور آئیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے تک تو پہنچ جاتے لیکن نہ اس کے اندر داخل ہوتے اور نہ اس کے اندر جھانکتے۔ یوں ہی اُلٹے پاؤں واپس چلے آتے۔

ہوا یہ کہ غار کے دہانہ کے قریب ایک خاردار درخت اُگ آیا۔ اس درخت کو اہلِ عرب ''ام غیلان'' کہتے ہیں اس کی اونچائی انسانی قدر کے برابر ہوتی ہے اس کی شاخیں بڑی گنجان اور خاردار ہوتی ہیں وہ درخت غار کے دہانہ کے اتنا قریب تھا کہ اس درخت کی موجودگی میں کسی شخص کا غار کے اندر جانا بہت مشکل ہے۔ نیز اس غار کے دہانے کے قریب جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلہ بنا لیا' وہاں انڈے بھی دے دیئے اور ان انڈروں کو سینے کے لیے ایک کبوتری ان پر ڈیرا جما کر بیٹھ گئی۔

> ''حرمِ مکہ میں جو کبوتر ہیں' یہ کبوتروں کے اس جوڑے کی نسل سے ہیں اس خدمتِ جلیلہ کا انہیں یہ صلہ دیا گیا ہے کہ ان کی نسل بھی منقطع نہیں ہوئی۔ چودہ (۱۴) صدیوں سے باقی ہے اور حرم شریف میں انہیں پناہ ملی ہوئی ہے' کوئی انہیں چھیڑ نہیں سکتا اسی لیے لغتِ عرب میں یہ مثل زبان زد خاص وعام ہے کہ فلاں شخص کو حرم کے کبوتروں سے بھی زیادہ امن و امان میسر ہے۔''

(مواہب اللدنیہ' علامہ زرقانی جلد؟؟ صفحہ؟؟؟)

ساتھ ہی غار کے منہ پر عنکبوت (مکڑی) نے ایک گھنا جالا تن دیا۔ دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ جالا آج کل میں نہیں تنا گیا بلکہ سالہا سال پہلے کا ہے۔ یہ سب انتظامات اس عظیم طاقت والے مالک کائنات' قادر

مطلق کی بے پایاں قدرت کا کرشمہ تھے جس کے ایک کلمہ کن کہنے سے یہ سارا عالم بلند و پست معرضِ وجود میں آ گیا۔ اس حکمت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی ماہر کھوجی پاؤں کے نشانوں کو دیکھ کر سراغ لگاتے ہوئے یہاں پہنچتا تو کبوتروں کو اپنے گھونسلہ میں انڈوں کو سیتے ہوئے دیکھ کر یقین کر لیتا کہ اس غار میں عرصہ دراز سے انسان داخل نہیں ہوا۔ اُمیہ بن خلف جیسا دشمن جب غار کے دہانے پر پہنچا تو اس کے ایک ساتھی نے اسے کہا کہ اندر داخل ہو کر تسلی کر لو۔ اُمیہ بن خلف کہنے لگا:

''غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے اس کے منہ (دروازے) پر اتنا پرانا تنا ہوا مکڑی کا جالا ہے جو محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم دیتا ہے۔''

کارکنانِ قضا و قدر (اللہ کے جنود) کی پیش بندی

دینِ حق کی سربلندی کے لیے ہجرت کا یہ انتہائی قدم اُٹھانا ناگزیر ہو گیا تھا اور پھر یہ حکمِ ربی کی تعمیل بھی تھی۔ کفارِ مکہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تلاش میں جنگلوں' پہاڑوں اور گھاٹیوں کی خاک چھان رہے تھے' ادھر سب سے بہترین تدبیر کرنے والا خالق و مالک کائنات قادر مطلق اپنی تدبیر کر رہا تھا۔ قدم قدم پر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی حفاظت کا انتظام ہو رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر پیش بندی میں مصروف تھے' کفار و مشرکین نے دو کھوجیوں کی خدمات حاصل کیں۔ ایک کھوجی کا نام کرز بن علقمہ بن ہلال الخزاعی تھا جو پاؤں کے نشانات کا کھوج لگانے کا ماہر تھا۔ وہ لوگ جبلِ ثور تک آ پہنچے' قدموں کا آخری نشان دیکھ کر وہ بولا کہ آگے نشانات ختم ہو جاتے ہیں۔ محمد (ﷺ) کو کہیں اردگرد تلاش کرو' کسی نے مشورہ دیا قریب ہی غار ہے وہاں دیکھ لو مگر دشمنِ تحریک دین اسلام اُمیہ بن خلف نے کہا:

''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ غار تو ایسا ہے کہ اس (کے دہانے) پر مکڑی نے جال بُن رکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جال محمد (ﷺ) کی ولادت سے بھی پہلے کا (بُنا ہوا) ہے۔''

(انساب الاشرف جلد ا صفحہ ۲۶۰)

مکڑی نے غارِ ثور کے مُنہ پر جالا تان دیا' پاس ہی اُم غیلان نامی درخت بھی اُگ آیا۔ غار کے منہ پر ایک کبوتری انڈوں پر بیٹھی نظر آئی' یہ نشانات دیکھ کر تلاش کرنے والے پلٹ گئے کہ اگر کوئی غار کے اندر گیا ہوتا تو مکڑی کا یہ جالا ٹوٹ نہ جاتا' کبوتری کے یہ انڈے کیسے سلامت رہتے اور پھر اس درخت کے ہوتے ہوئے کون اندر جا سکتا ہے۔ ایک شخص تو غار کے بالکل قریب پہنچ گیا' ساتھیوں نے غار کی تلاشی نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا:

''میں نے اس میں دو جنگلی کبوتر دیکھے تو جانا کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۴۰)

یہ سب معجزات حضورِ پُرنور ﷺ کے تھے' یہ سب تدابیر خدائے بزرگ و برتر کی تھیں جو اپنے رسول مقبول و مکرم ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ مکڑی کے جالے کو خدائے خالقِ کائنات نے قرآن مجید میں تمام گھروں سے نازک گھر قرار دیا ہے مگر اس نازک ترین شے نے سفرِ ہجرت میں دشمن کو مغالطے میں رکھا اور کسی بدخواہ نے غار کے اندر جھانکنے کی کوشش نہ کی۔ سورہ عنکبوت آیت 14 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ "تحقیق سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔" (سورۂ عنکبوت آیت ۴۱)

کچھ عقل کے اندھے لوگوں کو "غار کے منہ پر آشیانہ بنا کر انڈے دے دیئے تھے یا مکڑی نے جالا تن دیا تھا" وغیرہ یہ سب واقعات قابلِ تسلیم نہیں۔

ایسی باتیں' ایسے خیالات پڑھ کر مجھے' اس کتاب کے مصنف کو' بہت دکھ ہوتا ہے۔ اور وہ اس لیے کہ ایسے لوگ تو خالق و مالک کائنات کو بالکل ہی نہیں پہچانتے اور اُسے کلمہ کن کا مالک اور قادرِ مطلق (ہر کچھ کر دینے پر بروقت قادر ہونا) بھی نہیں مانتے۔ کائنات عظیم میں سب کچھ ہی اس کی مِلک ہے ملکیت ہے اور ماسوائے ذی شعور مخلوق' انس و جاں کے باقی سب کچھ ہی ہمہ وقت اس کی فرمانبرداری اور حکم میں ہے۔

ایسے محیر العقول' نا قابلِ یقین' عقل سے ماورا واقعات تو ہمارے اردگرد شب و روز دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ اور اطلاعات' رابطوں' حالاتِ حاضرہ' خبروں کے لئے اب تو دنیا بہت سکڑ چکی ہے' سمٹ چکی ہے۔ ہر جگہ کے واقعات پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔

کتنے ہی واقعات ہیں کہ شدید طوفانوں میں' سیلاب میں' زلزلوں میں' حادثات میں اور دیگر قدرتی آفات میں جہاں ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن جاتے ہیں وہاں کوئی نوزائدہ بچہ' بچہ یا کمزور و ناتواں انسان کئی کئی ہفتوں بلکہ مہینوں تک زندہ و سلامت رہتے ہیں۔

کتنی ہی مضبوط عمارتیں زلزلوں کے جھٹکوں سے زمین بوس ہو جاتی ہیں' سیلابوں میں طوفانوں میں گر جاتی ہیں اور ان کے ساتھ ہی کچھ کچے مکان بھی ہوتے ہیں جن میں سے کچھ کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اب سے کوئی بیس پچیس سال پہلے اخباروں میں ایک بہت ہی کم عمر بچے کا ذکر تھا جو سیلاب کے دنوں میں نہ جانے کہاں سے ایک تختہ نما لکڑی پر دریائے راوی میں بہتا ہوا آیا۔ راوی کے پل سے کسی کی نگاہ پڑی اور لوگوں نے اسے نکالنا چاہا۔ اس تختہ نما لکڑی پر ایک طرف زہریلا سانپ بھی بیٹھا تھا جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔

جیسے ہی بچے کو بچانے کے لئے تیراک نے لکڑی کو ہاتھ لگایا' سانپ نے اُسے ڈس لیا۔ وہ بچے کو ساحل

تک لے آیا لیکن خود جانبر نہیں ہوسکا اور کنارے کے قریب پہنچتے ہی جان دے دی۔

اہل بصیرت کو' آنکھیں کھلی رکھنے والے کو' اپنے اردگرد سے سبق سیکھنے والے کو تو اسی واقعہ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی کتنی ہی شانیں نظر آئیں گی کہ وہی لکڑی اور سانپ جو ایک بچہ کی حفاظت کر رہے ہیں انہیں پر ایک اور کے لئے موت سوار ہے۔

میری دست بستہ گزارش ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت وقدرت کو عقل کی کسوٹی سے نہ پرکھیں۔ کائنات عظیم کی ۹۹ فیصد چیزیں' ان کا وجود و واقعات ہماری عقل سے ماورا ہیں۔ ایسا کرنے سے آپ مزید بھٹک جائیں گے اور اس میں کسی اور کا نقصان نہیں' اس سے صرف اور صرف آپ کو سراسر دارین میں خسارہ ہوگا۔

گزارش ہے کہ اگر یہ ایک روایت ہوتی جس میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہ سند ضعیف ہوتی تو ان امور کے انکار کرنے کی کوئی وجہ سمجھ آسکتی تھی لیکن یہ امور صرف ایک روایت میں نہیں بلکہ متعدد دوسری روایتوں میں بھی مذکور ہیں اور ان روایتوں کو حافظ ابن کثیر جیسے نقاد حدیث نے ''حسن'' کہا ہے اور انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے ان انتظامات میں شمار کیا ہے جو اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو کفار کے مکروفریب سے بچانے کے لیے فرمائے تھے۔ اس روایت کو امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یہ سند حسن ہے اور مکڑی کے جالا تننے کے بارے میں جو روایات ہیں' ان تمام میں یہ سب سے زیادہ صحیح و باصحت ہے اور درحقیقت یہ اللہ تبارک تعالیٰ کے انتظامات ہیں جو اس نے اپنے رسول کی حفاظت کے لیے فرمائے۔ (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد۲ صفحہ ۲۳۹)

عصر حاضر کے محقق علامہ امام محمد ابوزہرہ یہ واقعہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''کفار حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے جو جبلِ ثور میں تھی اور اس میں دونوں صاحبان اس وقت موجود تھے لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی یوں ظاہر کی کہ عنکبوت نے غار کے منہ پر اتنا دبیز جالا تن دیا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ اسے تنے ہوئے کئی سال بیت چکے ہیں۔ نیز دو کبوتروں نے اس کے دروازے پر گھونسلہ بنا دیا تھا۔ یہ چیزیں ان معجزات میں سے ہیں جو حواس سے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔''

(خاتم النبیین جلد ا صفحہ ۵۱۸)

گویا امام مذکور نے بھی ان روایات کو صحیح سمجھا ہے اور ان سے استناد کیا ہے۔ (ان کو مستند مانا ہے)

علامہ محمد صادق ابراہیم العرجون اپنی تحقیقی تصنیف ''محمد رسول اللہ'' میں اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''علامہ ابن کثیر جیسے امام' نقاد اور عالم جو صاف و پاک علم اور پاکیزہ ایمان کی صفات سے متصف

ہیں'ان کی یہ مشابہت'مماثلت ایسی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی آیات اوراس کی قدرت کی نشانیاں جواس کے نبی کے دستِ مبارک پرظاہرہوتی ہیں۔

ان کے سلسلے میں قارئین یہاں رُک جایا کریں۔ پس ہر وہ روایت جوسند صحیح یا سند حسن سے مروی ہے اس پرایمان لانا اوراس پراعتقادرکھنا واجب ہوجاتا ہےاور جواس طرح ثابت نہ ہو وہاں سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے نہ اس کورد کرے نہ قبول اور اگراس روایت میں کوئی راوی کذاب یا وضاع یعنی کہ (جھوٹی [illegible] گھڑنے والا ہو) تو پھرایسی روایات کومسترد کردیا جاتا ہےاوراس کے عیب کوآشکارا کیا جاتا ہے۔'' (علامہ ابن کثیر)

جب کفار کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے غار کے دروازے پرپہنچتیں تو اپنے محبوبِ مکرم ﷺ لو یوں خطرہ میں دیکھ کرحضرت صدیق رضی اللہ عنہ بےقرار ہوجاتے۔عرض کرتے یارسول اللہ!ﷺ اگران لوگوں نے جھک کراندر جھانکا تو یہ ہمیں دیکھ لیں گے۔حبیبِ کبریاﷺ فرماتے ہیں'اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) فکروغم مت کرو'اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ایک بار پھرایسی ہی صورت پیدا ہوگئی تو حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سخت بے چین ہوگئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ!ﷺ اگرانہوں نے جھک کراپنے قدموں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) ان دو کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہےجن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک تعالیٰ ہو۔'' (سورہ توبہ آیت ۴۰)

نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو' یہ ہےتوکل علی اللہ کا وہ مقام جوشانِ رسالت کے شایاں ہے اس وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے اطمینان وتسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیبِ مکرم معظم ﷺ پرنازل فرمائی اورحضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے صدقے ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہرطرح کی پریشانی دُورہوگئی۔حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ تین دن تک وہاں قیام فرمارہے۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے

روایات میں ہے کہ جب پیغمبراوّل وآخرواعظم حضور پُرنور ﷺ نے غار کے اندرجھانکے بغیراپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانے اوران کے سوالوں کا سامنا کرنے والے شخص (امیہ بن خلف) کی مذکورہ گفتگو سماعت فرمائی تو رب العزت کا شکرادا کیا کہ اس نے بظاہر کتنی معمولی اشیاء کا اہتمام کیا کہ کفروشرک کے نمائندے ناکام ونامراد ہوکرلوٹ گئے۔حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب قریش آپ ﷺ کوتلاش کرتے کرتے غار کے دہانے پرآپہنچے تو مکڑی کا جالا دیکھ کررُک گئےاس وقت حضور پُرنورسرورِدوعالم ﷺ اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود تھےاورحضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ اپنے آقا کے تحفظ میں ڈھال بنے ہوئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ

پہرہ دے رہے تھے' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ اقدس میں عرض کی:

''یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی قوم آپ کو تلاش کر رہی ہے بخدا میں اپنی خاطر نہیں روتا مگر اس خوف سے روتا ہوں کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۴۱)

اس پر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادیٔ برحق ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''مت خوف کر اللہ میرے ساتھ ہے۔''

بعض روایات میں تھوڑی سی لفظی ترمیم کے ساتھ یوں آیا ہے:

''مت ملال کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

آقائے دو جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے قریش کو غار کے قریب دیکھ کر اپنے رفیقِ سفر کو متفکر ہوتے دیکھا تو انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔''

اپنے اور اللہ کے ساتھ اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شریک فرما رہے ہیں اور اپنے یارِ باوفا رضی اللہ عنہ کو فضیلتوں کی خلعت عطا فرما رہے ہیں۔ ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے دو بار جالا لگا کر اللہ کے دو برگزیدہ بندوں کی حفاظت کی۔ ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے جب جالوت آپ علیہ السلام کی تلاش میں تھا اور دوسری بار تاجدارِ کائنات رحمتِ دو عالم ﷺ کے لیے جالا لگایا جب قریش آپ ﷺ کی تلاش میں تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۴۱)

غار' سمندر اور کشتی

سفرِ ہجرت میں قدم قدم پر معجزے رونما ہوئے' اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد و نصرت مسافرانِ راہِ حق کے ہمرکاب رہی' اللہ کی طرف سے اپنے آخری رسول حضور پُرنور ﷺ کی حفاظت کا اہتمام کیا' کفار و مشرکین ہر بار ناکام و نامراد ہوئے اور اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ فرمان حرف بحرف سچ ثابت ہوا کہ وہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ قریش کو قریب آتا دیکھ کر مضطرب ہو جاتے' مبادا وہ میرے آقا ﷺ کو نقصان پہنچائیں۔ شمع رسالت ﷺ کا یہ پروانہ حصار باندھے اپنے آقا ﷺ پر نثار ہو رہا تھا' کسے اپنے تن من کا ہوش تھا' ایک ہی فکر دامن گیر تھی کہ کوئی بدبخت حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو گزند نہ پہنچائے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے چین ہو جاتے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی:

''اور اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لیا تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے۔''

اس پر رسولِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

''اگر وہ اس طرف سے آئیں گے تو ہم دوسری طرف سے نکل جائیں گے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کی دوسری طرف دیکھا تو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے فرمان کے ساتھ ہی وہ حصہ شق ہو گیا۔

''تو اچانک (دیکھا کہ) وہاں سمندر موجود تھا جس میں ایک طرف کشتی تیار کھڑی تھی۔''

(السیرۃ النبویۃ ابن کثیر جلد۲ صفحہ۲۴۳)

چنانچہ اسی شانِ نزول میں سورۂ توبہ کی آیتِ کریمہ 40 نازل ہوئی اور اس میں یوں ارشاد فرمایا:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ ''اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطنِ مکہ سے) نکال دیا اور وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمائی۔'' (سورۂ توبہ آیت ۴۰)

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے، ان دونوں میں سے دوسرا۔ یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبانِ رسالت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

لفظ ''معنا'' (بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے) بھی غور طلب ہے۔ معیت اللہ تبارک تعالیٰ کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ معیتِ علم یعنی اللہ تبارک تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کے ساتھ جیسا کہ سورۂ مجادلہ کی آیت 7 میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تبارک تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جب کہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ۔ وہ ہر صورت میں ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کر رہے ہوں۔''

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے ایسی معیت (ایسے ساتھ) میں کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ اس میں وارننگ اور سرزنش ہے جیسے خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ (میں دیکھ رہا ہوں اور حساب لوں گا)

۲- معیت اللہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے جیسے سورۂ نحل آیت ۱۲۸ میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

ترجمہ ''بے شک اللہ تبارک تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور نیکیاں کرتے ہیں۔''

اس معیت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے انہیں نوازتا رہتا ہے۔

۳- معیت اللہ تبارک تعالیٰ کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء کرام کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلے میں ان کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

۴- اس قسم سے بھی اعلیٰ و ارفع معیت اللہ تبارک تعالیٰ کی وہ قسم ہے جو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے یارِ غار، یارِ باوفا رضی اللہ عنہ کو ''بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے'' ان اللہ معنا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت عنایت فرمائی ہے۔

ایک روز نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے شاعر دربارِ نبوت حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے احسان! کیا تم نے شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی' ہاں! یارسول اللہ! ﷺ میں نے آپ ﷺ کے یارِ غار رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا سناؤ! میں سننا چاہتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

۱- ''آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے گرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔''

۲۔ ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' اللہ تبارک تعالیٰ کے رسول ﷺ کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضورِ انور ﷺ ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔''

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار سُن کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا:

''اے حسان! تم نے سچ کہا ہے' ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ایسے ہی ہیں۔''

(ابن عساکر' ابن زہری عن انس)

اس کے ساتھ ہی خانوادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت گزاری دیکھئے کہ تین روز قیام رہتا ہے اس عرصے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِشام حاضر ہوتا ہے اور اہلِ مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے۔ ان کی صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں' ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چراتا ہے' شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آ کر ڈیرہ جماتا ہے' دودھ دوہتا ہے' اسے گرم کرتا ہے اور خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔

عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تلاش میں اس علاقے کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں۔ ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے' بچیاں حتیٰ کہ زرخرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا حبیب ﷺ اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ ایک عظیم مشن کی تکمیل کے لیے انتہائی رازداری سے اپنا بھرپور کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔ اعتماد اور یقین کا نور اس گھرانے کے ہر فرد کی آنکھوں میں چمک رہا تھا' کوئی لالچ کسی ملازم و نوکر کی آنکھیں بھی خیرہ نہ کر سکا۔ اس مشن میں خواتین بھی اپنے مقدس گھرانے کے عظیم مرد حضرات کے شانہ بشانہ کام کر رہی تھیں۔ دشمن چاروں طرف پھیل کر مسافرانِ راہِ حق کے قدموں کے نشانات کا کھوج لگا رہا تھا۔ اس گھرانے کی عظمت کا کیا ٹھکانہ کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے خفیہ سفر کے انتظامات خاندانِ صدیق کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ نے اپنے عمل سے جاں نثاری کی ایک نئی تاریخ رقم کی اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس عظیم مشن کی مختلف لوازمات و ضروریات کو باہم مربوط کر کے بہت خوبصورتی کے ساتھ کامیابی سے سرانجام دیا' کامیابی سے ہمکنار کیا۔

روانہ ہونے کے بعد اہلِ مکہ کی سرگرمیاں

رات بھر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والوں کو طلوعِ صبح کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضور پُرنور نبی کریم

رؤف ورحیم ﷺ تشریف لے گئے ہیں تو ان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا' مایوسی اور محرومی کے باعث ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ دوسرے رؤساء قریش کو جب اس کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ انہوں نے اعلانِ عام کر دیا کہ جو شخص انہیں زندہ یا مردہ پکڑ کر لے آئے گا' اسے سو اونٹ بطورِ انعام دیئے جائیں گے۔ مشرکینِ مکہ تو پہلے ہی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اب جب اس گراں قدر انعام کا اعلان سنا تو وہ دیوانہ وار اپنے برق رفتار گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر ہر طرف پھیل گئے۔

اس اثناء میں رؤساء قریش کا ایک گروہ دندناتا ہوا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا' ابوجہل اس گروہ کی قیادت کر رہا تھا۔ وہاں پہنچے تو دروازہ بند پایا' بڑے زور سے اسے کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باہر تشریف لائیں۔ انہوں نے دریافت کیا' اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی! تیرا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا' مجھے کیا خبر کہ وہ کہاں ہیں؟ ابوجہل غصہ سے بے قابو ہو گیا اور بڑے زور سے طمانچہ آپ کے چہرے پر دے مارا جس سے آپ کے رخسار سرخ ہو گئے اور ان کے کان کا آویزہ (زیور) ٹوٹ کر نیچے گر گیا۔

کچھ دیر کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا اس واقعہ کے راوی یحییٰ بن عباد ہیں جو اپنے والد عباد سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں ان کی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر نے بتایا۔

کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ساتھ تھے' گھر سے جاتے ہوئے گھر میں جو نقدی تھی' وہ بھی ساتھ لے لی یہ پانچ یا چھ ہزار درہم تھے۔ علامہ بلاذری انساب الاشراف میں لکھتے ہیں:

"کہ جس روز حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت ان کے پاس چالیس (۴۰) ہزار نقد درہم تھے جس دن مدینہ طیبہ کی طرف اپنے محبوب ﷺ کی معیت میں سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اس وقت ان کے پاس صرف چار پانچ ہزار درہم تھے' اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا کہ وہ رقم بھی گھر سے لے آئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ نقدی بھی غارِ ثور میں آپ کو پہنچا دی۔"

(انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۲۶۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے دادا ابوقحافہ جن کی بینائی جاتی رہی تھی' ہمارے پاس آئے اور کہا مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے باپ نے تمہیں بے آسرا چھوڑ کر از حد تکلیف پہنچائی ہے اور ساتھ ہی اپنا سرمایہ بھی ساتھ لے گیا ہے اور تمہیں غربت وافلاس کے حوالے کر گیا ہے۔ میں نے انہیں تسلی دینے کے لیے کہا:

"ابا جان ایسا ہرگز نہیں وہ تو ہمارے لیے خیر کثیر چھوڑ گئے ہیں۔"

آپ فرماتی ہیں کہ دیوار میں جو مخزن تھا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نقدی رکھا کرتے تھے' وہاں میں نے پتھر رکھ دیئے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا پھر میں اپنے دادا کے ہاتھ کو پکڑ کر لے گئی اور کہا' ابا جان! یہ مال رکھا ہوا ہے

اس پر ہاتھ رکھ کر آپ ٹٹول لیجیے۔ انہوں نے اس کپڑے پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولا اور مطمئن ہو کر کہنے لگے' کوئی حرج نہیں اگر اس نے اتنا مال تمہارے لیے پیچھے چوڑا ہے اس نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں تو صرف اپنے دادا کو مطمئن کرنا چاہتی تھی ورنہ میرے والد ماجد ایک درہم تک بھی گھر چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد۲ صفحہ۱۰۲)

سیرت نبوی' ابن کثیر میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ابوقحافہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' انہیں جب معلوم ہوا کہ صدیق رضی اللہ عنہ تمام مال بھی ساتھ لے گیا ہے تو بہت متفکر ہوئے' اپنی عظیم پوتی کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

"بخدا میرا خیال ہے کہ اس (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے سارا مال اپنے ساتھ لے جا کر تمہیں تکلیف دی ہے۔"

یارِ باوفا رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے اپنے دادا جان کو مطمئن کرنے کے لیے جس جگہ ان کے والد گرامی درہم وغیرہ رکھا کرتے تھے' پتھر رکھ دیئے اور اوپر کپڑا ڈال کر نابینا دادا کا ہاتھ اس جگہ سے مس کیا اور کہا کہ دادا جان ٹٹول کر دیکھ لیجیے' ابا جان نے کافی مال و متاع پیچھے چھوڑا ہے' آپ فکرمند نہ ہوں اس پر ابوقحافہ کو قدرے اطمینان ہوا اور کہا:

"کوئی حرج نہیں جب کہ اس نے واقعی تمہارے لیے اتنا سارا مال چھوڑ دیا ہے اس نے اچھا کیا اور یہ تمہارے لیے کافی ہوگا۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خوب جانتی تھیں کہ یہ سب انہوں نے اپنے نابینا دادا جان کو مطمئن کرنے کے لیے کیا ہے' فرماتی ہیں:

"اور واقعی ابا جان نے ہمارے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا مگر میں اس طریقے سے بوڑھے دادا جان کو مطمئن کرنا چاہتی تھی۔" (سیرت ابن کثیر جلد۲ صفحہ۲۳۶' سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸۸)

تاریخِ اسلام کے اوراق ان عظیم خواتین کے کارناموں سے جگمگا رہے ہیں' سفرِ ہجرت میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے بھی مصائب جھیلے' ابوجہل سے طمانچے کھائے لیکن خدمتِ رسول ﷺ میں اپنے فرائض سے ایک لمحے کی بھی غفلت نہ برتی۔

"اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہ شام کو آپ دونوں کے لیے کھانا لایا کرتی تھیں۔"

(تاریخ الامم والملوک جلد۲ صفحہ۲۴۷)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شام کو کھانا لے کر جبلِ ثور پر پہنچ جاتیں اور غارِ ثور میں مقیم ہادیٔ برحق اور اپنے ابا جان کی

خدمت بجا لاتیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ کردار تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا کہ جب ہر طرف مکہ کے کفار و مشرکین حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے' جب کھوجی قدموں کے نشانات ڈھونڈتے ڈھونڈتے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے تھے' اس فضا میں ان حالات میں ایک عورت کا تن تنہا گھر سے نکلنا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کفار و مشرکین کی نظروں سے چھپ چھپا کر حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ تک پہنچنا یقیناً ایک غیر معمولی بات ہے' وہ اس عظیم گھرانے کی بیٹی تھیں جس کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند تھے' تاریخ کے اس نازک موڑ پر تحریکِ دینِ اسلام کے عظیم سپاہی اپنے محاذ پر ڈٹے رہے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔ آپ سارا دن مکہ میں گزارتے اور رات ہوتے ہی دشمنوں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے جبلِ ثور کی طرف آ نکلتے جہاں والی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے والد گرامی بھی ایک غار میں قیام پذیر تھے۔ کفار و مشرکین کی کارروائیوں اور منصوبہ بندیوں سے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرماتے۔ علامہ احمد بن یحییٰ بلاذری رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کے بارے میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بات کو سنتے' محفوظ کرتے اور حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے۔'' (انساب الاشراف صفحہ ۲۶۱)

فرزندِ ابوبکر صدیق رضی تعالیٰ رضی اللہ عنہ تین دن تک اپنی یہ ذمہ داری بطریق احسن سرانجام دیتے رہے' کفار و مشرکین کے اعلانات سے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرماتے رہے کہ سردارانِ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیے کس طرح ہر طرف حرص و ہوا کا جال بچھا دیا ہے اور طمع و لالچ کے مارے کفار کس طرح اکنافِ مکہ کا کونہ کونہ چھان رہے ہیں۔ یہ معلومات بہت مفید ثابت ہوئیں۔ صورتِ حال کے تمام پہلوؤں پر غور کے بعد پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کا لائحہ عمل مرتب فرمایا۔

عامر بن فہیرہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کا ہر فرد حتیٰ کہ ان کے ملازم عامر بن فہیرہ بھی منصوبۂ ہجرت کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے جب کہ ہر طرف مکہ کے کفار و مشرکین کی تلواریں چمک رہی تھیں اور وہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لانے والوں کو اعزازات سے نوازنے کے اعلان ہو رہے تھے۔ انعام کے طمع و لالچ میں وادیوں' جنگلوں' پہاڑوں کو کھنگالا جا رہا تھا۔ کھوجی مسافرانِ راہِ حق کے قدموں کا کھوج لگا رہے تھے' مکہ کی فضا نفرت کی آگ اُگل رہی تھی' آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا' احساسِ شکست نے ذہنوں کو ماؤف کر رکھا تھا' قریش کے گھوڑوں کی گرد سے

ہر راستہ گرد آلود تھا۔

عامر بن فہیرہ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ملازم تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپ سارا دن غارِ ثور کے آس پاس اپنا ریوڑ چراتے رہتے' شام ہوتے ہی بکریوں کو ہانک کر غارِ ثور کے دہانے پر لے آتے اور بقدرِ ضرورت دودھ مہیا کرتے اور عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشانات پر سے ریوڑ گزار کر ان نشانات کو مٹاتے تا کہ دشمن ان کے قدموں کا سراغ پا کر غارِ ثور کے دہانے تک نہ پہنچ جائے۔

''عامر بن فہیرہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشانات پر ریوڑ لے جاتے اور انہیں مٹا ڈالتے۔'' (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۶)

مکہ معظمہ میں ایسے کھوجی موجود تھے جو قدموں کے نشانات کا سراغ لگا کر منزلِ مقصود تک پہنچ جایا کرتے تھے اس وقت یہ کھوجی بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہر شام سارے دن کی رپورٹ لے کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے' ظاہر ہے ان کے قدموں کے نشان کھوجیوں کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں غارِ ثور کے دہانے تک لے جا سکتے تھے اس لیے عامر بن فہیرہ ان نشانات کو بکریوں کے قدموں کے نشانات میں گم کر دیتے۔ اس طرح ایک تو مسافرانِ راہِ حق کو تازہ دودھ مل جاتا اور دوسرے تحفظ کا حصار کچھ اور مضبوط ہو جاتا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے

تین روز غار میں قیام رہا' حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دن بھر مکہ میں رہتے' قریش کے باہمی مشوروں اور پروگراموں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے' شام کے وقت غار میں حاضرِ خدمت ہو کر مکہ اور اہلِ مکہ کے حالات گوش گزار کرتے۔ عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چراتے اور شام کے وقت بکریاں ہانک کر غار کے قریب لاتے پھر عامر اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بکریوں کا دودھ گرم کرتے اور حضور پُرنور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت عبداللہ رات وہاں بسر کرنے کے بعد منہ اندھیرے ہی مکہ واپس پہنچ جاتے۔ عامر بھی اپنی بکریاں چرانے کے لیے انہیں لے کر جنگل میں چلے جاتے جہاں جہاں حضرت عبداللہ کے پاؤں کے نشان ہوتے وہاں سے بکریاں گزارتے تا کہ ان کے نشان باقی نہ رہیں اور کفار کا کوئی کھوجی ان نشانوں کے ذریعے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراغ نہ لگا لے' تین دن گزرنے کے بعد کفار کی دوڑ دھوپ برائے نام رہ گئی' ان تین دنوں میں انہوں نے اس سارے علاقے کی خاک چھان ماری۔ کوئی راستہ' کوئی جنگل اور کوئی غار ایسا نہ چھوڑا جس کو اچھی طرح انہوں نے کھنگال نہ لیا ہو۔

عبداللہ بن اریقط کی آمد

تلاشِ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی رائیگاں میں کفار و مشرکین کے تین دن گزر گئے۔ کفار و مشرکین ہر طرف

سے ناکام و نامراد لوٹے اب ان میں پہلا سا دَم خم نہ تھا' مایوسیوں کے بادل ان کی سوچوں پر چھائے ہوئے تھے۔ طمع و حرص کا جذبہ بھی سرد پڑ چکا تھا' نفرت کی گرد آہستہ آہستہ بیٹھ رہی تھی اور وہ احساسِ شکست میں تبدیل ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے سے سفرِ ہجرت کی جملہ ضروریات کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے راستے سے واقف ایک شخص عبداللہ بن اریقط کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ نجانے کب ہجرت کا حکم مل جائے' دو اونٹنیاں خرید رکھی تھیں جنہیں وہ اپنے گھر پر ہی رکھتے تاکہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو۔

عبداللہ بن اریقط اگرچہ ایک مشرک تھا لیکن راز داری میں اپنی مثال آپ تھا' اپنے قول کا پکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر طرح سے اطمینان کرنے کے بعد اس کی خدمات حاصل کی تھیں اور پروگرام کے مطابق اسے تین دن بعد جبلِ ثور پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ تین دن بعد وہ اونٹنیاں لے کر غارِ ثور کے دہانے پر پہنچ گیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی سفر کے لیے حسبِ ضرورت طعام لے کر پہنچ گئیں لیکن کھانے کا سامان باندھنے کے لیے کوئی رسی نہ لا سکیں۔ آپ نے اپنا کمربند (وہ دوپٹہ نما کپڑا جو عرب عورتیں رسماً اپنی کمر پر باندھتی ہیں) کھولا' اسے درمیان سے پھاڑ کر ایک حصہ سے کمربند بنا لیا اور دوسرے حصے کو بطورِ رسی استعمال کیا۔ تاریخ میں آپ اسی وجہ سے ذات النطاقین (دو کمربندوں والی) کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہترین اونٹنی حضور رحمتِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کی اور عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ قبول فرمائیں لیکن سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

''میں ہرگز اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہ ہو۔''

یارِ باوفا رضی اللہ عنہ نے دست بستہ عرض کی:

''یارسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' یہ آپ ﷺ کے لیے ہے۔''

سرورِ کون و مکاں نے اس اونٹنی کی قیمت دریافت فرمائی۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قیمت بتائی۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا اس قیمت پر میں یہ اونٹنی خریدتا ہوں اس اونٹنی کا نام الجدعا تھا۔ بعض روایات میں قصواء کا ذکر بھی آیا ہے۔

ابن ہشام نے ایک اور جگہ اس کو یوں بیان کیا ہے:

تیسرے روز حسبِ وعدہ عبداللہ بن اریقط جسے راہبری کے لیے مقرر کیا گیا تھا' اونٹنیاں لے کر پہنچ گیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی کھانا پکا کر لے آئیں لیکن توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی ڈوری ساتھ لانا بھول گئیں جب توشہ دان کو اونٹ کے کجاوہ کے ساتھ باندھنے لگیں تو باندھنے کے لئے رسی نہ تھی۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا نے

اپنا کمر بند (وہ دوپٹہ نما کپڑا جو عرب عورتیں رسماً اپنی کمر پر باندھتی ہیں) کھولا' پھاڑ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا' ایک حصہ کو اپنا کمر بند بنا لیا اور دوسرے حصے سے توشہ دان کو باندھا اسی وجہ سے وہ ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۹۹)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ یثرب کی طرف روانہ ہونے کے لیے غار سے باہر تشریف لے آئے' ان دو اونٹنیوں میں سے جو بہترین اونٹنی تھی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کی:

''میرے ماں باپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر قربان ہوں' سواری فرمائیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اس اونٹ پر سوار نہیں ہوں گا جو میرا نہ ہو۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' یہ حضور ﷺ کا ہی ہے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا' نہیں! پہلے بتاؤ تم نے اس کی کتنی قیمت ادا کی ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' میں نے اس کے اتنے درہم ادا کیے ہیں۔

فرمایا' اس قیمت کے عوض میں یہ اونٹنی خریدتا ہوں۔ چنانچہ حضورِ پُرنور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسری اونٹنی پر سوار ہوئے۔

انہوں نے حضرت عامر بن [illegible] اپنے پیچھے بٹھایا' ان کو اس لیے ہمراہ لیا تا کہ اثنائے سفر وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت بجا لا سکیں۔ (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۰۰)

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جس اونٹنی پر سوار ہوئے اس کا نام الجدعاء تھا اس کے علاوہ حضورِ اکرم ﷺ کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام العضباء تھا اس دوسری اونٹنی کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ قیامت کے روز اسے بھی زندہ کیا جائے گا۔ حضرت صالح اس پر سوار ہوں گے۔ ایک آدمی نے عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ کیا حضور ﷺ بھی اس روز اپنی ناقہ العضباء پر سوار ہوں گے؟ فرمایا' نہیں! عضباء پر میری لختِ جگر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سوار ہو گی' میری سواری کے لیے اس روز براق پیش کیا جائے گا وہاں قریب ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تھے' ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''اور یہ شخص اس روز جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہو گا۔'' (الروض الانف جلد۲ صفحہ ۲۳۰' ۲۳۱)

یہ بابرکت قافلہ چار افراد پر مشتمل تھا۔ سرورِ دوعالم ﷺ' حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ' عامر بن فہیرہ

(چرواہا) رضی اللہ عنہ۔

اور عبداللہ بن اریقط جسے بطورِ رہبر مقرر کیا گیا تھا' راستے میں اگر کوئی آدمی ملتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتا کہ یہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون صاحب ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے' یہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے راستے بتانے والے ہیں۔

ابن اسحاق کے مطابق حضور پُرنور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یکم ربیع الاوّل کو مکہ سے نکلے اور غارِ ثور جو مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر واقع ہے' میں قیام پذیر ہوئے اس لیے کہ یہ نسبتاً محفوظ جائے پناہ تھی۔ کیونکہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلنے والے شمال کی طرف رُخ کرتے کیونکہ یثرب کی طرف ہجرت متوقع تھی اور یثرب مکہ کے شمال میں واقع تھا۔ جنوب کی طرف بہت کم لوگوں کا دھیان جاتا لیکن قریش نے اپنے جاسوس چاروں طرف دوڑا دیئے۔

غارِ ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین دن قیام رہا اس اثناء میں قریش کا جوش وخروش سرد پڑ چکا تھا' انہیں بڑی حد تک یقین ہو چکا تھا کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے نکل جانے میں کامیاب ہو چکے ہیں تاہم حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کا کام جاری تھا اور انفرادی طور پر سوار چاروں اطراف حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جمعہ' ہفتہ اور اتوار عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سارا دن قریش کے ساتھ گزارتے اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے' رات کے سائے گہرے ہوتے تو غارِ ثور پر تشریف لے جاتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام احوال سے آگاہ کرتے' رات وہیں بسر کرتے اور سحری کے وقت واپس مکہ آ جاتے اور یہی تاثر دیتے کہ رات انہوں نے مکہ ہی میں بسر کی ہے۔

ابن سعد کے مطابق یہ ربیع الاوّل کی ۴ تاریخ تھی جب قافلۂ عشق یثرب کی طرف روانہ ہو رہا تھا' رات کا آخری پہر تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس قافلے کے عظیم مسافروں کے لیے کھانا تیار کر کے لے آئیں تھیں' یہ قافلہ چار نفوس پر مشتمل تھا۔ قائدِ کارواں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' ان کے ہمراہ یارِ باوفا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خادم عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (جو راستے کے نشیب وفراز سے خوب واقف تھے) بھی ساتھ تھے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۸)

شاہراہِ ہجرت پر

سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے سے پہلے یہ مختصر قافلہ شاہراہِ ہجرت پر روانہ ہوا۔ عبداللہ بن اریقط نے سفر کے لیے معروف راستے کے بجائے ایک غیر معروف راستے کا انتخاب کیا تا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلنے والے سواروں کی نظروں سے بچا جا سکے۔ تحریکِ دینِ اسلام کے راستے منور ہو رہے تھے تاریخ ازسرنو اپنا راستہ متعین کر رہی تھی' حضور پُرنور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے مقدس اور معطر مہینے

کا آغاز ہو چکا تھا' آج ربیع الاوّل کی ۴ تاریخ تھی' قافلۂ عشق یثرب کی طرف رواں دواں تھا۔

مکہ اور یثرب کے مکینوں کی ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت عام تھی باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں' تجارتی تعلقات بھی تھے۔ اہلِ مکہ یثرب کی بہترین کھجوریں خریدنے کے لیے عام طور پر وہاں جایا کرتے اور اہلِ یثرب مراسم حج ادا کرنے کے لیے مکہ آیا کرتے اس لیے ایسے راستے معروف تھے جو دونوں شہروں کو ملاتے تھے۔

لیکن اس مبارک کارواں کے لیے معروف راستوں میں سے کسی کو اختیار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ قوی اندیشہ تھا کہ مشرکین ان کے تعاقب میں ضرور نکلیں گے اس لیے ماہر رہبر عبداللہ بن اریقط نے اس پُرخطر سفر کے لیے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا جس راستے سے حضور انور رحمتِ دو عالم ﷺ کو وہ لے گیا اس کی تفصیل علامہ ابن ہشام نے علامہ ابن اسحاق سے اپنی کتاب سیرت میں نقل کی ہے' انہیں کی عبارت کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ علامہ ابن اسحاق نے بتایا کہ:

''حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے یارِ غار رضی اللہ عنہ کا رہبر عبداللہ بن اریقط انہیں لے کر جب غار سے چلا تو پہلے مکہ کے نشیبی علاقے سے گزر کر ساحلِ سمندر کا رُخ کیا اور عسفان کے نیچے سے گزرتے ہوئے عمومی راستے پر آ گیا۔ وہاں سے امج گاؤں کے نیچے سے گزرا پھر قدید سے گزرتا ہوا عام راستے پر آ گیا۔ وہاں سے چلتے چلتے خرار۔ وہاں سے المرۃ کے موڑ پر پہنچا۔ وہاں سے لفت آیا' وہاں سے چل کر مدلجہ لقف پہنچا۔ پھر بیچ بیچ سے گزرتا ہوا مدلجہ مجاج' پھر وہاں سے مرجح مجاج' پھر وہاں سے مرجحہ ذی العضوین پہنچا۔ وہاں سے ذی کشر' وہاں سے جداجد سے گزرتا ہوا اجرد آیا۔ پھر ذا سلم سے ہوتے ہوئے مدلجہ تعہن اور وہاں سے عبابید پہنچا۔

اسے عبابیب بھی کہا گیا ہے وہاں سے فاجہ پہنچا' وہاں سے نیچے اُتر کر عرج آیا۔ یہاں پہنچ کر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رسولِ کریم ﷺ نے بنی اسلم کے ایک آدمی جس کا نام اوس بن حجر تھا' کو ایک اونٹ پر سوار کیا اور مدینہ کی طرف بھیجا اور اس کے ساتھ ایک غلام جس کا نام مسعود بن ہنیدہ تھا' روانہ کیا تا کہ یہ لوگ اہلِ یثرب کو سرکارِ دو عالم نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی آمد کی اطلاع دیں۔

یہ مقدس کارواں عرج سے عائر کے موڑ تک پہنچا اور رکوبہ کے موڑ کی دائیں طرف سے گزرتا ہوا رئم کی وادی میں اُترا اور یہاں سے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر قبا پہنچا جہاں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بہت سارے صحابہ کرام حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے چشم براہ تھے۔

یہ سفر بارہ (۱۲) دن میں طے ہوا۔ ربیع الاوّل کی بارہ (۱۲) تاریخ تھی اور سوموار کا دن تھا' حضور پُرنور نبی

کریم رؤف ورحیم ﷺ اس وقت پہنچے جب سورج ڈھلنے کے بالکل قریب تھا اور دھوپ بڑی شدت سے چمک رہی تھی۔

راستے کی تشریحات

درج ذیل تمام تفصیلات سیرت ابن ہشام جلد دوم کے حاشیہ سے منقول ہیں جو صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۸ پر درج ہیں۔

اس مبارک سفر میں جن جن مقامات سے متبرک قافلے کا گزر ہوا' ان کے نام سیرت ابن ہشام سے نقل کر کے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ یہ گاؤں' یہ پڑاؤ' یہ موڑ بہت غیر معروف ہیں اور وقت رفتہ کے ساتھ اور بھی غیر معروف ہو گئے ہیں۔ اگر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرب جغرافیہ دانوں نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ذکر کر دیا جائے تو قارئین کے لیے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

عسفان

یہ مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر ہے اور جحفہ اور مکہ کے درمیان بارشی پانی کی گزرگاہ کے کنارے پر یہ بستی آباد ہے۔ یاقوت حموی نے کہا ہے کہ جحفہ مکہ سے تین منزل کے فاصلے پر ہے۔

امج

ابو منذر کہتے ہیں کہ امج اور ہران دو وادیاں ہیں جو بنی سلیم کے حرہ سے نکلتی ہیں اور سمندر میں آ کر گرتی ہیں۔ یاقوت حموی نے بھی یہی کہا ہے۔

قدید

مکہ اور مدینہ کے درمیان یہ ایک موضع ہے جہاں پانی کا ایک چشمہ ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ یہ موضع مدینہ کی نسبت مکہ سے قریب ہے۔ ابن الکلبی کا قول ہے کہ جب تبع بادشاہ اہلِ مدینہ کے ساتھ لڑائی کرنے کے بعد یہاں پہنچا تو یہاں آ کر خیمہ زن ہوا یہاں سخت آندھی چلی جس نے اس کے ہمراہیوں کے خیموں کو اُلٹ دیا۔ اسی وجہ سے یہ بستی قدید کے نام سے مشہور ہے۔

ثنیۃ المرء

سہیل کہتے ہیں کہ اس کی راء پر شد نہیں۔

لقفا

ابن اسحاق نے اسے لقفا کہا ہے اور ابن ہشام نے اسے لفتا کہا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان یہ بھی ایک موڑ کا نام ہے اور الحجمی کہتے ہیں کہ قدید کے پہاڑی سلسلہ میں ایک موڑ کا نام ہے۔

مدلجہ مجاج

ایک گاؤں کا نام ہے۔

ذی کثر

ایک گاؤں کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے راستے میں ہے۔

جداجد

یہ جمع ہے اس کا واحد جدجد ہے' پرانے کنویں کو کہتے ہیں۔ یاقوت کہتے ہیں کہ یہاں پرانے زمانے کے بہت سے کنویں تھے اور انہیں جداجد کہا جاتا تھا۔

اجرد

یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں بنوجہینہ قبیلہ آباد تھا۔ یہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے

تعہن

یہ ایک چشمے کا نام ہے یہاں جو شہر آباد ہوا' وہ بھی اس نام سے معروف ہوا۔ یہ السقیہ سے تین میل (تقریباً پانچ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے اور مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔

العبابید

اسے العبابیب بھی کہا جاتا ہے۔

القاحہ

اسے القاحہ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے سقیہ کی سمت میں تین منزل پر واقع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں دو کنویں ہیں جن کا پانی بہت میٹھا اور بکثرت ہے۔

العرج

یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گھاٹی ہے اور حاجیوں کے راستے پر واقع ہے۔

رکوبہ

مکہ اور مدینہ کے درمیان العرج کے قریب ایک پہاڑی گھاٹی کا نام ہے۔

رئم

مدینہ طیبہ سے ایک دو منزل کی مسافت پر ایک موضع کا نام ہے۔

قبا

یثرب کے نواح کی ایک مشہور بستی ہے جس کے بارے میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پر ابوجہل کا تشدد

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے محاصرین کا شانۂ نبوت کی ناکامی کی خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کفار و مشرکین کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ ابلیسی منصوبہ ریت کی دیوار ثابت ہوا اور ساری خاک محاصرین کے سروں پر آ گری۔ قریشِ مکہ آگ بگولہ ہو گئے' ناکامی اور محرومی کے ملے جلے جذبات ان کے چہروں کی سختی میں اضافہ کر رہے تھے۔ ایک گروہ کفار ابوجہل کی قیادت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا کیونکہ کفار و مشرکین کو خوب معلوم تھا کہ اگر حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر مل سکتی ہے تو اسی گھرانے سے مل سکتی ہے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ مکہ کے جوان غم و غصہ کی تصویر بنے کھڑے ہیں' ابوجہل آگے بڑھا اور بولا:

''اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی (رضی اللہ عنہا)! تیرا باپ کہاں ہے؟''

''بخدا! مجھے علم نہیں کہ میرے والد گرامی (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں۔

وہ بدبخت طیش میں آ گیا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے رخساروں پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ ان کی بالیاں نیچے گر پڑیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد ابوجہل اور اس کے ساتھی پیر پٹختے واپس چلے گئے۔ فرماتی ہیں کہ سچ مچ مجھے خبر نہیں تھی کہ اس وقت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد گرامی کہاں ہیں اور مجھے علم بھی ہوتا تو کفار و مشرکین کو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد کے بارے میں کچھ نہ بتاتی۔

جن کے اشعار

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تین دن تک حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابا جان (رضی اللہ عنہ) بارے میں فکرمند رہی۔ قریش بدستور ان کی تلاش میں تھے لیکن نامرادی اور ناکامی کے سوا کچھ ان کے ہاتھ میں نہ آیا۔ ایک جن مکہ کے زیریں علاقے سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے گزرا:

ان اشعار کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

۱- اللہ جو سب لوگوں کا رب ہے' اُم معبد کے خیموں میں آنے والے دونوں رفقاء کو بہترین جزا دے۔

۲- دونوں خیر سے آئے اور چلے گئے پس جسے حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر آئی' وہ کامیاب ٹھہرا۔

۳- مبارک ہو بنوکعب کو اپنی خاتون کی قیام گاہ اور مسلمانوں کا محفوظ پڑاؤ بھی۔ لوگ آواز کی طرف لپکے لیکن

یہ اشعار پڑھنے والا انہیں نظر نہ آیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۷)

سو (۱۰۰) اونٹوں کا انعام

جن تو تین دن گزرنے کے بعد مکہ کے زیریں علاقے سے گزرا اور اس کے درج بالا اشعار سے اہلِ مکہ کو علم ہوا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اُم معبد کے ہاں سے گزرے ہیں مگر اس سے قبل ابوجہل نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارنے کے فوراً بعد اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو زندہ یا (معاذ اللہ) مردہ لائے گا' وہ سو (۱۰۰) اونٹ انعام میں پائے گا۔

(انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۲۶۱' سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۸۷)

ابوجہل کے اعلان انعام کے بعد مکہ اور اس کے گرد و نواح سے مشرکین سورماؤں نے اپنے گھوڑے اور تیز رفتار اونٹ چاروں اطراف دوڑا دیئے۔ ایک ایک غار میں جھانکا' ہر وادی اچھی طرح دیکھ ڈالی اور قرب و جوار کو تلاش کے سلسلے میں کھنگال لیا لیکن ان سورماؤں کو ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نہ ملا۔

دورانِ سفر واقعات

یہ مقدس اور بابرکت قافلہ لق و دق ریگستانوں' کٹھن پہاڑی راستوں' دشوار گزار وادیوں کو عبور کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ بغیر آرام کیے وہ پورا دن آنے والی پوری رات اور دوسرے دن دوپہر تک یہ ناقہ سوار کہیں نہ رُکے۔ مسلسل سفر کی تھکاوٹ' رات کی بے خوابی' سنگلاخ وادیاں اور ریگستان طے کرنے کے باوجود سرکارِ دوعالم ﷺ نے نہ تھکاوٹ اور درماندگی کا اظہار کیا نہ رات بھر جاگتے رہنے کا شکوہ کیا۔ بڑی ہمت و عزیمت کے ساتھ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے یہ پُرخطر سفر جاری رکھا۔

دوسرے دن جب دوپہر ہوگئی' تیز دھوپ' گرم لُو اور تپتی ہوئی زمین کے باعث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ طے کیا کہ اپنے آقا ﷺ کے لیے آرام فرمانے کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہیں کوئی سایہ دار درخت نظر آ جائے تاکہ اس کے نیچے حضور پُرنور رحمتِ دوعالم ﷺ کچھ دیر استراحت فرمالیں۔

دُور دُور تک درخت تو کوئی نظر نہ آیا البتہ ایک چٹان دِکھائی دی جس کا کچھ سایہ عین دوپہر کے وقت بھی موجود تھا۔ آپ وہاں گئے' جھاڑ و دیا' پتھریلی چٹانوں کے نوک دار کونوں کو ہموار کیا' ان پر چادر بچھا دی پھر عرض کی میرے آقا! ﷺ تشریف لائیے اور تھوڑی دیر آرام فرمائیے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تشریف لائے اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کو سُلا کر پہرے کا فریضہ ادا کرنے کے لیے چٹان پر چڑھ گئے اور دُور دُور تک نگاہ دوڑانے لگے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کوئی تعاقب کرنے والا ہمارے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ آپ

نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنے ریوڑ کو لے کر اس چٹان کی طرف آ رہا ہے اور شاید اس کے سائے میں خود بھی آرام کرنا چاہتا ہے اور اپنی بکریوں کو بھی اس چلچلاتی دھوپ سے کچھ دیر کے لیے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ ریوڑ کس کا ہے جس کو تم چرا رہے ہو؟ اس نے اپنا نام بھی بتایا اور اپنے مالک کا نام بھی۔

آپ رضی اللہ عنہ اس کے مالک کو پہلے سے جانتے تھے' آپ رضی اللہ عنہ نے بڑی نرمی سے اس چرواہے کو کہا کہ کوئی بکری دوہ دو۔ جب وہ دودھ دوہنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' پہلے بکری کے تھن صاف کرلو پھر اپنے ہاتھ جھاڑلو تا کہ گردوغبار اُتر جائے اس نے ایسا ہی کیا' آپ (رضی اللہ عنہ) نے اسے ایک برتن دیا اور اس برتن کے منہ پر ایک کپڑا رکھ دیا تا کہ دودھ چھن کر اس برتن میں جائے۔ دودھ لے کر اسے پانی میں رکھا تا کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے پھر اس ٹھنڈے دودھ کو لے کر اللہ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اس وقت تک بیدار ہو چکے تھے۔ عرض کی یارسول اللہ! ﷺ حضور کے لیے میں تازہ دودھ ٹھنڈا کر کے لایا ہوں' نوش فرمالیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے نوش فرمایا یہاں تک کہ حضرت صدیق خوش ہو گئے پھر دونوں رفیق اللہ کی حفاظت میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد۲ صفحہ ۲۵۷' البدایہ والنہایہ جلد۳ صفحہ ۱۸۷)

اُم معبد

چٹان کے سائے میں دوپہر گزارنے کے بعد پھر دونوں روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر راستے میں ایک خیمہ کے پاس سے گزر ہوا۔ خیمے کے باہر ایک باوقار خاتون بیٹھی ہوئی تھی اس کا تعلق بنی خزاعہ کے قبیلہ سے تھا اس کا نام عاتکہ بنت خلف بن معبد بن ربیعہ تھا اور وہ خاتون اُم معبد کی کنیت سے مشہور تھی۔

وہ اپنے خیمے میں لوگوں کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیا کرتی تھی۔ ایک تہائی سفر طے کر لینے کے بعد کاروانِ ہجرت کا گزر اُم معبد کے خیموں کے قریب سے ہوا۔ وہ معزز خاتون نہیں جانتی تھی کہ آج اسے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدارِ کائنات ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ وہ حضورِ پُرنور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بھی آشنا نہیں تھی جب کاروانِ ہجرت اس کے خیمے پر پہنچا تو اس وقت اُم معبد کا خاوند اپنا ریوڑ لے کر اسے چرانے کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا' کیا اس کے پاس فروخت کرنے کے لیے گوشت اور کھجوریں ہیں؟ اس نے کہا اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی تو ہم تمہاری میزبانی میں کبھی کوتاہی نہ کرتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ طویل خشک سالی نے اس علاقے کو قحط زدہ کر دیا تھا' کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری کھڑی ہے' حضور پُرنور نبی

کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا' اے اُم معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا' یہ وہ بکری ہے جو بیماری اور کمزوری کی وجہ سے دوسرے ریوڑ کے ساتھ چرنے کے لیے نہیں جا سکی اور یہیں کھڑی رہ گئی۔

اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے اس عورت سے پوچھا' کیا یہ بکری دودھ دیتی ہے؟ تو اُم معبد نے کہا' نہیں! حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ نے پھر اُم معبد کو مخاطب کر کے فرمایا' کیا تم مجھے اس بکری کو دوہنے کی اجازت دیتی ہو؟ خاتون نے بخوشی اس کی اجازت دے دی کہ اگر یہ بکری دودھ دے سکتی ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اجازت ملنے پر آقائے دو جہاں تاجدارِ کائنات ہادیٔ انس و جاں ﷺ نے اُم معبد کے بچے (کم عمر لڑکے) معبد کو بکری خیمے سے باہر لانے کو فرمایا اور جب وہ بکری خیمے سے باہر لے آیا تو آپ ﷺ نے اس بکری کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی:

"یا اللہ! ہماری خاطر ہماری بکری میں برکت ڈال دے پس بکری کے تھنوں میں دودھ بھر آیا اور بہنے لگا' بکری نے دودھ کی کثرت کی وجہ سے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں۔" (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۴۷)

دعائے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور' اصل الموجودات' محبوب رب للعالمین' خاتم النبیین' سید المرسلین ﷺ پر بکری کے تھنوں میں دودھ اُتر آیا۔ حضور پُرنور ﷺ نے اُم معبد سے برتن منگوایا اور اللہ کا نام لے کر دودھ دوہنا شروع کر دیا۔ قدرت خدا کی کہ آن کی آن میں برتن لبالب بھر گیا' سب سے پہلے حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے دودھ اُم معبد کو پلایا اس کے بعد اپنے تمام ساتھیوں کو اور سب سے آخر میں یہ کہتے ہوئے کہ قوم کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔

اس کے بعد تاجدارِ کون و مکاں حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ بکری کو دوہنا شروع کیا اور اُم معبد کے گھر کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ (انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

تھوڑی دیر بعد اس بوڑھی کا خاوند ابو معبد اپنی لاغر دُبلی پتلی بکریوں کو ہانکتے ہوئے گھر لے آیا جو کمزوری کی وجہ سے جھول رہی تھیں اور ان کی ہڈیوں میں گودہ تک بھی خشک ہو گیا تھا۔ اس نے جب دودھ سے بھرے ہوئے برتنوں کو دیکھا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا' اے اُم معبد! یہ دودھ کی نہر کہاں سے جاری ہو گئی؟ گھر میں تو کوئی شیر دار جانور نہیں تھا اور جو بکری تھی اس کے تو تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

اُم معبد نے کہا' ایسا نہیں! بخدا ہمارے پاس سے ایک مبارک آدمی گزرا ہے اور پھر اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس کے شوہر نے کہا اس کا حلیہ تو بیان کرو' خدا کی قسم! مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی تلاش میں قریشی مارے مارے پھر رہے ہیں۔

اس وقت اُم معبد نے اس پیکرِ نور کی جو دل آویز تصویر کشی کی' آپ بھی اس کا مطالعہ فرمایئے اور لطف اُٹھایئے اور دیکھیے کہ عرب کی اس صحرا میں رہنے والی' بادہ نشین خاتون کو اللہ تبارک تعالیٰ نے کیسی حقیقت شناس

آنکھ اور کیسی پُرحقیقت ترجمان زبان عطا فرمائی تھی۔

اُم معبد کہنے لگی:

''میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا۔''

''جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا۔''

قدرے اُبھرا ہوا پیٹ اسے معیوب بنا رہا تھا نہ پتلی گردن اور چھوٹا سر اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔

بڑا حسین' بہت خوبرو

آنکھیں سیاہ اور بڑی اور پلکیں لانبی

اس کی آواز گونج دار تھی

سیاہ چشم' سرگیں

دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے

گردن چمک دار تھی

ریش مبارک گھنی تھی

جب وہ خاموش ہوتے تو پُروقار ہوتے

جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُرنور اور بارونق ہوتا۔

شریں گفتار

گفتگو واضح ہوتی' نہ بے فائدہ ہوتی اور نہ بے ہودہ

گفتگو موتیوں کی لڑی ہوتی جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔

دُور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے

اور قریب سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ خوبرو اور حسین دِکھائی دیتے۔

قد درمیانہ تھا۔

نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو بُرا لگے

نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں

آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔

ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے۔

اگر آپ انہیں حکم دیتے تو وہ فوراً اس کو بجالاتے۔

سب کے مخدوم، سب کے محترم
نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

ابو معبد نے اپنی زوجہ اُم معبد سے جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا یہ دلکش اور دل آویز حلیہ سنا تو وہ کہنے لگا، بخدا! یہ وہی شخص ہے جس کی جستجو میں قریش مارے مارے پھر رہے ہیں اگر مجھے زیارت کی سعادت نصیب ہوتی تو میں یقیناً حضور ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل کرتا۔ کچھ عرصے بعد دونوں میاں بیوی نعمتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ دونوں اپنی صحرائی خیمہ گاہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اور پھر وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔

ابن کثیر اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ

"مجھے یہ خبر پہنچی کہ ابو معبد نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔" (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۲، طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

عبدالملک کہتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ اُم معبد نے بھی ہجرت کی، اسلام قبول کیا اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو گئی۔" (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳)

ابن سعد طبقات میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اُم معبد مذکورہ سے روایت کی ہے۔

آپ فرماتی ہیں:

"وہ بکری جسے سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا اور اس کی خشک کھیری سے دودھ کی ندیاں بہنے لگی تھیں، وہ بکری سن ۱۸ ہجری تک ہمارے پاس رہی۔ خشک سالی کے اس زمانے میں بھی ہم اسے صبح و شام دو بار دوہا کرتے تھے حالانکہ اس علاقے کی دوسری بکریوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ تھا۔"

ہشام بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے اس بکری کو دیکھا اس چشمے کے قرب میں اُم معبد کے ساتھ جتنے لوگ سکونت پذیر تھے، سارے اس کے دودھ سے کھانا کھاتے تھے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۴۷، انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

حضور پُرنور، تاجدارِ کائنات، سرورِ کون و مکاں ﷺ کی برکات کو جب پہلی دفعہ اُم معبد نے دیکھا تو وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو "مبارک" کے نام سے یاد کرتی تھی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کے ریوڑ میں بڑی برکت دی اس کی چند ضعیف و نزار بکریاں بہت بڑے ریوڑ میں تبدیل ہو گئیں۔ ایک مرتبہ حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا اپنے بچے سمیت اپنے ریوڑ کو ہانک کر مدینہ طیبہ آئی۔ اُن کے پاس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اس کے لڑکے نے آپ رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا اور اپنی ماں کو بتایا:

"ہاں! یہ وہ شخص ہے جو اس دن "مبارک" (ﷺ) کے ساتھ تھا۔"

وہ اُٹھ کر آپ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکی اور پوچھا' اے اللہ کے بندے! وہ ہستی کون تھی جو اس روز تمہارے ساتھ تھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا' کیا تم انہیں نہیں جانتیں؟ بولی' نہیں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس نے عرض کی' مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں لے جائیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسے لے کر نبی رحمت کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضور پُرنور سرکار دو عالم ﷺ اس کے ساتھ کمال شفقت اور مہربانی سے پیش آئے' اسے کھانا کھلایا' انعام واکرام سے نوازا اور نیا لباس پہنایا۔

(دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹۲' سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۵۰)

قریش کا اُم معبد سے استفسار

اگرچہ کاروانِ ہجرت کی تلاش میں نکلنے والے کفار و مشرکینِ مکہ کی امیدوں پر اوس پڑ چکی تھی اور وہ ہر طرف سے ناکام و نامراد لوٹے تھے تاہم ابھی انہوں نے اپنی کوششوں کو بالکل ترک نہیں کیا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے منقول روایت کا ذکر ہو چکا ہے کہ کاروانِ ہجرت کی روانگی کے تین دن بعد مکہ کے زیریں علاقے سے گزرتے ہوئے جن کے اشعار باآواز بلند کہنے سے اہلِ مکہ کو معلوم ہوا کہ حضور پُرنور ﷺ اُم معبد کی قیام گاہ پر پڑاؤ کیا۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ خبر پا کر قریش کے نمائندے اُم معبد کے پاس پہنچے لیکن اس وقت تک قافلۂ عشق یہاں سے کوچ کر کے بہت دُور جا چکا تھا بلکہ اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ قریش اُم معبد کے ہاں پہنچے اور ان سے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے۔ انہوں نے اُم معبد کو حضور پُرنور ﷺ کا حلیہ مبارک بتایا تو اُم معبد پکار اُٹھی:

"میں نہیں جانتی کہ تم کس کا ذکر کر رہے ہو۔ یہاں تو وہ پیکر جمیل آیا تھا جو دودھ نہ دینے والی بکری کو بھی دودھ والی بنا دیتا ہے۔" (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

اُم معبد کا جواب سُن کر قریشِ مکہ چلا اُٹھے:

"ہم اسی کے متلاشی ہیں۔"

لیکن حضور پُرنور ﷺ کب کے وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ قریش کے پاس اب کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

سراقہ تعاقب میں

کاروانِ ہجرت کی تلاش جاری تھی اور رؤسائے قریش نے اپنے اس اعلان کی کہ حضور انور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندہ یا (معاذ اللہ) مردہ لانے والے کو سو (۱۰۰) اونٹ انعام دیا جائے گا' وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ تاکہ کسی بھی قبیلے کا کوئی بھی شخص انعام کے لالچ میں آ کر ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل کا باعث بن جائے۔

کوئی ٹیلہ' کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جسے کھوجیوں اور تلاش کرنے والوں نے کھنگال نہ ڈالا ہو۔ نورِ خدا کفر کی حرکت پر خندہ زن تھا' قافلہ ہجرت لحہ بہ لحہ اپنی منزل سے قریب ہوتا جا رہا تھا اور انعام کے لالچ میں تلاش والے سرگرداں تھے۔

سراقہ بن مالک جعشمی مدلجی اپنی دلچسپ حکایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کفار و مشرکین کے منادی ہمارے پاس آئے اور اعلان کرنے لگے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) دونوں کو قتل یا گرفتار کرنے والے کو سو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۵۲)

بعض سیرت نگاروں نے اس واقعہ سراقہ کو اُم معبد کی قیام گاہ پر حضور ﷺ کے قیام سے پہلے بیان کیا ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اُم معبد کے حصولِ سعادت کے بعد ذکر کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ اس کے بعد کا ہی واقعہ ہے۔

عرب کے افلاس زدہ لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا انعام تھا' کئی طالع آزما اس انعام کے لالچ میں برق رفتار گھوڑوں پر زین کس کر اور اونٹنیوں پر پالان جما کر حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور آپ ﷺ کے یارِ غار رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ہر طرف بکھر گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان دو صاحبان کے ساتھ محافظوں کا کوئی دستہ نہیں اور نہ ان کے پاس کوئی خطرناک ہتھیار ہے۔ انہیں اطمینان تھا کہ وہ بڑی آسانی سے ان کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں اس لیے بلاخوف و خطر اپنی قسمت آزمائی کے لیے حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تلاش میں چار سو دُور دُور تک نکل گئے۔

بنو مدلج قبیلہ کے نوجوان بھی اس مہم کو سر کرنے کے لیے کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اسی قبیلے کا ایک نوجوان جو ایک ماہر شمشیر زن اور تیر انداز تھا اس کا نام سراقہ بن مالک جعشمی تھا' وہ بھی اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بہت بے تاب تھا' اس نے اپنی مُہم جوئی کی یہ داستان خود بیان کی ہے۔ اسی کی زبانی آپ یہ دلچسپ حکایت سنیئے۔

سراقہ بن مالک جعشمی کہتا ہے:

ہمارے پاس بھی قریشِ مکہ کے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ جو شخص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا یا انہیں زندہ گرفتار کر کے لے آئے گا اسے فی کس ایک سو اونٹنیاں بطورِ انعام دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم کی ایک مجلس میں موجود تھا جہاں یہ اعلان سنایا گیا۔ اسی اثناء میں ایک آدمی آیا اور مجھے کہنے لگا' اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی تین شتر سواروں کی پرچھائیں دیکھی ہیں جو ساحلِ سمندر کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پرچھائیں انہیں لوگوں کی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میں جان گیا کہ یہ وہی لوگ

ہیں۔ میں نے اسے کن انکھیوں سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔

وہ چپ ہو گیا پھر میں نے کہا' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' یہ وہ لوگ نہیں بلکہ فلاں فلاں شخص ہیں اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی' یہ میرے سامنے سے روانہ ہوئے۔ شاید ان کا کوئی اونٹ گم ہو گیا ہے' وہ اس کو ڈھونڈنے کے لیے گھروں سے نکلے ہیں۔ میں کچھ دیر وہاں بے تعلق ہو کر بیٹھا رہا' یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ مجھے ان کو پکڑنے سے کوئی دلچسپی نہیں پھر آہستہ سے میں اس مجلس سے اُٹھا' اپنے گھر آیا اور اپنی کنیز کو کہا کہ میرا گھوڑا لے کر اس ٹیلے کے پیچھے جا کر کھڑی ہو جائے اور میرا انتظار کرے' میں ابھی آتا ہوں۔

میں نے اپنا نیزہ اُٹھایا اور گھر کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہاں گھوڑا موجود تھا' میں اس پر سوار ہو کر بڑی تیز رفتاری سے اس سمت میں روانہ ہو گیا۔ بہت جلد مجھے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے مختصر اور مقدس قافلے کی پرچھائیں نظر آنے لگی' میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

جب میں ان کے بالکل قریب پہنچا تو اچانک میرے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور میں چکرا کر زمین پر آ گرا۔ میں فوراً اُٹھا اور اپنے ترکش سے فال کے تیر نکالنے لگا' اتفاق سے فال میں وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا اس پر لکھا تھا کہ تم جن کا تعاقب کرو گے' ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن مجھے سو اونٹنیوں کے لالچ نے ایسا بدحواس کر رکھا تھا کہ میں نے اس تیر کی ذرا پروانہ کی۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگائی' وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ میں اس قدر قریب پہنچ گیا کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تلاوت کی آواز سنائی دینے لگی۔ حضورِ انور ﷺ کلامِ الٰہی کی تلاوت کر رہے تھے اور بڑے سکون اور طمانیت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ میرے گھوڑے کے سموں کی آہٹ سُن کر بھی حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ میری طرف متوجہ نہ ہوئے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار میری طرف دیکھتے تھے۔

جب میں اور نزدیک ہوا تو اس سنگلاخ زمین میں میرے گھوڑے کی ٹانگیں گھٹنوں تک دھنس گئیں' میں قلابازی کھاتا ہوا نیچے آ گرا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا' وہ جھٹ کود کر باہر نکل آیا' میں نے پھر فال کا تیر نکالا لیکن اس مرتبہ بھی ناپسندیدہ تیر فال میں نکلا یعنی تم انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تیر دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں اس مہم میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ میں انہیں گرفتار نہیں کر سکوں گا۔

میں نے فریاد کرتے ہوئے عرض کی:

''مہربانی کر کے مجھ پر نظرِ کرم کرو' بخدا! میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور نہ میری طرف سے تم کوئی ایسی بات سنو گے جسے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔''

زمانۂ جہالت میں ان کا دستور تھا کہ جب وہ کوئی اہم کام کرنے لگتے' سفر' شادی' تجارت وغیرہ تو وہ اپنے

تھیلے میں رکھے ہوئے تیروں سے فال نکالتے اور اس کے مطابق عمل کرتے اور ایک تیر پر لکھا ہوتا:
''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے'' اور دوسرے پر لکھا ہوتا ''میرے رب نے مجھے منع کیا ہے۔''
ان کے علاوہ خالی تیر ہوتے اگر پہلا تیر نکلتا تو وہ کام کرتے دوسرا نکلتا تو رُک جاتے' تیسری قسم کا نکلتا تو پھر از سرِ نو فال نکالتے یہاں تک کہ پہلا یا دوسرا تیر نکلتا۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد حاشیہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۲)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُرنور ﷺ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو فرمایا اس سے پوچھو' وہ کیا چاہتا ہے؟ سراقہ کہتے ہیں' میں نے عرض کی' آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے بڑا انعام مقرر کیا ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے ارادے بڑے خطرناک ہیں' آپ ﷺ کو طویل سفر در پیش ہے اس کے لیے میں زادِ راہ اور سواری کے جانور پیش کرتا ہوں۔ از راہ نوازش قبول فرمالیں لیکن ان دونوں حضرات نے میری اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ صرف اتنا فرمایا ''ہمارا راز فاش نہ کرنا'' پھر میں نے عرض کی' مجھے ایک نوازش نامہ لکھ دیجیے جس میں تحریر ہو کہ حضورِ پُرنور' حضور انور ﷺ نے اس مجرم کا قصور معاف کر دیا ہے اور اس کو امان دے دی ہے۔

سراقہ نے التماس کر کے حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے ایک امن نامہ حاصل کیا تا کہ جب حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ غالب آ جائیں تو اسے امان حاصل ہو' سراقہ کے اس احترام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کفار و مشرکین پر بھی واضح ہو چکی تھی اور اپنے تمام تر عناد اور دشمنی کے باوجود دیکھ رہے تھے کہ اسلام دینِ برحق ہے اور اسے بہر حال تمام ادیان پر غالب آنا ہے اس لیے وہ اپنے لیے تحفظات چاہتے تھے اس قسم کے معاہدہ جات ان وفود کے ساتھ بھی ہوئے جو وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوتے رہے۔ سراقہ کے اپنے الفاظ ہیں:

''پس میں نے عرض کی کہ مجھے ایک تحریر لکھ دی جائے جو میرے لیے امان نامہ ہو۔''

سراقہ بن مالک کے اس سوال پر تاجدارِ کائنات' سرکارِ دو عالم ﷺ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ سراقہ کو یہ امن نامہ لکھ دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر سراقہ کو دے دیا گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۵۱'۳۵۲)

کسریٰ کے کنگن

کارکنانِ قضا و قدر قدم قدم پر کاروانِ ہجرت کا تحفظ کر رہے تھے' پتھریلی زمین میں گھوڑے کی ٹانگیں گھٹنوں تک دھنس گئیں کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل سے باز رہے۔ فال کا تیر ہر بار اس کے حوصلوں کو پست کرتا رہا۔ بار بار وہ اپنی بے بسی کا نظارہ دیکھ چکا تھا' وہ دیکھ رہا تھا کہ کوئی غیبی طاقت اہلِ قافلہ کی حفاظت فرما

رہی ہے۔ قافلے کا کوئی ایک فرد بھی خوف زدہ نہیں تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے کفار و مشرکین ان کی بو سونگھ رہے ہیں۔ صحراؤں' وادیوں اور پہاڑوں کی خاک چھان رہے ہیں' ہر لحہ خطرات سر پر منڈلا رہے تھے لیکن جن سینوں میں ایمان کے چراغ روشن ہوں جن کی آنکھوں میں یقین حق کی روشنی ہو' وہ ان خطرات کو کب خاطر میں لاتے ہیں وہ تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارتے ہیں۔

قافلے کا ہر فرد اپنی جان پر کھیل کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے گرد حصار باندھے ہوئے تھا۔ سراقہ کے آنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھوڑے سے مضطرب ہوئے تھے اس لیے نہیں کہ انہیں اپنی جان کی پرواہ تھی اس لیے کہ کوئی بدخواہ ان کے آقا و مولا ﷺ کو گزند نہ پہنچائے۔ جب سراقہ کو امن نامہ تحریر کر کے دیا جا چکا اور وہ واپس جانے لگا تو پیغمبر اوّل و آخر واعظم عالم خفا و غیوب مخبر صادق نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اسے خوش خبری دی کہ تجھے کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

جب وہ رخصت ہونے لگا تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا' اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد۲ صفحہ ۴۵)

نگاہِ نبوت ﷺ کسی کے اقتدار کا انہدام دیکھ رہی تھی' ہادیٔ اعظم ﷺ دیکھ رہے تھے کہ مالِ غنیمت میں کسریٰ کے کنگن بھی آئیں گے۔ حضور پُرنور ﷺ نے پہلے ہی یہ کنگن سراقہ کو عنایت کر کے تاریخ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ سفر ہجرت میں قدم قدم پر معجزات رونما ہو رہے تھے۔ سراقہ کا تائب ہو کر پلٹ جانا اس وعدے کے ساتھ کہ میں کسی تعاقب کرنے والے کو کاروانِ ہجرت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اور یہ کہ فال میں بار بار ناپسندیدہ تیر کا نکلنا اور اس کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا بھی تو رسولِ کائنات ﷺ کا معجزہ ہی ہیں اور تائید خداوندی اور اللہ کی مدد و نصرت کی واضح مثال ہیں۔

علامہ ابن اثیر الکامل میں رقم طراز ہیں:

''جب سراقہ نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا' اے سراقہ! اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب کسریٰ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں گے اس نے سراپا حیرت ہو کر عرض کی' کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا' ہاں!

سراقہ کہتے ہیں' میں واپس آ گیا لیکن اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیا یہاں تک کہ آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے' بیت اللہ شریف کو اصنام پوجا پاٹ کی نجاستوں سے پاک کیا۔ تقریباً سب اہلِ مکہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اس کے بعد حنین اور طائف کے معرکے سر ہوئے اس وقت مجھے خیال آیا' میں نے بہت دیر کر دی اب مجھے فوراً خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا چاہیے۔

میں وہ گرامی نامہ لے کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ میں انصار کے شاہ سواروں کے دستے کے درمیان سے گزر رہا تھا' مجھے اجنبی سمجھتے ہوئے انصاری سواروں نے نیزوں کی انیوں سے مجھے کچوکے دینے شروع کیے۔ مجھے کہتے' دُور ہٹو! دُور ہٹو! اس کے باوجود میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نورِ مجسم پیکرِ رحمت ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنی ناقہ پر سوار تھے' پنڈلی مبارک سے چادر ہٹی ہوئی تھی' میں نے ہاتھ میں نوازش نامہ پکڑ کر ہاتھ بلند کیا۔ عرض کی یارسول اللہ! ﷺ حضور کا یہ گرامی نامہ میرے پاس ہے' میں سراقہ بن مالک ہوں' اللہ کے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آج وعدہ پورا کرنے اور احسان کرنے کا دن ہے اس کو میرے نزدیک آنے دو۔''

میں قریب ہوا اور اس کے کچھ دیر بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا پھر میں نے سوچا کہ اس بابرکت گھڑی میں مجھے کچھ فیض حاصل کرنا چاہیے' بہت سوچا' کیا عرض کروں؟ کچھ نہ سوجھا' صرف اتنا پوچھ سکا' یارسول اللہ! ﷺ میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے حوض بھرتا ہوں' کئی گمشدہ اونٹ پانی پینے کے لیے وہاں آ جاتے ہیں اگر میں ایسے اونٹوں کو اپنے حوض سے پانی پینے دوں تو اس کا کچھ اجر مجھے بھی ملے گا؟ حضور پرنور سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہر زندہ جانور کو جس کا جگر تر ہو' پانی پلانا باعثِ اجر ہے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۵۳)

یہ واقعہ میں نے حضرت سراقہ کی زبانی سنایا ہے اب یہی واقعہ ایک مختلف انداز سے رفیقِ نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان ترجمانِ حق سے بھی سماعت فرمائیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سراقہ نے ہمارا تعاقب شروع کیا اس وقت ہم پتھریلی زمین میں سفر کر رہے تھے' میں نے عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ ہمارا تعاقب کرنے والا اب بالکل ہمارے نزدیک پہنچ گیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''غم نہ کرو' اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

پھر وہ مزید ہمارے نزدیک ہو گیا اب ہمارے درمیان اور اس کے درمیان صرف ایک دو نیزوں کا فاصلہ رہ گیا تھا' میں نے پھر وہی عرض کی اور مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا' ابوبکر صدیق! (رضی اللہ عنہ) کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی' خداوند ذوالجلال کی قسم! میں اپنے لیے نہیں رو رہا بلکہ حضور ﷺ کے لیے یہ گریہ طاری ہے۔ اللہ کے پیارے رسول (ﷺ) نے اپنے رب کے حضور عرض کی:

''اے اللہ! جس طرح تیری مشیت ہو اس طرح اس دشمن کے شر سے ہمیں بچا۔''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دستِ مبارک دعا کے اُٹھنے کی دیر تھی کہ اس پتھریلی زمین میں

گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے۔ سوار سراقہ بن مالک چھلانگ لگا کر نیچے آ گیا اور عرض کرنے لگا' یا محمد ﷺ آپ کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ اللہ سے عرض کریں کہ وہ مجھے معاف کر دے' میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ کے تعاقب میں آنے والا جو شخص مجھے ملا' میں اس کو لوٹا دوں گا۔ یہ میرا ترکش ہے اس میں سے آپ ﷺ کچھ تیر لے لیں' راستے میں میری جاگیر سے آپ ﷺ کا گزر ہوگا وہاں میرے اونٹ اور ریوڑ چر رہے ہوں گے' میرے یہ تیر میرے کارندوں کو دِکھا کر آپ ﷺ جو کچھ لینا چاہیں گے' وہ پیش کر دیں گے اس سخی اور غنی رسول مکرم و معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کہ مجھے نہ تمہارے اونٹوں کی ضرورت ہے اور نہ بھیڑ بکریوں کی اور اس کو دعائیں دے کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۳ صفحہ ۳۵۴)

سراقہ کچھ عرصہ خاموش رہا جب قریش کی کوششیں نامرادی کے آغوش میں دَم توڑ گئیں تو سراقہ نے سفر میں پیش آنے والے محیر العقول واقعات لوگوں کو بتانے شروع کیے اور یہ مقدس متبرک اور معجزاتی باتیں پھیل گئیں۔ رؤسا قریش کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ ان باتوں سے متاثر ہو کر لوگ اسلام کو ہی نہ قبول کر لیں۔ چنانچہ ابوجہل نے سراقہ کے قبیلہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر تحریر کیے:

۱- کہ وہ لوگوں کو محمد (ﷺ) کی اعانت پر برانگیختہ نہ کر دے۔'' (مدد و اطاعت پر نہ ابھارے)

۲- تم اس پر قابو پا لو تا کہ وہ تمہارے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کر دے اور اس افتراق سے تم لوگ عزت و سیادت کے بعد منتشر نہ ہو جاؤ۔

سراقہ بن مالک جعشمی نے جب ابوجہل کے یہ اشعار سنے تو اس نے جواب میں یہ اشعار لکھ کر ابوجہل کے لئے روانہ کئے:

۱- اے ابوالحکم! بخدا! اگر تم اس وقت موجود ہوتے جب میرے گھوڑے کے پاؤں اس پتھریلی زمین میں دھنس رہے تھے۔

۲- یہ دیکھ کر تم حیرت زدہ ہو جاتے اور اس بارے میں تمہیں کوئی شک نہ رہتا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ' اللہ کے سچے رسول ہیں' اس کی دلیل ہیں' ان کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

۳- تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنی قوم کو اس کا مقابلہ کرنے سے روکے کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ دن جلد آنے والا ہے جب ان کی عزت و کامیابی کے نشانات بلند ہو جائیں گے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد۲ صفحہ ۲۴۹)

علامہ ابوالقاسم سہیلی رحمتہ اللہ علیہ ''الروض الانف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہم نے اس کتاب میں جہاں کسریٰ کا ذکر کیا ہے' وہاں لکھا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسریٰ کا تاج اس کے سونے کے کنگن' اس کا مرصع کمر بند پیش کیا گیا تو آپ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو یاد

فرمایا اور اسے کسریٰ شاہ ایران کے یہ زیورات عنایت فرمائے اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ بلند کرے اور ان کلمات سے اپنے خداوند قدیر کی حمد وثنا کرے۔

''سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے یہ زیورات کسریٰ سے چھین لیے جو یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے اور بنو مدلج کے ایک بدو کو پہنائے۔''

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کلمات سے اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ زیور اس لیے سراقہ کو پہنائے تھے کہ سراقہ جب مسلمان ہوا تھا تو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ خوش خبری دی تھی اور اس کو بتایا تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فارس کا ملک ان کے لیے فتح کرے گا اور کسریٰ بادشاہ کے یہ زیورات اور تاج انہیں بطورِ غنیمت ملیں گے۔

سراقہ کو یہ ارشاد عجیب وغریب معلوم ہوا' وہ کہنے لگا' کسریٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسی کسریٰ کی بات ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے یہ کنگن پہنائے۔ علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

''اگرچہ سراقہ ایک بدو تھا جسے پیشاب کرنے کا بھی سلیقہ نہ آتا تھا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ اسلام کی برکت سے اسلام قبول کرنے والوں کو عزتیں عطا فرماتا ہے اور حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضور کی اُمت پر اپنی نعمتوں اور فضل وکرم کے مینہ برساتا ہے۔''

(الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۴۳' السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

خوش نصیب چرواہا

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ کی حفاظت ونگہبانی میں اپنی منزل کی طرف اپنے یارِ وفاشعار رضی اللہ عنہ کے ساتھ رواں دواں تھے کہ راستے میں ایک چرواہے کو دیکھا جو اپنا ریوڑ چرا رہا تھا' دونوں حضرات نے اسے کہا کہ تمہارے پاس دودھ ہے تو ہمیں پلاؤ' اس نے کہا' میرے پاس کوئی شیر دار بکری نہیں البتہ وہ دُور ایک بھیڑ کی پٹھی ہے جو سال کی ابتدا میں باردار ہوئی اب اس کے تھنوں میں کوئی دودھ نہیں رہا۔

نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسے لے آؤ' وہ لے آیا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ٹانگوں کو باندھا اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی اس کی کھیری دودھ سے بھر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک برتن لے آئے' نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اسے دوہا۔ پہلے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر دوہا اور چرواہے کو پلایا۔ تیسری مرتبہ پھر دوہا اور خود نوش فرمایا۔ چرواہا یہ کرشمہ دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گیا۔ کہنے لگا' خدارا! بتایئے آپ کون ہیں؟ بخدا آج تک میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ہمارے راز فاش نہیں کرو گے اس نے کہا' ہاں! حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں' اور اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''

چرواہا کہنے لگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں جن کے بارے میں قریش یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے۔ ہاں وہ ایسا کہتے ہیں۔

چرواہا بول اُٹھا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور جو دین لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں' وہ حق ہے۔''

کیونکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے' نبی کے بغیر کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار اور اطاعت گزار ہوں اور اب آپ کے قریب' آپ کے زیرِ نگاہِ کرم رہنا چاہتا ہوں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' ابھی صبر کرو' موجودہ حالات میں تم ان چیزوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جب تمہیں یہ اطلاع ملے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے غلبہ اور فتح عطا فرمائی ہے تو اس وقت ہمارے پاس چلے آنا۔ (دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹۷)

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم اللہ کا محبوب نبی تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربِ کریم کی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں کے خزانے لٹاتا ہوا' خفتہ بختوں کے بخت بیدار کرتا ہوا' مُردہ دلوں کو زندگی جاوید عطا کرتا ہوا' کوہ ودمن کو انوارِ الٰہی سے رشکِ طور بناتا ہوا' جو ملتا ہے' اپنی نظرِ کرم سے اس کے گندے دل کو پاک کرتا ہوا' نفوسِ امارہ کو نفوسِ مطمئنہ سے بدلتا ہوا' اُجاڑ اور سنسان صحراؤں کو آباد کرتا ہوا' خراماں خراماں یثرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔

دورانِ سفر دو تجارتی قافلے بھی اس مقدس قافلہ عشقِ الٰہی کو ملے۔ پہلا قافلہ جو اس سفرِ ہجرت میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اس کی قیادت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

مکہ مکرمہ سے مسلمانوں کا ایک قافلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تجارتی سفر پر گیا ہوا تھا' شام سے واپسی پر ان کی ملاقات حضور پُرنور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفید رنگ کا ایک جوڑا بارگاہِ اقدس میں پیش کیا جسے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور زیبِ تن کیا۔

اسی سفر میں اہلِ اسلام کا ایک دوسرا تجارتی کارواں مکہ واپس جاتے ہوئے ملا اس کی سربراہی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی پارچات کے دو جوڑے پیشِ خدمت کیے۔ ایک حضور انور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دوسرا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے۔ حضورِ انور نبی کریم الرحیم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

ہدیۂ خلوص و محبت کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ا صفحہ ۳۵۶)

بریدہ بن حصیب الاسلمی

حضرت بریدہ بن حصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ اپنا قصہ سناتے ہیں۔

کہ جب میں نے سنا کہ قریش نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے تو اتنے بڑے انعام کے لالچ میں میں بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ میرے ساتھ میری قوم بنی سہم کے ستر (۷۰) شہسوار بھی تھے۔ اتفاق سے میری ملاقات حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے ہوگئی۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''میرا نام بریدہ ہے۔''

یہ سن کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''ہماری مہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور حالات درست ہو گئے ہیں۔''

پھر پوچھا:

''تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟''

میں نے عرض کی:

''میں اسلم قبیلہ کا فرد ہوں۔''

یہ سن کر فرمایا:

''ہم محفوظ ہو گئے۔''

پھر پوچھا:

''بنی اسلم کی کون سی شاخ سے؟''

میں نے عرض کی:

''میں بنی سہم خاندان سے ہوں۔''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) تیرا تیر نکل آیا ہے۔'' (یعنی کہ ہمارا یہ سفر کامیاب ہو گیا)

بریدہ کہتے ہیں، میں نے پوچھا:

''آپ ﷺ کون ہیں؟''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا:

''انا محمد بن عبداللہ رسول اللہ (ﷺ) میں محمد بن عبداللہ ہوں اور اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں۔''

اس پیکرنور کی ایک جھلک دیکھتے ہی بریدہ کی آنکھیں روشن ہوگئیں اس کے لئے سارے نقاب حقیقت روئے زیبا سے اُٹھ گئے اور اس نے بے تابی سے جواب دیا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

بریدہ اور اس کے ہمراہی تمام مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ دستِ اقدس پر اسلام قبول کرنے کے بعد بریدہ نے اپنے جذباتِ تشکر واحسان مندی کا یوں اظہار کیا:

''اس اللہ کے لیے ساری تعریفیں ہیں جس کی مہربانی سے بنوسہم قبیلہ کے لوگ اپنی خوشی سے اسلام لے آئے کسی مجبوری سے نہیں۔''

روایات میں ہے آپ ﷺ نے اس جگہ قیام فرمایا اور جب آپ ﷺ نے جانب یثرب روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت بریدہ نے عرض کی:

''اے اللہ کے محبوب رسول ﷺ آپ پرچم لہراتے ہوئے مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ (تشریف لائیں داخل ہوں) فرمائیے۔''

انہوں نے اپنا عمامہ کھولا اور نیزے کی اَنی کے اوپر اسے باندھا اور یوں وہ جھنڈا لہراتے ہوئے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے آگے آگے جارہے تھے جبکہ مدینہ طیبہ کے درودیوار اور اس کی فضائیں ایسے معزز مہمان اور بلند اقبال قائد اور نبی برحق (ﷺ) کی راہ میں اپنے دیدہ ودل فرش راہ کیے ہوئے تھے۔ (اخرجہ البیہقی) (وفا الوفا جلد ا صفحہ ۲۴۳ محمد رسول اللہ جلد ۲ صفحہ ۵۴۷ دیگر کتب سیرت)

بگڑی بنادی

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''فائد جو عبادل کا آزاد کردہ غلام تھا اس نے بتایا کہ میں ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن سعد کی معیت میں سفر پر نکلا جب ہم عرج کے مقام پر پہنچے تو سعد کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی پہنچ گئے۔ یہ سعد وہ شخص ہے جس نے سفر ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کو رکوبہ کا راستہ بتایا تھا۔ ابراہیم نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ آپ کے والد نے آپ کو کیا واقعہ بتایا تھا۔ ابن سعد (عبدالرحمٰن) نے کہا میرے والد سعد نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان کے پاس آئے۔ اس سے پہلے اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی رضاعت کے لیے ہم اپنے پاس لے آئے تھے۔ اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ نے مدینہ کی طرف مختص راستے سے سفر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سعد نے عرض کی:

''آپ رکوبہ سے غامر کے راستے سے تشریف لے جائیں۔''

لیکن وہاں بنی اسلم قبیلہ کے دو چور رہتے ہیں جنہیں المہانان کہا جاتا ہے اگر حضور ﷺ کی مرضی ہو تو ہم ان کے پاس سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو لے چلیں گے۔ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک ہمیں ان کے پاس سے لے چلو۔''

سعد کہتے ہیں جب ہم روانہ ہوئے تو وہ دونوں چور راستے میں کھڑے تھے۔ ایک نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے کو کہا:

''یہ یمانی ہیں۔''

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بُلایا اور ان پر اسلام پیش کیا۔ ان کی بگڑی ہوئی تقدیر کو بنانے والا تشریف لے آیا تھا۔ انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے اسلام قبول کرلیا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان سے پوچھا' تمہارے نام کیا ہیں؟ انہوں نے کہا ''نحن المہانان'' مہانان کا لغوی معنی ذلیل ہے یعنی ''ہم دونوں ذلیل ہیں۔'' حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا' اسلام لانے کے بعد اب تم ذلیل نہیں رہے بلکہ تم عزت وشرف کے مالک بن گئے ہو اور تم دونوں محترم ومکرم ہو گئے ہو۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس قافلے کے آگے آگے چلیں اور ہمیں مدینہ تک چھوڑ آئیں۔ (السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۵)

سن 1 ہجری

قبا میں تشریف آوری

اہلِ یثرب کو جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی مکہ سے روانگی کی اطلاع ملی اسی دن سے ان کی آتشِ شوق بھڑک اُٹھی۔ انتظار کے یہ لمحات انہیں قیامت سے زیادہ طویل نظر آنے لگے' مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا فاصلہ (۴۵۰ کلومیٹر) عام طور پر بارہ (۱۲) دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔ کچھ دن تو انہوں نے بے قرار دِلوں کو تسلی دیتے ہوئے گزار لیے لیکن اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا' وہ اجتماعی شکل میں اپنے آقا' رسول بحر و بر ہادیٔ انس و جاں تاجدارِ کائنات ﷺ کے استقبال کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر ایک پتھریلے میدان میں جمع ہو جاتے اور سورج کے ڈھلنے تک انتظار کرتے پھر مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ جاتے۔

دن کے وقت کیونکہ سورج کی تپش ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ گرم لُو جسم کو جلائے دیتی ہے اس لیے اہلِ عرب صحراؤں کو عبور کرنے کے لیے راتوں کا سفر کرتے ہیں تاکہ چاشت کے وقت تک اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر دوپہر سے پہلے کسی سایہ دار درخت کے نیچے دن گزارتے ہیں پھر جب رات آتی ہے تو سفر شروع کرتے ہیں۔ اسی معمول کے سفر کو مدنظر رکھتے ہوئے انصارِ مدینہ کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے استقبال کے لیے جمع ہو جاتے اور چاشت کے وقت تک انتظار کرتے۔ جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تشریف آوری کا متوقع وقت گزر جاتا تو گھروں کو لوٹ آتے' انتظار کا دن کرب میں اور آنے والی رات پہلو بدلتے بے چینی کی نذر ہو جاتی۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ پھر اپنے محبوب کریم کے دیدار کے شوق میں نئے عزم کے ساتھ سراپا شوق بن کر استقبال کے لیے اسی پتھریلے میدان میں جمع ہو گئے۔ جوق در جوق' گروہ در گروہ فرزندانِ اسلام وہاں انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ موسمِ گرما کے آفتاب نے دھوپ میں ٹھہرنا محال بنا دیا اور انہیں مجبوراً واپس آنا پڑا۔ امید و مایوسی کی اس کیفیت میں دو دن گزر گئے لیکن وہ حبیب دلربا اصل الموجودات حاصل کائنات ﷺ ابھی تک تشریف نہ لایا تھا۔ (السیرۃ النبویہ' احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۴۱)

اہلِ محبت ہر روز تین تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے میدانِ حرہ میں آتے اور انتظار نبی آخر الزماں ﷺ کی سعادت حاصل کرتے اس کا ثبوت درج ذیل روایت سے بھی ملتا ہے:

مدینہ منورہ ومضافات

جبل احد
شہدا
وادی قناة
جبل عینین
جبل حبشہ
بئر رومہ
دیر متہدم
عرصہ کبریٰ
قصر سعید بن العاص
عرصہ صغریٰ
مسجد قبلتین
جبل سلع
جبل منذر
بئر بضاعہ
بئر ابی ایوب
باب شام
بیرحاء
حرم شریف
باب الجنہ
مدینہ منورہ
مسجد سقیا
بقیع
بئر سقیا
باب عوالی
حرہ
وبرہ
جماء عاقل
جماء ام خالد
جماء تضارع
بئر عیرہ
مسجد
اطم ضیحان
وادی رانونا
مسجد الجمعہ
بئر اریس
مسجد قباء
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن الہدم
جبل
عیر
بنی حارث
مسجد بخیز
نجد کو
بنی معاویہ
مسجد اجابہ
واقم
حرہ
مسجد بنی ظفر
وادی مہزور
بنی قریظہ
بئر غرس
قربان
مسجد فضیخ
وادی مذینب
بنی نضیر

پہاڑ
بلند خطے
حرہ
مسطح خطے
نخلستان
وادی
قبریں
آبادی
سڑک
راستہ
خندق
بازار
ثنیۃ الوداع
محلہ بنی ساعدہ
محلہ ساحہ
سلع
مناخہ
مسجد غمامہ

''عبدالرحمٰن بن عویم بن ساعدہ متعدد رجال قوم سے بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جب رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت کی اطلاع ہوئی تو ہم آپ کے استقبال کے لیے چشم براہ تھے۔ نمازِ فجر کے بعد ہم ''حرہ'' کے پاس آپ ﷺ کا انتظار کرتے۔ واللہ! جب تک ہم سایہ پاتے' آپ ﷺ کا انتظار کرتے' دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے' یہ موسمِ گرما کا واقعہ ہے۔'' (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

تیسرے دن پھر وہ صبح کے وقت اپنے آقا حضور پُرنور سرورِ کائنات ﷺ کی راہ میں دل و نگاہ کو فرش راہ بنانے کے لیے اس میدان میں انتظار کرنے لگے۔ سورج ڈھلنے کے قریب ہو گیا' دیواروں کے سائے بھی سمٹ کر ختم ہو گئے' انہیں یقین ہو گیا کہ اس ماہِ مبین کے طلوع ہونے کا بظاہر اب کوئی امکان نہیں رہا تو وہ آہستہ آہستہ گھروں کو لوٹنے لگے یہاں تک کہ وہ میدان خالی ہو گیا۔ عین اس وقت ایک مختصر قافلہ ادھر آ رہا تھا' رحمتِ الٰہی اور عنایاتِ ربانی اس پر سایہ فگن تھی۔ تقدس کا نورانی ہالہ ان کے گرد حلقہ زن تھا' لطفِ خداوندی کی رِم جھم برس رہی تھی اس وقت ایک یہودی اپنے کسی کام کے سلسلے میں ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا تھا اس نے اس نور افشاں کارواں کو دیکھا تو پہچان گیا' جھٹ اس نے بلند آواز سے نعرہ لگایا جس سے یثرب کی ساری وادیاں گونج اُٹھیں اور فضا میں خوشی و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے بلند آواز سے کہا:

''اے قیلہ کے فرزندو! یہ ہے تمہارا بخت بیدار' دیکھو یہ تمہارے پاس آ گیا ہے۔''

(قیلہ انصار کی ایک دادی یا دادے کا نام تھا) جس کسی کے کان میں یہ آواز پہنچی' وہ اپنے آقا ﷺ کے دیدار اور استقبال کے لیے بھاگا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس اثناء میں حضور پُرنور سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت صدیق ؓ کھجور کے ایک درخت کے سائے میں پہنچ گئے۔ اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور ان سے اُتر کر اس کھجور کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔

روایت میں ہے کہ اس یہودی نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نورانی قافلہ یثرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ یہودی مبہوت رہ گیا۔ روایت میں اس یہودی پر وارد ہونے والی کیفیت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''یہودی بے قابو ہو گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا۔''

''اے گروہِ عرب! یہ ہیں تمہارے مطلوب ساتھی (نبی آخر الزماں ﷺ) جن کا تم انتظار کر رہے ہو۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۷۷' دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹۹)

ابن ہشام نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''اے بنی قیلہ (انصار کا قبیلہ) یہ تمہارے محترم بزرگوار آ گئے ہیں۔'' (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۳۷)

یہودی کے اس اعلان پر ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی' اہلِ یثرب اپنے جسموں پر ہتھیار سجا کر

تاجدارِ کائنات ﷺ کے استقبال کے لیے قبا کے میدان میں جمع ہونے لگے۔ میدانِ حرہ جو پتھریلا میدان تھا' گداز کف پائے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اشتیاق سے رعنائیوں اور شادابیوں کا مسکن بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا جمِ غفیر آقائے کائنات ﷺ کی زیارت کے لیے جمع ہو گیا۔ قبا کی ساری بستی حرہ کے میدان میں جمع ہو گئی۔

وہ آ گئے جن کا انتظار تھا جن کی راہوں میں پلکیں بچھائی جاتی تھیں اور جن کے انتظار میں دن ماہ وسال گن گن کر گزارے جاتے تھے۔ یثرب کو مدینۃ النبی کی سند عطا ہونے والی تھی' اس کے درودیوار بھی چشم براہ تھے۔ اس ہجومِ عاشقاں میں ایسے مسلمانوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی جو مبلغینِ اسلام کی کوششوں سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن ابھی تک حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تھے۔ ان کا اشتیاق دیدنی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے تقریباً ہم عمر تھے۔ سفرِ ہجرت کے دوران انہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خصوصی توجہات کا شرف حاصل ہوا۔ قربتِ رسول ﷺ کا اعزاز حاصل ہوا' سفر میں خدمت کا موقع ملا اس قربتِ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چہرہ حضورِ انور ﷺ کے چہرۂ اقدس کے مشابہ ہو گیا اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو حضورِ پُرنور ﷺ کی پہچان میں دشواری پیش آنے لگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اس اُلجھن کو بھانپ لیا' آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر تان دی جس سے حضورِ پُرنور ﷺ پر سایہ بھی ہو گیا اور لوگوں نے اس عمل سے پہچان لیا کہ آقا ﷺ کون ہیں اور ان کا غلام کون ہے۔ (سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۰)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ:

''جب ٹیلہ پر کھڑے ہو کر یہودی نے اعلان کیا' اے مسلمانو! تمہارا مقصد ومقصود تشریف لے آیا ہے تو مسلمانوں میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی' اپنے ہتھیاروں کو لیے ہوئے' حضور پُرنور سرورِ کائنات ﷺ کے استقبال کے لیے بھاگے چلے آ رہے تھے' حرہ کے میدان میں ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ ایک دوسرے کو مبارک بادیں دے رہے تھے' طرح طرح سے خوشیوں کا اظہار کر رہے تھے۔ جوان اور بچے عورتیں اور مرد چھوٹے اور بڑے سب نعرہ لگا رہے تھے کہ اللہ کے رسول آخر الزماں ﷺ تشریف لے آئے ہیں' اللہ کے نبی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔''

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میری عمر اس وقت آٹھ' نو سال کی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے

در و دیوار حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی رخِ زیبا کے انوار سے چمک رہے ہیں۔ گویا کہ سورج طلوع ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور کریم ﷺ کے ہم عمر تھے، بہت کم فرق تھا۔ اہلِ مدینہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے اکثر نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو پہلے دیکھا نہ تھا اس لیے پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی۔ چند لمحوں میں زائرین کی بھیڑ لگ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اس پریشانی کو بھانپ لیا، انہوں نے اُٹھ کر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضورِ انور، حضور پُرنور سرورِ کونین حاصلِ کائنات رسولِ معظم و مکرم ﷺ پر اپنی چادر تان کر سایہ کر دیا اس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ مخدوم کون ہے اور خادم کون، آقا کون ہے اور غلام کون۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۷۷)

تاریخ آمدِ مبارک

سیرت ابن ہشام، سیرت حلبیہ، انساب الاشراف اور الوفا اور کئی دیگر سیرت نگاروں کے نزدیک پیغمبر اوّل، آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بارہ (۱۲) ربیع الاوّل بروز سوموار (دوشنبہ) قبا کی سرزمین پر قدم مبارک فرمایا۔ سن عیسوی کے حساب سے یہ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کی تاریخ تھی اور علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق سن نبوت ۱۴ اور سن ۱ ہجری تھی اور اس دن نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی عمر مبارک بغیر کسی کمی بیشی کے ٹھیک ۵۳ سال ہوئی تھی۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۰۲)

جس بستی میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے نزولِ اجلال فرمایا اس کا نام قبا تھا۔ یہ شہر یثرب کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی تھی جہاں عمرو بن عوف کا قبیلہ آباد تھا۔ یہی وہ خوش بخت لوگ تھے جن کو اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا تھا۔ یہی وہ بلند اقبال قبیلہ تھا جسے رہبر کائنات، ہادیٔ انس و جاں، خاتم النبیین رحمت للعالمین ﷺ نے سفر ہجرت کی طویل اور پُرخطر مسافت طے کرنے کے بعد استراحت فرمانے کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ پل بھر میں پانچ سو کے قریب جان نثار انصار کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ سب نے عرض کی:

"اپنی اونٹنیوں پر سوار ہو جائیے اور بڑے اطمینان سے ہمارے ہاں تشریف لے چلیے۔"

آپ یہاں امن و امان میں ہوں گے، ہم سب غلام آپ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے رہیں گے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

قبا میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدارِ کائنات رحمتِ دو عالم ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ جو قبیلہ عمرو بن عوف کا ایک سردار تھا، کے گھر میں قیام فرمایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قبا میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا میزبان حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ تھے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قبا میں حضور پُرنور نبی

کریم رؤف و رحیم ﷺ کا قیام تو کلثوم بن ہدم کے ہاں تھا لیکن جب لوگ ملاقات کے لیے جمع ہو جاتے تو سرکارِ دو عالم ﷺ کلثوم کے مکان سے نکل کر حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کی حویلی میں تشریف لے جاتے۔ وہ کھلی حویلی تھی نیز حضرت سعد کے بیوی بچے بھی نہ تھے اس لئے یہاں بے تکلفی اور آسانی سے سب زائرین سے ملاقات ہو سکتی تھی۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مہاجرین جن کے ساتھ ان کے اہل و عیال نہیں ہوتے تھے وہ سب انہیں حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان بنا کرتے۔ اسی وجہ سے ان کا گھر بیت العذاب (کنواروں، اکیلوں کا گھر) کے نام سے مشہور تھا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

(عزاب یا اعزاب جمع ہے اس کا واحد عزب ہے، وہ مرد جس کے ساتھ اس کے بیوی نہ ہو اس کو رجل عزب کہتے ہیں، وہ عورت جس کے ساتھ اس کا خاوند نہ ہو اس کو امراۃ عزب کہتے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہ خبیب، بنو حارث بن خزرج کے خاندان سے تھے، ان کی سکونت قبا کی ایک نواحی بستی السح میں تھی۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

ابن ہشام کے حاشیے میں مرقوم ہے کہ مدینہ طیبہ کے محلوں بستیوں میں سے ایک کا نام السح ہے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی صادق و امین ﷺ اپنے پیارے بھائی سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ ان کو دو ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں۔ اس رات کو انہوں نے حضورِ انور نبی کریم ﷺ کی چادر اوڑھ کر حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بستر پر سونا تھا تا کہ کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والے مشرک نوجوانوں کو یہ گمان رہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے بستر پر آرام فرما ہیں، ابھی جاگیں گے پھر باہر آئیں گے اس وقت وہ اپنی اس سازش کو عملی جامہ پہنائیں گے جس کے بارے میں دار الندوہ کی خصوصی میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا تھا۔

دوسرا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بجا لانا تھا کہ جن لوگوں کی امانتیں اللہ کے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حبیب دو جہاں، صادق و امین ﷺ کے پاس تھیں، انہیں ان کے مالکوں تک بحفاظت پہنچا دیں۔

اس حکم کی تعمیل میں آپ رضی اللہ عنہ کے تین دن لگ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ کھلی وادی میں کھڑے ہو کر اعلان فرماتے:

''لوگو! سن لو جس کسی نے اپنی کوئی امانت حضور انور رسولِ کریم رؤف و رحیم ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی، وہ آئے اور اپنی امانت لے جائے۔''

اس حکم کی تعمیل سے فراغت پانے کے بعد سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مکہ سے روانہ ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ

رات کو سفر کرتے تھے اور دن کے وقت چھپ کر کہیں وقت گزارتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سفر پیدل طے کیا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک سوجھ گئے' ان میں آبلے پڑ گئے اور آبلوں سے خون بہنے لگا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ قبا پہنچے تو نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کا علم ہوا تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں اپنے پاس بُلا بھیجا۔ عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ وہ چلنے سے معذور ہیں' ان کے پاؤں سوجھے ہوئے ہیں اور ان سے خون رِس رہا ہے۔ چنانچہ تاجدارِ کائنات سرورِ دوعالم ﷺ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کو اپنے گلے سے لگایا' ان کی تکلیف دہ حالت دیکھ کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی چشم مبارک سے آنسو ٹپکنے لگے پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں پر اپنا لعاب دہن ڈالا پھر اپنے ہاتھوں کو ان زخموں پر پھیر دیا اس کی یہ برکت ہوئی کہ اس کے بعد پھر شہادت تک کبھی آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو ذرا تکلیف نہ ہوئی۔

(السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۶)

علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ سیّدنا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ قبا میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ ہی حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان پر اقامت گزیں ہوئے۔ جمہور علماء سیرت کا یہی قول ہے کہ سیّدنا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تین دن رہے اس اثناء میں آپ رضی اللہ عنہ نے امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچائیں' پھر پیدل چل کر قبا میں پہنچے اور حضور پُرنور سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۱- السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۰- السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۵۳- سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۷۹' مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۳- انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۲۶۵- سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۶- ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۹۷)

قبا میں مدتِ قیام

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم رحمتِ دوعالم ﷺ جب تک قبا میں تشریف فرما رہے' ملاقات کرنے والوں' زیارت کرنے والوں اور دعوتِ حق سننے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ سعادت مند روحیں اس چشمہ صافی سے اپنے دِلوں کی پیاس کو بجھاتی رہیں۔ چند روز قبا میں قیام کے بعد تاجدارِ کائنات سرکارِ دوعالم ﷺ یثرب کی پیاسی سرزمین کو سیراب کرنے کے لیے روانہ ہوئے' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا اس کے بارے میں علماء سریت کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضورِ انور ﷺ سوموار کو بعد از دوپہر قبا پہنچے' منگل' بدھ اور جمعرات یہاں قیام فرمایا اور جمعۃ المبارک کو روزِ چاشت کے وقت مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا:

''حضورِ انور ﷺ نے بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ میں نزول اجلال فرمایا اور دس (۱۰) دن اور چند

روز وہاں مقیم رہے اور اسی اثناء میں مسجد قبا کی تعمیر فرمائی۔'' (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۵۵۵)

اور ابن عقبہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بائیس (۲۲) دن قبا میں تشریف فرما رہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے چودہ (۱۴) دن قیام فرمایا۔ امام بخاری اور مسلم دونوں کی روایتیں قرب المعنی ہیں۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ:

''آپ ﷺ نے قبا میں چودہ (۱۴) دن قیام فرمایا۔''

جبکہ ابن اسحاق اور ابن حبان کے نزدیک آپ ﷺ نے قبا میں تین دن یعنی منگل' بدھ اور جمعرات کو قیام فرمایا' اور جمعۃ المبارک کو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ یثرب کے لیے روانہ ہوگئے۔ قبا میں مدتِ قیام کے بارے میں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی رائے یہ ہے:

''بنی عمرو بن عوف کے لوگوں کا کہنا ہے' آپ ﷺ نے ان کے اندر بائیس (۲۲) دن قیام فرمایا۔''

(سبل الھدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۸۰)

تاجدارِ کائنات' سرورِ کونین نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے کتنے روز قبا میں قیام فرمایا اس کے بارے میں علمائے سیرت وحدیث کے چار اقوال ہیں:

۱- اوّلین سیرت نگار امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ سوموار کے دن دوپہر کے فوراً بعد قبا میں تشریف فرما ہوئے۔ منگل' بدھ اور جمعرات کو یہاں قیام فرمایا اور چوتھے روز جمعۃ المبارک کے دن چاشت کے وقت یہاں سے عازمِ یثرب ہوئے۔

۲- موسیٰ بن عقبہ نے قبا میں مدتِ قیام بائیس (۲۲) شب بتائی ہے۔

۳- واقدی کے نزدیک یہ عرصہ چودہ (۱۴) روز ہے۔

۴- لیکن سید المحدثین امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں اپنی صحیح میں امام زہری اور حضرت عروہ کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

''یعنی سرورِ انبیاء رسولِ کائنات پیغمبر بحر و بر ﷺ نے دس (۱۰) شب سے چند روز زیادہ قیام فرمایا اور انہیں ایام میں مسجد قبا کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی۔'' (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۷)

مندرجہ بالا روایات میں سے سند کے اعتبار سے یہی روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ حالات اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ مسجد تعمیر کرنے کے لیے جگہ کا تعین' عمارت کے لیے پتھروں کی فراہمی پھر اس کی تعمیر کی تکمیل' ان تمام کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اتنے دنوں کا صرف ہونا قرین قیاس لگتا ہے' صحیح معلوم دیتا ہے اور صحیح تو صرف اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مسجد قبا کی تعمیر

وہ آسمانی ہدایت جو حضرت آدم علیہ السلام لے کر مبعوث ہوئے تھے' ماہ وسال کی گرد میں گم ہو چکی تھی' تعلیماتِ اسلامی کا چہرہ اس حد تک مسخ ہو چکا تھا کہ ان کی پہچان تک مٹ چکی تھی' سلسلہ انبیاء کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادتِ عظمیٰ میں اس آسمانی ہدایت کا احیاء' ایک نئے اسلوب میں ہو رہا تھا۔

اگرچہ اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی ایک نئی تہذیب وجود میں آ گئی تھی لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد تو اس کے خدوخال روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئے کہ ایک نئے تمدن سے ابن آدم کو روشناس کرایا جا رہا ہے اور شعوری و لاشعوری دونوں سطحوں پر ایک نئی ثقافت فروغ پذیر ہے۔ زندگی کو نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا شعور انسانی سوچوں کا مرکز ومحور بن رہا تھا اس نئی تہذیب' تمدن اور نئی ثقافت کو عزم وعمل کا پیراہن عطا کرنے کے لیے ایک نئے تنظیمی وانتظامی مرکز کی ضرورت تھی۔ یہ مرکز مسجد کی صورت میں مسلمانوں کو عطا ہوا۔

مسجد کو مسلمانوں کی جملہ سرگرمیوں کا مرکز قرار دے کر انہیں یہ بھی لاشعوری سطح پر باور کرایا جا رہا تھا کہ قوم رسولِ ہاشمی کی پہچان' اس کی شناخت اور اس کا ہر حوالہ غیر مسلموں کی پہچان اور شناخت سے مختلف ہے۔ اس جداگانہ تشخص یعنی دو قومی نظریے کی تعبیر کر کے بتا دیا گیا کہ حق کسی سطح پر بھی باطل کے ساتھ سمجھوتے کا روادار نہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا الگ ایک نظریاتی تشخص ہے اور مسجد اس نظریاتی تشخص کو مضبوط دیواریں فراہم کرنے والا بنیادی ادارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد مسلمانوں کی ذہنی آسودگی اور روحانی بالیدگی ہی کی علامت نہیں بلکہ ان کی تہذیب اور فکری ارتقاء کی بھی ضامن ہے اور یہ کہ مسجد ایک ایسا آئینہ ہے جو ثقافتی سطح پر مسلم معاشرے کی جزئیات تک کو آشکارا کرتا ہے۔

اسلام میں مسجد کو روحانی' سیاسی' عسکری اور ثقافتی مرکز کا درجہ حاصل ہے۔ جب ریاستِ مدینہ کی داغ بیل پڑی اور ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی گئی تو اس معاشرے کے افراد کی جسمانی اور ذہنی تربیت کا اہتمام بھی کیا گیا۔ تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل کے لیے بھی کوئی مرکزی عمارت موجود نہ تھی' مسجد چونکہ اسلامی تمدن میں ایک مقدس ادارہ کا درجہ رکھتی ہے اس لیے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنی پہلی فرصت میں مسجد کی تعمیر ترجیحی بنیادوں پر کی۔

نوزائیدہ ریاست مدینہ کی انتظامیہ کے پاس نہ کوئی ایوانِ صدر اور نہ کوئی پارلیمنٹ ہاؤس' نہ کوئی فوجی مستقر (چھاؤنی' ٹھکانہ) تھا اور نہ کوئی دیوانِ خاص' تاجدارِ کائنات حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا دربار گہربار اس نوتعمیر شدہ مسجد میں تھا جسے آج ہم مسجد نبوی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جس کے ایک گوشے میں حضورِ پُرنور ﷺ کا مزار پُرانوار ہے جس مزار پُرانوار پر گنبد خضرا ہے جو پوری کائنات کا مرکزِ نگاہ ہے۔ عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی نظریں ہمہ تن جس کے طواف میں مصروف رہتی ہیں اور کالی گھٹائیں جس کی شادابیوں کی خیرات

لے کر بنجر اور تشنہ زمینوں کی طرف سفر اختیار کرتی ہے۔

دربارِ رسالت مآب ﷺ کیا تھا' پتھر اور مٹی کی سادہ سی مسجد جس پر کھجور کے پتوں کا چھت ڈالا گیا تھا۔ یہ تھا سلطان بحر و بر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سید المرسلین حضور پُرنور رسالت مآب ﷺ کا وہ دربار گہر بار' جس کے جلال و جمال سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ طاری تھا۔ جس دربارِ اقدس سے جاری ہونے والے احکامات اور کیے جانے والے اقدامات کی بدولت نہ صرف قیصر و کسریٰ کی سپر پاور زمین بوس ہوگئیں بلکہ کرۂ ارضی کا گوشہ گوشہ تعلیماتِ محمدی ﷺ کے نور سے جگ مگا اُٹھا۔

انسان پر انسان کی خدائی کا خاتمہ ہوا اور متمدن اور جمہوری معاشروں کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا یہ دربار پُرانوار سادگی کے حسن سے معمور تھا' نہ کوئی تختِ طاؤس' نہ کورنش بجالانے والے درباری' نہ مورچھل' نہ حبشی غلام' نہ کنیزوں اور باندیوں کی قطار۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے جاں نثاروں کے حلقے میں فروکش ہوتے' اصحابِ رسول نے اپنے آقا و مولا ﷺ کے لیے ایک چبوترہ بنا دیا تھا۔

ادب و احترام رسول کا یہ عالم کہ اصحابِ رسول سانس بھی آہستہ لیتے' نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کسی صورت بھی' کبھی بھی اونچی نہ ہونے دیتے۔ شائستگی' سنجیدگی اور متانت کا ہر لحہ مظاہرہ ہوتا معلمِ اعظم حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے اور ان کی تربیت بھی فرماتے۔ ان کی نفسیاتی اُلجھنیں بھی دُور کرتے اور ان کے گھریلو معاملات کو بھی سلجھاتے۔ آنے والے وفود سے ملاقات بھی یہیں کرتے اور اسی دربار میں وفود کو ٹھہرایا جاتا۔ مختلف امور و مسائل یہیں زیرِ غور آتے اور یہیں فیصلے کیے جاتے' یہیں سے احکام صادر ہوتے اور یہی تعلیم دین قرآن و سنت کا مرکز تھا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم حضورِ اکرم ﷺ ' حضرت کلثوم بن الہدم کے قیام کے دوران' تین دن گھر پر نماز ادا فرماتے رہے اس کے بعد حضورِ پُرنور ﷺ نے قبا میں مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا' جس کی تعمیر میں آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت کی۔ اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین کی طرح تاجدارِ کائنات ﷺ بھی پتھر لاتے رہے۔

جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ عرض کرتا' یارسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان' آپ مشقت نہ فرمائیں۔ آپ ﷺ کے غلام جو موجود ہیں تو آپ ﷺ فرماتے' جاؤ! اسی طرح کا ایک پتھر اُٹھاؤ۔ مساواتِ محمدی ﷺ اسی کا نام ہے۔ عملاً بھی آپ ﷺ نے ثابت کر کے دِکھایا کہ ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے اُٹھایا گیا تھا سب انسان برابر ہیں۔ ہجرت کے بعد یہ ہے جسے والی کون و مکاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے تعمیر کرایا۔

حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا مسجد قبا کی تعمیر کا چشم دید حال بیان کرتی ہیں:

''میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ تبارک تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کی زیارت کی جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ قبا میں تشریف لائے اور یہاں اقامت فرمائی' اور مسجد تعمیر کی۔ جب مسجد قبا تعمیر ہو رہی تھی تو میں نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو دیکھا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پتھر خود اُٹھاتے تھے اور اس پتھر سے گرنے والی مٹی حضورِ اکرم ﷺ کے چمکتے ہوئے شکم مبارک پر پڑتی تھی۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں کوئی صحابی حاضر ہوتا اور عرض کرتا' یارسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر قربان ہوں' یہ پتھر مجھے عطا فرمایئے کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے اُٹھا کر لے جاؤں' تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ فرماتے ''لاخذ مثلہ'' اسے رہنے دو' تم اس جیسا کوئی اور پتھر اُٹھا کر لے جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچی۔''

یہ مسجد ایک ایسے میدان میں تعمیر کی گئی جہاں پہلے کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اور یہ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ' حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے میزبان کی ملکیت تھی۔ انہوں نے زمین کا یہ ٹکڑا مسجد تعمیر کرنے کے لیے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۰)

یہ پہلی مسجد تھی جسے ہجرت کے بعد حضور پُرنور سرورِ دوعالم ﷺ نے تعمیر کیا اور اس میں بھاری بھرکم پتھر اُٹھا کر لے آئے اور اس کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ یہی وہ مسجد ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں یہ آیت (آیت 108) مبارکہ نازل ہوئی:

لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝

ترجمہ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے' پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں' اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تبارک تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔'' (سورۂ توبہ آیت ۱۰۸)

اس آیت کا یہ مقصد نہیں کہ صرف یہ مسجد ہی ایسی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور اس کے علاوہ کوئی مسجد نہیں جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو بلکہ اس مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مسجدیں ہیں جو اس کے بعد تعمیر ہوئیں اور ان کی بنیاد بھی تقویٰ پر رکھی گئی تھی جیسے مسجد نبوی اور دیگر مساجد۔

احادیث میں مسجد قبا کی بڑی شان مذکور ہے۔ حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ہر ہفتے کے روز پیدل یا سوار ہو کر تشریف لے آیا کرتے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص وضو کرتا ہے اور وضو بڑی عمدگی سے کرتا ہے پھر باوضو ہو کر مسجد قبا میں آتا ہے اور اس میں

نماز پڑھتا ہے تو اس کو عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔"
امام ترمذی اور حاکم نے یہ روایت نقل کی ہے۔
حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے روایت کیا' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا:
"مسجد قبا میں نماز کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ سوموار اور جمعرات کو مسجد قبا میں ضرور تشریف لاتے تھے اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے اس مسجد کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔
پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' تاجدارِ کائنات' رحمتِ دو عالم ﷺ ربیع الاوّل شریف کی بارہ (۱۲) تاریخ کو بروز سوموار' پیر (دوشنبہ) قبا میں اس وقت تشریف فرما ہوئے جب سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔
سوموار کے دن کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات پاک اور حیاتِ طیبہ کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے۔
"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ولادت باسعادت سوموار کو ہوئی' تاجِ نبوت بھی سوموار کے روز پہنایا گیا۔ خانہ کعبہ کی دیوار کے کونے میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حجر اسود بھی سوموار کے روز رکھا' ہجرت بھی سوموار کے روز ہوئی اور سوموار کے روز ہی اس عالمِ فانی سے عالمِ بقاء کی طرف رحلت فرمائی۔"

(کتب حدیث وسیرت' ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

یہ امر توجہ طلب ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اس عالم رنگ و بو میں تشریف آوری سے پہلے بھی کئی مہینے اور کئی دن خصوصی شان اور عظمت کے مالک تھے۔ سارے عرب میں اشہر حرم کی عزت کی جاتی تھی' ہفتے کا دن یہود کے نزدیک اور اتوار کا دن نصاریٰ کے نزدیک بہت محترم تھا۔ محرم کی دسویں تاریخ کو بڑے بڑے واقعات رونما پذیر ہوئے تھے جن کے ذریعے حق کا بول بالا ہوا تھا اور باطل کو دائمی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب خاص کریم و رؤف و رحیم ﷺ کی ولادت باسعادت کے لیے نہ ان معتبرک مہینوں سے کوئی مہینہ منتخب کیا اور نہ ان عظیم الشان دنوں میں سے کسی دن کا انتخاب فرمایا بلکہ ماہِ ربیع الاوّل اور یوم سوموار' پیر (دوشنبہ) کو یہ شرفِ عظیم فرمایا جن کی اس سے پہلے کوئی خصوصیت اور اہمیت نہ تھی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟
حکمائے اسلام نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ اگر کسی پہلے سے طے شدہ متبرک مہینے میں یا بابرکت دن میں حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ولادت ہوتی تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ عبداللہ کا یہ فرزند کیونکر مصدر برکات و سعادات نہ ہوتا جب کہ یہ فلاں برکت والے مہینے میں' فلاں برکت والے دن میں پیدا ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی

غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کے محبوب خاص ﷺ جن کی سب ہی شانیں عظمتیں رفعتیں نرالی اور عظیم ترین ہیں ان کے کسی کمال کو کسی زمان و مکان کا کرشمہ سمجھا جائے بلکہ یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ زمانے کی جس ساعت کو' مکان کے جس خطہ کو جو عزت و سرفرازی اور برکت و سعادت نصیب ہوئی ہے' یہ میرے محبوب ﷺ کے وجود مسعود کا فیضان ہے۔ اس کو صرف میں نے جو اس پیغمبر اوّل و آخر و اعظم (ﷺ) کا خالق اور رب ہوں' یہ عزتیں اور سرفرازیاں وافر عطا فرمائی ہیں۔

قبا سے روانگی

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رسولِ کائنات پیغمبر بحر و بر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ جتنے روز بھی قبا میں قیام فرما رہے' یثرب کے فرزندانِ اسلام صبح و شام' ہر وقت شمع جمالِ مصطفوی ﷺ پر پروانوں کی طرح نثار ہوتے رہتے تھے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کے دیدار کا شوق کشاں کشاں انہیں یہاں لاتا' بے قرار دل اور بے چین آنکھیں اس جمالِ جہاں آراء کی زیارت میں ہمہ وقت محو رہتیں۔ یہ سب لوگ اس لمحے کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپا کرتے تھے جب ان کا ہادی اور رہبر ﷺ ورود مسعود سے ان کے قلب و جان روح دل و ماحول کو منور فرمائے گا۔ ان کے مضطرب دِلوں اور بے چین روحوں کی جھولیوں کو سچی اور ابدی مسرتوں سے معمور کرے گا۔ انصاری ہی اس ساعت مبارک کے لیے مضطرب نہ تھے بلکہ یثرب کے مکانوں کے در و دیوار اس رخ تاباں روئے انور (ﷺ) کی جھلک دیکھنے کے لیے اور اس بستی کے کوچہ و بازار' ان کے قدم ناز کو بوسہ دینے کے لیے بہت پہلے سے بے تاب تھے۔

مسجد قبا کی تعمیر ہو چکی تھی' بستی والے تاجدارِ کائنات' والیٔ کون و مکان ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کر چکے' مشتاقانِ دیدار دامنِ نگاہ میں اُجالے سمیٹ چکے تو سفر ہجرت کا آخری لمحہ اپنے اختتام سے ہمکنار ہوا۔ جب تک حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ قبا میں قیام پذیر رہے' قبا میں جشن کا سا سماں رہا' پروانے دیوانہ وار شمع رسالت ﷺ پر نثار ہوتے رہے۔ لوگ دُور دُور سے حضور پُرنور نبی آخر الزماں ﷺ کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ اہلِ قبا اپنے بخت پر مسرور و شاداں تھے' یہ گھڑیاں اور یہ لمحے پھر کہاں۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ قبا میں حضورِ پُرنور ﷺ کا مستقل قیام ممکن نہیں' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جدائی کا تصور کر کے کانپ اُٹھتے اور قدرتی طور پر ملال ان کے چہروں پر پھیل جاتا۔ یہ اضطراب اور ملال محبتِ رسول اللہ ﷺ کا ایک دل آویز مظہر تھا اب وہ لمحہ قریب آ رہا تھا جب یثرب کا مقدر اوج ثریا سے بھی پرے چمکنے والا تھا۔ اہلِ یثرب اپنے پیارے رسولِ کریم ﷺ کی راہوں میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھے' وہ ایک ایک لمحہ گن رہے تھے کہ کب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تشریف لائیں اور انہیں اپنی میزبانی کا لازوال اعزاز عطا فرمائیں۔
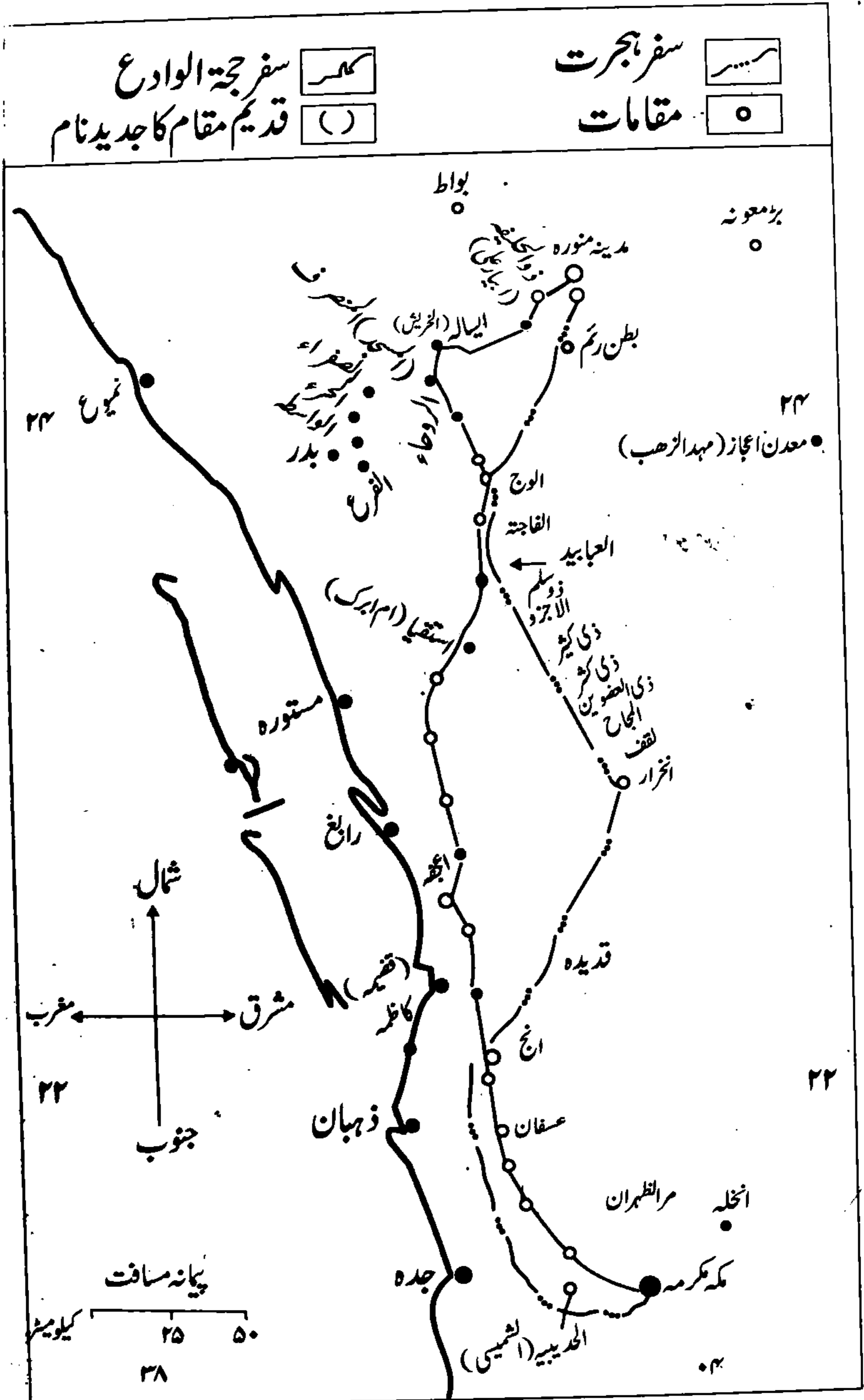
یثرب کو اب مدینۃ النبی کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا جانے والا تھا۔ یثرب کے در و دیوار بھی نبی مکرم و معظم ﷺ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ساعت اب طلوع ہوا چاہتی تھی جس کے انتظار میں صدیوں سے اہلِ کتاب نسل در نسل یثرب اور اس کے مضافات میں آباد تھے۔ ان کی الہامی کتب میں مذکور تھا کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ پر ان کے اپنے شہر والے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں گے تو وہ ہجرت کر کے کھجوروں کے جھرمٹ میں آباد اس شہر میں تشریف لائیں گے۔ سو وہ اس لمحہ جاوداں کے منتظر تھے۔

حضور رحمتِ دو عالم ﷺ نے قبا سے بنونجار کی طرف پیغام بھیجا۔ بنی نجار نے جب ہادیٔ دو جہاں آقائے کائنات ﷺ کی آمد کا مژدہ جانفزا سنا تو جھوم اُٹھے' ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یثرب کے در و دیوار بھی وجد میں آگئے۔ قبیلہ بنونجار کے مرد اپنے جسموں پر اسلحہ سجا کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے کہ چلیے حضور! (ﷺ) غلام حاضر ہیں۔ ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے' آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی کہ وہ آج والیٔ کون و مکاں ﷺ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ آقا ﷺ تشریف لائیے' آپ اپنے آپ کو امن میں پائیں گے۔ یہ منظر دیکھ کر اہلِ قبا کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ حضورِ انور ﷺ کی میزبانی سے محرومی کے تصور نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔

آخر جمعۃ المبارک کی وہ صبح صادق طلوع ہوئی' ہر طرف نور ہی نور پھیل رہا تھا' ہر طرف اُجالا ہی اُجالا تھا جو انسانیت کی شبِ تار کو روزِ روشن میں بدل رہا تھا' اندھیرے غائب ہو رہے تھے' ظلمتوں کے دبیز پردے چاک ہو رہے تھے' اس نیرِ اعظم سراج منیر (ﷺ) کی نورانی شعاعوں کی ہیبت سے ہر نوع کی تاریکیوں پر لرزہ طاری تھا ویسے تو ہر رات کے بعد ہمیشہ صبح طلوع ہوتی ہے اور ہر صبح کی روشنی زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کرتی رہتی ہے لیکن آج کی صبح نرالی صبح تھی اس کے اُجالوں میں اتنی شوخی اور تابانی تھی کہ کوئی تاب نہ لا سکتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس روز رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو مدینہ کی ہر شے جگمگانے لگی تھی۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے فرزند فرماتے ہیں کہ میں اس روز وہاں موجود تھا جس روز رسول اللہ ﷺ نے شہر مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ میں نے آج تک کوئی ایسا دن نہیں دیکھا جو اس روزِ سعید سے زیادہ حسین ہو یا زیادہ روشن ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادیٔ دو جہاں رہبر کائنات سید المرسلین خاتم النبیین سراج منیر ﷺ چند روز قبا کی بستی کو بقعہ نور بنائے رکھنے کے بعد سعادت کا پیکر ہمایوں' خیرات و برکات کا قاسمِ کریم' نوعِ انسانی کا بختِ بیدار اصل الموجودات' حاصلِ کائنات' انسانِ کامل ﷺ آج اس سرزمین کو پایہ عرش بنانے کے لیے روانہ ہو رہا تھا جس کی خاک کے ذرّے ازل سے اس کے پائے ناز کو بوسے دینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ جس کی نسیم

سحر کے جھونکے اس کی زلفِ عنبریں کو چومنے کے لیے دیوانہ وار ازل سے سرگرداں رہا کرتے تھے۔

ان کچے مکانوں، کھجور کی شاخوں، پتوں سے بنے ہوئے چھپروں، روشنی سے محروم در و دیوار جن کو آج تک غربت و افلاس سے جنم لینے والی محرومیوں نے گھیرا ہوا تھا، وہ فخرِ کائنات، فخرِ اولادِ آدم، سراجِ منیر، بدرِ کامل ﷺ آج انہیں ایسی رونقیں بخشنے کے لیے تشریف لا رہا تھا جن پر کسریٰ ایران کا قصرِ ابیض اور قیصرِ روم کے مرمریں محلات سو جان سے فدا ہونے والے تھے۔ چاشت کا وقت ہو گیا ہے۔ ماہِ ستمبر کا سورج اپنی جملہ تمازتوں کے ساتھ جلوہ فشاں ہے۔ یثرب کے سارے کلمہ گو اپنے آقا، اپنے ہادی اور اپنے نبی ﷺ کو اپنے ہمراہ اپنی بستی میں لے جانے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔

جشنِ استقبال میں شرکت کرنے والے تمام حضرات نے بہترین لباس زیبِ تن کیے ہوئے ہیں، ہتھیار اپنے جسم پر سجائے ہوئے ہیں۔ خارہ شگاف شمشیروں کی چمک سے سورج شرما رہا ہے اور نیزوں کی سنانیں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہیں، ان کی چمک اور تیزی سے اہلِ باطل کے جگر گداز ہو رہے ہیں۔ حبشہ کے سیاہ رنگ حبشی بھی اظہارِ مسرت میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ وہ اپنے آقائے دو جہاں، تاجدارِ کائنات ﷺ کے قرب میں خوشی و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے ہتھیاروں سے جنگی کرتب دِکھا رہے تھے، آج وہ کیونکر خوش نہ ہوتے، آج وہ تشریف لا رہا ہے جس کے قدموں کی خاک نے ان کی کالی رنگت کو وہ عظمتیں بخش دی تھیں جن پر فردوس بریں کی حوریں بھی سو جان سے قربان ہونے لگی تھیں۔

اب انہیں کوئی ان کی سیاہ روئی کا طعنہ نہ دے سکے گا، ان کے موٹے ہونٹوں اور چھوٹے ناکوں کے باعث کوئی انہیں حقیر اور ذلیل نہ سمجھ سکے گا بلکہ اُمتِ مسلمہ کا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انہیں ''حضرت'' کہہ کر پکارے گا۔ جب مکہ فتح ہو گا اور جب بیت اللہ شریف بتوں کی نجاستوں سے پاک کر دیا جائے تو اس روز کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید کبریائی اور اس کے محبوب بندے (ﷺ) کی رسالت اور شانِ مصطفائی کا اعلان کرنے کے لیے کسی عرب کو، کسی قریشی کو، کسی ہاشمی کو منتخب نہیں کیا جائے گا بلکہ اہلِ حبش کے ایک فرد کو نگاہِ رسالت مآب ﷺ منتخب فرمائے گی اور اسے حکم دے گی کہ اے بلال! (رضی اللہ عنہ) چڑھ جا کعبہ کی چھت پر اور اذان دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اس روز حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی یہاں آمد پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے حبشیوں نے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ جنگی کرتب دِکھائے۔ (راوی امام احمد، ابوداؤد)

اللہ تبارک تعالیٰ نے بڑی فیاضی سے اہلِ یثرب کو حسن و جمال کی نعمت وافر عطا فرمائی ہے لیکن آج تو ان کے شباب اور ان کی رعنائیوں کا رنگ ہی نرالا ہے۔ چاند آپ (ﷺ) کی طلعتِ زیبا کو دیکھ کر ماند پڑ گیا ہے اور

شگفتہ پھول آپ ﷺ کے رخساروں کی رنگت کے سامنے شرمسار ہورہے ہیں۔ وہ خوش نصیب آج اللہ تبارک تعالیٰ کی شانِ تخلیق کے شاہکار کے حسن کے جلوؤں کے مشاہدے میں غرق ہیں' دلوں کے جام اس بدرکامل' سراج منیر (ﷺ) کی محبت کے شرابِ طہور سے لبالب بھرے ہیں۔ انہوں نے اپنے سینوں کو ہر قسم کی آلائشوں اور آلودگیوں سے پاک کردیا ہے تاکہ وہ سینے ان کے کریم آقا ﷺ کے دل آویز انوار کی جلوہ گاہ بن سکیں۔

آخرکار وہ سعید لمحہ آتا ہے جس کے انتظار میں عرصے سے وہ دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے ہیں۔ قصویٰ نامی ناقہ پیش کی جاتی ہے جس پر ایک سادہ سا پالان کسا ہوا ہے' عرشِ اعظم و کون و مکان کا یکتا شہسوار پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضور پُرنور ﷺ رکاب میں قدم مبارک رکھ کر اس پالان پر جلوہ فرما ہے' گلشنِ ہستی پر بہار آجاتی ہے' ہر طرف عید کا سماں ہے' قرب و جوار انوارِ حضورِ پُرنور' پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضورِ انور ﷺ سے جگمگا رہے ہیں۔

اس تھوڑے سے فاصلے کی دُوری کے خیال و تصور نے سارے قبیلے عمرو بن عوف کو مضطرب کردیا۔ سارا قبیلہ عمرو بن عوف' حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! ﷺ آپ ہم سے بے زار ہوکر تو نہیں جارہے یا پھر آپ ﷺ ہمارے گھر سے بہتر گھر کی طرف (جانے) کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

پیغمبِر اوّل وآخر واعظم سید المرسلین خاتم النبیین رحمت للعالمین ﷺ اپنے غلاموں کی جذباتی کیفیت سے آگاہ تھے' اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا:

"مجھے ایسی بستی کی طرف جانے کا حکم دیا گیا ہے جو بستیوں کی سردار ہے پس (میری) اس (اونٹنی) کا راستہ چھوڑ دو کہ یہ مامور (من اللہ) ہے۔ (اللہ نے جو راستہ اسے بتایا ہے یہ اس پر از خود چلے گی")(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۵)

روانگی کا وقت آگیا' تاجدار کائنات شاہِ عرب و عجم ﷺ قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہوئے' یثرب کے لیے چلے' ہر طرف غلاموں کا ہجوم تھا' شوقِ محبتِ رسولِ کریم ﷺ بے کراں تھا' فضا درود وسلام کے نعروں سے گونج رہی تھی' اور رستوں سے معمور تھی' عبداللہ بن زبیر قبا کی مہربان فضاؤں سے حضورِ انور ﷺ کی روانگی کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

"یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا جب دن چڑھ آیا تو حضورِ انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری طلب فرمائی اور مسلمان جمع ہوگئے' انہوں نے اسلحہ پہن رکھا تھا' رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے' لوگ آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور پیچھے کچھ پیدل اور کچھ سوار چل رہے تھے"۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۵)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور تاجدارِ کائنات ﷺ کا جلوس یثرب کی طرف روانہ ہوا' جلوس قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا' ہر شخص کی کوشش تھی کہ حضورِ پُرنور ﷺ کی اونٹنی کی مہار کو تھامنے کی سعادت حاصل کرے۔ گویا ہر شخص زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ''اے آسمان! گواہ ہو جا کہ جب حضورِ پُرنور ﷺ یثرب کی طرف چلے تھے تو میں نے بھی حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھامنے کا اعزاز حاصل کیا تھا' میں نے بھی اس کاروانِ عشق کی دُھول کو اپنے ماتھے کا جھومر بنایا تھا۔ غلامانِ رسول ہاشمی تھے کہ ٹوٹے پڑتے تھے' نہ تن کا ہوش نہ من کا ہوش۔

حدیث پاک میں ہے کہ:

''وہ ناقہ کے اردگرد رواں دواں تھے' حضورِ پُرنور ﷺ کے ساتھ محبت اور تعظیم کی وجہ سے مہار تھامنے کی خاطر ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے۔'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۹۲)

تاجدار کائنات' آقائے دو جہاں' اپنے آقا ﷺ کو یوں سوار دیکھ کر دل و جاں نثار کرنے والے غلاموں پر کیف و مستی کا ایک عجیب سماں طاری ہو جاتا ہے' اچانک نعرے بلند ہونے لگتے ہیں:

''تشریف لا رہے ہیں''

''تشریف لے آئے ہیں''

ان پُرجوش نعروں سے ساری فضا گونج اُٹھتی ہے' اور باطل و طاغوت کے پرستاروں کے دل پھٹنے لگتے ہیں' اصنام و اوثان کے پجاریوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید اور اس کے محبوب نبی ﷺ کی رسالت کے نعروں سے حق کا پرچم بلند ہو جاتا ہے۔

جاں نثاروں کا بے پناہ ہجوم ہے' گلیوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں' اردگرد کے مکان اور ان کی چھتیں شوقِ دیدار میں بے خود اور بے قابو ہونے والوں سے بھری ہوئی ہیں۔ بچے' جوان' بوڑھے' کمسن بچیاں اور پردہ دار خواتین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔

معصوم بچیاں اور اوس خزرج کی عفت شعار دوشیزائیں' دفیں بجا بجا کر دل و جان سے عزیز و محبوب معزز محترم و عالی مقام مہمان کو ان اشعار سے خوش آمدید کہہ رہی ہیں:

۱- ''ثنیات الوداع (وہ چوٹی جہاں مہمانوں کو الوداع کہی جاتی ہے) سے چودھویں کے چاند نے ہم پر طلوع فرمایا ہے۔

۲- جب تک اللہ تبارک تعالیٰ کو پکارنے والا اس کو پکارتا رہے گا' ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں۔

۳- اے ہمارے پاس نبی (ﷺ) بن کر تشریف لانے والے' آپ ﷺ اس طرح تشریف لے آئے ہیں کہ

آپ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے گی۔''

علامہ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ یہ اشعار حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے موقع پر نہیں پڑھے گئے تھے کیونکہ ان میں ثنیات الوداع کا ذکر ہے۔ یہ ٹیلہ ہے اس پہاڑی راستے پر واقع ہے جہاں اہلِ مدینہ شام کی طرف سفر کرنے والے دوستوں اور عزیزوں کو الوداع کہا کرتے تھے کیونکہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے اور اس پر کوئی ایسا ٹیلہ نہیں جو ثنیۃ الوداع کے نام سے مشہور ہو۔

ابن قیم کا خیال ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ جب غزوۂ تبوک سے مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے تھے اس وقت مدینہ کی بچیوں نے ان اشعار سے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کا استقبال کیا تھا۔

علامہ ابن قیم کا یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا۔ معروف جغرافیہ دان علامہ یاقوت حموی نے اپنی مشہور کتاب ''معجم البلدان'' میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے وہ ثنیات الوداع کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یعنی لفظ وداع کی واؤ پر زبر ہے اور یہ تودیع مصدر کا اسم ہے۔ یہ ایک اُبھرا ہوا ٹیلہ ہے جو مدینہ منورہ پر جھکا ہوا ہے جو لوگ مکہ جاتے تھے اس جگہ سے گزر کر جاتے تھے پھر کہا گیا ہے کیونکہ مدینہ سے مکہ جانے والے مسافروں کو اس مقام پر الوداع کہی جاتی تھی اس لیے اس مقام کا نام ثنیات الوداع مشہور ہو گیا۔''

(مجمع البلدان جلد ۲ صفحہ ۸۶) (سبل الہدیٰ والرشاد امام محمد بن یوسف جلد ۳ صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۸)

قبیلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف

ہر لحظہ ہجوم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ قصویٰ کے لیے چلنا دشوار ہو رہا ہے عاشقانِ رسول دیدارِ رسول ﷺ کے لیے قریب سے قریب تر جگہ کی تلاش میں راستوں چھتوں اور اونچی جگہوں پر ہجوم کی شکل میں جمع ہو رہے ہیں سارے راستے پر لوگ جمع ہیں اور ہجوم میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا ہے اور اس ہجوم کا کچھ حصہ تو اپنے شوق وخوشی میں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے ساتھ ساتھ جلوس کی شکل میں سوئے یثرب رواں دواں ہے۔

اس جلوسِ مبارک کو حرکت میں آئے کافی وقت گزر گیا ہے لیکن بمشکل چند فرلانگ کا فاصلہ طے ہوا اہلِ صدق وصفا اربابِ عشق ووفا کا یہ قافلہ اپنے مرشد ورہبر اپنے محبوب ودلبر ﷺ کی قیادت میں بنی سالم بن عمرو بن عوف کے محلے میں جب پہنچا تو سورج ڈھل گیا تھا اور نمازِ جمعہ ادا کرنے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہیں ایک کھلے میدان میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ چند لمحوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اپنی صفیں درست کر لیں اور بصدِ ادب واحترام خشوع وخضوع اپنے رب قدیر وکریم کی بارگاہِ صمدیت میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۹۳)

حضور پُرنور نبی مکرم پیغمبر اوّل وآخر واعظم ہادیٔ انس وجاں رہبر کائنات خاتم النبیین سید المرسلین افصح (حد

سے زیادہ خوش کلام) عرب و عجم ﷺ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس کی فصاحت و بلاغت نے سامعین پر وجد و محویت کی ایک عجیب کیفیت طاری کر دی۔ سچے موتیوں سے زیادہ آب دار کلمات میں معانی و معارف کے جو سمندر موجزن تھے' انہوں نے دِلوں کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ عقلِ سلیم دماغوں میں حاوی ہوگئی اور اذہان کی سوچیں بدل گئیں۔ سود و زیاں' فنا و بقاء کے نئے معیاروں کی نقاب کشائی کر دی گئی۔ یہ پہلی نمازِ جمعہ تھی جو تمام انبیاء و رُسل کے امام کی قیادت میں اوس و خزرج کے اہلِ ایمان اور جملہ مہاجرین کو ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ جمعہ کا پہلا خطبہ تھا جو یثرب کے آزاد ماحول میں محسنِ انسانیت' ہادیٔ انس و جاں ﷺ نے بنی نوعِ انسان کو گمراہی' ظلمت و ضلالت سے نکال کر راہِ راست پر گامزن کرنے اور انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا جمعہ بنی سالم بن عوف میں ہوا اور جمعہ کی نماز آپ ﷺ نے اس مسجد میں ادا فرمائی جو وادی رانونا کے درمیان ہے۔ جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی جو مدینہ میں آپ ﷺ نے ادا فرمائی۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۹۴)

تاریخ طبری از امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۶ پر اس خطبے کا متن یوں درج ہے:

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' میں (ﷺ) اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ میں (ﷺ) اللہ ہی سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اسی سے ہدایت طلب کرتا ہوں۔ میں (ﷺ) اس (اللہ جل جلالہ) پر ایمان لایا ہوں اور میں (ﷺ) اس (اللہ جل جلالہ) کا انکار نہیں کرتا اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے دشمنی کروں گا اور میں (ﷺ) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

جنہیں (اللہ نے) بھیجا ہے ہدایت' دینِ حق' نور اور موعظت کے ساتھ۔ اس وقت جب انبیاء کی آمد کے سلسلے میں طویل وقفہ آ چکا تھا (اور اس دور میں جب) علم قلیل ہو گیا تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور (اس دور میں آئے جب) دنیا ختم ہونے والی تھی' قیامت اور موت قریب آ چکی تھیں۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی تو بے شک وہی ہدایت یافتہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے' وہ گمراہ ہوا اور وہ گمراہی میں حد سے بڑھ گیا اور تاریکی میں دُور نکل گیا۔

اور میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ سب سے بہتر وصیت جو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کر سکتا ہے' وہ اسے اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے تیار کرتا ہے اور اسے (مسلمان بھائی کو) اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سے یوں ڈرتے رہو جیسے اس نے تمہیں اپنے غضب سے ڈرایا ہے اس

نصیحت سے بہتر اور کوئی نصیحت نہیں اور نہ اس سے بہتر کوئی یاد دہانی ہی ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کا خوف رکھتے ہوئے نیک عمل کرنا ہی تقویٰ ہے۔

اور قیامت کے دن جس چیز کی (شفاعت' حساب میں نرمی اور حصولِ جنت) تم خواہش رکھتے ہو (اس کے حصول کے سلسلے میں) یہی (نصیحت) سچی مدد ہے اور جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان تمام ظاہری اور باطنی حالات کی اصلاح کرتا ہے اور وہ ہر عمل میں اللہ کی رضا طلب کرتا ہے تو اس کا یہ عمل دنیا میں اس کے ذکر کو بلند (شہرت) میں اضافہ کرے گا اور آخرت کے لیے اس کے لیے (اس وقت فائدہ مند ثابت ہوگا)۔ جب اسے اعمالِ حسنہ (اپنے بھیجے ہوئے اعمال) کی ضرورت ہوگی اور وہ خواہش کرے گا کہ ان اعمالِ حسنہ کے علاوہ جو بُرے اعمال ہیں' وہ آج مجھ سے دُور رہیں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے (بُرے اعمال سے روکنے کی خاطر لیکن اس کے باوجود) اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔

اور جو شخص اپنی بات کو سچا ثابت کر دے گا اور اپنے وعدوں کو پورا کرے گا تو اس کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ اپنے کیے ہوئے وعدوں کو بھی پورا کرے گا کیونکہ وہ اپنے وعدے سے نہیں پھرتا اور نہ بندوں کے ساتھ (کسی قسم کا) ظلم ہی کرتا ہے۔ جو کام تم کر رہے ہو اور جو کام تم بعد میں کرو گے' چاہے وہ پوشیدہ ہوں یا اعلانیہ (ان تمام کاموں میں) اللہ سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ جو اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرتا ہے' اللہ تبارک تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور قیامت کے دن اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ اور اللہ سے ڈرنے والے کے لیے عظیم کامیابی ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرنا انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ کے خوف اور اس کے عذاب سے بچاتا ہے اور اللہ کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے۔

بے شک خوفِ خدا سے (انسان کا) چہرہ روشن ہو جاتا ہے' اسے رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس کے درجات میں بلندی اور اضافہ ہوتا ہے۔ تم اپنا حصہ (سعادت) حاصل کر لو' اللہ تبارک تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی نہ کرو' اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب (قرآن) کی تعلیم دے دی ہے اور تم پر اپنا راستہ (صراطِ مستقیم) واضح کر دیا ہے تاکہ اللہ تبارک تعالیٰ آزمائے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ اور تم (لوگوں پر) احسان کرو جیسے اللہ تبارک تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تم بھی دشمنی رکھو اور اللہ کے راستے میں ایسے جہاد کرو جیسے کرنے کا حق ہے۔ اور اللہ نے تمہیں اس کام کے لیے منتخب کیا ہے اور اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ تم میں سے جو ہلاک (شہید) ہونا چاہے' وہ کسی دلیل (مقصد) کی خاطر زندہ رہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں قوت نہیں ہے۔

پس کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو اور موت کے بعد (آنے والی) زندگی کے لیے اعمال کیا کرو۔ پس جو شخص اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان معاملات درست کر لیتا ہے (احکامِ خداوندی پر عمل کرتا ہے) تو اللہ

تبارک تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملات کو درست کر دیتا ہے یہ اس طرح کہ اللہ تبارک تعالیٰ لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرماتا ہے نہ کہ لوگ اپنے بارے میں اپنی مرضی نافذ کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ لوگوں کے تمام احوال کا مالک ہے جبکہ لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے۔ اللہ تبارک تعالیٰ بہت بڑا ہے اور اس کی مدد کے بغیر کوئی قوت اور طاقت نہیں جو بہتر اعلیٰ اور عظمت والا ہے۔''

(تاریخ الطبری جلد ۲ صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶ السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۱)

علامہ ابن کثیر نے یہ روایت امام ابن جریر طبری سے نقل کی ہے اگرچہ بعض کتب میں دو اور خطبے بھی مذکور ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں پہلے جمعہ کے موقع پر ارشاد فرمائے لیکن درست قول یہ ہے کہ یہی وہ ایمان افروز اور روح پرور خطابِ کریم ہے جو ہادیٔ انس و جاں رحمتِ دوعالم ﷺ نے یثرب (مدینہ طیبہ) میں آمد مبارک سے پہلے راستے میں وادی رانونا میں نمازِ جمعہ ادا کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا۔

دوسرے جو خطبے بعض کتب میں درج ہیں اور انہیں اوّلین خطبہ کہا گیا ہے' یہ وہ خطبے ہیں جو مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں ایک پرانی کھجور کے مُڈھ کے ساتھ ٹیک لگا کر ارشاد فرمائے تھے۔

علامہ محمد الصادق ابراہیم العرجون اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ دو خطبے جنہیں ابن اسحاق نے ذکر کیا تھا اور پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ اپنے شیخ ابوعبداللہ الحاکم سے روایت کیا ہے' یہ وہ خطبے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی مسجد میں پہلے ارشاد فرمائے نہ کہ بنی سالم بن عوف کی مسجد غبیب میں' وہ خطبہ جو ابن جریر نے روایت کیا ہے' ان تین خطبوں میں سے وہی اوّلین خطبہ ہے جو وادیٔ رانونا میں بنی سالم بن عوف کے محلے میں اس مسجد میں ارشاد فرمایا جو مسجد غبیب کے نام سے معروف ہے۔ حقیقتاً مطلق اوّلیت اسی خطبہ کو حاصل ہے' دوسرے دو خطبے ان کی اوّلیت اضافی ہے یعنی کہ مسجد نبوی میں سب سے پہلے یہ خطبے دیئے گئے۔'' (محمد رسول اللہ از صادق ابراہیم العرجون جلد ۲ صفحہ ۵۸۴)

قبیلہ بنی سالم

جس علاقے میں بنی سالم کا محلہ تھا اس کا نام وادیٔ رانونا تھا یہاں کھلے میدان میں حضور پُرنور سرورِ کائنات اصل الموجودات نبی کریم ﷺ نے پہلی نمازِ جمعہ ادا کی۔ وہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی' وہ مسجد ''غبیب'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے تو قبیلہ بنی سالم کے چند حضرات خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے جن کی قیادت و ترجمانی ان کے دو سردار حضرت عتبان بن مالک اور حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما کر رہے تھے اور انہوں نے دست بستہ التجا پیش کی:

''یارسول اللہ! ﷺ ہمارے پاس ٹھہریئے۔ ہمارے قبیلے کی تعداد کافی ہے اور ہمارے پاس اسلحہ اور

دیگر سامان بھی بکثرت ہے اور ہم آپ ﷺ کے دفاع کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔''

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۹۴)

اپنے غلاموں کی یہ التجا سُن کر ہادیٔ دو جہاں والی کون و مکاں ﷺ نے فرمایا:

''میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو' اسے اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے خاص مقام پر ٹھہرنے کا حکم مل چکا ہے۔'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۴۹۴)

سبل الہدیٰ والرشاد میں محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ قبیلہ بن سالم اور حضورِ اکرم ﷺ کے درمیان دلچسپ مکالمہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوفل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ کر عرض کرتے ہیں:

''یارسول اللہ! ﷺ شرفِ میزبانی عطا فرمائیں کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں اور ہمارا خاندان اور وسیع حلقہ احباب ہے اور ہم وسیع زمین اور باغات والے ہیں اور رسائی والے ہیں۔ یارسول اللہ! ﷺ عربوں میں سے کوئی شخص خوف زدہ حالت میں اس شہر میں داخل ہو اور ہماری پناہ طلب کرے تو ہم اسے کہتے ہیں' اپنی مرضی سے جہاں چاہو' رہو۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ مسکرانے لگے اور فرمایا اس (اونٹنی) کا راستہ چھوڑ دو کہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۷)

''میری اونٹنی کا راستہ خالی کر دو' اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم مل چکا ہے' یہ حکمِ الٰہی کے مطابق ٹھہرے گی۔''

اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد سُن کر دِلوں میں خلوص و محبت کے جو طوفان اُمڈ رہے تھے' سہم گئے' کسی کو مزید اصرار کی ہمت نہ ہو سکی' سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اونٹنی کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ وہ خوش بخت اونٹنی' شہسوار میدانِ نبوت و رسالت مآب ﷺ کو اپنے اوپر اُٹھائے خراماں خراماں اس منزل کی طرف روانہ ہوئی جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے ﷺ کی مستقل قیام گاہ بننے کے لیے چنا تھا۔

کیا سہانا منظر ہوگا' غریب پرور اور دل نواز آقائے دو جہاں' تاجدارِ کائنات ﷺ کی سواری آگے بڑھ رہی ہے' سراپا خلوص و ایثار غلاموں کا جمِ غفیر اپنے آقا ﷺ کے گرد حلقہ باندھے ہے۔ سارے راستے اور گلیاں بھری ہوئی ہیں۔ مکانوں کے صحن اور ان کی ساری چھتوں پر خواتین سراپا انتظار بنی وارفتگی شوق میں ایک دوسرے سے کہہ رہی ہیں' ہماری آنکھوں کا نور اور دِلوں کا سرور ہادیٔ انس و جاں رہبر کائنات سید کونین حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تھوڑی ہی دیر میں ہم تک پہنچنے والے ہیں۔ بدرِ کامل' سراجِ منیر' حضور پُرنور ﷺ ہمیں دیدار بخشنے والے ہیں۔

ہر شخص کی آرزو تھی کہ حضورِ پُرنور ﷺ اس کے گھر قیام کریں اور اسے ازلی رحمتوں اور برکتوں سے

نوازیں۔ ہر کوئی دیدہ و دل فراش راہ کیے تھا' ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ دیوانہ وار کبھی حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی سواری کے آگے چلتے' کبھی پیچھے' کبھی دائیں' کبھی بائیں اور حضور پُر نور ﷺ کی ناقہ کی مہار تھامنے کے لیے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے۔ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کا یہ جوش و خروش دیکھ کر دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ عرب کے تمدن میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کے آثار دیکھ کر انہیں اپنا وجود خطرے میں نظر آنے لگا' قافلہ عشق قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

بنی بیاضہ

ہجوم و اژدہام عاشقانِ حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سبب جلوس مبارک آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے سوئے یثرب (مدینہ طیبہ) رواں دواں تھا۔

اصحابِ رسول ﷺ کے دل مسرت سے بلیوں اُچھل رہے تھے۔ مسرت و شادمانی کا حصار انہیں اپنی بانہوں میں لیے ہوئے تھا' چہرے فرطِ جذبات سے گلنار ہو رہے تھے۔ جلوس بنی بیاضہ کے نواح میں پہنچا تو حضرت زیاد بن لبید اور حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے قبیلے کے چیدہ چیدہ افراد کی معیت میں حضور انور نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے اور عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ! ﷺ مواساۃ' عزت' ثروت' کثرت اور قوت (والے قبیلے) کی طرف تشریف لائیں۔ یارسول اللہ! ﷺ ہم اہلِ درک ہیں۔ (حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے دفاع کی پوری طاقت رکھتے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اس (اونٹنی) کا راستہ چھوڑ دیں کہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۸)

''اس کا راستہ خالی کر دو' اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم مل چکا ہے' یہ حکمِ الٰہی کے مطابق قیام کرے گی۔''

یہ لوگ بھی فرمانِ رسالت مآب ﷺ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور اونٹنی کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔

دار بنی ساعدہ

فرمانِ حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سنا تو بنی بیاضہ کے لوگوں نے سر تسلیم خم کر دیے۔ اگرچہ ان کی تمنا بھر نہ آئی لیکن فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کے آگے کسے دَم مارنے کی مجال تھی۔ حضور پُر نور ﷺ آگے بڑھ رہے تھے' اہلِ جلوس کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اب بنو ساعدہ کا علاقہ آ گیا جہاں حضرت سعد بن عبادہ' منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما بنی ساعدہ کے قبیلے کے چیدہ چیدہ افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے اور یوں عرض پرداز ہوئے:

''یارسول اللہ! ﷺ عزت' ثروت' قوت اور طاقت (والے قبیلے) میں تشریف لائیں۔''

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض گزاری:

''یارسول اللہ! ﷺ میری قوم میں سے کوئی شخص باغات' دولت' قوت اور تعداد میں مجھ سے زیادہ نہیں۔''

حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوثابت! (حضرت سعد بن عبادہ کی کنیت) اس (اونٹنی) کا راستہ چھوڑ دو کہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۸)

ارشاد حضور پُرنور نبی کریم ﷺ سماعت فرما کر جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ نے انتہائی ادب واحترام سے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی ناقہ کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

مختلف قبائل کے علاقوں سے گزرتے ہوئے حضورِ انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا گزر عبداللہ بن ابی بن سلول کے مکان کے پاس سے ہوا' وہ کیونکہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا' حضور پُرنور ﷺ نے اس کے پاس اُترنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن اس کی بدبختی نے اسے اجازت نہ دی کہ وہ اس ابدی سعادت سے اپنے آپ کو بہرہ ور کر سکے اس بدنصیب نے کہا:

''ان کے پاس جائیے جنہوں نے آپ ﷺ کو بُلا بھیجا ہے اور ان کے ہاں قیام کیجیے۔''

اس کے اس جواب سے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یارسول اللہ! ﷺ اس کی بات سے حضور ﷺ غم زدہ نہ ہوں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے کہ ہم نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا پروگرام بنایا تھا۔ زرگر کے پاس اس کے لیے سنہری تاج بن رہا تھا۔ اچانک ہم پر اللہ تبارک تعالیٰ نے احسان فرمایا اور حضور پُرنور ﷺ نے یہاں نزول مبارک فرمایا' اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اس لیے بے چارہ غم و غصے سے پیچ و تاب کھا رہا ہے اور ایسی نازیبا گفتگو اس کی زبان سے صادر ہو رہی ہے۔'' (السیرۃ الحلبیہ جلد ا صفحہ ۴۵۴)

یثرب کی دہلیز پر

بنی سالم' بنو ساعدہ یثرب کے مغربی سمت حرہ برہ (سنگلاخ میدان) کے قرب وجوار میں آباد تھے' تاجدارِ کائنات' سرکارِ دوعالم حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی قیادتِ عظمیٰ میں جب یہ جلوس روانہ ہوا تھا تو وادیٔ رانونا سے گزرنے کے بعد سنگلاخ پہاڑی راستے سے گزرا تو بنو ساعدہ کے معززین نے شرکائے جلوس کا استقبال کیا اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں درخواست گزاری کی یارسول اللہ! ﷺ میزبانی کا شرف ہمیں بخشیے اب جلوس کے شرکاء ہادیٔ کون ومکاں ﷺ کی قیادت میں یثرب کی دہلیز پر کھڑے تھے وہاں سے جلوس مشرق کی طرف مڑا اور یثرب کی اصل آبادی میں داخل ہوگیا۔

تاجدارِ کائنات' سرکارِ دو عالم والی کون و مکان ﷺ اپنے جاں نثاروں کے جھرمٹ میں یثرب کی دہلیز پر کھڑے تھے' سرزمینِ یثرب جو ازل سے اس ساعت دل نواز کی منتظر تھی' وہ مقدس خوش نصیب زمین جس کا ایک ایک ذرہ تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کے تلوؤں کے دھوون کے لیے تڑپ رہا تھا۔ آسمان کی بلندیوں کو چھونے والی اس سرزمین نے بڑھ کر انتہائی ادب واحترام سے حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قدموں کو تھام لیا اور تاریخ نے ان یادگار لمحات کو اذنِ دوام بخشتے ہوئے یثرب کی خاک کے سر پر مدینۃ النبی کا تاج سجا دیا اور مدینۃ النبی آنِ واحد میں پوری کائنات کی نگاہوں کا مرکز بن گیا' دھنک کے ساتوں رنگ ارضِ مدینہ پر اُترے اور شہر حضورِ پُرنور نبی کریم ﷺ کے ذرے ذرے کا پیرہن بن گئے۔

اے سرزمینِ مدینہ! اپنے بخت رسا پر ناز کر' اے نسیم سحر! آہستہ چل' اے پہاڑو! بہر سلامی جھک جاؤ' وادیٔ بطحا کے نظارو! جشن مناؤ' رعنائیوں کے جھرمٹو! زمین پر اُتر آؤ' آسمان کی وسعتو! خاکِ انور کا بوسہ لو' شاداب موسمو! حضورِ پُرنور ﷺ کے قدموں سے لپٹ جاؤ' اے مخمور ساعتو! عالمِ وجد میں آؤ کہ آج مدینے کے مقدر کا ستارہ اوجِ ثریا سے بھی پرے' سدرہ کی بلندیوں سے بھی کہیں آگے چمک رہا ہے۔ ہر طرف نور کی بارش ہو رہی ہے' رحمت کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں' آج کا سورج ایک نئے دور کے آغاز کی بشارت لے کر طلوع ہوا ہے۔ بدرِ کامل' سراجِ منیر ﷺ نے اسے اور منور کر دیا ہے۔ اے طیبہ کی ہواؤ! صبحِ نو کے اُجالوں سے اپنا دامن بھر لو کہ اب ظلمتِ شب اپنا رختِ سفر باندھ کر رخصت ہو رہی ہے۔

آمدِ مصطفیٰ مرحبا مرحبا

جانِ نثارانِ مصطفیٰ ہر روز قبا میں اپنے آقا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے، دامن آرزو کو دیدار مصطفیٰ کی تجلیوں سے بھرتے، طشتِ ارمان میں جذبوں کے پھول سمیٹتے، تصور میں وہ اپنے محبوب' نبی کریم ﷺ کو اپنے درمیان دیکھتے ہوئے لمحہ گن رہے تھے کہ کب حضورِ پُرنور ﷺ ان کے شہر کو اپنی قدم بوسی کا شرف بخشیں کب ان کی روحوں کو قرار آئے، کب ان کے دلوں کو سکون کی دولت نصیب ہو۔ پیمانہ صبر تھا کہ لبریز ہوا جاتا تھا، انتظار کی گھڑیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں۔

اب ہر دل میں یہ ارمان مچلنے لگا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اسے میزبانی کا شرف بخشیں۔ جذبے سینوں میں مچل رہے تھے، آرزوئیں چشم و چہرے سے عیاں ہو رہی تھیں، ایک عجب کیف کے عالم میں شب و روز گزر رہے تھے۔ عورتیں اور بچے بھی ہادی برحق ﷺ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جس روز فصیل شہر پر آفتاب رسالت طلوع ہوا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ دیوانہ وار حضورِ پُرنور نبی کریم ﷺ کے جلوس کی پیشوائی کے لئے گلیوں اور سڑکوں میں نکل آئے۔

ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔ مرد اپنے جسم پر ہتھیار سجا کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر جلوس

مبارک میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ مشاقانِ دید سڑک کے دونوں طرف صفیں باندھے احترام کی تصویر بنے اپنے آقا ﷺ کے جلوس پر دیدہ و دل نثار کر رہے تھے۔ عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑی اظہار تشکر کے پھول برسا رہی تھیں۔ دخترِ حوا کا نجات دہندہ ان کے شہر کو عزت افزائی کی خلعت فاخرہ سے نواز رہا تھا اور وہ سلام و درود سے لدی ڈالیاں اپنے آقا ﷺ کی نذر کر رہی تھیں۔

یارِ غار اور حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کیفیت کا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں۔

جب ہم مدینہ پہنچے تو لوگ راستوں پر اور چھتوں پر نکل آئے بچے اور خدام نعرے لگا رہے تھے اللہ اکبر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں اللہ اکبر محمد ﷺ تشریف لائے ہیں۔ (السیرۃ النبوۃ لابن کثیر، ۲:۲۶۸)

یہ گرمیوں کی دوپہر تھی، سورج نے بھی جھک کر خاکِ انور کو اپنے ماتھے کا جھومر بنایا لیکن کسی کو گرمی کی شدت کا احساس نہ تھا۔ پیاس کی شدت سے کسی کے ہونٹ خشک نہیں ہوئے، ساقیِ کوثر ﷺ بنفس نفیس ان کے درمیان موجود تھے، اندر کا موسم خوشگوار ہو گیا کشتِ (کھیتی) دیدہ دل میں بادِ بہاری چلنے لگی، مدینہ کے در و دیوار بھی کیف و مستی کی کیفیتوں میں سرشار تھے، بچے اور بچیاں اپنے آقا ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب نظر آ رہے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ النبی ﷺ کے بچوں کے کیف بیان کرتے ہیں۔

میں بچوں کے ساتھ دوڑ رہا تھا کہ اچانک انہوں نے کہا محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں پس ہم چلنے لگے یہاں تک کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا ہم شہر کی ایک دیوار کے پیچھے چھپ گئے۔ آپ دونوں نے ایک دیہاتی کو بھیجا تاکہ وہ انصار کو آپ کی آمد کی خبر دے، پس پانچ سو انصار نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ۳:۳۸۶)

انصارِ مدینہ کی خواتین بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں، وہ بھی دیوانہ وار اپنے آقا ﷺ کی زیارت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئیں۔

جب ہم (شہر میں) داخل ہوئے تو انصار کے مرد اور عورتیں باہر آ گئے اور ہر کوئی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ۲:۲۷۶)

مدینہ منورہ کے تمام راستے مشتاقانِ دید کے ہجوم سے بھر گئے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، مسرت اور شادمانی کی ایک لہر نے عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ جشن آمدِ رسول ﷺ منایا جا رہا تھا۔ عورتیں چھتوں پر بیٹھی اس لمحہ جاوداں کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کر رہی تھیں۔

حضور انور ﷺ کی آمد پر اہلِ مدینہ باہر نکل آئے حتیٰ کہ پردہ دار عورتیں بھی چھتوں پر سے آپ ﷺ کو

دیکھ رہی تھیں اور پوچھ رہی تھیں حضور کون سے ہیں؟ حضور کون سے ہیں؟ ہم نے آج تک اس جیسا منظر نہیں دیکھا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد،۳:۳۸۶)

زادالمعاد اور رحمۃ للعالمین از علامہ منصور پوری میں ہے کہ

جمعہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول شہرِ رسول ﷺ پڑ گیا۔ جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں خوشی ومسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔

(ان اشعار سے مراد ہے وہ اشعار جن کا ترجمہ ذیل میں لکھا ہوا ہے)

(زادالمعاد جلد۳ صفحہ۱۰۔ رحمۃ للعالمین جلد۱ صفحہ۱۰۶)

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

سحاب رحمت نے بصد احترام انصار کی بچیوں کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ نور کے ایک ہالے نے ان کے تقدس مآب چہروں کے گرد عقیدت کی تابانیوں کا ایک حصار سا کھینچ دیا۔ تتلیوں نے ادب سے ان کی نورانی پیشانیوں کو بوسہ دیا جگنوؤں نے جھک کر ان کی پلکوں پر ستارے سجا دیئے اور خوشبوؤں نے عالم وارفتگی میں ان بچیوں کے ہاتھوں میں عشق مصطفیٰ (ﷺ) کی قندیلیں تھما دیں۔ وفور جذبات سے ان بلند بخت بچیوں کی آنکھیں چھلک پڑیں وہ کب سے مہمان ذی حشم، مہمان عالی مقام کی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑی تھیں دف کی آواز الفاظ شکر گزاری گلاب بن کر مہک اٹھے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ بنونجار کی ان بچیوں کا ہمزبان بن گیا۔

آمد مصطفیٰ (ﷺ) مرحبا، مرحبا پوری وادی میں گونج رہی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں اور بچوں نے گانا شروع کیا۔

۱- ہم پر ماہ کامل طلوع ہوا ہے وداع کی گھاٹیوں سے

۲- ہمارے اوپر شکر واجب ہے اس دعوت دینے والے کی دعوت پر

۳- اے ہمارے اندر معبوث کیے جانے والے آپ امر مطاع لائے ہیں (وہ پیغام لائے ہیں جس کی اطاعت کی جائے)

۴- آپ نے اپنی آمد سے مدینہ کو شرف عطا کیا ہے خوش آمدید اے بہترین دعوت دینے والے۔

آج بھی شہر حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی معطر منور اور مقدس فضاؤں میں انصار کی بچیوں کے نغمات سرمدی کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ آج بھی ان فضاؤں میں ان معصوم بچیوں کے سانسوں کی خوشبو رچی بسی ہے۔ چشم تصور آج بھی ان بچیوں کے قدموں سے اٹھنے والی دھول سے اپنے دامن صد چاک کو منور کرتی ہے، عشاق مصطفیٰ (ﷺ) آج بھی اس منظر کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ان کی پلکوں پر ستارے

سے جھلملانے لگتے ہیں۔

سیاہ فاموں کا اظہار مسرت

مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ خوشی سے جھوم رہا تھا۔اپنے مقدر پر نازاں تھا، مشکبار ہوائیں دھیرے دھیرے چل رہی تھیں مدینے کے شہری اپنے مہمان مکرم کی راہ میں آنکھیں بچھا رہے تھے۔ حبشہ کے سیاہ فام بھی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی واستقبال میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ وہ جلوسِ مصطفیٰ میں شریک تھے اور اپنے ہتھیاروں سے جنگی کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حبشیوں نے تلوارزنی کی نمائش کے ذریعے آپ کا استقبال کیا۔(سبل الھدیٰ والرشاد، جلد۳ صفحہ ۳۸۶)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کی ان وجدانی کیفیتوں کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

میں نے اہل مدینہ کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا جتنا حضور ﷺ کی آمد پر۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جلد۳: صفحہ ۳۸۶)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مدینہ والوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ نے آپ کے ذریعے ہمارے اوپر احسان فرمایا ہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد۳ صفحہ ۱۹۹)

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور والی کونین ﷺ کے ورود مسعود پر ہر چیز نور کی بارش میں نہا گئی، آسمان سے کہکشاؤں کے جھرمٹ زمین پر اترنے لگے، سرزمین طیبہ کا ذرّہ ذرّہ رشک آفتاب بن گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

میں نے وہ دن دیکھا جس دن حضور ﷺ (شہر میں) داخل ہوئے پس میں نے اس دن سے زیادہ خوبصورت اور روشن دن نہیں دیکھا۔(دلائل النبوہ، جلد۲ صفحہ ۵۰۸)

جس دن رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ میں داخل ہوئے اس دن اس شہر کی ہر شے جگمگا اٹھی۔(سنن ابن ماجہ)

بنوحارث بن خزرج

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے متبرک اور مقدس جلوس پر گلہائے تحسین نچھاور کئے جا رہے تھے، محبتوں اور عقیدتوں کے سکے لٹائے جا رہے تھے، کاروان مصطفیٰ جب خزرج کے ایک قبیلے بنوحارث کے علاقے میں پہنچا تو حضرت سعد بن ربیع، حضرت خارجہ بن زید، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم بنوحارث کے دیگر افراد کے ساتھ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ہاں قیام فرمائیں ہمارے پاس تعداد اور اسلحہ بکثرت ہے اور ہم آپ کی حفاظت

کر سکتے ہیں۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد اصفحہ ۴۹۵)

حضور پُرنور،والی کونین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بنو حارث کو بھی یہی جواب دیا۔

اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم مل چکا ہے یہ حکم خداوندی کے مطابق ہی ٹھہرے گی۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اصفحہ ۴۹۵)

بنو حارث نے فرمانِ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے سامنے سر جھکا دیا اور راستہ چھوڑ دیا اور حسرت سے دیکھنے لگے کہ وہ کون خوش بخت ہوگا جو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو اپنے گھر لے جائے گا۔ان کی نگاہیں اس خوش نصیب کو تلاش کرنے لگیں۔مبارک ومقدس جلوس اب شمال کی سمت روانہ ہوا۔

بنو عدی بن نجار

تھوڑے ہی فاصلے پر حضور انور نبی کریم ﷺ کے ننھال عدی بن نجار کا قبیلہ تھا۔

یہ قافلہ چلتے چلتے حضور پُرنور نبی مکرم ومعظم ﷺ کے ننہال کے محلہ بنی عدی بن نجار میں پہنچا جہاں بنو عدی بن نجار سکونت پذیر تھے۔

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کی والدہ ماجدہ سلمٰی بنت عمرو اسی خانوادہ کی چشم و چراغ تھیں۔ان کا نکاح حضرت ہاشم سے ہوا تھا جن کے بطن مبارک سے حضرت عبدالمطلب کی ولادت ہوئی تھی۔حضور انور ﷺ جب قبیلہ بنی نجار کے محلے میں داخل ہوئے تو حضرت سلیط بن قیس اور حضرت اسیرہ بن ابی خارجہ رضی اللہ عنہما اپنی قوم کے افراد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ننھالی رشتے کے حوالے سے عرض پرداز ہوئے۔

یارسول اللہ! اپنے ننھال کے پاس تشریف لائیے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے (ہم) اسلحہ بکثرت اور دفاع کی قوت بھی رکھتے ہیں۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد اصفحہ ۴۹۵)

لیکن حضور پُرنور رہبر کائنات، ہادئ برحق ﷺ نے اپنے ننھال والوں کو بھی وہی جواب دیا جو دیگر قبائل کو دے چکے تھے کہ اونٹنی کے لئے راستہ چھوڑ دو اسے اللہ کی طرف سے میرے قیام کی جگہ بتادی گئی ہے۔بنی نجار نے بھی ارشاد گرامی پر سر تسلیم خم کر دیا اور راستے سے ہٹ گئے۔جلوس نبوی مالک بن نجار کے محلے کی طرف بڑھا۔اہلِ مدینہ ادب اور احترام کے ساتھ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی سواری کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے چل رہے تھے۔فضائیں تکبیر کے نعروں سے معمور تھیں، ہوائیں بھی ادب واحترام سے محوِ خرام تھیں۔

محلہ مالک بن نجار کی خوش بختی

کائنات کے سب سے عظیم انسان اور سب سے برگزیدہ رسول انسانِ کامل اور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی سواری خراماں خراماں آگے بڑھ رہی تھی۔امواج دل پر محبت کے سفینے رواں دواں تھے آج سے یہ شہر شہر

حضور تھا۔ قدم قدم پر خوشبوؤں کے قافلے خیمہ زن تھے۔ منظر تا مہ رنگ و نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی محلے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ رب العالمین نے اپنے محبوب خاص ﷺ کے قیام کے لئے اس گھر کو منتخب فرمایا۔ اس گھر کے سامنے ایک کھلا میدان تھا۔

قصواء، جسے حکم ہو چکا تھا کہ اس نے کہاں ٹھہرنا ہے، جب اس میدان میں پہنچی تو کھڑی ہو گئی، رک گئی۔ میزبانی کے خواہشمند کئی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی دھڑکنیں بھی رک گئیں۔ ابھی تک امید کی ایک ننھی سی کرن ان کے نہال خانہ دل میں جھلملا رہی تھی کہ ممکن ہے میزبانی کا شرف انہیں حاصل ہو جائے۔ ممکن ہے کہ قصواء گھوم پھر کر ان کے مکان کے سامنے آ کر رک جائے۔ وہ اشتیاق اور حسرت سے قصواء کی طرف دیکھ رہے تھے، بالآخر اونٹنی اسی میدان میں بیٹھ گئی لیکن چند لمحوں بعد وہ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب اونٹنی رسول اللہ ﷺ کو لے کر بیٹھ گئی تو ابھی آپ ﷺ اترے نہ تھے کہ اونٹنی دوبارہ اٹھی اور سیدھا چلنے لگی حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اس کی مہار چھوڑ رکھی تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)

شان قادر مطلق خالق و مالک کائنات' رب العالمین کہ اونٹنی بھی اس مقدس مقام کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ اور قصواء آگے چل پڑی، غلامانِ رسولِ ہاشمی کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں لیکن وہ چند قدم چلنے کے بعد اسی مقام پر لوٹ آئی جہاں چند لمحے پہلے بیٹھی تھی اب قصواء اطمینان سے بیٹھ گئی اور اپنی گردن ڈال دی۔

اونٹنی اسی جگہ واپس آ کر بیٹھ گئی اس نے اپنی گردن نیچے رکھ دی اور حضور پُر نور ﷺ کو اتارنے کے لئے بالکل زمین سے لگ گئی۔ پس رسول اللہ ﷺ اونٹنی سے نیچے تشریف لے آئے۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴)

بنو نجار کے مقدر کا ستارا چمک اٹھا، ان کے سوئے ہوئے بھاگ جاگ اٹھے، تاجدار کائنات' رسول بحر و بر والی کونین ﷺ کی میزبانی کا انہیں لازوال اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔ بنو نجار کی بچیوں نے جب دیکھا کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی قصواء ان کے میدان میں بیٹھ گئی ہے تو وہ بھاگی ہوئی آئیں، آقائے کائنات ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئیں اور ان کے لبوں پر یہ ترانہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح بکھر گیا۔

''ہم قبیلہ بنو نجار کی بچیاں ہیں یا محمد (ﷺ) آپ کتنے بہترین پڑوسی ہیں''۔ (سیرت ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۷۳)

بنو نجار کی خوش نصیب بچیاں اپنے مہمان مکرم و معظم کے گرد ہالہ باندھے کھڑی تھیں اور جھوم جھوم کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بنو نجار کی بچیوں کا یہ والہانہ انداز دیکھا تو محبت بھرے انداز میں فرمایا۔ اللہ جانتا ہے' میرا دل تم سے محبت کرتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ۲: ۲۷۵)

مستدرک حاکم میں ہے کہ جناب رسالت مآب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ ان بچیوں کے پاس گئے اور

پوچھا۔

کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟

انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

اللہ کی قسم ہم آپ سے محبت کرتی ہیں۔

اس پر دریائے رحمت جوش میں آ گیا، سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

بخدا مجھے بھی تم سے محبت ہے۔

بخدا مجھے بھی تم سے محبت ہے۔

بخدا مجھے بھی تم سے محبت ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۷۵، السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۵، سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۹۰)

فخر کائنات، اصل الموجودات، ہادی انس وجاں، پیغمبر بحر و بر، رسول کائنات ﷺ یہاں اپنی ناقہ سے اترے اور حضور نے چار مرتبہ سورہ مومنون کی آیت مبارک 29 تلاوت فرمائی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝

ترجمہ ’’اور عرض کرا ے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔(سورہ مومنون آیت ۲۹)

اس وقت حضور انور نبی کریم ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی‘ کچھ دیر کے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا ’’یہ ہماری قیام گاہ ہے۔ انشاء اللہ

یہاں (اس جگہ کے) سب سے قریب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ وہ آئے اور پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ حضور انور ﷺ نے اپنی رہائش گاہ کے لئے ان کے گھر کو ہی پسند فرمایا اس طرح ارض وسما کے خالق و مالک کا حبیب ومحبوب خاص، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ تاجدار کائنات ﷺ بڑے بڑے محلات، کشادہ حویلیوں اور شاندار مکانات سے صرف نظر کرتا ہوا اپنے ایک درویش صفت غلام کے گھر کو اپنے قیام سے مشرف ومکرم فرماتا ہے۔

جہاں قصواء ناقہ آ کر رکی تھی اور پھر بیٹھ گئی تھی وہ ایک کھلا قطعہ زمین تھا۔ جسے وہاں کے لوگ عرف عام میں مربد کہتے تھے۔ اہل یثرب یہاں اپنی کھجوریں دھوپ میں ڈال دیتے یہاں تک کہ وہ خشک ہو جاتیں اس طرح انہیں ذخیرہ کرنا آسان ہو جاتا۔ رحمت دوعالم ﷺ کو یہ قطعہ زمین پسند آ گیا پوچھا اس کا مالک کون ہے؟ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے رسولِ کائنات‘ جانِ دوعالم ﷺ! یہ سہل اور سہیل کی ملکیت ہے‘ یہ دونوں یتیم بچے ہیں‘ ان کا میں کفیل ہوں‘ میں ان کو مناسب معاوضہ دے کر راضی کر لوں گا۔ چنانچہ یہ جگہ

خرید کر مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے مخصوص کر دی گئی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا لازوال اعزاز

قصواء خالق و مالک کائنات اللہ قادر مطلق کے حکم سے جس میدان میں پہنچ کر رک گئی بیٹھ گئی اس کے قریب ترین گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کے مقدر کا ستارا چمک اٹھا ہے، کائنات کی سب سے محبوب شخصیت ان کے گھر کے سامنے جلوہ افروز ہے۔ انہیں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم کملی والے آقا ﷺ کی میزبانی کا لازوال شرف حاصل ہو رہا ہے تو وہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھے۔

صدیوں پرانے بے رنگ خواب قوس قزح کی صورت میں ان کے قلب و ذہن کی پگڈنڈیوں پر اترنے لگے۔ شاہ یمن تبع کی تمنائے میزبانی کا وہ خواب جو اس نے ایک ہزار سال قبل دیکھا تھا اس کی تعبیر سامنے نظر آئی تو خوشی کی ایک لہر ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ آخر صدیوں بعد وہ لمحہ ان کے افق دیدہ و دل پر طلوع ہوا۔ چشم زدن میں ایک ہزار سال کی تاریخ ان کی نظروں میں گھوم گئی۔ نسل در نسل سے وہ جس رسول محتشم پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، وہ پیکر فقر و غنا، مخزن جود و سخا، منبع لطف و عطا بنفس نفیس ان کے سامنے تشریف فرما تھے۔

وہ رسول عظیم جو وقار نسل آدم کے امین ہیں۔ جن کا وجود مسعود جواز گردش لیل و نہار ہے۔ جو دلیل صبح ازل اور قرار شام ابد ہیں۔ وہ انسان کامل، وہ معلم اعظم وہ مہر منور جو ثروت الہ یقین بھی ہیں، امام المرسلین اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔ وہ رسول ذی حشم جنہیں ان کے خالق نے قرآن میں رسول الملاحم، عادل، محرم، مبصر، طیب، حافظ صادق اور یٰسین و طٰہٰ، کے اسمائے گرامی سے یاد کیا ہے۔ جو ہادی کونین ہیں، ہر مخلوق کے ماویٰ و ملجا ہیں وہی محبوب رب جلیل ہیں۔ وہ روح زمن، ابر شفاعت، جان ثقافت پیغمبر انقلاب ہیں اور انہی کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا اور آسمانی ہدایت کے سلسلے کو مکمل کر دیا گیا اور قیامت تک کے لئے وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ آئے کہ ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب ہر کوئی انہیں کی امت ہو گا۔ اب ہر زمانہ انہیں کا زمانہ ہو گا۔ اب ہر صدی انہی کی صدی ہو گی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے شوق کا عالم کیا ہو گا؟ وہ ایک عجیب سرور و کیف کے عالم میں آگے بڑھے حضور پرنور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور والی کون و مکاں ﷺ کا سامان سفر اٹھایا اور تاجدار عرب و عجم ﷺ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔ کتنی عظیم خوش بختی کہ پل بھر میں دنیا بھر کی عظمتوں، سعادتوں اور برکتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ دامن آرزو کرم و لطف سے لبریز ہو گیا اور جبین نیاز بار تشکر سے بارگاہ خداوندی میں جھک گئی کہ آج تو نے ایک ذرے کو رشک صد آفتاب بنا دیا۔

حضرت ابوایوب (خالد بن زید) رضی اللہ عنہ نے کجاوہ اٹھایا اور اپنے گھر میں رکھ دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد۲صفحہ۲۷۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب اونٹنی واپس آکر پہلے والی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گئی تو رہبر کائنات ٗ ہادیٔ اعظم ﷺ نیچے تشریف لائے زبان اقدس وا ہوئی، فرمایا۔

انشاء اللہ یہیں ہماری منزل ہوگی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۲صفحہ۳۸۹)

اس کے بعد حضور رحمت عالم ﷺ نے قرآن پاک سورہ مومنون کی آیت مبارک ۲۹ تلاوت فرمائی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝

ترجمہ: اور کہیں (کہ) اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ (سورہ مومنون آیت ۲۹)

روایت میں ہے کہ اتنے میں حضرت ابوایوب (خالد بن زید) انصاری رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے آقائے دوجہاں ﷺ سے ان کے قیام کے بارے میں پوچھا تو حضور انور ﷺ نے فرمایا۔

یہاں سے سب سے قریب گھر کون سا ہے؟ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد۳صفحہ۳۸۹)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

اے اللہ کے نبی یہ میرا گھر ہے اور میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اسی گھر میں اتارا ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جائیں اور ہمارے لئے قیام کا بندوبست کریں۔ پس حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گھر گئے اور دونوں حضرات کے لئے قیام کا بندوبست کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد۳صفحہ۳۸۹)

اس کے بعد پیغمبر اوّل وآخر واعظم سید دوعالم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، مسجد نبوی اور حجرات کی تعمیر تک آپ نے اسی مکان میں قیام فرمایا۔

دارِ ابوایوب رضی اللہ عنہ کی وجہ انتخاب

قصواء، ناقۂ رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقام پر پہنچ کر رک جانے بیٹھ جانے کے لئے مامور تھی۔ وہ اس مقام خاص پر پہنچ کر رک گئی اور بیٹھ گئی اور پیغمبر اول وآخر واعظم رسول کائنات، پیغمبر بحروبر ہادی انس وجاں مخبر صادق عالم خفا وغیوب ﷺ نے اس مقام خاص سے نزدیک ترین گھر میں قیام فرمانا پسند فرمایا۔

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم محبوب ربّ العالمین ﷺ نے اپنے قیام کے لئے حضرت

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کو کیوں پسند فرمایا؟ اس کے بارے میں اولین سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی تالیف ''المبتدا'' میں اور امام ابن ہشام نے ''التیجان'' میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں اور دیگر متعدد علماء نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر کے حوالہ سے اس کا خلاصہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

تبع اوّل' شاہ یمن مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ شریف کی زیارت کرنے کے بعد اور اسے غلاف پہنانے کے بعد اپنے لشکر جرار سمت یثرت کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت یثرب ایک پانی کے چشمے کا نام تھا۔ جہاں کھیتی باڑی کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ تبع اوّل' بادشاہ یمن کے ہمراہ لشکر کے علاوہ صاحب کمال علماء وحکماء کا بھی ایک جم غفیر تھا۔ جو اس نے مختلف علاقوں سے چن چن کر اکٹھے کئے تھے۔ یثرب پہنچ کر اس نے وہاں قیام کیا۔

ایک روز چار سو علماء بادشاہ کے دروازہ پر آ کھڑے ہوئے اور گزارش کی کہ ہم اپنے شہروں کو چھوڑ کر ایک طویل عرصہ تک جہاں پناہ کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں سکونت اختیار کریں۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ جائے۔ بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور کہا کہ ان کے حالات میں غور کرے اور وہ وجہ معلوم کرے جس کے باعث ان لوگوں نے میرے ساتھ واپس چلنے کا عزم ترک کر دیا ہے حالانکہ مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔

وزیر ان کے پاس گیا ان سب کو ایک جگہ جمع کیا اور بادشاہ نے اسے جو کہا تھا اس سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے وزیر کو کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کعبہ کی عزت اور اس شہر کا شرف اس ہستی کی وجہ سے ہے جو یہاں ظہور پذیر ہوگی۔ ان کا نام نامی ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ وہ حق کے امام ہوں گے وہ صاحب قرآن، صاحب قبلہ اور صاحب لواء ومنبر ہوں گے۔ وہ یہ اعلان کریں گے لا الٰہ الا اللہ' ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی۔ اس وقت یہاں شہر یثرب ہوگا اور ان کی ہجرت گاہ یہ شہر یثرب بنے گا۔ پس خوشخبری ہے اس کے لئے جو ان کو پالے گا اور ان پر ایمان لے آئے گا۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم ان کی زیارت سے مشرف ہوں یا ہماری آنے والی نسلوں میں سے ہمارا کوئی بچہ ان کے زمانے کو پالے اور ان پر ایمان لے آئے۔

وزیر نے جب یہ بات سنی تو اس کے دل میں بھی یہاں رہائش پذیر ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ جب بادشاہ نے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے۔ ہم نے اس کی وجہ سے آپ کو آپ کے وزیر کی معارفت تفصیل بتا دی ہے۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کو دریافت کیا اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ سوچ میں پڑ گیا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک سال حضور پُرنور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی انتظار میں یہاں ٹھہرے گا۔

اس کے بعد تبع اوّل' بادشاہ نے حکم دیا کہ ان چار سو علماء کے لئے چار سو رہائشی مکانات تعمیر کئے جائیں

اس نے چار سو کنیزیں خریدیں، انہیں آزاد کیا۔ پھر ان کا نکاح ایک ایک عالم سے کر دیا۔ انہیں زرِ کثیر بخشا تا کہ وہ یہاں کے اخراجات آسانی سے برداشت کر سکیں۔ پھر بادشاہ نے ایک خط لکھا جسے سونے کی ڈبیا میں حفاظت وسلیقے سے رکھ کر سر بمہر کر دیا اور ان علماء میں سے جو سب سے بڑا عالم تھا اس کے سپرد کیا اور اس سے التماس کی کہ اگر اس کو حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو تو یہ عریضہ وہ خود حضور پُرنور نبی آخر الزماں (ﷺ) کی بارگاہ میں پیش کرے۔ ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو وصیت کرتا جائے کہ جس کو وہ عہد سعید دیکھنا نصیب ہو اور رحمت دوعالم (ﷺ) کی زیارت کا شرف میسر آئے تو وہ اس کا عریضہ بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرے۔

اس عریضہ کے چند اہم فقرے یوں بیان کئے گئے ہیں:

''اس عریضہ میں اس نے یہ لکھا۔ اے اللہ کے رسول (محمد) میں آپ پر اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ تبارک تعالیٰ آپ پر نازل فرمائے گا''۔ ''میں نے حضور (ﷺ) کا دین قبول کیا ہے اور آپ (ﷺ) کی سنت پر عمل کروں گا۔ آپ (ﷺ) کے رب پر اور کائنات کے پروردگار پر ایمان لایا ہوں اور جو احکام شریعت آپ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے لے آئیں گے ان پر محکم یقین رکھتا ہوں۔ اگر مجھے حضور (ﷺ) کی زیارت نصیب ہو جائے تو یہ میری انتہائی خوش بختی ہوگی اور اگر میں زیارت کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہو سکوں تو قیامت کے روز میری شفاعت فرمایئے اور مجھے فراموش نہ کیجئے۔ میں حضور (ﷺ) کے ان فرماں بردار اور اطاعت گزار امتیوں سے ہوں جو حضور (ﷺ) کی آمد سے پہلے حضور (ﷺ) پر ایمان لائے تھے''۔

تبع اوّل، شاہِ یمن کی وفات کے بعد پورے ایک ہزار سال گزر گئے تو حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضور انور نبی روف ورحیم ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور اہل یثرب کو پتہ چلا تو انہوں نے مشورہ کیا کہ اس خط کو پیغمبر اوّل وآخر واعظم، حضور پُرنور مخبر صادق عالم خفا وغیوب ﷺ کی خدمت میں کیسے پہنچایا جائے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ ایک قابل اعتبار شخص کا انتخاب کریں اور یہ خط دے کر حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک زیرک آدمی جس کا نام ابولیلیٰ تھا اور انصار کے قبیلہ میں سے تھا اسے یہ خط دے کر بھیجا۔ اسے بہت تاکید کی کہ اس خط کو بڑی حفاظت سے رکھے اور حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں پیش کرے۔

وہ خط لے کر روانہ ہو گیا۔ جب اثنائے سفر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ احتیاط سے خط لے جانے والا شخص وہاں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ فرمایا' انت ابولیلیٰ کیا تم ابولیلیٰ ہو؟ اس نے عرض کی ہاں! پھر حضور پُرنور عالم خفا وغیوب ﷺ نے پوچھا تبع اول شاہ یمن کا خط تمہارے پاس ہے' وہ یہ سن کر ششدر ہو گیا اور سراپا حیرت بن کر پوچھنے لگا۔ آپ کون ہیں؟ آپ جادوگر تو نہیں؟ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ میں محمد (ﷺ) ہوں'

وہ خط پیش کرو۔ اس نے اپنا سامان کھولا جس میں اس نے وہ خط چھپا کر رکھا ہوا تھا اس خط کو نکال کر نہایت ادب سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ خط پڑھ کر سنایا۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس کا خط سن کر تین بار فرمایا کہ "میں اپنے نیک بھائی کو مرحبا کہتا ہوں"۔

پھر حضور نے ابولیلیٰ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے اور وہاں (شہر یثرب) کے لوگوں کو حضور انور ﷺ کی آمد کے بارے میں آگاہ کرے۔ (تاریخ دمشق، ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۳۳۳ تا ۳۳۵)

امام محمد بن یوسف الصالحی نے سبل الہدیٰ والرشاد میں اس واقعہ کو متعدد حوالوں سے نقل کیا ہے اور وہ اشعار بھی لکھے ہیں جو اس نے اپنے عریضہ میں تحریر کئے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ حسب ذیل حاضر ہے۔

۱۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام روحوں کو پیدا کرنے والا ہے"۔

۲۔ "اگر میری زندگی نے وفا کی اور میں نے حضور (ﷺ) کا زمانہ پالیا تو میں حضور (ﷺ) کا وزیر بنوں گا اور چچازاد بھائی کی طرح ہر موقع پر امداد کروں گا"۔

۳۔ "میں تلوار کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور حضور (ﷺ) کے سینہ میں جو فکر و اندیشہ ہوگا اس کو دور کروں گا"۔

علامہ احمد بن زینی دحلان نے بھی السیرۃ النبویہ میں بعینہٖ یہ مکمل واقعہ لکھا ہے

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۹۰، ۳۹۱۔ السیرۃ النبویہ زینی بن دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷)

کاشانہ ابوایوب رضی اللہ عنہ پر لازوال سعادتوں کا نزول

حضرت ابوایوب (خالد بن زید) انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدار کائنات ﷺ نے نچلی منزل میں قیام کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا احساس غلامی جاگ اٹھا۔ دست بستہ عرض گزاری۔

حضور ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان میرے لئے یہ بات نہایت ناگوار ہے (ناپسندیدہ ہے) کہ ہم اوپر کی منزل میں رہیں اور آپ نچلی منزل میں۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۳ صفحہ ۲۰۱)

ادب و احترام رسول کی کیفیت سے سرشار میزبان نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ بالائی منزل پر تشریف لے چلیں اور ہم نچلی منزل میں آجاتے ہیں۔

حضور پُرنور، عالم خفا و غیوب، تاجدار کائنات ﷺ نے جب نچلی منزل میں قیام کا ارادہ فرمایا تو اس میں ہزار حکمتیں کارفرما تھیں۔ ارشاد گرامی ہوا۔

اے ابوایوب! میرے لئے اور ملاقات کے لئے آنے والوں کے لئے سہولت اس میں ہے کہ ہم نچلے

حصہ میں رہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۱)

اس فرمان نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے آگے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بے بس ہو گئے اور اس کے بعد اپنی بات پر اصرار نہ کیا کہ مبادا یہ اصرار سوء ادب میں شمار ہو۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ بالائی منزل میں رہے اور حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا لیکن اہل خانہ ہر لحہ اور ہر آن اس بات کا خیال رکھتے کہ کہیں حضور انور ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ جب تک حضور پُرنور نبی کریم ﷺ وہاں رونق افروز رہے وہ ایک ایک قدم پھونک کر رکھتے اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

ایک دن بالائی منزل میں پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت اُمِ ایوب رضی اللہ عنہا نے اس ڈر سے کہ کہیں چھت ٹپک نہ پڑے اور نچلی منزل میں اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، فوراً لحاف لے کر پانی خشک کر لیا۔ اس قسم کے خدشات کے پیشِ نظر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں بصد احترام اپنی پہلی تجویز پیش کی، حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اپنے میزبان کے شدید اصرار پر بالائی منزل میں تشریف لے گئے اور اہل خانہ نچلی منزل میں آ گئے۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے تقریباً ۷ ماہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)

قدرتی طور پر جاں نثاران کی خواہش تھی کہ میزبانی رسول کا اعزاز تو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا ہے لیکن انہیں بھی تاجدار کائنات اپنے آقا ﷺ کی خدمت بجالانے کی سعادت حاصل ہونی چاہیے۔ شمع رسالت مآب کے ان پروانوں کی خواہش ہوتی کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وہ بھی کھانا پیش کریں، بالآخر طے پایا کہ اصحاب رسول باری باری یہ خدمت بجالائیں گے تاکہ ہر کسی کو یہ سعادت حاصل ہو جائے اور کوئی بھی اعزاز سے محروم نہ رہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ہم بنی مالک بن نجار میں سے ہر رات حضور انور رسول اللہ ﷺ کے درِ اقدس پر تین یا چار آدمی کھانا اٹھائے حاضر ہوتے اور ہر کوئی پہلے پیش کرنے کی کوشش میں ہوتا۔ (وفاء الوفاء، جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)

سب سے پہلے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں طعام پیش کرنے کی سعادت جس صحابی رسول کو ملی وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ دار ابوایوب میں جلوہ افروز ہوئے تو سب سے پہلا ہدیہ جو کہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ ثرید سے بھرا ہوا ایک پیالہ تھا۔ یہ پیالہ خدمت اقدس میں پیش کرنے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی۔ میری امی جان نے یہ ثرید، گندم کے آٹے، گھی اور دودھ سے تیار کی تھی میں نے دست بستہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ

میری ماں نے یہ ثرید کا بھرا پیالہ بھیجا ہے۔
حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
اللہ تبارک تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔
حضور انور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام ؓ کو بلایا اور ان کے ساتھ مل کر ثرید تناول کی، حضرت زید ...ؓ فرماتے ہیں کہ میں واپس دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کا ایک غلام ایک بھرا ہوا ...لہ سر پر اٹھائے لا رہا تھا۔ میں نے کھڑے کھڑے پیالے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا اس میں بھی ثرید تھی جس کے ...پر گوشت والی ہڈیاں تھیں، غلام نے ثرید کا یہ پیالہ بھی حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ...یا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم بنی مالک بن نجار کے محلّہ میں تھے۔ ہر رات تین چار ...می حضور پُرنور رسول اللہ ﷺ کے گھر کی ڈیوڑھی میں کھانا اٹھائے ہوئے حاضر ہو جاتے۔ ان لوگوں نے ...یاں مقرر کی ہوئی تھیں ہر آدمی اپنی باری پر کھانا پکوا کر لے آتا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور ...ی کریم رؤف و رحیم ﷺ سات ماہ بعد اپنے نو تعمیر شدہ حجروں میں منتقل ہو گئے۔
یہاں بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بڑا پیالہ دن کے وقت اور حضرت اسعد بن ...زارہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بڑا پیالہ ہر رات کو بھیجا جاتا۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۷۸۔ سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۹۲، ۳۹۳)

اہل مدینہ باری باری میزبانی کی سعادت حاصل کر رہے تھے، رات کا کھانا حضرت ابوایوب انصاری ؓ ...کے ہاں تیار ہوتا، کھانا بارگاہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ میں پیش کیا جاتا اور اہل خانہ اس انتظار میں رہتے کہ حضور ...ور ﷺ کا بچا ہوا کھانا انہیں ملے۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ اس بچے ہوئے ...کھانے میں مولائے کائنات ﷺ کی انگلیوں کے نشانات تلاش کیا کرتے تھے اور جب انہیں حضور پُرنور نبی ...کرم ﷺ کی انگلی کے نشانات مل جاتے تو وہاں سے کھانا شروع کرتے۔
محبت کی نہ کوئی زبان ہے اور نہ کوئی اندازہ، محسوس کرنے اور جذب کرنے کی اپنی اپنی سطح ہوتی ہے، ...حضرت ابوایوب انصاری ؓ کا عشق محبوب خدا ﷺ کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتا رہا۔ ایک مرتبہ ام ...ایوب ؓ نے کھانا تیار کیا اور اس میں پیاز یا لہسن استعمال کیا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے یہ کھانا تناول نہ فرمایا ...لہ ویسے ہی لوٹا دیا۔

جب حضرت ایوب انصاری ؓ نے کھانے میں اپنے آقا ﷺ کی انگلیوں کے نشانات نہ دیکھے تو گھبرا ...ئے، فوراً اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی! یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے کھانا

واپس کر دیا ہے آج اس میں آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشان نہیں۔ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا اس سے مجھے بوئی (لہسن یا پیاز) کی بو آتی ہے اور میں وہ شخص ہوں جو اپنے رب کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہوں۔ تم اسے کھاؤ یہ تمہارے لئے جائز ہے۔ میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ کھانا لیا لیکن اس کے بعد کبھی پیاز یا لہسن کھانے میں استعمال نہیں کیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)(السیرۃ النبی ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور انور رحمتِ دوعالم ﷺ کو کون سا کھانا زیادہ پسند تھا؟ تمہیں اس کا بخوبی علم ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کافی عرصہ تمہارے ہاں قیام پذیر رہے ہیں۔ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور انور ﷺ نے کوئی خاص کھانا پکانے کا حکم دیا ہو اور نہ کبھی میں نے دیکھا کہ جو کھانا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس میں حضور ﷺ نے کبھی کوئی عیب نکالا ہو۔

البتہ میرے شوہر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ نے ایک رات اس بڑے پیالے سے رات کا کھانا تناول فرمایا جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور جس میں شوربا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول ﷺ نے بڑی رغبت سے اسے تناول فرمایا۔ اسی لئے ہم حضور انور نبی کریم ﷺ کے لئے اسی قسم کا شوربے والا سالن تیار کرتے۔ ہم حضور انور ﷺ کے لئے ہریسہ بھی تیار کرتے (ہریسہ جس میں گندم کے دانوں کو کوٹ کر انہیں قیمہ میں ملا کر پکایا جاتا ہے) پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اس کو بھی پسند فرماتے۔

رات کے وقت دسترخوان پر تاجدار کائنات ﷺ کے ساتھ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک طعام ہوتے اور ان کی تعداد پانچ سے لے کر پندرہ تک ہوتی۔ طعام کی مقدار کم ہوتی یا زیادہ حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ کی برکت تھی کہ شرکائے طعام ہر حال میں سیر ہو کر جاتے اور کبھی کھانا کم نہ پڑا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی پسندیدہ غذاؤں میں شہد کو اولیت کا درجہ حاصل ہے، اللہ رب العزت نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں شہد کو صحت بخش غذا کہا ہے۔ حضور پُرنور ﷺ بڑے شوق سے شہد تناول فرمایا کرتے۔ طب نبوی میں بھی شہد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شہد صحت بخش ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس میں شفا رکھی ہے، شہد بہت سی بیماریوں کا شافی علاج بھی ہے۔ سبزیوں میں کدو کو حضور انور نبی کریم ﷺ کی پسندیدگی کا اعزاز حاصل ہے۔ مکھن اور گوشت بھی سرکارِ دوعالم والیٔ کون و مکاں ﷺ کی مرغوب غذائیں ہیں۔ کھجور بھی حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ غذاؤں میں شمار ہوتا ہے۔

تاجدار کائنات حضور پُرنور رحمتِ دوعالم ﷺ سادہ غذا کو پسند کرتے۔ آپ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ غزوۂ خندق میں آپ ﷺ کے شکم اطہر پر پتھر بندھے ہوئے تھے، بسیار خوری سے منع فرماتے۔

سن ہجری کا تعین

قارئین کرام!

اس موضوع کو اور اس سے منسلک دیگر عوامل اور ان کے بُرے اثرات کو سب سے پہلے اور قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی چند وجوہات ہیں۔

۱- میں نے تو یہ کتاب سیرت شروع ہی اس نیک ارادے و خواہش کے ساتھ کی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمام واقعات کو ان کے زمانہ وقوع کے لحاظ سے بیان کروں گا تا کہ قاری کو تسلسل کا سرور حاصل ہو جس سے دلچسپی اور یادداشت دونوں ہی بڑھتی ہیں۔ سیرت النبی کے اس موڑ پر اس خواہش میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ احساس بھی شدت پکڑ گیا کہ یہ وہ موقع ہے جس پر عربوں کی جاہلانہ تقویم ''نسیٔ مشہور'' اور اس کے برے اثرات کا بھی ذکر تفصیل سے کر دیا جائے تا کہ امت مسلمہ کا بھلا ہو۔

۲- سن ہجری کے تعین کے بارے میں بھی مختصر مگر واضح طور پر لکھ دیا جائے تا کہ قارئین کرام کو اس کی اہمیت و افادیت وضرورت دنیاوی اور دینوی لحاظ سے اجاگر ہو جائے۔

۳- جزیرہ عرب میں موجود اس وقت کے تقویمی نظام کو پہلے اور قدرے تفصیل سے بیان کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ قارئین کرام یہ یقین واثق کے ساتھ سمجھ جائیں کہ کسی بھی واقعہ کے زمانہ وقوع میں مختلف تاریخ دانوں، سیرت نگاروں میں ماہ و سال کا فرق عربوں کے اس من مانے، بے تکے، مصلحت پرستانہ اور غیر فطری تقویمی نظام کے سبب ہے جو دین اسلام پہلے تین سو سالوں سے جاری و ساری تھا اور جو عرب میں اور خاص طور پر غیر مسلم عرب میں ۹ ہجری کے بعد بھی کافی عرصہ رہا۔

۴- اور اس ماہ و سال کے فرق کو تاریخ دانوں کی سیرت، نگاروں کی یا راویوں کی غلط بیانی یا کمزوری، لاعلمی نہ سمجھا جائے۔

۵- یہ بھی وضاحت کر دی جائے کہ روایات میں ایک دو ماہ کا فرق اور اگر ان مخصوص ایک دو ماہ کا تعلق سال کے آخری یا پہلے ماہ سے ہے تو پھر ماہ و سال کا فرق اس فرسودہ نظام تقویم کی وجہ سے قابل فہم ہے۔ اس لئے اسے وجہ ذہنی خلفشار اور وجہ تنازع نہ بنایا جائے۔

۶۔اور میں نے قارئین کرام سے خاص طور پر یہ گزارش کرنی ہے کہ انفرادی چھوٹے واقعات جیسے کسی کا دیدار نبی کریم ﷺ کے لئے سفر کرنا، نقصان پہنچانے کے ارادے سے پہنچنا، مسلمان ہونے یا ایمان لانے کے لئے حاضر خدمت ہونا یا مسئلہ مسائل کی غرض سے حاضر خدمت ہونا وغیرہم یا ان جیسے کئی واقعات میں ان کے وقوع کے ماہ و سال کا تعین کرنا بہت مشکل ہے (اور خاص طور پر ان کا جن کا ماخود کتابوں میں تعین موجود نہیں ہے)۔ یہ سب واقعات حیات طیبہ کا حصہ ہیں یہ سب ہی کسی نہ کسی پہلو سے بہت ایمان افروز ہیں۔اس لئے ان سب کا بیان کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔قارئین کرام میں سے اگر کسی کو بھی ایسے بیان کردہ واقعہ کے زمانہ وقوع کا صحیح و مصدقہ علم ہو یا پتہ چلے تو وہ مجھے بھی مصدقہ اطلاع دے تا کہ آئندہ اس واقعہ کو اس کے وقوع کے سن ہجری میں بیان کرسکوں۔

۷۔اس سب کچھ کو اس قدر تفصیل و وضاحت سے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام اور خاص طور پر محقق حضرات ماہ وسال کا یہ فرق دیکھ کر ذہنی الجھن و پریشانی میں نہ پڑیں بلکہ اس کو مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل کی روشنی میں قابل درگزر اور قابل قبول سمجھیں اور اپنا سفرِ حصولِ علم خوبصورتی، دلجمی، دلچسپی اور خوبی کے ساتھ جاری رکھیں۔

بعثت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے فروغ کا نقطہ آغاز تھی اور ہجرت مدینہ منورہ اس نئے عالمی نظام کے نقطہ عروج کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔تاریخ دنیا کے اس فیصلہ کن موڑ پر اسلامی تعلیمات اور قدروں کے فروغ اور آسمانی ہدایات واحکام کے عملی نفاذ سے ذہنی پستی، فکری فرسودگی اور سماجی بدحالی کا دیکھتے ہی دیکھتے قلع قمع کردیا۔فردی شخصیت اور اس کے کردار کی صحیح تعمیر ہوئی۔ہر فرد اہم اور ذمہ دار ہوگیا۔انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر حیات انسانی کو صدق وصفا کے قالب میں ڈھال دیا گیا۔

حیات طیبہ کا مدنی دور دس برسوں پر محیط ہے۔یہ دس برس علم، حکمت، دانائی اور ان کے عملی مظاہرہ کا ایک ایسا حسین دلکش امتزاج پیش کرتے ہیں کہ اس کی اثر پذیری کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

دین اسلام ہر دل میں گھر کرگیا اور تعلیم وتربیت نبوی پر چل کر مسلمانوں نے دین اسلام کو ہر سو ہزاروں میل تک پھیلا دیا۔ہر فرد و گھر کی زندگی کو مطمئن، پرسکون، خوشحال وخوش کن بنادیا۔یہ خوشگوار تبدیلی صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں تھی بلکہ تمام مخلوقِ خدا کے لئے تھیں۔سب کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔خلفائے راشدین اوران کے ماتحت گورنروں، حاکموں کا یہ حال تھا کہ وہ صحیح معنوں میں قوم کے خادم بنے ہوئے تھے۔خود کم سے کم تر پر گزارا کرتے تھے اور عوام کو مستحق لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر دیتے تھے۔

ان کی خدا خوفی کا یہ حال تھا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسولِ ثانی کا یہ فرمانا تھا کہ اگر عمر (رضی اللہ عنہ) کے دورِحکومت میں ایک کتا بھی دریائے نیل وفرات کے کنارے بھوک سے مرگیا تو وہ اپنے رب

کے سامنے کیسے جوابدہ ہوگا۔ یعنی کہ اس کے ذمہ دار تو سوفی صد خلیفۃ الرسول ہی ہیں، میں ہی ہوں۔ میں اس کا جواب کیسے دے پاؤں گا۔

اسلام سے پہلے

اسلام سے پہلے مختلف اقوام نے اپنے تاریخی واقعات اور کاروباری امور وغیرہ کے سرانجام دینے کے لئے مختلف قسم کے کیلنڈر مقرر کر رکھے تھے۔ اہل ایران ہر بادشاہ کی تخت نشینی کی تاریخ سے اپنی نئی جنتری کا آغاز کرتے تھے۔ رومیوں نے سکندرِ مقدونی کی تخت نشینی کے سال سے اپنا کیلنڈر بنایا ہوا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے سال و ماہ (تاریخ) کا شمار حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو آتش کدہ نمرود میں پھینکے جانے کے واقعہ سے کرتی تھی۔ پھر تعمیر کعبہ کے سال سے اپنی جنتری کا آغاز کرتے تھے۔ بعد ازاں کعب بن لوی کی وفات سے پہلے سالوں کا شمار کرنے لگے، پھر جب ابرہہ نے کعبہ مقدس کو گرانے کا عزم کیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ ان پر سنگ باری کر کے انہیں تہس نہس کر دیا۔ اس وقت سے اہل عرب نے اس واقعہ سے اپنے سالوں کا شمار کرنا شروع کیا۔

تعین سن ہجری

امام ابن کثیرؒ کی کتاب سیرت النبی میں درج ہے کہ سن ہجری کا آغاز عہد فاروقی میں ہوا جس کا مختصر ذکر حسب ذیل ہے۔

مسلمانوں نے ابتداء میں کوئی مخصوص نظام اختیار نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ ہجرت کا سولہواں تا سترھواں سال تھا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک رسید پیش کی گئی جس میں لکھا تھا، کہ فلاں شخص ماہ شعبان میں فلاں شخص کو اس کے ذمہ واجب الادا رقم واپس کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رسید کو پڑھا اور دریافت کیا کہ کون سا شعبان؟ اس سال میں آنے والا شعبان یا گزشتہ سال کا شعبان یا آئندہ سال کا شعبان؟

آپ نے محسوس کیا جب تک سال کا تعین نہ ہوگا اس وقت تک لوگ اپنے کاروبار میں، لین دین میں طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے آپ نے اپنی مجلس مشاورت کا اجلاس طلب کیا۔ فرمایا کہ ہمیں اپنا ایک سن مقرر کرنا چاہئے جس کے مطابق لین دین وغیرہ کے سلسلہ میں حتمی تاریخوں کا تعین کیا جاسکے۔ اس کے بارے میں اپنا اپنا مشورہ دو۔ ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ ہم اہل فارس کے کیلنڈر کو اپنے ملک میں نافذ کر دیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ کسی دوسرے صاحب نے رومیوں کے کیلنڈر کو اپنانے کی تجویز پیش کی آپ نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا۔

کسی صاحب نے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے یوم ولادت کو اپنی تاریخ کے آغاز کے لئے اختیار کرنے

مشورہ دیا۔ کسی نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بعثت کے سال کو اور کسی نے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے سال وفات سے ابتدا سن کرنے کا مشورہ دیا اور کسی صاحب نے واقعہ ہجرت سے اسلامی سن کی ابتدا مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہجرت سے اسلامی سن کی ابتدا کرنے کی تجویز پسند آئی کیونکہ واقعہ ہجرت سے ہی سرکار دو عالم ﷺ کی عظمت و شوکت اور دین اسلام کی ترقی و سربلندی کے عہد کا آغاز ہوا۔ تمام حاضرین نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو منظور کر لیا۔

''امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے نہ حضور ﷺ کی بعثت کے سال سے اور نہ وفات کے سال سے اپنے سن کا آغاز کیا' بلکہ حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے اپنے سن کا آغاز کیا'' (صحیح بخاری، جلد ۱ صفحہ ۵۶۰)

کیونکہ اہل عرب سال کا آغاز ماہ محرم سے کیا کرتے تھے۔ اس لئے ہجری سال کا آغاز بھی یکم محرم الحرام سے طے پایا علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''اہل عرب کے نزدیک مہینوں میں سے پہلا مہینہ محرم شمار ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہجری سال کا آغاز ماہ محرم سے کیا تاکہ ان کے ہاں مروج طریقہ کے مطابق سال کی ابتداء ہو اور کاروبار اور لین دین میں کسی قسم کا خلل واقعہ نہ ہو''۔ واللہ تبارک تعالیٰ اعلم

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۸۷، ۲۸۹)

ماہ و سال کے تعین میں بے اعتدالیاں

جب کوئی معاشرہ کسی ضابطے اور اصول کا پابند نہ رہے تو وہ معاشرہ اخلاقی قدروں کی گرفت سے بھی بہت جلد آزاد ہو جاتا ہے اور اخلاقی پستیوں کا شکار ہو جاتا ہے پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا سیاہ قانون سکہ رائج الوقت قرار پاتا ہے اور اس قانون کے ساتھ جنگل کی ساری تاریکی حیات انسانی کے ہر شعبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ تمام انسانی قدریں پامال ہو جاتی ہیں اور سارا معاشرہ چند افراد کے سامنے بے بس و بے حس ہو جاتا ہے اور پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ صدیوں چلتا ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت قائم نہ تھی اور نہ قبائل کے درمیان اشتراک عمل کے لئے کوئی تحریری دستور العمل ہی رائج تھا۔ قبائلی رسوم و رواج کی پیروی کی جاتی تھی کہ ان کے تحفظ کے نام پر انسانی خون پانی کی طرح بہایا جاتا۔ ضابطے اور اصول قدم قدم پر بدلتے رہتے۔ حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں ماہ و سال کا حساب بھی سرداروں کے مفادات کی روشنی میں لگایا جاتا۔

تقویم (جنتری، کیلنڈر، تاریخ ماہ و سال کا ریکارڈ، اندراج) جو مضبوط بنیادوں پر استوار کسی بھی معاشرے

میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور کسی قوم کی پہچان اور شناخت قرار پاتی ہے' وہ عربوں کے نزدیک ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ سال کے بارہ مہینوں میں اگر چاہتے تو ایک ماہ کا اضافہ کر لیتے، حج میں آتا تو ایام مقدسہ میں اپنی ضروریات کے تحت ردو بدل کر لیتے، غرض ماہ و سال کے حساب کے معاملہ میں ہر سطح پر ایک عجیب افراتفری اور بے قاعدگیوں کا عالم تھا۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی خودسری

جزیرہ نمائے عرب میں عہد رفتہ کے انبیاء کی تعلیم کے مطابق بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو حرمت و ادب والے مہینے قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں جزیرہ نمائے عرب میں خودسری اور انانیت مصلحت و ضروریات کے باعث مذکورہ مہینوں کے ادب و احترام کے باوجود، حسب ضرورت ان متبرک مہینوں کی حرمت کا دامن بھی تار تار کر دیا جاتا۔ اور کمال ڈھٹائی سے کہہ دیا جاتا کہ یہ محرم نہیں صفر کا مہینہ ہے اور یوں اپنی من مانیوں اور بے اعتدالیوں کا جواز پیدا کر لیا جاتا۔

مہینوں کی اس اکھاڑ پچھاڑ کو "نسئ مشہور" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے روایات میں ہے کہ عمرو بن لحی الخزامی نے "نسئ مشہور" کے اس فعل کو رواج دیا تھا۔ اسی شخص سے بیت اللہ شریف کے مقدس احاطے میں بتوں کی نجاست ڈالنے کا (بتوں کو لا کر وہاں پوجا پاٹ کی خاطر رکھنے کا) جرم سرزد ہوا تھا۔ جب مہینوں میں ردو بدل اپنی مرضی کے مطابق ہونے لگا اور ہر قبیلہ اس بدعت سے ہاتھ رنگنے لگا تو مہینوں کا تقدس اور ان کی گنتی آپس میں اس طرح گڈمڈ ہوگئی کہ عرب کا سارا تقویمی نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

یعنی کہ صورت حال اتنی خراب ہوگئی کہ مکہ مدینہ کے درمیان کے علاقہ میں ہی ایک قبیلہ میں ماہ محرم ہے تو وہی ماہ دوسرے قبیلہ میں ماہ صفر ہے اور وہی ماہ تیسرے قبیلے میں ماہ ربیع الاول ہے اور کہیں دور کسی اور قبیلے میں وہ ماہ ابھی ماہ ذوالحجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بنو مالک بن کنانہ میں ایک شخص قلمس نے پہلی مرتبہ ایک عوامی میلے میں باقاعدہ اعلان کر کے مہینوں کی تقدیم و تاخیر کے عمل کو جاری کیا اور اس عمل کو فنی اور ثقافتی رنگ میں پیش کیا گیا پھر یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔ عباد، قلع، امیہ، عوف اور ابو ثمامہ جنادہ یہ سردار یہ قبیلوں کے بڑے لوگ ہر سال اعلان نسئ کر کے یہ رسم ادا کرتے رہے۔

بنو کنانہ نے اس جدت کو باضابطہ ایک ادارہ بنالیا اور مذکورہ تمام افراد اس ادارہ کے بانی و سرپرست کی حیثیت سے قلمس اول کے جانشین بن کر "قلامہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ لوگ کبھی محرم کو صفر میں اور کبھی صفر کو محرم میں بدل دیتے تھے۔ کبھی دو ماہ صفر اور دو ماہ محرم اکٹھے کر لیتے۔ بعض اوقات ذوالحج کے دو مہینے قرار دے دیئے جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تقدیم و تاخیر (مہینوں کے آگے پیچھے کرنے) کے اس عمل سے تقویم کا سارا نظام ہی الٹ پلٹ دیا جاتا اور پورے بارہ کے بارہ مہینے اپنا ترتیبی تشخص گم کر بیٹھتے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے جن مقامات پر قمری' شمسی تقویم کا رواج تھا وہاں اس کے حسابات کو درست رکھنے کے لئے مستقل عہدیدار مقرر کئے جاتے۔ چنانچہ رومیوں، یہودیوں اور خود اہل مکہ میں "نساۃ" کا مستقل محکمہ تھا۔ مدینہ منورہ کے لوگ اگرچہ مذھباً اہل مکہ سے بہت مختلف اور آزاد تھے تاہم تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ان کے ہاں بھی مذکورہ محکمہ یا "نسیٔ" کرنے والوں کا عہدہ موجود تھا۔ ظہور اسلام کے وقت مدینہ میں قمری تقویم رائج تھی، مہینوں اور دنوں کے نام وہی تھے جو مکی تقویم میں مستعمل تھے ذیل میں مہینوں کی تاخیر وتقویم یعنی کہ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا جدول دیا جارہا ہے جو کہ رسالہ نقوش کی جلد ۹ کے صفحہ ۴۲۷ پر چھپا تھا۔

مہینوں میں تاخیر وتقدیم کا جدول

چارٹ کی شکل میں حسب ذیل ہے' یہ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا جدول رسالہ نقوش کی جلد ۹ کے صفحہ ۴۲۷ سے لیا گیا ہے

ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ
محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم
صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر
ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱
ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲
جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱
جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲
رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب
شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان
رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان
شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال
ذی قعدہ	ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ
ذوالحجہ	محرم	صفر	ربیع۱	ربیع۲	جمادی۱	جمادی۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذوالحجہ

نسیٔ کا یہ کھیل تین صدیوں تک محدود ذاتی اغراض اور جاہلیت کی قبائلی حمیت کے تقاضے پورے کرنے کے لئے جاری وساری رہا آخر کار حجۃ الوداع کے موقع پر یہ مذموم اور خودساختہ رسم بھی ہمیشہ کے لئے ختم کردی

گئی۔

تاریخ دانوں کے تاریخی اختلافات

سیرت نبوی آئینے کی طرح صاف وشفاف ہے، حیات طیبہ کا ایک ایک پہلو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ مسلمان مفسرین محدثین اور مفکرین نے حیات مقدسہ پر قلم اٹھاتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حالات و واقعات کو ضمیر و عقل کی کسوٹی پر پرکھا ہے، ایسے اصول اور ضابطے وضع کئے گئے کہ زیب داستان کی گرد خود بخود چھٹتی چلی گئی اور حقائق کا چہرہ واضح اور روشن تر ہو گیا۔

کسی حدیث کو روایت کرنے والے کی گواہی کو بھی بغیر کسی تحقیق کے تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ راوی کے معتبر اور نا معتبر ہونے کے لئے بھی اصول اور ضوابط بنائے گئے۔ یہ تمام اقدامات واقعی قابل داد ہیں، دنیا کے کسی بھی اور انسان کی شخصیت، کردار کو احاطہ تحریر میں لاتے وقت اتنی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ ہمارے محدثین، مفسرین اور مفکرین جانتے تھے کہ ان کی ذرا سی بے اعتدالی کی وجہ سے آئندہ چل کر نظریات وعقائد اور افکار و حقائق میں اختلاف کی ایک وسیع خلیج بھی حائل ہو سکتی ہے۔ اس لئے کسی بڑے فکری مغالطے سے بچنے کے لئے انہوں ایک ایک قدم پھونک کر اٹھایا گیا۔

اسلام کی عمومی تاریخ میں حضور انور نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ کا مدنی عہد خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ صحیح معنوں میں ہجرت مدینہ سے پیغمبر اول و آخر و اعظم' حضور پُر نور' رحمت دو عالم ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ مکہ میں تحریک اسلامی کی دعوتی سرگرمیاں محدود پیمانے پر جاری تھیں اور یہ نسبتاً ایک خاموش تحریک تھی، آگے بڑھ کر ظالم کے ہاتھ روکنے کی ابھی اجازت نہیں ملی تھی۔ لیکن ہجرت مدینہ کے بعد یہی خاموش تحریک باطل کے لئے ایک گونجتی للکار بن جاتی ہے۔ تحریک دین اسلام بزور بازو بھی ظلم اور کفر کا راستہ روکنے کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ میدان جہاد میں اترتی ہے اور اس سال کے مختصر عرصے میں پورے عالم عرب کی فیصلہ کن قوت بن جاتی ہے۔

تعلیمات اسلامی کی خوشبو جزیرہ نمائے عرب کے باہر بھی کفر و شرک کے ظلمت کدوں کے دروازوں پر دستک دینے لگتی ہے اور اسلام کا پرچم دنیا کے گوشے گوشے میں پوری آب و تاب کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں دم توڑ دیتی ہیں اور کاروان مدینہ کے قدموں سے اٹھنے والی دھول کو اپنے سر کا تاج بنا کر دامن رحمت میں آجاتی ہیں۔

مدنی دور میں ایک عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی۔ سپہ سالار مدینہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور ہادی انس و جاں رحمت دو عالم ﷺ نگران گشتی دستوں کی تشکیل، ان کی روانگی اور مطلوبہ نتائج کے حصول اور غزوات میں مصروف رہے۔ میدان جنگ میں باطل استحصالی قوتوں سے برسر پیکار رہے، کفر و شرک، ظلم و جبر و

ناانصافی کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان سرایا اور غزوات کے حالات پوری تفصیلات کے ساتھ ملتے ہیں۔ مثلاً سرایا یا غزوات کی وجوہات اور محرکات کیا تھے۔ سرایا یا غزوات کا مقام، مدینہ منورہ یا کسی مشہور مقام سے ان کا فاصلہ، اس مقام کی جغرافیائی کیفیات، فریقین کے سالار کون کون تھے، فریقین کی تعداد کیا تھی۔

فریقین کے علمبرداروں کے نام کیا تھے، ان کے پرچموں کا رنگ کیسا تھا، سامان حرب کی تفصیلات، حتیٰ کہ گھوڑوں کے نام تک درج ہیں۔ یہاں تک معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کافر کس مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا یا زخمی ہوا۔ ان کے درمیان جنگ سے پہلے کیا مکالمہ ہوا اور اس سریہ یا غزوہ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ مال غنیمت میں کون کون سی چیز شامل تھی، حتیٰ کہ بھیڑوں، گھوڑوں یا اونٹوں کی تعداد تک معلوم ہو جاتی ہے اور پھر کون فتح کی خبر لے کر مدینہ پہنچا، اس سریہ یا غزوہ کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اسیرانِ جنگ کے نام کیا تھے ہر معرکہ کس مہینہ کے کس دن برپا ہوا وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً یہ قدیم تواریخ میں مسلمان مؤرخین کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

تواریخ کے اندراج میں فرق کی وجہ "نسیٔ مشہور"

تاریخ اسلام کے ابتدائی مصنفین جن میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں نے پوری صحت کے ساتھ واقعات کو سپرد قلم کیا۔ بدقسمتی سے وہ تاریخی ریکارڈ ہمارے پاس موجود نہیں۔ غزوات پر لکھنے والے علماء کی عملی کاوشیں آج بھی ہمارے لئے مینار نور بنی ہوئی ہیں۔ اکثر و بیشتر روایات کی سند انہی کے ہاں سے ملتی ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی کے نام اس ضمن میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں، ابن اسحاق نے ۱۵۱ ہجری میں وفات پائی جبکہ واقدی ۲۰۰ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ اور علامہ ابن ہشام نے ۲۱۳ ہجری میں وفات پائی۔

ان کا عہد، عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دور نہیں۔ ابن اسحاق نے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا اور تابعی ہونے کا اعزاز حاصل کیا واقدی ابن اسحاق کے آخری زمانے کے آدمی ہیں اکثر کہا جاتا ہے کہ درست تاریخ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد تحریر ہوتی ہے اگر اس حوالے سے دیکھا جائے تو ابتدائی دو صدیوں میں تاریخ مرتب کرنے اور احادیثِ نبوی مرتب کرنے کا جو کام ہوا وہ مناسب وقت پر اہل و قابل لوگوں کے ہاتھوں سرانجام پایا۔

ابن اسحاق اور واقدی نے اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس وقت تک علمی حوالے سے اچھا خاصا کام ہو چکا تھا کئی کتب خانے موجود تھے اور ایسی کتب موجود تھیں جن سے استفادہ کر کے اپنی تاریخی اور ثقافتی ورثہ اگلی نسلوں کو منتقل کیا جا سکتا تھا اور ایسا ہوا بھی۔ ابن اسحاق کا زمانہ امام زہری کا بھی زمانہ ہے، سیرت نگاروں میں امام زہری اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے مقام و مرتبے کا اندازہ اس امر

سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری جیسے محدث نے بھی امام زہری کے علمی ذخیرے سے استفادہ کیا۔ واقدی نے بھی تحقیق وجستجو کا حق ادا کیا ابن کثیر جیسے عالم اور محقق ان کی علمی وجاہت کے معترف تھے۔

اسے تاریخ کی ستم ظریفی کہیے کہ ابن اسحاق اور واقدی نے جن ابتدائی ماخذات سے استفادہ کیا اور جو تحریریں ان کے پیش نظر رہیں وہ ان ایام میں مرتب ہوئیں جب مکی تقویم میں ہر سال ایک ماہ کا اضافہ کرلیا جاتا تھا اور مدنی دور میں بھی اور مکی تقویمیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں لیکن ابن اسحاق اور واقدی نے واقعات کی صحت کا مقدور بھر خیال رکھا حتیٰ کہ دن اور تاریخ کے علاوہ وقت کا بھی اندراج موجود ہے۔

لیکن اس کے باوجود تاریخوں اور دنوں میں اختلاف کا رونما ہونا بالکل قدرتی سی بات تھی۔ بات دراصل یوں ہے کہ چونکہ عہد رسالت مآب ﷺ میں سن ۹ یا ۱۰ ہجری تک دونوں تقویمیں بیک وقت ساتھ ساتھ رائج تھیں اس لئے عہد صحابہ کرام میں مکی روایات اور مدنی روایات آپس میں غلط ملط ہوگئی ہوں گی اور ابن اسحاق اور واقدی تک جب یہ مخلوط روایات پہنچی ہوں گی تو اس سبب ان کی تواریخ، مقامات وغیرہ میں اختلاف موجود ہوں گے۔

سریہ بدر موعد کو ابن اسحاق مکی اور واقدی اسے مدنی کہتے ہیں۔ یہ اختلاف جغرافیائی ہیں شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ابن اسحاق نے زیادہ تر مکی دستاویزات سے استفادہ کیا جبکہ واقدی نے زیادہ تر مدنی ریکارڈ کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس دور تک آتے آتے عوامی سطح پر مکی اور مدنی تقویم کی تفریق مٹ چکی تھی اور تاریخ یا زمانہ وقوع کے حوالے سے واقعات آپس میں گڈمڈ ہو چکے تھے۔

قرآن حکیم میں مہینوں کی تعداد اور ”نسیٔ مشہور“ کی مذمت

اللہ تبارک تعالیٰ نے کائنات میں سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھائے۔ ان کے ذریعے اپنے خالق ومالکِ حقیقی کو پہچانے اور اس کی ان تمام رحمتوں نعمتوں کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر گزار ہو۔

سورج، چاند، ستارے، خلا میں ان کا سفر، ان کے منازل، طلوع وغروب، ان کی رفتار اور ان کے تدرج و تحول سے رات دن کا پیدا ہونا' یہ سب زمین و آسمان کی وسعتوں اور پہنائیوں میں خالق کائنات کی گوناگوں تخلیقات ہیں۔ یہ سب مظاہر فطرت ہیں کرۂ ارض پر انسان ان فطری مظاہر سے اپنے ماہ وسال کا حساب لگاتا ہے، یہی نہیں بلکہ ان مظاہر فطرت میں متقی پاک باز لوگوں کے لئے واضح نشانیاں بھی موجود ہیں۔

سورۂ یونس آیت ۵ میں خالق ومالکِ حقیقی کائنات کا ارشادِ باری یوں ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ ''وہی جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو''۔ (سورۂ یونس آیت ۵)

شب و روز کے بدلنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بنی نوع اس سے اپنے دن ماہ و سال کا حساب قائم کریں اور اس سے اپنے لئے زندگی میں سہولت و آرام پیدا کریں اور تقویم کی بے قاعدگیوں سے بچیں۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی سن ۹ ہجری تک اہل مکہ میں یہ طریقہ رائج رہا کہ وہ حسب ضرورت سال میں ایک ماہ کا اضافہ کر کے اپنی قمری تقویم کو شمسی تقویم کے مطابق کر لیا کرتے تھے، جس سال یہ اضافہ ہوتا وہ سال بجائے بارہ مہینوں کے تیرہ مہینوں کا شمار ہوتا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم سورۂ توبہ کی آیات ۳۶، ۳۷ میں اس وقت کے معاشرہ میں نسیٔ مشہور کے عام ہونے کی نشاندہی کی ہے اور تقویم یا دن ماہ و سال کے حساب میں (گنتی میں) من مانی بے قاعدگیوں سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا النَّسِىْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا۔ ان میں سے چار مہینے (رجب، ذی قعدہ، ذی الحج، اور محرم) حرمت والے ہیں یہی سیدھا دین ہے سو تم ان مہینوں میں (از خود جنگ و قتال میں ملوث ہو کر) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا اور تم (بھی) تمام مشرکین سے اسی طرح (جوابی) جنگ کیا کرو جس طرح وہ سب کے سب (اکٹھے ہو کر) تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) آگے پیچھے ہٹا دینا محض کفر میں زیادتی ہے اس سے وہ کافر لوگ بہکائے جاتے ہیں جو اسے ایک سال حلال گردانتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں تا کہ ان (مہینوں) کا شمار پورا کر دیں جنہیں اللہ نے حرمت بخشی ہے اور اس (مہینے) کو حلال (بھی) کر دیں جسے اللہ نے حرام فرمایا ہے

ان کے لئے ان کے برے اعمال خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کے گروہ کو ہدایت نہیں فرماتا۔(سورۂ توبہ آیات ۳۶، ۳۷)

آیت ۳۷ کی تفسیر و تشریح میں علامہ فخر الدین رازی رحمتہ اللہ نے تقویم کے سلسلے میں عربوں کی بے اعتدالیوں، من مانیوں اور تقویم کو مفاد پرستی پر قربان کر دینے پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ تفسیر الکبیر جلد (باب) ۱۶ صفحہ ۵۶ پر آپ لکھتے ہیں کہ

"لوگوں نے یہ بات جان لی کہ وہ اپنا حساب قمری سن پر مرتب کریں گے تو حج کبھی گرمی میں جا پڑے گا اور کبھی سردی میں اور حاجیوں کے لئے سفر باعث مشقت تھے اور وہ ان سے کاروبار اور تجارت میں اس لئے فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ دوسرے شہروں کے لوگ ایسے ہی اوقات میں آسکتے تھے جو ان کے لائق اور موافق ہوں۔ اس لئے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ معاملے کی بنیاد قمری سن پر رکھی جائے تو یہ دنیاوی مصالح کے خلاف ہوگا اس کو ترک کر دیا اور شمسی سال اعتبار کرنے لگے چونکہ شمسی سال قمری سال سے ایک معین مدت کے بقدر زائد ہوتا ہے اس بناء پر کبیسہ کی ضرورت پڑی اس (عمل) کبیسہ کے باعث انہیں دو چیزیں حاصل ہوتیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے بعض سالوں کو اس بڑھوتری (اضافہ) کو کھانے کے لئے ۱۳ ماہ کا قرار دیا دوسری یہ کہ حج بعض قمری مہینوں سے دوسرے مہینوں میں منتقل ہوتا رہا۔" (تفسیر الکبیر ۱۶:۵۶)

درج بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ سال کے بارہ مہینوں میں مزید ایک ماہ کا اضافہ اور قمری کی بجائے شمسی تقویم کی پیروی عربوں کی ایک کاروباری ضرورت تھی۔ ان کے اپنے مفادات تھے جو انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ زمانہ قدیم میں قمری تقویم میں ردوبدل کی حقیقی افادیت بجز اس کے کچھ اور نہ تھی کہ ایسا کرنے سے معبدوں میں چڑھاوے اور فصل کی کٹائی کا حصہ بروقت پہنچ سکے۔

زمانہ جاہلیت میں جزیرہ نمائے عرب میں عام دستور یہ تھا کہ کفار و مشرکین اپنی ذاتی مصلحتوں کی خاطر سال کے بارہ مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے ایسا کرنے کے سبب تقویمی اور ذہنی انتشار کے علاوہ اہم واقعات بھی آپس میں گڈمڈ ہو جاتے، حتیٰ کہ مقررہ شدہ روایات حج وغیرہ بھی متعینہ ایام میں ادا نہ کی جاسکتیں۔ مثلاً حج جو ذوالحجہ میں آتا ہے کبھی ذیقعد اور کبھی محرم میں چلا جاتا۔ کبھی حسن اتفاق سے ذوالحجہ میں بھی آجاتا چنانچہ حجتہ الوداع کے سال حج اپنے صحیح وقت پر ہوا۔

مؤرخین، مفسرین، محدثین اور مفکرین کا خیال ہے کہ اہل مدینہ نے اپنے قمری سال کے مہینوں کے نام اسی طرح اہل مکہ سے لئے ہوں گے جس طرح کسی زمانے میں شام کے عیسائیوں نے اپنے کیلنڈر کے مہینے یہودی تقویم سے لئے تھے۔ سیرت کی واثق و مستقل و پختہ شہادتیں بتاتی ہیں کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں مدینہ

منورہ میں قمری اور شمسی دونوں کیلنڈر بیک وقت رائج تھے اور ان کے مہینوں اور ایام کے نام مشترک تھے۔

یہ دونوں کیلنڈر سن ۹ یا ۱۰ ہجری تک ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ حتیٰ کہ سن ۹ ہجری تک مکی تقویم کو مسلمانوں کی دینی تقویم کا درجہ بھی حاصل رہا۔ اور تمام مہاجر و انصار اسی کے ماہ محرم میں صوم عاشور اور اسی کے ماہ رمضان میں روزے رکھتے تھے۔ لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر تاجدار کائنات ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی دیگر قبیح اور مذموم رسوم کی طرح اس رسم کا بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ فرمادیا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور، حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔

"بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لئے ایسے محترم ہیں جس طرح کہ اس دن کو اس شہر میں اس مہینے میں حرمت حاصل ہے"۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۵ صفحہ ۱۹۴)

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم تاجدار کائنات، ہادیٔ انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، انسان کامل، اصل الموجودات، فخر کائنات، سرور دو عالم، سیّد المرسلین، خاتم النبیین حضور پُرنور، حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم، مخبر صادق، عالم خفا و غیوب، محبوب رب للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"زمانہ گھوم کر اسی حالت میں آگیا ہے جس طرح کہ اس دن تھا جس دن اللہ تبارک تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا"۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۵ صفحہ ۱۹۴)

اور یہ کہ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اس اعلان کے بعد مسلمانوں کا سن مکی کی بجائے مدنی قرار پایا جو آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔ مدنی سن کو باقاعدہ اسلامی سلطنت کی قبولیت کا شرف خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں حاصل ہوا اور اسے سن ہجری کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ہجری سن میں بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں اور اس میں مہینہ کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن کا۔

حاصلِ کلام

ماہ و سال کے تعین میں بے اعتدالیوں کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہوئے تو ان کے ذہنوں میں وہی مکہ والی تقویم تھی۔ وہ مکی کیلنڈر کے حوالے سے اہم واقعات اور سرایا وغیرہ کا شمار کرتے رہے۔ لیکن مدینہ منورہ کا اپنا کیلنڈر رائج تھا مدنی کیلنڈر کے مہینے بارہ تھے یہاں سال میں ایک ماہ کا اضافہ نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انصار اپنے حساب سے واقعات کا اندراج کرتے رہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد جب ان مآخذوں سے سیرت نگاروں یا مفسرین نے استفادہ کیا تو تاریخی تضادات جو دراصل تقویمی تضادات تھے سامنے آئے۔ بعض اوقات تواریخ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے جو بیان کی گئی ہے یعنی یہ تضادات حقیقی نہیں بلکہ دو تقویموں کی وجہ سے ہیں۔

کتب میں ایک جیسے واقعات میں تاریخوں اور بعض مقامات کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس تضاد کی وجہ یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) یہ روایات فرضی ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس تضاد کی اصل وجہ مدنی دور میں دو تقویموں کا رائج ہونا ہے چونکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے قبل مدنی تقویم باقاعدہ اسلامی تاریخ نہیں تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر واقعہ کی تفصیل اپنے اپنے حساب سے لکھتے رہے۔ انصار مدینہ نے مدنی تقویم کو پیش نظر رکھا جبکہ مہاجرین نے مکی تقویم کے حوالے سے معتبر گردانا۔ وقت گزرنے اور روایات کے زمانی سفر کے ساتھ ساتھ یہ تاریخیں غلط ملط ہوتی رہیں۔ حیات طیبہ کی جزئیات تک کو بھی احاطہ تحریر میں لایا جارہا تھا۔ یہ کام کسی باقاعدہ ادارہ کے تحت نہیں بلکہ بہت حد تک انفرادی سطح پر ہو رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں انصار مدینہ بھی تھے اور مہاجرین مکہ بھی اور یوں تقویمی اختلاف سامنے آیا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے جس عرق ریزی سے حیات مقدسہ کے ایک ایک گوشہ کے ایک ایک جزو کو لوح وقت پر محفوظ کرنے کی سعی کی وہ محبت رسول کی بھی مظہر ہے اور عملی ذہانت کا بھی آئینہ دار ہے، جس میں ماضی کا ایک ایک عکس اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ محفوظ ہی نہیں، روشن بھی ہے۔

نسئی مشہور یا جاہلی تقویم کے سبب تاریخ ماہ و سال کا تضاد ہماری کتابوں میں آگیا ہے اس تضاد کے سبب ناپختہ ذہن قارئین کرام اس سے بدظن و بدگمان ہو کر یہ تاثر نہ لیں کہ ہمارے اس دور کے سیرت نگاروں، تاریخ دانوں نے احتیاط سے کام نہ لیا۔ یہ گمان واقعتاً درست نہیں۔ روایت کرنے والوں کی ذہانت اور دیانت پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ اہل سیر و تاریخ دانوں نے جتنے واقعات بیان کئے وہ یقیناً وقوع پذیر ہوئے۔ اگر تاریخوں میں کوئی تضاد پایا جاتا ہے تو اس کی وجوہات ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ماہ و سال کا حساب رکھنے میں اکثر عرب من مانیاں کرتے رہتے اور انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے تواریخ میں بظاہر تضاد دکھائی دیتا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے قیام کے لئے ضروری تھا کہ قومیت کے اسلامی تصور کو ہر سطح پر اجاگر کیا جائے اس تصور کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کی جائے اور ذہنوں میں قوم رسول ہاشمی کے جداگانہ تصور کو اس طرح راسخ کر دیا جائے کہ کوئی فکری مغالطہ قصر ایمان کی بنیادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ دوقومی (دین والے اور بے دین) نظریئے کی اس طرح توجیہہ کی جائے کہ حق اور باطل کے درمیان واضح خط امتیاز کھنچ جائے اور شکوک و شبہات کے ہر شعبے کو دور کر کے مسلمانوں کے لئے واضح اہداف مقرر کر دیئے جائیں تا کہ ان اہداف کے حصول کے لئے مرحلہ وار پیش رفت کی جا سکے۔

تحریک دین اسلام ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی تھی۔ اس مرحلہ پر نہ کارکنوں کی نظری اور فکری تربیت سے غفلت کا مظاہرہ کیا جا سکتا تھا نہ قومیت کے اسلامی تصور کی تعبیرات سے صرف نظر کر کے آگے بڑھا جا سکتا تھا۔ مہاجرین براہِ راست حضور انور نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے لیکن فوری نوعیت کے مسائل نے ان کی توجہ کو منتشر کر رکھا تھا۔ ابتلا کے ہر مرحلے پر ان کی قوت ایمانی اور غیرت ملی امتحان کے مرحلے سے گزر چکی تھی، ان نظریاتی کارکنوں کی تخلیقی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کے لئے ایک مرکز کی ضرورت کا احساس شدت سے ہونے لگا۔

وہ انصار جو اسلام کے دائرہ رحمت میں نئے نئے داخل ہوئے تھے' ہو رہے تھے یا مستقبل قریب میں جن کی شمولیت متوقع تھی ان کی فکری اور عملی تربیت کا بھی کوئی باقاعدہ نظام وجود میں نہیں آیا تھا۔ کوئی ایسا مرکز یا پارلیمنٹ ہاؤس بھی موجود نہیں تھا جسے مرکز بنا کر مسلمانوں کے لئے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی حوالوں کو مضبوط اور مؤثر بنایا جاتا۔ کوئی ایسا دارالعلوم یا مرکز اشاعت بھی موجود نہیں تھا جسے مستقر بنا کر چار دانگ عالم میں دعوت حق کے کام کو آگے بڑھایا جاتا اور مدینے کے داخلی استحکام اور بیرونی خطرات سے نبٹنے کے لئے کسی پروگرام پر عمل درآمد ہو سکتا تھا۔ اجتماعی شعور کی بیداری کے لئے ایک مرکز کا قیام ناگزیر ہو گیا تھا۔ اسلامی معاشرے میں یہ حیثیت مسجد ہی کو حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ تاجدار کائنات سرور دو عالم ﷺ نے بغیر کسی تاخیر کے ترجیحی بنیادوں پر مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔

حالات پر اپنی گرفت مضبوط بنانے کے لئے اور اپنے پیغام کو صحیح خطوط اور سائنٹفک بنیادوں پر فروغ دینے کے لئے ہیڈکوارٹر (ایک مرکز قیادت) کی تعمیر ناگزیر ہوتی ہے چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر ترجیحی بنیادوں پر ہوئی اس لئے کہ تحریک اسلامی کو اپنا دعوتی کام جاری رکھنے اور آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے اپنے ہیڈکوارٹر کی ضرورت تھی۔ تحریکوں کو کامیابی سے آگے بڑھانے کے لئے ایک مرکز کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں۔ ہیڈکوارٹر جتنا فعال اور متحرک ہوگا تحریک کا پیغام اتنی ہی سرعت اور مؤثر طریقے سے دوسروں تک پہنچے گا۔ حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ نے اس ضمن میں جو انتظام فرمایا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد انتظام تھا یعنی ترجیحی بنیادو پر مرکز کی تعمیر کر دی گئی، چند ہی روز میں کچی اینٹوں اور کھجور کے تنکوں اور پتوں سے تعمیر کردہ بہت سادہ مسلمانوں کا اولین ہیڈکوارٹر تعمیر ہوگیا۔

عملاً یہ مسجد بھی تھی، ایوان صدر بھی اور حکومت کا سیکرٹریٹ بھی، فوج کا جنرل ہیڈکوارٹر (G.H.Q) بھی یہی عمارت مسجد کی تھی اور وفود کو ٹھہرانے کا مہمان خانہ بھی یہی تھی، یہی عمارت عدالت کا کام بھی دیتی اور سفارتی سطح پر وفود کی روانگی بھی یہیں سے عمل میں آتی۔ سیاسی، معاشی، سماجی اور عسکری سرگرمیوں کا مرکز کچی اینٹوں سے بنائی گئی یہی عمارت تھی، گویا آپ ﷺ نے یہ وضاحت فرمادی کہ دین کے فروغ وحفاظت کے لئے اٹھائے گئے تمام اقدامات بھی عبادت ہیں۔ خانۂ خدا میں ان پر مشاورت وغور وخوض کیا جاسکتا ہے اور لائحہ عمل بنایا جاسکتا ہے اور ان سب کو سنت، اطاعت وعبادت کا درجہ حاصل ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، پیغمبر اول وآخر واعظم، شفیع المذنبین خاتم النبیین، ہادی انس وجاں حبیب رب العالمین، نور وسرورِ کائنات ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار تھے وہ مختلف محلوں سے گزرتی ہوئی آخر کار حسب امر الٰہی بنی نجار کے محلہ میں پہنچی اور ایک کھلے میدان (مربد) میں رک گئی، بیٹھ گئی۔ حضور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا۔ ''مشیت الٰہی کے مطابق یہی ہماری منزل ہے''۔ جب حضور پُرنور ﷺ اترنے لگے تو سورہ مومنون کی آیت 29 وردِ زبانِ اقدس تھی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝

ترجمہ: ''اے میرے رب! مجھے بابرکت منزل میں اتار، اور تو ہی بہترین منزل میں اتارنے والا ہے''۔

(سورۂ مومنوں آیت ۲۹)

یہ مربد (کھلا میدان) جہاں لوگ کھجوریں خشک کرنے کے لئے دھوپ میں پھیلایا کرتے تھے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا۔ جن کا نام سہل اور سہیل تھے۔ ان کے والد کا نام رافع بن ابی عمرو بن عائذ تھا جو فوت ہو چکا تھا۔ اب وہ دونوں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ کیونکہ یہ دونوں بچے بنو نجار کے قبیلہ سے تھے اس لئے حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ نے بنی نجار کو بلایا اور انہیں فرمایا ''اے بنی نجار! میرے ساتھ اس

زمین کا سودا کرو"۔ انہوں نے عرض کی "بخدا ہم اس کی قیمت کا مطالبہ اللہ تبارک تعالیٰ سے کریں گے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے یہ جگہ خریدنے کے لئے گفتگو فرمائی ان دونوں نے عرض کی "اے اللہ کے پیارے رسول! ہم اس قطعہ زمین کو حضور ﷺ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں"۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے بلا عوض قبول کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ دس مثقال قیمت طے پائی حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت ادا کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تبارک تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہ قطعہ زمین دس مثقال کے عوض خریدا گیا۔ قیمت اس مال سے ادا کی گئی جو حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کرتے وقت اپنے ہمراہ لائے تھے۔" (مدارج النبوت صفحہ ۶۸)

سنن ابوداؤد میں ہے کہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کے دوران جہاں (جس جگہ) موقع ملتا تاجدار کائنات، سرورِ دوعالم حضور رحمتِ دوعالم ﷺ نماز ادا کر لیتے کیونکہ ابھی تک ادائیگی نماز کے لئے کوئی مخصوص جگہ مقرر نہیں تھی۔

(سنن ابوداؤد، جلد ۱ صفحہ ۶۷)

صاحب سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی رحمۃ اللہ تبارک تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"سہل اور سہیل نے بلا معاوضہ یہ قطعہ زمین پیش کرنا چاہا لیکن حضور انور ﷺ نے انکار کر دیا چنانچہ اس کی قیمت سونے کے دس دینار طے ہوئے اور یہ دس سنہری دینار حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کئے"۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۵۰۱)

علامہ زینی دحلان نے اس واقعہ کو اس طرح تحریر فرمایا:

"جب حضور انور رحمت دوعالم ﷺ نے مسجد شریف تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا اے بنی نجار! میرے ساتھ اس قطعہ زمین کا سودا کرو یعنی اس کی قیمت بتاؤ تاکہ میں اس کے عوض تم سے خرید لوں۔ انہوں نے عرض کی ہم اس کی قیمت صرف اللہ تبارک تعالیٰ سے لینا چاہتے ہیں۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے بلا معاوضہ یہ زمین لینے سے انکار کر دیا اور دس دینار کے عوض اسے خریدا اور یہ دس دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا فرمائے"۔

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد ۱ صفحہ ۳۲۹، ۳۳۰)

اس جگہ کو خریدنے کے بعد یہاں مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد مبارک سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امام تھے اور اسی میدان کے ایک حصہ میں سب مسلمان

مل کر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔

اس میدان کی یہ حالت تھی کہ کہیں گڑھے تھے جہاں بارش وغیرہ کا پانی کھڑا رہتا تھا' کہیں پرانے مکانات کے کھنڈر تھے' اس کے ایک حصہ میں مشرکین کی قبریں تھیں اور کہیں کھجور کے درخت تھے۔ جن میں سے کچھ سرسبز تھے اور کچھ سوکھے تھے۔ چنانچہ گڑھوں کو بھر دیا گیا کھنڈرات ہموار کر دیئے گئے' کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے گئے مشرکین کی قبروں کو گرا دیا گیا اور ان کی ہڈیوں کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور ان پر مٹی ڈال دی گئی۔

جب اس میدان کو ہموار کرنے کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

''کہ میرے لئے (نبی اللہ' حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح ایک چھپر تعمیر کر دو''۔ عرض کی گئی وہ چھپر کیسا تھا؟ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر کیسے تھا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا ہاتھ بلند کرتے تو ان کا ہاتھ چھپر کی چھت کو چھو جاتا۔'' (وفا الوفاء از علامہ نورالدین جلد ا صفحہ ۳۲۴، ۳۲۸)

حضرت عبادہ سے مروی ہے کہ کچھ عرصہ بعد انصار نے مال جمع کیا اور اسے لے کر حضور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یارسول اللہ! حضور ﷺ مسجد بنائیے اور اس کو مزین و آراستہ فرمائیے ہم کب تک کھجور کی ٹہنیوں کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

''میں اپنے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) سے روگردانی نہیں کرنا چاہتا ایسا چھپر کافی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی مانند ہو''۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۳۰۶)

جب اس جلیل الشان مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب خاص نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بنفس نفیس اس کی تعمیر میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شریک کار رہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ بھی اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ اینٹیں بقیع کے جانب ایک جگہ سے مٹی کھود کر بنائی گئی تھیں۔

علامہ نورالدین السمہودی وفاء الوفاء میں لکھتے ہیں۔

جہاں سے مٹی لے کر کچی اینٹیں بنائی گئیں اس جگہ کا نام بقیع خجبہ تھا اور یہ جگہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے کنویں کے ایک جانب تھی۔ (وفاء الوفاء از علامہ نورالدین، جلد ا صفحہ ۳۳۴)

جب مسجد کی تعمیر کا کام شروع تھا تو حضرموت کا ایک شخص طلق بن علی وہاں آیا وہ مٹی گوندھنے اور گارا بنانے کے فن کا بڑا ماہر تھا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ اس کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا ''اللہ تبارک تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو جس کام کو کرتا ہے بڑی حسن و خوبی سے کرتا ہے''۔

پھر اسے فرمایا کہ تم یہی کام کیا کرو، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے بڑے حسن و خوبی سے کرتے ہو۔

طلق بن علی کہتا ہے کہ میں نے کسی پکڑلی (پھاوڑا پکڑا) اور میں گارا بنانے میں مصروف ہوگیا۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ میرے کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرمایا۔

''اس حنفی کو گارا بنانے پر ہی رہنے دو کیونکہ یہ اس کام کو تم سب سے زیادہ عمدگی سے کر رہا ہے''۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد۳ صفحہ ۴۸۹۔ وفاء الوفاء، جلد۱ صفحہ ۳۳۴)

امت کے لئے درس

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ جو جس کام کو کرے اسے حسن وخوبی سے سرانجام دے، یعنی اپنی ساری تخلیقی صلاحیتیں اور جسمانی توانائیاں اس کے لئے وقف کر دے۔ اپنے کام کو پوری دیانت داری سے سرانجام دے اور کام کی اونچ نیچ پر نظر رکھے اور پھر اپنے کام کو مکمل بھی کرے اور اسے ادھورا نہ چھوڑ دے۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ بھی درس دیا کہ جو شخص جس کام کو بطریق احسن مکمل کرنے کا اہل ہو اسے وہی کام دیا جائے۔ فرمان نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ میں کارکنوں کے لئے بھی ہدایت کی روشنی موجود ہے اور قیادت کو حسن انتخاب کے بھی بنیادی اصول سمجھائے جا رہے ہیں۔

پہلے اینٹیں پتھر ایک جگہ جمع کئے گئے۔ جب سامان فراہم ہوگیا تو تاجدارِ کائنات سرکارِ دوعالم ﷺ اٹھے اور اپنی چادر مبارک اتار کر رکھ دی اور خود اینٹیں اٹھانے لگے۔ مہاجرین اور انصار نے جب اپنے آقا ﷺ کو اس حال میں دیکھا تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں اور سامان برائے تعمیر مسجد اٹھا کر لانے لگے۔ وہ اینٹیں اور گارا بھی اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور ساتھ ہی یہ شعر گنگنا رہے تھے۔

''اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی کریم ﷺ کام کرتے رہیں تو ہمارا یہ فعل ایک گمراہ کن فعل ہوگا''۔

رہبر کائنات، رسول بحر و بر، ہادیٔ دوجہاں، تاجدارِ کائنات ﷺ اینٹیں پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے ان کی گرد سے شکم مبارک پر مٹی کی تہ جم گئی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وجد وکیف کی عجیب حالت طاری تھی۔ سب مل کر خوش آوازی سے یہ رجز پڑھتے۔

''کوئی زندگی نہیں ہے مگر آخرت کی زندگی۔ اے اللہ! انصار پر بھی رحم فرما اور مہاجرین پر بھی۔

(سیرت ابن کثیر، جلد۲ صفحہ ۳۲۶)

ان کے پرجوش اور پرخلوص رجز کو سن کر حضور پُرنور رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جواب میں فرماتے۔

''اے اللہ! اجر تو وہی ہے جو تیری بارگاہ سے روز آخرت میں ملے گا۔ پس اے اللہ! رحم فرما انصار پر اور مہاجرین پر''۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد۳ صفحہ ۴۸۶۔ دلائل النبوۃ، جلد۲ صفحہ ۵۴۰)

سراسر رحمت

تینوں اشعار میں انصار اور مہاجرین کے لئے اجر، رحمت اور مغفرت کی دعا کی گئی ہے، اس سے اندازہ لگایا

جاسکتا ہے کہ انصار اور مہاجرین میں اخوت محبت اور بھائی چارے کے جذبات سمندر کی لہروں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہے تھے، اسلامی تمدن کی بنیاد تحمل، بردباری ذہنی ہم آہنگی اور باہمی اشتراک عمل کی اعلیٰ قدروں پر رکھی گئی۔ محبت کی خوشبو نے اخوت کی تعمیر میں اینٹ، پتھر اور گارے کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یکجہتی اور اتحاد کا جو تصور اسلام نے بنی نوع انسان کو دیا اس کی مثال پوری تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سامنے آگئے۔ عرض کی یارسول اللہ! بھاری پتھر مجھے دے دیجئے۔ فرمایا۔

''جاؤ، کوئی اور پتھر اٹھا لاؤ، تم مجھ سے زیادہ اللہ کی رحمت کے محتاج نہیں ہو''۔

ہر صحابی پر ایک خاص کیفیت طاری تھی لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ ایک اور نرالی ہی کیفیت سے دوچار تھے۔ دوسرے حضرات ایک ایک اینٹ اٹھاتے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو اینٹیں اٹھاتے۔ فرماتے ایک اینٹ میں اپنی طرف سے اٹھا کر لاتا ہوں اور دوسری اپنے آقا ﷺ کے حصہ کی اٹھا لاتا ہوں۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر زیادہ اینٹیں لاد دیں۔ موقع کو غنیمت سمجھا اور اسی حالت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ)! حضور کے صحابہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیسے؟ عرض کی خود ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر اتنی اینٹیں لاد دی ہیں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے ازراہِ شفقت ان کے بالوں پر گری ہوئی مٹی کو اپنے دست مبارک سے جھاڑا اور ساتھ ہی مستقبل بعید میں وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعہ سے پردہ بھی اٹھا دیا۔ ارشاد فرمایا۔

''اے سمیہ کے فرزند! یہ لوگ تجھے قتل نہیں کریں گے تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔

دوسری روایت میں ہے۔ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا۔

''اے پسر سمیہ! لوگوں کو ایک اجر ملے گا اور تمہیں دو اجر ملیں گے اور تمہاری آخری زاد (کھانا، خوراک) دودھ ہوگا۔ اور ایک باغی گروہ تمہیں قتل کرے گا''۔

عبدالرزاق نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اور حضور کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مسجد کی تعمیر کر رہے تھے تو صحابہ کرام ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں، ایک اینٹ اپنے حصے کی اور دوسری اینٹ نبی کریم ﷺ کے لئے۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو ازراہ شفقت ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔

''پسر سمیہ! (سمیہ کے بیٹے) لوگوں کو ایک اجر ملے گا اور تمہیں دو اجر ملیں گے اور تمہاری آخری زاد (خوراک، کھانا) دودھ ہوگا اور تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عہد رسالت میں مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔ اس کے ستون کھجوروں کے تنوں کے تھے اور کھجور کی شاخوں سے چھت بنائی گئی تھی۔ جب یہ عمارت بوسیدہ ہوگئی تو حضرت صدیق اکبر نے اسی طرح اپنے زمانہ خلافت میں نئی عمارت بنادی۔ مسجد کا رقبہ بھی اتنا ہی رکھا اور عمارت بھی پہلے جیسی سادہ سی بنائی۔ حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں اس رقبہ میں اضافہ کیا۔ لیکن عمارت کے لئے وہی ساز و سامان استعمال کیا۔ کچی اینٹیں کھجور کے ستون۔ کھجور کی شاخوں کی چھت اور قندیلوں سے روشن کردی، منور کردی۔ عہد عثمانی میں جب مسجد کی تعمیر از سر نو کی گئی تو رقبہ بھی کافی بڑھا دیا گیا۔ دیواریں کچی اینٹوں کے بجائے پتھروں کی چنی گئیں جن پر خوبصورت بیل بوٹے بنائے گئے تھے اور دیواریں چننے کے لئے مٹی کے گارے کی بجائے چونہ استعمال کیا گیا۔ ستون پتھر سے تراشے گئے اور ان پر نقش و نگار کئے گئے اور چھت ساگوان کی بنائی گئی)۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶)

محنت کی عظمت کے داعی

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم والی کون و مکان حضور پُر نور رحمتِ دو عالم ﷺ محنت کی عظمت کے بھی داعی ہیں۔ خیر کا ہر چشمہ آپ ہی کے نقش کف پا سے پھوٹتا ہے۔ ہدایت کی ہر روشنی کا آغاز آپ ہی کے قدم بوسی سے ہوتا ہے۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ خود اپنا جوتا گانٹھ لیتے، اپنے لباس میں پیوند لگا لیتے اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ ﷺ نے خوب حصہ لیا۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے۔ گرد آپ ﷺ کے جسم اطہر کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کرتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہو کر احتراماً عرض کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تکلیف نہ کریں، آپ ﷺ کے غلام جو حاضر ہیں۔

لیکن دنیا کو قانون دینے والے پیغمبر اول و آخر اعظم ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے ساتھی تو مشقت اٹھائیں اور وہ خود آرام سے بیٹھے رہیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور پُر نور نبی کریم ﷺ ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے راستہ روک کر عرض کیا' آقا یہ پتھر آپ مجھے دے دیں میں اٹھا لیتا ہوں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابھی بہت پتھر پڑے ہیں جاؤ کوئی اور پتھر اٹھا لاؤ تم مجھ سے زیادہ اللہ کی رحمت کے محتاج نہیں۔

یہ ہے عدل اور مساوات کا وہ اسلامی تصور حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے جس کی تعبیر اور توجیہہ کر کے قیامت تک آنے والے انسانوں کو، بنی نوع انسان کو عظمت کا ایک ایسا راستہ دکھایا جس پر چل کر فلاحی معاشروں کے قیام کے ہر خواب کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

بنی نوع انسان کو امن اور عافیت سکون و عزت کی خاطر حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے نقش پا کو اپنانا ہوگا، حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے دامن رحمت سے وابستگی کے بغیر نسل آدم کا مقدر کبھی بھی جہالت کے

اندھیروں کی گرفت سے رہائی نہیں پا سکتا۔

سادگی کا لازوال حسن

عہد رسالت مآب ﷺ میں مسجد نبوی کی تعمیر میں سادگی سے کام لیا گیا۔ سادگی کی اپنی نرالی شان تھی۔ سادگی کا اپنا ایک وقار اور حسن ہوتا ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے جو مسجد تعمیر کی' وہ حسنِ لازوال کا نمونہ تھی' تقوی و پرہیزگاری کا مظہر تھی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو ایک عالی شان عمارت بھی تعمیر کی جا سکتی تھی۔ آپ ﷺ تعمیر مسجد کے لئے چندے کے لئے ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کے جاں نثار جو حضور انور نبی کریم ﷺ کے قدموں پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے جنبش ابرو کے منتظر رہتے تھے وہ دولت دنیا کے بھی ڈھیر حضور انور ﷺ کے قدموں پر لگا دیتے۔

ایک کثیر المقاصد عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں یقیناً ہر صاحب ایمان دل کھول کر حصہ لیتا لیکن حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے چندے کے لئے نہیں فرمایا بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تزئین و آرائش کی پیش کش کو بھی قبول نہیں کیا۔ چنانچہ مسجد نبوی کی دیواریں کچی اینٹوں سے اٹھائی گئیں، ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور چھت کھجور کے پتوں کی، چھت زیادہ اونچی بھی نہ تھی بلکہ ہاتھ اٹھا کر مسجد کی چھت کو چھوا جا سکتا تھا۔
مسجد کا فرش بھی کچا تھا۔ بارش ہوتی تو فرش پر کیچڑ ہو جاتا ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کنکریاں لا کر فرش پر بچھا دیں۔ آپ ﷺ نے اسے پسند فرمایا اور فرش میں چند ایک پتھر بھی لگوا دیئے۔ مسجد کے ایک کونے میں صفہ کے نام سے ایک چبوترہ بھی بنایا گیا۔ یہاں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیام کرتے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا۔ ابتدا میں قبلہ کا رخ بیت المقدس یعنی شمال کی جانب تھا۔ تحویل قبلہ کے بعد مسجد میں جنوب کی سمت اضافی تعمیرات ہوئیں اور شمال کی جانب امامت کے مقام' کی جگہ پر ایک اضافی دروازہ بنا دیا گیا۔
طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ایک قطعہ زمین کے مالک کو فرمایا کہ یہ قطعہ زمین مسجد میں اضافہ کے لئے دے دو اور اس کے بدلے جنت میں ایک محل تم لے لو۔ اس قطعہ زمین کے مالک نے غربت اور عیال دار ہونے کی وجہ سے معذرت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے اس سے وہ قطعہ زمین دس ہزار درہم دے کر خرید لیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی "یارسول اللہ (ﷺ)! وہ قطعہ زمین جو میں نے انصاری سے خریدا ہے حضور انور ﷺ وہ مجھ سے لے لیں۔
چنانچہ تاجدارِ کائنات' سرکارِ دوعالم ﷺ نے جنت میں محل کے بدلے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اس زمین کا سودا کر لیا"۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۴۹۰)

مسجد نبوی میں حضور ﷺ کا پہلا خطبہ

پہلے آپ ﷺ نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کی' ایسی حمد و ثنا جس کا وہ اہل ہے اس کے بعد فرمایا:

''لوگو! مرنے سے پہلے سامانِ سفر تیار کرلو' اللہ کی قسم! ایک روز تم پر موت کی بے ہوشی ضرور طاری ہوگی اور پھر تم اپنی بھیڑوں کو بغیر کسی نگہبان کے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ پھر اللہ سوال کرے گا' وہ اللہ جس کو نہ کسی ترجمان کی ضرورت ہے اور نہ کسی دربان کی حاجت ہے کہ کیا تمہارے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا جس نے میرا پیغام تمہیں پہنچایا اور کیا میں نے تم کو مال و دولت سے نہیں نوازا تھا؟ پس اب تم بتاؤ کہ تم نے اپنے فائدے کے لیے کیا کچھ کیا ہے؟

اس وقت انسان حیران و پریشان دائیں بائیں دیکھے گا لیکن اسے کچھ بھی سجھائی نہ دے گا۔ پھر وہ سامنے کی طرف نظر دوڑائے گا تو اسے دوزخ کے شعلوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آئے گا' جان لو جو شخص آگ سے بچنا چاہتا ہے اور وہ ایک کھجور کا ٹکڑا دینے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ کھجور کا ٹکڑا اللہ کی راہ میں دے کر اپنے آپ کو بچا لے اور جو اس کی گنجائش نہ رکھتا ہو تو وہ لوگوں سے اچھی بات (نیکی کی بات) کہہ کر ہی اپنے آپ کو محفوظ کرلے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس (۱۰) گنا سے لے کر سات سو (۷۰۰) گنا تک دیا جائے گا۔''

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

ایک دوسرا خطبہ حضور پُرنور نبی کریم رحمتِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' میں (ﷺ) اسی کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جسے اللہ ہدایت دے' اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ راستے سے بھٹکا دے' اسے کوئی سیدھی راہ دکھانے والا نہیں۔ میں (ﷺ) گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے جس کے دل میں اللہ نے اس کتاب کو اُتارا' وہ اس کے ذہن نشین ہوگئی اور جس کو اللہ نے کفر کے بعد دینِ اسلام میں داخل کر دیا اور جس نے اس کتاب کو لوگوں کی (بے ہودہ) باتیں چھوڑ کر (اپنا رہنما) قرار دیا' وہ شخص ضرور کامیاب و بامراد اور نجات یافتہ ہوگیا۔

اللہ کی کتاب بہترین اور بلیغ کتاب ہے' تم ان چیزوں کو اپنا محبوب بناؤ جن کو اللہ نے پسند کیا' تم دل سے اللہ کی محبت اختیار کرو' اللہ کے کلام اور اس کی یاد سے تھکاوٹ اور اپنے دلوں کو (بھول اور غفلت میں پڑ کر) سیاہ نہ کرلو۔ کیونکہ اللہ نے سب چیزوں سے جو اس نے پیدا کی ہیں اور پسند کی ہیں' نیک باتوں یا حلال و حرام اور بہترین عبادتوں میں سب سے اچھا اور برگزیدہ اور نیک اعمال میں سب سے افضل اپنا ذکر قرار دیا ہے۔ (دیکھو) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جہاں تک ہو سکے اس سے ڈرتے رہو اور جو اچھی بات منہ سے نکالو وہ اللہ کے سامنے پوری کر دکھاؤ اور اللہ کے فضل و کرم سے باہم ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بن جاؤ۔ اللہ اس سے بہت ناراض ہوتا ہے جو اپنے وعدے کو پورا نہ کرے' تم سب پر (اللہ کی

طرف سے) امن اور سلامتی ہو۔" (السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۹' سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۹۰)

تعمیر حجرات

اللہ تبارک تعالیٰ کے گھر (مسجد نبوی) کی تعمیر سے فراغت ہوئی تو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنی ازواج کے لیے حجروں کی تعمیر کی جانب توجہ فرمائی۔ اُمہات المومنین کے لیے جو حجرے تعمیر ہوئے' ان کی تعداد نو تھی لیکن یہ سب ایک ساتھ تعمیر نہیں ہوئے' بلکہ حسبِ ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کے بعد حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ ہجرت سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی نکاح ہو گیا تھا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ پہلے ایک حجرہ تعمیر ہوا جس میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رہائش پذیر ہوئیں۔ ہجرت کے سات یا آٹھ ماہ بعد شوال یا ذیقعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اس سے پہلے دوسرا حجرہ تعمیر ہوا۔ یہ حجرے مسجد نبوی کے اردگرد ساتھ ساتھ تعمیر کیے گئے تھے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اردگرد اپنی اور اپنے اہل وعیال کی رہائش کے لیے حجرات تعمیر کیے جن کی اونچائی بہت کم تھی اور وہ ایسے سامان سے تیار کیے گئے جو دیرپا نہ تھا۔"

(السیرۃ النبویہ' ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۱۳)

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اپنی کتاب سیرت "سیرت الرسول جلد ۶ کے صفحہ ۷۱ پر کچھ اور معلومات لکھی ہیں جو قارئینِ کرام کے پیشِ خدمت ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اُمہات المومنین کے لیے یکے بعد دیگرے نو حجرے تعمیر کیے گئے۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے نکاح میں آ چکی تھیں اس لیے پہلے دو حجرے تعمیر ہوئے' ان کمروں کی ساخت وغیرہ کے بارے میں تمام اہلِ سیر اور جملہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض حجروں کی دیواریں کھجور کی شاخوں کو کھڑا کر کے اوپر لپائی کر دی گئی تھی اور بعض حجروں کی تعمیر میں پتھر کا بھی استعمال ہوا تھا۔ کھجور کے تنے بطورِ ستون استعمال کیے گئے تھے۔ باہر کی دیواروں میں کچی اینٹیں بھی استعمال میں لائی گئیں۔ فرش کچے تھے اور حجرات کی تعمیر میں بھی سادگی کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ یہ حجرے چھ سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے تھے۔ دروازوں پر پرانے کمبلوں کے پردے لٹکا دیئے گئے' رات کے وقت ان حجروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ حجروں کی چھت بھی زیادہ اونچی نہیں تھی' چھت کو آسانی سے ہاتھ لگایا جا سکتا تھا۔ حجرات مبارک کی ترتیب اس طرح تھی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا' حضرت زینب رضی اللہ عنہا' حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حجرات شمالی جانب تھے جبکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سامنے کی طرف تھے۔ ازواجِ مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے اس قدر متصل تھے کہ جب حضورِ انور نبی کریم ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے تو اپنا سرِ انور مسجد سے باہر نکالتے تو ازواجِ مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ ﷺ کے گیسو مبارک دھو دیتیں۔ (سیرت الرسول' پروفیسر طاہر القادری جلد ۶ ص ۱۷)

سادہ حجرات' بقعۂ نور

دیکھئے کہ وہ مکانات جہاں اللہ تبارک تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضور پُرنور ﷺ نے اور مہاجرین وانصار کے محبوب مرشد ورہبر ﷺ نے رہائش اختیار کرنا تھی' ان کی سادگی اور سادگی میں شان وشوکت کا کیا عالم تھا۔

تمام مؤرخین اور علمائے سیرت اس بات پر متفق ہیں کہ حضورِ پُرنور ﷺ کی رہائش گاہوں کی بعض دیواریں پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر جوڑ کر اُٹھائی گئی تھیں اور بعض دیواروں کو کھجور کی شاخوں کو جوڑ کر کھڑا کیا گیا اور ان پر مٹی سے لپائی کر دی گئی تھی۔ کھجور کے تنوں کو بطورِ شہتیر استعمال کیا گیا تھا' ان کے ساتھ کھجور کی ٹہنیاں جوڑ دی گئی تھیں اور ان پر مٹی کا گارا بنا کر پلستر کر دیا گیا تھا۔

یہ مکانات تھے جہاں پیغمبر اوّل وآخر واعظم' شہنشاہِ کونین رہبر کائنات ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ اپنی مشغول اور سراپا برکت زندگی بسر فرمایا کرتے تھے' کچھ مکانات کی بیرونی دیواریں کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں اور کچھ مکانات کی بیرونی دیواریں بھی کھجوروں کی شاخوں کو جوڑ کر اوپر گارے کی لپائی کر کے بنائی گئی تھیں۔ اندرونی حجرے تو سب کے سب کھجوروں کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ باہر دروازے پر نہ کوئی مسلح پہرہ دار نہ چوکیدار نہ کمروں میں قالین نہ پلنگ نہ کرسیاں نہ میزیں نہ غیر ضروری کپڑے اور برتن۔ اس کاشانۂ اقدس میں زینت وآرائش کا سامان تو کجا ضرورت کی اشیاء بھی ناپید تھیں۔

اکثر اُمہات المومنین رضی اللہ عنہا اپنے اپنے خاندان کے سرداروں کی بیٹیاں تھیں' ان کا بچپن اور عنفوان شباب ان شاندار محلوں اور کشادہ حویلیوں میں گزرا جہاں راحت وآرام کا ہر سامان بکثرت موجود تھا۔ یہاں آ کر اللہ کے محبوب ﷺ کی زوجیت کا جو طوق نصیب ہوا' ان کی ساری حسرتیں پوری ہو گئیں۔ اس شاہ کار رب العالمین کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے ساری تمنائیں بر آ گئیں۔

وہ سب اللہ کی پیاری بندیاں تسلیم ورضا کا پیکر بنے اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے شب وروز مصروف رہتیں۔ یہ حجرے بظاہر دیکھنے والوں کی نظر میں تو بالکل سادہ تھے لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کے انوار وتجلیات کا یہاں ہمہ وقت نزول ہوتا رہتا تھا' رحمتوں کا سحاب کرم ان کچے حجروں پر سو جان سے قربان وتصدق ہوتا رہتا تھا اور اللہ تبارک تعالیٰ کے خاص کرم ورحمت کی برکھا ہمہ وقت ان پر برستی رہتی تھی۔

ان مقدس ومتبرک حجروں کے طواف کے لیے حضرت جبرائیل علیہ اسلام سدرۃ المنتہیٰ کی بلندیوں کو چھوڑ

کر یہاں حاضر ہوا کرتے تھے اور شب و روز ہزار ہا فرشتے ان حجروں کے نور کی پھواڑ میں نہا کر واپس لوٹتے۔ خلفائے راشدین رہبرانِ کاروانِ انسانیت اس در کی خاک کو اپنی چشم بصیرت کا سرمہ سمجھتے تھے۔ انہیں کچی دیواروں کے بابرکت سائے میں دعوتِ حق دینے والوں کی ایک ایسی مبارک صفات و نورانی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے جس طرف رُخ کیا' کفر و شرک کے اندھیرے جگمگا اُٹھے' جہاں قدم مبارک فرمایا' جہاں گئے وہاں گلشنِ انسانیت میں بہار آ گئی اور اپنی صفات مبارک سے درندہ صفت انسانوں کو انسانی مکارمِ اخلاق سے مزین کر دیا۔

شہنشاہِ کائنات ﷺ کی پُرنور سادگی

پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم' تاجدارِ کائنات ﷺ اگر چاہتے تو دنیا کی ہر دولت ان کے قدموں پر ڈھیر کر دی جاتی۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے دنیاوی جاہ و جلال کی ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیا جائے تو میں پھر بھی اللہ کی وحدانیت اور دینِ حق کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتا رہوں گا۔ حضورِ پُرنور ﷺ کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ حیاتِ طیبہ روشنی اور خیر کا ایسا مرکز ہے جس سے دنیا کا ہر انسان چاہے اس کا سماجی یا سیاسی مرتبہ کچھ بھی ہو روشنی اور خیر کے اسی مرکز سے ہدایت و رہنمائی لے کر اپنی شخصیت و کردار کو بناتا رہے گا۔

اس کھلی کتاب کے ایک حرف پر بھی ابہام' شکوک و شبہات اور تضاد کا سایہ تک نہیں' ہر طرف اُجالا ہی اُجالا' ہر طرف روشنی ہی روشنی' ایمان کی روشنی۔ اپنے نصب العین کی سچائی کی روشنی' سیرت و کردار کی روشنی' فکر و نظر کی روشنی اور سوچ' اظہار اور طرزِ عمل کی روشنی' ہر روشنی۔ نورِ ہدایت کا منبع آپ ﷺ کی ذات پاک ہی ہے۔ اکثر اُمہات المومنین رضی اللہ عنہما اجمعین اپنے اپنے قبیلوں کے سرداروں کی بیٹیاں تھیں اور بڑے نازونعم میں پلی تھیں لیکن جب محبوبِ خدا ﷺ کے عقد میں آئیں تو تسلیم و رضا کا پیکر بن گئیں' ایثار و قربانی کی تصویر بن گئیں۔

کاشانۂ نبوی ﷺ میں زیب و زینت کا کوئی تصور نہ تھا' دنیاوی مال و دولت کی ریل پیل تھی اور نہ دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانوں کی بھرمار تھی۔ نہ عالی شان محلات تھے اور نہ لونڈیوں' باندیوں اور کنیزوں کی فوج ظفر موج۔ اس کے برعکس فرشی نشست' معمولی لباس' مٹی کے چند برتن' نہ میز نہ کرسی نہ پلنگ' کھانے میں جو کی روٹی' ستو اور کھجور۔ ایک چٹائی جس پر بیٹھ کر قوموں کے مقدر بدلے جاتے' قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارا جاتا' باطل استحصالی طاقتوں سے ٹکر لینے کے لیے منصوبہ بندی ہوتی' ازواجِ مطہرات کے یہ حجرے ظاہری شان و شوکت سے محروم تھے لیکن درحقیقت انوار و تجلیات کے مرکز تھے جہاں جبرائیل علیہ السلام بھی حاضر ہونے کو باعثِ فخر گردانتے تھے۔

حضور ﷺ کی ہمسائیگی

ازواج مطہرات کے یہ مقدس حجرے عام آبادی میں تھے، تحفظ یا پردہ کے لئے چار دیواری نہ تھی اور سب لی پہنچ میں تھے۔ یہ بناوٹ و تعمیر میں عام لوگوں کے گھروں سے بھی کہیں زیادہ سادہ تھے۔ ان حجروں کے قرب و جوار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے۔ محبوب خدا ﷺ کی ہمسائیگی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار اصحاب ثروت میں ہوتا تھا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ہدیئے وغیرہ پیش کرتے رہتے۔

روایات میں ہے کہ

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا نے اپنی جائیداد حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے حضرت ام انس رضی اللہ عنہا کے اس ہدیئے کو قبول فرما کر یہ جائیداد اپنی دایہ ام ایمن کو دے دی اور خود فقر و فاقہ کو پسند فرمایا۔ (صحیح بخاری، جلد ا صفحہ ۳۵۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے۔ کبھی کھجوریں آجاتیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باغات میں کھجور کے درختوں کا پھل حضور انور نبی کریم ﷺ کے لئے مختص کر رکھا تھا' وہ کھجوریں حضور ﷺ کی خدمت میں بھجوادیتے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو یہ معمول بنالیا تھا کہ رات کے وقت روزانہ وافر مقدار میں کھانا آپ ﷺ کے ہاں بھجوادیتے۔ آقا حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اس کھانے میں اصحاب صفہ کو بھی شامل فرمالیتے۔

حجرات کی تعمیر اور حضور انور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ جو والیٔ کون و مکاں بھی ہیں کا دنیاوی لحاظ سے معیار زندگی کیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے اور ہمارے گھروں میں چولہا تک نہ جلتا۔ کھجور اور ستو پر گزارا کرتے۔ بعض اوقات فاقوں تک نوبت آجاتی۔ ایک چارپائی بھی لگاتار کچھ عرصہ کے لئے تاجدار کائنات' سرور دوعالم حضور پُرنور رحمت دوعالم' شہنشاہِ کائنات ﷺ کے استعمال میں رہی۔

اس کا ذکر علامہ سہیلی نے کیا ہے۔

آقائے دوجہاں کی ایک چارپائی تھی جس کے بازو کھجور کے پتوں کی بٹی ہوئی رسی سے باندھے گئے تھے۔ بنی امیہ کے زمانے میں اسے فروخت کیا گیا تو ایک شخص نے اسے برکت کے لئے چار ہزار درہم میں خرید لیا۔

(الروض الانف،۲: ۲۴۸)

جب امہات المومنین رضی اللہ عنہا دنیا سے رخصت ہوگئیں تو ان حجروں کو گرا کر مسجد میں شامل کر لیا گیا۔

جب ولید کی طرف سے حجروں کو گرانے کا حکم آیا تو اس وقت موجود لوگ ان متبرک یادگاروں کے مٹائے جانے کے غم میں اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

حضرت معاذ بن محمد الانصاری کہتے ہیں کہ جب عطاء خراسانی ایک دینی محفل میں اپنی گفتگو سے فارغ ہوئے تو عمران بن ابی انس یوں گویا ہوئے کہ

حضور کے مکانات میں چار مکانات ایسے تھے جن کی بیرونی دیواریں کچی اینٹوں سے اٹھائی گئی تھیں اور اندرونی کمروں کی دیواریں کھجور کی ٹہنیوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور پانچ مکانات ایسے تھے جن کی بیرونی دیواریں کمرے سب کے سب کھجور کی شاخوں کو جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ دروازوں پر بالوں سے بنے ہوئے ٹاٹ آویزاں تھے اور جس دن ولید کا خط آیا اس وقت مسجد میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام کے صاحبزادگان موجود تھے۔ ان میں چند کے نام یہ ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوامامہ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے خارجہ۔

جب ان حضرات کو ولید کے اس حکم نامے کا پتہ چلا جو اس نے ان بابرکت حجرات کے منہدم کرنے کے سلسلہ میں تحریر کیا۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ ان محبوب یادگاروں کے مٹائے جانے پر اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔

ابوامامہ نے کہا۔

''کاش! ان حجرات کو اپنی حالت پر چھوڑا جاتا اور ان کو گرایا نہ جاتا۔ تاکہ لوگ دیکھتے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے اس نبی کے لئے جس کے ہاتھ میں دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی تھیں کیا چیز پسند فرمائی''۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔

''میں جب بالغ ہونے کے قریب تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان حجروں میں داخل ہوا کرتا۔ میں ہاتھ اونچا کرتا تو میری انگلیاں ان کی چھتوں کو چھونے لگتیں''۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۵۰۸)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں۔ جب ازواج مطہرات انتقال فرما گئیں تو ان کے مکانات مسجد کے ساتھ ملا دیئے گئے۔

''جب خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کا حکم آیا کہ ان حجرات کو منہدم کر دیا جائے تو مدینہ کی ساری فضا لوگوں کی گریہ و زاری سے اس طرح لبریز ہو گئی جس طرح حضور انور ﷺ کے وصال کے

دن"۔

پھر لکھتے ہیں۔

"ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ حضور کی ایک چار پائی تھی جس کے بازوؤں کو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی رسی سے باندھا گیا تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں اسے فروخت کیا گیا اور ایک شخص نے چار ہزار درہم ادا کر کے خرید لیا تا کہ اپنے حبیب کی یادگار کو بطور تبرک اپنے پاس محفوظ رکھے"۔

(الروض الانف، جلد ۲ صفحہ ۲۴۸)

ایک روز مرقد اقدس اور منبر مبارک کے درمیان عمران بن ابی انس کی تہلیل، ذکر و اذکار کی محفل لگی تھی۔ اس مبارک مجلس میں میں نے عطاء خراسانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرات دیکھے ہیں ان کی دیواریں کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھیں دروازوں پر کالے بالوں سے بنے ہوئے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں ولید بن عبدالملک کا خط آیا اور وہ ہمیں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں اس نے حکم دیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجرات کو گرا دیا جائے۔ اس حکم پر لوگوں کا یہ حال تھا کہ

"اس دن سے زیادہ میں نے لوگوں کو روتے ہوئے اور گریہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا"۔

"عطاء کہتے ہیں میں نے اس دن سعید بن میتب کو یہ کہتے ہوئے سنا بخدا! مجھے یہ بات بڑی پسند تھی کہ ان حجروں کو اسی حالت پر رکھا جاتا۔ تا کہ مدینہ طیبہ کی نوخیز نسل اور اطراف و اکناف سے آنے والے لوگ دیکھتے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کس قناعت سے کام لیا۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے اور مال کی کثرت میں بازی لے جانے کا شوق دم توڑ دیتا اور لوگ ان چیزوں کی طرف راغب نہ ہوتے"۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۵۰۷)

اذان کی ابتداء

اذان تعلیمات اسلامی کا نچوڑ ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی کبریائی کا بیان، رسول کائنات ﷺ کی رسالت کا ذکراور حق کی کھلی دعوت ہے۔ شروع میں مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اندازے سے مسجد پہنچ جاتے۔ بعض جماعت میں شامل نہ ہو پاتے اور انہیں اپنی اس محرومی کا احساس رہتا کہ وہ اپنے آقا، آقائے کائنات ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کر سکے۔ زیادہ دیر تک نمازیوں کا انتظار بھی ممکن نہ تھا۔

جب نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو جس بھی نماز کا وقت آتا تو صحابہ کرام از خود جمع ہو جاتے اور امام الانبیاء ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے۔ ادائیگی نماز کے لئے (نماز کے بلانے، اطلاع دینے کے لئے) کسی اعلان وغیرہ کا رواج نہ تھا۔ جب دور دراز سے آنے والے نمازیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو اب کوئی ایسی نشانی مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جسے سن کر یا دیکھ کر سارے نمازی مسجد میں جمع ہو جائیں اور باجماعت نماز ادا کریں۔

پیغمبر اول وآخر واعظم، رسول کائنات، ہادی انس وجاں ﷺ نے مشورہ کے لئے اپنے صحابہ کو بلایا ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا اور تمام شرکاء کو اظہار رائے کی دعوت دی گئی۔ ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا اونچا کر کے لہرایا جائے۔ سب لوگ اسے دیکھ کر بروقت مسجد میں پہنچ جائیں۔ دوسرے نے مشورہ دیا کہ ہم بھی یہودیوں کی طرح بگل بجایا کریں گے جسے سن کو لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔

حضور انور رحمت دو عالم ﷺ نے اس رائے کو ناپسند فرمایا۔ ''یہ یہودیوں کا طریقہ کار ہے یعنی ہمیں یہ زیب نہیں دیتا''۔

ایک اور صاحب بولے، ناقوس پھونکا کریں۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا فرمایا ''ناقوس پھونکنا عیسائیوں کا معمول ہے''۔ کسی نے رائے دی کہ کسی اونچی جگہ آگ روشن کر دی جائے۔ اس کے شعلوں کو دیکھ کر لوگوں کو نماز کے وقت کا علم ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ مجوسیوں کا شیوہ ہے ہمارے

لئے یہ موزوں نہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سب تجویزیں سنتے رہے آخر میں عرض کی کیا یہ مناسب نہیں کہ نماز کا وقت ہو تو ایک شخص بلند آواز سے اس کا اعلان کردے۔ مرشد برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور بلال کو حکم دیا۔ "اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے وقت کا اعلان کرو"۔

صحیح بخاری میں ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہم ایک آدمی کو مقرر نہ کردیں جو نماز کا اعلان کیا کرے بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال! کھڑے ہو کر نماز کا اعلان کرو۔ (صحیح بخاری، جلد ا صفحہ ۸۵)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجویز کافی حد تک قابل عمل تھی لیکن یہ تجویز بھی مطلوبہ نتائج پیدا نہ کرسکی۔ حضور پُرنور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اذان کی تجویز حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی جو انہوں نے بصورت خواب دیکھی تھی۔ اس لئے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا

اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح تمہیں عبداللہ بن زید بتاتے ہیں وہ کہتے جاؤ۔ پس حضرت بلال نے اذان کہی۔ (ابوداؤد، جلد ا صفحہ ۷۸)

نماز کے لئے لوگوں کو بلانے کا یہ ایک احسن طریقہ تھا جسے تاجدار کائنات، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سند قبولیت عطا فرمائی۔ اس طرح ایک تو مسلمانوں کو اطلاع ہو جاتی کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور دوسرے دن میں پانچ وقت اسلام کی سریلی مسحور کن دعوت بھی کانوں میں رس گھولتی اور دلوں پر دستک دیتی۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی اس واقعہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

اس مجلس مشاورت میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ اس معاملہ کے بارے میں انہوں نے سرکار دو عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی ملاحظہ کی تھی۔ یہ بھی بہت مضطرب اور بے چین ہو گئے۔ دن بھر غور و فکر و اضطراب میں گزرا، رات کو بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر آنکھ لگ گئی خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے اس نے دو سبز چادریں اوڑھی ہوئی ہیں اور ہاتھ میں ناقوس پکڑا ہوا ہے۔ انہوں (عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ) نے اسے کہا "اے بندہ خدا! کیا یہ ناقوس بیچو گے؟" اس نے پوچھا تم اسے لے کر کیا کرو گے"؟ انہوں (عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی دعوت دیں گے۔ اس نے کہا کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا بڑی نوازش ہوگی۔ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ آپ لوگوں کو نماز کی طرف دعوت اس طرح دیا کریں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

اشهد ان لاالہ الا اللہ، اشهد ان لا الہ الا اللہ

اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ
حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ
حی علی الفلاح، حی علی الفلاح
اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میری آنکھ کھل گئی۔ جب صبح ہوئی تو میں اللہ کے پیارے رسول کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا خواب سنایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ کی جب آنکھ کھلی تو وہ زیادہ ضبط نہ کر سکے رات کو ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے سارا خواب عرض کیا۔ خواب سن کر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ سچا خواب ہے انشاء اللہ''۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اسی رات کو ایسا ہی خواب دیکھا تھا لیکن آدھی رات کو حضور کو بے آرام کرنے کی جسارت نہ کر سکے۔ سوچا صبح ہوگی تو خدمت اقدس میں عرض کروں گا۔ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ حضرت بلال کو ساتھ لے جاؤ۔ تم اسے اذان کے کلمات بتاتے جاؤ وہ اذان کہتا جائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان جب مدینہ طیبہ کی فضا میں گونجی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی سن لی۔ یارائے ضبط نہ رہا۔ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دوڑے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔

''اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا ہے میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے''۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۳ صفحہ ۵۱۰، ۵۱۲)

اذان کا یہ طریقہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اذان کے چھوٹے چھوٹے جملوں کے اندر ایک جہان معانی آباد ہے۔ اذان کے دل نشین الفاظ براہِ راست دل میں اتر جاتے ہیں۔ کس خوبصورتی سے صدیوں سے اللہ کی کبریائی کا اعلان ہو رہا ہے ہم پانچ وقت وہی اعلان سنتے ہیں لیکن اذان کی تکرار سے کوئی ناخوشگوار تاثر پیدا نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہوسکتا ہے بلکہ اسے سن کر لہو کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور قصر ایمان کے ہر دریچے میں چراغ جل اٹھتے ہیں۔ ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کسی دوسر مذہب میں عبادت کے لئے لوگوں کو بلانے کا اس سے مؤثر اور پرکشش طریقہ رائج نہیں۔ اللہ کی بڑھائی سے لے کر دنیا و آخرت کی بھلائی سارے مضامین کا خلاصہ چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے ایک عجیب روحانی کیف کا حامل یہ سرمدی نغمہ ایسا خوبصورت بلانے کا انداز جو زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ یہ ایسے لوگوں کو بھی اپنی کشش میں لے لیتا ہے جو غیر مسلم ہوں اور اس کے معنی و مقصد کو نہیں جانتے۔ یہ دلکش الفاظ قیامت تک کانوں میں رس گھولتے رہیں گے۔

اذان

اذان کا لغوی معنی اعلام (اطلاع دینا) ہے یعنی کسی چیز کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا۔ خبردار کرنا، جتلانا۔ سورۂ توبہ کی آیت ۳ میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

ترجمہ ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ مشرکین کا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے''۔ (سورۂ توبہ آیت ۳)

''اذان کا مطلب ہے کہ مخصوص کلمات کے ساتھ فرض نماز کے وقت کے بارے میں اعلان کرنا''۔

ہر قوم اپنے مذہبی اجتماعات کے انعقاد کے وقت کسی نہ کسی انداز سے اعلان کرتی ہے تا کہ اس کے ہم مذہبوں کو پتہ چل جائے کہ ان کی مذہبی رسوم ادا کرنے کا وقت ہو گیا ہے، سب لوگ پہنچ جائیں۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم، خاتم النبیین نبی رحمت ﷺ نے پنج گانہ نمازوں کے اوقات کے اعلان کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ بڑا انوکھا اور معنی خیز ہے۔ یہ ان خصوصی خوبیوں کا حامل ہے جو اسلام کے دین حق ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جو معنویت سے لبریز ہیں اور اتنے دل آویز ہیں کہ فوراً دل کی گہرائیوں میں اترتے جاتے ہیں۔

مطالب اذان

پہلے جملے میں ہی اس روشن حقیقت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ سیاسی، مذہبی اور علمی معبودان باطل میں سے کوئی بھی نہیں جو علم حکمت اور قدرت میں اس کی ہمسری کا دم بھر سکے۔ اس حقیقت کو چار بار دہرایا، تا کہ سننے والوں کی لوح دل پر یہ نقش ثبت ہو جائے۔ اس کے بعد وہی اعلان کرنے والا یقین و ایمان سے سرشار ہو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اس سب سے بڑے کے سوا اور کوئی خدا نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

یہ جملہ وہ دوبارہ دہراتا ہے، تا کہ سننے والوں کو اس اعلان کرنے والے عقیدہ کے بارے میں کوئی شک نہ رہے۔ بعد ازاں اعلان کرنے والا ایک دوسری حقیقت کی صداقت کی گواہی دیتا ہے جس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں کافور ہو جاتی ہیں وہ کہتا ہے۔

جس ہستی نے ہمیں یہ راہ دکھائی ہے جس نے ہمیں یہ سبق یاد کرایا ہے اور جس کا نام نامی محمد (ﷺ) ہے وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

ان دو حقیقتوں کے دل آویز اعلان کے بعد اب وہ مقصد بیان کیا جا رہا ہے جس کے لئے یہ سارا اہتمام کیا گیا ہے۔

آجاؤ نماز کی طرف، آجاؤ نماز کی طرف۔

یعنی اپنے رب کریم وقدیر کی بارگاہ عالی میں سجدریز ہونے کے لئے حاضر ہو جاؤ۔

کیوں؟

اس کا جواب اس کے بعد آنے والے دو جملوں میں دیا۔

کہ یہی نماز دونوں جہانوں میں سرفراز ہونے کا ذریعہ ہے۔ اسی حاضری میں تمہاری فلاح دارین کا راز مضمر ہے۔ دنیا و آخرت میں اگر سرخرو اور سرفراز ہونے کی امنگ ہے تو سارے کام چھوڑ کر اپنے مولا کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔

اذان کی ابتداء میں بیان کردہ حقیقت کو ایک بار پھر دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سب سے بڑا ہے تاکہ یہ سبق ازبر ہو جائے۔

آخر میں دین اسلام کے اعلیٰ ترین مقصد کے ذکر کے ساتھ اس اذان کو ختم کر دیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

یہ چھوٹے چھوٹے اور پیارے پیارے جملے چودہ صدیوں سے فضا میں گونج رہے ہیں اور سننے والے ہر روز پانچ بار اس کو سنتے ہیں' پھر بھی طبیعت ان سے سیر نہیں ہوتی۔ دل چاہتا ہے کہ ہر وقت یہ کلمات دہرائے جاتے رہیں' ہم انہیں سنتے رہیں اور سن سن کر اپنے ایمان کو تقویت پہنچاتے رہیں۔ دنیا کے دوسرے مذاہب کے پیرو بھی اپنی پوجا پاٹ کے اعلان کے لئے مختلف ذرائع اپنائے ہوئے ہیں لیکن دین اسلام' دین حنیف نے اپنے ماننے والوں کو بارگاہ رب العزت میں حاضری کی دعوت دینے کے لئے ایک اچھوتا اور دلنشین طریقہ اپنایا ہے۔ اسی میں غور کرنے سے اسلام کے نظام عبادت کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے، احساس ہو جاتا ہے۔

خاندان نبوی کی مدینہ منورہ میں آمد

مدینہ طیبہ میں چند روز قیام پذیر رہنے کے بعد حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے اہل بیت کو مکہ سے لانے کے لئے حضرت زید بن حارث اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں دو اونٹ سواری کے لئے اور پانچ سو درہم بطور زادِ سفر عطا فرمائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زید اریقط کو جو سفر ہجرت میں قافلہ کا دلیل راہ (رہنما) تھا اسے دو اونٹ دے کر حضرت زید اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کی معیت میں بھیجا کہ آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کو پیغام دیں کہ وہ اپنی والدہ اور اپنی ہمشیرگان کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ جائے۔

چنانچہ حضرت زید اور ابورافع رضی اللہ عنہما، سیّدہ فاطمۃ الزہراء سیّدہ ام کلثوم (حضور پُرنور کی دونوں صاحبزادیاں) ام المومنین حضرت سودہ، حضور کی دائی ام ایمن، جو حضرت زید کی زوجہ تھیں اور ان کے بیٹے اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو لے کر بخیریت واپس پہنچ گئے۔ ان کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر، اپنی والدہ ماجدہ ام رومان، حضرت صدیق کی والدہ اور آپ کی دو صاحبزادیاں، حضرت عائشہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہم اجمعین کو لے کر پہنچ گئے۔ حضور انور، سرورِ کائنات ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت سیّدہ رقیہ، جو حضرت عثمان کی زوجہ محترمہ تھیں وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے ہی حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضور کی چوتھی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو عمر میں سب بہنوں سے بڑی تھیں جن کی شادی ابوالعاص بن ربیع، جو ان کا خالہ زادہ تھا' کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس نے آپ کو مدینہ جانے کی اجازت نہ دی اس لئے آپ وہیں رک گئیں۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص لشکر کفار کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا اور گرفتار ہوا حضور پُرنور ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا تب اس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ آنے کی اجازت دی۔ (السیرۃ الحلبیہ، جلد ۱ صفحہ ۲۶۹۔ دیگر کتب سیرت)

اسامہ، حضرت ام ایمن اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ انہیں ان کے باپ کی طرح ''حب رسول اللہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا یعنی اللہ کے رسول کا محبوب' رسول اللہ کے پیارے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز دروازہ کی دہلیز کے ساتھ اسامہ کو ٹھوکر لگی وہ گر پڑے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا خون بہنے لگا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا اس کے چہرے سے خون صاف کروان کی رنگت سیاہ اور ناک چپٹی تھی مجھے کچھ کراہت سی محسوس ہوئی۔ رحمتِ دو عالم ﷺ نے خود آگے بڑھ کر اس کے زخم کو صاف کیا۔ (السیرۃ الحلبیہ، جلد ۱ صفحہ ۲۶۸)

یہ دونوں قافلے یعنی خانوادۂ نبوت کے افراد اور خاندان صدیق اکبر کے افراد اکٹھے پہنچے۔ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ ان دنوں سرکارِ دو عالم ﷺ مسجد اور حجرے تعمیر کرا رہے تھے۔ ان زیر تعمیر مکانات میں سے ایک مکان مکمل ہو گیا تھا۔ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس مکان میں رہائش اختیار کی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں تھیں اور مہاجرت کی زندگی بسر کر رہی تھیں، خاندان نبوی کا یہ قافلہ جس میں ازواج مطہرات بھی تھیں حضرت حارثہ بن ابن النعمان رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

جب مسجد نبوی کے ساتھ ایک کمرہ تعمیر ہو گیا تو سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس کمرے میں منتقل ہوئیں۔

اہل صفہ

صوفیاء کو اسلامی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ دعوت حق صوفیاء کی مساعی جمیلہ کی بدولت چار دانگ عالم میں شاندار نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ صوفیاء کا گروہ عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی موجود تھا۔ مسجد نبوی کی ایک جانب ایک چبوترہ یا سائبان تیار کیا گیا تاکہ بے گھر مسلمان یہاں قیام کرسکیں۔ اس چبوترے کو "صفہ" کا نام دیا گیا اور اس میں قیام کرنے والے افراد کو اہل صفہ کہا گیا۔ یہ وہ لوگ ہوتے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے اور ان کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا تو ان کا قیام اسی چبوترے میں ہوتا۔

مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے بے گھر افراد بھی یہیں قیام پذیر تھے۔ پھر یہاں طالب علم بھی آ کر رہنے لگے۔ تعلیمات نبوی سے فیض یاب ہونے کے لئے یہ لوگ یہیں قیام پذیر رہتے۔ دنیاوی دھندوں سے بے نیاز یہ تشنگان علم حضور پُر نور نبی کریم ورؤف ورحیم ﷺ کی صحبتوں سے شادکام ہوتے۔ یہ لوگ اپنی دنیاوی ضروریات کی طرف بہت کم توجہ دیتے۔ زیادہ وقت بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں گزارتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ رات تھوڑی دیر چبوترے میں آرام کرلیتے۔

ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ ارباب صفہ کے باب میں زیادہ سے زیادہ چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ملتا ہے تاہم اتنی تعداد بیک وقت موجود نہیں رہی اور اتنے زیادہ لوگوں کے قیام کی وہاں گنجائش بھی نہیں تھی۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہتے اور نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے۔ اصحاب صفہ نے رفتہ رفتہ اپنے سارے اوقات حصول علم اور عبادات کے لئے وقف کر دیئے۔ اہل صفہ درویش لوگ تھے اکثر کے پاس بنیادی انسانی ضروریات کا سامان بھی نہ تھا۔

کسی کے پاس ایک جوڑا لباس بھی مکمل نہ تھا ایک ہی چادر ہوتی جسے گلے سے باندھ لیتے اور رانوں تک لٹک آتی، نہ گھر نہ اہل وعیال، ان کی کل کائنات بس یہی چبوترہ اور مسجد نبوی تھی۔ انصار میں سے کچھ اہل ثروت کبھی کبھار ان کے لئے کھانا بھیج دیتے کبھی کوئی اہل ثروت کھجوروں کا گچھا وہاں لٹکا جاتا، جو کھجوریں نیچے گرتیں یہ اٹھا کر کھالیتے۔ بعض اوقات فاقوں تک نوبت آجاتی۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں فقر وغنا کے پیکر تھے۔ کھانے کو اتنا کم ملتا کہ ہر وقت ان پر نقاہت کا غلبہ رہتا اکثر اوقات دوران نماز گر پڑتے دیکھنے والے سمجھتے شاید دیوانے ہیں۔ جامع الترمذی میں ہے۔

جب حضور اکرم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے تو اصحاب صفہ میں سے کئی افراد بھوک کے باعث کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے۔ اعراب (نہ جاننے والے بدو لوگ) کہتے یہ لوگ پاگل ہیں۔

(جامع الترمذی، جلد ۲ صفحہ ۵۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ مجھ پر شدید بھوک

کے باعث غشی آجاتی اور لوگ سمجھتے شاید مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ کثرت روایت حدیث کے باعث ایک مرتبہ ان پر کسی نے اعتراض کیا (کہ انہیں اتنی زیادہ حدیثیں' روایات کیوں یاد ہیں) تو فرمایا اس میں میرا کیا قصور ہے دوسرے لوگ اپنے اپنے کاروبار اور دیگر مشاغل میں مصروف رہتے ہیں اور ہم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔

اہل صفہ کی عظمت

تاجدار کائنات ﷺ کی زیرِ نگرانی اصحاب صفہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہو رہی تھی جن کا اوڑھنا بچھونا اسلام تھا۔ یہ تحریک اسلامی کے وہ تربیت یافتہ کارکن تھے جنہوں نے علم کے چراغ جلانے کا منصب سنبھالا تھا۔ روایات میں ہے کہ جب اہل صفہ میں سے کسی کی شادی ہو جاتی تو وہ الگ سے گھر بسا لیتا۔ حضور ان تشنگان علم کی ضرورت کا خاص خیال رکھتے اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی فرماتے۔ دعوت کا اہتمام ہوتا تو ان کو کھانے پر بلا لیتے۔ کہیں سے صدقہ آتا تو انہیں عنایت کر دیتے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک مالدار صحابی تھے۔ سخی طبیعت کے مالک تھے، اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے، اسی اسی آدمیوں کو ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔ وہ کبھی کبھی اہل صفہ کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم فرما دیتے اور وہ دو دو تین تین آدمیوں کو اپنے ساتھ کھانے پر لے جاتے۔ بلاشبہ یہ تحریک اسلامی کے عظیم کارکن تھے جنہوں نے اپنی تمام تخلیقی اور جسمانی صلاحیتیں دینِ حق کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔

حضور انور نبی کریم ﷺ ان کا کتنا خیال رکھتے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ابا جان! چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں ایک کنیز عنایت فرما دیں۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں تو کنیز عطا کر دوں اور اہل صفہ بھوکے رہیں۔

اصحاب صفہ اکثر و بیشتر یا تو عبادت میں مصروف رہتے یا حصول علم کی لگن انہیں ہر وقت بے چین و مضطرب رکھتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ہر وقت یہی دھڑ کا لگا رہتا کہ ہماری عدم موجودگی میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کوئی بات نہ فرما دیں اور ہم ارشاد نبوی ﷺ سے محروم رہ جائیں۔ اصحاب صفہ کو قرآن پڑھانے کے لئے ایک معلم مقرر تھا یہ لوگ قاری مشہور تھے۔ دعوت و تبلیغ کے لئے انہیں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔

اصحاب صفہ میں سے چند ایک احباب کبھی کبھی اپنے فارغ اوقات میں جنگل سے لکڑیاں چن چن کر لے آتے اور انہیں فروخت کر کے اپنے ساتھیوں کے لئے کھانے کا سامان لے آتے۔ اصحاب صفہ میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے معاشی مسائل سے بے نیاز رکھا تھا وہ محض حصول علم کے لئے اہل صفہ میں شامل ہوئے اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر بھی آتا ہے۔

مؤاخات (اِسلامی بھائی چارہ)

اِسلامی عالمی برادری

مل جل کر اکٹھے رہنا یعنی کہ معاشرت اِنسان کی سرشت میں شامل ہے اور اس کی جبلت کا ایک حصہ ہے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے وہ اعلیٰ اِخلاقی اِقدار کا حامل ہوتا ہے۔ اِسلامی معاشرے کی بنیادیں بھی باہمی اُخوت اور رواداری پر اُٹھائی گئی جس میں تحمل، بردباری اور برداشت نے اینٹ گارے کا کام کیا ہے۔ اِنسان کے باہمی روابط کو اِخلاقی قدروں کا پابند بنایا گیا ہے اور اس پابندی کی کوکھ سے اُبھرنے والا معاشرہ فرد کی شخصیت کی بھی تعمیر کرتا ہے اور اجتماعی سطح پر کردار کی عظمت کے چراغ بھی روشن کرتا ہے اور یوں ہر مرحلے پر اِنسانی فطرت اور اِنسانی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلامی معاشرے مغرب کے بے سکون معاشرے کی طرح کبھی فرسٹریشن کا شکار نہیں ہوئے۔

اِعتماد، اِحترام اور باہمی محبت کی فضا ہمیشہ قائم رہی ہے۔ اگر چہ زِندگی ہموار راستوں ہی پر چلنے کا نام نہیں تاہم اِسلام نے بلندیوں اور پستیوں کے درمیان فاصلوں کو کم کر کے زِندگی کو اِعتدال کی راہوں پر گامزن کیا ہے۔ اور اِنتہا پسندی کے عنصر کو غیر محسوس طریقے سے فرد کی شخصیت سے کشید کر کے شخصیت کے توازن کو درہم برہم ہونے سے بچایا ہے۔ اور زندگی وشخصیت کے اچھے پہلوؤں کو ابھارا، نمایاں کیا۔ اِسلامی تعلیمات کے مطابق تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہ اُخوتِ اِسلامی کے لازوال رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ فکر ونظر کے یہ رشتے خون کے رشتوں سے بھی زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوتے ہیں۔ اِسلام نے عملاً رنگ ونسل کے بتوں کو پاش پاش کر کے اِنسانی برادری میں حائل وسیع خلیج کو اس طرح پاٹ دیا کہ عرب کا صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کے بلال رضی اللہ عنہ کے دِل کی دھڑکنوں کا مفہوم سمجھنے پر قادر ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ حجرات کی آیت ۱۰ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

یہ قرآن حکیم کا فرمانِ مبارک، یہ باہمی اُخوت ہی اِسلامی معاشرے کی بنیاد ہے، خشت اوّل ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد انصار و مہاجرین میں اِعتماد اور اِحترام کی فضا قائم کر کے اُنہیں باطل اِستحصالی قوتوں کے خلاف ایک مؤثر عسکری قوت میں تبدیل کرنا نبی کریم رؤف و رحیم ہادیٔ انس و جاں رہبر کائنات ﷺ کی ترجیحات میں سرفہرست تھا کیونکہ کفار و مشرکین کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ کسی لمحے بھی متوقع تھا۔ دُشمنانِ اِسلام کی کوشش تھی کہ اِسلام کو مدینے کی سرزمین پر پاؤں جمانے اور سماجی و ثقافتی سطح پر اس کے اثرات پھیلنے سے پہلے ہی خاکم بدہن اس کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے اور یوں نہ صرف اپنے تجارتی راستوں کو محفوظ بنایا جائے بلکہ اپنے صدیوں پرانے باطل نظام کا بھرپور دفاع کیا جائے۔ اور اس باطل نظام کے مقابلہ میں کسی کو آنے نہ دیا جائے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں کے قرآنی فیصلے کو حضور ختمی نبوت ﷺ نے صرف اِعلان کی حد تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عملی صورت بھی دی اور اپنے اس عمل کو نتیجہ خیز بھی بنایا۔

تعلیماتِ اِسلامی زمان و مکان کی حدود سے ماوراء (بالا) ہیں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کو کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دِین بھی کسی ایک قوم کسی ایک خطے یا کسی ایک زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک اِنسانوں کی اِنفرادی اور اجتماعی رہنمائی کے لئے ہے۔ روشنی اور خوشبو جغرافیائی حد بندیوں میں مقید نہیں رہ سکتی اور نہ کوئی اُنہیں اپنے مفادات کے دائروں تک محدود رکھ سکتا ہے۔ ابرکرم برستا ہے تو تشنہ زمینوں کی بھی پیاس بجھاتا ہے اور دریاؤں اور سمندروں پر بھی کھل کر برستا ہے۔ اِسلام نے وسیع تر اِنسانی برادری کی بنیاد رکھی۔ اِسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے وسیع تر اِنسانی برادری کی بنیاد رکھ کر عملاً بھی یہ ثابت کر دیا کہ اِسلامی نظامِ حیات و معاشرت کے بعد تمام نظام ہائے زِندگی باطل قرار پائے ہیں۔

قبائلی عصبیت

جیسا کہ آپ پڑھ آئے ہیں کہ اہلِ عرب میں قبائلی عصبیت کا جنون زوروں پر تھا' باقاعدہ حکومتی نظام کے فقدان کی وجہ سے ہر فرد مشکل اوقات میں اپنے قبیلہ کی پناہ لینے پر مجبور تھا۔ اگر کسی کا قبیلہ اس کی اِمداد سے دست کش ہو جاتا تو وہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے کسی کا دروازہ نہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ اپنے بیٹے' بھائی اور باپ کے قاتل سے بھی وہ اِنتقام نہ لے سکتا تھا۔ اس سماجی ضرورت نے ہر قبیلہ کے افراد میں اپنے قبیلہ کی عصبیت کے جذبہ کو ناقابل شکست بنا دیا تھا کیونکہ اس کے بغیر وہ اس جاہلی معاشرہ میں باعزت زِندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

حضور انور نبی کریم ﷺ نے اس قبائلی حصار کو توڑ کر ایک عالمی برادری کی بنیاد رکھی جس میں ہر کوئی بلا امتیاز رنگ و نسل اور قبیلہ و علاقہ شامل ہو سکتا تھا۔ اہلِ مکہ کے قبائلی نظام کے مطابق قبیلے کا جو شخص بھی دائرہ اِسلام میں داخل ہوتا وہ قبائلی نظام کے دائرہ تحفظ سے خارج ہو جاتا۔ اس کا قبیلہ اس کی حمایت اور حفاظت سے ہاتھ کھینچ لیتا۔ اسے سماجی مسئلے کے حل کے لیے نبی رحمت دو عالم ہادیٔ انس و جاں' محسنِ اِنسانیت ﷺ نے۔۔

اُخوتِ اِسلامی کا بے نظیر اور بے مثال تصور پیش کیا۔ اس کو پہلے مکہ میں عملی صورت دی اور پھر مدینہ پہنچنے پر اسے وسیع بنیادوں پر اِستوار کر کے اِنسانی تاریخ میں ایک نفیس وخوبصورت، دُنیا کو مثل جنت بنا دینے والے باب کا اضافہ کر دیا۔

قبل از ہجرت مؤاخات

جب پیغمبر اوّل وآخر واعظم، رسول کائنات، ہادیٔ انس وجاں، خاتم النبیین، سیّد المرسلین نبی رحمت ﷺ نے قُولُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کا نعرہ بلند کیا، کئی سعید روحیں لبیک کہتی ہوئی لپکیں اور اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ان کے قبیلہ والوں نے اُن لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے۔ یہ نومسلم اپنے خاندانوں سے کٹ کر تنہا رہ گئے اور وہ اپنے شہر میں رہتے ہوئے غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ رحمت دوعالم ﷺ نے سے اپنے جاں نثار ساتھیوں کی یہ بے بسی اور بے کسی دیکھی نہ جا سکی۔

نبوت کی دوررس نگاہوں نے ایک نئی ایسی برادری کی تشکیل کی اہمیت کو محسوس کیا جس کی بنیاد اس دِین توحید پر استوار ہو۔ اس میں قرشی غیر قرشی، عربی عجمی، فقیر اور امیر، اسود واحمر وابیض کے تمام اِمتیازات مٹا دیئے گئے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور ختمی مرتبت ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آتا وہ اِس برادری میں شامل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضور پُرنور سرکار دوعالم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اِس اِسلامی اُخوت کے رشتہ میں پرونے کے لیے دو مرتبہ عملی قدم اُٹھایا ایک بار ہجرت سے پہلے مکہ میں، دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۱۷- دیگر کتب سیرت)

اِسلام اَمن اور سلامتی کا دِین ہے اور یہ اَمن اور سلامتی پوری بنی نوع اِنسان کے لیے ہے۔ اِسلام کی آغوش میں آنے کا مطلب اَمن اور سلامتی کے دَامن میں آنا ہے۔ نظام اِسلام دُنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ مکی دور میں کسی قبیلے کا کوئی فرد اِسلام قبول کر لیتا تو اس کے قبیلے میں گویا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا۔ اس کے گرد قبائلی تحفظ کا حصار توڑ دِیا جاتا۔ اس کے جان ومال کے تحفظ سے ہاتھ اُٹھا لیا جاتا اور اُسے قبیلے سے یا خاندان سے الگ تھلگ کر دیا جاتا۔ زیردست اور غلام لوگ یا معاشی اِعتبار سے کمزور مسلمانوں کو ظلم وتشدد بنایا جاتا۔ ان مسلمانوں کو تنہا کر دِیا جاتا اور ان سے ہر قسم کے روابط منقطع کر لیے جاتے۔

چونکہ خود حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم رحمتِ دوعالم ﷺ اور ان کے خاندان کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ اور شعب ابی طالب میں آپ ﷺ نے اِنتہائی تنگی اور مصیبت کا وقت گزارا تھا اس لیے حضور ﷺ کو بخوبی اندازہ تھا کہ کفار ومشرکین کی زیادتیوں کا ہدف بننے والے مسلمانوں پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔ وہ کس ذہنی کرب میں مبتلا ہیں اور یہ سوشل بائیکاٹ اُن کے لیے کن نفسیاتی مسائل کا باعث بن رہا ہے۔ لہٰذا ان مسلمانوں

کو دُکھ اور کرب کی دلدل سے نکالنے کے لیے اور ان کے احساس تنہائی کو دور کرنے کے لیے آپ ﷺ نے مکہ میں بھائی چارے کی فضا قائم کر کے ماحول کی تلخی کو بڑی حد تک کم کر دیا۔

مکہ میں جتنے لوگ اِسلام قبول کر چکے تھے ان میں سے دو دو کو آپس میں بھائی بھائی بنا دِیا۔ اس طرح وہ شیر و شکر ہو گئے۔ باہمی محبت کا جذبہ یوں اُمڈ کر آیا غیریت (اجنبی ہونے' غیر ہونے) کی ساری بنیادیں منہدم ہو گئیں۔ جو لوگ اِسلام قبول کرنے کے باعث اپنی برادری سے کٹ گئے تھے اور اپنے آپ کو تنہا تنہا اور بے سہارا محسوس کرتے تھے اب وہ اپنے آپ کو عالمی برادری کا ایک معزز رُکن تصور کرنے لگے۔ ان تمام اَراکین میں اپنائیت و باہمی محبت کا وہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ تنہائی اور بے بسی کا خیال پھر کبھی اُنہیں پریشان نہ کر سکا۔ یہ اِسلامی بھائی چارہ ایسا بھائی چارہ تھا جس کی بنیاد' خون' رنگ' نسل و زبان اور علاقائیت جیسی اِنسانی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے والی عصبیتوں پر نہ رکھی گئی تھی بلکہ اس کی اساس عقیدہ توحید تھا۔ جن کا ایک خدا ایک رسول' ایک کتاب' ایک قبلہ اور ایک کلمہ تھا۔

اس بھائی چارہ کے دروازے بلا اِمتیاز ہر انسان کے لیے ہر وقت کھلے تھے جس کا جی چاہے' جس وقت جی چاہے ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدرسول اللہ'' خلوص و یقین کے ساتھ زبان سے کہے اور اس برادری میں شامل ہو جائے۔ اس میں شامل ہونے والوں سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تم کس قبیلہ کے فرد ہو؟ تم کس ملک کے باشندے ہو؟ تمہاری مادری زبان کون سی ہے؟ تمہاری مالی حالت کیسی ہے؟ یہ سب اِمتیازات تو مصنوعی ہیں اور یہ سب اِنسانیت کی عزت و شرف کی قبا کے لبادہ کو تار تار کر دینے والے ہیں۔ حضور پُر نور ہادیٔ برحق ﷺ نے بے شمار عصبیتوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور تڑپتی ہوئی اِنسانیت کو دعوت دِی کہ اُٹھو اِن مصنوعی اِمتیازات کو اپنے تلوؤں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھو۔ اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی وحدانیت کا اقرار کرو جو ربّ العالمین ہے۔ اور اس نبی مکرم اوّل و آخر و اعظم ﷺ کا دامن پکڑ لو جو رحمت العالمین ہے اور اس اِسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابتلاء و آزمائش کے اس دور میں بھی محدود عصبیتوں کے بت گرنے لگے۔ مقامی رقابتوں کی شدت میں کمی آنے لگی اور دکھی انسانیت کے لئے اس بھائی چارے نے رحمتوں اور برکتوں کے نئے دروازے کھول دیئے۔ مکہ میں جن لوگوں کے درمیان مؤاخات قائم ہوئے ان میں چند ایک کے اِسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

۱- تاجدارِ کائنات حضور پُر نور رحمتِ دو عالم ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ
۲- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
۳- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۴- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۵- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

۶- حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

۷- حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم مولیٰ ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ

۸- حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۹- حضرت سعد بن ابی زید رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

کے درمیان مؤاخات قائم ہوئے اور یہ دینی بھائی ٹھہرے۔ دیگر اصحاب کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ۳: ۵۲۷)

یہ بھائی چارہ بڑی برکتوں کا باعث بنا۔ پہلی برکت تو یہ ہوئی کہ جن حضرات سے اِسلام قبول کرنے کے باعث ان کے بھائی بندوں نے سلام وکلام تک ختم کر دیا تھا اور اس سبب اِحساس تنہائی جنہیں بار بار ڈستا رہتا تھا اُنہیں اس عذاب واذیت سے نجات مل گئی۔ وہ اب اپنے محدود خاندانوں کی بجائے اپنے آپ کو ایک عظیم پاکیزہ اور ترقی پذیر برادری کا رُکن سمجھنے لگے۔ قریشی غیر قریشی' ہاشمی' اموی' مخزومی وعدوی وغیرہ چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹ جانے سے اِس معاشرہ میں جو رقابتیں پیدا ہوگئی تھیں جن کی جڑیں دِن بدن گہری ہوتی چلی جاتی تھیں اِن سب کا قلع قمع ہوگیا اور ان کی جمعیت ایک سیسہ پلائی ہوئی دِیوار کی مانند مستحکم ہوگئی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بن گئی۔

مؤاخات بعد از ہجرت

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم سیّد المرسلین' خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا مقصد دِینِ حق کے اِعلان کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اِسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کیا جائے گویا اقامت دِین کے کام کو مکمل کیا جائے۔

اِستحکام دِین اِسلام اور فروغِ تحریک دِینِ اِسلام کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ سیاسی' اِقتصادی' ثقافتی اور عسکری محاذوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو بھرپور طریقے سے منظم کیا جائے کہ جارحیت کی ہر شکل کا موثر جواب دے کر کفار ومشرکین کی پیش قدمی روک دِی جائے اور پھر آگے بڑھ کر فتنہ وشر کے مراکز پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ پھر اُنہیں سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو۔

ان خدائی نیک مقاصد کے حصول کے لیے اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا عزم لے کر شاہراہ شہادت پر گامزن ہونا ہوگا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو ان خطوط پر منظم کرنا ہوگا کہ وہ دُشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دِیوار بن جائے۔ ناقابلِ تسخیر قوتِ ایمانی ان مجاہدینِ اِسلام کی ڈھال ہو اور شوق شہادت ان کے سینوں میں طوفان اُبھار رہا ہو۔ انصار ومہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم براہِ راست درس گاہ نبوی کے فیض یافتہ تھے وہ عزم وعمل کے کوہ گراں تھے۔ طوفانوں کے رُخ موڑ دِینا اُن کے لیے کوئی مشکل کام نہ

تھا۔ بے سروسامانی کے عالم میں بھی وہ بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ مکہ میں مہاجرین اپنے قبائل کے دباؤ میں تھے لیکن مدینہ میں ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ تھا ضرورت اس امر کی تھی کہ انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارے اور اُخوت کا ایک ایسا لازوال رشتہ قائم کر دیا جائے کہ مہاجرین کو ایک لحہ کے لیے بھی اجنبیت کا اِحساس نہ ہونے پائے۔ اور پھر مہاجرین کی آمد سے مقامی آبادی میں فوری نوعیت کے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان مسائل پر بھی رواداری اور بھائی چارے کی اسی فضا میں احسن طریقے سے قابو پایا جا سکے۔

ایک منظّم قوت کو زیادہ موثر و فعال کرنے کے لیے مؤاخات کے عمل نے بنیادی عنصر کا کردار ادا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ریاست مدینہ کو نہ صرف داخلی اِستحکام نصیب ہوتا چلا گیا بلکہ ساتھ ہی شہر کی مجلسی اور ثقافتی زِندگی پر بھی مسلمانوں کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی' اِقتصادی ماحول کی گرد آلود فضا آہستہ آہستہ چھٹنے لگی اور مہاجرین معاشی طور پر بھی کفالت کی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ مہاجرین اپنے تمام زمینی رشتوں سے قطع تعلق کر کے آئے تھے ان کی دِل جوئی سے ان کی سماجی اور نفسیاتی مسائل کا بھی خوبصورت حل نکل آیا۔ اجنبیت اور غیر پن کا ماحول ایک لحہ کے لیے بھی مدینے کی فضا کو آلودہ نہ کر سکا۔ مہاجرین میں تنہائی کا اِحساس پیدا ہی نہیں ہونے دیا گیا انہیں انصارِ مدینہ نے اِتنی محبت دی کہ وہ اپنے خونی رشتوں کو بھول گئے۔

مواخاتِ مدینہ' یعنی کہ مدینہ میں مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین یا مسلمانوں میں باہمی ایک مثالی بھائی چارہ پیدا فرمانا پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم' ہادی دو جہاں رہبر کائنات ﷺ کا ایک بہت بڑا اور بہت دیر قائم رہنے والا معجزہ تھا' ایسا معجزہ جسے کفار و مشرکین کھلی آنکھوں سے شب و روز دیکھ رہے تھے۔

وہ مدینہ کے باسی مختلف حریف قبائل کے مسلمانوں کے درمیان ایسا بھائی چارہ' یگانگت' باہمی محبت و احترام' ایک دوسرے کی خیر خواہی و خبر گیری دیکھ رہے تھے جو سگے بھائیوں میں بھی کم دیکھی جاتی تھی۔

وہ انصارِ مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان نمایاں معاشی و ملکیتی فرق کے باوجود ان میں اس قدر پُرخلوص' سچا اور حقیقی پیار و محبت' باہمی عزت و احترام' خبر گیری' خیر خواہی دیکھ رہے تھے جو ہر طرح سے ان کے لئے ناقابل فہم و ناقابل یقین تھی۔ وہ حسد کے مارے مسلمانوں کے اس پُرسکون' پُر اعتماد و پرمحبت ماحول و فضا کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے اور انہوں نے اس مثالی باہمی عزت و احترام' خیر خواہی کی فضا کو خراب کرنا چاہا لیکن وہ اپنی مکروہ چالوں اور ارادوں میں ناکام رہے۔

دین اسلام کو تقویت اور غلبہ دینے کے لئے خالق و مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بنی نوع انس و جاں پر ایک خصوصی کرم تھا اور آپ ﷺ کا معجزہ تھا جو کافی عرصہ تک باہمی عزت و احترام' پُرخلوص باہمی پیار و محبت اور کھرے سچے عزت و احترام و پیار کے نور سے دنیا کو روشن کیے رہا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے متعلق سورۃ انفال کی آیت مبارک 63 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''اوران کے دلوں میں میل کر دیا' اگر تم زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خرچ کر دیتے' ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔ بے شک وہی ہے غالب حکمت والا''۔

(سورۃ انفال آیت ۶۳)

اِدھر مشرکین مکہ بدستور مدینہ کے یہودیوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اور منافقین مدینہ سے ساز باز کر رہے تھے تا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے پاؤں جمنے نہ پائیں۔ مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کو اَن گنت مسائل کا سامنا تھا۔ مکہ اور گردونواح سے مہاجرین کے لٹے پٹے چھوٹے چھوٹے قافلے مدینے پہنچ رہے تھے ان کی با عزت اور فوری آبادکاری کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ اگرچہ انصارِ مدینہ' اپنی بساط سے بڑھ کر مہاجرین کی میزبانی کا حق ادا کر رہے تھے لیکن پیغمبر اوّل و آخر واعظم ہادیٔ برحق رسول کریم ﷺ ان پر ان کی اِستطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے تھے۔ مہاجرین کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے سے اُن کی عزتِ نفس بھی بحال رہتی اور انصار پر بوجھ بھی کم پڑتا' اور ایسا ہی کیا گیا۔ انصار کی معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا جب کہ مہاجرین کی اکثریت تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ چند ایک کے سوا اکثر مہاجرین کی مدینہ کے لوگوں سے رشتہ داری بھی نہ تھی۔ بعض مہاجرین کے اہل وعیال ابھی مکہ میں تھے۔ روزگار کے مواقع بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔

اس لیے مؤاخات قائم کر کے تمام اِمکانی مسائل کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ مدینہ کی فضا ابھی علاقائی' قبائلی عصبیتوں سے کلیتاً پاک نہیں تھی۔ اوس اور خزرج کے درمیان ایک طویل عرصہ تک خونریز جنگیں ہو چکی تھیں' مہاجرین کا تعلق بھی مختلف قبائل سے تھا۔ یہ قبائل بھی صدیوں تک باہمی رنجشوں' قبائلی عصبیتوں اور باہمی دُشمنیوں کے حصار میں رہے تھے۔ اِس بات کا شدید خطرہ تھا کہ کوئی طالع آزما اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اشتعال انگیزی پیدا کر کے مسلمانوں کے اِتحاد کو ختم نہ کر دے۔

مہاجرین کی آمد سے اَن گنت مسائل پیدا ہو رہے تھے' معیشت پر بوجھ بڑھ رہا تھا۔ سماجی اور نفسیاتی اُلجھنیں سر اُبھار رہی تھیں' اِن تمام مسائل کو حل بھی کرنا تھا اور فروغِ دِین کے لیے دعوتی کام کو بھی آگے بڑھانا تھا۔ یہ سب کام اس حکمتِ عملی سے کرنا تھے کہ معاشرے کے کسی طبقے کے اندر نہ تو احساسِ محرومی پیدا ہو اور نہ انہیں اِحساس ہو کہ ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ان مسائل کے علاوہ مستقبل قریب میں ملتِ اِسلامیہ کو متعدد شدید چیلنجوں کا سامنا کرنا تھا۔ اس کے لیے اِسلامی معاشرہ جو متعدد مختلف النوع طبقات سے عبارت تھا اس میں ایسی یک رنگی اور یگانگت پیدا کر دی جائے کہ جو طاغوتی قوت ان سے ٹکرائے وہ مسلمانوں کے ''اِتحاد کی چٹان''

سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔

ایک اہم اور فوری وجہ یہ بھی تھی کہ مہاجرین اپنے وطن اپنے اہل وعیال' اپنے حلقہ احباب اور اپنے اموال و اسباب سب کچھ کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ یہاں کے رہنے والوں سے ان کی کوئی جان پہچان نہ تھی سوائے چند ایک کے ان میں باہم رشتہ داریاں بھی نہ تھیں وہ یہاں آ کر اپنے آپ کو بے یار مدگار خیال کرتے تھے۔ وطن کی جدائی اہل وعیال کا فراق' اس پر بے یار مددگار ہونے کا احساس ان کے لیے بڑا روح فرسا تھا۔

اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور رحمتِ دوعالم ہادیٔ انس و جاں' رہبرِ کائنات ﷺ نے جو منصوبہ بندی کی اس پر ساری دنیا آج بھی حیران و ششدر ہے۔ یہ مسائل کسی مرحلے پر بھی حضور انور نبی کریم ﷺ کی نظروں سے اوجھل نہیں رہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے دوران ہی حضور پُرنور ﷺ نے اس جانب توجہ فرمائی۔ حضور انور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ایک دِن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ سب لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو گئے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ مزید ارشادِ نبوی ہوا کہ دو دو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ' پھر آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا: "یہ میرا بھائی ہے"۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ مختصر الفاظ میں اِسلامی مؤاخات (باہمی بھائی چارہ) کا نظام قائم کرنے کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

> "تاکہ ان کے غریب الوطنی کے اِحساس کو دور کیا جائے اور اپنے اہل وعیال سے جدائی کے وقت ان کی دِلجوئی کی جائے اور ایک دوسرے سے ان کو تقویت پہنچائی جائے" (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۳۰)

اِسلامی تعاون کا عہد و پیمان

مذکورہ بھائی چارہ کی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد و پیمان کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کی بنیاد ڈھا دی گئی اور دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ یہ عہد و پیمان السیرۃ النبویۃ ابن ہشام کی جلد ا کے صفحات ۵۰۲ اور ۵۰۳ پر درج ہے۔ ذیل میں اس پیمان کو اس کی دفعات سمیت مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ تحریر ہے محمد نبی ﷺ کی جانب سے قریشی' یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ

۱- یہ سب اپنے اپنے ماسوا اِنسانوں سے الگ ایک اُمت ہیں۔

۲- مہاجرینِ قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان معروف اور اِنصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے

مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہلِ ایمان کے درمیان اِنصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

۳- اور اہلِ اِیمان اپنے درمیان کسی بیکس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطاء و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۴- اور سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا اہلِ ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جویا (کرنے والا ظالم فسادی) ہوگا۔

۵- اور یہ کہ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۶- نہ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۷- اور اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہوگا۔ ایک معمولی آدمی کا دِیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

۸- جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں اُن کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ اِن کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۹- مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

۱۰- مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۱- کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۲- جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۳- اور یہ کہ سارے مومنین اس کے خلاف ہوں گے۔ ان کے لیے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا کہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔

۱۴- کسی مومن کے لیے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (فسادی یا بدعتی) کی مدد کرے اور اسے پناہ دے' اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا' اس پر قیامت کے دِن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا اور اس کا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۵- تمہارے درمیان جو بھی اِختلاف رونما ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی طرف پلٹایا جائے گا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۵۰۲' ۵۰۳)

اس حکمتِ بالغہ اور اس دُور اندیشی سے رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی بنیادیں اُستوار کیں'

لیکن معاشرے کا ظاہری رُخ درحقیقت ان معنوی کمالات کا پرتو (عکس) تھا جس سے نبی ﷺ کی صحبت وہم نشینی کی بدولت یہ بزرگ ہستیاں بہرہ ور ہو چکی تھیں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ان کی تعلیم وتربیت' تزکیۂ نفس اور مکارمِ اخلاق کی ترغیب میں مسلسل کوشاں رہتے تھے۔ اور اُنہیں محبت و بھائی چارگی' مجد وشرف اور عبادت و اِطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا اِسلام بہتر ہے؟ (یعنی اِسلام میں کونسا عمل بہتر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کھانا کھلاؤ اور شناسا اور غیر شناسا سب ہی کو سلام کرو''۔

(صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۶ تا ۹)

علامہ ابن ہشام اوّلین سیرت نگار ابنِ اِسحاق سے روایت کرتے ہیں جس کا اُردُو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور نبی کریم ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یوں پہنچا ہے اور ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کریں جو حضور نے اِرشاد نہیں فرمائی:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو دو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ پھر سرکارِ دوعالم ﷺ نے سیّدنا حضرت علی ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام رسولوں کے سردار' تمام متقیوں کے اِمام اور ربّ العالمین کے رُسول تھے بندوں میں نہ حضور کا کوئی مثیل تھا اور نہ نظیر۔ حضور نے سیّدنا حضرت علی کو اپنا بھائی تجویز فرمایا''۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر وابن ہشام)

عقدِ مؤاخات کی تاریخ

باہمی مؤاخات کے نظام پر عمل کا آغاز کب ہوا۔ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

۱- ہجرت کے پانچ ماہ بعد۔

۲- ہجرت کے نو ماہ بعد۔

۳- ہجرت کے ایک سال بعد۔

۴- ہجرت کے تین ماہ بعد۔

۵- جب حضور نبی کریم ﷺ مسجدِ نبوی تعمیر فرما رہے تھے۔

اِن اقوال میں سب سے صحیح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور انصار میں مؤاخات اس وقت قائم کی گئی جب کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی کیونکہ اس اہم کام کا طویل مدت تک التوا حکمت نبوت سے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا اِہتمام فرما کر باہمی اِجتماع اور میل و محبت کے ایک مرکز کو وجود بخشا' اِسی طرح آپ ﷺ نے تاریخِ اِنسانی کا ایک اور نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا جسے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔

ابن قیم لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے' آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگِ بدر تک قائم رہا اور سورہ احزاب آیت 6 کے احکام و ہدایت کے بعد اس کو ترک کر دیا گیا۔

سورہ احزاب آیت 6 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُہٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

ترجمہ: ''نسبی قرابتدار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں'' (یعنی وراثت میں)

اور سچ تو یہ ہے' حق تو یہ ہے کہ یہ بھائی چارہ ایک نادر حکمت' حکیمانہ سیاست اور پیغمبرانہ تدبیر تھی اور مسلمانوں کو درپیش بہت سارے مسائل کا ایک بہترین حل تھا۔

مستند کتب سیرت سے لیے گئے جن دو دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا گیا؟ اِن کے اِسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

۱- حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۲- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت خارجہ بن زہیر رضی اللہ عنہ
۳- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۴- حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۵- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۶- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	حضرت اویس بن ثابت رضی اللہ عنہ
۷- حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن معاذ/ ابی طلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ
۸- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ
۹- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

۱۰-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۱۱-حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۱۲-حضرت بلال (حبشی) بن رباخ رضی اللہ عنہ
۱۳-حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۱۴-حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
۱۵-حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۱۶-حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
۱۷-حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۱۸-حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
۱۹-حضرت سعید بن زید عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
۲۰-حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۲۱-حضرت ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ
۲۲-حضرت مہجع رضی اللہ عنہ
۲۳-حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ
۲۴-حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۲۵-حضرت ابی سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
۲۶-حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
۲۷-حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۸-حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ
۲۹-حضرت حصین بن حارث رضی اللہ عنہ
۳۰-حضرت عثمان مظعون رضی اللہ عنہ
۳۱-حضرت صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ
۳۲-حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۳۳-حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ
۳۴-حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
۳۵-حضرت ذی الشمالین رضی اللہ عنہ
۳۶-حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ
حضرت المنذر بن عمر المعنق رضی اللہ عنہ
حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عباد بن بشر بن وقس رضی اللہ عنہ
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
حضرت مجذر بن کعب رضی اللہ عنہ
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
حضرت زید بن مزین رضی اللہ عنہ
حضرت عبادہ بن حساس رضی اللہ عنہ
حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت سفیان بن نسر رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن ہمام رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن معلّٰی رضی اللہ عنہ
حضرت معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ
حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہ
حضرت حبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

۳۷-حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ — حضرت حنظلۃ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ
۳۸-حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ — حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ
۳۹-حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ — حضرت طلحہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ
۴۰-حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ — حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ
۴۱-حضرت عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ — حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۴۲-حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ — حضرت سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ عنہ
۴۳-حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ — حضرت فردہ بن عمرو البیاضی رضی اللہ عنہ
۴۴-حضرت خنیس ابن حذافہ رضی اللہ عنہ — حضرت منذر ابن محمد رضی اللہ عنہ

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۵۱-۱۵۲-سبل الھدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۲۹-۵۳۳)

حضور ﷺ کا جوہر مزاج شناسی

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضور پُرنور نبی کریم، رؤف و رحیم، والی کون و مکان ﷺ ذاتِ اَقدس کو جس زاویے سے بھی دیکھا جائے، جس حوالے سے بھی زینت لوحِ خیال بنایا جائے وہ ہر زاویے اور ہر حوالے سے اکمل نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی ان کا ہم سر نہ کوئی ان کی نظیر، نہ کوئی ان کا جواب نہ کوئی ان کی مثال، بزمِ رسولاں میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ، سب سے ارفع ختمِ نبوت کا تاج انہی کے سرِ اقدس سے سجایا گیا کہ آپ، حضور پُرنور ﷺ عالمِ امکانات میں ہر ابتداء کی ابتداء اور ہر انتہاء کی انتہاء، افراد کی نفسیات کو مدِنظر رکھتے، مزاج شناسی میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں پیغمبر اوّل و آخر ﷺ حرفِ آخر ہیں۔ انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا گیا، یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ اس میں فریقین کے مزاج اور مذاق دونوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ایک عظیم منصوبہ بندی کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرما رہے تھے۔

تربیت کے نقطہ نظر سے ضروری تھا کہ تربیت پانے والوں کی ذہنی کیفیات کا پورا پورا خیال رکھا جائے، ان کے نفسیاتی مسائل کا حل نکالا جائے اور ان کے مذاق اور مزاج کے مطابق اُنہیں ذمہ داریاں سونپی جائیں تاکہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں وہ اپنے ذہن پر ذرا سا بھی بوجھ محسوس نہ کریں بلکہ خوشی خوشی تمام امور سرانجام دیں۔ بھائی چارے کی یہ فضا قائم کرتے ہوئے حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کی معاشرتی حیثیت اور سماجی مرتبے کا بھی خیال رکھا۔ اعتدال اور توازن کی ایک ایسی راہ اپنائی کہ کسی مرحلہ پر بھی ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

مثلاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کے لختِ جگر تھے، انہیں قبیلہ اشہل کے سردار

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا' حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ میں ایثار کے جذبہ کی فراوانی قدر مشترک تھی' دونوں میں اچھے کمانڈروں کی خصوصیات بھی پائی جاتی تھیں چنانچہ اِن مشترکہ اقدار کی بناء پر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں آپس میں بھائی بھائی قرار دیتے وقت ان کے ذوق کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بعد میں فاتح شام ہوئے اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے امین الامت کے خطاب سے بھی نوازے گئے۔ غزوۂ بدر میں جب ان کا سامنا اپنے والد سے ہوا تو پدری محبت اور خونی رشتے کو اِسلام کی محبت پر قربان کرتے ہوئے نظریہ کی فتح کی عملی مثال پیش کی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے بنی قریظہ ان کے حلیف تھے لیکن بنی قریظہ کی عہد شکنی کے باعث جب اُنہیں حکم بنایا گیا تو اُنہوں نے اِنصاف کی خاطر اپنے چار سو حلیفوں کے خلاف فیصلہ دے دیا اور اپنے ذاتی تعلق کو اِنصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ صاحب ثروت صحابی تھے لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد اُنہیں بھی معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے اُنہیں مدینہ کے مالدار صحابی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا۔ نیکی پرہیزگاری اور خدا ترسی میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انہیں فن قرأت کے اِمام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتراماً انہیں سیّد المسلمین کہا کرتے تھے۔

انصار کا جذبہ ایثار

نسل اِنسانی کی پوری تاریخ میں صرف تاریخِ اِسلام ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِیثار و قربانی کی لازوال مثالوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ جذبہ اِیثار مخلص کارکنوں کا وہ ہتھیار ہے جو بے سروسامانی کے عالم میں بھی انہیں مغلوب نہیں ہونے دیتا اور ان کے سر کو فخر سے بلند رکھتا ہے۔

آقائے دو جہاں ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مؤاخات قائم کیا تو یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتے کی طرح بن گیا۔ انصار اپنے سگے بھائی اور قریبی رشتہ داروں سے بھی زیادہ اپنے مہاجر بھائیوں کا خیال رکھنے لگے اور ان کی دِل جوئی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے' انصارِ مدینہ نے اِیثار و قربانی کی ایسی لازوال مثالیں قائم کیں کہ پوری تاریخِ اِنسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی' یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی فوت ہوتا تو اس کی جائیداد کا وارث اس کا مہاجر بھائی بنتا۔ (طبقات ابنِ سعد ۱: ۲۳۸)

انصارِ مدینہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کو یوں گلے لگایا کہ سینوں میں اُخوت و محبت کا دریا موجزن ہو گیا' قلوب مسخر ہوئے تو ذہنی ہم آہنگی کے لیے ایسے نادر و نا قابل فہم و یقین واقعات جنم لینے لگے کہ خود تاریخ اِنسانی

بھی سانس روک کر کھڑی ہوگئی۔ انصارِ مدینہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں میں برابر کا حصہ دار بنانے کی پیش کش کی۔ ایک دِن انصارِ مدینہ نے حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ' ہمارے باغوں کو ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرما دیجئے' لیکن حضور پُر نور ﷺ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور یہ حقیقت پسندانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ تمہارے مہاجر بھائی باغوں کی پیداوار (پھل) میں تمہارے حصہ دار ہوں گے لیکن یہ باغات تمہارے ہی ملکیتی رہیں گے۔ انصار نے عرض کی آقا ہم نے سنا اور اطاعت' جیسے حضور پُر نور کی مرضی ہم آپ ﷺ کے حکم سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

(ابن کثیر' ۲: ۳۲۸)

حضرت سعد بن ابی الربیع رضی اللہ عنہ کا اِیثار

نسلِ اِنسانی کی آنکھیں چندھیا دینے والے' ورطۂ حیرت میں ڈال دِینے والے اس واقعہ کی اِمام بخاری اور اِمام مسلم نے صحیحین میں اور اِمام احمد نے اپنی مسند میں مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کو اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی بنا دیا۔

مدینے کی شاداب فضاؤں میں اِنسانی روابط کے تازہ پھولوں کے کھلنے سے بہار کا موسم ہر شے پر محیط نظر آتا تھا۔ ہر شے محبت کے پانیوں میں ڈوبی ہوئی تھی' درو دِیوار بھی اُخوت کی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والا مکالمہ نسلِ انسانی کے ماتھے کا جھومر بن گیا۔

اکثر انصار اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنے گھر لے گئے اور گھر کا آدھا سامان ان کی نذر کر دیا لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی بھائی کو جو پیش کش کی وہ اپنی نوعیت کے اِعتبار سے حیرت انگیز بھی ہے اور بے مثال بھی۔ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

''بھائی جان میں مدینہ کا امیر ترین رئیس ہوں آدھا مال لے لو اور میری دو بیویاں ہیں' جو تمہیں پسند آئے لے لو میں اسے طلاق دے دوں گا''۔ (سیرت ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

لیکن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اِحسان مندی کو حروفِ تحسین سے نوازتے ہوئے بصد شکریہ اس پیش کش کو قبول کرنے سے معذرت کر لی کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں دُعائیں دیں کہ اللہ تمہارے اہل و عیال میں برکت دے اور کہا ''مجھے صرف بازار کا

رستہ دکھا دو"۔ (سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

سبق

بازار کا رستہ پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اب اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں اور اپنے لیے خود روزگار تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سوچ اِنتہائی ترقی پسندانہ تھی' مہاجرین زیادہ عرصہ اپنے ان بھائیوں پر بوجھ نہیں بنے بلکہ بہت جلد وہ خود اپنے اپنے اہل وعیال کی کفالت پر قادر ہو گئے۔ اس سے نہ صرف مدینے کی مملکت کو اِقتصادی اِستحکام نصیب ہوا بلکہ مؤاخات میں مزید گرم جوشی پیدا ہوئی اور باہمی اِختلافات کے متوقع دروازے خود بخود بند ہو گئے اور انصار ومہاجرین شانے سے شانہ ملا کر کفار ومشرکین کے خلاف بڑی یکسوئی' دِل جمی سے صف آراء ہو گئے۔

بنی نضیر کے نخلستانوں کی تقسیم

قارئین کرام! درج ذیل دونوں واقعات سن ۱ ہجری کے نہیں ہیں۔ ان کو اس وقت (اس جگہ) صرف موضوع زیرِ بحث کو وضاحت اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کرنے کی خاطر یہاں لکھا جا رہا ہے۔

انصارِ مدینہ اِیثار وقربانی کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے' اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ ۴ ہجری میں جب بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا اور ان کی سازشوں کا خاتمہ ہوا تو ان کی مزروعہ زمینیں اور نخلستان مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے' حضور پُرنور نبی کریم رحمتِ دوعالم ﷺ نے انصار کو بلایا اور کہا کہ تم چاہو تو یہ زمینیں اور باغات تمہارے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کر دوں اور چاہو تو تم نے جو جائیدادیں اپنے مہاجر بھائیوں کو دی تھیں وہ واپس کر دی جائیں اور یہ زمینیں اور باغات سب کے سب مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ تو انصار نے اِیثار میں پھر ایک قدم آگے بڑھایا اور اِیثار وقربانی کی لازوال مثال قائم کی۔ انہوں نے بصد عجز ونیاز رسول کائنات' ہادیٔ انس وجاں' تاجدار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا' یارسول اللہ! آپ ہمارے باغات بھی ان (مہاجرین) کے پاس رہنے دیں اور یہ نئے نخلستان بھی ان میں تقسیم فرما دیں۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جلد ۴ صفحہ ۳۶۲)

جب بحرین فتح ہوا

تو اس موقعہ پر بھی انصار سرتاپا مجسم ایثار بنے ہوئے تھے' مہاجرین کو محبت اور خلوص سے اس کمال خوبصورتی سے گلے لگایا کہ وہ مہاجرت کا ہر غم بھول گئے' روحانی رشتوں نے تمام زمینی رشتوں پر فتح حاصل کی۔ روایات میں ہے کہ جب بحرین فتح ہوا تو پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رحمت دوعالم ﷺ نے انصار کو بلا کر کہا کہ میں یہ ساری زمین انصار میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں انہوں نے عرض کیا:

لا الا ان تقطع لا خواننا من المهاجرين مثلها ۔ آقا! پہلے اتنی ہی زمین ہمارے مہاجر بھائیوں کو عنایت کی جائے پھر ہم بھی زمین لینا منظور کرلیں گے ۔

(صحیح البخاری ۱:۵۳۵)

دریائے محبت کی امواجِ دلنواز

محبت کا ایک دریا تھا جو شہر مدینہ میں بہہ رہا تھا۔ اُخوت پیار' محبت' دوستی و باہمی اِحترام بے پناہ تھا جو چاروں طرف موجزن تھا۔ اَپنائیت کی خوشبو سے فضائے مدینہ مخمور لمحوں کی امین بنی ہوئی تھی۔ انصار نے اپنے گھروں سے ملحقہ زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں۔ جن مکانوں کے ساتھ ایسی زمینیں نہ تھیں ان مکانوں کے مالکان نے اپنے تعمیر شدہ مکانوں ہی میں اپنے بھائیوں کو حصہ دار بنا لیا۔ اس ضمن میں حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو بارش کا پہلا قطرہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی' سب سے پہلے انہوں نے اپنی زمین دینے کی پیش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ' حضرت عبید رضی اللہ عنہ کو انصار کے مکانات کے پہلو میں زمینیں مل گئیں۔ بنوزہرہ مسجدِ نبوی کے عقب میں آباد ہو گئے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اچھی خاصی زمین مل گئی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی ایک الگ کڑھی بنا لی۔ (معجم البلدان ذکر مدینہ)

دُعا برائے آلِ انصار

انصار مدینہ کی عظمت کو سلام کہ انہوں نے اجنبیت کی ساری دِیواریں گرا دیں' غیر ہونے کا ہر تصور مٹا دیا' بیگانگی کا شائبہ تک نہ رہا۔ مہاجرین و انصار یک جان دو قالب ہو گئے ۔ ایثار و قربانی کے اس لازوال جذبے سے تعمیر ہونے والا قصرِ اُخوت قیامت تک کے اِنسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مینارۂ نور بن گیا۔

اے اللہ! اے ربّ للعالمین' خالق و مالک کائنات' اے قادر مطلق تو انصار پر' ان کی آل پر' ان کی آل کی آل پر ہمہ وقت روز قیامت تک اپنے رحم و کرم و لطف و عنایات کی خصوصی بارش برسا اور ان کی سی دریا دلی صفات حُب دِینِ اِسلام و حب و اطاعت رسول کریم' سیّد المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیات باقی اُمت مسلمہ بھی دے۔ آمین

مہاجرین کی فطری غیرت

مہاجرین مکہ کوئی معمولی اِنسان نہیں تھے۔ یہ لوگ تو ابتداء سے براہِ راست درس گاہ نبوی کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ اِخلاق کے بلند مقام پر فائز تھے۔ یہ مضبوط کردار کے مالک اور ایثار و قربانی کے پیکر تھے۔ ان کی شخصیت بھی اپنے عظیم پیغمبر سیّد المرسلین' خاتم النبیین پیغمبر بحر و بر رسولِ کائنات ﷺ کی طرح ایک کھلی کتاب کی

مانند تھی جس کا ایک ایک حروف روشنیوں کا امین تھا۔ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آباد ہوئے تو گونا گوں مسائل کا شکار تھے لیکن اللہ کی راہ میں ہر چیز قربان کر دینے والوں کی جبین پر ایک بھی شکن نمودار نہ ہوئی۔ سب نے رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم ختم کر دیا۔

انصارِ مدینہ نے اپنے مہاجرین بھائیوں کی دلجوئی کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے اور انہیں کھلے بازوؤں سے خوش آمدید کہا۔ مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کے خلوص کو ٹھکرایا نہیں محبت کا جواب پُرخلوص محبت سے دیا۔ ان کے ایثار و قربانی کو قبول کیا لیکن مہاجرین کو زیادہ دیر تک اپنے بھائیوں پر بوجھ بننا پسند نہ تھا۔ وہ محنت و مشقت کے خوگر تھے۔ قیادت کامل و قیادتِ عظمٰی نے بھی ان کی آباد کاری کے اقدامات کرتے وقت مہاجرین کی عزت نفس کا پورا خیال رکھا۔ انصارِ مدینہ بھی جانتے تھے کہ دِل کے آبگینے بڑے نازک ہوتے ہیں اس لیے کسی مرحلے پر بھی انہوں نے یہ تاثر نہیں دیا کہ مہاجرین کے آنے سے مدینے کی معیشت پر بوجھ بڑھا ہے۔

بلکہ اُنہوں نے مہاجرین کی آباد کاری کے لیے نہ صرف اپنے گھر اور زمینیں پیش کیں بلکہ دلوں کے دروازے بھی کھول دیئے کہ ان کے دینی بھائیوں کو اجنبیت کا ذرا سا بھی اِحساس نہ ہونے پائے۔ مہاجرین نے بھی اپنی آباد کاری کے فوراً بعد معاشی طور پر کفیل ہونے کے لیے فوری تگ و دو کا آغاز کر دیا۔ بعض مہاجرین نے دُکانیں کھول لیں اور بعض مزدوری پر لگ گئے۔ یہ تاجر پیشہ لوگ تھے انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ میں مضبوط معیشت کی بنیاد رکھی۔ بعض مہاجرین مال خرید کر بازار میں گشت کرتے اور یوں اپنی روزی کما لیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں کپڑے کے تاجر تھے۔ انہوں نے یہاں بھی کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت شروع کر دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تجارت کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ مہاجرین مکہ بھی جانتے تھے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی آباد کاری کے لیے جو اقدامات کیے ہیں وہ ہنگامی نوعیت کے ہیں اور انہیں بہت جلد معاشی لحاظ سے خود کو مضبوط بنیادوں پر منظم کر کے نہ صرف انصارِ مدینہ کا بوجھ ہلکا کرنا ہے بلکہ ریاست مدینہ کے معاشی اور معاشرتی استحکام کا بھی باعث بننا ہے۔

مثلاً حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے مالدار انصاری بھائی کی فراخدلانہ پیش کش کو شکریئے کے ساتھ یہ کہہ کر قبول نہ کیا کہ بھائی مجھے بازار کا رستہ بتا دو۔ انہوں نے بنو قینقاع کے بازار میں پنیر اور گھی کا کاروبار شروع کیا' انہوں نے محنت شاقہ سے کام کیا۔ اللہ نے ان کے کام میں بڑی برکت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے منڈی میں اپنی کاروباری ساکھ کی بدولت متمول تاجروں میں شمار ہونے لگے۔

ان کا سامانِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لاد کر لایا جاتا۔ جب ان کا تجارتی کاروان مدینہ پہنچتا تو شہر میں ایک دھوم سی مچ جاتی۔ ایک دن ان کے کپڑوں پر زعفران کا رنگ دیکھ کر آقائے دو جہاں ﷺ نے استفسار

فرمایا یہ رنگ کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں نے ایک خاتون سے شادی کر لی ہے' جب حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے مہر کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا یا رسول اللہ' کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم سیّد المرسلین خاتم النبیین ختمی مرتبت ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''ولیمہ کر خواہ ایک بکری ہی ہو''۔

عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اگر میں پتھر کو بھی اُٹھاؤں تو مجھے اس سے سیم و زر کے منافع کی توقع ہوتی تھی''۔ (خاتم النبیین' جلد ۲' صفحہ ۵۵۹- سیرت ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۳۲۸)

رسول مقبول محمد رسول اللہ ﷺ جب فتح خیبر کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے نخلستان کی صورت میں عطیہ جات واپس کر دیئے۔

انصار مدینہ نے مہاجرین کی آباد کاری میں جس جذبہ ایثار اور جذبہ محبت سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مہاجرین' انصار کے مدینہ کے خلوصِ دل سے قدر دان تھے ایک دن مہاجرین بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے دلی جذبات کا اِظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔

یا رسول اللہ! ہمیں جس قوم کا مہمان بننے کا اِتفاق ہوا ہے وہ معمولی معمولی باتوں پر ہماری دلجوئی کرتے ہیں۔ اور بڑی بڑی حاجات کو پورا کرنے کے لیے جس دریا دلی سے مال خرچ کرتے ہیں اس جیسی قوم ہم نے کہیں نہیں دیکھی۔ ہمیں کام بھی نہیں کرنے دیتے اور آمدنی کا پورا پورا حصہ ہمیں دے دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں خطرہ لاحق ہوا کہ سارا اَجر و ثواب یہی نہ لے جائیں۔

حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لا ما اثنیتم علیھم و دعوتم اللہ لھم جب تک تم ان کی فیاضی کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لیے دُعا گو رہو گے ایسا نہیں ہو گا۔

(سیرت ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ - خاتم النبیین' جلد ۲' صفحہ ۵۵۹)

اِمام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک دوسری روایت نقل فرمائی ہے جس سے انصار کے مدینہ اِیثار کا پتہ چلتا ہے۔

ایک روز انصار نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کی یا رسول اللہ ہمارے نخلستانوں کو ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر بانٹ دیجئے۔ مرشد برحق رحمت للعالمین' رسول کائنات ﷺ نے یہ گزارش قبول نہ فرمائی بلکہ جواب دیا'' وہ پھل میں تمہارے ساتھ حصہ دار ہوں گے' ملکیت میں نہیں''۔ انصار نے عرض کی: ہم نے حضور کے فرمان کو سنا' ہم اس کے سامنے سرِ تسلیم ختم کرتے ہیں۔ (خاتم النبیین' جلد ۲' صفحہ ۵۵۹)

انصار نے اپنے باغات اور مزروعہ زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو دینے کی کئی بار پیش کش کی۔ لیکن حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم عالم خفا و غیوب ﷺ جانتے تھے کہ مہاجر تو تجارت پیشہ لوگ ہیں' فن زراعت سے

انہیں برائے نام واقفیت ہے اس لیے مہاجرین کی طرف سے اس پیش کش کو قبول کرنے سے اِنکار فرما دیا کرتے۔ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم باغبانی اور کاشتکاری کے سارے فرائض خود انجام دیں گے۔ اس سے جو پھل اور اناج حاصل ہو اس کو حضور ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے مہاجرین بھائیوں کے درمیان نصف نصف بانٹ دیا کیجئے۔

جب بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا تو ان کی مزروعہ زمینیں حضور ﷺ کے قبضہ میں آئیں۔ رسول کریم ﷺ نے انصار کو فرمایا کہ تمہارے مہاجر بھائیوں کے لیے کوئی مال نہیں ہے اگر تم چاہو تو میں بنی نضیر کی زمینوں کو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان تقسیم کر دوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال تمہیں واپس کر دیئے جائیں اور یہ مفتوحہ زمین صرف مہاجرین میں تقسیم کر دی جائے۔

ان سر وفشانِ اِسلام نے اپنے آقا کی بارگاہ میں بصد خلوص یہ عرض کی:

''یا رسول اللہ! یہ بنو نضیر کی مزروعہ زمینیں تو حضور سب کی سب ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمائیں اور ہماری زمینوں کو بھی ان کے درمیان اور ہمارے درمیان جس طرح حضور چاہیں بانٹ دیں''

سورہ حشر کی آیت ۹ میں اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان مبارک یوں ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو''۔

ان پیشکشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں پر اپنا بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق کاروبار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں ہم آپ کو پہلے بتا آئے ہیں کہ انہوں نے اپنے انصار بھائی سے بازار کا رستہ دریافت کیا اور وہاں خرید وفروخت شروع کی۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی دُعاؤں کی برکت سے آپ کے کاروبار میں اتنی ترقی ہوئی کہ کچھ عرصہ بعد جب ان کے قافلے سامانِ تجارت سے لدے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچتے تھے تو دھوم مچ جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک شور وغُل سنائی دیا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا شور ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پانچ سو اونٹ سامانِ تجارت سے لدے ہوئے مدینہ طیبہ کی منڈی میں پہنچے ہیں۔ اور لوگ سامان خریدنے کیلئے بھاگے چلے جا رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس سارے سامانِ تجارت کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

بنی نضیر قبیلہ کی متروکہ اراضی سے جو قطعہ زمین حصہ میں آپ کو ملا وہ آپ نے چالیس ہزار دینار میں

فروخت کیا اور یہ ساری رقم ازواج مطہرات میں تقسیم کر دی۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' صفحہ ۱۳۲)

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کی خرید و فروخت کا کاروبار شروع کیا۔

''حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ میں یہودیوں کے ایک قبیلہ بنوک قینقاع سے کھجوریں خرید کیا کرتا تھا اور نفع پر اسے بیچ دیا کرتا تھا۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو مجھے فرمایا: اے عثمان! جب کھجوریں خرید و ماپ کر خریدا کرو اور جب بیچو تو ماپ کر دیا کرو''۔ (مسند امام احمد' جلد ا صفحہ ۶۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔

حضرت سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی نواحی بستی سخ میں اقامت پذیر ہوئے آپ وہاں کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ کا یہ معاشرہ جس کو ہادی دو جہاں' رہبر کائنات' سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنی حکیمانہ حکمتِ عملی سے وجود بخشا' وہ دو عناصر پر مشتمل تھا۔ ایک طرف انصار تھے جو سراپا خلوص و ایثار تھے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں اپنے مہاجر بھائیوں میں نصف نصف تقسیم کرنے کی صدق دل سے پیش کش کر رہے تھے۔ دوسری طرف جفاکش دلیر و غیور مہاجر تھے جو اپنے کریم النفس میزبانوں پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں طبقے اپنی اپنی جگہ عدیم المثال تھے اور یہ سب نگاہِ رسول کریم ﷺ کا فیض تھا جس نے انہیں شیر و شکر کر دیا تھا اور اجنبیت' غیر پن' غیریت و بیگانگی کے سارے عوامل کی بیخ کنی کر کے رکھ دی تھی۔

میثاقِ مدینہ

ایک اجتماعی، اِقتصادی، سیاسی اور دفاعی معاہدہ و منصوبہ بندی

داخلی اِستحکام کے بغیر نہ دفاعی قوت کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ سماجی اور ثقافتی حوالوں سے جملہ امور مملکت پر اپنی گرفت ہی کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ داخلی اِستحکام اصولوں پر مبنی اور باوقار خارجہ پالیسی کی بنیاد پر بنتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بین الاقوامی سطح پر مراسم و روابط کو مستحکم بنائے بغیر قوموں کی برادری میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں آنا ممکن نہیں ہوتا۔ سفارتی تعلقات یقین اور اِعتماد کی بنیادوں پر استوار نہ ہوں تو عظمت و شوکت کی اس منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا جو بجا طور پر زندہ و بیدار قوموں کا حق ہوتا ہے۔

اس لیے شہنشاہ کائنات تاجدار مدینہ حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ نے گوناگوں سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل پر قابو پانے کے لیے داخلی اِستحکام کے مسئلہ کو سرفہرست رکھا۔ مؤاخات مدینہ کے تحت جو فوری اور ہنگامی نوعیت کے فیصلے کیے گئے، وہ بھی اس داخلی مورچے کو مضبوط بنانے کی ایک شعوری اور فطری کوشش تھی۔ کیونکہ انصار و مہاجرین کا اطمینان اور اِعتماد ہی شاہراہ اِنقلاب پر پیش رفت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ اس لیے حضور انور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ نے تمام علاقائی قوتوں کو اِعتماد میں لے کر فضا کی کشیدگی کو کم کرنے کا ایسا بے مثال لاجواب منصوبہ بنایا جو اپنی جامعیت اور مقاصد کے لحاظ ہی سے ایک بھرپور منصوبہ نہ تھا بلکہ یہ منصوبہ مطلوبہ اہداف کے حصول کا بھی مؤثر ذریعہ ثابت ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کو جزیرہ نمائے عرب میں ایک فیصلہ کن سیاسی اور اِنقلابی قوت کے طور پر بھی تسلیم کر لیا گیا۔

جب مدینہ میں مسلمانوں کی نظریاتی مملکت کی داغ بیل پڑی تو چاروں طرف اَن گنت مسائل سر اُبھار رہے تھے۔ ریاست مدینہ کے خلاف اندرونی اور بیرونی سازشوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور اہلِ شہر نے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے تو اس وقت بھی اِسلام دُشمن قوتیں تلملا رہی تھیں۔ عبداللہ بن ابی جس کی رسم تاجپوشی حضور انور تاجدار کائنات ﷺ کے قدموں کی دھول میں اڑ گئی تھی الگ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ مشرکینِ مکہ کسی طرح سے یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ جو مسلمان تیرہ سال تک ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے تھے وہ مدینہ پہنچ کر سکھ کا سانس لے سکیں۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر مدینہ میں مسلمانوں کو پاؤں جمانے کا موقع مل گیا یا حضور انور نبی کریم ﷺ مدینہ اور اس کے

مضافات میں آباد یہود قبائل کو اعتماد میں لینے میں کامیاب ہو گئے تو مسلمان ایک سیاسی اور عسکری قوت بن کر اُبھریں گے۔ وہ مسلمانوں کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ وہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اور عسکری قوت کے طور پر تسلیم کرنے کا تصور کر لیتے۔

اس لیے مکہ کے کفار و مشرکین نے مدینہ کے یہودی قبائل اور منافقین مدینہ سے رابطوں کا آغاز کر دیا' مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد یہودی قبائل کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کا معاشی استحکام ان کے سماجی مرتبے کا آئینہ دار تھا۔ تجارت مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں تھی۔ دفاعی اعتبار سے بھی یہ مضبوط پوزیشن میں تھے۔ ان کے مضبوط قلعوں کو ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ اہلِ کتاب تھے' ثقافتی بالا دستی بھی انہیں حاصل تھی۔ اوس اور خزرج ان کی علمی برتری سے مرعوب تھے اور پھر ابھی اوس اور خزرج میں ایسے افراد موجود تھے جنہوں نے ابھی تک اِسلام قبول نہیں کیا تھا۔ کچھ منافق ایسے بھی تھے جنہوں نے بظاہر اِسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ ہوا کا رُخ دیکھ رہے تھے۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' رہبرِ کائنات' ہادیٔ انس و جاں' خاتم النبیین' سیّد المرسلین' اصل الموجودات' فخر کائنات ﷺ کی نظرِ مبارک سے یہ تمام مسائل اوجھل نہیں تھے۔ حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ نے ایک مدبر کی حیثیت سے ممکنہ خطرات کو کم کرنے کے لیے بلا اِمتیاز مذہب' مدینہ منورہ کے قرب وجوار کے جملہ باشندگان کو متحد کیا۔ انصار' مہاجرین اور یہودیوں کو شامل کر کے ایسی دستاویز تیار کی جس کے مطابق مشترکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر باہمی تعاون مقصود تھا۔ اس وسیع البنیاد منشور کی نوعیت بیک وقت اِجتماعی' دفاعی' اِقتصادی اور سیاسی تھی' اس اِتحاد کو میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس معاہدہ کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ کشیدگی کی فضا چھٹ گئی۔ بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے بہتر ماحول پیدا ہو گیا۔ باشندگانِ مدینہ کا اِعتماد بحال ہوا۔ ان کے مفادات کو تحفظ ملا۔ شہریوں کو امن و سکون کی دولت نصیب ہوئی۔ بے یقینی کی فضا دور ہو گئی۔ وقتی طور پر اندرونی سازشیں دم توڑ گئیں اور اس امر کی ضمانت حاصل کر لی گئی کہ مدینہ پر حملہ کی صورت میں تمام قوتیں متحد ہو کر شہر کا دفاع کریں گی۔ بالفرض اگر یہودی عملاً مدینہ کے دفاع کے لیے میدانِ عمل میں نہ بھی اُترتے تو یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ کم از کم وہ براہِ راست مسلمانوں کی مخالفت نہیں کریں گے اور نہ دُشمنانِ اِسلام کے ہاتھ مضبوط کریں گے۔

جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کی ایک طاقتور جمعیت موجود تھی۔ وہ معاشی لحاظ سے بھی خوش حال تھے اور صاحبِ کتاب ہونے کے باعث علمی طور پر بھی اوس و خزرج پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہاں کے معاشرہ میں اس وقت تک اِتحاد اور یگانگت پیدا نہیں ہو سکتی تھی جب تک ان یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ ملایا جائے۔ دینِ اِسلام' تحریک دینِ اِسلام کے اوّلین دُشمن رؤساء مکہ ابھی تک مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور کسی وقت بھی وہ اس چھوٹی

سی بستی پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک وسیع المیعاد منشور کی ضرورت تھی۔

اس کے تحت حضور پُر نور، رہبرِ کائنات، رحمت دو عالم ﷺ نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستاویز کے ذریعہ مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں کو بلا اِمتیاز مذہب و قومیت، اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اِتحادِ عمل میں لایا گیا۔

اس دستاویز کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا بہترین اُردو ترجمہ دفعات کی صورت میں نمبر وار پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی مشہورِ زمانہ کتاب "اَلْوَثَائِقُ السِّيَاسِيَّاتُ لِلْعَهْدِ النَّبَوِيِّ" یا مختصر الفاظ میں "الوثائق السیاسیہ" کے صفحہ ۵۹ تا ۶۲ پر درج منشور کا ہے جو کہ عربی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے مترجم جناب ڈاکٹر نثار احمد صاحب (کراچی یونیورسٹی) لکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا منشور کو سمجھنے کے لیے اور آئندہ حوالوں میں آسانی کے لیے مناسب یہ ہے کہ مندرجہ بالا دستاویز کا مطلب حسبِ سابق قوسین میں دینے کے بجائے دفعات کی صورت میں لکھا جائے۔ چنانچہ اسے یوں ترتیب دینا زیادہ سود مند ہے، مناسب ہے۔

۱- یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد (ﷺ) کی قریش، یثرب کے اہلِ ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

۲- یہ (تمام گروہ) دُنیا کے (دوسرے) لوگوں سے ممتاز و ممیز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت متصور ہوں گے۔

۳- مہاجرین جو قریش میں سے ہیں فی الحال حسبِ سابق دیتوں اور خون بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے، اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے۔

۴- اور بنو عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسبِ سابق قائم رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۵- اور بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسبِ دستور سابق رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۶- اور بنو ساعدہ بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسبِ دستور سابق رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۷- اور بنو جشم اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۸- اور بنو نجار اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسبِ دستور سابق اپنا خون بہا مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ

عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۹- اور بنو عمرو بن عوف' اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسبِ سابق جاری رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۱۰- اور بنو النبیت' اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا حسبِ سابق مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۱۱- بنو الاوس' اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسبِ سابق قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۱۲- اور اہلِ ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔

۱۳- اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین' متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے ظلم' گناہ اور تعدی کے ہتھکنڈوں سے کام لے۔ اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے اگرچہ وہ اِن میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴- کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۱۵- اور اللہ کا ذمہ (اور پناہ سب کے لیے یکساں) ایک ہے ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے اہلِ ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی بھائی اور مددگار اور کارساز ہیں۔

۱۶- یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اِتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی اور ان یہود پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دُشمن کی مدد کی جائے گی۔

۱۷- تمام اہلِ ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر دُشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔

۱۸- جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہو گا اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔

۱۹- اہلِ ایمان کفار سے اِنتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۲۰- (I) تمام تقویٰ شعار مسلمان' اسلام کے احسن اور اقوام طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

(II) اور مدینہ کا کوئی مشرک (غیر مسلم اقلیت) قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی' کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

۲۱- اور جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ اِلّا یہ کہ اس

مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضا مند ہو جائے اور تمام اہلِ ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

۲۲- کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے' یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت ونصرت کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وہ قیامت کے دِن اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور جہاں اس کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی نہ (عذاب کے بدلہ) کوئی فدیہ لیا جائے گا۔

۲۳- جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہوگا تو اسے اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

۲۴- اور یہ کہ جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اُٹھائیں گے۔

۲۵- اور یہود بنی عوف' اور ان کے خلفاء وموالی' سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت (فریق) متصور ہوں گے یہودی اپنے دِین پر (رہنے کے مجاز) ہوں گے اور مومن اپنے دِین پر کاربند رہیں گے۔ البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

۲۶- اور بنی نجار کے یہودیوں کے لیے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہیں۔

۲۷- اور بنی حارث کے یہودیوں کے لیے وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہے۔

۲۸- اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہے۔

۲۹- بنی جشم کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ہے جو یہود بنی عوف کے لیے ہے۔

۳۰- بنی الاوس کے یہودیوں کے لیے وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کے لیے ہے۔

۳۱- بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لیے وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کے لیے ہے۔ البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۳۲- اور جفنہ' جو قبیلہ ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

۳۳- اور بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے لیے ہیں اور ہر ایک پر اس دستاویز کی وفا شعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی۔

۳۴- اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے لیے ہیں۔

۳۵- اور یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

۳۶- (I) اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد ﷺ کی اِجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔

(II) اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق

اور خونریزی کا اِرتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمہ داری اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال پر ہوگی۔ ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے۔

۳۷- (I) اور یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔

(ii) اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت و مدد کی جائے گی۔

۳۸- اور یہ کہ جب تک جنگ رہے۔ یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اُٹھائیں گے۔

۳۹- اور اس صحیفہ والوں کے لیے حدود یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت رکھے گا۔

۴۰- پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کر کے گناہ گار بنے۔

۴۱- اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اِجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۲- اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس متنازعہ فیہ امر میں فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۴۳- اور قریش (مکہ) اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۴- اور یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۴۵- (i) ان مسلمانوں میں جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کرلیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔ الا یہ کہ کوئی دِین و مذہب کے لیے جنگ کرے۔

(ii) اور تمام لوگ (فریق) اپنی اپنی جانب کے علاقہ کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

۴۶- اور قبیلہ اوس کے یہود کو، خواہ موالی ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس تحریر کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ اور وہ بھی اس صحیفہ والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں۔ نیز قرار داد کی پابندی کی جائے گی۔ نہ کہ عہد شکنی۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۴۷- یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم (کو اس کے جرم کے عواقب سے بچانے کیلئے) آڑے نہ آئے گا۔ جو جنگ کے

لئے نکلے (کسی اور جگہ نقل مکانی کرے) وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا رہے (سکونت رکھے) وہ بھی امن کا حقدار ہوگا۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں اور جو اس نوشتہ کی وفا شعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا تو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے نگہبان اور خیر اندیش ہیں۔

(الوثائق السیاسیات للعھدی نبوی صفحہ ۵۹ تا ۶۲ - کتاب کا اُردو میں نام عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی)

کیا یہ دستاویز مدینہ میں بسنے والے مختلف عناصر کے درمیان ایک معاہدہ تھا جو تمام فریقوں کے درمیان اتفاق رائے طے پایا؟ یا یہ ایک آئین اور دستور تھا جسے ریاست مدینہ کے مقتدرِ اعلیٰ یعنی حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے نافذ فرمایا؟ اور مدینہ کے تمام قبائل اور افراد پر اس کی پابندی لازمی تھی اور جو فرد یا قبیلہ اس کے خلاف بغاوت کرے گا وہ ریاست مدینہ کی شہریت کے حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جب اس دستاویز پر بحث کی ہے تو اس کا عنوان ''دُنیا کا سب سے پہلا تحریری کا دستور'' تجویز کیا اور اس رائے کو ترجیح دی کہ یہ دستاویز معاہدہ نہیں بلکہ مدنی ریاست کا دستور ہے جس کی پابندی اس کے ہر شہری پر لازم تھی۔

اس دستاویز کے پہلے جملہ پر ہی نظر ڈالی جائے تو عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ یہ چند جماعتوں میں طے پانے والا معاہدہ نہیں ہے۔ بلکہ قوت حاکمہ کی طرف سے جاری کردہ فرمان ہے جس کی پابندی ہر شخص لازم ہے۔

اس کا پہلا جملہ ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' اس جملہ پر غور کرنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ وہ فرمان ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی اور رسول ریاست مدینہ کے حاکم اعلیٰ نے جاری کیا ہے۔ نیز اس کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ دستور' یہ دستاویز مدینہ کے تمام باشندوں اور تمام جماعتوں پر یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔ مہاجرین' انصار' مشرکین' یہود وغیرہ سب اس کے پابند ہیں اپنی مرضی سے کوئی اس سے اپنے آپ کو مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی اختلاف معاہدہ کے شرکاء میں رونما ہو جائے تو اس کے حل کا یہ طریقہ طے پایا ہے کہ اس متنازعہ معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سرورِ دوعالم ﷺ کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوگا۔ نیز اس میں ثواب وعقاب کا بھی ذکر موجود ہے اس لئے تمام عوامل اسے ایک ایسا دستور قرار دیتے ہیں جو سرتاپا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا ساری دستاویز از اوّل تا آخر ایک دفعہ ہی ضبط تحریر میں لائی گئی اور نافذ کی گئی یا مختلف اوقات میں یہ امور طے کیے گئے اور پھر ان کو یکجا کر دیا گیا۔

سیرت نبوی کے قدیم وجدید جتنی بھی قابل حوالہ کتابیں ہیں ان کے مطالعہ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ

ساری دستاویز ۱ ہجری میں بیک وقت مرتب کی گئی۔ اور اس کا نفاذ عمل میں آیا لیکن عہد حاضر کے بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ اس دستاویز کا پہلا جو تیئیس دفعات پر مشتمل ہے جس میں مہاجر و انصار ان کے متبعین کو مخاطب کیا گیا ہے یہ ۱ ہجری میں ضبط تحریر میں لایا گیا اور وہ دفعات جن کا تعلق یہود وغیرہ سے ہے وہ غزوۂ بدر کے بعد تحریر کی گئیں۔

اس دستاویز کا وہ حصہ جس میں یہود کے بارے میں متعدد دفعات ہیں۔ ان میں اگرچہ شہری حقوق و فرائض کی تشریح کر دی گئی ہے جو مدینہ میں بسنے والے تمام باشندوں کو حاصل تھے لیکن بہت سی ایسی دفعات بھی ہیں جن میں جنگی اور دفاعی معاملات کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے ان دفعات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہود اپنے مذہبی عقائد پر برقرار رہیں گے ان کی عبادات اور رسم و رواج میں قطعاً کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ان کی تمدنی' سیاسی بھیوں کو تحفظ میسر رہے گا البتہ ایک فریق پر اگر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ ہر فریق اپنے جنگی اخراجات خود برداشت کرے گا۔ یہودی اپنے دِین پر اور مسلمان اپنے دِین پر ہوں گے۔ اس منشور میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مدینہ کے کسی شہری کے لیے جائز نہیں کہ وہ قریش کی اِمداد و اعانت کرے۔

اس منشور کی اِمتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی شخص اور قبیلہ کے کسی حق کو غصب کیا گیا ہے اور نہ کسی پر مذہبی عقیدہ میں کوئی جبر کیا گیا ہے۔ نہ ان کے معاشرہ میں رواج پذیر رسوم و رواج کو چھیڑا گیا ہے اور نہ ان کی نجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت بے جا کی گئی ہے۔ مدینہ کے لوگ جو مدت دراز سے جنگ کی بھٹی میں جل رہے تھے ان کو باہمی امن و صلح کی ضمانت دی جا رہی ہے۔ اسی لیے تمام اہلِ یثرب نے' قبائلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود اس کے منشور کو صدق دل سے قبول کر لیا۔

لیکن اگر اسے منشور' دستور کے بجائے معاہدہ ہی کہا جائے تب بھی معاہدہ میں شرکت کرنے والے افراد اور جماعتوں پر اس کی ہر شق کی پابندی لازم ہے۔ اگر کوئی اس طے شدہ معاہدہ سے اپنے آپ کو لاتعلق کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کا مجاز ہے۔ لیکن اس پر ضروری ہے کہ وہ علی الاعلان اس معاہدہ سے قطع تعلق کرے۔ اس معاہدہ کا فریق رہتے ہوئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے' اور اگر کرے گا تو اسے عہد شکنی اور غداری کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اس منشور سے پہلے عرب حد درجہ انفرادیت کا شکار تھے۔ وہ نہ کسی قانون کے پابند تھے اور نہ کسی قوت حاکمہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے عادی تھے۔ ان میں سے اگر کوئی قتل ہو جاتا تو اس کا اِنتقام لینا ان کی اپنی قوت بازو پر منحصر تھا۔ وہ اپنی حق تلفی کا مداوا اپنے زور سے کیا کرتے تھے۔ وہاں کوئی ایسی اِجتماعی قوت نہیں تھی جو ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت دے۔ لیکن اس منشور میں ان ساری انفرادیتوں جذباتی بے قاعدگیوں کو زِندہ درگور کر دیا گیا اور اس نئے معاشرہ میں ایک ایسی مرکزی قیادت قائم کر دی کہ جب ان کی

جان و مال اور آبرو پر کوئی دست درازی کرتا تو وہ حقوق انصاف کے حصول کے لیے ہر وقت اس مرکزی قیادت سے رجوع کر سکتے تھے جب کہ ایسا سسٹم' نظام اس سے پہلے ناپید تھا۔

وہ اصول انفرادیت' جو اسلام سے قبل عرب کی معاشرت کا طرہ امتیاز تھا اسے اس نوشتہ کے ذریعہ اجتماعیت سے بدل دیا گیا۔ یوں طوائف الملوکی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور نسلی اور مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پرو دیئے گئے۔ تمام بکھری ہوئی قوتیں ایک قابل اعتماد فعال مرکز میں جمع ہو گئیں۔ اور تمام باشندوں کو یکساں حقوق میسر آ گئے۔

علامہ ڈاکٹر حمید اللہ اس صورتِ حال کے بارے میں ایک جامع تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس (۲۰) کے قریب محلوں پر مشتمل تھی' شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں (رنگارنگ' ایک دوسری سے مختلف) اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچک دار اور قابل عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا۔ اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا' یورپ' افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی وقت و توقف کے صدر مقام بھی بن گیا۔

(عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی' از ڈاکٹر حمید اللہ صفحہ ۹۹)

حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بنی اوس قبیلہ کے فرد تھے سرور دوعالم کائنات ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے وہ اسلام لا چکے تھے۔ قبا میں حضور انور نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے ان کے مکان پر قیام فرمایا۔ رات کو ان کے گھر قیام ہوتا اور دن کے وقت حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے کشادہ مکان میں نشست فرما ہوتے تھے تاکہ ملاقات کرنے والوں کو آسانی ہو۔ آپ عمر رسیدہ بزرگ تھے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

کہ حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے پہلے وفات پائی ان کے بعد ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی رضی اللہ عنہما (سیرت ابن کثیر' جلد ۲' صفحہ ۳۳۰)

ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ تھے۔

کاروانِ ہجرت جب قبا میں پہنچا اور حضور پُرنور رحمتِ دوعالم ﷺ چند روز کے لیے وہاں قیام پذیر ہوئے تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جس صحابی رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی سے نوازا وہ حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے جنہیں حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرح حضور انور نبی کریم' تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کی میزبانی کا لازوال اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات

دوسرے معزز صحابی جنہوں نے سن ا ہجری میں وفات پائی حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے' انہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ اہلِ یثرب کے جن تین وفود نے ہجرتِ مدینہ سے قبل پیغمبراوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی تھی ان تینوں وفود میں حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ سن ۱۱ نبوی میں سب سے پہلے جن چھ اشخاص نے مکہ میں حضور انور ﷺ کے دستِ اقدس پر شرف بیعت حاصل کیا ان میں سے بھی سب سے پہلے ہاتھ بڑھانے والے آپ ہی تھے۔ جب تاجدارِ کائنات حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ نے اہل یثرب کے لیے بارہ نقیب مقرر فرمائے تو ان میں آپ کا اسمِ گرامی بھی شامل تھا حالانکہ یہ آپ کی نوجوانی کا عالم تھا۔ انہیں یہ لازوال اعزاز بھی حاصل ہے کہ یثرب کی سرزمین پر سب سے پہلے نماز جمعہ کی ادائیگی کا آغاز بھی آپ نے ہی کیا۔ حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ کی آمد سے قبل آپ نقیع الخدمات کے مقام پر مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران آپ کے گلے میں پھوڑا نکلا۔ آپ شدید علیل ہو گئے' اور پھر جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ایک مخلص اور جاں نثار ساتھی کی رحلت سے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا لیکن رضائے الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنونجار کے نقیب بھی تھے۔ حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ کو ان سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کی وفات کے بعد قبیلہ بنونجار نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض گزاری کہ یارسول اللہ اب ہمارے لیے کسی دوسرے نقیب کی تقرری فرما دیں تو حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا:

انتم اخوانی وانا بمافیکم وانا ؟

تم میرے ننھیال ہو اور میں تمہارا شریک کار ہوں او میں بذاتِ خود تمہارا نقیب ہوں۔

(سیرت ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

سرورِ کائنات ﷺ کا یہ فرمان کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں قبیلہ بنونجار کے لیے ایک بہت بڑے اعزاز کی بات تھی اور وہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔

مدینہ کے پہلے مولود مسعود

عبداللہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر

یہودیوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے روز اوّل سے ہی مختلف حربے استعمال کرنے شروع کر

دیئے تھے۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ بڑے زور شور سے کرنا شروع کیا کہ ہم نے جادو سے مسلمانوں کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا ہے اب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔ مسلمان ان کی اس یاوہ گوئی سے بہت پریشان ہوئے۔ (قارئین کرام یہ مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) صحیح نہیں لگتا لیکن یہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اس لئے میں نے اسے لکھ دیا ہے۔) یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ عنہا کو فرزند عطا فرمایا۔ اس طرح یہودیوں کا یہ پروپیگنڈہ جھوٹا ثابت ہوا۔ اور مسلمان جس مایوسی کا شکار ہو گئے تھے اس سے انہیں نجات ملی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی ولادت با سعادت ہوئی اور انصار میں جو بچہ سب سے پہلے پیدا ہوا وہ حضرت نعمان بن بشیر تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچی تو میں اُمید سے تھی۔ میرا پہلا قیام قبا میں تھا اسی اثناء میں میرے ہاں عبد اللہ پیدا ہوئے۔ میں انہیں لے کر حضور پُر نور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے از راہ شفقت انہیں اُٹھایا اور اپنی گود میں لٹا لیا۔ پھر کھجور منگوائی اس کو خوب چبایا اپنے لعابِ دہن کے ساتھ اسے نرم کیا۔ پھر بچے کے منہ میں ڈالا پھر اپنی تھوک مبارک ان کے منہ میں ڈالی۔ اس خوش نصیب بچے کے شکم میں سب سے پہلے حضور انور نبی کریم ﷺ کا لعابِ دہن داخل ہوا اور اپنے دہن مبارک میں چبائی ہوئی کھجور سے اسے گھٹی ڈالی۔ پھر ان کے لیے دُعا کی اور انہیں اپنی برکتوں سے نوازا۔ مسلمانوں میں ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے یہ پہلے مولود تھے۔

حضرت عبد اللہ کی ولادت سے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی انہوں نے اظہارِ فرحت کے لیے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔

''جب حضرت اسماء نے انہیں جنا تو ان کی ولادت پر اِظہارِ مسرت کے لیے مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کیونکہ انہیں یہ بات پہنچی تھی کہ یہودیوں نے ان کی خواتین پر جادو کر دیا ہے اور اب وہ عقیم (بانجھ) ہو گئی ہیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو گی۔ حضرت عبد اللہ کی ولادت نے یہودیوں کے جھوٹ کو آشکارا کر دیا''۔ (تاریخ الامم والملوک، جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

نماز کی رکعات میں اضافہ

مکہ کی فضا پر کفار و مشرکین کے جبر کا خوف مسلط تھا اس جبر و تشدد کی فضا میں مسلمانوں کے لیے سانس لینا تک دوبھر ہو گیا تھا، اس لیے پہلے ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت مدینہ کا حکم ملا اور مسلمان ایک عرصہ تک مہاجرت کی

حالت میں رہے۔ مکہ میں چھپ کر نماز ادا کی جاتی تھی البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اِسلام سے صورتِ حال میں قدرے تبدیلی آئی لیکن قریش مکہ کی چیرہ دستیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ خود حضور سرورِ کائنات ﷺ کو اپنے آبائی شہر کو خدا حافظ کہنا پڑا۔

مدینہ میں فروغِ دِین کے لیے فضا پہلے ہی ساز گار ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ قبا کے بعد مدینہ منورہ میں بھی مسجد کی تعمیر کو اوّلیت دی گئی (اس کا ذکر ہم تفصیلاً پہلے کر چکے ہیں)۔ نماز کی ادائیگی میں مسلمانوں کے ذوق وشوق کا عالم دیدنی تھا۔ اصحاب صفہ کی موجودگی سے مسجد نبوی کی رونقوں کو چار چاند لگ گئے۔

اب تک فرض نمازوں کے لیے مغرب میں تین اور بقیہ نمازوں میں دو فرض تھے۔ لیکن اب ظہر، عصر اور عشاء کے لئے دو دو فرائض کا اضافہ کر دیا گیا۔ ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں دو دو فرض کی ادائیگی کے بجائے چار چار فرض ادا کرنے کا حکم ہوا۔ البتہ دوران سفر سابقہ تعداد رکعت کو ہی برقرار رکھا گیا۔ یہ تبدیلی حضور انور نبی کریم سرورِ کائنات ﷺ کے مدینہ میں تشریف آوری کے ایک سال بعد ماہ ربیع الآخر کی بارہ تاریخ کو عمل میں آئی۔ (تاریخ الامم والملوک جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُم عبداللہ اور لقب صدیقہ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اِسمِ گرامی اُم رمان بنت عامرہ تھا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کے بعد ازواج مطہرات میں جو اعلیٰ وارفع اور قابل رشک مقام اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا وہ کسی اور زوجہ مطہرہ کے حصہ میں نہ آسکا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی بعثت کے چار یا پانچ سال بعد ہوئی۔ اس طرح انہیں یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے آغوشِ اِسلام میں آنکھ کھولی۔ وہ اِس مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئیں جس نے اپنا سب کچھ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا تھا۔ جو عشاقِ مصطفیٰ کا گھرانہ تھا۔ جس گھرانے کا ہر فرد پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور ﷺ کی جنبش ابرو کا منتظر رہتا تھا اور ان کے دامن پر کفر کی پرچھائیں تک نہیں پڑیں۔

روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا جو معمر تھیں۔ انہوں نے حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ کے بچوں کو حقیقی ماں جتنا پیار دیا۔ بعد ازاں ہجرت سے تین سال قبل شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا حضور انور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی' رسم نکاح مکہ ہی میں سرانجام پائی تھی لیکن ابھی رُخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ اس دوران ہجرت مدینہ کا مرحلہ مکمل ہوا پھر دیگر مصروفیات بھی اڑے آتی رہیں۔ مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر کا کام جاری تھا۔

ہجرت کے بعد ماہ شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی ہوئی اور آپ کاشانہ نبوت میں منتقل ہو گئیں' اس سے قبل ایک حجرے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قیام پذیر تھیں۔ وہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں تو اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی' حضرت عائشہ صدیقہ حضور پُرنور ﷺ کی زوجیت میں آنے والی تیسری خاتون تھیں۔

آپ ایک خوددار اور باوقار خاتون تھیں' ساری عمر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا بلکہ جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور خود کلمہ شکر ادا کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئیں۔

حضور انور رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ عقد سے تین دِن پہلے مجھے خواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت دکھائی گئی۔ مسلسل تین راتیں یہ خواب دکھایا گیا اور کہا گیا کہ:۔

هذا امراتك' یہ آپ کی بیوی ہیں۔

آپ ﷺ نے چہرے سے پردہ ہٹا کر دیکھا اور فرمایا:

اگر یہ (فیصلہ) اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو ضرور پورا فرمائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح:۳:۵۷۳)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ "میں حضور انور نبی کریم ﷺ کی ایسی زوجہ ہوں جس کے باپ کو آقا حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ مہاجرت کا شرف حاصل ہوا۔ حضور پُرنور رحمتِ دوعالم ﷺ جس برتن سے غسل فرماتے تھے مجھے بھی اس برتن سے غسل کرنے کی اِجازت تھی۔ یہ شرف تنہا مجھے حاصل ہوا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ آقا حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ آرام فرما ہیں' جبرئیل وحی لے کر آتے ہیں' اس وقت تنہا مجھے موجودگی کا اعزاز حاصل ہوتا۔ وصال شریف کے وقت حضور پُرنور ﷺ کا سر اقدس میری گود میں تھا اور میرے ہی حجرے کو حضور انور ﷺ کے مدفن کے لیے منتخب کیا گیا"۔

انتہائے شوق دید و حاضری

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' حضور انور' رحمت دوعالم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے آئے تو مکہ میں پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے وہاں کی فضا تاریک ہو گئی اور جینا مشکل ہو گیا۔ وہ بھی ہجرت کر کے اپنے آقا کے قدموں میں حاضر ہونے لگے۔ اپنے ہادی و مرشد حضور پُرنور تاجدارِ کائنات ﷺ کے قدموں میں حاضر ہونے کے شوق کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جاں بلب مریض جن کے زندہ رہنے کی بظاہر کوئی اُمید نہ ہوتی تھی وہ بھی اپنے بیٹوں' عزیزوں کو کہتے کہ ہماری چارپائی اُٹھا کر مدینہ کی طرف لے چلو ہمیں موت بھی

آ ئے تو منزل جانِ جاناں کی راہ میں آ ئے۔

حضور کے ایک صحابی جن کا نام جندع بن ضمرہ رضی اللہ عنہ تھا وہاں مکہ میں رہ گئے اور کچھ عرصہ بعد بیمار ہو گئے۔انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا مجھے یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔بیٹوں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ: ''ہم اس حالت میں آپ کو کہاں لے جائیں'' حضرت جندع رضی اللہ عنہ کی زبان میں بیماری کے سبب' مرض کے سبب بولنے کی سکت نہ تھی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے مدینہ کی طرف اشارہ کیا۔سعادت مند بیٹوں نے اپنے بیمار باپ کی چارپائی اُٹھائی ابھی وہ بنی غفار کے تالاب تک پہنچے تھے جو مکہ سے صرف دس میل (۱۶ کلومیٹر) کی مسافت پر ہے کہ حضرت جندع بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کا طائرروح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب کے اس جاں نثار کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ یہ آیت نازل کر کے اس کے جذبے عشق و محبت کی لاج رکھ لی۔

جبرئیل امین سورہ نساء آیت ۱۰۰ کا یہ فرمانِ الٰہی لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔

وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

ترجمہ ''جو شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے جائے پھر آ لے اس کو (راستہ میں) موت تو اس کا اجر اللہ تبارک وتعالیٰ پر واجب ہو جاتا ہے''۔

(سورہ نساء آیت ۱۰۰) (انتساب الاشراف جلد ا صفحہ ۲۶۵)

اسی طرح ایک دوسرے صحابی جو قبیلہ بنوخزاعہ کے ایک فرد تھے اور جن کا نام مبارک ضمرہ بن عیص یا العیص بن ضمرہ بن زنباع بتایا گیا ہے جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے صحابہ کرام کو رضی اللہ عنہم کو ہجرت کر جانے کی اجازت فرمادی تو انہوں نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ چارپائی پر بستر بچھاؤ اور مجھے اُٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (مدینہ طیبہ) لے جاؤ۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔جب یہ طالبِ دید حاضری' مریض دردِ محبت' تنعیم کے مقام پر پہنچا جو مکہ سے صرف تین چار میل (پانچ چھ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے تو اس نے راہِ ہجرت میں جان دے دی۔(انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۲۶۵)

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ

مہاجرین کی متروکہ جائیداد

پیغمبر اوّل و آخر اعظم' سیّد المرسلین' خاتم النبیین' ہادیٔ انس و جاں' رحمۃ للعالمین ﷺ جب ہجرت کر کے بہ نفس نفیس مدینہ طیبہ آ گئے تو بچے کھچے مسلمان بھی اپنے گھربار اور مال و متاع کو وہیں چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ

طیبہ پہنچنے لگے۔ صرف وہ لوگ مکہ میں باقی رہ گئے جنہوں نے اپنے رشتہ داروں اور قوم کے سرداروں کی اذیت ظلم وستم اور تشدد کے باعث اپنے دِین کو ترک کر دیا تھا' یا وہ جو کسی اور وجوہات کی بناء پر مجبور تھے۔ بڑے بڑے امیر وکبیر خاندانوں کے لوگ بھی اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں (مدینہ طیبہ) چلے آئے تھے۔

بنو مظعون بن جمع اور بنو جحش بن راب جو بنو اُمیہ کے حلیف تھے' بنی سعد بن لیث کا قبیلہ' بنو بکیر جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے یہ بھی اپنے شاندار مکانات اور وسیع وعریض حویلیوں کو قفل لگا کر چلے آئے تھے۔ کفار نے ان مہاجرین مکہ کے مکانات پر قبضہ کر لیا۔ بنو جحش بن راب کے محل نما مکان پر ابوسفیان نے قبضہ کرنے کے بعد اس کو عمرو بن علقم کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے اپنا قرضہ اُتارا۔ حضرت عبداللہ بن جحش کو اس کا علم ہوا تو انہیں بہت صدمہ پہنچا۔ بطور شکایت بارگاہِ رسالت میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ رسول حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے جان نثار کی دلجوئی کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

''اے عبداللہ کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس مکان کے بدلے اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے جنت میں اس سے بہتر مکان عطا فرمائے۔ عرض کی بیشک' حضور نے فرمایا تو وہ مکان جنت میں تجھے دے دیا گیا''۔

جب مکہ فتح ہوا تو بنو جحش بن راب کے ایک فرد ابو احمد نے اپنے مکان کی واپسی کے لیے حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں درخواست کی۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔ جب اِنتظار نے طول کھینچا تو ابو احمد رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کسی مسلمان بھائی سے کیا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ اے ابا احمد! رسول اللہ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اموال جو اللہ کی راہ میں تم سے چھین لیے گئے پھر تم ان کی طرف رجوع کرو۔ اس کے بعد کسی مہاجر نے اپنی جائیداد کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا۔ البتہ ابو احمد رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو خطاب کرتے ہوئے اشعار کہے: جن کا اُردو ترجمہ ذیل ہے۔

''اِس بات کے بارے میں ابوسفیان کو پیغام پہنچا دو جس کا انجام ندامت ہے۔ تو نے اپنے چچازاد بھائی کا مکان فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے اپنا قرض ادا کیا ہے۔ تو لے جا اس مکان کو' تو لے جا اس مکان کو۔ یہ تمہاری گردن میں حلقہ بنا کر ڈال دیا گیا ہے۔ جس طرح کبوتری کی گردن میں حلقہ ہوتا ہے''۔

(السیرۃ النبویۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱۶' ۲۱۷)

مدینہ منورہ

کرۂ ارض پر ایک عظیم شہر

یثرب کا محل وقوع اس کا نقشہ اس کی آبادی کی ابتداء اوس وخزرج یہاں کہاں سے آئے' کب آئے اور کیونکر آئے۔ یہودی قبائل یہاں کس طرح پہنچے اور آباد ہوئے ان امور کا تفصیلی بیان آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

لیجئے اب پڑھیے پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور سیّد المرسلین خاتم النبیین' رحمت للعالمین ﷺ کی یہاں تشریف آوری سے اس شہر کو کیا عظمتیں بخشی گئیں۔ اس کی آب و ہوا میں کیا تغیر رونما ہوا۔ اس کے معاشی حالات میں کن برکات کا ظہور ہوا۔ محبوب ربّ العالمین ﷺ نے اس خطہ زمین کو کن دعاؤں سے نوازا اور ان دُعاؤں کے صدقے مدینہ کو کیا شہرت دوام نصیب ہوئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب کی قیام گاہ اور آخری آرام گاہ بننے کے باعث اس کے درجات میں کیا بلندی ہوئی' کس طرح اس سرزمین کی خاک جس کو مظہر جمال وجلال ربّ للعالمین کے قدم مبارک کو بوسہ دینے کی سعادت میسر آئی عشاق باصفا کی آنکھوں کو سرمہ بنی گلستان مدینہ سے گزر جانے والا بادنسیم کا ہر جھونکا کس طرح مردہ دِلوں کو حیاتِ نو' پژمردہ روحوں کو تازگی اور نشاط بانٹتا چلا گیا۔

علماء کرام نے مدینہ طیبہ کی عظمت وشان کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے بہت اچھی اور جامع کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان گلی کوچوں' بازاروں اور تجارتی منڈیوں جہاں پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور انور رہبر کائنات' ہادئ انس وجاں سرکار دوعالم ﷺ گزرا کرتے تھے' وہ باغات اور نخلستان جہاں حضور ﷺ تشریف لے جایا کرتے تھے' وہ کنوئیں وہ چشمے جن سے نبی مکرم ومعظم ﷺ پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ وہ محلے اور بستیاں جہاں حضور انور نبی کریم صلی رؤف رحیم ﷺ نثاروں کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لیے قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے۔ وہ وادیاں وہ نخلستان وہ ریگستان وہ راستے اور گزرگاہیں جہاں سے حضور کا گزر ہوا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ایک ایک چیز کا ذکر بڑے محبت آمیز اور پُرخلوص پُرعقیدت واحترام کے انداز میں کیا ہے۔ حق تو یہ تھا کہ محبوب کریم کے اس مقدس شہر کی تفصیلات بیان کی جاتیں لیکن اس کتاب' اس تالیف کے موضوع کے کچھ اپنے تقاضے ہیں

جن کی پابندی ضروری ہے۔ اس لیے اس ضمن میں اب اختصار کے ساتھ چند خاص خاص امور کا ذکر خیر کیا جائے گا۔

مدینہ منورہ کے اسماء

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے یہاں تشریف لانے سے پہلے اس بستی کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے بڑی مضر تھی۔ بخار اور دیگر متعدی بیماریاں وبا کی صورت میں یہاں پھوٹتی رہتی تھی اور بہت عام تھیں، پانی خوش ذائقہ نہ تھا مندرجہ بالا کی بنا پر اس بستی کو یثرب کے نام سے (یعنی کہ جس میں شدت اور فساد کا مفہوم پایا جاتا ہے) یاد کیا جاتا تھا۔ رحمت کائنات نے یہاں اقدام مبارک فرمایا تو اس بستی کے مقدر کا ستارہ چمک اُٹھا۔ یہ بستی یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول کے معزز نام سے موسوم ہوئی۔ آپ ﷺ کی آمد مبارک سے صرف نام ہی تبدیل نہیں ہوا بلکہ اس کی آب و ہوا میں بھی خوشگوار تبدیلی آگئی۔ چنانچہ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس شہر کو یثرب کے پرانے نام سے یاد کرنے سے منع فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَدْعُوْهَا يَثْرِبَ فَإِنَّهَا طَيْبَةٌ (ابن مردویہ) اس شہر کو یثرب نہ کہا کرو، کیونکہ یہ طیبہ ہے“۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی اس غلطی پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ یہ تو طابہ ہے یہ تو طابہ ہے یہ تو طابہ ہے۔ یعنی کہ یہ تو پاکیزہ ہے (طابہ کا معنی پاکیزہ ہے)۔ (سبل الہدیٰ والرشد جلد ۳ صفحہ ۴۲۷)

علماء محققین نے اس کے پچانوے نام بتائے ہیں۔ ان میں سے چند نام جو نسبتاً زیادہ مشہور ہیں۔ لکھے جاتے ہیں۔

اَلْخَبِيْبَةُ، حَرَمُ رَسُوْلِ اللهِ، قُبَّةُ الْإِسْلَامِ، اَلشَّافِيَةُ، طَابَةُ طَيِّبَةُ، طَيْبَةُ، اَلْعَاصِمَةُ، اَلْغَرَّاءُ، اَلْمُبَارَكَةُ، اَلْمُحِبَّةُ، اَلْمُحَبَّبَةُ، اَلْمَحْبُوْبَةُ، اَلْمَدِيْنَةُ۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۱۴ تا ۴۲۶)

شہرِ محبوب

سرورِ کائنات فخرِ اولادِ آدم، پیغمبر اوّل و اعظم و آخر، سید المرسلین اصل الموجودات ﷺ کو اس شہر سے بے پایاں محبت تھی۔ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کے مکانات کی دیواریں دکھائی دیتیں تو حضور اپنی سواری کو تیز کر دیتے اور یوں دُعا مانگتے ہوئے اس میں داخل ہوئے۔

”اے اللہ! اس شہر کو ہمارے لیے قرار گاہ بنا دے اور ہمیں خوبصورت رزق عطا فرما“۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور کی یہاں تشریف

آوری سے پہلے یہ شہر مختلف وبائی بیماریوں کی آماجگاہ تھا۔ اس کا پانی بدمزہ اور بدبودار تھا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ آپ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر' عامر بن فہیرہ اور بلال (رضی اللہ عنہم) ایک ہی مکان میں تھے' تو انہیں بخار آنے لگا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی عیادت کرنے کے لیے اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت فرمائی' میں ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئی۔ (یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے)۔ میں نے دیکھا وہ شدید قسم کے بخار میں مبتلا ہیں۔ پہلے میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا ابا جان! آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا:

''ہر آدمی اپنے اہل خانہ کے پاس صبح کرتا ہے اور اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ موت اس کے قریب ہے''۔

میں نے اتنا سنا اور پھر والد ماجد پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔

پھر میں عامر بن فہیرہ کے قریب گئی میں نے پوچھا۔ عامر کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا:

''میں نے موت چکھنے سے پہلے ہی موت کو پالیا۔ بزدِل کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے''۔

ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے اور بیل اپنے سینگ سے اپنی جلد کی حفاظت کرتا ہے''۔

میں نے کہا: عامر بھی بے ہوشی میں بول رہے ہیں۔

آپ فرماتی ہیں حضرت بلال کا بخار جب اُترتا تو وہ مکان کے صحن میں آ کر لیٹ جاتے پھر بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے:

۱- ''اے کاش کبھی وہ وقت بھی آئے کہ میں وادی میں رات بسر کروں اور میرے اِرادگرد اذخر اور جلیل کے خوشبودار گھاس ہوں گے''۔

۲- کیا کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمے پر وارد ہوں گا۔ کیا میں ایسی جگہ اُتروں گا جہاں شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں نظر آ رہی ہوں گی''۔

اُم المومنین کہتی ہیں کہ میں نے سارا ماجرا بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: حضور نے دُعا مانگی۔

''اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے اس طرح محبوب بنا دے جس طرح تو نے مکہ کو ہمارے لیے محبوب بنایا تھا؟ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور اس کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اور ہمیں اس کے پیمانوں اور وزنوں میں برکت عطا فرما۔ اور اس کی وبا کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے''۔

(صحیحین-سبل الہدیٰ' جلد ۳' صفحہ ۴۲۸'۴۲۹)

اِمام بخاری-ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک سیاہ رنگت والی عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ مدینہ سے نکل کر معیہ میں جا کر اُتری۔ پھر فرمایا میں نے اس خواب کی یہ تاویل کی

ہے کہ مدینہ کی وباء جحفہ میں منتقل کر دی گئی"۔

اِمام بخاری اور اِمام مسلم نے حضرت انس سے یہ روایت نقل کی ہے:

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! جو برکت تو نے مکہ کو دی اس سے دُگنی برکت مدینہ کو عطا فرما"۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

"ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ میں مدینے کو حرم بناتا ہوں اور اس کے پیمانوں اور وزنوں کے لیے برکت کی دُعا کرتا ہوں۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کے لیے دُعا فرمائی"۔

"اے اللہ! تیرے بندے اور تیرے خلیل ابراہیم نے اہلِ مکہ کے لیے برکت کی دُعا کی تھی اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول محمد ﷺ اہلِ مدینہ کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان کے پیمانوں اور وزنوں میں برکت عطا فرما۔ جس قدر برکت تو نے اہلِ مکہ کو عطا فرمائی اور اس برکت کے ساتھ دو مزید برکتوں کا اضافہ فرما"۔ (سبل الہدیٰ، جلد ۳، صفحہ ۴۴۱)

اِمام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں:

اہل مدینہ کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے باغوں میں پہلا پھل پکتا تو اسے لے کر حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضور پُر نور ﷺ اس پھل کو لے کر اپنی مبارک آنکھوں پر رکھتے اور یوں دُعا کرتے۔

"اے اللہ! ہمارے پھلوں میں بھی برکت دے اور ہمارے مدینہ میں بھی برکت دے۔ ہمارے صاعوں میں بھی برکت دے اور ہمارے مد میں بھی برکت دے۔ اے اللہ! بیشک ابراہیم تیرا بندہ، تیرا خلیل اور تیرا نبی تھا۔ اور اس نے مکہ کے لیے دُعا کی تھی۔ اور میں مدینہ کی لیے تیری بارگاہ میں اِلتجا کرتا ہوں جس طرح ابراہیم نے مکہ کے لیے دُعا کی تھی اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور"۔ (رواہ مسلم ترمذی وطبری)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں پھر حضور انور نبی کریم ﷺ سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اس بچے کو عطا فرماتے۔

طاعون ودجال سے محفوظ

"پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں داخل ہونے والے راستوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو ان کی نگہبانی کرتے ہیں نہ اس میں طاعون داخل ہو گی اور نہ دجال"۔

مدینہ میں سکونت کی فضیلت

حضور پُرنور، رحمتِ دوعالم ﷺ نے لوگوں کو مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہونے کی رغبت دلائی حضور نے اپنے متعدد اِرشادات میں فرمایا کہ یمن فتح ہوگا۔ عراق فتح ہوگا دیگر ممالک فتح ہوں گے لوگ بکثرت ان مفتوحہ علاقوں میں جاکر آباد ہوں گے لیکن درحقیقت ان کا مدینہ میں قیام ان کے لیے بہتر ہوگا۔

مدینہ میں وفات پانے کی فضیلت

حضور انور، سرورِ دوعالم ﷺ کی ایک صحابیہ صُمَیتَ اللّیثِیَّۃ کہتی ہیں:

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جس کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ کے سوا کسی جگہ نہ مرے تو اسے ایسا کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا اس کی شفاعت کی جائے گی اور اس کے اِیمان کی گواہی دی جائے گی''۔ (سبل الھدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۳۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''جس شخص کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں مرے تو اسے مدینہ میں مرنا چاہیے کیونکہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا میں اُس کی شفاعت کروں گا''۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے۔

''یا اللہ! مجھ کو اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں کر''۔ (راوی بخاری)

اہلِ مدینہ کو اذّیت پہنچانے والوں کے لیے عذاب

حضرت سائب بن خلاد سے مروی ہے:

''جس نے اہل مدینہ کو از راہ ظلم خوفزدہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو خوفزدہ کرے گا۔ اس پر اللہ کے فرشتوں اور سب لوگوں کی پھٹکار ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص سے قیامت کے دِن نہ عذاب پھیرے گا اور نہ کوئی معاوضہ قبول کرے گا''۔ (راوی اِمام احمد بن حنبل)

حضرت معقل بن یسار روایت کرتے ہیں:

''حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اسی میں میرا مزار ہوگا۔ یہیں سے میں قیامت کے روز اُٹھوں گا۔ میری اُمت پر لازم ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں، جب تک وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہ ہوں۔ جو شخص ان کی حفاظت کرے گا قیامت کے دِن میں اس کا گواہ اور شفیع

ہوں گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا اس کو دوزخیوں کی پیپ اور خون پلایا جائے گا''۔

(سبل الہدیٰ' جلد۳' صفحہ ۴۴۶)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ترتیب المدارک'' میں بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ:

''اِمام مالک نے کہا کہ میں خلیفہ مہدی کی ملاقات کے لئے گیا اس نے کہا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے' میں نے کہا''۔

''میں نے خلیفہ مہدی کو کہا: میں تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ کے شہر کے باشندوں' حضور کے پڑوسیوں کے ساتھ لطف وعنایت سے پیش آؤ۔ کیونکہ ہمیں یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میری ہجرت گاہ ہے' یہاں ہی میری قبر ہوگی۔ قیامت کے روز یہیں سے میں اُٹھایا جاؤں گا۔ اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں اور میری اُمت پر لازم ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ جو میری وجہ سے ان کی حفاظت کرے گا میں قیامت کے روز اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا اور جو میرے پڑسیوں کے بارے میں میری وصیت کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دوزخیوں کا نچوڑ پلائے گا''۔

مصعب روایت کرتے ہیں:

کہ جب خلیفہ مہدی مدینہ طیبہ آیا تو حضرت اِمام مالک اور دوسرے اشراف نے کئی میل باہر جا کر اس کا استقبال کیا۔ خلیفہ نے جب اِمام مالک کو دیکھا تو وہ لوگوں سے ہٹ کر اِمام مالک کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو گلے لگایا اور سلام عرض کیا اور کچھ دیر آپ کے ساتھ چلتا رہا اِمام مالک اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے امیر المؤمنین! اب آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے ہیں۔ آپ (شہر میں سے) گزریں گے اور آپ کے دائیں بائیں وہ لوگ ہوں گے جو مہاجرین اور انصار کی اولاد ہیں۔ پس آپ ان سب کو سلام عرض کریں کیونکہ روئے زمین پر اہل مدینہ سے بہتر کوئی قوم نہیں اور مدینہ سے بہتر کوئی اور شہر نہیں۔

مہدی نے کہا: اے ابا عبداللہ (امام مالک کی کنیت)! آپ کے اس قول کی دلیل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ روئے زمین پر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مزار پر انوار کے علاوہ کسی نبی کی قبر مصدقہ معلوم نہیں ہے۔ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کے درمیان محمد عربی کا مزار شریف ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی فضیلت شان کا اقرار و اظہار کریں''۔

چنانچہ خلیفہ مہدی نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۳ صفحہ ۴۴۸)

فضیلت بسبب مزار پرانوار

ابوالولید الباجی' قاضی عیاض اور دیگر علماء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ قبر مبارک جہاں آپ ﷺ آرام

فرما ہیں، پردہ فرما ہیں وہ کعبہ سے افضل ہے۔

''ابوالولید الباجی، قاضی عیاض اور دیگر علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ قبر مبارک جو جسد اطہر کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے وہ کعبہ سے افضل ہے''۔

ابو محمد عبداللہ بن ابی عمر البشکری نے اس کی توثیق کی ہے وہ اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں کہ:

''سب علمائے نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ زمین کا وہ حصہ سب سے افضل ہے جو ذات پاک ﷺ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں''۔

اور علماء حق، حضرت ابو محمد عبداللہ بن ابی عمر البشکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بیشک ایسا ہی ہے۔ اور ان لوگوں نے سچ کہا ہے اپنے سکونت کرنے والے سے ہی اس قطعہ زمین کا درجہ بلند ہوا ہے، جس طرح نفس جب پاکیزہ ہوتا ہے تو اس کا مسکن بھی پاکیزہ ہوتا ہے''۔

علامہ الصالحی الشامی لکھتے ہیں:

''بلکہ تاج الدین السبکی نے ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن رزین الجیری الشافعی نے اس کی تائید و توثیق کی ہے۔ یہ ابوعبداللہ زمرہ علماء اور اولیاء کے سرداروں میں سے تھے۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ قبر مبارک کی جگہ ساری زمین اور سات آسمانوں سے اشرف ہے بلکہ مالک الملک کے عرش سے بھی یہ جگہ افضل ہے اور جو میں نے کہا ہے اس میں اہلِ حقیقت کا کوئی اختلاف نہیں''۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے تو پہلے مدینہ طیبہ میں حاضری دیتے تھے۔ پھر وہاں سے احرام باندھ کر جہاں سے حضور انور رحمت دوعالم ﷺ نے اِحرام باندھا تھا فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوتے تھے۔

''علماء مالکیہ کے ایک عالم العبدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے مزار پر انوار کی زیارت کے لیے پیدل چل کر جانا افضل ہے کعبہ کی زیارت کے لیے پیدل چل کر جانے سے۔

جو شخص نذر مانتا ہے کہ میں نبی رحمت کے مرقد مقدس و مبارک کی زیارت کروں گا، اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر سارے علماء متفق ہیں، کوئی دوسرا قول نہیں''۔

(سبل الہدیٰ، جلد ۳، صفحہ ۲۶۳)

وقت وقت کی بات

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات' ماحول' معاشرہ' مقام' فراخی' خوشحالی' صحت وطبیعت میں تغیر وتبدل زِندگی کا حصہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ہے یا یہ سب کچھ ہی شانِ ربّ العالمین کا مظہر ہیں۔ اب دیکھیے کہ:

کہاں مکہ وہ سرزمین کہ جہاں حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو مشرکین کی سازشوں' مفسدین کی چیرہ دستیوں اور حاسدین کی ریشہ دوانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اِنتہائی نامساعد حالات میں پرچم توحید بلند کر کے اللہ کی وحدانیت کا اِعلان کیا اور پتھر کے تراشے ہوئے جھوٹے خداؤں کے طلسم کو توڑ کر' نور ہدایت کو عام کیا۔ کہاں وہ وقت کہ قدم قدم پر اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اقوال کو جھٹلایا گیا۔ تعلیماتِ اِسلامی کو تضحیک اور تحقیر کا نشانہ بنایا گیا۔ پیغمبر اوّل تا آخر اعظم' ہادئ انس وجاں رسول کائنات ﷺ پر جادوگر اور مجنون ہونے کی تہمت دھری گئی۔

گلے میں چادر ڈال کر نبی محتشم نبی بلند اقبال ﷺ کو ستایا گیا۔ ایذا رسانی کا ہر حربہ آزمایا گیا' عرب وعجم کے والی خاتم النبیین سیّد المرسلین ﷺ پر زُبان طعن دراز کی گئی' مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ انہیں تپتی ریت پر گھسیٹا گیا کہ اپنے نئے دِین سے منحرف ہو جائیں۔ ان کے سینے پر پتھر رکھ کر اپنے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا اِقرار کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ لالچ' حرص' اور طمع کا حربہ بھی آزمایا گیا کہ جو چاہے لے لو لیکن ہمارے نظامِ حیات کی نفی نہ کرو۔ ہمارے اپنے بنائے ہوئے خداؤں کو جھوٹا نہ کہو۔

تمام ہتھکنڈے آزمائے جا چکے' ناکامی کو اپنا مقدر دیکھ کر خاکم بدہن حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ دارالندوہ میں کی جانے والی ابلیسی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ بھی کر لیا گیا اور جب اللہ کی مدد ونصرت سے حضور پُرنور ﷺ ان کے سروں پر خاک ڈال کر ان کی دسترس سے باہر ہو گئے تو حضور کی تلاش میں مکہ کے چاروں طرف اپنے ہرکارے دوڑا دیئے' حتیٰ کہ یار باوفا کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تک کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھٹیا باتیں سنا کر دِل کا غبار نکالا گیا۔ کاروان ہجرت کا تعاقب کیا گیا اور دشمنانِ اسلام وبانی دین اسلام اُم معبد کے خیموں تک آ پہنچے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ اس کے برعکس ایک شہر مدینۃ النبی تھا کہ جس کی ہوائیں بھی خوش آمدید کے ترانے گا رہی تھیں' شہر خوش آمدید نے اپنے مہمانِ مکرم کے لیے اپنے بازو کھول دیئے۔ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ میزبانیٔ رسول ﷺ کا اعزاز اسے حاصل ہو۔ مدینۃ الرسول کی فضائیں بھی پھولوں کی پتیاں لیے حضور انور نبی کریم ﷺ کی راہوں میں برائے استقبال کھڑی تھیں۔ جاں نثاروں کا ایک ہجوم جلوس نبوی میں شامل تھا' غلامی رسول کے نعرے ہر سینے سے بلند ہو رہے تھے اور پورا مدینہ حرف ثناء وستائش بن کر گرد راہِ مصطفیٰ کو اپنی آنکھوں سرمہ بنا رہا تھا۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا سے آپ کسی مغالطے میں نہ پڑیں یا اس کا غلط مطلب نہ لیں یہ تو تاریخ کو بیان کرنے کا انداز ہے جو کہ اس وقت کے حقائق کے مطابق ہے۔ میں نے اس موضوع کو ''وقت وقت کی بات'' کے تحت بیان کیا ہے تا کہ اس سے مذکورہ حالات وواقعات کے عارضی پن کا احساس ہو' پہلے سے پتہ ہو اور اس شہر مقدس ومتبرک کے بارے میں کوئی احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔ اسی لیے میں پہلے مکہ معظمہ کے بارے میں کچھ احادیث اور اُس دُعائے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا بیان ضروری سمجھتا ہوں جو آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت فرمائی تھی۔

راہِ حق کے دونوں مسافر مکہ کی پر پیچ گلیوں سے گزرتے ہوئے غارِ ثور کی طرف رواں ہوئے شہر سے باہر نکل کر محبوبِ ربّ العالمین پیغمبر اوّل وآخر واعظم خاتم النبیین سیّد المرسلین ﷺ نے ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر مکہ شہر پر نگاہ واپسیں ڈالی اور درد وسوز میں ڈوبے ہوئے ان کلمات سے مکہ کو الوداع کہا:

درج ذیل کے راوی اِمام احمد واِمام ترمذی ہیں:

''بخدا! اے مکہ کی سرزمین تو مجھے اللہ کی ساری زمینوں سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک اللہ کی تمام زمینوں سے اللہ کو زیادہ پیاری ہے اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا''۔ (السیرۃ النبویہ' احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۰۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جملے یوں روایت کیے ہیں:

''حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: اے مکہ کے شہر! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تو مجھے کتنا پیارا ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں ہرگز کسی اور شہر میں سکونت اختیار نہ کرتا''۔

حرم مکہ کی فضیلت دیگر احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے:

''مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز اس کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں ادا کی ہوئی ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے''۔ (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

جب نماز کی یہ شان ہے تو دیگر اعمال جو بھی مسجد حرام میں ادا کیے جائیں گے وہ دیگر مقامات پر ادا

کیے جانے والے اعمال سے ایک لاکھ گناہ زیادہ سودمند و افضل ہوں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ابن عباس سے مروی ہے کہ جو شخص پیدل حج ادا کرتا ہے ہر قدم کے عوض اسے حرم میں ادا کی ہوئی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ عرض کی گئی یا نبی اللہ! حرم کی نیکیاں کیا ہوتی ہیں؟ فرمایا حرم میں ادا کی ہوئی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہیں''۔ (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

مکہ اور اہلِ مکہ

مکہ اگرچہ مذہبی اور کاروباری لحاظ سے سارے جزیرہ عرب میں مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ لیکن یہاں کی زمام اِقتدار قبیلہ قریش کے ہاتھ میں تھی۔ ان کے علاوہ جو قبائل مکہ میں سکونت پذیر تھے سیاسی امور میں ان کا کوئی دخل نہ تھا۔ یہاں کے باشندوں کی غالب اکثریت بت پرست تھی۔ اردگرد کا سارا علاقہ بنجر اور ریگستان تھا آبپاشی کے ذرائع بالکل مفقود تھے۔ لوگ مزدوری کرتے یا تجارت کیا کرتے۔

یثرب اور اہلِ یثرب

یثرب میں آباد مختلف قوموں' لوگوں کے بارے میں یہ تاریخی معلومات کہ

وہ لوگ کون تھے؟

وہ یہاں کب آئے؟

وہ کہاں سے آئے تھے؟

کن اسباب و حالات کے تحت وہ یہاں آئے؟

ان کی بود و باس کیسی تھی' کیا تھی؟

اور ان کے مذاہب کیا تھے؟

وغیرہ کے بارے میں پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اب ان قوموں' مذاہب' ان کے عقائد اور خاص طور پر نبی آخرالزمان کے بارے میں ان کی کتابوں میں فرمودات رب العالمین کو مختصراً ایک اور زاویے سے پڑھیے۔

اس کے برعکس یثرب میں مختلف قبائل آباد تھے ان کے مذہبی عقائد بھی متضاد اور مختلف تھے۔ اوس اور خزرج قبیلے' اہلِ مکہ کی طرح بت پرست تھے۔ یہاں یہودی بھی کافی تعداد میں آباد تھے ان میں ان تین قبیلوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بنونضیر' بنوقینقاع' اور بنوقریظہ' ہر قبیلہ کی الگ بستی تھی۔ اور اپنے اپنے قلعے تھے۔ ان کا پیشہ تجارت' اور سودخوری تھا۔ مالی لحاظ سے یہ بڑے خوش حال تھے۔ ان کے علاوہ یہاں عیسائی بھی تھے' لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔

بنی اسرائیل کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر رسول اور تورات جیسی آسمانی کتاب عطا فرمائی تھی اس قوم نے ان کی قدر نہ پہچانی اور بدبختی کے باعث آپ کو ہمیشہ پریشان کرتے رہے اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کا سلوک غیر شریفانہ اور بڑا ظالمانہ رہا۔ آخر کار اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب بخت نصر (شداد بن عاد) کی شکل میں نمودار ہوا جس نے ان کی مرکزی عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بے شمار مرد وزن کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا گیا باقی ماندہ لاکھوں افراد کو جنگی قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ اسی طرح یہود کی سلطنت اور سطوت کا خاتمہ ہوا۔

یہ لوگ منتشر ہو کر دُنیا کے مختلف ممالک میں ذلت اور غربت کی زِندگی بسر کرنے لگے۔ آلام ومصائب کی ان آندھیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اِرشاد ان کے لیے اُمید کی ایک کرن تھا۔ جو مایوسی کے گھپ اندھیروں میں بھی ان میں زندہ رہنے کی اُمنگ کو تازہ رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا: میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اس حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا''۔ (کتاب استثناء باب ۱۸ آیات ۱۷ تا ۱۹)

انحطاط وتنزل پذیری کے اس طویل عرصہ میں جب بھی وہ ان آیات کا مطالعہ کرتے تو ان کو یقین ہو جاتا کہ ان کے رسول کی یہ پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔ بنی اسماعیل میں سے ایک نبی تشریف لائے گا جس کی برکت سے ان کی شوکت رفتہ بحال ہو جائے گی۔ اس نبی کی ہجرت گاہ کی نشانیاں ان کے صحیفہ آسمانی میں درج تھیں۔ وہ اس ہجرت گاہ کی تلاش میں مدتوں سرگرداں رہے۔

آخر کار یہودیوں کے یہ قبائل جب یہاں پہنچے اور مذکورہ نشانیاں دیکھیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہی وہ مقام ہے جو اس نبی مکرم کی ہجرت گاہ بنے گا۔ اس لیے انہوں نے اِس اُمید پر یہاں اپنے خیمے گاڑ دیئے کہ جب وہ نبی محتشم' نبی بلند اقبال' سب سے اونچی شان والا' نبی آخر الزماں یہاں تشریف لائے گا تو یہ لوگ اس کے دامن رحمت سے لپٹ جائیں گے۔ اس کی اطاعت اور اتباع کے سبب پھر سے وہ کھوئی ہوئی عظمتوں کے مستحق بن جائیں گے۔ اس درمیانی عرصہ میں جب کفار ومشرکین سے ان کی جنگیں ہوتیں تو وہ اس نبی موعود (آنے والے) کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں فتح ونصرت کی دُعا مانگتے' جو قبول ہوتی۔

جب حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لے آئے تو یہودیوں نے بڑی مسرت کا اِظہار کیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے نبی کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ نبی تو مسیح علیہ السلام کو راست باز ٹھہراتا ہے' اس کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے دِین کو قبول

کرنے والوں کے لیے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی نبوت پر بھی اِیمان لے آئیں تو ان کے تیور بدل گئے۔حضور پُرنور نبی آخرالزماں کے بارے میں عقیدت کے جو جذبات ان کے سینوں میں متلاطم تھے وہ حسد عناد اور عداوت میں تبدیل ہو گئے۔

اسی طرح عیسائیوں کے پاس جو آسمانی صحائف تھے ان میں بھی متعدد مقامات پر اس نبی مکرم و محتشم کی آمد کی خوشخبری درج تھی۔اس لیے وہ بھی ایسے رسول کی آمد کے لیے سراپا اِنتظار بنے رہتے تھے۔مثال کے طور پر انجیل یوحنا کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیے:

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دُنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا''۔(یوحنا باب ۱۶' آیت ۷-۸)

اسی باب کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے:

''لیکن جب وہ سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا''۔(یوحنا باب ۱۶' آیت ۱۳)

لیکن عیسائیوں نے دیکھا کہ اس نبی پر اِیمان لانے اور اس کے دِین کو قبول کرنے کا نتیجہ تو یہ ہو گا کہ وہ اپنے بنیادی عقائد سے دستِ کش ہو جائیں۔

حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا ماننے کے بجائے انہیں اللہ کا بندہ تسلیم کریں۔

تثلیث کے بجائے اللہ کی وحدانیت پر اِیمان لے آئیں۔

کفارہ کے عقیدہ (حضرت عیسیٰ نے پھانسی پر چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اب انہیں کوئی سزا یا جزا نہیں ہو گی) کو ترک کر کے حسنِ عمل پر اپنی نجات کی بنیاد رکھیں۔

اور وہ پوپ کو'فوق الانسان اور خداوندی اِختیارات کا مالک نہ سمجھیں۔

یہ عقائد اگرچہ ان کی آسمانی کتب کے سراسر خلاف تھے۔لیکن پادریوں کے صدیوں کی کاشوں سے وہ اِن کے قلوب و اذہان میں اس طرح پیوست ہو چکے تھے۔کہ ان سے دست کش ہونا اِن کے لیے ممکن نہ تھا۔اس لیے نبی رحمت ﷺ پر اِیمان لانے کے لیے وہ لوگ بھی آمادہ نہ ہوئے۔

یہود و نصاریٰ کے علاوہ اوس و خزرج کے قبائل یہاں آباد تھے یہ لوگ بت پرست تھے ان کا پیشہ کاشتکاری تھا۔علم و ثقافت سے بے بہرہ تھے۔ان کی مالی حالت بھی یہودیوں کی طرح قابل رشک نہ تھی وہ یہودی قبائل سے خوفزدہ رہتے تھے۔یہود کا مفاد اس میں تھا کہ وہ متحد نہ ہونے پائیں۔وہ اپنی دیسہ کاریوں سے ان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔واقعہ ہجرت سے چند سال قبل اوس و خزرج میں بعاث کے مقام پر ہولناک جنگ ہوئی تھی جس میں ان کے سینکڑوں نوجوان مارے گئے تھے۔اس جنگ میں اگرچہ خزرج کا پلڑا

بھاری رہا تھا۔ لیکن درحقیقت دونوں قبیلوں، فاتح اور مفتوح کا کچومر نکل گیا تھا۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھی تھی دونوں طرف سے آہ وفغاں، نالہ وبکا کی آوازیں بلند ہوتی رہتی تھیں۔

اس تباہی نے دونوں قبیلوں کے بزرگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ کسی موزوں شخص کو اپنا حاکم مقرر کریں تا کہ وہ ان کے درمیان امن وسلامتی کی فضا قائم کرے اور ان میں جو جھگڑے سر اُٹھائیں عدل و اِنصاف سے وہ ان کا تصفیہ کرے۔ ان کی نظرِ انتخاب عبداللہ بن ابی بن سلول پر پڑی۔ متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ ایک تقریب منعقد کی جائے جس میں اس کی بادشاہت کا باقاعدہ اِعلان ہو اور اس کی تاج پوشی کی رسم باضابطہ طور پر ادا کی جائے چنانچہ ایک زرگر کو عبداللہ کے لیے سنہری تاج تیار کرنے کا اُنہوں نے حکم دے دِیا تھا۔

اسی اثناء میں مکہ کے افق پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا بادل نمودار ہوا۔ ان خاندانوں (اوس وخزرج) کے چند افراد نے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ یثرب واپس آ کر ہر ایک نے بڑی سر گرمی سے اپنے حلقہ اثر میں اِسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اور چند مہینوں میں سارے شہر کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ عبداللہ ابن ابی کی تاج پوشی کی جملہ تجویزیں تیاریاں پس پشت چلی گئیں اور گلدستۂ طاق نسیان بن کر رہ گئیں۔

اس اچانک تبدیلی پر عبداللہ بن ابی بہت سٹپٹایا اور جب حضور ﷺ کی آمد کا اسے علم ہوا تو انگاروں پر لوٹنے لگا۔ جب اوس وخزرج کے تقریباً تمام مرد وزن نے اِسلام قبول کر لیا تو اس کے لیے بھی ماسوائے اس کے کہ وہ بظاہر اسلام قبول کر لے، کوئی اور چارہ کار نہ رہا۔ یوں ایک اور گروہ جو عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے حواریوں پر مشتمل تھا وجود میں آ گیا جن کو قرآن کریم میں منافق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے ہر موقعہ پر اِسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کیے اور وہ اُمتِ مسلمہ کو طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار کرتے رہے۔

مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ سے آپ بآسانی ان مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اِسلام اور پیغمبرِ اِسلام کو مدینہ طیبہ میں درپیش تھیں۔ اِسلام کی سچائی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اِسلام ان تمام رکاوٹوں کو جو چٹانوں کی طرح مضبوط اور پہاڑوں کی طرح بلند تھیں ان سب کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

یہود کا پُر عداوت روّیہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ہے کہ نبی آخر الزمان کی شدت سے اور عرصہ دراز سے منتظر قومِ یہود ہی وقت آنے پر اس ذات پاک کے مخالف بن گئے اور مخالفت میں بھی دُشمنی کی حد تک آگے چلے گئے اور یوں حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم رحمت العالمین ﷺ کی رحمتوں سے محروم رہ گئے۔

یہودیوں کو ان کے علماء اور احبار یہ خوشخبریاں سنایا کرتے تھے کہ ایک عظیم المرتبت نبی تشریف لانے والا

ہے۔ جس کی علامات اور صفات تفصیل سے ان کی آسمانی کتابوں میں درج ہیں۔ اور یہ مقام یثرب اس نبی کی ہجرت گاہ ہے اور اسی نبی عالی المرتبت' محتشم نبی کے اِنتظار میں وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر یہاں آکر آباد ہو گئے کہ جب وہ پیکر یمن وسعادت آئے گا تو ہمارے مظلومیت کی شبِ تار سحر آشنا ہوگی۔ اور ہماری بدنصیبیاں ہم سے دور ہو جائیں گی۔ ہمارے بدخواہ' روسیاہ ہوں گے اور ہر میدان میں فتح ونصرت ہمارے قدم چومے گی اور ہمارا بول بالا ہوگا۔

یہودیوں نے' یہودیوں کے عوام نے اس حقیقت اَمر کا بارہا مشاہدہ کیا تھا کہ جب بھی اس علاقہ کے مشرک قبائل' بنی اسد' غطفان جہینہ' اور کفار سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے۔ تو ان نازک گھڑیوں میں ان کے علماء اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دست دُعا پھیلاتے اور یوں اِلتجا کرتے۔

"اے اللہ نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ جو نبی امی ہیں ان کے واسطہ سے ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں' ہمیں ان کافروں پر غلبہ عطا فرما"۔

تو ان کی یہ اِلتجا فوراً قبول ہوتی اور دُشمن کو شکست فاش ہوتی۔ عام حالات میں بھی یہ دُعا ان کا روز کا معمول تھی وہ بارگاہِ ربّ العزت میں اکثر یوں دُعا مانگا کرتے۔

"اے اللہ! اس نبی امی کو مبعوث فرما جس کا ذکر ہم توراۃ میں پاتے ہیں اور جس کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ تو اسے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا"۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)

پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضور پُرنور' سرکارِ دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضور انور ﷺ نے یہاں کے اہلِ کتاب کو عقیدہ' مذہبی' معاشرتی' رسم ورواج اور کاروبار کی آزادی کی ضمانت دی۔ اس تاریخی دستاویز میں انہیں صرف مذہبی' معاشرتی اور معاشی آزادی کی ضمانت ہی نہیں دی بلکہ انہیں یقین دِلایا کہ اگر کوئی بیرون حملہ آور ان پر یلغار کرے گا تو مسلمان ان کے دوش بدوش ان کے دُشمن سے جنگ کریں گے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ان نظریات اور معتقدات کی وجہ سے جو پشت ہا پشت سے ان میں مقبول عام پائے ہوئے تھے وہ حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد بلا تامل حضور انور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آتے جس طرح ان میں سے چند چیدہ بزرگوں نے کیا لیکن اگر وہ اپنا آبائی دِین چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ پھر اس حسنِ عمل کے باعث جو حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کے ساتھ روا رکھا تھا کم از کم ان دفعات کی پابندی تو کرتے جو اس تاریخی دستاویز میں تحریر تھیں۔ لیکن انہوں نے ان تمام توقعات کے برعکس اِسلام سے عداوت وعناد کو اپنا شعار بنا لیا۔ اپنی ساری صلاحیتیں اور جملہ وسائل تحریک اِسلام کو ناکام بنانے' رحمتِ دو عالم ﷺ کے قلب نازک کو دُکھ پہنچانے۔ اُمت مسلمہ میں اِنتشار اور افتراق پیدا کر کے انہیں کمزور کرنے کے لیے وقف کر دیئے۔

ایک اِعتراض انہیں یہ تھا کہ نبی اولادِ اسحاق علیہ السلام سے نہیں بلکہ ذریت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے اس لیے وہ اسے نہیں مانتے۔

دوسرا اِعتراض انہیں یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا سچا رسول اور اولوالعزم نبی تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ان کے نزدیک آپ نبی تو کجا ایک شریف آدمی کہلانے کے مستحق بھی نہیں تھے۔ ان کا نسب بھی ان کے نزدیک مشکوک تھا۔

نیز انہیں یہ توقع تھی کہ مکہ سے جلاوطنی کے بعد آپؐ اور صحابہ کرام بے یارومددگار لوگ ہیں وہ اپنی دولت و ثروت کے بل بوتے پر انہیں اپنے زیرِ اثر‘ گرویدہ اور ہم خیال بنالیں گے اور یہ لوگ تابعداروں کی طرح ان کے زیرِ اثر زِندگیاں بسر کریں گے۔

انہیں اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ نگاہِ مصطفیٰ کی اِعجاز آفرینیوں نے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اس نبی کریم کے فیض و برکت سے ہوا و ہوس کے قفس انہوں نے توڑ دیئے ہیں۔ اپنے گم کردہ راہ آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی زنجیروں کو اُنہوں نے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہ اب اللہ کے آزاد بندے ہیں صرف اپنے خالق اکبر کے حضور اپنے سروں کو خم کر سکتے ہیں اس کے علاوہ کسی قارون‘ کسی فرعون کی اطاعت تو کجا خوشامد کرنا بھی نہیں جانتے۔ ان وجوہات کے باعث یہود از حد مشتعل ہو گئے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانا اور اللہ کی روشن کی ہوئی اس شمع فروزاں کو بجھانا‘ انہوں نے اپنا مقصد اوّلین بنالیا۔

یہود کی گمراہی برقرار رہی

اے اللہ! خالق و مالک کائنات تیری حکمت و شان ہے کہ وہ قوم جو سالہا سال بلکہ کئی سینکڑوں سال پہلے سے اس نیک خیال سے یثرب میں، یثرب کے قرب و جوار میں آباد ہوگئی کہ یہ جگہ نبی آخرالزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ یہاں ان کی آمد مبارک کا اِنتظار کرنا ہے۔ سب سے پہلے، ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے لائے ہوئے دِین کو اپنانا ہے اور اس کے اتباع سے کھوئی ہوئی دُنیا و آخرت کی سرفرازیاں، راحتیں، عظمتیں حاصل کر لینی ہیں۔

اور جب نبی آخرالزماں، ہادیٔ انس و جاں، رسول کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان میں سے بہت کم کو ایمان لانے، فروغِ دِین میں دست و باز و بننے اور اتباعِ نبی آخرالزماں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

وہ قوم اپنی پُر حماقت انا، دُنیاوی مفادات دنیا پرستی اور بھیڑ چال کے سبب اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہی۔ اس قوم نے اپنے اتباع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوب پریشان و ناراض کیا تھا۔ اس قوم کو راہ راست پر رکھنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ معلق کر دیا، من و سلوا اُتارا لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان میں مجموعی طور پر خوف خدا، ایمان و توکل بر اللہ اور اِحترام و اتباع انبیاء کرام علیہم السلام بہت کم عرصہ کے لئے قائم رہا۔ اس قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء کرام کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا اور ان کا خون بھی بہایا۔ اس قوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت نعمتیں، راحتیں نازل فرمائیں، لیکن یہ بطورِ قوم بہت کم عرصہ (قوموں کی زِندگی میں سو دو سال کا عرصہ بہت کم عرصہ ہوتا ہے) راہِ راست پر رہے اور جلد کفرانِ نعمت پر اتر آئے یا کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو گئے۔

بطورِ قوم انہوں نے اللہ کی ناشکری اور انبیاء کرام علیہ السلام کے ساتھ ناروا سلوک کو اپنایا۔ غالباً یہی بڑی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اکثریت کے دِلوں پر مہر لگا دی کہ وہ کائنات کی نعمتِ عظمیٰ یعنی کہ قبولِ دِینِ اسلام اور اتباعِ پیغمبر اوّل و آخر داعظم، ہادیٔ انس و جاں، رہبر کائنات، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ العالمین ﷺ سے محروم رہے۔

درجِ ذیل میں آپ پڑھیں گے کہ ان میں کے شدت سے آمد مبارک کے منتظر علماء، اور وہ علماء جنہیں آپ ﷺ کی نبوت کے سچ ہونے کا، آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کا اور وہی نبی ہونے کا جس کی صفات

توریت میں خوب وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں کا یقین واثق بھی تھا۔ پھر بھی وہ اپنی غلط سوچ کی وجہ سے' بدنصیبی کی وجہ سے' دنیا پرستی کی وجہ سے اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے جو خودان کے پاس چل کر پہنچ گئی' جنہیں خود حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے قبول دعوت دِین متین واتباع کے لیے فرمایا:

نسلی تعصب

نبی آخرالزمان ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت ومحبت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ سلسلہ نبوت ان ہی کی نسل میں جاری ہے۔ اس لیے وہ بھی اسرائیلی ہی ہوں گے اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لائیں گے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اعزاز نبوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں منتقل ہو جائے گا۔

اس لیے وہ بڑے شدومد سے ان کی آمد و بعثت اوران کے فیوض و برکات کا چرچا کرتے تھے تا کہ دوسری اقوام کے لوگ ان سے دہشت کھائیں اور انہیں ایک برتر اور اپنے سے بہتر مخلوق تصور کریں' جو نبوت کی عظمتوں کی امین اور انبیاء کرام علیہ السلام کی وارث وجانشین ہے۔

لیکن جب اچانک کایا پلٹ گئی اور حضور نبی آخرالزمان ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے مبعوث ہو گئے اور خاندان بنو ہاشم سے تشریف لے آئے تو ''یہود ونصاریٰ'' کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ وحشت وحیرت کا شکار ہو گئے اضطراب وسراسیمگی اور تذبذب کے عالم میں زمین و آسمان کے درمیان لٹک گئے''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' والا معاملہ بن گیا۔ اِنکار کرتے تو مقامی لوگ اِعتراض کرتے کہ تم لوگ ہی ان کے بارے میں بتایا کرتے تھے اور حق کو ماننے کو ان کا جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آپ ﷺ اسرائیلی نہیں تھے۔ آخر قومی اور نسلی تعصب غالب آ گیا۔ انہوں نے ہر قدرِ انسانی کو بلائے طاق رکھ کر بڑی ڈھٹائی سے صاف اِنکار کر دیا۔ اور یہ مؤقف اِختیار کرلیا کہ یہ وہ نہیں ہیں جن کے اوصاف ہم بیان کیا کرتے تھے اور جب پوچھا جاتا کہ پھر وہ کہاں ہیں تو بغلیں جھانکنے لگ جاتے مگر اعترافِ حق کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ ہم نے ان سے کہا:

> ''اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اور اِسلام لے آؤ! ہم لوگ مشرک تھے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے تم ہم پر فتح حاصل کیا کرتے تھے اور تفصیل سے بتایا کرتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے خصائص وشمائل کا ہمارے سامنے ذکر کرتے تھے''۔

سلام بن مشکم یہودی نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا:

> ''یہ وہ نہیں ہیں جن کا ذکر ہم کیا کرتے تھے یہ کوئی خاص چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم پہچانتے ہوں''۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۴)

چنانچہ اس موقع پر سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ ۸۹ نازل ہوئی:

وَلَمَّا جَآءَ هُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَلَمَّا جَآءَ هُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ○

ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے ان کے وسیلے سے کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو پہچاننے سے اِنکار کر دیا اور کفر و عداوت کو شیوہ بنا لیا پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے''۔ (سورۂ بقرہ آیت ۸۹)

یہود کی ہٹ دھرمی

یہود کا ایک بڑا اور متمول قبیلہ بنو قریظہ مدینہ میں رہائش پذیر تھا۔ اسد اسید اور ابن عبید اسی خاندان کے جواں سال چشم و چراغ تھے۔ انہیں اپنے یہودی ہونے پر فخر تھا خود کو بالا قامت اور نمایاں محسوس کرتے تھے اور اپنے علاوہ ہر کسی کو یوں سمجھتے تھے جیسے وہ زمین کی پستیوں میں رینگنے والے کیڑے ہوں۔

ان کے اس جذبہ فخر برتری کو ایک بزرگ ہستی نے کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔ اس ہستی کا نام ''ابن الہیبان'' تھا۔ یہ ایک پردیسی اِنسان تھے جو ملک شام سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے اور سالہا سال سے یہیں مقیم تھے۔ بڑے ہی عبادت گزار، پرہیز گاری، تقویٰ شعار اور مقبولِ بارگاہِ الوہیت تھے۔ جب بھی قحط کے آثار نمایاں ہوتے تو یہودِ بنو قریظہ ان کے ڈیرے پر پہنچ جاتے اور دُعا کرنے کی اِلتجاء کرتے۔

یہ جواب دیتے پہلے صدقہ دو تب دُعا کروں گا۔ چنانچہ لوگ کھجوریں، جو اور ستو جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا وہ صدقہ کر کے آ جاتے اور ابن الھیبان سے گزارش کرتے ہم نے آپ کی شرط پوری کر دی۔

راوی کہتا ہے:

''وہ ہمیں لے کر کھلے میدان میں آ جاتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کے لیے دُعا کرتے۔ خدا کی قسم ابھی وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہی ہوتے کہ بادل گھر کر آ جاتے اور ہم بارش سے سیراب ہو جاتے تھے یہ ایک دو یا تین مرتبہ کا واقعہ نہیں تھا بلکہ اسے کئی بار آزمایا گیا''۔

ان کا آخری وقت آ گیا ہمیں پاس بلایا اور فرمایا:

اے معشر یہود! میں ملکِ شام جیسی سرسبز و شاداب زمین چھوڑ کر یہاں کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین پر آباد ہوا جہاں غربت و افلاس کے سائے گہرے ہیں اور خشک سالی عام ہے تمہارے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

حاضرین نے جواب دیا: اس کا سبب آپ ہی بہتر جانتے ہیں آپ ہی اس راز سے پردہ اُٹھائیں۔

ابن الھیبان نے جواب دیا:

''نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ میں اس شہر میں اس خاطر آیا تھا کہ یہاں ان کا انتظار کروں کیوں کہ یہ شہر ان کی ''ہجرت گاہ'' ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میری زِندگی ہی میں مبعوث ہو جائیں گے۔ اور میں ان کی پیروی کر لوں گا (مگر افسوس ایسا نہ ہوگا) دیکھو اے گروہِ یہود! میں تم کو وصیت و نصیحت کرتا ہوں ان کے ظہور میں آتے ہی فوراً ان پر اِیمان لے آنا ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ سبقت لے جائیں اور تم پر برتری حاصل کر لیں اور تم دیکھتے ہی رہ جاؤ!''

ایک بات اور ذہن نشین کر لو شیطان اِنسان کو بہت ورغلاتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے ذہن میں ڈالتا ہے' ان سے بچو' غور سے سنو! وہ نبی دُشمنوں کی تمام آل اولاد ان کے بیوی بچوں کو بھی قیدی بنا لیں گے یہ منظر دیکھ کر کہیں شیطان کے دھوکے میں نہ آ جانا کہ وہ تمہیں اس کی آڑ میں اِیمان لانے کی سعادت سے ہی محروم کر دے۔''

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۱۳- الوفا باحوال المصطفیٰ جلد ۱ صفحہ ۵۵- الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

یہود نے یہ بات پلے باندھ لی اور ابن الھیبان کی وفات کے بعد شد و مد سے نبی آخر الزماں ﷺ کا اِنتظار شروع کر دیا۔ جب حضور پُر نور ﷺ مبعوث ہو گئے اور انہیں پتہ چلا کہ وہ قوم یہود کی بجائے عرب سے تشریف لے آئے ہیں تو اِنکار کر دیا۔ اسد اسید اور ابن عبید حق پسند اور حقیقت شناس نوجوان تھے۔ انہیں حق و صداقت کی جستجو تھی قومی عصبیت' انانیت اور خود پسندی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنے یہودی بزرگوں کے پاس گئے اور کہا: ابن الھیبان بزرگ کی وصیت کو یاد کرو اس کی پیش گوئی کے مطابق یہ نبی تشریف لے آئے ہیں ان پر اِیمان لاؤ وہ بڑی سرد مہری اور ڈھٹائی سے بولے تم بچے ہو! چپ رہو یہ وہ نہیں ہیں۔ تینوں نوجوانوں کو اس سفید جھوٹ اور جواب سے بہت صدمہ پہنچا انہوں نے جرأت سے کہا:

یہ وہی ہیں آپ لوگ غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہے تو ہم بغاوت کر کے چلے جائیں گے اور اِیمان لے آئیں گے ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی صفات و علامات اور نشانیں ہمارے سامنے بیان کی گئی ہیں۔

وہ جذبے سے اُٹھے اور بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر دولتِ اِیمان سے مشرف ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱: ۱۶۰' السیرۃ النبویہ لابن ہشام: جلد ۱ صفحہ ۲۱۳' الوفا' ابن جوزی صفحہ ۵۵)

زبیر بن باطا کی شقاوت قلبی

زبیر بن باطا اور باطا دونوں باپ بیٹا یہود کے مانے ہوئے عالم اور نامور دینی رہنما تھے۔ زبیر کا باپ اپنی زِندگی میں درس تورات دیتا رہا' اس کا سارا زور بیان ان اوصاف کی تشریح پہ صرف ہوتا تھا جو تورات مقدس میں نبی آخر الزمان ﷺ کے حوالے سے بیان کیے گئے تھے۔ باپ کے بعد یہ قابلِ فخر منصب زبیر نے سنبھال لیا اور

یہ بھی اسی حسین موضوع پر لیکچر دیتا رہا۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ حضور نبی الانبیاء، رسول کون و مکان، سرورِ کائنات، سیّد العالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تختِ رسالت پر جلوہ گر ہو گئے۔ اور اہلِ عرب کو دعوت دی کہ شرک و کفر اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کے دامن میں آ جائیں اور خاتم النبیین ﷺ کا کلمہ پڑھ لیں۔

جب زبیر بن باطا کو پتہ چلا کہ آنے والے اسرائیلی نہیں ہیں اور ''بنی ہاشم'' میں پیدا ہوئے ہیں تو اسے گویا سانپ سونگھ گیا اور ہونٹ سل گئے۔ نہ صرف یہ کہ منہ کالا ہوا دِل بھی کالا ہو گیا۔ تورات کا نسخہ نکالا اور جہاں جہاں حضور پُرنور رسالت مآب ﷺ کے اوصاف لکھے ہوئے تھے انہیں بڑی بے دردی سے مٹا دیا۔ اس کے دل پر شقاوت اور بدبختی کی نحوست اس طرح چھا گئی اور حق و صداقت، دیانت و امانت کا اس قدر بھی پاس نہ رہا کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو مسخ کر دیا۔ محض اس لیے کہ اس میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی علامات اور خصوصیات موجود تھیں اور اس کے مردہ ضمیر نے اِس کی ملامت نہ کی۔ اس کے دِل میں یہ خیال نہ آیا کہ وہ چاند پر تھوک رہا ہے جو اس کے کالے منہ پر آ پڑے گا۔ (طبقات لابن سعد، جلد ۱ صفحہ ۱۵۹، الوفا لابن جوزی صفحہ ۱۴۹)

اِعترافِ حقیقت اور اِنکار

یہود کا پڑھا لکھا قبیلہ ''بنو قریظہ'' نبی آخر الزمان ﷺ کی ذات و صفات سے اپنی قوم اور نئی پود کو متعارف کرانے میں سب سے آگے تھا۔ انہوں نے باقاعدہ نصاب مقرر کیا ہوا تھا۔ آنے والے نبی کے اوصاف خود بھی پڑھتے اور اپنی اولاد کو بھی ان کی تعلیم دیتے تا کہ وہ آنے والے کی عظمت و مقام سے واقف ہو جائیں اور ان کی تشریف آوری سے قبل ہی ان کی محبت و عقیدت دِل جاگزیں کر لیں۔

ابو نملہ راوی ہیں:

''یہود بنو قریظہ اپنی کتابوں میں ذکرِ رسول ﷺ کا درس دیتے تھے اور اپنے بچوں کو ان کا نام پاک یاد کراتے تھے، ان کی صفات سے آگاہ کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ وہ ہجرت کر کے یہیں تشریف لائیں گے یثرب (مدینہ) ہی ان کی ہجرت گاہ ہے''۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

ایک دفعہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ان کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ کو اچانک وہاں دیکھ کر کعب بن اسد کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کا جی چاہا کہ تمام یہود سرکارِ دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی میں مسلمان ہو جائیں۔ وہ بولا

''اے گروہ یہود! یہ خدا آگاہ اِنسان تشریف لائے ہیں ان کی اطاعت کر لو۔ اللہ کی قسم! بے شک وہ نبی ہیں اور تم پر بھی یہ کھل چکا ہے کہ وہ ''نبی مرسل'' ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا تمہاری کتابوں میں تذکرہ ہے۔ اور یہی وہی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی اور جن کی ذات و صفات کو تم خوب جانتے پہچانتے ہو''۔

تمام یہود نے کعب کی نصیحت اور اِخلاص بھرے مشورے سے کوئی اثر نہ لیا اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی صاف اِنکار کر دیا بولے:

یہ وہی نبی ہیں سچے ہیں ہمیں تسلیم ہے مگر ہم اپنا دِین نہیں چھوڑ سکتے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۶۴)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

''عبد الاشھل'' خاندان کا ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا جو اپنے علم و فضل کے حوالے سے بڑا شہرت یافتہ اور عوام کا منظور نظر تھا لوگ اس کی علمیت کی وجہ سے اس کا بہت احترام کرتے تھے۔

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے چند روز پہلے کی بات ہے کہ وہ عجیب جوش و جذبے اور عزم و وقار کے ساتھ اپنے حجرے سے برآمد ہوا اور بڑی تمکنت سے چلتا ہوا ہجوم یاراں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور متانت چھائی ہوئی تھی اور پیشانی پر عمیق فکر کی لہریں نمایاں تھیں جیسے آج بہت سے راز فاش کرنا چاہتا ہو اور سب کچھ انڈیلنے کے لیے آ گیا ہو۔

اس نے بڑے فلسفیانہ اور ناصحانہ انداز میں بت پرست قوم کے سامنے جو حقائق بیان کیے وہ ان کے لیے بڑے عجیب اور بالکل نئے تھے۔ اور وہ ایسے انکار و عقائد سے قطعی ناآشنا تھے سن کر دنگ رہ گئے۔ مقرر نے بڑے عزم و وثوق سے کہا:

لوگو! ایک ایسا دِن بھی آنے والا ہے جب ہم سب مرنے کے بعد دوبارہ زِندہ کیے جائیں گے۔ زِندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا محاسبہ ہو گا اِعمال و افعال تولے جائیں گے۔ اس کے بعد آگ یا باغ میں ٹھکانا ہو گا۔ برے لوگ آگ میں جلیں گے اور پھر جلتے ہی رہیں گے اور اچھے لوگ بہشت بریں میں پہنچیں گے اور پھر ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حاضرین نے بے یقینی سے کہا: مرنے کے بعد دوبارہ زِندہ ہونا اور اپنے کیے کی جزا و سزا پانا سمجھ نہیں آتا۔

مقرر یہودی نے زور دے کر کہا: یہ سب ممکن ہے۔

جو لوگ آگ میں دھکیلے جائیں گے وہ اس آگ کی حدت اور ہوشربا منظر سے بہت ہراساں ہوں گے اور اذیت محسوس کریں گے۔ اس کی اذیت اور تکلیف سے پریشاں ہو کر وہ یہ تمنا کریں گے بے شک انہیں دُنیا جیسی آگ کے تنور میں ڈال کر بند کر دِیا جائے مگر اس جہنم کی آگ سے نجات دی جائے۔ حاضرین اس اِنکشاف پر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے آپ کے پاس اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ یہودی نے مکہ مکرمہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا: ایک نبی اس شہر میں مبعوث ہوں گے اور یہی کہیں گے جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔

وہ کب مبعوث ہوں گے؟ ان کی تشریف آوری میں کتنی دیر ہے؟ مقرر یہودی نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: اگراس بچے کی عمر نے وفا کی تو یہ ان کوضرور دیکھ لے گا۔

پھر ہوا یہ کہ حضور پُرنور رحمتِ دوعالم' نبی اکرم رسول معظم ﷺ بصدانداز محبوبی و زیبائی جاہ وجلال کے ساتھ تشریف لے آئے۔ وہ پڑوسی یہودی ابھی زِندہ ہی تھا مگر ''غیرقوم'' سے نبی کی آمد کا سن کر اس کا دِل مرگیا' سارے جذبے سرد پڑ گئے اور حرارت اِیمانی بخشنے والا خون رگوں میں منجمد وہ گیا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم اِیمان لے آئے مگراس نے حسد وعناد کی وجہ سے اِنکار کردیا۔ ہم نے اس سے کہا: کیا تو ہمیں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں نئی نئی باتیں نہیں بتایا کرتا تھا اب اِیمان کیوں نہیں لاتا؟

اس نے ڈھیلے منہ سے جواب دیا: ہاں میں تمہیں بتایا کرتا تھا مگر یہ وہ نہیں ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام' جلد ا صفحہ ۲۳۱' دلائل النبوۃ للبیہقی' جلد ۲ صفحہ ۷۸'۷۹)

ابوالحارث اور اُس کا بھائی

ابوالحارث اپنی قوم کا اِفتخار' جہاندیدہ بزرگ اور تورات و انجیل کا ماہر پادری تھا۔ دونوں کے احکام اور تعلیمات پر اس کی گہری نظر تھی حقیقت وصداقت سے بخوبی آگاہ تھا مگر ازلی بدبختی کے باعث اس کے اعتراف سے منحرف تھا۔ ایک دفعہ ایسا حادثہ پیش آیا جس نے اس کی دوغلی پالیسی' مکروہ منافقت اور کھوکھلے کردار کے بھیانک چہرے سے نقاب اُلٹ دی۔ ہوا یوں کہ

اپنے بھائی کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس کی گھوڑی کا پاؤں پھسلا اور وہ گرنے سے بال بال بچ گیا۔ عرب کا دستور ہے ایسے موقعہ پر اپنے دُشمن کو گالی دیتے ہیں۔ ابوالحارث کے بھائی نے بھی اس موقعہ پر ایسا ہی کیا اور کہا:

''جو نامقبول شخص ہے خدا کرے وہ ہلاک ہو جائے''۔ اس نے اس سے سرور دوعالم ﷺ کی ذات مراد لی۔ ابوالحارث نے اسے ڈانٹا اور غصہ سے کہا:

> ''وہ نہیں بلکہ تو ہلاک ہو جائے۔ کیا تو ایسے شخص کو گالی دے رہا ہے جو رسولوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے؟ یہ وہی رسول ہیں جن کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور یہ وہی ہیں تورات شریف جن کے ذکر سے بھری پڑی ہے''۔

یہ سن کر ابوالحارث کے بھائی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا حیرت سے بولا: جب آپ کو ان کی اتنی معرفت حاصل ہے اور صداقت کا اس قدر یقین ہے تو آپ ان پر اِیمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوالحارث نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر واضح الفاظ میں کہا:

''دیکھو بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے ہمیں بے پناہ عزت دی ہے' مال و دولت سے نوازا ہے' آسائشیں مہیا کی ہیں۔ یہ قوم انہیں نبی ماننے کے لیے تیار نہیں اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ ان حالات میں ہم ان پر ایمان لا کر اپنا مالی نقصان کیوں کریں؟''

اس کے بھائی کی آنکھیں کھل گئیں حقیقت آشکار ہو گئی اس نے کھڑے کھڑے حقیقت پسندانہ فیصلہ کر لیا اور بھائی سے دوٹوک انداز میں کہا:

میں ابھی مدینہ جا کر مسلمان ہوتا ہوں۔

ابوالحارث کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بھائی اتنا متاثر ہو جائے گا۔ اس نے اپنے بھائی کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لیے اسی وقت بات بنائی۔

''بھائی چھوڑو! میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا''۔

بھائی نے بڑے عزم و یقین کے ساتھ جواب دیا: اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ حقیقت کھل گئی ہے مذاق وہ نہیں تھا۔ مذاق یہ ہے جو تم اب کر رہے ہو۔ سنجیدہ صداقت تمہارا بھانڈا پھوڑ چکی ہے۔

وہ سیدھا مدینہ طیبہ گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔

علمائے یہود کی عصبیت

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اتمامِ حجت کے لئے کبھی کبھی یہودیوں کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تا کہ ان سے گفتگو کریں اور قیامت کے دِن ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اپنے دبستان یا مکتب تعلیم گھر کو وہ لوگ بیت المدارس کہتے تھے یہاں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا اِنتظام ہوتا تھا اور ماہر اساتذہ جمع ہو کر اپنے بچوں اور نوجوانوں کو مخصوص تعلیم دیتے تھے۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ ایک دفعہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ان کے بیت المدارس میں تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا یہود اچانک آپ کو اپنے سر پر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

سرکار نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اے یہودیو! تم لوگ قہر خداوندی کے نیچے دبے ہوئے ہو۔ بارہ آدمی ایسے لے آؤ جو کلمہ طیبہ پڑھ لیں اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے غضب اُٹھا لے گا۔

وہ یہ سن کر خاموشی سے بیٹھے رہے جیسے پتھر کے جامد و ساکت بت ہوں اور ان میں حرکت کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

''آپ نے مزید سوالات کیے مگر وہ ایسے ہو گئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ میری عظمت کا اِنکار کر رہے ہو یاد رکھو! خدا کی قسم! نبی مصطفیٰ' حاشر (حشر برپا کرنے والا) اور خاتم النبیین میں ہی ہوں تم چاہے تسلیم کرو یا نہ کرو'' (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۱۶)

یہ فرما کر آپ واپس مڑے قریب تھا کہ ہم بیت المدارس سے باہر آ جائیں اچانک پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی۔ ''آپ رُک جائیں'' سرکار دو عالم ﷺ وہیں رُک گئے۔ وہ شخص اپنی قوم یہود سے مخاطب ہوا۔

اے گروہ یہود! ذرا یہ بتاؤ تمہارے معاشرے میں میری کیا حیثیت ہے؟

انہوں نے جواب دیا آپ ہمارے معاشرے کے سربر آوردہ تعلیم یافتہ اور معزز ترین فرد ہیں آپ کے والد بھی منفرد حیثیت اور خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ خاندانی شرافت کے مالک ہیں۔

اس شخص نے کہا: اب میری سنو! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ محمد مصطفیٰ اللہ کے سچے رسول اور آخری نبی ہیں اور یہ وہی ہستی ہیں جن کے ہم منتظر تھے اور تورات میں جن کے اوصاف پڑھا کرتے تھے۔

یہود کے ماتھے پر بل پڑ گئے وہ دو لمحے پہلے والی گفتگو بھول کر خونخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے گویا ہوئے۔ تم بھی ذلیل ہو اور تمہارا باپ بھی ذلیل تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

تم جھوٹے ہو تمہاری یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جائے گی' یہ جوان تو سچ بول رہا ہے۔

(حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۱۷)

اسی طرح ایک مرتبہ پھر آپ ﷺ ان کے بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اپنے سب سے بڑے عالم کو بلاؤ۔ وہ عبد اللہ بن صوریا کو لے آئے۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

میں تمہیں قسم دیتا ہوں تمہارے دِین کی ان نعمتوں کی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو عطا کیں ان بادلوں کی جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر سائبان بنایا اور من وسلویٰ کی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر اُتارا۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابن صوریا نے جواب دیا:

''ہاں واقعی اللہ کے رسول ہیں اور بے شک آپ کی صفتیں اور نعتیں تورات میں خوب کھول کر بیان کر دی گئی ہیں اور اس ظاہر اور واضح حقیقت کو جس طرح میں جانتا ہوں اسی طرح تمام یہود بھی جانتے ہیں لیکن ان کے دِلوں میں آپ کی طرف سے' آپ کے لئے حسد پیدا ہو گیا ہے''۔

سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اگر یہ بات ہے تو تمہیں ایمان لانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اپنی قوم سے الگ نہیں ہونا چاہتا اگر وہ ایمان لے آئی تو میں بھی ایمان قبول کر لوں گا۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ صفحہ ۵۰)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا چچا

حضرت سہل قبولِ اسلام سے قبل اپنے نصرانی چچا کی زیرِ کفالت ایک یتیم بچے تھے۔ ایک روز اپنے چچا کی

عدم موجودگی میں تورات کھول کر بیٹھ گئے تاکہ اسے پڑھیں۔ ایک جگہ دو کاغذ آپس میں جڑے ہوئے تھے انہوں نے کوشش کر کے وہ کھول دیئے اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ان صفحوں میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے درج ذیل اوصاف لکھے ہوئے ہیں۔

وہ بہت لمبے یا بہت چھوٹے قد کے نہیں ہیں۔ رنگ مبارک گورا ہے ان کے مبارک شانوں کے درمیان مہر ختم نبوت ہوگی۔ صدقہ قبول نہیں کریں گے۔ گدھے اور اونٹ دونوں کی سواری فرمائیں گے۔ اتنے متواضع ہوں گے کہ بکری کا دودھ خود دودھ لیا کریں گے۔ پیوند شدہ قمیص زیب تن فرمائیں گے وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ (ﷺ) (الوفا باحوال المصطفیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۰)

جب چچا آیا اور اس نے یہ کھلے ہوئے اوراق دیکھے تو بہت غضبناک ہوا اور کہا تجھے یہ اوراق کھولنے کے لیے کس نے کہا تھا؟

انہوں نے شوخی اور بھولپن سے کہا جیسے چچا کو پتہ نہ ہو اور یہ اِس اِنکشاف سے اسے حیران و مسرور کرنا چاہتے ہوں۔

چچا دیکھیں اس میں نبی آخر الزمان ﷺ کے وہی اوصاف لکھے ہوئے ہیں جو محمد (ﷺ) میں موجود ہیں۔

چچا نے جب یہ سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی خونخوار نظروں سے سہل کی طرف دیکھا اور دانت پیس کر کہا:

ایک تو تم نے یہ صفحات کھول کر جرم کیا ہے اور اب آگے سے مجھے سمجھ رہے ہو جیسے میں بچہ ہوں۔ اور تم مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار ہو۔ غور سے سنو جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے۔ نبی آخر الزماں کسی اور زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ یہ وہ نہیں ہیں جن کے متعلق تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ جلد ۱ صفحہ ۶۰)

اِنکارِ نبوت کے بیہودہ بہانے

اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ آسمانی کتابوں میں' کتابوں کی بنیادی تعلیمات یکساں ہیں کیونکہ وہ سب ایک ہی خدا کی نازل کردہ ہیں۔ ان میں تضاد و اِختلاف اور افتراق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم اُم الکتاب ہے یعنی تمام آسمانی کتابوں کا منبع ہے ماں ہے۔ مخلوقِ خدا کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بنیادی احکام ہدایات و فرائض پہلی کتابوں میں بھی اسی طرح تھے اور یہ کتاب ان کی تصدیق کرنے والی ہے ان سب کو پڑھنے سننے سے عجیب سرور آتا ہے اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

سیّدنا حضرت حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس اندازِ خاص سے اپنا ایمان تازہ کرنے کے لیے بعض اوقات گرجا میں جاتے تھے اور تورات کے نصیحت آمیز مضامین سن کر بہت محظوظ ہوا کرتے تھے۔

ایک بار پادری نے کہا: آپ ہمیں اس لیے بہت اچھے لگتے ہیں کہ یہاں آ کر ہماری باتیں سنتے ہیں اور

ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اِیمان کی بالیدگی اور روح کی توانائی کے لیے صرف اس لیے یہاں آتا ہوں کہ تورات میں جو اوصاف و خصائص اور نشانات بیان کیے گئے ہیں وہ سب ہمارے نبی مکرم و معظم ﷺ، ہمارے دِین اور ہماری اِسلامی تعلیمات میں موجود ہیں۔

اِتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی باتوں میں مصروف ہی تھے کہ اتنے میں حضور انور نبی کریم ﷺ اِدھر سے گزرے پادری نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور حضرت عمر کو آگاہ کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس نے تم پر جو کتاب تورات نازل کی ہے اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔

ان کا سردار بولا: اس شخص نے تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور تورات کی قسم دے دی ہے اس لیے اب اسے سچ سچ بتا دو انہوں نے سردار سے کہا: آپ ہمارے پیشوا اور سردار ہیں۔ آپ ہی بتا دیں۔ سردار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: ہاں ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

(الوفا باحوال المصطفیٰ جلد ا صفحہ ۵۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کی اطاعت و اتباع نہیں کرتے اور سچائی کو گلے نہیں لگاتے؟

انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ میکائیل فرشتہ ہمارا دوست ہے وہ خوشحالی، فراوانی، خیر و برکت اور خوشی کا پیغام بر ہے ہم اسے مانتے ہیں۔ لیکن جبریل ہمارا دُشمن ہے وہ ہم پر قہر وغضب ڈھا نا رہا ہے چونکہ ان پر وہ وحی لے کر آتا ہے اس لیے ہم ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

یہ عجیب منطق سن کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے یہ وہی دلیل تھی جو عذر گناہ و بدتر از گناہ کے زمرے میں آتی تھی یا خوئے بدرا بہانہ بسیار کی مصداق تھی۔

اس بے تکی منطق کا کیا جواب ہو سکتا تھا غصے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھ کر چلے آئے بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا میں تمہیں وہ آیات نہ سناؤں جو ابھی نازل ہوئی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمہ تن گوش ہو گئے اور سرکارِ دوعالم نبی مکرم ﷺ نے سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ تلاوت فرمائیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ ''اے محبوب فرما دو جبریل کا دُشمن ہے وہ ہوتا رہے اس نے تو یہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ

کے دِل پر نازل کیا ہے یہ پہلی تمام کتابوں کا مصدق اور مومنین کے لیے ہدایت اور بشارت ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے آقا ﷺ میں یہی کچھ بتانے کے لیے آیا تھا لیکن میرے اللہ نے آپ کو پہلے ہی سب کچھ بتا دیا۔

خباثت و بد باطنی کی چند مثالیں

ان کا طرزِ عمل جوان کے خبث باطن کا آئینہ دار تھا اس کی بے شمار مثالوں میں سے چند واقعات قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تا کہ اس بغض و عناد کے بارے میں انہیں آگاہی ہو جو اِسلام پیغمبر اِسلام اُمتِ مسلمہ کے خلاف یہودیوں کے سینوں میں شعلہ زن تھا۔

۱- بنو سلمہ قبیلہ کے دونو جوان مسلمان حضرت معاذ بن جبل اور بشر بن براء رضی اللہ عنہما جو یہودیوں کے انکار و نظریات اور معمولات سے بخوبی واقف تھے ایک روز ان کے پاس گئے اور انہیں جا کر کہا۔

"اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اِسلام قبول کرو' تم ہم پر فتح حاصل کرنے کے لیے محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کا وسیلہ دے کر دُعا مانگا کرتے تھے اور جب کہ ہم مشرک تھے اور تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ حضور مبعوث ہونے والے ہیں اور حضور کی نشانیاں اور علامتیں ہمیں سنایا کرتے تھے"۔ اس بات کا وہ انکار تو نہ کر سکے لیکن وہ اسلام قبول کرنے پر بھی رضامند نہ ہوئے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳' صفحہ ۵۴۹)

۲- اِمام ابن جریرؒ ایک نومسلم جو پہلے یہودی تھا اس کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"بخدا! ہم اپنے بیٹوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے ان صفات کی وجہ سے جو حضور کے بارے میں ہماری کتابوں میں موجود تھیں۔ اور اپنے بیٹوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں ہماری بیویوں نے پس پردہ کیا کیا"۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۴۹)

۳- اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتی ہیں جس سے یہودیوں کے خبث باطن پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔

"میں اپنے باپ حی اور چچا ابو یاسر کی ساری اولاد سے زیادہ لاڈلی اور ان کی آنکھوں کا تارا تھی جب بھی میں ان کے سامنے آتی تو وہ دوسرے بچوں کو چھوڑ کر مجھے اُٹھا لیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آئے اور قبا میں قیام پذیر ہوئے تو ایک روز میرا باپ حی اور میرا چچا ابو یاسر منہ اندھیرے قبا گئے' سارا دِن وہیں گزارا۔ وہ شام غروب آفتاب کے بعد واپس آئے تو وہ از حد افسردہ اور درماندہ تھے بڑی مشکل سے وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا چل رہے تھے۔ میں حسب دستور ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے آگے بڑھی لیکن ان دونوں میں سے کسی نے

میری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس وقت میں نے سنا کہ میرا چچا ابو یاسر میرے باپ کو کہہ رہا تھا ''اھوھو'' تو کیا یہ وہی ہے؟ حی نے کہا ہاں وہی ہے۔ ابو یاسر نے کہا' کیا تم نے ان کو ان صفات اور علامات کے ذریعہ پہچان لیا ہے؟ اس نے کہا ہاں خدا کی قسم۔ ابو یاسر نے پوچھا ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے (کیا ان پر ایمان لائیں۔ یا نہیں) حی نے کہا میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک زِندہ رہوں گا ان کی دُشمنی پر پکا رہوں گا۔ (ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہوں گا)۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)

۴- اِمام زہری فرماتے ہیں حضور پُر نور سرور دوعالم ﷺ جب مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو ابو یاسر حضور ﷺ کی زیارت کے لیے قبا حاضر ہوا کچھ دیر مجلس نبوت میں بیٹھا' کچھ گفتگو کی۔ حضور ﷺ کے چند ارشادات سنے جب واپس آیا تو اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا:

''اے قوم! میری بات مان لو' خدا کی قسم تمہارے پاس وہ نبی آیا ہے جس کا تم اِنتظار کر رہے تھے اس کی پیروی کرو اس کی مخالفت نہ کرو''۔

اپنے بھائی کی یہ باتیں سن کر حی بن اخطب بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ قبیلہ بنی نضیر کا فرد تھا اور یہودی قبائل کا سردار تھا۔ اس نے مجلس اقدس میں حاضر ہو کر حضور پُر نور ﷺ کے اِرشادات طیبات سنے' پھر اُٹھ کر واپس آیا اور اپنی قوم کے پاس گیا۔

سب لوگ اس کی ہر بات تسلیم کر لیا کرتے تھے کہنے لگا۔

''میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جس کا تا دم واپسیں (یعنی کہ اپنی موت تک) میں دُشمن رہوں گا''۔

اس کے بھائی ابو یاسر نے اس کو سمجھایا اس کی بڑی منتیں کیں، اور اسے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری ایک یہ بات مان لو۔ اس کے بعد میری کوئی بات نہ ماننا۔ اس نبی کا دامن پکڑ لو اس پر ایمان لے آؤ۔

لیکن اس بدنصیب نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا وَاللہِ لَا اُطِیعُكَ خدا کی قسم! میں تمہاری یہ بات ہرگز نہیں مانوں گا چنانچہ وہ اِسلام کی عداوت پر پختہ ہو گیا خود بھی غرق ہوا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)

اپنے علماء کبار وسرداروں کی نصیحتوں کی اَن سنی کرنا

''اب چند ایسی مثالیں جن سے یہ واضح ہے کہ یہودی اپنے علماء کبار اور اپنے پسندیدہ ہر دِل عزیز سرداروں کی نیک رائے اور نصیحتوں کو بھی نہیں سنتے تھے بلکہ انہیں بھی سر محفل جھوٹا کہہ دیتے تھے''۔

نعمان السبئی

محمد بن عمر الاسلمی سے مروی ہے کہ یمن کے یہودیوں کا ایک حبر (مسند مذہبی عالم، مذہبی رہنما) تھا جس کا نام نعمان السبئی تھا۔ اس نے جب سرور دو عالم ﷺ کی بعثت کے بارے میں سنا تو تحقیق حق کے لیے خود حاضر خدمت ہوا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ چند سوالات پوچھے' پھر عرض کی' میرے باپ نے تورات کی ایک منزل کو سر بمہر کیا ہوا تھا اور مجھے کہا تھا یہ منزل اس وقت تک یہودیوں کو پڑھ کر نہ سنانا جب تک تو یثرب میں ایک نبی کی آمد کے بارے میں نہ سن لے۔ اور جب تو یہ خبر سنے تو اس مہر کو توڑنا اور ان صفحات کا مطالعہ کرنا۔

نعمان نے عرض کی' جب مجھے ایک نبی کے یثرب میں آنے کا علم ہوا تو میں نے ان سر بمہر اوراق کو کھولا تو اس میں بعینہٖ وہی صفات درج تھیں جو میں آج اپنی آنکھوں سے آپ کی ذات میں دیکھ رہا ہوں۔ اس اشیاء کے حرام اور حلال ہونے کے بارے میں وہی کچھ لکھا ہوا ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ آپ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی اُمت آخر الامم ہے اور آپ کا اسمِ گرامی احمد ہے۔ اور آپ کی اُمت نے قربانی کرنا ہے' جانوروں کا خون بہانا ہے اور آپ کے اُمتیوں کے سینے ان کی انجیلیں ہیں' یعنی قرآن حفظ کریں گے دینی علم اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے۔ وہ جب میدان جہاد میں کھڑے ہوتے ہیں تو جبرئیل ان کے ہم رُکاب ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر اس محبت اور رحمت سے جھکتا ہے جس طرح پرندے اپنے بچوں پر' میرے باپ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب اس نبی کی آمد کا مجھے علم ہو تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان پر اِیمان لے آنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے رسول حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ نعمان اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ کرے چنانچہ ایک روز نعمان حاضر ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خدمت اقدس میں موجود تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے نعمان! وہ بات سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے ازاوّل تا آخر ساری بات سنا دی۔ حضور سنتے رہے اور تبسم فرماتے رہے جب وہ بات ختم کر چکا تو پیغمبر اوّل و آخر واعظم سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں''۔

یہ نعمان وہی خوش بخت اِنسان ہے جو نبوت کے جھوٹے مدعی اسود عنسی کے پاس گئے۔ کذاب اسود عنسی نے انہیں کہا کہ وہ اس کی نبوت کو تسلیم کر لیں' آپ نے اِنکار کر دیا۔ کذاب اسود عنسی کے آدمیوں نے آپ کے ایک ایک اندام (عضو' جسم کا حصہ) کاٹنا شروع کیا۔ جب ان کا ایک عضو کاٹا جاتا تو آپ جوشِ اِیمان سے نعرہ لگاتے۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ

محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کرتا ہے''۔

حضرت نعمان السبئی رضی اللہ عنہ کے تمام اعضاء کو کاٹ کر اس ظالم نے ان کو آگ میں جلا دیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۴۵۱)

عبداللہ بن سلام

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ والسلام کی ذریت سے تھے آپ کا پہلا نام حصین تھا سرکار دوعالم ﷺ نے ان کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ آپ یہود کے علماء کبار میں سے تھے اور اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔

لیجئے اِس بارے میں اب خود ان کی زبانی سنئے۔ وہ فرماتے ہیں:

جب میں نے پیغمبر اوّل و آخر واعظم رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں سنا اور حضور ﷺ کی صفات حمیدہ' اسم مبارک ہیت' شکل وصورت اور زمانہ کے بارے میں علم ہوا تو مجھے بڑی مسرت ہوئی میں نے جان لیا کہ یہ وہی ہستی ہے جس کی آمد کے لیے ہم چشم براہ تھے۔ لیکن میں نے اس بات کو ظاہر نہ کیا اور خاموشی اختیار کرلی یہاں تک کہ حضور مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔

چند روز پہلے جب حضور پُرنور ﷺ قبا میں پہنچے تھے تو وہاں سے ایک آدمی ہمارے ہاں آیا اور ہمیں اس واقعہ سے مطلع کیا۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ اور کسی کام میں مشغول تھا۔ میں نے جب اس شخص کی بات سنی تو فرطِ مسرت میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ بے اختیار آواز سے نعرۂ تکبیرہ بلند کیا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث' اس کھجور کے درخت نیچے بیٹھی ہوئی تھی میرا نعرہ سن کر اس نے کہا اگر تمہیں حضرت موسیٰ بن عمران کی آمد کی خوش خبری سنائی جاتی تب بھی تم اس سے بلند آواز میں نعرہ نہ لگا سکتے۔ میں نے کہا پھوپھی جان! بخدا! یہ بھی حضرت موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں ان کے دین پہ ہیں اور وہی لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ پھوپھی نے کہا بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہمیں بتایا جاتا تھا کہ وہ قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے؟ میں نے کہا بے شک یہ وہی ہیں پھوپھی بولی یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔

میں کھجور سے نیچے اُترا اور سیدھا حضور پُرنور سرور دوعالم نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے قبا روانہ ہو گیا۔ میں نے جب اس رُخِ انور کی زیارت کی تو میرے دِل نے آواز دی' ایسا روشن چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔

میں ابھی زیارت کے کیف وسرور میں سرشار تھا کہ اچانک حضور کا یہ اِرشادِ گرامی سنائی دیا۔

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے:

'' بکثرت لوگوں کو سلام دو۔ اور امن وسلامتی کو پھیلاؤ۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ صلہ رحمی اختیار کرو اور رات میں اس وقت نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ تم جنت میں بسلامت داخل ہو جاؤ گے''۔

پیغمبر اوّل و آخر واعظم' حضور انور نبی کریم' رحمتِ دو عالم ﷺ کا ضیابار چہرہ دیکھ کر اور یہ حکیمانہ اور دِلنشین اِرشاد سن کر میں نے اِسلام قبول کر لیا۔

پھر میں گھر واپس آیا۔ اہلِ خانہ کو بھی اِسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ سب نے اِسلام قبول کر لیا میری پھوپھی نے بھی اِسلام قبول کر کیا اور تمام عمر احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں سرگرم رہی۔

لوٹ کر پھر میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور جو دِین لے کر آپ آئے ہیں وہ حق ہے۔ اور یہودی یہ جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں۔ ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور میں ان میں سب سے بڑا عالم ہوں اور ان کے بڑے عالم کا بیٹا ہوں۔ حضور ﷺ انہیں بلائیے اور میرے بارے میں ان سے دریافت کیجئے اس سے پہلے کہ انہیں میرے اِسلام لانے کا علم ہو۔ کیونکہ اگر ان کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو میرے بارے میں وہ ایسی تہمتیں لگائیں جن سے میں پاک ہوں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا اور اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک علیحدہ کمرے میں بٹھا دیا۔ حضور انور ﷺ نے ان یہودیوں سے پوچھا: ''عبداللہ بن سلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔'' سب نے کہا: ''وہ ہمارا سردار ہے جو ہمارے سردار کا بیٹا ہے وہ ہمارا سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے''۔

تو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟'' بولے خدا اسے اس سے بچائے وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو گا۔ ان کی یہ بات سن کر رحمت دو عالم نبی کریم ﷺ نے آواز دی۔ ''اے ابن سلام ان کے سامنے باہر آ جاؤ''۔

آپ باہر آ گئے اور یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی خدا نہیں۔ تم جانتے ہو کہ حضور اللہ کے رسول ہیں اور دِینِ حق لے کر آئے ہیں''۔

وہ کہنے لگے تم جھوٹ بول رہے ہو اور ان کے بارے میں کہنے لگے۔ ''یہ سراپا شر ہے اس کا باپ بھی سراپا شر تھا''۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ان کے بارے میں یہی اندیشہ تھا جو انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

مخیریق

یہودیوں کے احبار میں سے مخیّریق بھی ایک نامور عالم تھے۔علم کی دولت کے ساتھ ساتھ بڑے دولت مند اور غنی تھے۔کھجوروں کے بڑے بڑے نخلستانوں کے مالک تھے۔حضور ﷺ کی علامات اور صفات جن کا ذکر انہوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھا تھا ان کی بناء پر حضور ﷺ کے بارے میں جانتے تھے۔کہ وہ اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔لیکن اپنے آبائی مذہب کے تعصب کے باعث اسلام قبول کرنے میں ہچکچاتے رہے یہاں تک کہ احد کا معرکہ پیش آیا۔اس زوراسے جذبہ حق نے مہر سکوت توڑنے پر مجبور کر دیا۔

اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے گروہ یہود! بخدا! تم جانتے ہو کہ محمد مصطفیٰ کی مدد کرنا تم پر فرض ہے''۔

انہوں نے بہانہ سازی کرتے ہوئے کہا۔آج ہفتہ کا دِن ہے ہمارے لیے ہفتہ کے دِن جنگ کرنا مذہباً ممنوع ہے مخیّریق نے کہا تم حیلہ سازی کر رہے ہو اور بہانہ بنا رہے ہو۔اس نے یہ کہا اور اپنے جسم پر ہتھیار سجائے اور میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ اگر میں اس جنگ میں مارا جاؤں تو میرے سارے اموال رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیئے جائیں۔حضور ﷺ کو اِختیار ہے جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں۔

جب کفار مکہ سے اُحد کے میدان میں جنگ کا آغاز ہوا تو مخیّریق نے میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جان دے دی۔اور شہادت کے تاج کے مستحق قرار پائے۔

حضور نے سنا تو فرمایا: ''مخیّریق تمام یہودیوں سے بہتر ہیں'' اس کی وصیت کے مطابق اس کے متروکہ اموال سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔یہود میں سے گنتی کے چند آدمی ایسے تھے جنہوں نے اِسلام قبول کیا۔جب کہ ان کی غالب اکثریت حضور ﷺ کی حقانیت کو جاننے کے باوجود اِیمان لانے کی سعادت سے محروم رہی۔اگرچہ ہر یہودی کے دِل میں اِسلام کے خلاف نفرت وعداوت کے آتش کدے بھڑک رہے تھے لیکن ان کے چند رؤساء ایسے تھے جو اِسلام دُشمنی میں پیش پیش تھے۔

علامہ زینی دحلان نے اِن دُشمنانِ اِسلام کے یہ نام گنوائے ہیں:

اخطب کے دونوں بیٹے-ابو یاسر اور حی' جدی' سلام بن مشکم' کنانہ بن ربیع' کعب بن الاشرف' عبد اللہ بن صوریا' ابن صلوبہ' مخیّریق' آخر الذکر (مخیّریق) غزوہ اُحد کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔

(السیر ۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان جلد ا صفحہ ۳۳۵)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تصنیف السیر ۃ النبویہ میں صفحہ ۳۴۳ سے ۳۴۹ تک تینوں یہودی قبائل کے ان لوگوں کے نام الگ الگ لکھے ہیں جن کے دِل اِسلام اور اہلِ اِسلام کی دُشمنی سے لبریز تھے۔

فتنہ انگیزی کی مثال

یہودیوں میں جھوٹ، غلط بیانی، فتنہ انگیزی، بغض، عداوت، حسد وعناد پرستی جیسی بری صفات وعادات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اور ان بری صفات کا اِظہار استعمال وہ اکثر کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے ناپاک مذموم اِداروں میں ناکام ہونے کے بعد بھی شر، فتنہ، بغض، عداوت اور منافقت کی اختیار کردہ ڈگر سے نہ ہٹتے تھے۔ وہ اِنتہا کے حاسد، فاسق، شرانگیز، کینہ پرور تھے اور اپنے دِین میں تحریف کرنا ان کے لیے معیوب نہ تھا۔ اپنی مصلحت، فائیدہ کی خاطر وہ توریت کی آیات میں جب چاہے تبدیلی کر لیتے تھے۔

مسخ شدہ، مسخ کردہ، تعلیماتِ توریت کو ہی انہوں نے اثاثِ زِندگی بنایا ہوا تھا اور اس کے باوجود اہل کتاب ہونے کا زعم وغرور بھی بہت تھا۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ پاک میں بھی بدکلامی، گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے تھے اور انہیں دیگر انبیاء کرام علیہ السلام کا احترام بھی نہ تھا۔ وہ حد درجہ جھوٹے، مکار ناسمجھ اور دُنیا پرست تھے۔

دُنیاوی زِندگی کی فراخی، آرام، وآسائش سے وہ یہ مطلب نکالتے تھے کہ انہیں یہ سب کچھ اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ ہیں، اللہ کے پیارے ہیں اور جو بھی مفلوک الحال ہے اللہ اس سے ناخوش ہے۔

درجِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے کہ یہودی مسلمانوں کے اِتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کیسی کیسی ترکیبیں لڑاتے تھے۔ انہیں دِینِ اِسلام، بانیٔ دِینِ اِسلام اور مسلمان ایک آنکھ نہ بھاتے تھے اور وہ اِنفرادی اجتماعی طور پر انہیں نقصان پہنچانے کے در پہ ہوتے تھے۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی آمد سے پہلے اوس وخزرج مدت دراز سے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ حضور انور ﷺ کی برکت سے وہ شیر وشکر ہو گئے۔ اِسلامی اُخوت کے رشتہ نے باہمی محبت پیدا کر دی۔ ان کا اِنتشار، اِتحاد واتفاق میں بدل گیا۔ یہودیوں کو اس بات کا سخت رنج تھا۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر انہیں آپس میں لڑا دیں۔

شاس بن قیس بڑا خبیث الفطرت یہودی تھا اُمت مسلمہ کے شیرازہ کو پراگندہ کرنے کے لیے وہ ہر وقت تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ ایک روز اوس وخزرج کے کچھ افراد ایک جگہ بیٹھے تھے اور ان میں محبت و پیار کی باتیں ہو رہی تھیں۔ شاس بن قیس کا اُدھر سے گزر ہوا، مسلمانوں کو یوں متحد ومتفق دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ اس سوچ میں ڈوب گیا کہ ان دو مسلمان قبیلوں کو وہ کس طرح آپس میں لڑائے۔ اس کے ساتھ اس روز ایک دوسرا نوجوان یہودی تھا۔ شاس بن قیس نے اس کو کہا جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھو اور باتوں باتوں میں جنگِ بعاث کا ذکر چھیڑ دو اور دونوں قبیلوں کے نوجوان کے جذبات کو یوں بھڑکاؤ کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں اور گتھم گتھا ہو جائیں۔

وہ مکار گیا اور ان میں بیٹھ کر ایسے موقع کا اِنتظار کرنے لگا جب وہ ان قبیلوں میں فتنہ کی ایسی آگ لگائے

جو بجھنے نہ پائے۔ باتوں باتوں میں اس نے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا اور وہ اشعار پڑھنے لگا جو اس وقت غصہ و غضب کے عالم میں فریقین کے شعراء نے ایک دوسرے کے بارے میں کہے تھے۔ یہ سازش کامیاب رہی۔

اس کی اس حرکت سے جنگ کی تلخ یادیں تازہ ہو گئیں۔ دبے ہوئے، بجھے ہوئے جذبات بھڑک اُٹھے۔ غصہ سے آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چند نوجوان مشتعل ہو کر لڑائی کے لیے آستینیں چڑھانے لگے۔ اوس بن قیظی جو قبیلہ اوس کا فرد تھا۔ اور جبار بن صخر جو خزرج قبیلہ کا فرد تھا وہ دونوں مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع حضور انور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ کو پہنچی۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت کو ساتھ لیے اس موقع پر پہنچے جہاں جانبین ایک دوسرے کو دھکیاں اور چیلنج دے رہے تھے۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے آتے ہی یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے مسلمانوں کے گروہ۔ اللہ سے ڈرو۔ کیا تم جاہلیت کا نعرہ بلند کرنے لگے ہو۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اس کے بعد کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تمہیں ہدایت دی ہے اور تمہیں اس کے ذریعہ عزت عطا فرمائی ہے اور جاہلیت کی کشمکشوں سے تمہیں نجات دے دی ہے اور کفر سے تمہیں بچا لیا ہے اور تمہارے دلوں کو رشتہ اُلفت میں پرو دیا ہے اس کے بعد تم کیا پھر کفر کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو؟'' (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۸۰)

ارشاداتِ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سنتے ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ شیطان کی پیروی میں وہ بہت دور نکل گئے ہیں۔ شدت غم اور فرط ندامت سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے اور معافیاں طلب کر رہے تھے۔ وہ پھر باہم شیر وشکر ہو کر حضور ﷺ کی معیت میں اطاعت گزار اور فرمانبردار غلاموں کی طرح روانہ ہو گئے۔

اس وقت سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۰ تا ۱۰۵ نازل ہوئیں تا کہ قیامت تک آنے والے مسلمان دشمنوں کی شر انگیزیوں اور فتنہ پردازیوں سے محتاط رہیں اور ان کے فریب میں آ کر اپنی وحدت کو پارہ پارہ نہ کر دیں۔

آیات مبارکہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ ''اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہلِ کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہو گا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۰)

اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے۔

اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ کے دامن کو۔ تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۱)

اے اِیمان والو! ڈرو اللہ تبارک وتعالیٰ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔ اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲)

اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا۔ اور یاد رکھو اللہ کی وہ نعمت جو اس نے تم پر فرمائی ہے۔

جب کہ تم تھے آپس میں دُشمن۔ پس اس نے اُلفت پیدا کر دی تمہارے دِلوں میں۔ تو بن گئے تم اس کے اِحسان سے بھائی بھائی۔

اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس میں گرنے سے یوں ہی بیان کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں۔ تا کہ تم ہدایت پر ثابت رہو۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

ضرور ہونی چاہیے تم میں سے ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۰۴)

''اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لیے عذاب ہے بہت بڑا''۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۵)

پھوٹ ڈالنے کا ایک اور انداز

انصار کے ساتھ یہود کے دیرینہ مراسم تھے۔ باہم آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری تھا یہودی مکاری اور عیاری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان میں سے جب کوئی عیار یہودی انصاری کے ہاں جاتا تو ازراہ ہمدردی انہیں نصیحت کرتا کہ اے بھائیو! جس بے دردی سے ان مفلس ونادار مہاجروں پر تم اپنی دولت صرف کر رہے ہو اور جس دریا دلی سے تم اِسلام کے لیے اپنے خزانے لٹا رہے ہو اس کے انجام پر بھی کبھی تم نے غور کیا؟ یہ دولت آسانی سے حاصل نہیں ہوتی اس کو کمانے کے لیے تم نے برسوں اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ طرح طرح کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں۔ تمہارے باپ نے دِن رات محنت کر کے یہ چند ٹکے تمہارے لیے جمع کیے اور تم ہو کہ اس بے پروائی سے انہیں لٹا رہے ہو۔ کچھ تو خیال کرو۔ اپنے بچوں اور بوڑھے والدین پر رحم کرو کل جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے رزق کمانے کی ہمت نہ رہے گی تو پھر کیا کاسہ گدائی لے کر در در کی بھیک مانگو گے۔

اس طرح یہ لوگ انصار کو گھناؤنے مستقبل سے خوفزدہ کرتے تا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دِین کے لیے اپنی دولت خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لیں۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۸۸)

ان کی ان گھٹیا' چالاکیوں' چالوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۂ

نساء میں آیات ۳۷ تا ۳۹ نازل فرمائیں۔

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ۝

ترجمہ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب۔ (سورۂ نساء آیت ۳۷)

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اور وہ بدقسمت' ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے''۔

(سورۂ نساء آیت ۳۸)

''اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خوب واقف ہے''۔

(سورۂ نساء آیت ۳۹)

شانِ الٰہی میں گستاخی

ایک روز سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہودیوں کی ایک درسگاہ میں تشریف لے گئے وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ یہ سب فنحاص نامی اپنے ایک مذہبی پیشوا کی زیارت کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ فنحاص کے ساتھ ایک اور حبر بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فنحاص کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے فنحاص! تیرا بھلا ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ اور اسلام قبول کر لو۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ اس کے پاس سے حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ ان کی آمد کی بشارتیں تورات انجیل میں موجود ہیں۔

یہ سن کر وہ گستاخ کہنے لگا:

''بخدا اے ابوبکر! ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں اور (معاذ اللہ) وہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے سامنے اس طرح عاجزی نہیں کرتے جس طرح وہ ہمارے سامنے کرتا ہے ہم اس سے غنی ہیں وہ ہم سے غنی نہیں اور اگر وہ ہم سے غنی ہوتا تو وہ ہمارے مال ہم سے بطورِ قرض نہ مانگتا جس طرح تمہارا صاحب خیال کرتا ہے''۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۸۳)

خالق و مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں گستاخیاں سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یارائے صبر نہ رہا۔ آپ نے اس بد بخت کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا' ساتھ ہی فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیاں عہد نہ ہوتا تو میں تمہارا سر قلم کر دیتا۔

فنحاص' وہاں سے اُٹھا۔ سیدھا بارگاہِ نبوت میں جا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکایت کر دی' کہ آپ کے ایک دوست نے دیکھئے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ تاجدارِ کائنات' سرورِ دو عالم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے صدیق! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اسے تھپڑ کیوں مارا؟ آپ نے عرض کی' میرے آقا۔ اس دشمن خدا نے بارگاہِ ربّ العزت میں بڑی گستاخی کی ہے۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا محتاج ہے اور انہیں اس کی ضرورت نہیں جب اس نے یہ بکواس کی تو میں غصہ سے بے قابو ہو گیا اور اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ فنحاص نے کہا: مجھ پر یہ غلط الزام ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور اس بد بخت کی تکذیب کرتے ہوئے۔ سورہ آل عمران کی آیت 181 نازل فرمائی:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝

ترجمہ" بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں کا) جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا: نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزا)۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۸۱)

مزید گستاخیاں

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور آ کر کہا: اس کائنات کو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیا۔ ہمیں بتایئے (العیاذ باللہ) اس کو کس نے پیدا کیا۔

ان ناہنجاروں کی اس جسارت پر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' خاتم النبیین' سیّد المرسلین سرورِ کائنات ﷺ کو شدید غصہ آیا یہاں تک کہ چہرہ مبارک تمتمانے لگا۔ حضور پُر نور ﷺ نے انہیں سخت لعن طعن کی۔ جبرئیل امین فوراً حاضر ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے عرض کی:

آپ مطمئن ہو جائیں۔ ان کے ان خرافات کا جواب آپ کے رب کی طرف سے لے کر حاضر ہوا ہوں۔ خود پڑھیے انہیں بھی سنایئے تاکہ وہ اس گمراہی سے باز آ جائیں۔

ان کی خرافات کا جواب سورۂ اخلاص تھی۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

ترجمہ ''اے حبیب! فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے''۔

مہر و ماہ سے تابندہ تر۔ یہ سورت سننے کے باوجود وہ ہرزہ سرائی سے باز نہ آئے کہنے لگے۔ اچھا یہ بتائیے وہ کیسا ہے؟ اس کے بازو کیسے ہیں؟

یہ سن کر حضور انور نبی کریم کو پہلے سے بھی زیادہ غصہ آیا۔ انہیں خوب سرزنش کی۔ اتنے میں پھر جبرئیل آ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ ہرگز پریشان نہ ہوں مطمئن ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن کی تردید فرما دی ہے۔ سورہ زمر آیت ۶۷ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ ''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دِن سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے''۔ (سورۂ زمر آیت ۶۷)

قرآن حکیم کے بارے میں ان کی لاف زنی

ان کا ایک دوسرا وفد جو محمود بن سیحان، نعمان بن اضا، بحری بن عمرو، عزیز بن ابی عزیز، سلام بن مشکم جیسے عیار اور تیز وطرار یہودیوں پر مشتمل تھا حضور کے پاس آیا اور قرآن کریم کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے یا محمد (ﷺ) کیا آپ کا یہ ایمان ہے کہ جو کلام آپ پڑھ کر سناتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ہمیں تو اس میں وہ ربط وضبط اور حسنِ ترتیب نظر نہیں آتی جو تورات میں پائی جاتی ہے ایسا غیر منظم کلام، خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے رسول حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا: اے یہود! بخدا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور اس کی تصدیق تمہاری کتاب تورات میں بھی مرقوم ہے اگر سارے اِنسان اور جن جمع ہو کر بھی اس جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو پیش نہیں کر سکتے۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)

ایک اور وفد جو چند دیگر یہودی اکابر پر مشتمل تھا آیا اور حضور ﷺ سے کہنے لگا۔

یہ بتائیے کہ جو کلام آپ ہم کو پڑھ کر سناتے ہیں یہ کوئی جن آپ کو تعلیم دیتا ہے یا کوئی اِنسان آپ کو سکھاتا

حضور نے انہیں بھی فرمایا: بخدا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور تمہاری تورات میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ صفحہ۲۰۱)

وہ پھر کہنے لگے آپ کو علم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو نبی بنا کر مبعوث کرتا ہے تو وہ جو چاہتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مطابق کر دیتا ہے۔ اور جس چیز کا وہ نبی ارادہ کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے۔ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر آسمان سے کتاب اُتاریئے۔ جس کو ہم پڑھیں اور جس کو ہم سمجھیں اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو ہمیں کہیے، ہم آپ کو ایسی کتاب لا کر دیتے ہیں جیسی آپ لا کر سناتے ہیں۔

ان کی اس لاف زنی پر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قادرِ مطلق خدا نے انہیں ایک چیلنج دیا جو صرف یثرب کے یہودیوں تک محدود نہیں بلکہ تمام اقوامِ عالم کے لیے ہے۔ صرف نوعِ انسانی کو ہی نہیں بلکہ اس میں بنی نوع جن بھی شامل ہیں۔ اور ایسا کرنے کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں۔ جن وانس سب کو قیامت تک کے لیے مہلت دی گئی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں قرآن نے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے پورے بنی نوع انسان و جن کو یہ چیلنج دیا ہے اور اُسے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے کہلوایا ہے کہ

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝

ترجمہ آپ (بطورِ چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

اِسلام کے بدخواہوں کے لیے ایسا کرنا ممکن ہوتا تو ان کے لیے یہ امر کتنا آسان تھا کہ قرآنِ حکیم کے اس چیلنج کو قبول کر لیتے۔ اس جیسی ایک کتاب بلکہ قرآن حکیم کی کسی سورت جیسی ایک سورت بنا کر پیش کر دیتے۔ انہیں اِسلام کو مٹانے کے لیے جنگوں کے لامتناہی سلسلہ میں نہ اُلجھنا پڑتا جن میں ان کے ہزاروں نہیں لاکھوں بہادر تہ تیغ ہوئے۔ اس طرح کسی جانی اور مالی نقصان کے بغیر اِسلام کو مٹانے کی ان کی حسرت پوری ہو جاتی۔ لیکن اپنی مساعی بسیار و شدید خواہش کے باوجود وہ آج تک اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے اور نہ قیامت تک وہ یہ ہمت کر سکیں گے۔

ان کا شیوہ، مکر جانا

ایک روز رحمتِ دوعالم، سرورِ کائنات، تاجدارِ عرب وعجم، ہادیٔ انس وجاں ﷺ نے یہودیوں کو اِسلام لانے کی دعوت دی۔ اور انہیں کہا کہ اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے تو پھر عذابِ خداوندی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

لیکن اُنہوں نے اِسلام قبول کرنے سے اِنکار کر دیا۔ حضرت معاذ بن جبل' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہم بھی وہاں حاضر تھے۔ انہوں نے یہودیوں کو کہا:

''اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور تم حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہمارے سامنے حضور ﷺ کا ذکر کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی صفات مبارکہ ہمارے سامنے بیان کرتے تھے''۔

رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا نے کہا:

''ہم نے یہ بات ہرگز تم سے نہیں کہی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ کے بعد نہ کوئی کتاب نازل کی ہے اور نہ کوئی بشیر ونذیر بھیجا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فریب نفس میں مبتلا ان یہودیوں کو فریب نفس کے اس قفس سے نجات کا راستہ بتاتے ہوئے سورۂ مائدہ کی آیت مبارک 19 میں ارشاد فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ز فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ ''اے اہلِ کتاب بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول۔ صاف بیان کرتا ہے تمہارے لیے (احکامِ الٰہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا''۔

''تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا تمہارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۹)

احکامِ الٰہی میں تحریف

احکامِ الٰہی میں اپنی مرضی سے ردوبدل کر لینا علماء یہود کا معمول بن چکا تھا۔ احکامِ الٰہی میں تحریف کی مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن دِنوں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم' خاتم النبیین سیّد المرسلین ہادیٔ انس وجاں رحمت العالمین ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے یہود کو ایک مسئلہ آیا۔ ایک شادی شدہ یہودی نے ایک شادی شدہ یہودن سے زنا کیا۔ ان کے بارے میں سزا تجویز کرنے کے لیے یہود نے اپنے علماء کی ایک میٹنگ اپنے ''مدارس'' میں بلائی (مدراس' وہ مکان جس میں تورات کی تدریس ہوتی ہے۔)

اس موضوع پر تبادلہ خیال کے بعد طے یہ ہوا کہ ان دونوں ملزموں کو حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت

میں بھیجا جائے اور ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار حضور (ﷺ) کو تفویض کیا جائے۔ اگر آپ (ﷺ) ان کے بارے میں وہ فیصلہ کریں جو ہم کیا کرتے ہیں یعنی "تجبیہ" تو آپ کا فیصلہ تسلیم کرلیا جائے۔

یہود جو سزا شادی شدہ زانی کو دیا کرتے تھے اسے تجبیہ کہا جاتا تھا اس کی صورت یہ تھی کہ کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی ایک رسی جس پر تار کول لگا دی جاتی تھی اس سے زانی کو کوڑے لگائے جاتے' پھر اس کے چہرے کو کالا کر دیا جاتا' پھر اس کو گدھے پر اس طرح سوار کیا جاتا کہ اس کا منہ گدھے کی دم کی طرف ہو۔ پھر بازار میں اس کو پھرایا جاتا۔

"تجبیہ" کے حکم سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ (ﷺ) بادشاہ ہیں اور ملک میں امن وامان قائم کرنے کے لیے اپنی حسب پسند سزائیں دیتے ہیں۔ اور اگر وہ رجم کرنے کا حکم دیں تو جان لو کہ وہ نبی ہیں ان سے بچو ایسا نہ ہو کہ دین کا باقی ماندہ حصہ جو تمہارے پاس ہے اسے بھی وہ تم سے سلب کرلیں۔

آپس میں طے کرلینے کے بعد جب یہ لوگ دونوں ملزموں کو لے کر حضور انور نبی کریم ﷺ کے پاس گئے تو حضور پُر نور ﷺ ان سب کو لے کر خود ان کی مذہبی درسگاہ میں تشریف لے گئے جہاں یہودی علماء بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے گروہ یہود! اپنے چیدہ علماء میرے سامنے پیش کرو۔ انہوں نے تین علماء پیش کیے' عبد اللہ بن صوری' ابو یاسر بن اخطب اور وہب بن یہودا اور کہا یہ ہمارے علماء ہیں۔ رحمت دو عالم ﷺ نے خلوت میں عبد اللہ بن صوری سے گفتگو شروع کی۔ ابن صوری نوخیز جوان تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُسے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے ابن صوری! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ اور تمہیں وہ انعامات یاد دِلاتا ہوں جو اس نے تم پر فرمائے۔ اور پوچھتا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ کہ کیا تم جانتے ہو کہ تورات میں زانی مجرم کے لیے رجم کی سزا ہے۔ اس نے کہا بخدا ایسا ہی ہے۔ اس کے ساتھ اس نے یہ اِعتراف بھی کیا کہ اے ابوالقاسم! یہ سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی مرسل ہیں لیکن وہ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں"۔

حضور پھر خلوت سے باہر تشریف لائے اور حکم دیا کہ ان دونوں مجرموں کو رجم کیا جائے انہیں مسجد کے دروازے کے سامنے رجم کیا گیا۔ ابن صوری خود بھی اسی حسد کا شکار ہو گیا جس میں اس کی قوم مبتلا تھی۔ اس برملا اعتراف کے بعد پھر اس نے حضور ﷺ کی رسالت کا اِنکار کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۹۳)

ایک اور روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جس میں چند دیگر امور کی مزید وضاحت ہے اس لیے اس روایت کو بھی درج کر رہا ہوں۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: جب یہودیوں نے حضور انور نبی کریم ﷺ کو اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم مقرر کرلیا تو حضور پُر نور ﷺ نے ان کے علماء کو حکم دیا کہ تورات لے آئیں۔ ان کا ایک عالم اس جگہ سے تورات کی تلاوت کرنے لگا۔ جہاں رجم کی آیت درج تھی اس پر اس نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تاکہ کسی کی نظر اس پر نہ

پڑے۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے' اس حبر کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے' صبر نہ کر سکے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے پرے پٹخ دیا اور بولے۔

''یہ ہے رجم کی آیت' یہ شخص اس کو پڑھنے سے انکار کر رہا ہے''۔

اسی مجلس میں حضور انور نبی کریم ﷺ نے علماء یہود سے دریافت کیا:

''یہ حکمِ الٰہی جو تمہارے سامنے ہے اس کو تم نے کیوں ترک کر دیا ہے؟''

اُنہوں نے جواب دیا:

کہ ہمارے لوگ اس فعل شنیع کا اِرتکاب کیا کرتے تھے اور ہم ان کو رجم کی سزا دیا کرتے تھے۔ایک دفعہ شاہی خاندان کے ایک فرد نے اس جرم کا اِرتکاب کیا۔بادشاہ نے اس کو رجم کرنے سے ہمیں روک دیا۔کچھ عرصہ بعد ایک عام آدمی اس جرم کا مرتکب ہوا۔بادشاہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔عوام برہم ہو گئے۔انہوں نے مطالبہ کیا کہ یا تو شاہی خاندان کے اس فرد کو بھی سنگسار کیا جائے۔یا اس شخص کو بھی رجم کی سزا نہ دی جائے۔چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ آئندہ سب کو ''تجبیہ'' کی سزا دی جائے۔اس طرح رجم کے حکم کی بجا آوری معطل کر دی گئی۔

حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں پہلا شخص ہوں جو اللہ کے ایسے حکم کو زِندہ کر کے نافذ کرتا ہوں جو متروک ہو گیا تھا۔پھر ان دونوں مجرموں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور انہیں مسجد کے دروازہ کے پاس سنگسار کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کہ میں بھی ان لوگوں میں شریک تھا جنہوں نے انہیں رجم کیا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۹۶،۱۹۵)

۲- تحریف کا یہ سلسلہ فقط رجم تک محدود نہ تھا۔تورات کا ہر وہ حکم جس کی تعمیل ان پر گراں گزرتی اس میں من مانی تبدیلیاں کر لیتے۔بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں یہودی قبیلے تھے لیکن ان کے مقتولوں کی دیت یکساں نہ تھی۔بنو نضیر اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتے تھے۔اس لیے اگر ان کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو وہ قاتل سے پوری دیت وصول کرتے اور اگر بنو قریظہ کا کوئی فرد قتل کر دیا جاتا تو اس کی نصف دیت ادا کرتے۔رہبر کائنات ہادیٔ انس و جاں رحمتِ دوعالم نے دیتوں کے اس ظالمانہ اور جابرانہ تفاوت' امتیاز کو منسوخ کر دیا اور ہر مقتول کی یکساں دیت مقرر کر دی خواہ اس کا تعلق کسی قبیلہ سے ہو۔(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۹۶)

شرفا پر بہتان باندھنا

جب ان کے چند سرکردہ افراد نے اِسلام قبول کر لیا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے ان نیک نہاد اور روشن ضمیر علماء واحبار کا اتباع کرتے ہوئے اندھیروں سے دامن چھڑا کر نورِ حق کے اُجالوں میں اپنا سفر حیات شروع

کرتے اور سعادت دارین کی منزل کی طرف سبک خرامی سے بڑھتے چلے جاتے۔ ان بدنصیبوں نے اسلام لانے والے اپنے بزرگوں کو طرح طرح سے مطعون کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام' ثعلبہ بن سعیہ' اسید بن سعیہ' اسد بن عبیدہ' وغیرہم جیسی ہستیوں کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا۔

''محمد (ﷺ) پر جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ ہم میں سے شریر قسم کے لوگ تھے اگر وہ شرفاء میں سے ہوتے تو اپنے آبائی دِین کو نہ چھوڑتے اور کسی دوسرے دِین کو قبول نہ کرتے''۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے متعلق سورہ آل عمران کی آیات 113' 114 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ ''سب یکساں نہیں اہلِ کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیتوں کی۔ رات کے اوقات میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں۔ اور یہ لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں''۔ (سورۂ آل عمران آیات ۱۱۳' ۱۱۴)

اِخلاقی پستی کی اِنتہا

جھوٹ ہر انسانی معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن علم وفضل کے یہ مدعی اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اور فرزند ہونے کے یہ دعویدار' اسلام کو زک پہنچانے اور پیغمبر اوّل وآخر واعظم سرورِ دو عالم ﷺ کا دِل دکھانے میں جھوٹ بولنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ان کی بیسوں مثالیں ہیں لیکن میں ایک مثال کا ذکر کرنے پر اِکتفا کرتا ہوں۔

جنگِ اُحد کے بعد دو جھوٹے' مکار' لیڈر و سرغنے کعب بن اشرف اور حی بن اخطب چند اور یہودیوں کے ہمراہ مکہ گئے۔ تاکہ کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکسائیں۔ ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ ہم تو ان پڑھ ہیں اور آپ لوگ اہلِ علم اور صاحبِ کتاب ہیں ہمیں یہ تو بتاؤ کہ راستے پر کون ہے ہم یا محمد (ﷺ)۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شرک محض کو توحید خالص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے انہوں نے کفار مکہ کو خوش کرنے کے لیے پوری بے باکی سے یہ جواب دیا کہ ان مسلمانوں سے کہیں زیادہ تم ہدایت پر ہو۔ جانتے بوجھتے ایسا سفید جھوٹ ان کی اِخلاقی پستی کا معیار بتاتا ہے جو کہ بلاشک وشبہ انتہا کی پست تھی۔

سفید جھوٹ

ان کے دِلوں میں دِینِ اِسلام بانیِ دِینِ اِسلام اور ملتِ اِسلامیہ کے خلاف حسد اور عناد کے کتنے خوفناک جذبات موجزن رہا کرتے تھے اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں۔ ان کے اپنے اطوار ناقابل تردید گواہی دے رہے ہیں۔ اِسلام دُشمنی میں وہ اِتنے آگے نکل جاتے کہ وہ روشن حقیقتیں بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتیں جن پر ان کے مذہبی سیاسی اور اِجتماعی وجود کا دارومدار تھا۔ سکین اور عدی بن زید دو یہودی حضور پُرنور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

''ہم نہیں جانتے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی بشر پر وحی نازل کی ہو' اس لیے آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ نبوت کا دعویٰ کریں اور یہ کہیں کہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔'' ان کی اس یاوہ گوئی کے بطلان کے لیے سورہ نساء کی ان آیات 163 تا 165 کا نزول ہوا:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ ''بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے۔ اور جیسے وحی بھیجی ہم نے ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے سارے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد اور اللہ تبارک وتعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے''۔ (سورہ نساء آیا ۱۶۳ تا ۱۶۵)

ایک اور غلط بیانی

یہود کی ایک جماعت ایک روز حضور پُرنور ﷺ کے پاس آئی حضور انور سرورِ دو عالم ﷺ نے ان کو فرمایا: بخدا! تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ وہ کہنے لگے ہمیں تو اس بات کا قطعاً کوئی علم نہیں کہ آپ رسول ہیں اور نہ ہم اس پر گواہ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ نساء آیت 166 کے اپنے اس ارشاد سے ان کے اس جواب کی تردید فرمائی:

لٰکِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ج وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○

ترجمہ ''(کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی) لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اُتاری۔ کہ اس نے اُتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ بطورِ گواہ''۔

اپنے بارے میں خوش فہمیاں

چند یہودی نعمان بن اضا، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی وغیرہ ایک روز حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے پاس آئے اور گفتگو کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی انہیں دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی اور اللہ کے غضب سے انہیں ڈرایا۔

وہ بولے:

''آپ ہمیں کیا دھمکی دے رہے ہیں بخدا ہم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لاڈلے فرزند اور پیارے دوست ہیں''۔

ان کے اس زعم باطل کو رد کرنے کے لیے سورہ مائدہ کی آیت مبارک 18 نازل ہوئی:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ز وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

ترجمہ ''اور کہا: یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے' بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے''۔

(سورۂ مائدہ آیت ۱۸)

قتل کی سازش

حضورِ انور نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ یہود کے قبیلہ بنی نضیر میں تشریف لے گئے اور انہیں فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی نے دو آدمیوں کو غلط فہمی سے قتل کر دیا ہے۔ ان کے وارث دیت کا مطالبہ کرتے ہیں اس لیے تم لوگ حسب معاہدہ ان کی دیت میں اپنا حصہ دو۔ انہوں نے کہا آپ بیٹھیں۔ کھا پی لیں پھر تعمیل حکم کریں گے۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو ایک پلنگ پر بٹھایا جو ایک دیوار کے ساتھ بچھا ہوا تھا۔

انہوں نے یہ سازش کی کہ کچھ دیر بعد دِیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر لڑھکا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے ناپاک اِرادہ پر مطلع فرما دیا۔حضورانور نبی کریم ﷺ وہاں سے فوراً ہی تشریف لے گئے۔اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش کو ناکام کر دیا۔

حضور پُر نور ﷺ کی سلامتی کا اِحسان قیامت تک آنے والے تمام غلامانِ مصطفیٰ پر ہے۔جس کا ذکر مبارک سورہ مائدہ کی آیت 11 میں ہے۔اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۠

ترجمہ ''اے اِیمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ اِرادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔ڈرتے رہا کرو۔ اللہ سے اور اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے اِیمان والوں کو''۔(سورۃ مائدہ آیت ۱۱)

ایک خطرناک سازش

کعب بن اسد' ابن صلوبا' عبد اللہ بن الصوری' اور شاس بن قیس نے ایک خفیہ میٹنگ کی اور اس میں اُنہوں نے طے کیا کہ چلتے ہیں محمد (ﷺ) کے پاس اور انہیں اپنے دامِ فریب میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔جب انہیں ان کا دِل پسند لالچ دیں گے تو آخر بشر ہی تو ہیں۔ضرور اس دام میں پھنس جائیں گے۔اس سازش پر عمل پیرا ہونے کے لئے جب وہ وہاں پہنچے تو سلسلہ کلام کا یوں آغاز کیا۔

آپ جانتے ہیں کہ ہم سب لوگ جو حاضرِ خدمت ہیں اپنی قوم کے مذہبی راہنما ہیں۔خاندانی لحاظ سے ہم سب سے اعلیٰ اور اشرف ہیں اور قبیلوں کے رئیس' ان کے سیاہ وسفید کے مالک ہیں۔اگر ہم آپ کی اِطاعت اِختیار کر لیں گے تو یہودی قوم کا ہر فرد آپ کا کلمہ پڑھ لے گا' آپ کے دِین میں داخل ہو جائے گا۔آج ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ چند لوگوں سے ہمارے تنازعات ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کے فیصلہ کے لیے ہم آپ کو اپنا حکم مقرر کریں۔اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ ان مقدمات کا فیصلہ ہمارے حق میں کریں گے تو ہم آپ کو یقین دِلاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے۔اور آپ کی تابعداری کا قلادہ اپنے گلے کی زینت بنا لیں گے اور ہمارے اِیمان لانے سے ہزاروں یہودی آپ کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔

یہ چال بہت خطرناک تھی بے شک حضور انور نبی کریم ﷺ کو سیم وزر کا قطعاً کوئی لالچ نہ تھا۔اسی طرح آپ اِقتدار کے متمنی نہ تھے۔لیکن اس بات میں تو کوئی کلام نہیں کہ حضور پُر نبی کریم ﷺ کی یہ شدید خواہش تھی کہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔وہ بندے جن کی بندگی کا رشتہ اپنے خالقِ حقیقی سے

ٹوٹ چکا تھا وہ پھر ایک مرتبہ جوڑ دیا جائے۔ فسق و فجور کی دلدل میں ہلکان ہونے والی اِنسانیت کو نیکی و پارسائی کی بلندیوں نصیب ہو جائیں۔

اسی بے قرار آرزو کی تکمیل کے لیے ہی حضور انور نبی کریم ﷺ نے سارے عرب کی دُشمنی مول لی تھی۔ بہت ہیبت ناک آلام و مصائب کا مقابلہ کیا تھا تا کہ گمراہ اِنسان، ہدایت یافتہ ہو جائے۔ اگر یہودی دِینِ حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس کے لیے ایک معمولی سا معاوضہ طلب کرتے ہیں تو موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ دنیاوی لحاظ سے یہ سودا کر لینا چاہیے اگر اس مقدمہ کے اس فیصلہ سے کسی کی دِل شکنی یا حق تلفی ہوئی ہو گی۔ جب اقتدار ہاتھ میں آ جائے گا تو ان کے حق تلفی کی تلافی کی بیسیوں صورتیں نکال لی جائیں گی۔ اس طرح ان کی دِلجوئی بھی ہو جائے گی۔

یہودی ذہنیت نے سازش کا جو جال بنا تھا یہ از حد خطرناک تھا۔ لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی جو ہمیشہ ان کی بدبختی کا باعث بنتی رہی۔

وہ اس عظیم اِنسان کو اپنے جیسا عام بشر سمجھ رہے تھے جو وقتی فائدہ اور وقتی کامیابی کے لیے اپنے اصولوں کو قربان کرنے پر بآسانی آمادہ ہو جایا کرتا ہے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ وہ برگزیدہ پیغمبر اور اولوالعزم عبداللہ ہے جس نے اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لیے سب سے اپنا تعلق ختم کر لیا ہے۔ دُنیا کی فانی نعمتیں، دُنیا کی زوال پذیر حکمرانیاں، زر و جواہر کے بے پایاں خزینے تو رہے ایک طرف، اگر فردوس بریں کی ابدی بہاریں بھی اس شہسوارِ مرکب عزیمت و ہمت کی راہ میں آڑے آئیں تو وہ انہیں بھی پائے حقارت سے ٹھکراتا ہوا آگے بڑھ جائے گا۔

انہوں نے بڑی سلیقہ مندی سے اپنی یہ گزاری پیش کی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی یہ پیشکش قبول کر لی جائے گی۔ لیکن پیغمبر اوّل و آخر اعظم، خاتم النبیین سیّد المرسلین ﷺ نے جب ان کی یہ بات سنی تو بڑی نفرت وحقارت سے اُسے ٹھکرا دیا اور اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ جس کا جی چاہے اِسلام قبول کر لے اور جس کا جی چاہے اُسے قبول نہ کرے میں کسی قیمت پر عدل و انصاف سے روگردانی نہیں کر سکتا۔ اگر تم اِسلام قبول کرو گے تو اپنے اوپر اِحسان کرو گے یہ اِحسان مجھ پر نہیں ہوگا۔ اور اگر اِنکار کی راہ پر گامزن ہو گے تو اپنی عاقبت برباد کرو گے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ خالق و مالک کائنات نے اپنے محبوب کے اس فیصلہ کی توثیق کرنے کے لیے سورہ مائدہ کی آیت 49 نازل فرمائی:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○

ترجمہ ''اور یہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ

نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہیں برگشتہ نہ کردیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اُتارا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک اِرادہ کرلیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ سزا دیں انہیں ان کے بعض گناہوں کی۔اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں''۔(سورۂ مائدہ آیت ۴۹)

سازش کا ایک اور انداز

یہودیوں کا ایک وفد جس میں ابویاسر بن اخطب' نافع بن ابی نافع - عازر بن ابی عازر- خالد' زید' ازار بن ابی ازار اور شیع جیسے مغرور ومتکبر یہودی شامل تھے حضور انور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کن رسولوں پر اِیمان رکھتے ہیں۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے سورہ آل عمران کی آیت 84 پڑھ کر انہیں سنائی۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

ترجمہ''کہہ دو ہم اِیمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف جو اُتارا گیا ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر اِیمان لانے میں اور ہم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمانبردار ہیں''۔(سورۂ آل عمران:۸۴)

انبیاء کے اسماء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سن کر وہ جل بھن گئے اور کہنے لگے۔

''کہ نہ ہم عیسیٰ بن مریم پر اِیمان رکھتے ہیں اور نہ اس پر اِیمان لانے کے لیے تیار ہیں جو عیسیٰ کو نبی مانتا ہے''

ان کا مدعا یہ تھا کہ آپ پر اِیمان نہیں لائیں گے کیونکہ آپ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ انبیاء کی فہرست سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام خارج کردیں تو پھر ہم آپ پر اِیمان لانے کے لیے تیار ہیں۔ان کی سابقہ بچگانہ سازشوں کی طرح اِن کی یہ احمقانہ سازش بھی ناکام رہی۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے سورۂ مائدہ آیت 59 کے اس فرمان نے ان کی رہی سہی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ○

ترجمہ:''آپ فرمایئے اے اہلِ کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم اِیمان

لائے اللہ کے ساتھ اور جو اُتارا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ اکثر تم میں سے فاسق ہیں''۔ (سورۂ مائدہ آیت ۵۹)

بڑے منافقین کا گروہ

یہود کی اسلام دشمنی کا ایک سرسری جائزہ آپ نے پڑھا۔ ان کی شرارتوں' دِل آزاریوں' فتنہ انگیزیوں کا صرف ایک روپ نہ تھا بلکہ جس رنگ میں بھی وہ اِسلام کو نقصان پہنچا سکتے وہ اس رنگ کو اختیار کرنے میں جھجک محسوس نہ کرتے۔ مذہبی اور اِخلاقی اقدار یا معاہدوں کے پاس انہیں اس سے باز نہ رکھ سکتا تھا۔ ایک ہی جنون تھا جس میں وہ مبتلا تھے ایک ہی خبط تھا جو ان کے قلوب و اذہان پر سوار تھا۔ ایک ہی مقصد تھا جس کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے جملہ مادی وسائل' اپنی جانوں بلکہ اپنے دِین اور عقیدہ کو داؤ پر لگا رکھا تھا۔ وہ اِسلام کو ہر قیمت پر نقصان' پہنچانے کے لیے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ان میں سے کئی ایسے اکابر تھے جنہوں نے منافقت کا جامہ زیب تن کر لیا اور بظاہر اِسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان بھی لے آئے تھے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا اور پکا مسلمان ظاہر کرتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ مارِ آستین بن کر مسلمان کو ڈسیں۔ ان کی صفوں میں داخل ہو کر ان کے شیرازہ کو منتشر کریں۔ ملت مسلمہ کے لئے یہ کھلے کافروں سے بھی زیادہ خطرناک دشمن تھے قرآن کریم کی صدہا آیات ان کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ یعنی ان کی فتنہ پردازیوں سے نیک دِل اور سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا۔

ان کا طریقہ کار یہ تھا وہ مسجد میں حاضر ہوتے۔ مسلمانوں کی باتیں سنتے پھر ان پر پھبتیاں کستے اور ان کے دِین کا مذاق اڑاتے۔ اور جب بھی انہیں موقع ملتا ذات پاک حبیب کبریاء ﷺ کو ہدفِ تنقید بناتے۔ کبھی حضور پُرنور ﷺ کے علم پر اعتراض کرتے' کبھی دینی تعلیمات پر اِعتراض کرتے اور کبھی مسلمانوں کی غربت اور افلاس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے۔

سیرت نگار حضرات نے ان کے اسماء اور ان کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے علامہ ابن کثیر کی سیرت سے چند ایک کے بارے میں کچھ معلومات ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

زید بن الصلت

منافقین کے سرداروں میں سے ایک کا نام زید بن الصلت تھا۔ ایک دفعہ حضور پُرنور سرورِ دوعالم ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ اس نے جھٹ زبان طعن دراز کی' کہنے لگا محمد ﷺ یوں تو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان کی خبر رہتی ہے اور اِتنا علم بھی نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔ عالم خفا و غیوب' مخبر صادق' سرورِ دوعالم ﷺ نے جب اس کی یہ بات سنی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

''بخدا! میں اس چیز کو جانتا ہوں جس کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ

نے مجھے اونٹنی کے بارے میں بتا دیا ہے کہ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اس کی نکیل ایک درخت کی ٹہنی کے ساتھ اُلجھ گئی ہے اور وہ وہاں رکی ہوئی ہے''۔

چند مسلمان اس وادی میں گئے اس اونٹنی کو اسی حالت میں دیکھا جس طرح حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا:

بڑے منافقین کے نام

منافقین میں جو مشہور تھے ان میں نعمان بن اوفی۔ عثمان بن اوفی۔ رافع بن حریملہ بہت مشہور تھے۔ جب وہ مرا تو حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''آج ایک بڑا منافق ہلاک ہو گیا ہے''۔

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سخت آندھی چلی حضور ﷺ نے فرمایا:

''ایک بہت بڑا کافر منافق مرا ہے اس لیے یہ آندھی چلی ہے''۔

جب مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس روز منافق فاعہ ہلاک ہوا تھا۔

منافق مسجد سے باہر

ایک روز یہ لوگ مسجد شریف میں جمع ہوئے اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں دیکھا کہ وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ بول رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو کان سے پکڑ کر دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنے ہم قبیلہ عمرو بن قیس کو اس کے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے کر گئے اور اسے مسجد سے باہر کر دیا وہ ملعون کہہ رہا تھا۔ اے ابوایوب! کیا تم مجھے بنی ثعلبہ کے مربد سے باہر نکال رہے ہو۔ یہ وہ شخص تھا جو عہد جاہلیت میں بنی نجار کے بتوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا اس کو باہر پھینکنے کے بعد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ایک دوسرے منافق رافع بن ربیعہ النجار کی طرف متوجہ ہوئے یہ بھی ان کے قبیلہ کا فرد تھا اور اس کی چادر سے اس کو گھسیٹا اور اس کے چہرے پر خوب طمانچے مارے اور اس کو مسجد سے نکال دیا۔ آپ اسے کہہ رہے تھے۔ اے خبیث منافق تجھ پر ہلاکت ہو۔

ایک دوسرے صحابی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو منافق کی طرف لپکے۔ اس کی بڑی لمبی داڑھی تھی' اس کی داڑھی پکڑ لی' پھر اس کو سختی سے کھینچتے ہوئے لے گئے اور مسجد سے باہر نکال دیا۔ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کے سینے میں دھکا دیا' وہ منہ کے بل گر پڑا وہ کہہ رہا تھا۔ اے عمارہ! تو نے مجھے زخمی کر دیا حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے منافق! اللہ تجھے ہلاک کرے۔ جو عذاب اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرے لیے کر رکھا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ خبر دار! آج کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا''۔

ایک اور صحابی ابومحمد مسعود ابن اوس رضی اللہ عنہ جو بدری تھے وہ قیس بن عمرو بن سہل' منافق پر جھپٹے۔ وہ نوجوان تھا اور منافقوں میں یہی ایک نوجوان تھا اس کے علاوہ سارے بوڑھے تھے۔ آپ نے اس کو پیچھے سے دھکے دیتے ہوئے مسجد سے باہر نکال دیا۔

بنی خدرہ سے ایک مسلمان کھڑا ہوا وہ حارث بن عمرو منافق پر جھپٹا۔ اس کے سر پر بڑے خوبصورت بالوں کا گچھا تھا۔ اس بالوں کے گچھے سے اسے پکڑا اور زمین پر اسے سختی سے گھسیٹتے ہوئے لے گیا اور مسجد سے باہر نکل دیا۔ حارث نے کہا: تم نے مجھ پر بڑی سختی کی ہے اس مسلمان نے جواب دیا اے اللہ کے دشمن! تم اسی کے سزا وار تھے۔ تو پلید ہے' آج کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے قریب ہرگز نہ آنا۔

بنی عمرو بن عوف کا ایک شخص اپنے بھائی زُوی بن الحارث منافق کی طرف گیا اور بڑی شدت سے دھکے دیتے ہوئے ملامت کرتے ہوئے اس کو مسجد سے نکال دیا۔ اسے کہا کہ شیطان نے تجھ پر غلبہ پالیا ہے اور تو اس کا بندہ بے دام بن کر رہ گیا ہے۔

منافقین کا گروہ اپنی عیاری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی دِل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اور رات دِن مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اِسلام کو ناکام بنانے کے لیے سوچ بچار میں غرق رہتے تھے۔ ان کے تفصیلی حالات اپنے اپنے موقع پر بیان کیے جائیں گے۔

اوس خزرج کے منافقین

ان دو قبائل نے اِسلام کی سربلندی کے لیے جس بے مثال کردار کا مظاہرہ کیا' جس مالی ایثار اور جانی قربانیوں کا نذرانہ بارگاہِ ربّ العزت میں پیش کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے ان کو انصار کے معزز لقب سے ملقب کیا۔ لیکن ان میں بھی چند ایسے ازلی بدبخت تھے جنھوں نے بظاہر اِسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے باطن کفر و شرک کی عفونتوں گندگیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند بدنصیبوں کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔

درج ذیل میں قبیلہ اوس کے ان تین

۱- جلاس بن سوید بن الصامت

۲- نبتل بن حارث

۳- ابو عامر

اور قبیلہ خزرج کے صرف ایک منافق

۱- عبداللہ بن ابی بن سلول

جو کہ رئیس المنافقین یعنی منافقوں کا سردار کا ذکر کیا جائے گا۔

جہاں قبیلہ بتانا بھی مقصود ہو تو وہاں قبیلہ اوس والوں کے ساتھ ''اوسی'' اور قبیلہ خزرج والوں کے نام کے ساتھ ''خزرجی'' لکھ دینا چاہیے۔

جلاس بن سوید بن الصامت (اوسی)

یہ منافقین کا سرغنہ تھا۔ جنگ تبوک میں اس نے شرکت نہیں کی بلکہ گھر بیٹھا رہا۔ اور اس نے کہا تھا۔
''اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں''

اس کی بیوی کا بیٹا حمیر بن سعد' سچا مسلمان تھا۔ اس کے باپ کے فوت ہونے کے بعد اس کی ماں نے جلاس سے نکاح کیا تھا۔ حضرت حمیر رضی اللہ عنہ نے جب جلاس کی یہ بیہودہ بات سنی۔ تو اس نے کہا: بخدا اے جلاس! تو میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اور سب سے زیادہ میرے نزدیک معزز ہے اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے اِنتہائی صدمہ ہوتا ہے۔ لیکن آج تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں نبی کریم ﷺ تک یہ بات پہنچاؤں تو تم رُسوا ہو جاؤ گے اور اگر میں خاموش رہتا ہوں تو میرا دِین غارت ہو جاتا ہے۔ تیرا رسوا ہونا مجھے گوارا ہے لیکن میں اپنے دِین کو برباد نہیں کر سکتا۔ حضرت حمیر رضی اللہ عنہ گیا اور حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جلاس نے جو کہا: اس کے بارے میں عرض کر دی۔ جلاس سے جب باز پرس کی گئی تو اس نے قسم اُٹھا دی کہ میں نے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کہی' حمیر نے مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت ۷۴ نازل فرما کر اس کا پردۂ چاک کر دیا۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۗ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (سورۂ توبہ آیت ۷۴)

ترجمہ ''(منافق) قسمیں اُٹھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اِسلام لانے کے بعد۔ اور انہوں نے اِرادہ کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے اور نہیں غمگین ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہو گا ان کے لیے''۔

نبتل بن حارث (اوسی)

اسی قبیلہ کا ایک اور شخص نبتل بن حارث تھا۔ اس نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کرتے ہوئے کہا تھا:
''کہ محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں ہر شخص کی بات مان لیتے ہیں''۔
اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی گوارانہ ہوئی فوراً سورہ توبہ کی آیت کریمہ 61 نازل فرمائی
وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
ترجمہ''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو اپنی (بدزبانی) سے اذیت دیتے ہیں نبی کریم اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے جو لوگ دُکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ (سورۂ توبہ آیت ۶۱)
اسی کے بارے میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم رحمتِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:
''جو شخص شیطان کو دیکھنا پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے''۔
اس کا جسم بھاری بھر کم تھا' قد لمبا' رنگت سیاہ تھی بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں سرخ تھیں۔ ایک بار جبرئیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے پاس ایک شخص آکر بیٹھتا ہے فربہ جسم' پراگندہ مو' زرد چہرہ' سرخ آنکھیں- گویا تانبے کی دو ہانڈیاں ہیں اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ آپ کی باتیں سن کر منافقوں کو جاکر بتاتا ہے اس سے محتاط رہیے۔ (الاکتفاء جلد ا صفحہ ۴۷۸)

ابوعامر فاسق (اوسی)

اس نے زمانہ جہالت میں ہی رہبانیت اِختیار کر لی تھی اور کمبل کا لباس پہنا کرتا تھا لوگ اس کے تارک الدنیا ہونے کی وجہ سے بڑی عزت اور احترام کیا کرتے تھے۔ پیغمبر اوّل وآخر واعظم نبی رحمت ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اس کی ساری قوم نے اِسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس نے اپنے لیے کفر کو پسند کیا۔ ایک دِن حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ کون سا دِین ہے جسے لے کر آپ آئے ہیں۔
پیغمبر اوّل وآخر واعظم رحمتِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میں ابراہیم علیہ السلام کے دِین حنیف کو لے کر آیا ہوں۔ وہ کہنے لگا دِین ابراہیمی پر تو میں ہوں۔ حضور نے فرمایا: تو اس دِین پر نہیں ہے۔ وہ بولا محمد (ﷺ) آپ نے اس دِین حنیف میں ایسی چیزیں داخل کر دی ہیں جن کا اس دِین سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ حضور انور سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میں نے کوئی غیر چیز اس میں داخل نہیں کی۔ میں نے اس کو ساری آلائشوں سے پاک صاف کر کے پیش کیا ہے۔

اس پر اس بد بخت کی زبان سے نکلا۔

''کہ جھوٹے کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اہل وعیال سے دور غریب الوطنی میں تنہا موت دے''۔

اس کا اشارہ سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف تھا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک جو جھوٹ بولتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ساتھ یہی سلوک کرے''۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ کچھ عرصہ بعد اپنے دس پندرہ عقیدت مندوں کو لے کر وہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر مکہ چلا گیا۔

پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو راہب نہ کہا کرو بلکہ فاسق کہا کرو۔

کچھ عرصہ بعد جب مکہ مکرمہ پر اِسلام کا پرچم لہرا دیا گیا تو ابو عامر فاسق وہاں سے بھاگ کر طائف پہنچا۔ جب اہل طائف نے اِسلام قبول کر لیا تو وہاں سے بھاگ کر شام چلا گیا۔ وہاں ہی اپنے اہل وعیال سے دور غریب الوطنی میں کسمپرسی کی حالت میں ہلاک ہو گیا۔ اور جو دُعا خود اس نے مانگی تھی جس پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے آمین فرمائی تھی، وہ قبول ہوئی۔ اور دُنیا کو معلوم ہو گیا کہ جھوٹا کون ہے تارك الدنیا ہونے کی وجہ سے جو عزت اور احترام لوگوں کے دِلوں میں اس کے بارے میں پیدا ہوا تھا وہ اس کے لیے حجاب ثابت ہوا۔ اور اِسلام کی نعمت سے محرومی کا باعث بنا۔ (الاکتفاء جلد ا صفحہ ۴۸۲)

عبداللہ بن اُبی بن سلول (خزرجی)

عبداللہ بن ابی بن سلول، جو رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہے وہ اسی قبیلہ کا ایک بد بخت اور بد نصیب فرد ہے۔ یہ بلند قامت، وجیہ اور با اثر شخصیت کا مالک تھا۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں نے اس کی سیادت (سرداری، بزرگی) کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اسے اپنا متفقہ حکمران بنانا چاہتے تھے۔ زرگر کو کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے ایک تاج بنائے تاکہ ایک تقریب میں اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جائے۔ اسی اثناء میں مطلع نبوت و ہدایت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا جس کے نور سے لوگوں کے قلوب واذہان روشن ہو گئے۔ اور عبداللہ بن ابی کی بادشاہی کے اعلان کے لیے جو تقریب منعقد ہونے والی تھی وہ ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دی گئی۔ اس سے اس کو انتہائی صدمہ پہنچا تھا۔ اس کے سارے قبیلہ نے کیونکہ اِسلام قبول کر لیا تھا اس لیے اس نے بھی مجبوراً اِسلام قبول کیا لیکن اس کے دِل میں حسد کی آگ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر یہی وہ بد بخت آدمی تھا جس نے یہ کہا تھا۔

''منافق نے کہا کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا ذکر سورۂ منافقون کی آیت 8 میں یوں فرمایا ہے:

يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو۔ (سورۂ منافقون آیت ۸)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ جس گدھے پر حضور ﷺ سوار تھے اس پر زین کسی ہوئی تھی اور اس پر فدک کا بنا ہوا ایک کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ اور اس کی باگ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھی اور حضور نے مجھے اپنے پیچھے سوار کیا ہوا تھا۔ سرکار دوعالم ﷺ عبداللہ بن اُبی کے پاس سے گزرے اس کے اِردگرد اس کے قبیلہ کے چند آدمی بیٹھے تھے۔ حضور پُرنور ﷺ نے جب اسے دیکھا تو یونہی گزر جانا مناسب خیال نہ فرمایا بلکہ اپنی سواری سے اترے اور اسے سلام فرمایا اور اس کے پاس کچھ وقت کے لیے بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں حضور انور رحمتِ دوعالم ﷺ نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دعوت دی اس کے ذکر کی تلقین کی۔ پھر نافرانی سے ڈرایا۔ بشارتیں دیں۔ اور عذابِ الٰہی سے خبردار کیا۔

عبداللہ بن ابی بن سلول چپ چاپ گم صم ہو کر بیٹھا رہا۔ رسول کریم ﷺ جب اپنے اِرشادات سے فارغ ہوئے تو عبداللہ بن ابی نے کہا:

''اے جناب! آپ کی یہ بات اگرچہ حق ہے لیکن گفتگو کا یہ طریقہ پسند نہیں۔ آپ اپنے گھر میں بیٹھیں جو شخص آپ کے پاس آئے اسے آپ اپنی بات سنائیں اور جو شخص آپ کے پاس نہ آئے اس کے ہاں جا کر نہ گھسیں اور اس کی مجلس میں جا کر اسے ایسی بات نہ سنائیں جس کو وہ پسند نہیں کرتا''۔

حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اس کی اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور عرض کی:

''آپ بصد شوق ہمارے ہاں تشریف لائیں ہماری مجلسوں میں قدم رنجہ فرمائیں ہمارے گھروں اور مکانوں کو اپنی آمد سے شرف بخشیں۔ بخدا یہ ایسی چیز ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری عزت افزائی کی ہے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشی ہے''۔

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ وہاں سے اُٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ اللہ کے دُشمن نے جو بات کہی تھی اس کی ناگواری کا اثر رُخ انور پر نمایاں تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو عرض کی' یارسول اللہ! مجھے حضور پُرنور کے رُخِ اقدس پر ناگواری کے آثار نظر آرہے ہیں شاید حضور ﷺ نے کوئی ایسی بات سنی ہے جو حضور ﷺ کو ناپسند ہے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک' پھر ابن ابی کی بات آپ نے سنائی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ!

اس بات پر رنجیدہ نہ ہوں بخدا! اللہ تبارک وتعالیٰ حضور ﷺ کو ہمارے پاس لے آیا' اس سے پہلے تو ہم اس کی تاج پوشی کے لیے تاج بنوار ہے تھے۔ وہ دیکھتا ہے کہ حضور نے اس سے اس کی بادشاہی چھین لی ہے اس لیے وہ پیچ وتاب کھاتا ہے اور ایسی ناشائستہ باتیں کرتا ہے۔ (الاکتفا جلد اصفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۳)

یہودی اچھے بھی تھے

ایک ایسے خوش قسمت نیک دِل یہودی کا ماجرا جس کے دِل میں اِیمان واحترام تو تھا لیکن اس ایمان و احترام کا اِعلان وہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی صفتِ بردباری' صبر وتحمل' قوت برداشت وحلیمی کو دیکھ کر کرنا چاہتا تھا۔ دیکھیں اس مشاہدہ کے حصول کے لیے اس نے کیا انداز اپنایا اور مخبر صادق حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے وہی باتیں (فرمان) سنیں جو وہ سننا چاہتا تھا۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں امام زہری سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ایک یہودی نے تورات میں موجود آپ ﷺ کی صفات پڑھ رکھی تھیں۔ اس نے مذکورہ صفحات کے حوالہ سے بغور جائزہ لیا' ہر صفت بہ تمام وکمال موجود تھی' لیکن وہ بردباری کا مشاہدہ نہ کر سکا تھا۔ اس نے اس صفت کو آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ یہودی خود بیان کرتا تھا۔

''میں نے حضور انور نبی کریم ﷺ کو تیس دینار دینار اُدھار دیئے اور مدت بھی مقرر کردی''۔

دِن گزرتے رہے جب مدت ختم ہونے میں ایک دِن باقی رہ گیا تو دِل میں بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق دانستہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور سخت لہجے میں کہا:

''اے محمد ﷺ! میرا قرض ادا کیجئے کیونکہ آپ اولادِ عبدالمطلب بہت ٹال مٹول کرنے والے لوگ ہیں''۔

عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے ادب شعار حاضرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کھردرا اندازِ تخاطب بہت برا لگا۔ حضرت فاروقِ اعظم حسبِ معمول غصے کو ضبط نہ کر سکے اور سخت جلال میں آ کر یہودی سے مخاطب ہوئے۔

''او خبیث یہودی! اگر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ادب مانع نہ ہوتا تو ابھی تیرا یہ سر جدا کر دیتا جس میں دو آنکھیں چمک رہی ہیں''۔

لیکن پیکر حلم وعلم نبی ﷺ نہایت سکون وقرار سے بیٹھے رہے۔ یہودی کی طعن آمیز گفتگو سے آپ کو بالکل غصہ نہ آیا۔ حسبِ معمول ضبط وتحمل اور وقار کے ساتھ تشریف فرما رہے اور اُلٹا حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''اے عمر! ہمیں تم سے کسی اور سلوک کی توقع تھی۔ وہ شخص قرض خواہ ہے اسے ہر انداز اپنانے کا حق

پہنچتا ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ ہمیں ادائیگی قرض کی تلقین کرتے اور اسے سمجھاتے کہ اس انداز سے مطالبہ نہیں کیا کرتے"۔

اب جاؤ جا کر اس کا قرض ادا کرو اور کچھ زائد بھی دو اور اس کا جو بھی مطالبہ ہو وہ پورا کرو۔ یہودی اس موقعہ پر اپنے تاثرات بیان کرتا ہے۔

"میری بدتمیزی اور ڈھٹائی سے نبی اکرم ﷺ کے حلم میں اور اضافہ ہوا"

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر گئے اور حکم کے مطابق قرض ادا کر دیا اور کچھ زائد بھی دیا۔ میں یہ صورت حال دیکھ کر بے ساختہ چلا اُٹھا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اے عمر! جو کچھ میں نے کہا: اس پر مجھے اُبھارنے والی یہ بات تھی کہ میں نے تمام صفات سرور دو عالم ﷺ کی ذات میں دیکھ لی تھیں لیکن حلم والی صفت کا جائزہ نہیں لیا تھا' سو وہ آج آزما لیا اور بالکل تورات کے مطابق پایا"۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے

قارئین کرام! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دِین حق کی تلاش میں ہی یثرت پہنچے تھے۔ سن ۱ ہجری میں انہوں نے پہلی فرصت میں خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور ایمان لے آئے۔ لیکن یہودی مالک کی غلامی سے چودہ پندرہ سال بعد آزادی ملی۔ آپ کے حالاتِ زندگی بہت ایمان افروز ہیں۔ تلاش راہِ حق میں لٹنا' بکنا' غلامی اور بہت لمبے لمبے طویل سفر کرنا آپ کا خاصہ ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی پہلے تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں اب موقع محل کی وجہ سے مختصراً بیان ہے۔

سن ۱ ہجری کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اِسلام لانے کا واقعہ بہت اہم ہے۔ یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کے آباؤ اجداد بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی' (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دِین سے بیزار ہو کر دِینِ حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے مگر ڈاکوؤں نے' برے لوگوں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا۔ پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکے' لٹے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح بکتے' لٹتے' غلامی کرتے ہوئے یہ یثرب پہنچے۔ کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہے اس طرح ان کو توریت و انجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور ﷺ کی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو پہلے تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمتِ اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ "صدقہ" ہے۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے سے اُٹھا کر فقرا و مساکین کو دے دو کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر کچھ دنوں بعد کھجوروں کا خوان لے کر پہنچے اور یہ

کہہ کر کہ یہ ہدیہ ہے سامنے رکھ دیا' تو حضورِ انور ﷺ نے صحابہ کو ہاتھ بڑھانے کا اِشارہ فرمایا اور خود بھی کھالیا۔
اس درمیان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو "مہرِ نبوت" کو دیکھ لیا۔ چونکہ یہ تورات و انجیل میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لیے فوراً ہی اِسلام قبول کرلیا۔ (مدارج جلد ۲ ص ۷۱ وغیرہ)

تین جانثاروں کی وفات

قارئین کرام! اب یہاں پہلی سن ہجری میں انتقال فرما جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر دوبارہ کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ میں نے ان کے ذکر خیر کے بعد ولید بن مغیرہ کی اسلام دشمنی والے پیراگراف کو یہاں نقل کرنا تھا جس کا کوئی حوالہ درج نہیں ہے اور نہ ہی میں نے ان متبرک ہستیوں کے اِنتقال پُر ملال کے بعد ولید بن مغیرہ کی وفات کا ذکر کرنا تھا لیکن یہ میں نے اس لیے کر دیا کہ

تاریخِ اِسلام کے طالبِ علموں کو پتہ چلے کہ سرداران مشرکین مکہ اور کفارِ مکہ و عرب نے دِینِ اِسلام اور بانی دِینِ اِسلام کی کس شدت سے مخالفت کی ہے۔ اُنہیں دِینِ اِسلام کے پھیل جانے کا کس قدر غم و دُکھ تھا کہ مرتے وقت بھی اپنی اس مذموم خواہش کا اِظہار کرتے تھے کہ دِینِ اِسلام کو کسی قیمت پر پھلنے' پھولنے' پھیلنے نہ دینا۔

اِس سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین نہایت ہی مخلص' شاندار اور جانثار حضرات نے وفات پائی' جو اِسلام کے سچے جانثار' اور بہت ہی بڑے معاون و مددگار تھے۔

۱- حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ یہ وہ خوش نصیب یثرب مدینہ منورہ کے رہنے والے انصاری ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب ہجرت فرما کر "قبا" میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انہی کے مکان کو شرف نزول بخشا اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انہی کے مکان میں ٹھہرے تھے۔

۲- حضرت براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ یہ وہ شخص ہیں کہ "بیعت عقبہ ثانیہ" میں سب سے پہلے حضورِ انور نبی کریم ﷺ کے دستِ حق پر بیعت کی اور یہ اپنے قبیلہ "خزرج" کے نقیبوں میں سے تھے"۔

۳- حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ بیعت عقبہ اُولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی دونوں بیعتوں میں شامل رہے اور یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مدینہ میں اِسلام کا ڈنکا بجایا۔ اور ہر گھر میں اِسلام کا پیغام پہنچایا۔

جب مذکورہ بالا تینوں معززین صحابہ نے وفات پائی تو منافقین اور یہودیوں نے اس کی خوشی منائی اور حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو یہ صدمات کیوں پہنچاتا؟ خدا کی شان' اتفاق کی بات ہے کہ ٹھیک اسی زمانے میں کفار کے دو بہت ہی بڑے اور نامی گرامی سردار بھی مر گئے۔ ایک "عاص بن وائل سہمی" جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کا باپ

تھا۔ دوسرا ''ولید بن مغیرہ'' جو حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔

ولید بن مغیرہ کی اِسلام دُشمنی کی اِنتہا

روایت ہے کہ ''ولید بن مغیرہ'' جان کنی کے وقت بہت زیادہ بے چین ہو کر تڑپنے اور بے قرار ہو کر رونے لگا اور فریاد کرنے لگا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ چچا جان! آخر آپ کی بے قراری اور اس گریہ وزاری کی کیا وجہ ہے؟ تو ''ولید بن مغیرہ'' بولا کہ میرے بھتیجے! میں اس لیے اتنی بے قراری سے رو رہا ہوں کہ مجھے اب یہ ڈر ہے کہ میرے بعد مکہ میں محمد (ﷺ) کا دِین پھیل جائے گا! یہ سن کر ابوسفیان نے تسلی دی اور کہا کہ چچا! آپ ہرگز ہرگز اس کا غم نہ کریں میں ضامن ہوتا ہوں کہ میں دِینِ اِسلام کو مکہ میں نہیں پھیلنے دوں گا۔

چنانچہ ابوسفیان اپنے اس عہد پر اس طرح قائم رہے کہ مکہ فتح ہونے تک وہ برابر اِسلام کے خلافِ جنگ کرتے رہے، مگر فتح مکہ کے دِن ابوسفیان نے اِسلام قبول کر لیا اور پھر ایسے صادق الاسلام بن گئے کہ اِسلام کی نصرت وحمایت کے لیے زِندگی بھر جہاد کرتے رہے، اور ان ہی جہادوں میں کفار کے تیروں سے ان کی آنکھیں زخمی ہو گئیں اور روشنی جاتی رہی۔ یہی وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں جن کے سپوت بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کے دور تک فتوحات ہوتی رہیں اور دین اسلام تیزی سے پھیلتا رہا اور جو صدق دلی سے خلفائے راشدین کے طریقوں پر چلتے رہے اور کسی طرح سے بھی حکومتی معاملات چلانے میں انحراف نہ کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ صفحہ۳۷، وغیرہ)

کاروانِ عشق منزل کی طرف

قارئین کرام! درجِ ذیل میں آپ تھوڑے سے وہی حالات و واقعات مختصراً پڑھیں گے جو دینِ اسلام' تحریکِ دینِ اسلام یا تاریخِ اسلام کے ابتدائی سالوں میں وقوع پذیر ہوئے اور آپ انہیں تفصیل سے پڑھ آئے ہیں۔

ان کو یہاں مختصراً دوبارہ بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمان جب تعداد میں بہت قلیل تھے وہ اس وقت بھی اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھے۔ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر مشرکین و کفار سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹکرانے کا عزمِ صمیم رکھتے تھے لیکن وہ اپنے ہادیٔ و رہنما' اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ رسول' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ہادیٔ انس و جاں' رسول کائنات" خاتم النبیین' سیّد المرسلین رحمت العالمین حضور پُر نور ﷺ کی اجازت کے بغیر وہ کسی بھی معاملہ میں قدم نہ اُٹھاتے تھے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی حکمتِ عملی جو دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی حکمتِ عملی تھی' خدائی حکمتِ علمی تھی کیونکہ آپ ﷺ کا فرمانا' کرنا بلکہ آپ ﷺ کا سب کچھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمانے' چاہنے کے مطابق ہے۔ (سورۂ نجم آیات-۳ اور ۴) قیادتِ عظمیٰ ابھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس امر کی اجازت نہ دیتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمام صعوبتوں' روکاوٹوں' دُشواریوں سے گزرتے ہوئے کاروانِ دینِ اسلام کاروانِ عاشقانِ رسول' کاروانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' اپنی منزل کی طرف عجز و اِنکساری بردباری و حلیمی کے ساتھ دینِ متین کی تمام خوبیوں کو اپنے اردگرد' اپنے ماحول و دُنیا پہ آشکارا کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید و نصرت سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اب وقت آ رہا تھا کہ مشرکین و کفار کو اپنے وجود و ثبات کا احساس دلا دیا جائے اور انہیں یہ بتلا دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو اس قدر کمزور بھی نہ جانیں کہ انہیں بہ زور جبر و طاقت راہِ مستقیم سے ہٹا دیا جائے گا اور بالآخر انہیں

مٹا دیا جائے گا۔

بلکہ اپنے اعمال و کردار سے مشرکین و کفار کو یہ بھی بتا دینے کی ضرورت تھی کہ اگر تم تحریکِ دینِ اسلام کی راہ روکو گے تو ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ ہم تمہاری معاشی راہ روک دیں گے اور تمہاری شاہ رگ پر پاؤں رکھ دیں گے۔

اور اگر تم اس سے بھی سبق نہیں سیکھو گے اور مسلمانوں کو مجبور کرو گے' انہیں نیست و نابود کرنے کی باتیں اور ارادے ترک نہ کرو گے تو ہم مسلمان اپنے دین و ایمان کی خاطر' اپنے رسول کریم ہادیٔ انس و جاں ﷺ کی اتباع میں زندگی گزارنے کی خاطر تم سے ٹکرا جائیں گے۔ اس قوم میں پسپائی نہیں ہے۔ اس کے قدم ہر محاذ پر آگے ہی بڑھیں گے وہ میدانِ جنگ میں زخموں سے چور چور ہو کر لڑکھڑائیں گے تو ضرور لیکن جان کا نذرانہ دیتے ہوئے بھی' قفسِ عنصری سے روح نکلتے ہوئے بھی ان کے قدم آگے کی ہی طرف پڑیں گے۔

درج ذیل میں مختصراً گزشتہ حالات و واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ قارئینِ کرام کو کاروانِ عشقِ خدا' کاروانِ عاشقانِ رسول' کاروانِ تحریکِ دینِ اسلام' کاروان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے' اتباع رسول کریم ﷺ میں خالق و مالک کائنات کی متعین کردہ منزل کی طرف قدم بہ قدم خراماں خراماں بڑھتا ہوا نظر آئے۔

لات و منات' جن کی خدائی کا ڈنکا عرب میں صدیوں سے بج رہا تھا۔ ان کو حقارت سے ٹھکرا کر اللہ' رب العزت' رب ذوالجلال کی بارگاہ صمدیت میں سر بسجود ہونا کفر و شرک کے پرستاروں کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا۔ غلامان حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے یہی جرم سرزد ہوا تھا جس نے مکہ کے رئیسوں کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ ان لوگوں نے ایک خدا پر ایمان لا کر صرف ان رئیسوں کے خداؤں کا انکار ہی نہیں کیا تھا بلکہ ان کی سیادت' سرداری و حاکمیت کے خلاف علم و بغاوت بلند کر دیا تھا۔ سارا مکہ شدتِ غضب سے آتش کدہ نمرود کی طرح بھڑک اُٹھا تھا۔ انہوں نے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے اپنے اندھے بہرے خداؤں کی عظمت و جلال کی قسم کھائی تھی کہ وہ ان مسلمانوں کو ایسی اذیت ناک سزائیں دیں گے کہ ان کا دماغ درست ہو جائے گا اور وہ مجبور ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔

شمع توحید کے ان پروانوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا ان کے بارے میں آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ عام لوگوں پر جو مشق ستم کی جاتی اس کا تو ذکر ہی کیا۔ بڑے بڑے امیر اور رئیس خاندانوں میں سے اگر کوئی نوجوان باطل سے دل برداشتہ ہو کر حق کا دامن پکڑ لیتا تو اس کے بڑے بوڑھے اس پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے۔ خاندان بنو اُمیہ کے روشن چراغ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے چچا کا یہ معمول تھا کہ جانور کے کچے بدبودار چمڑے میں انہیں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتا۔ نیچے سے تپتی ہوئی ریت' اوپر سے عرب کے سورج کی آتشیں کرنیں۔ اس پر کچے چمڑے کی بدبو' اس ایک عذاب میں اس بڈھے نے بیسیوں پر عذابوں کو

یکجا کر دیا تھا۔ اس طرح اپنے سگے بھتیجے پر وہ دِل کی بھڑاس نکالتا پھر بھی دِل سیر نہ ہوتا۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ معاشرے کے مانے ہوئے صادق و امین تھے۔ ایک عالی مقام قبیلے سے تھے اور سب کے مونس غمخوار و مددگار تھے اس سب کچھ کے باوجود وہ بھی کفار و مشرکین کے ظلم و ستم جبر و تشدد سے مستثنیٰ نہ تھے۔ آوازے کسنا' پھبتیاں اڑانا' طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر دِل دکھانا' راستے میں کانٹے بچھانا' حرم پاک میں سجدہ کی حالت میں حضور کی مبارک گردن پر بدبودار اوجھ اُٹھا کر ڈال دینا۔ پھر اس پر خوش ہونا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوتے رہنا' یہ سرداران کفار و مشرکین کا روز کا معمول تھا۔ طائف کے راستوں میں حضور انور نبی کریم ﷺ پر جس بے دردی سے انہوں نے سنگ باری کی' شعب ابی طالب میں تین سال کی طویل مدت تک حضور پُر نور ﷺ اور حضور کے خاندان کا محاصرہ اور قطع تعلقات' ان کی روح فرسا تفصیلات پڑھ کر کون سا دِل ہے جو اشکبار نہ ہو جاتا ہوگا۔

جور و ستم کا یہ جانکاہ سلسلہ ہفتہ دو ہفتہ' یا سال دو سال تک جاری نہیں رہا۔ بلکہ پورے تیرہ سال بہت مشکل و صبر آزما حالات کا نبی رحمت ﷺ اور حضور کے صحابہ کرام کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ ظلم کرتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیارا رسول ﷺ اور اس کے اولوالعزم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ کبھی کوئی جوابی کارروائی نہیں کی' کبھی ان کی سنگدلی کے جواب میں تلخ بات تک نہیں کی۔ اِدھر سے جور و جفا کی اِنتہا ہو رہی تھی اور ادھر سے پیکرانِ تسلیم و رضا صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر انہیں برداشت کر رہے تھے۔

> ایک دفعہ حضرات عبدالرحمٰن بن عوف' مقداد بن اسود' قدامہ بن مظعون' سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جنہیں کفار مکہ طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:
>
> ''یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو ہم عزت و آبرو کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور جب سے ہم اِیمان لے آئے ہیں انہوں نے ہمیں ذلیل کر دیا ہے ہمیں ان سے جنگ کرنے کی اِجازت فرمائیے۔ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو' ابھی تک مجھے ان سے جنگ کرنے کی اِجازت نہیں ملی''۔ (السیرۃ النبویہ' احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۳۵۳)

کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو مشرکین زدوکوب سے زخمی کر دیتے تھے۔ ان کے سر پھٹے ہوتے تھے اور ہڈیاں ٹوٹی ہوتی تھیں وہ بھی کفار کے ان مظالم پر اِحتجاج کرتے ہوئے ان سے لڑائی کرنے کی اِجازت طلب کرتے تو حضور ﷺ انہیں فرماتے:

''صبر کرو ابھی مجھے جنگ کرنے کی اِجازت نہیں ملی''۔

جب اہل مکہ کے جبر و تشدد کی انتہا ہو گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اور آپ پر اِیمان لانے والوں کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی اِجازت دی۔ اسلام کے جاں نثاروں کو جیسے جیسے موقع ملتا رہا وہ چھپتے

چھپاتے ہجرت کر کے یثرب روانہ ہوتے رہے۔ انہیں خیال تھا کہ اپنے وطنِ عزیز' اپنے مال و متاع اپنے اہل و عیال کو پیچھے چھوڑ کر تین سو میل (480 کلومیٹر) دور واقع شہر یثرب میں پہنچ کر انہیں چین کا سانس لینا نصیب ہو گا اور وہ اپنے دِین و اِیمان کے مطابق امن و سکون کے ساتھ زِندگی بسر کر سکیں گے۔ مکہ سے دور چلے جانے سے اہل مکہ کے غضب و عناد کے مشتعل جذبات میں اعتدال رونما ہو گا اور وہ ان کے بارے میں اپنی موجودہ روش کو ترک کر دیں گے۔ لیکن صد حیف! کہ ایسا نہ ہوا۔

مشرکین کی دھمکیاں' بد اِرادے

اپنی سرداریوں' امارت و حاکمیت کے نشہ میں چور' جور و جفا' ظلم و ستم' تشدد و بربریت برپا کرنے والے سردارانِ مشرکین و کفار نے مکہ میں بیٹھ کر کر یثرب کے ان لوگوں سے اپنا رابطہ قائم کیا جو دِل سے مسلمانوں کے بدخواہ تھے۔ جن میں عبد اللہ بن ابی اور اس کے حواری' اور یہودی قبائل ایسے عناصر تھے جن کو وہ بآسانی مسلمانوں کے خلاف اِستعمال کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے دِل میں اِسلام کی عداوت کا جذبہ اپنے جوبن پر تھا جس کی وجہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے اس سے رابطہ قائم کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ایک حدیث مروی ہے جس کے مطالعہ سے ساری صورت حال آپ پر واضح ہو جائے گی۔

''امام زہری۔ عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے یہ روایت سنی کہ کفار قریش نے عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور اوس خزرج قبیلوں کے ان لوگوں کی طرف جو ابھی تک بت پرست تھے' یہ خط اس وقت لکھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے اور ابھی غزوۂ بدر نہیں ہوا تھا''۔

اُنہوں نے لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اور ہم اللہ کی قسم کھا کر تمہیں کہتے ہیں کہ یا تم ان سے جنگ کرو یا ان کو وہاں سے نکال دو' ورنہ ہم لشکر جرار لے کر تمہاری طرف کوچ کریں گے۔ تمہارے جنگ جو جوانوں کو تہ تیغ کر دیں گے تمہاری عورتوں کو اپنی لونڈیاں بنا لیں گے۔

جب یہ پیغام عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک حواریوں کو پہنچا تو انہوں نے باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ رسول ﷺ سے جنگ کریں گے۔

''اس کی اِطلاع جب حضور انور نبی کریم ﷺ کو ملی تو حضور ﷺ ان کو ملنے کے لیے ان کے پاس تشریف لے آئے اور انہیں فرمایا کہ اگر قریش کی دھمکی سے مرعوب ہو کر تم ہمارے ساتھ جنگ کرو گے۔ تو تمہیں زیادہ نقصان پہنچے گا بہ نسبت اس کے کہ تم اہل مکہ کے ساتھ جنگ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے رشتہ دار نہیں۔ تمہارے قبیلہ کے افراد نہیں ان سے لڑائی کے وقت تم انہیں قتل کرو گے تو تم اغیار کو قتل کرو گے۔ لیکن اگر ہمارے ساتھ جنگ کرو گے تو تمہیں اپنے بیٹوں' اپنے بھائیوں اور اپنے عزیز و اقارب جو مسلمان ہو چکے ہیں ان سے جنگ کرنا پڑے گی

اور اس طرح تم اپنے بیٹوں بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے۔ تم خود سوچ لو کہ تمہارے لیے کون سا راستہ بہتر ہے۔ اس اِرشادِ نبوی کا ایسا اثر ہو کہ وہ سب لوگ منتشر ہو گئے''۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۷)

اور یوں یہود کا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ اہلِ مکہ نے تو یثرب کے اِسلام دُشمن عناصر سے ساز باز کر کے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ اگر رحمت دو عالم ﷺ موقع پر پہنچ کر اپنے کلام پر اثر' فرمانِ مبارک سے ان پر حقیقت کو آشکارانہ کرتے تو کسی وقت بھی وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔

قریشِ مکہ نے اس ناکامی پر بس نہیں کی بلکہ ان کے فتنہ پرور' کینہ پرور سرداروں نے ایک اور خطرناک چال چلی۔ انہیں معلوم تھا کہ یہود کی ایک کثیر تعداد وہاں سکونت پذیر ہے علمی اور معاشی لحاظ سے ان کو یثرب کے معاشرہ میں ایک اہم مقام حاصل ہے اور وہ بھی دِل سے مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی اِسلام دُشمنی سے فائدہ اُٹھانے کے لیے انہوں نے یثرب کے یہودی قبائل سے رابطہ قائم کیا اور انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں اور انہیں وہاں سے نکل جانے پر مجبور کریں۔

مشرکین مکہ یا قریش کی دھمکیوں کے بارے میں مزید یہ کہ:

قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا (اپنا یہ پیغامِ دھمکی پہنچایا) کہ مسلمانوں تم مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب ہی میں پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ (رحمۃ العالمین جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

اور یہ محض دھمکی بھی نہ تھی بلکہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو اپنے موکد اور معتبر ذرائع سے کفار مکہ کی چالوں اور برے ارادوں کا علم ہو گیا تھا اور پھر آپ ﷺ یا تو رات جاگ کر گزارتے تھے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے پہرے میں سوتے تھے۔

اس ضمن میں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مدینہ (یثرب) آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا کاش آج رات میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا''۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سنائی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے؟ جواب آیا' سعد بن ابی وقاص۔ فرمایا کیسے آنا ہوا؟ سعد بولے میرے دِل میں آپ ﷺ کے متعلق خطرے کا اندیشہ ہوا تو میں آپ کے یہاں پہرہ دینے آ گیا۔ اس پر حضور پُر نور ﷺ نے انہیں دُعا دی۔ پھر سو گئے۔ (مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۸۰' صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۰۴)

یہ بھی یاد رہے کہ پہرے کا یہ اِنتظام چند راتوں کے لیے نہ تھا بلکہ مسلسل اور دائمی تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے پہرہ دیا جاتا یہاں تک کہ سورہ حجر کی آیت 95 نازل ہوئی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ؎

ترجمہ: ''ہم تمہیں ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے لئے' جو تم سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں' کافی

ہیں''۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ

''اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا'' تب رسول اللہ ﷺ نے قبے سے سر مبارک نکالا اور فرمایا: لوگو واپس جاؤ۔ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کردیا ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۳۰)

اور پھر یہ خطرہ صرف حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ سارے ہی مسلمانوں کو لاحق تھا۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور انور نبی کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء (آپ کے ساتھی صحابہ کرام) مدینہ تشریف لائے اور انصار مدینہ نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی تو سارا عرب ان کے خلاف متحد ہوگیا۔ اس لیے انہیں مسلسل خطرہ تھا۔ جس کے پیش نظر یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔

مشرکینِ مکہ کو کسی طرح قبول نہ تھا کہ مسلمان کہیں بھی آرام وسکون سے رہ سکیں، وہ اپنے دِین کو فروغ دے سکیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرسکیں اور یوں ان کی تعداد وقوت میں اضافہ ہو۔ انہیں اپنی امارت، خوشحالی حاکیت، سرداریوں، اور افرادی قوت کا زعم تھا جن کے سبب وہ اس خام خیالی میں مگن تھے کہ وہ جب چاہیں گے تحریک دِین اِسلام کو، مسلمانوں کو ختم کردیں گے۔ اور اسی زعم وخام خیالی کے سبب وہ وقتاً فوقتاً ایسی خطرناک دھمکیاں انفرادی اور اجتماعی لیول پر دیتے رہتے تھے۔ کفار مکہ کو اس پہلو میں بھی (کہ وہ یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیں گے اور انہی کے ہاتھوں مدینہ سے نکلوا دیں گے، انہیں ختم کردیں گے) ناکامیاں ہورہی تھیں لیکن ان ناکامیوں کے باوجود ان کی اِسلام دُشمنی میں کمی نہیں آئی اور انہوں نے مسلمانوں کو براہِ راست یہ دھمکی آمیز خط لکھا۔

''مسلمانو! تم خوش نہ ہو کہ تم ہمارے چنگل سے نکل کر وہاں پہنچ گئے جہاں تم آزادی سے زِندگی بسر کرسکتے ہو۔ یادرکھو ہم تمہاری بستی پر چڑھائی کریں گے اور تم میں سے کسی کو زِندہ نہیں چھوڑیں گے سب کو تہ تیغ کرکے رہیں گے''۔

اور ان کی یہ دھمکیاں جو بلاشبہ اعلانِ جنگ تھیں خفیہ طور پر نہیں تھیں بلکہ وہ کھلے عام اپنے ان جذبات اور خیالات کا اِظہار کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ گئے اور انہوں نے امیہ بن خلف کے پاس جا کر قیام کیا۔ یہ دونوں باہم دیرینہ دوست تھے۔ امیہ جب سفر تجارت پر جاتا اور اس کا گزر مدینہ سے ہوتا تو وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا کرتا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ آتے تو اُمیہ کے ہاں آکر قیام کرتے۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ آئے اور حسب سابق اُمیہ کے مہمان بنے۔ ایک دِن آپ نے اُمیہ کو کہا: ''کوئی ایسا وقت تجویز کرو جب حرم میں زیادہ

بھیڑ نہ ہو تا کہ میں بیت اللہ کا طواف کرلوں' اُمیہ دوپہر کے وقت انہیں لے کر حرم شریف گیا وہاں ابوجہل نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ اس نے اُمیہ سے پوچھا اے ابا صفوان! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا یہ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل ان کا نام سن کر جل گیا کہنے لگا۔

''میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم مکہ میں امن کے ساتھ طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے ان بے دینوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ بوقت ضرورت تم ان کی امداد کرو گے' تم ان کی اعانت کرو گے۔ خدا کی قسم! اگر تم ابوصفوان یعنی اُمیہ کے ہمراہ نہ ہوتے تو تم زِندہ اپنے گھر واپس نہ جاسکتے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی مرعوب ہونے والے نہ تھے آپ نے بلند آواز سے ابوجہل کو کہا: اگر تم مجھے کعبہ کا طواف کرنے سے روکو گے بخدا میں تمہیں اس چیز سے روکوں گا جو تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی یعنی مدینہ سے تمہارا راستہ بند کر دوں گا۔

اُمیہ پاس کھڑا یہ گفتگو سن رہا تھا جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو بلند آواز سے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو وہ کہنے لگا۔

''اے سعد! ابوالحکم کو بلند آواز سے جواب نہ دو۔ وہ اس ساری وادی کے باشندوں کا سردار ہے''

حضرت سعد نے جوش سے جواب دیا:

''اے اُمیہ ایسی باتیں رہنے دو۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ تمہیں قتل کر دیں گے''

اس نے پوچھا کیا مکہ میں؟ حضرت سعد نے کہا: مجھے اس بات کا علم نہیں۔

یہ سن کر اُمیہ کے حواس باختہ ہو گئے' اپنے گھر آیا۔ اور اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ اے صفوان کی ماں! تم نے سنا جو میرے بارے میں سعد بن معاذ نے کہا؟ اس نے پوچھا؟ اس نے تمہارے میں کیا کہا ہے؟ امیہ نے بتایا ہے کہ محمد (ﷺ) نے انہیں بتایا کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ بخدا! میں آج کے بعد مکہ سے باہر نہیں نکلوں گا۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۴' ۳۸۵)

ان حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے؟ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ کس طرح مخالفت کی تند آندھیاں اُٹھتی ہیں اور شمع اِسلام کو گل کر کے چلی جاتی ہیں۔ کس طرح طوفان اُمڈ کر آتے ہیں اور ان کے گلشن آرزو کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ مسلمان اس طبیعت کے لوگ نہ تھے۔ انہیں زِندہ رہنا تھا صرف اپنے لیے نہیں بلکہ ساری گم کردہ راہ (بھٹکی ہوئی) اولادِ آدم کے لیے۔ تا کہ دُنیا کا گوشہ گوشہ نورِ محمدی سے منور ہو جائے۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حضور انور نبی کریم رحمت العالمین ﷺ نے ضروری اقدامات

فرمائے۔ سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں آباد مختلف قبائل اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو ایک دستور کا پابند کر کے کمال حکمت سے اندرونی اضطراب پر قابو پانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ اس کے بعد کفار مکہ کو ان کے معاندانہ روّیہ سے باز رکھنے اِسلام اور اہل اِسلام کے خلاف انہیں سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے روکنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اس کا آسان اور مؤثر طریقہ یہ تھا کہ ان کی تجارتی شاہرہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے۔ جو بحراحمر کے کنارے کنارے یمن سے شام کی طرف جاتی تھی۔ جس پر اہل مکہ اہل طائف اور دوسرے قبائل کے تجارتی کارواں اپنا بیش قیمت سامان لے کر جاتے تھے۔ مال تجارت سے لدے ہوئے دو دو ہزار اونٹوں کے قافلے بیک وقت چلتے تھے۔ مشہور مستشرق سپرنجر کے اندازہ کے مطابق اڑھائی لاکھ پونڈ کی سالانہ تجارت تو صرف اہل مکہ کی تھی اور ان کی تمام تر معیشت اور خوشحالی کا انحصار اسی پر تھا۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جہینہ' بنی صبرہ' بنی مدلج وغیرہ قبائل سے دوستی کے معاہدہ کیے جو اس شاہرہ اس کے اردگرد سکونت پذیر تھے اور مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کی صورت میں قریش ان قبائل کو اور ان کے وسائل کو اہل اِسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ ان قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد کفار مکہ کو مرعوب کرنے اور ان کو بالادستی کا احساس دلانے کے لیے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ گاہے گاہے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔

یہ ابتدائی فوجیں مہمیں بظاہر بڑی مختصر ہوا کرتی تھیں اور ان میں مجاہدین کی تعداد بہت قلیل ہوا کرتی تھی۔ کسی میں دس بارہ' کسی میں تیس چالیس' کسی میں ان سے زائد۔ ان مہموں میں جن میں نبی کریم ﷺ بذاتِ خود شرکت فرمایا کرتے انہیں کتب سیرت میں غزوہ کہا جاتا ہے اور جن میں اپنے کسی صحابی کو امیر لشکر مقرر فرماتے اسے سریہ اور بعث کہا جاتا ہے۔

ان مہموں کے بھیجنے سے حضور انور ﷺ کے متعدد مقاصد تھے۔

۱۔ حضور ﷺ چاہتے تھے کہ مہاجرین مدینہ طیبہ کی پر امن فضا میں آباد ہو کر اپنے ان دشمنوں کو فراموش نہ کر دیں جنہوں نے برسہا برس ان پر جور وستم کے پہاڑ توڑے ہیں ان کو اپنے گھروں سے نکالا ہے ان کے مکانات اور جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے اور ہر وقت ان کے اس نشیمن پر بھی بجلی بن کر گرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مسلمان ہمیشہ ہوشیار ہیں اور آنے والے مشکل اوقات کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر مستعد رہیں۔

۲۔ ان پر کفار مکہ نے جو بے پناہ مظالم کیے تھے۔ اس سلسلہ میں بیرونی قبائل کی ہمدردیاں حاصل کرنا ضروری تھیں۔ اگر مظلوم خود ہی خاموش ہو جائے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے تو بیرونی لوگ ان میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں اس لیے ضروری تھا کہ مسلمان کفار پر چھاپے مارتے رہیں تا کہ لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول رہے۔

۳- کفار مکہ کی افرادی قوت سے ٹکر لینے سے پہلے نبی رحمت ﷺ اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ ان کی معیشت پر ضرب کاری لگائی جائے تا کہ ان کے دماغوں میں دولت وثروت کا جو غرور ہے اس کا توڑ ہو سکے۔

۴- کفار نے مہاجرین کے سارے اموال اور جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اپنے غصب کیے گئے اموال کو واپس لینا' ان کا قانونی اور اخلاقی حق تھا اس لیے ان کے تجارتی کاروانوں پر چھاپا مارنے کے لیے یہ مہمیں روانہ کی جاتی تھیں۔ اگر مسلمان ان کی اس تجارتی شاہراہ پر قابض ہو جاتے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ اہل مکہ کو اس کے بجائے عراق کا راستہ اختیار کرنا پڑتا جو بڑا طویل اور دُشوار گزار تھا۔

۵- قریش کو اپنی بہادری اور جنگی مہارت پر بڑا گھمنڈ تھا اس گھمنڈ کو توڑنے کے لیے بھی یہ فوجی مہمیں روانہ کی جاتی رہیں تا کہ انہیں مرعوب کیا جا سکے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مہاجرین اس علاقہ کی جغرافیائی حالات سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں۔ اس کے میدان' اس کے نشیب وفراز' اس کی وادیاں اور اس کے پہاڑ ان تمام امور سے وہ پوری طرح واقف ہوں تا کہ اگر کفار سے جنگ کا موقع آئے تو مسلمان پہلے ہی اس علاقہ سے پوری طرح باخبر ہوں۔ نیز مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ان میں جرأت اور ہمت پیدا کرنے کے لیے بھی ان فوجی مہموں کا سلسلہ ازبس مفید تھا۔

چنانچہ ایک سریہ میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو دستہ بھیجا گیا اس کی تعداد صرف تیس تھی اور ان کے مقابلہ میں' جو لشکر ابوجہل کی قیادت میں سامنے آیا اس کی تعداد تین سو تھی لیکن مسلمان اپنے سے دس گنا زیادہ تعداد سے ہرگز مرعوب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے صف بستہ ہو کر میدان میں نکل آئے اور جب مجدی بن عمرو نے صلح کرانے کی کوشش کی تو کفار نے اس کی اس پیشکش کو غنیمت سمجھا اور واپس آ گئے۔

ان مقاصد کے علاوہ ان مہموں سے کئی دیگر فوائد حاصل ہوئے۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' ہادیٔ انس وجاں' پیغمبر بحر و بر' رسول کائنات' سید المرسلین' خاتم النبیین' رحمت العالمین' حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اپنی اس حکمت عملی سے' خصوصاً غزوۂ بدر سے پہلے کے تمام سرایا و غزوات سے مختلف فریقین پر مختلف اثرات چھوڑے جا رہے تھے۔ دُشمنانِ اسلام پر اور طرح کے اثرات چھوڑے جا رہے تھے جب کہ مسلمانوں پر (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دیگر اہل مدینہ' قرب وجوار مدینہ پر اور طرح کے اثرات وثمرات چھوڑے جا رہے تھے۔

مندرجہ بالا فوائد و مقائد کے حصول کے علاوہ بھی اور بہت سارے فوائد و مقاصد تھے جو ان سرایا اور غزوات سے حاصل ہوئے۔ مثلاً

مسلمانوں کو' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

۱- تربیت و مہارت میں اضافہ ہوا
۲- ایمان و توکل بر اللہ میں اضافہ ہوا
۳- اطاعت و اتباع کا سرور و ثمرات پائے۔
۴- اعتماد اور سخت جانی میں اضافہ ہوا۔
۵- انصار و مہاجرین کی محبت اعتماد و عظمت میں اضافہ ہوا۔
۶- عملی دینی تعلیمات حاصل کیں اور پھیلائیں۔
۷- مشقت و جفاکشی کی رغبت بڑھی۔
۸- اطاعت و اتباع ہی حقیقی زندگی بن گئی۔
۹- خواہشات نفسانی قابو میں آ گئیں۔
۱۰- بھوک' پیاس' تھکان کو قوتِ ایمانی نے دبا دیا۔
۱۱- اتحاد' باہمی محبت' اطاعت امیر کے ثمرات نظر آنے لگے۔
۱۲- اللہ' اللہ کے نبی اور قرآن سے محبت بڑھی۔
۱۳- حکمتِ عملی پختہ ہوئی۔

مدینہ اور اہلِ مدینہ

۱- مدینہ سے خطرات کو دور رکھا
۲- مدینہ کے دفاع پر یقین بڑھایا
۳- مدینہ میں زندگی کو محفوظ و خوشگوار کر دیا۔
۴- مدینہ کے داخلی استحکام میں اضافہ ہوا
۵- یہودیوں کو مسلمان اُبھرتی ہوئی' غالب آنے والی منظم طاقت نظر آنے لگے۔
۶- باہمی محبت' عزت وقار و انحصار میں اضافہ ہوا
۷- اطاعت و اتباع رسول کریم ﷺ میں فلاح دارین نظر آنے لگی۔
۸- منافقوں کی ریشہ دوانی میں کمی آ گئی۔ وہ خوف سے محتاط ہو گئے۔

دُشمنانِ اِسلام پر

۱- رُعب طاری ہوا۔
۲- ان کی چالوں اور ارادوں کا پیشگی پتہ چلنے لگا۔

۳- انہیں یہ جتایا کہ مسلمان لوہے کے چنے ثابت ہوں گے۔
۴- انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کو دبانا آسان نہیں۔
۵- اوران کو مٹانا تو سرے ہی ناممکن ہے۔
۶- دینِ اسلام مسلسل پھیل رہا ہے اور
۷- مسلمان مضبوط سے مضبوط تر ہو رہے ہیں۔
۸- مسلمان ایک طاقت بن گئے ہیں اور
۹- یہ ہمارے معاشی راستے روک سکتے ہیں' شاہ رگ پر پاؤں رکھ سکتے ہیں
۱۰- ان پر واضح ہوا کہ مسلمان امن پسند اور صلح جو ہیں۔
۱۱- مسلمان اپنے نبی کا ہر حکم مانتے ہیں اور مکمل اطاعت کرتے ہیں۔
۱۲- مسلمانوں میں بلا کا اِعتماد' وہمت و جرت ہے۔
۱۳- مسلمان تعداد کے بجائے اللہ کی نصرت پر یقین رکھتے۔
۱۴- وہ بلا خوف وخطر ہر حکم بجا لانے والے ہیں۔
۱۵- ان پر یہ واضح ہوا کہ مسلمان کے یہ عمل و کردار "سچی نبوت" کے سبب ہیں۔
۱۶- ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ کی نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے۔
۱۷- ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ محمد ﷺ نبی برحق ہیں۔
۱۸- ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ مکہ' گھر بار' مال ومتاع کو چھوڑنا' اتباعِ رسول کریم ﷺ کے مقابلے میں ان کے لیے بے معنی ہے۔ اس سے وہ کمزور نہیں بلکہ طاقتور ہوتے ہیں۔
۱۹- اِسلام سچا دِین ہے اور محمد ﷺ نبی برحق ہیں۔
۲۰- اللہ کی تائید ونصرت مسلمانوں کو حاصل ہے۔
۲۱- مسلمان ایک اُبھرتی ہوئی حقیقی طاقت ہیں۔
۲۲- دِینِ اِسلام اور اس کی خوبیوں کی تشہیر ہوئی اور ہر خاص و عام اس کے بارے میں جاننے لگا۔
۲۳- ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ مسلمانوں کو اگر مجبور کیا گیا تو کم تعداد کے باوجود خوب ٹکر لیں گے۔
۲۴- انہیں خود بھی اِسلام کا بول بالا اور اپنا منہ کالا ہوتا نظر آرہا تھا۔

قارئین کرام! آپ کے علم اور اپنے شوق کی خاطر میری نظر وسمجھ میں جو فوائد و مقاصد آئے وہ قدرے تفصیل سے قابل فہم انداز میں لکھ دیئے ہیں ویسے تو ان کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ ہی جانتے ہیں۔ ہمارے تو صرف یہ اندازے ہی ہیں۔

سرایا اور غزوات

غزوہ، سریہ اور بعث کی تعریف یا ان کا فرق

غزوہ

غزوہ کی جمع غزوات ہے اور غزوہ ہر اس مہم، چھوٹا بڑا لشکر یا دستہ کو کہتے ہیں جس میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے ہوں، ان کے ساتھ تشریف لے گئے ہوں۔ خواہ اس سفر میں جنگ کی نوبت آئی ہو یا نہ آئی ہو بلکہ خواہ اس لشکر، دستہ، یا گروپ یا گروہِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیشِ نظر جنگ کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو، اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

سریہ

سریہ کی جمع سرایا ہے اور ہر وہ فوجی دستہ، گروپ، گروہ، لشکر جس میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے شرکت نہ فرمائی ہو بلکہ اپنے کسی صحابی کو اس دستہ کا امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا ہو اسے سریہ یا بعث کہا جاتا ہے۔ سریہ کے لیے بھی ضروری نہیں کہ دُشمنوں سے جنگ ہوئی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جنگ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے ہوں۔ اور چاہیے اس دستہ میں، جماعت میں، گروپ میں صرف دو آدمی ہی ہوں یا زیادہ ہوں۔

بعث

اگر حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی طرف سے بھیجا جانے والا آدمی ایک ہی ہو تو اس کو بعث یعنی وفد کہا جاتا ہے (اسے عموماً سریہ نہیں کہا جاتا)

اس بارے میں کتاب سیرت بنام ''خاتم النبیین'' کی جلد ۲ کے صفحہ ۷۵۷ پر درج ذیل مرقوم ہے۔

اِسلامی جہاد کے تذکرہ کے ضمن میں دو لفظ بکثرت اِستعمال ہوتے ہیں ان کا صحیح مفہوم ذہن نشین کر لینا، از حد ضروری ہے تاکہ خلط مبحث سے کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو وہ دو لفظ غزوہ اور سریہ ہیں۔

غزوہ، اس چھوٹے یا بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس میں سرکار دو عالم ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں۔ خواہ

اس سفر میں جنگ کی نوبت آئی ہو یا نہ آئی ہو بلکہ خواہ اس لشکر کے پیشِ نظر جنگ کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

اور وہ فوجی دستہ جس میں سرکارِ دو عالم نے خود شرکت نہ فرمائی ہو بلکہ اپنے کسی صحابی کو اس دستہ کا امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا ہو۔ اسے سریہ یا بعث کہا جاتا ہے سریہ کے لیے بھی ضروری نہیں کہ دُشمنوں سے حقیقت میں جنگ ہوئی ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جنگ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے ہوں۔ (خاتم النبیین جلد ۲ صفحہ ۵۷۷)

سیرتِ طیبہ کا اگرچہ ہر پہلو اِنتہائی اہم اور ہدایت بخش ہے لیکن کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے ہادی انس و جاں، سرکارِ دو عالم ﷺ کی جدوجہد جسے جہاد یا غزوات سے تعبیر کیا جاتا ہے اُمتِ اِسلامیہ کے سیاسی اِستحکام اور ترقی کے نقطہ نظر سے از حد اہمیت کی حامل ہے۔

اس لیے خیر القرون کے اکابر اُمت نے اس موضوع پر بڑی توجہ دی ہے۔ وہ اپنی اولاد کو بھی سرفروشی اور قربانی کے یہ محیر العقول واقعات سناتے اور از بر کراتے تھے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے اگر اپنے زمانہ کی طاغوتی قوتوں سے انہیں ٹکر لینی پڑے تو انہیں ذرا جھجک محسوس نہ ہو۔ اس راہ میں سروں کے نذرانے پیش کرنے پڑیں تو اپنے اِسلاف کی طرح وہ بصد ذوق وشوق یہ سعادت حاصل کریں۔ اسی میں ان کی دنیاوی زِندگی کی کامرانی اور اخروی زِندگی میں سرخروئی کا راز پنہاں ہے۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت اِمام زین العابدین علی بن حسین بن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہے:

(کافروں کے ساتھ جنگ اور خصوصاً غزوات)

''کہ ہمیں ﷺ کے مغازی یوں پڑھائے جاتے تھے جس طرح ہمیں قرآنِ کریم کی کوئی سورت پڑھائی جاتی تھی''

یہ دونوں محدثین اسمٰعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

''اسماعیل فرماتے ہیں کہ میرے والد محمد بن سعد مجھے رسول اللہ ﷺ کے مغازی کی تعلیم دیتے تھے اور مغازی اور سرایا کو گن گن کر ہمیں بتاتے تھے اور فرماتے اے میرے نورِ نظر! یہ تمہارے آباؤ اجداد کا شرف ہے اور اس کے ذکر کو ضائع نہ کرنا تمہاری دُنیا اور آخرت کی بھلائی ان مغازی کے جاننے میں ہے'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۴ صفحہ ۲۰)

اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر علماءِ اِسلام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ سب سے پہلے جس کو یہ سعادت نصیب ہوئی وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عروہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے زمانہ کے ائمہ کبار میں سے تھے۔ پھر ان کے دونوں شاگردوں موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن شہاب الزہری کو یہ شرف حاصل ہوا۔ حضرت اِمام مالک فرمایا کرتے: یعنی موسیٰ بن عقبہ کی غزوات کی کتاب تمام کتب مغازی سے

صحیح تر ہے اور جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی وہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن الیسار کی تالیف کردہ ''المغازی'' ہے۔ یہ کتاب درحقیقت ان تینوں کتابوں کی جامع ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد۲،صفحہ ۲۰)

ان رہنما و مقتدر علماء علم وفضل کے بعد ہر زمانہ کے جید علماء نے عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس موضوع پر کتب تصنیف کیں یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور یقیناً قیامت تک جاری رہے گا۔

قارئین کرام! اس سے پہلے مستشرقین (دینِ اسلام اور اُمت مسلمہ کے منظم پڑھے لکھے بدخواہ) ان کے طریقہ ہائے واردات اور ان کے ہمارے اپنوں میں سے ہی ہمنواؤں کے بارے میں پہلے ایک باب لکھا جاچکا ہے۔

مستشرقین اپنی ذہانت' چالاکیوں' مکاریوں اور خباثت کے سبب دینِ اسلام' اُمت مسلمہ کے جسم سے اس کی روح کو نکال دینا چاہتے ہیں۔ وہ دینِ اسلام کے ہر پہلو میں خامیاں نکالتے ہیں' نقطہ چینی کرتے ہیں' بے جا اعتراضات اُٹھاتے ہیں اور حقائق کو اپنی لفاظی سے موڑ توڑ کر' مسخ کر کے' بددیانتی پر مبنی غلط بیانی سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کچھ ہمارے اپنے ناسمجھ علماء بھی ان کے غلیظ' مکروہ' تباہ کن خیالات اور انداز بیان کو اپنا لیتے ہیں اور یوں یہ اپنے ہی لوگ اُمت مسلمہ میں مزید تفرقہ بازی' بے چینی' بے حسی' بے یقینی' عدم دلچسپی پھیلانے کا سبب بنتے ہیں جو کہ اُمت مسلمہ کے لیے زہر قاتل ہے۔

اسی لیے جہاد' مالِ غنیمت' سرایا' غزوات کے شروع کرنے سے پہلے' ان کی خوبصورتی' افادیت کو سمجھنے کے لیے' تاریخِ اسلام' سیرت النبی ﷺ سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے کے لیے اور اس حقیقت کو سمجھا دینے کے لیے کہ اسلام دُشمن عناصر کا پروپیگنڈہ لغویات ہے' بکواس ہے' لفاظی ہے' بے معنی ہے' سراسر جھوٹا ہے درجِ ذیل آپ کی پیشِ خدمت ہے۔

ان کا ذکر بعد میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے قدرے تفصیل کیا جائے گا تاکہ یہ زہر قاتل مسلمانوں کے خون میں' اُمتِ مسلمہ کے جسم میں سرایت نہ کر جائے اور رُوح کو زخمی نہ کردے۔

مقصدِ ربّ کائنات' غلبہ دِینِ حق

خالق و مالک کائنات نے ربّ العالمین نے' اللہ تبارک تعالیٰ نے' ہمہ وقت سب کچھ دینے والے قادر مطلق نے اپنے محبوب رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' سیّد المرسلین' خاتم النبیین' رحمت العالمین ﷺ کو اس مشن' اس مقصد عظیم کے لیے مبعوث فرمایا' اس دنیا پہ بھیجا کہ آپ ﷺ اپنی حکمتِ عملی' شب و روز کی جدجہد' محنت شاقہ صبر و ہمت و استقامت سے اپنے ربّ کے پسندیدہ دِین کو' آخری دِین کو' دِین اسلام کو' اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں' برکتوں' نوازشوں سے لبریز دِین کو' اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا سے' اللہ تبارک وتعالیٰ کی کھلی کھلی مدد و رہنمائی سے دُنیا کے باقی تمام دینوں پر ادیان پر غالب کر دیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ اس امرِ حق کو سورۂ صف کی آیت مبارک ۹ میں یوں اِرشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ○

ترجمہ ''اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولوں کو ہدایت اور دِینِ حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے''۔ (سورۂ صف آیت ۹)

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا جا رہا ہے کہ اِنقلابی جدوجہد کے نتیجے میں اِسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غالب آنا ہے۔ غلبہ دِینِ حق کا خواب' راہِ حق میں جان و مال کی قربانیاں پیش کیے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

اور ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ مشرکین کو آپ ﷺ کے تمام افعال و اعمال ناگوار گزریں گے۔ وہ سخت مخالفت کریں گے۔ وہ جنہوں نے اپنے نصیب میں ازلی محرومی لکھوالی ہے وہ ہر غلط بات کریں گے اور کہیں گے لیکن بالآخر آپ ﷺ کا بول بالا ہے۔ آپ ﷺ کی حکمت عملی تدابیر' مسلسل انتھک محنت و جدوجہد کامیاب ہوگی۔ نورِ حق ہر طرف پھیل جائے گا لیکن اس دُنیا کی ظلمت کدہ میں نورِ حق کو پھیلانا بہت صبر آزما اور مشکل کام ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں سے محروم مشرکین' کافر و بے دِین ہر مقام پر سخت مخالفت کریں گے۔

حضور انور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ توحید و رسالت پر اِیمان لانے' فرد کے ظاہر و باطن میں احساسِ بندگی پیدا کر کے روشنیاں بکھیرنے' ضمیر انسان میں تقویٰ' طہارت اور پاکیزگی کے اوصاف پیدا کرنے اور اِسلامی اقدار پر مبنی ایک فلاحی معاشرے کے قیام کے ساتھ غلبۂ اِسلام کے لیے عملی جدوجہد' بعثت رسول کا مقصود و مطلوب تھی۔ اِسلام آزادی' مذہبی آزادی' فکری آزادی کا درس دیتا ہے' پنجہ استبداد کو کاٹ دینے کی تلقین کرتا ہے' اپنی اجتماعی اکائی کے تحفظ کے لیے کفر' ظلم اور استحصال کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے اور دِین کو غالب کرنے کی راہ میں مزاحم شیطانی قوتوں' سازشوں اور فتنوں کو سختی سے کچل دینے کا فرمان جاری کرتا ہے۔

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت کے ساتھ' آئندہ کے لیے لائحہ عمل بھی وضع کیا اور اس پر مرحلہ وار عمل بھی شروع کر دیا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زِندگی حکمت اور دانائی کی ایک روشن مثال ہے۔ ہجرت' جہاد' معاہدہ' قتال محض اتفاقات زمانہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس منصوبہ بندی کا نتیجہ ہیں۔ مکی دور میں بتدریج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا گیا۔ یہ خاموش دور ایک عظیم فکری' ذہنی اور روحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اصحاب نبی کا یہ پاک باز گروہِ عظیم اِسلامی اِنقلاب کے تحفظ' بقا اور سلامتی کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزر کر ایک ایسی اِنقلابی جماعت کی صورت میں سامنے آیا جو باطل کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئی اور ان نفوس قدسیہ کے نقوش پا سے تاریخ زمانہ و

دُنیا نے اپنا راستہ متعین کیا۔

قارئین کرام! کوکسی مغالطے میں پڑنے سے بچانے کے لیے گزارش ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سینہ مبارک میں، دِل مبارک میں، دِل مبارک کی ڈسک میں تو سارے کا سارا قرآن حکیم لوحِ محفوظ کے مطابق یعنی کہ ہماری موجودہ زمینی ترتیب کے مطابق روزِ اوّل سے ہی مکمل خوبصورتی کے ساتھ موجود تھا، محفوظ تھا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی خدائی حکمتوں کے تحت حالات و واقعات کے مطابق آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں اس پہلے سے مکمل موجود و محفوظ قرآن حکیم کی متعلقہ آیات، آیات یا سورہ مبارک کو حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کے دِل مبارک کی سکرین پر ایسے اُجاگر فرماتے رہے جیسے ہم اپنے کمپیوٹر کی سکرین پر اپنی ڈسک میں موجود کسی عبارت یا پروگرام کو اپنی مرضی سے لے آتے ہیں تاکہ ان مخصوص حالات، واقعات و زمانہ میں متعلقہ آیات مبارک کا پرچار و تبلیغ ہو اور اُمت ان ہدایات و احکامات پر عمل پیرا ہو اور بالآخر دِین متین کا غلبہ حاصل ہو۔ باالفاظ دیگر شانِ نزول اُمت کے لیے ہے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے لیے ہیں۔

درج ذیل سورۂ بقر کی آیت مبارک ۲۱۷ کی شان نزول سریہ عبداللہ بن جحش سے متعلق ہے جس کا کہ کچھ ہی دیر بعد اپنی باری آنے پر مکمل تفصیل سے ذکر ہوگا اور اس وقت یہاں مختصراً یہ کہ

اس سریہ میں مالِ غنیمت پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس سریہ میں پہلا قتل ہوا۔ پہلی بار خمس نکالا گیا اور مسلمانوں نے پہلی بار کسی کو قیدی بنایا۔ اِدھر قریش نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) نے ماہِ حرام کو بھی حلال کر دیا۔ قریش کی طعنہ زنی جب اپنی اِنتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت 217 نازل فرمائی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

ترجمہ "لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل و خون سے بڑھ کر ہے اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دِین سے پھیر دیں اگر (وہ اتنی) طاقت پاسکیں"۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارک میں کتنی وضاحت سے صاف صاف فرما دیا ہے کہ:

حرمت والے مہینے میں جنگ بڑا گناہ ہے

لیکن مشرکو تم اس گناہ سے بھی کہیں بڑے بڑے گناہ بے دھڑک لگاتار کیے جا رہے ہو اور تمہیں ان بڑے بڑے گناہوں میں ملوث ہونے کا کوئی اِحساس نہیں ہے ملال نہیں ہے ان پہ پچھتاوا نہیں ہے۔

تمہیں مسلمانوں کا تو یہ گناہ نظر آ رہا ہے اور اس کے لیے خوب واویلا کر رہے ہو اسے اچھال رہے ہو اور دِینِ اِسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہو دوسرے کی آنکھ میں تنکا تو تمہیں نظر آ رہا ہے اپنی آنکھ میں شہتیر بھی معلوم نہیں دے رہا ہے۔

''اللہ کی راہ سے روکنا'' یعنی کہ مسلمانوں کی زِندگی اجیرن کر دینا نہ خود اِیمان لانا نہ مسلمانوں کو عبادت و تبلیغ کرنے دینا۔ بلکہ جو اللہ پر ایمان لے آئے اس کو ستانا' اذیت دینا' اسے ضروریاتِ زِندگی سے محروم کر دینا یہ سب کچھ اس سے بھی کہیں بڑا گناہ ہے جو گناہ (تمہارے بقول) مسلمانوں سے سرزد ہوا ہے۔

''اللہ سے کفر کرنا'' یعنی کہ اسے وحدہ لاشریک نہ ماننا' اُسے سب کچھ کا خالق و مالک نہ ماننا۔ اُس کے رسول کو نہ ماننا' پیغام رسول کریم ﷺ کا اِنکار کرنا' اس کی بعثت کا اِنکار کرنا' اللہ تبارک وتعالیٰ کی حاکمیت کلی و اعلیٰ کا عملی اعتراف نہ کرنا' غیر اللہ کی عبادت کرنا' ان سے مدد و رہنمائی چاہنا وغیرہ یہ سب یہ حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے سے کہیں زیادہ بڑے گناہ ہیں۔

''مسجد حرام سے لوگوں کو روکنا'' یعنی کہ مسلمانوں کو وہاں عبادات کرنے سے محروم کر دینا' عمرہ طواف کرنے سے محروم کر دینا' انہیں حج و دیگر مواقع پر وہاں حاضر ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت نہ کرنے دینا۔ انہیں مسجد حرام میں جانے سے یہ کہہ کر روک دینا کہ تمہیں جان سے مار دیں گے۔ یہ سب ہی فعل حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے سے کہیں زیادہ بڑے گناہ ہیں۔

''اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے'' مشرکوں نے تو حرم سے مسلمانوں کو جبراً نکال دیا۔ انہیں اپنے گھر بار' مال و دولت اور کاروبار زِندگی سے بھی یکسر محروم کر دیا۔ تمام مسلمانوں کے لیے حالات ایسے کر دیئے کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر' اپنی جان بچا کر کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔ اکثر پا پیادہ نکالے گئے کہ ضروریاتِ زِندگی کا چند دِنوں کا سامان بھی ساتھ نہ لے جا سکے۔

اور مشرکین نے نکالے گئے مسلمانوں کے گھر بار' دولت و جائیداد پر فوراً ہی قبضہ کر لیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ رسول کو نہ مانا' اس کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا اُسے تبلیغ دِین حق کا پرچار کرنے سے روکا گیا۔ اسے صادق و امین جانتے ہوئے بھی قدم قدم پر جھٹلایا۔ وحدہ لاشریک کی عبادت کو کیا کہہ دیا کہ مشرکین نے مسلسل ذہنی و جسمانی اذیتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور وہ اپنی ایذا سانیوں' نافرمانیوں جور و ظلم میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ معاذ اللہ انہوں نے شمع نور اِسلام کو ہی گل کر

دینے کا پکا پروگرام بنالیا اور اُس پر عمل پیرا ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی۔

''اور ان (مشرکین) کا یہ فساد قتل و خون سے بڑھ کر ہے'' یعنی کہ مشرکین کا یہ فساد کہ وہ شرک کرتے ہیں' رسول کریم ﷺ کی نصیحت و تبلیغ پر کان نہیں دھرتے' اللہ کے محبوب رسول کریم' خاتم النبیین' سیّد المرسلین ﷺ اور مومنین کو مسجد سے روکتے ہیں' ان پر جبر و ظلم کرتے ہیں اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں یہ سب کرتوت' یہ سب افعال بد' قتل و خون کے فعل بد سے بھی کہیں زیادہ بڑے گناہ ہیں۔

جیسا کہ پہلے سورۂ صف آیت ۹ کے حوالے سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے مشیت ایزدی ہے کہ دینِ اِسلام کا غلبہ قائم ہو اور دُنیا سے ناانصافی' محرومیوں' جبر ظلم و تشدد کا خاتمہ ہو۔ ہر ایک کو جینے کا برابر حق ہو۔ دادرسی ہو' عزتِ نفس ہو۔ مالی معاشی سماجی خوشیاں ہوں خوشحالی ہو اور اللہ نے وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہو اور کائنات میں اسی کی حاکمیت اعلیٰ ہو۔

باالفاظ دیگر مشرکین و کفار کو یہ بتلا دیا گیا ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ سب بہت بڑے بڑے گناہ ہیں۔ تمہیں یہ روش ترک کر کے آغوشِ اِسلام میں آ جانا چاہیے کہ میرے نبی صادق پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' رحمت العالمین (ﷺ) جو بھی فرماتے ہیں' جو بھی کرتے ہیں سب کا سب حق ہے' نور ہے اور میری رضا کے مطابق ہے اور نبی مکرم و معظم (ﷺ) کا اتباع' اطاعت و فرمانبرداری ہی اس دُنیا اور آخرت کے لیے کامیابی کی ضامن ہے' رحمتوں نوازشوں' کرم نوازیوں اور فلاح دارین کا باعث ہے۔

میرے رسول مقبول (ﷺ) غلبہ دِینِ حق کے لیے جو بھی قدم اُٹھائیں گے وہ سراسر حق پر مبنی ہوں گے۔ ان میں ہی ابدی فلاح بنی نوع اِنسان و جن ہے اور وہ سب اقدام میری رضا کے مطابق ہوں گے۔ اور مسلمانوں سے بھول چوک میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میں خاص طور پر اپنے محبوب رسول (ﷺ) کی معرفت بہت ہی زیادہ معاف کرنے والا' توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں۔ (سورۂ نساء آیت ۶۴)

میں ہی دِلوں کے بھید جانتا ہوں' نیتوں کو جانتا ہوں۔ ہر کچھ میرے علم و حکم میں ہے۔ میں سب کچھ کو ہمہ وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سے کائنات میں کوئی ذرّہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ہی کا خالق و مالک و پروردگار اور سب کا پالنہار ہوں۔ اس لئے فقط میری ہی عبادت کرو۔ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ اور فلاح دارین کے لئے میرے رسول کا اتباع کرو۔ میرا رسول تمہیں ہر حال میں حق کی ہی بات کہے گا۔ میرا ہی حکم' بات' ہدایت تمہیں پہنچائے گا۔ اس کا ہر حال میں حکم مانو' اطاعت اور اتباع کرو۔ اور اس طرح سے دراصل تم میرا ہی حکم مان رہے ہو گے اور میری ہی اطاعت و عبادت کر رہے ہو گے۔

میثاق، جہاد، مالِ غنیمت

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے پورے عرب میں مرکزی حکومت نام کی کوئی چیز نہ تھی، عرب کی قبائلی زندگی سیاسی وحدت کے نام ہی سے نا آشنا تھی، تاجدارِ کون و مکان سرکارِ دوعالم حضور پُرنور ﷺ کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت اور حسنِ تدبر سے کام لے کر مدینہ اور اس کے گردونواح میں آباد مختلف قبائل اور طبقات کو ایک معاہدہ کے ذریعہ ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔

نوزائیدہ اِسلامی حکومت کے داخلی استحکام کے لیے میثاقِ مدینہ کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اسے دُنیا کا پہلا تحریری معاہدہ یا دستور بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ معاہدہ انصار، مہاجرین اور یہودیوں کے مابین طے پایا اور اس کی رو سے یہودیوں کو اپنے دِین پر قائم رہنے اور ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی ضمانت دی گئی۔ تحریری معاہدہ یا دستور کو اپنی جامعیت کے اعتبار سے سفارتی دُنیا میں ایک منفرد مقام کا حامل ہے۔

عرب کا معاشرہ ظلم واستبداد اور جبرواستحصال کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے داخلی استحکام کے لیے جو دانشمندانہ اقدامات اُٹھائے ان اقدامات کی بدولت مدینہ کی ریاست امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئی۔ میثاقِ مدینہ کے مطابق کسی سیاسی اقلیت کو اپنے مذہب کی تعلیمات کی روشنی میں رسومات ادا کرنے کی آزادی دینے کا بھی یہ پہلا موقع ہے وگرنہ اس زمانے میں دُنیا کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی چھوٹی بڑی سلطنتوں میں کسی مذہبی اقلیت کو مذہبی آزادی دینے کا کوئی تصور ہی موجود نہیں۔ مذہبی اور سیاسی زِندگی کے ارتقاء اور اخلاقی قدروں کے فروغ میں میثاقِ مدینہ کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اخلاقیات اور بقائے باہمی کے شاندار اصولوں سے پُر یہ دُنیا پہ اپنی نوعیت کا پہلا تحریری معاہدہ یا دستور ہے جو صحیح معنوں میں امن وامان سکون وراحت کا باعث بنا۔

سرایا اور غزوات النبی ﷺ کا پسِ منظر اور پیشِ منظر اتنا روشن اور واضح ہے کہ مستشرقین کے تمام تر فکری مغالطوں اور ان کی علمی خیانتوں کے باوجود غزوات کے مقاصد کے بارے میں نہ کوئی ابہام ہے اور نہ وہ حقائق کو چھپانے اور ان کا چہرہ مسخ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ بلکہ اِسلام کے مزاج کی سب سے واضح تشریح

ان غزوات کے حالات و واقعات اور نتائج و عواقب کے گہرے مطالعہ سے ہوتی ہے۔

جہاد

آیاتِ ربانی اور فرمودات حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی روشنی میں اس نفسیاتی فضا کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ضروری ہے جس فضاء میں حکم جہاد جاری ہوا اور مسلمانوں نے اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لیے باطل استحصالی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارنے کے جرأت مندانہ فیصلے کی توثیق اپنے قول و عمل سے پیش کر کے تاریخِ انسانی میں نئی راہوں کا تعین کیا اور نئے ضابطوں کو مدون کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزواتِ نبوی کے جو بنیادی مقاصد تھے ان بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے سپہ سالار مدینہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضور پُرنور، رحمتِ دو عالم ﷺ نے کیا حکمت عملی اختیار کی اور کیا لائحہ عمل وضع کیا۔

مشرکین و کفار کی زیادتیوں کے خلاف ابتداء میں مسلمانوں کی حکمت عملی مدافعانہ نوعیت کی تھیں پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر دُشمن کی نیست و نابود کرنے کے لیے جارحانہ انداز بھی اپنایا گیا۔ یہاں جارحیت کا کوئی منفی مفہوم مقصود نہیں ہے۔ اس جارحیت کو دہشت گردی کے معنوں میں بھی نہیں لیا جا سکتا۔ اگر آپ معاشرے کی برائیوں کو ختم کرنے، فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے اور ظلم کے ہاتھ توڑنے کے لیے ایک قدم آگے بڑھ کر اس جارحیت کو روکنے کے لیے جارحیت کا مظاہرہ نہیں کریں گے تو دُشمن آپ کو تر نوالہ سمجھ کر آپ کی تہذیب و تمدن کے ہر نشان کو مٹا ڈالے گا۔

اس مجبوری کی جارحیت کا ذکر معذرت خواہانہ انداز میں کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں باطل کا سر کچلنے کے لیے جارحانہ اقدام کے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ گھر میں بیٹھ کر اپنے آپ کو صرف مدافعت تک محدود کر دینے سے غلبہ حق کی بحالی کا ہر تصور ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائے گا۔ مدافعت ایک غیر فعال حالت کے اظہار کا نام ہے۔ سرگرم عمل رہنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ آگے بڑھ کر دُشمن کے عزائم کو خاک میں ملایا جا سکے۔ حملہ اِنسان کا بہترین دفاع ہے۔ اس اعتبار سے اگر بحث کو سمیٹیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باطل اور طاغوتی قوتوں کے خلاف جہاد بالسیف ملت اِسلامیہ کے استحکام، بقا اور سلامتی کے لیے بے حد ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ مدنی زندگی میں ہم آقائے کائنات پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کو دُشمنانِ اِسلام سے مسلسل مصروف جہاد دیکھتے ہیں۔

ردِّ مستشرقین

بدقسمتی سے دورِ حاضر کے سیرت نگاروں نے مستشرقین کے بے بنیاد اعتراضات سے خائف ہو کر جہاد کو مدافعانہ جنگ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ معترضین نے مسلمانوں پر تعصب پر مبنی الزامات کی بوچھاڑ کر دی،

اِسلام کو ایک جارحیت پسند مذہب کا نام دیا گیا۔ ہمارے اپنے غلامانہ ذہنیت کے حامل دانشور اور مصنفین علمی سطح پر اِعتماد کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اِحساسِ کمتری کا شکار ہو گئے۔ مغرب کی چکا چوند نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور یہ مغربی پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر اِسلام کے بارے میں معذرب خواہانہ لہجہ اِختیار کرنے لگے اور دفاعی پوزیشن میں آکر صفائیاں دینے لگے۔ کسی نے بھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ اللہ کے نبی ﷺ کا مقصود بعثت کیا ہے؟ جس دِین کو تمام ادیان پر غالب آنا تھا وہ بھلا کسی سے کب مرعوب ہوتا۔ تاریخ عالم اس امر کی شاہد ہے کہ غالب قوتیں صرف مدافعت پر اکتفا نہیں کرتیں اس طرح صالح قوتِ دِینِ اِسلام نے آگے بڑھ کر باطل اِستحصالی قوتوں کا خاتمہ کر کے کلمہ توحید' کلمہ حق کا پرچم بلند کیا۔ اہلِ حق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے' کسی اعتراض کرنے والے کے اعتراض سے نہیں گھبراتے۔ اِنکار کرنے والے تو خدا کا بھی اِنکار کر دیتے ہیں۔

دعوتِ توحید سے براہِ راست مشرکین و کفار کے باطل نظام پر زد پڑتی تھی اور پھر بالواسطہ ان کے اقتصادی' سیاسی اور ثقافتی مفادات خطرے میں پڑتے تھے لہٰذا معاشرے کے یہ با اثر لوگ اپنے آبائی مذہب کے تحفظ و بقاء کے لیے مشتعل ہو کر آمادہ جنگ ہو جاتے تھے۔ حقیقت قابل توجہ ہے کہ شرک کا عقیدہ تو اس وقت عام آدمی بھی رکھتا تھا لیکن عوام کی جانب سے کبھی بھی مزاحمتی تحریکوں کا آغاز نہیں ہوا۔ البتہ دعوتِ حق سے صاحبانِ اقدار' سرداران قوم کے ایوانوں میں ضرور زلزلہ طاری ہوا۔

دعوتِ حق سے تو انہیں ہی گھبرانا تھا جن کے مفادات پر اس کی زد پڑتی تھی۔ اس دور میں غریب عوام کی تو کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ طاقتور کا حکم بجالانا ان کی زِندگی تھی۔ اس لیے یہ صرف روساءِ قوم' سرداران قوم اور صاحب طاقت' ثروت و اقتدار لوگ ہی تھے جنہوں نے تحریک دِینِ اِسلام کی شدت سے مخالفت کی اور بزورِ طاقت اِسلام کو مٹانا چاہا۔

نظام باطل ہر دور کی اِستحصالی قوتوں کی آخری پناہ گاہ ہوتا ہے کیونکہ نظام کفر میں حقوق اور عدل کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے سردار' وڈیرے اور جاگیردار اپنی من مانی کرنے اور عوام کے مقدر سے کھیلنے میں آزاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ہر دور اور ہر عہد میں مذہب کی غلط شکل پیش کر کے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

دورِ نبوی میں ابوجہل کا بھی یہی مسئلہ تھا وہ اپنے مفادات کا تحفظ چاہتا تھا۔ نظام کی تبدیلی نہیں چاہتا تھا اس لیے اپنے کفر پر ڈٹا رہا۔ ہر پیغمبر کی دعوت اِنقلابی دعوت ہوتی ہے اور دعوت کا یہی اِنقلابی پہلو سماج کے ٹھیکیداروں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کو بھی سرداران قریش نے دُنیاوی جاہ و جلال کی پیش کش کی تھی اور حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

اگر کافر تبلیغِ اِسلام سے روکنے کے لیے میرے دائیں ہاتھ پر چاند اور بائیں پر سورج بھی لا کر رکھ

دیں تو پھر بھی میں حق کی تبلیغ سے منہ نہیں موڑوں گا اور (خدائے وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت کا اعلان کرتا رہوں گا) (السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اصفحہ ۱۷۰)

حق کے خلاف کفر کا عمومی روّیہ یہی تھا اور مرکزی نکتہ وقت کے حاکموں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ چنانچہ یہ سردارانِ قوم اپنے تمام وسائل کے ساتھ پیغمبرانہ جدوجہد کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے قتل تک کی سازشوں میں ملوث ہوتے۔ جب باطل حق کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں اُترتا ہے تو وہ محض عقیدے پر حملہ آور نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک انقلابی اور عوامی تحریک کو ختم کرنے کے در پے ہوتا ہے۔ چنانچہ آگے بڑھ کر باطل پر کاری ضرب لگانا ناگزیر ہو جاتا ہے لہٰذا جہاد کو محض مدافعانہ جنگ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ بدقسمتی سے دُشمنانِ اِسلام کے مسلسل پروپیگنڈے کی وجہ سے جہاد کے اعلیٰ ترین مقاصد مثلاً اِسلام کے اِنقلابی تصور کا عملی فروغ، اقامتِ دِین کے لیے سعی، فتنہ وفساد کے خاتمے کی کوشش اور مجبور و مقہور اقوام کی عملی اور فکری رہنمائی جیسے متحرک اور جاندار تصورات بھی پس منظر میں چلے گئے۔

غلط سوچ، اور جواب

اسلام ایک شورائی نظام کا داعی ہے جس میں جمہوری شعور ہر مرحلے پر کارفرما نظر آتا ہے۔ اِسلام انسانی ذہن پر پہرے نہیں بٹھاتا نہ ذہن میں اُبھرنے والے ان گنت سوالات کا جواب دینے میں کسی قسم کے پس و پیش سے کام لیتا ہے۔ اِسلام ذہنوں پر دستک دے کر شعور وآگہی کے دروازوں کو وا کرتا ہے اور ایک لمحے کے تفکر کو ہزار سال کی عبادت سے افضل قرار دیتا ہے

ناپختہ اور غلط سوچ رکھنے والے مشرکین، کفار و مستشرقین تو اس باطل انداز سے سوچتے ہیں کہ حضور انور کریم ﷺ کا مقصود بعثت یہی تھا کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو چند مراسم عبودیت سے آشنا کرتے رہیں۔ جب کوئی حملہ آور ہو تو اپنا دفاع کر لیا کریں۔ ظالم قوتوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور ابلیسی طاقتوں کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کریں۔ مسلمانوں صرف مصلے پر بیٹھ کر اللہ اللہ کریں اور ظالم اِستحصالی نظام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی ''سعی'' ایجاد نہ کریں۔

لیکن نہ ایسا تھا اور نہ ایسا ہوا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی دس سالہ مدنی زِندگی اِنقلاب جدوجہد کی ایک ولولہ انگیز داستان ہے جس میں ہمیں دعوتِ حق کا پرچم بھی بلند نظر آتا ہے۔ میدانِ جنگ میں حضور انور نبی کریم ﷺ ایک عظیم سپہ سالار کی طرح دادِ شجاعت دیتے اور ایک مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے امورِ مملکت اور سفارتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ دُنیا کو قانون عطا کرنے والے نبی مسند عدل پر بیٹھ کر فیصلے صادر فرماتے ہیں۔ ایک ماہر معیشت دان کی طرح اِقتصادی صورت حال کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔ ایک مدبر سیاست دان کی طرح مختلف قبائل اور معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان اعتدال اور توازن کی فضا

قائم کرتے ہوئے بھی ملتے ہیں۔

زِندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جو حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے نقوشِ پا کی شادابیوں سے ہمکنار نہ ہو۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ دفاع ذاتی ہو یا اجتماعی یہ تو انسان کا ایک مسلمہ بنیادی حق ہے لیکن دُنیا سے فتنہ و فساد مٹانا مقصود ہو تو صرف دفاع پر ہی اکتفا کر کے ظلم کی حکمرانی کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔ پس یہ امر طے شدہ ہے اور منشائے ایزدی کے عین مطابق ہے کہ مقصودِ بعثت میں اظہارِ دِین اور غلبہ و فوقیت اسلام بھی شامل ہے۔ اقامتِ دِین کے لیے جدوجہد ایک انقلابی جدوجہد ہے۔ جس کے سیاسی پہلو کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس طویل المیعاد منصوبہ کے تحت پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی پھر عرب کی سب سے بڑی سیاسی اور عسکری قوت مشرکین مکہ سے نبرد آزمائی کے لیے نگران گشتی دستوں کی روانگی کا سلسلہ شروع کیا تا کہ یہ بات کفار مکہ اور دُشمنانِ اِسلام کی سمجھ میں آ جائے کہ اب مسلمان ان کی اِقتصادی نا کہ بندی کرنے کی پوزیشن میں بھی ہیں۔

مسلمان کسی ذاتی، جماعتی یا گروہی مقاصد کے لیے تلوار نہیں اُٹھاتا بلکہ اس کے نزدیک جہاد کے ذریعہ فتنہ و فساد کا استیصال کر کے پوری انسانیت کے لیے امن و سلامتی کی فضا کو بحال کرنا ہوتا ہے۔ باطل اِستحصالی قوتوں کے خلاف جہاد دُنیا میں عدل و اِنصاف کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔ شر پسندوں کے خاتمے کے بغیر امن و سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اِسلام تعرض نہ کرنے والوں کے قتل سے منع کرتا ہے، اپنے مذہب اور عقیدے پر عمل پیرا ہونے کی کھلی اجازت دیتا ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے سے روکتا ہے۔ مسلمانوں کی ساری کی ساری جنگیں مدافعانہ نہیں تھیں۔ محض دفاع کمزوروں کا ہتھیار ہے اِسلام کسی کمزوری کا نہیں خیر کی قوتِ کثیر کا نام ہے، آقائے دو جہاں سرکارِ دو عالم حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

"کلمہ پڑھ لو اس کی بدولت عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارے زیرِ نگیں آ جائے گا"

(تفسیر قرطبی، ۵، ۱۱۵)

نامساعدہ حالات میں اتنے وثوق، اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ بات وہی ہستی اِرشاد فرما سکتی ہے جسے اپنے مشن کی حقانیت اور کامیابی پر غیر متزلزل یقین ہو لہٰذا یہ سمجھ لینا کہ مسلمانوں مظلوم تھے، انہیں قدم قدم پر کفار کی چیرہ دستیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور مکی زِندگی میں انہیں مصائب و آلام کا شکار ہونا پڑا تھا اس لیے محض اپنے دفاع کے لیے انہیں اذنِ جہاد ملا تھا سراسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کا حکم اپنے دفاع کے لیے ہی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر باطل کا سر کچلنے کے لیے بھی صادر ہوا تھا، اللہ کے دین کو غلبہ دینے کے لیے صادر ہوا تھا۔

ایک اور طبقہ جس میں غیر مسلم پیش پیش ہیں جہاد کو ایک اور ہی زاویے سے دیکھتا ہے۔ وہ جہاد کو دوسرے مذاہب کے خلاف جنگ تصور کرتا ہے۔ یہ لوگ آج بھی اس مفروضے پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اِسلام صرف اور

صرف تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ان کے نزدیک جہاد محض اِسلام کو بزور شمشیر قبول کروانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اپنی اس سوچ و دلائل کے حوالے سے وہ جہاد کو جارحانہ جنگ کا نام دیتے ہیں۔ لیکن حقائق یہ ہیں کہ غزوات کی ساری تاریخ چھان ڈالئے کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملے گا کہ زبردستی کسی جنگی قیدی کو اپنا مذاہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ چونکہ کفر اور ظلم یکجا تھے اور ہیں لہٰذا جب ظلم کے خلاف تلوار بلند ہوئی تو اسے غلط فہمی کی بناء پر عقیدے کی جنگ بنا دیا گیا حالانکہ اسلام سے بڑھ کر کوئی دوسرا مذہب غیر مسلموں کو اپنے عقیدے اور مذہب کی آزادی نہیں دیتا۔

قرآن حکیم کی سورہ بقرہ کی آیت مبارک 256 میں اس سے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا واضح فرمان پاک موجود ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ: ''دین میں کوئی زبردستی نہیں''۔

بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور واضح حکم و ہدایت ہوسکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی ایک فرد کو بھی تلوار کے زور پر مسلمان نہیں کیا' ہاں ظلم' ناانصافی' ظلمت و گمراہی اور انسانیت پر درندگی کو روکا ہے' اور اس طرح دین اسلام کے نور سے دنیا کو نورٌ علیٰ نور کیا ہے۔

فتح مکہ کے وقت تاجدارِ کائنات ﷺ نے یہاں تک اِعلان کر دیا تھا کہ:

''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی جو اپنے گھر میں پناہ لے لے گا اس سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہو گا''۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۲:۲۶۹)

''فتح مکہ کے وقت بھی کسی ایک شخص کو بھی بزور شمشیر مسلمان بنائے جانے کی مثال نہیں ملتی' اِسلام نے کسی مرحلے پر بھی پرامن غیر مسلم معاشروں کے مذہب میں مداخلت نہیں کی اس کے برعکس غیر مسلموں کے ساتھ معاہدے کیے' ان کے ساتھ تجارتی اور سفارتی سطح پر تعلقات استوار ہوئے''۔

نقطہ نظر کو سمجھانے کی خاطر حقیقت کو آشکار کرنے کی خاطر موجود دور کی دو بڑی تحریکوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی یہودیوں کے مذہب کے خلاف نہیں اسرائیل کی جارحیت اور وحشیانہ کارروائیوں کے خلاف ہے' کشمیری حریت پسندوں کی مسلح جدوجہد بھی ہندومت کے خلاف نہیں ریاست پر بھارت کے ظالمانہ قبضہ کے خلاف ہے۔

بدقسمتی سے مختلف تصورات کو گڈمڈ کر کے جان بوجھ کر غلط فہمیوں کو ہوا دی گئی ہے اور اِسلام کے تصور جنگ کو بدنام کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا' اِسلام دُشمن عناصر اور مغربی سامراجی طاقتوں نے دوہرے

معیار قائم کر رکھے ہیں' اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی قوم کے خلاف جہاد اس لیے فرض نہیں ہوتا کہ مدمقابل قوم غیر مسلم ہے۔ جہاد ظلم' درندگی اور بربریت کے خلاف تلوار اُٹھانے کا نام ہے اور دُنیا کا کوئی مذہب اور کوئی ضابطہ اِخلاق' ظلم' درندگی اور بربریت کے خلاف تلوار اُٹھانے سے نہیں روکتا۔ جہاد نہ کلی طور پر جارحانہ ہوتا ہے اور نہ کلی طور پر مدافعانہ ہوتا ہے۔' اِسلام نے میدانِ جنگ میں بھی ہمیشہ' مستقل اِعتدال اور توازن کی راہ اِختیار کی ہے۔

مسلمانوں نے تیرہ سال تک کفار کے ہر وار کو مردانہ وار اپنے سینے پر سہا لیکن زبان پر حرف شکایت نہیں لائے' ان کی رگوں میں بھی عربوں کا خون دوڑ رہا تھا۔ اِیمان کی دولت نصیب ہو جانے کے بعد ان کی شجاعت اور بہادری کے جواہر کو جلا ملی تھی' وہ بھی کفار کے دست ظلم و تشدد کو آگے بڑھ کر روک سکتے تھے لیکن ابھی ہاتھ اُٹھانے اور جوابی کارروائی کرنے کی اِجازت نہیں تھی۔ ورنہ حضور انور نبی کریم ﷺ کے ایک اشارے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُٹھ کھڑے ہوتے اور دُشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیتے۔ ان کی تو دِلی آرزو تھی کہ انہیں بھی کفار کے خلاف تلواریں بے نیام کرنے اور میدانِ جنگ میں دُشمن پر حملہ کرنے کی اِجازت ملے تا کہ وہ راہِ حق میں جاں نثاری کی نئی روایات قائم کرتے ہوئے داستان حریت اپنے لہو سے تحریر کرنے کی' سعادت حاصل کریں۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے ایک سال بعد ۱۲ صفر ۲ ہجری کو سورۃ الحج کی آیات ۳۹ تا ۴۰ کے ذریعہ مسلمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی اِجازت مل گئی۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی عظیم قیادت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر جذبہ جہاد و شہادت کو ایک ایسی زِندہ تحریک بنا دیا جس نے آگے چل کر نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں ایک مرکزی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کی بلکہ چار دانگ عالم میں سیاسی فتوحات کے دروازے بھی وا کیے اور ہر سو دین اسلام دور دور تک پھیلا دیا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' حضور پُر نور ﷺ کی عظیم قیادت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ شہادت کو جلا بخشی۔ وہ ہمہ وقت اللہ کی راہ میں جان کے نذرانے پیش کرنے کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیار رہنے لگے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مشرکین کی جانب سے مدینہ مُنورہ پر حملہ کسی وقت بھی متوقع تھا۔ کفار کھلی دھمکیاں دے رہے تھے اور مسلمانوں پر نفسیاتی دباؤ بڑھا رہے تھے تا کہ انہیں مرعوب کیا جا سکے۔ لیکن اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی کے مصداق' مسلمانوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ جذبے بیدار ہو رہے تھے' شوق شہادت انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اِیمان کا نور سینوں میں فروزاں تھا۔ ان حالات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات حضور پُر نور ﷺ نے آرام فرمانے کا اِرادہ فرمایا تو حالات کے پیش نظر فرمایا: کاش آج شب کوئی اِنتہائی ذمہ داری سے پہرہ دے۔ اسی آن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہتھیار بند حالت میں حاضر خدمت ہوئے اور زرہ پہن کر پہرہ دیا۔

کسی قانون یا نظام کے نفاذ کے لیے قوت نافذہ درکار ہوتی ہے اس قوت نافذہ کا وثیقہ خون سے تحریر ہوتا ہے اِسلام تو ہے ہی شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنے کا نام۔ جب تلواروں کو زنگ لگ جائے' مسلمان ہاتھ باندھ کر رحم طلب نظروں سے سامراجی طاقتوں کی طرف دیکھنے لگیں تو قوت نافذہ کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مدینۃ الرسول میں اِسلامی حکومت کے قیام کے بعد کفار مکہ کی اِسلام کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا تھا۔ مشرکین مکہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو مدینہ النبی میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا تو وہ ان کے آبائی اِستحصالی نظام کے انہدام کا فوری باعث بن جائے گا۔ اس لیے وہ اِسلام کو مٹانے کے لیے میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ خود حضورِ انور ﷺ کی جان لینے کے لیے منصوبہ بندیاں کرنے لگے۔ ایک عرصہ دراز تک مسلمانوں کی تدابیر اور عمل مدافعانہ نوعیت کے تھے لیکن جب مشرکین نے مدینہ پہنچ کر اِسلام اور اِسلام کے نام لیواؤں کو ختم کرنے کی دھمکی دے دی تو پھر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دُشمن کو نیست و نابود کرنے کے لیے جارحانہ انداز اپنا لیا۔

یہ موضوع بہت اہم اور طویل ہے سر دست اِتنا بیان کر دینا ہی کافی ہے کہ ان میں کچھ جنگیں مدافعانہ تھیں اور چند ایک کا انداز جارحانہ تھا کہ دُشمن کے گھر میں جا کر اس پر کاری ضرب لگائی جائے۔ جارحیت کا ذکر معذرت خواہانہ انداز میں کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ باطل کا سر کچلنے کے لیے جارحانہ اقدام کے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ گھر میں بیٹھ کر اپنے آپ کو صرف مدافعت تک محدود کر دینے سے غلبہ حق کی بحالی کا ہر تصور ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائے گا۔ مدافعت ایک غیر فعال حالت کے اِظہار کا نام ہے اور سر گرام عمل رہنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ آگے بڑھ کر دُشمن کے عزائم کو خاک میں ملا جا سکے۔ حملہ اِنسان کا بہترین دفاع ہے۔

یہود و ہنود و نصاریٰ نے علمی سطح پر بھی اِسلام کے بارے میں فکری مغالطوں' فلسفیانہ موشگافیوں اور بہتان تراشیوں کا وہ طومار باندھا کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی شکوک و شبہات کی گرد ہے کہ چھٹنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ بلکہ آج عالمی تناظر میں ایک منظم سازش کے تحت اِسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلا کر جہاد کے ڈانڈے دہشت گردی سے ملائے جا رہے ہیں۔ عورت کی آزادی کے نام پر اِسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے اور بنیاد پرستی کی آڑ میں اِسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جا رہا ہے۔ یہ عمل عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی جاری تھا اور آج بھی جدید ذہن بڑی حد تک اس منفی اور اشتعال انگیز پروپیگنڈے کی گرفت میں ہے۔

مشکل حالات میں پسپائی کا راستہ اِختیار کرنا مردان حق کا شیوہ نہیں۔ مومن منشائے ایزدی کو بروئے کار لانے کے لیے طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ باطل کا سر کچلنے اور فتنوں کی سرکوبی کے لیے ان کی قوت کے سرچشموں کو ختم کرنا پڑتا ہے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک راہِ حق کے مسافر باطل کو نیست و نابود کرنے کے لیے آگے بڑھ کر اس پر ضرب کاری نہ لگائیں۔ کہ ان فتنوں اور سازشوں کو دوبارہ سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو

سکے۔ دُشمن پر بڑھ کر حملہ کرنا اور اُس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دفاعی اور جارحانہ اقدامات کرنا قابل مذمت نہیں بلکہ ایسا نہ کرنا قابل مذمت وہ گھناؤنے عزائم ہیں جن کی آغوش میں فتنے پرورش پاتے ہیں۔ اِنسان کو خدائی کے اِعلان پر اکساتے ہیں۔ اور شرفِ اِنسانی کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر ابلیس کی مجلس شوریٰ سے جاری ہونے والے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

مالِ غنیمت

مستشرقین نے مالِ غنیمت کی آڑ میں اِسلام کے خلاف دشنام طرازی کا بازار گرم کیے رکھا اور بعض اِنفرادی روّیوں کا سہارا لے کر تمام مسلمانوں اور دِین اِسلام کو بدنام کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ جو اِقدامات معاشی صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لیے اُٹھائے گئے تھے ثمر بار ثابت ہوئے۔ مستشرقین نے اِستحکام کی طرف بڑھتے ہوئے مسلمانوں کے معاشی نظام کو بھی مالِ غنیمت کی فراوانی کا سبب بنایا۔ یہ پروپیگنڈہ بڑی چابک دستی سے کیا گیا کہ مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں قدم جمانے کے بعد تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح ان کی تنگ دستی اور مفلسی دور ہوئی تو وہ اپنی عسکری قوت منظم کرنے میں مصروف ہو گئے اور پھر جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور جنگوں اور دیگر مہمات میں بھی بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

ان اِلزامات کی حقیقت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ غزوات اور سرایا کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ ان مہمات کے نتیجے میں کتنا مالِ غنیمت ہاتھ لگا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی اور وہ مال مسلمان آبادی کے لیے کتنے عرصہ تک کافی ہو سکتا تھا۔ ہجرت کے پہلے دو سالوں میں کل بارہ مہمات کا ذکر ملتا ہے ان میں سے غزوۂ بدر کے علاوہ کسی دوسری مہم میں قابلِ ذکر مالِ غنیمت ملنے کا وجود نہیں ملتا۔

یہ بحث پہلے آ چکی ہے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی ایک جنگی چال تھی جس کا مقصد دُشمن کی رسد کاٹ کر اسے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کرنا تھا اور پھر اپنی عسکری قوت سے مرعوب کرنا بھی مقصود تھا تا کہ وہ اپنی شرانگیزیوں سے باز رہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ دُشمن کو ڈرا دھمکا کر اسے نفسیاتی دباؤ میں لانا جنگی حکمتِ عملی ہے جس پر عمل پیرا ہونا ہر قوم کا بنیادی حق ہے اور بین الاقوامی طور پر یہ حق آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ اس حق کا غلط اِستعمال جتنا آج ہو رہا ہے ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اگر ان مغربی مفکرین اور مستشرقین سے پوچھا جائے کہ کیا مسلمانوں نے قریش کے علاوہ دوسرے قبائل کے تجارتی قافلوں کو بھی روکا تو خاموشی اختیار کرنے کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اگر مسلمانوں نے لوٹ مار ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنانا تھا تو دیگر قبائل کے قافلوں پر انہوں نے کیوں ہاتھ نہیں ڈالا؟ سیدھی سی بات ہے کہ قریش مسلمانوں کے کھلے دُشمن تھے مسلمانوں نے قریش کی حملہ کرنے کی قوت پر کاری ضرب لگانے کے لیے ان کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کر کے کسی غیر اِخلاقی اور غیر آئینی حرکت کا

اِرتکاب نہیں کیا بلکہ محض اپنا بنیادی حق اِستعمال کیا۔

مستشرقین نے مسلمانوں پر لوٹ مار کا اِلزام محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے لگایا ورنہ اس کی اصل وجہ کچھ بھی نہیں یہاں غزوات اور سرایا میں مسلمانوں کے ہاتھ لگنے والے مالِ غنیمت کی تفصیلات درج کی جا رہی ہے۔

غزوات و سرایا میں مالِ غنیمت کا تخمینہ

نمبر شمار	مہم (سرمایہ یا غزوہ)	سن	مالِ غنیمت کا تخمینہ
۱-	سریہ نخلہ	۲ ہجری	بیس ہزار درہم
۲-	غزوہ بدر الکبریٰ	۲ ہجری	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم
۳-	غزوہ بنو قنیقاع	۲ ہجری	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
۴-	غزوہ السویق	۲ ہجری	دو ہزار درہم
۵-	غزوہ الکدر	۳ ہجری	بیس ہزار درہم
۶-	سریہ قردہ	۳ ہجری	ایک لاکھ درہم
۷-	غزوۂ اُحد	۳ ہجری	چھ سو سولہ درہم
۸-	سریہ قطن	۴ ہجری	بارہ ہزار چار سو درہم
۹-	غزوہ بنو النضیر	۴ ہجری	تین لاکھ درہم
۱۰-	غزوہ مریسیع	۵ ہجری	دو لاکھ درہم
۱۱-	غزوہ درمۃ الجندل	۵ ہجری	دس ہزار درہم
۱۲-	غزوہ خندق	۵ ہجری	دو ہزار درہم
۱۳-	غزوہ بنو قریظہ	۵ ہجری	سات لاکھ بیس ہزار درہم
۱۴-	سریہ جموح	۶ ہجری	ستر ہزار درہم
۱۵-	غزوہ فدک	۶ ہجری	چھ لاکھ پچاس ہزار درہم
۱۶-	سریہ بنی کلاب	۸ ہجری	دو لاکھ درہم
۱۷-	سریہ موتہ	۹ ہجری	پچاس ہزار دروہم
۱۸-	سریہ بیشہ	۹ ہجری	بتیس لاکھ درہم
۱۹-	سریہ درمۃ الجندل	۹ ہجری	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
میزان:	کل مہمات ۱۹	کل رقم	باسٹھ لاکھ سترہ ہزار سولہ درہم

عجیب بات ہے کہ بنیادی حقوق کے نام پر طوفانِ بدتمیزی کھڑا کرنے والے ''اربابِ شعور'' مسلمانوں کو جارجیت کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے کا حق دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ بعد کے چند سالوں میں غزوۃ الکدر، سریہ قطن اور بنو نضیر کی جلا وطنی کے علاوہ مالِ غنیمت کا ذکر نہیں ملتا۔ کل مہمات میں سے نصف سے بھی کم ایسی مہمات ہیں جن میں تھوڑا بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ قریش جو مسلمانوں کے اصل دُشمن تھے ان کے ساتھ جو بڑے بڑے معرکے ہوئے ان میں تو بہت کم مالِ غنیمت ملا۔

پھر مہمات کی روانگی کے وقت اخراجات بھی اُٹھتے ہیں' بعض مہمات میں مسلمانوں کو مالی اِعتبار سے نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ اگر ان اخراجات اور نقصانات کو منہا کر دیا جائے تو مالِ غنیمت برائے نام رہ جاتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے آقا ﷺ کے ساتھ تھے بچوں اور عورتوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو مسلمانوں کی آبادی تین لاکھ سے زیادہ شمار میں نہیں آتی۔ ایک اندازے کے مطابق مالِ غنیمت کی کل مالیت اکسٹھ لاکھ ستاون ہزار درہم بنتی ہے اس زمانے کے اخراجات کے مطابق ایک اوسط درجے کا گھرانہ سالانہ تین ہزار درہم خرچ کرتا تھا۔ مذکورہ رقم سے تو مدینہ کی چوتھائی آبادی کا ایک سال کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا۔ ایک قوم کی اِقتصادی زِندگی میں اس مالِ غنیمت کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔

اسلام تو استحصال لوٹ کھسوٹ' حق مارنے حق تلفی کی ہر شکل کو مٹانے کے لیے آیا ہے وہ اپنے پیروکاروں کو لوٹ مار کی اِجازت کیسے دے سکتا ہے۔ روایات میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ کسی سفر سے واپسی پر بھوک کی شدت کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بغیر اجازت کے کسی شخص کی بکریاں پکڑ کر ذبح کر ڈالیں جب یہ واقعہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے پکی ہوئی دیگیں اُلٹ دیں اور فرمایا: لوٹ مار کی غذا مردار سے بڑھ کر ہے۔

عاصم بن کلیب نے اپنے والدِ مکرم سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری نے فرمایا:

''ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو لوگوں کو کھانے پینے کی بڑی ضرورت پڑی اور دِقت کا سامنا کرنا پڑا۔ پس انہیں بکریاں ملیں تو انہیں لوٹ لیا۔ ہماری ہانڈیوں میں اُبال آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کمان ہاتھ مبارک میں لئے تشریف لے آئے اور اپنی کمان سے ہماری ہانڈیوں کو اُلٹنا شروع کر دیا اور گوشت کو مٹی میں ملانا شروع کر دیا پھر فرمایا لوٹ مار مردار سے زیادہ حلال نہیں''۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳)

حصول مالِ غنیمت کی حوصلہ شکنی

مالِ غنیمت کا حصول کبھی بھی مسلمانوں کی جہادی سرگرمیوں کا مطمح نظر نہیں رہا۔ تصور و فلسفہ جہادٗ جنگ برائے جنگ کے ہر تصور کی نفی کرتا ہے۔ عقلِ سلیم بھی یہ بات تسلیم نہیں کرتی' اِسلام جیسے دِین رحمت کے پیروکار

کسی قسم کی لوٹ مار میں بھی ملوث ہو سکتے ہیں یا مالِ غنیمت کے لالچ میں وہ کسی کمزور فرد یا قبیلے کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں جس سے مستشرقین کے اعتراضات کو تقویت ملتی ہو۔ بلکہ جتنے بھی واقعات ہیں وہ سب مسلمانوں کے کردار کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔

جس غیر تحریری ضابطہ اِخلاق پر حالتِ جنگ میں بھی مسلمان عمل پیرا رہے آج کی نام نہاد 'مہذب اقوام' زمانہ امن میں بھی شرفِ انسانی کی پاس داری اور کردار کی اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتیں جو ہادیٔ برحق ﷺ کے پیروکاروں کے کردار کا اِمتیازی وصف ہے۔ اِنسان کے اندر مال و دولت کی محبت کا موجود ہونا ایک فطری امر ہے۔ بے نیازی کی کیفیات اور جذبات' تہذیبِ نفس کے بعد ایک عرصہ میں شخصیت کا حصہ بنتے ہیں' قطرے کو گہر بننے تک ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ حرص' لالچ اور طمع سے نجات' تربیت کی بھٹی میں سے گزرنے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

تعلیماتِ اِسلامی بھی اِنسانی مزاج کے مطابق بتدریج نیکی کا جذبہ اِنسان کے اندر سے اُبھارتی ہیں۔ خارجی دباؤ کو قبول کر کے جو عمل اختیار کیا جائے وہ ناپائیدار ہوتا ہے' جونہی یہ دباؤ ذرا کم ہوتا ہے اِنسانی خواہشات کا لاوا پھوٹ پڑتا ہے اور پھر اس لاوے کی زد میں آ کر تمام اخلاقی قدریں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔ آج سے کوئی پندرہ بیس سال پہلے جب امریکہ کے ایک شہر میں کسی فنی خرابی کے سبب مکمل بلیک آؤٹ ہو گیا تو اس رات مہذب قوم کے مہذب افراد نے اس وقت جو لوٹ مار کی اور شرفاء کی عزت کو جس طرح پامال کیا' یہ حادثہ میرے نقطۂ نگاہ کی خوب وضاحت کرتا ہے۔

اِسلام دِینِ فطرت ہے یہ فرد کے ظاہر و باطن میں روشنیوں کا اہتمام مرحلہ وار کرتا ہے تا کہ فرد کی شخصیت میں نکھار ہی پیدا نہ ہو بلکہ یہ نکھار دیر پا بھی ہو اور اس کی لحد کو بھی کردار کی روشنی سے منور کرنے کا ضامن ہو۔

حضور انور نبی کریم ﷺ نے طمع' لالچ اور حرص کی مختلف کیفیات اوقات اور مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا۔ مالِ غنیمت کو اگرچہ جائز قرار دیا گیا لیکن لالچ' طمع اور حرص کے خاتمے کے لیے مالِ غنیمت کے حصول کی حوصلہ افزائی نہیں بلکہ حوصلہ شکنی کی گئی۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی نمود و نمائش کے لیے جہاد میں شرکت کرتا ہے اور کوئی مالِ غنیمت کے حصول کے لیے میدانِ جنگ میں زور آزمائی کرتا ہے آخر کس کا جہاد اللہ کی راہ میں مقبول ہوگا؟ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کے دِین کی سر بلندی کے لیے جہاد کرے وہی درحقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے''۔ (صحیح البخاری' جلد ۱ صفحہ ۳۹۴' صحیح مسلم' جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

سیم و زر سے محبت اور مالِ غنیمت کی رغبت کو دیکھ کر قرآن حکیم نے اس ناروا سوچ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا؟ اور سورۃ آلِ عمران کی آیت 152 میں یوں ارشاد فرمایا:

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ

ترجمہ ”تم میں سے کوئی دُنیا کا خواہش مند تھا اور تم میں سے کوئی آخرت کا طلب گار تھا“۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۵۲)

جہاد میں مالِ غنیمت کا حصول ایک ضمنی سی بات ہے' مالِ غنیمت کا حصول جہاد کا کبھی بھی مقصود نہیں رہا' غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو جن عارضی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کی وجہ بھی مالِ غنیمت کا حصول ہی بنا تھا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے ہر مرحلہ پر اپنے اصحاب کی اِصلاح فرمائی تا کہ ان کی توجہ جہاد فی سبیل اللہ کے اِیمان افروز جذبہ کی طرف مبذول رہے۔ نظریں مقصود پر ہونی چاہئیں پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اضافی طور پر جو عنایت فرمادے اس پر سجدہ شکر بجالانا چاہیے۔

اِرشادِ نبوی ہے:

”جو لشکر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا ہے اور مالِ غنیمت حاصل کر لیتا ہے اسے اجرِ آخرت کا دو تہائی حصہ مل جاتا ہے اور اس کا صرف ایک تہائی اجر رہ جاتا ہے اور اگر اس کو مالِ غنیمت نہ ملے تو ان کا مکمل اجر ہوتا ہے“۔ (صحیح مسلم' جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

منشائے ایزدی کے مطابق اور حضور انور نبی کریم ﷺ کے اِرشاداتِ گرامی کی وجہ سے جب صحابہ کرام میں شعورِ اِحتساب پیدا ہوا تو ان کا دامن خیر کے پھولوں سے بھرتا گیا اور ان کی شخصیتوں میں شگفتہ کلیوں جیسا نکھار آتا چلا گیا۔ مالِ غنیمت سے بے رُغبتی کے واقعات کثرت سے جنم لینے لگے' جہاد فی سبیل اللہ کا شعور مزید پختہ ہوا اور مالِ غنیمت کے حصول کا تصور بھی ان کے دامنِ دِل کو چھو کر نہ گزرتا۔ یہ حال صرف اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہی نہیں تھا بلکہ عام سادہ دیہاتی لوگ بھی فقر و غنا کی اس دولت سے مالا مال تھے' انہیں مالِ غنیمت پیش کیا جاتا تو وہ جرأت کا اِظہار کرتے کہ ہم نے اللہ کی راہ میں جہاد اس کے دِین کی سر بلندی کے لیے کیا تھا مالِ غنیمت کے حصول کے لیے ہم نے اپنی تلواریں نیام سے باہر نہیں کی تھیں۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہا

اِسلامی لشکر تبوک کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اس وجہ سے اِسلامی لشکر میں شریک نہیں ہو سکے تھے کیونکہ ان کے پاس کوئی سواری نہیں تھی کہ وہ لشکر میں جا کر شامل ہوتے۔ شوقِ جہاد سینے میں مچل رہا تھا لیکن غزوۂ تبوک میں شرکت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ دیوانہ وار مدینہ کی گلیوں میں صدا لگانے لگے' ہے کوئی جو مجھے اپنے سواری میں شریک کرے اگر مالِ غنیمت حاصل ہوا تو اس میں نصف کا شریک بن جائے گا۔ ایک انصاری صحابی جو لشکر کے ساتھ روانہ نہیں ہو سکے تھے۔ اور اب شامل ہونے جا رہے تھے انہوں نے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ واپسی پر حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت کے طور پر ملنے والے نصب اونٹ اس انصاری صحابی کی خدمت میں پیش کیے لیکن انہوں نے یہ اونٹ قبول کرنے سے

اِنکار کر دیا کہ میں نے تمہیں شریک سفر مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر نہیں کیا تھا وہ تو صرف رضائے الٰہی کے لیے تھا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷)

چرواہے کی بے نیازی

حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چرواہے نے اِسلام قبول کیا تو حضور انور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو اس کا خیال رکھنے کا حکم صادر فرمایا وہ غزوۂ خیبر میں شامل ہوئے۔ جنگ کے بعد انہیں بھی مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ ملا۔ تو اس چرواہے صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے مالِ غنیمت کے حصول کے لیے جہاد میں شرکت نہیں کی تھی اور نہ کسی دُنیاوی لالچ کی بناء پر اسلام قبول کیا تھا بلکہ میں نے تو آپ (ﷺ) کے پُرخلوص اتباع کے لیے کی تھی کہ ایک تیر آئے اور میرے حلق سے پار ہو جائے اور جنت میں چلا جاؤں۔

یہ مصدقہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مالِ غنیمت کا حصول جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کبھی مقصود ہی نہیں رہا۔ مطلوب و مقصود تو صرف آرزوئے شہادت تھی' اپنے آقا ﷺ کے قدموں پر جاں نثار کرنے کی تمنا تھی۔ مالِ غنیمت کی تمنا بھی ممکن ہے بعض دِلوں میں جنم لیتی رہی ہو لیکن حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کمال حکمت سے کام لیتے ہوئے اس تمنا کو تمنائے شہادت میں تبدیل کر دیا۔ مالِ غنیمت کا لینا جائز ہے اِسلام نے اس کے لیے پورا ایک نظام دیا ہے۔ اس کے حصول اور اس کی تقسیم کے قواعد و ضوابط بنائے ہیں یہ کوئی شجرِ ممنوعہ نہ تھا اور نہ ہے کہ اس پر شرمندگی محسوس کی جائے البتہ اس بات کا اِہتمام کیا گیا کہ مالِ غنیمت کا حصول ہی جہاد کا مقصود نہ بن جائے تاکہ اس طرح جہاد کا اجر و ثواب ضائع نہ ہو جائے۔

معترضین کے اِعتراضات میں ذرا سا بھی وزن نہیں' ان کی ساری بہتان تراشی قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتی ہے اور علمی تحقیق کے نام پر وہ اپنی اِسلام دُشمنی کا اِظہار کرتے رہتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی سازش میں مصروف رہتے ہیں۔

اعمال کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے' سوچ اور نیت کے فرق سے احکامات بدل جاتے ہیں' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے محض مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جنگ کو ممنوع قرار دیا ہے' دورِ نبوی میں کوئی ایک مہم بھی ایسی روانہ نہیں کی گئی جس کا مقصد مالِ غنیمت کا حصول ہو بلکہ ان مہمات کے مقاصد مختلف ہوتے۔ مجاہدین جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر نکلتے' اِعتماد' وقار اور تمکنت کے ساتھ سینوں میں شہادت کے ارمان مچل رہے ہوتے' آنکھوں میں ایک عجیب چمک ہوتی وہ چمک جو نصب العین کی سچائی پر پختہ اِیمان کی وجہ سے عطا ہوتی ہے۔ جہاد وہی مقبول ہے جس کی غرض و غایت اعلائے کلمۃ الحق ہو' جو کسی دُنیاوی یا ذاتی غرض کی خاطر میدانِ جنگ میں نکلتا ہے اسے اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی' ایسے ہر شخص کا قتال جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

باقی رہی مالِ غنیمت کی بات تو دُشمن کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور دیگر اشیاء پر جو فاتحین کے ہاتھ آتی ہے ان کے بارے میں عسکری تاریخ میں کبھی بھی دو آراء نہیں رہیں' فاتحین انہیں اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔

قریش کو شام و عراق' وغیرہ کی تجارت سے اڑھائی لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی ہوا کرتی تھی مسلمانوں نے قریش کی اِقتصادی ناکہ بندی کر کے نہ صرف مدینہ شہر کو اور قرب و جوار کو تحفظ دیا بلکہ دُشمن کے حملہ کرنے کی صلاحیت پر بھی کاری ضرب لگائی۔ آخر اہلِ مدینہ اپنے دفاع میں دُشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کا موٴثر ہتھیار کیوں استعمال نہیں کر سکتے؟

موجودہ دور میں اپنے آپ کو مہذب دُنیا کے افراد کہنے والے دانشور عراق میں امریکی جارحیت کے بعد اس پر اقتصادی پابندیوں کا کیا جواز پیش کریں گے؟ کوئی ملک اپنے سمندروں' شاہراہوں اور فضاؤں سے دُشمن کو گزرنے کی اِجازت نہیں دیتا بھارت نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان ہوائی رابطہ کاٹ کر پاکستان کو دو لخت کر دیا تھا لیکن عالمی ضمیر پر جوں تک نہ رینگی۔ دُنیا کی ہر قوم ان کے دفاعی اقدامات کی توثیق کرتی ہے۔ آخر اہل مدینہ ہی یہ حق کیوں اِستعمال نہیں کر سکتے تھے؟

مستشرقین کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے سیاہ کارناموں کے بارے میں وہ ہونٹوں پر قفل چڑھا لیتے ہیں لیکن جب یہ کائنات کی سب سے بڑی سچائی ''اِسلام'' کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو میڈیا پر اپنی دسترس ہونے کے باعث حقائق کو مسخ کر کے ہذیان بکنے لگتے ہیں اور ہمارے بعض دانشور و علماء ان کے پروپیگنڈہ کے بہکاوے میں آ جاتے ہیں اور ان کے باطل خیالات کو سچ مان کر ان کی تشہیر شروع کر دیتے ہیں۔

جب مسلمانوں کی زبان و قلم سے مستشرقین کے باطل خیالات تشہیر و پذیرائی پاتے ہیں تو مستشرقین نام و نہاد دانشور اور علماء سو کو ہر طرح سے بڑھاوا دیتے ہیں' حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور انہیں ''حق پرست'' ''نڈر اور بے لاگ کھری بات کرنے والے'' ''تحقیق جدید کے موجد'' ''تاریخی سوچ رکھنے والے'' کی طرح کے مختلف خطابات سے نوازتے ہیں اور ان کی تالیف کو بھی نادر زمانہ' حقائق پر مبنی تحقیق وغیرہ کے درجات سے نوازتے ہیں۔

غیر مسلم کا اِسلام کے خلاف لکھا ہوا اُمتِ مسلمہ کے لیے مقابلتاً اتنا برا نہیں ہوتا جتنا کہ ایک نام نہاد مسلمان کا کہا ہوا' لکھا ہوا بُرا ہو سکتا ہے کیونکہ اُس کو یہ سند مل جاتی ہے کہ یہ تمہارے اپنے ہی کہتے ہیں اور وہ تو سچ ہی کہتے ہوں گے۔

پُرخیر' کثیر المقاصد گشتی دستے (سرایا و غزوات)

قارئین کرام! اصل میں تو یہ باب مستشرقین (منظم' تعلیم یافتہ' غیر مسلموں کو کا وہ گروہ جن کا مقصد اُمت مسلمہ اور دِین اِسلام کو تفرقہ میں ڈالنا ہے' ان کا برا چاہنا ہے اور بُرا کرنا ہے) کی اس گھناؤنی الزام تراشی کو رفع کرنے' مٹانے کے لیے' اس کے سد باب کے لیے لکھا جا رہا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ سرایا و غزوات دراصل چھاپہ مار دستے تھے جن کا مقصد خاص طور پر قافلوں کو گھیر کر لوٹ مار کرنا تھا۔ چھاپہ مار دستے کہنا تو اتنا برا نہیں ہے لیکن' مستشرقین نے چھاپہ مار کا لفظ لوٹنے' لوٹ لینے والے' یا لوٹ مار کرنے والے' کو ہم معنی کر دیا ہے۔ چھاپہ مارنے کا مطلب تو ہے اچانک بے خبری کے ساتھ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جانا لیکن دِینِ اِسلام اور اُمت مسلمہ کا برا چاہنے والوں نے اس لفظ کو لوٹ مار کرنے والے کے ہم معنی کر دیا ہے۔

قارئین کرام! گزشتہ اوراق میں آپ سرایا و غزوات کے مقاصد و فوائد تفصیل سے پڑھ چکے ہیں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں (اس کتاب کا مصنف) مذکورہ الفاظ سرایا و غزوات کا ترجمہ کثیر المقاصد گشتی دستے کروں گا بلکہ انہیں ''پُرخیر کثیر المقاصد گشتی دستے'' کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے اور حقیقت کے قریب تر ہے''۔

سرایا و غزوات کسی صورت بھی تخریب کاری' لوٹ مار یا ایذا رسانی کی بدنیتی پر مبنی نہ تھے اور نہ ہی کبھی ایسا کیا گیا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کر سکتے تھے۔

تمام سرایا و غزوات میں احکام و ہدایاتِ حضور پُرنور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو ہمہ وقت ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جہاں کہیں بھی ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ وہ اس فعل کو' اس کام کو کریں یا نہ کریں جیسا کہ سریہ عبداللہ ابن جحش میں ہوا تو وہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور خلوصِ دِل سے اس میں شر کے مقابلہ میں خیر کے پہلو کو مدِ نظر رکھا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' سیّد المرسلین' خاتم النبیین' رحمت العالمین ﷺ کی تعلیم' احکام و ہدایات ساری دُنیا کے لیے اور تمام مخلوقات کی خیر و بھلائی امن و سکون کے لیے تھیں اور ہیں۔ ان میں مستشرقین کا ایسے گھناؤنے پہلو نکال لینا بڑے دُکھ کی بات ہے ایسی صورت حال میں ہم مسلمانوں پر' ہمارے علماء کرام پر یہ فرض عائد ہوتا

ہے کہ ایسے مکروہ خیالات واعتراضات کا مضبوط دلائل کے ساتھ تفصیل سے مکمل سد باب کریں۔

اسی خیال کے پیشِ نظر متعلقہ چیدہ چیدہ نکات کو پھر لکھ دیا ہے تا کہ قارئین کرام مستشرقین کی پیدا کردہ دِل آزاری سے محفوظ رہیں۔ سرایا وغزوات کی درجہ بندی بھی اسی خیال سے کی گئی ہے کہ ان کے ''پرخیر کثیر المقاصد'' ہونے کا ہر کسی کو یقین واثق رہے۔

میں ان سرایا وغزوات کو ''پرخیر کثیر المقاصد گشتی دستے'' ہی کہوں گا اور لکھوں گا۔ یہ نہ چھاپہ مار (مستشرقین کے مفہوم کے مطابق) دستے تھے اور نہ یہ تعذیبی دستے تھے ہاں یہ ہر طرح سے تادیبی دستے ضرور تھے کیوں کہ ان میں تعلیم وتربیت بھی تھی' ان میں سبق بھی تھا اور تنبیہ تھی۔ یہ ادب واخلاق سکھانا بھی تھا اور ادب واخلاق و مروت کا پرچار بھی۔ ان کے ذریعے ضابطہ حیات برائے بنی نوع انسان وجن کو آفاقی رنگ دیا جارہا تھا۔ منشائے ربّ العالمین کے مطابق اِنسان کو راہِ اِنسانیت کی طرف لایا جارہا تھا۔

مستشرقین سے میں ایک سوال پوچھوں گا۔ فرض کریں کہ کل کلاں آپ اپنے موجودہ خیالات و مذہب کو چھوڑ کر کوئی اور خیالات و مذہب اپنا لیتے ہیں اور آپ کی اس تبدیلی مذہب وخیالات کا علم' پتہ آپ کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو چل جاتا ہے۔ وہ آپ کو تنگ کر کے' ڈرا دھمکا کے آپ کے گھر اور علاقہ سے نکال دیتے ہیں اور آپ کو اپنی کمائی' مال و دولت وسامانِ ضروریاتِ زِندگی بھی ساتھ نہیں لے جانے دیتے بلکہ آپ کے نکلتے ہی گھر بار پر قبضہ کر لیتے ہیں' اس میں رہنا شروع کر دیتے ہیں یا اسے بیچ کر بانٹ کھاتے ہیں۔

کیا جو آپ کے پڑوسیوں' رشتہ دروں نے آپ کے ساتھ کیا ہے وہ آپ اور دیگر صاحب عقل لوگوں کے خیال میں' نگاہ میں' سمجھ میں جائز ہے؟ حق ہے؟ یقینی طور پر' آپ کا تعلق چاہے کسی قوم اور کسی بھی مذہب یا بے دِین طبقہ سے ہو تب بھی آپ کا جواب اس سوال کے بارے میں یہی ہوگا کہ یہ سراسر ناجائز ہے اور کھلی زیادتی ہے۔

یہی زیادتی' ناانصافی' سراسر ناحق مشرکین و کفار مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ انہیں گھر بار اور علاقہ چھوڑ جانے پر مجبور کر دیا گیا اور مشرکین ان کے گھروں' مال و دولت جائیداد و زمینوں پر قابض ہو گئے تھے۔ مشرکین مسلمانوں کے ضبط شدہ مال و دولت و جائیداد سے تقریباً گزشتہ دو دہائیوں سے فائدہ اُٹھا رہے تھے اور اس سے حاصل شدہ منافع سے اُلٹا وہ مسلمانوں کو ہی نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں نے کسی بھی سرایا یا غزوات میں لوٹ مار نہیں کی' اور لوٹ مار کی غرض سے کہیں چھاپہ نہ مارا جیسا کہ مستشرقین اِلزام تراشی کرتے ہیں۔ دُشمنوں کو' اپنے مد مقابل کو کمزور کرنا' اسے گھبراہٹ' پریشانی' جھنجلاہٹ' سراسیمگی' بدحواسی' حیرانگی اور بوکھلاہٹ میں مبتلا کرنا ہر کسی کا فرض ہے۔ دُشمن کے اِرادوں اور تیاریوں سے باخبر رہنا اپنی بقا کے لیے بے اِنتہا ضروری ہے۔ دُشمن کو ہر طرح سے نقصان پہنچانا' صدمات پہنچانا' اسے برے حالات سے دو چار کرنا۔ اپنے بارے میں دُشمن کو صحیح اندازہ نہ ہونے دینا' اسے بے خبر رکھنا اور اس کے بارے

میں صحیح اطلاعات رکھنا۔ دُشمن کو معاشی' سیاسی لحاظ سے کمزور کرنا' اس کی قوت جنگ کو ہر طرح سے کمزور کرنا۔ ہر کسی کا حق ہے۔ یہ سب حربے آج بھی جائز ہیں اور ان پر ہر قوم و ملک عمل پیرا ہے اور یہ حربے اس وقت بھی جائز تھے۔ اپنی طاقت کا رعب ڈالنا' اپنی طاقت کو مختلف طریقوں سے جتانا اس وقت بھی جائز تھا' روا تھا اور آج بھی مختلف طریقوں و انداز سے یہی کیا جا رہا ہے۔ مسلمان تو حقیقی معنوں میں اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔

سرایا و غزوات کو چھاپہ مار دستے (لوٹ مار کرنے والے دستے) کہنے والے اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو کبھی اپنے بھی مال و دولت و جائیداد و گھر بار کو مشرکین مکہ سے واپس لینا نہ چاہا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جانے کے بدلہ میں گھر بار' جائیداد' جائے پیدائش سے محرومی کا انہیں قطعاً قلق نہ تھا۔ وہ تو خوش تھے کہ دُنیا کی دولت کے بدلے انہیں ایمان کی دولت مل گئی۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو تین نے اپنی چھوڑی ہوئی جائیداد کا ذکر بارگاہِ اقدس میں کیا تھا (اس کا ذکر آپ ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کے فوراً بعد کے واقعات میں گزر چکا ہے اور خاص طور پر اس جائیداد کا ذکر جس پر ابوسفیان قابض ہو گیا تھا)۔ ان کے ذکر کرنے پر آپ ﷺ کے اِرشادِ مبارک کو انہوں نے سنا اور اس خوبصورتی سے قبول کیا کہ پھر کسی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی زِندگی بھر ذکر نہ کیا۔ وہ اس معاملہ کو اسے ایسے بھول گئے جیسے کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

اگر آپ میری بات کو سمجھیں اور مانیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اتنے عظیم تھے فراخ دِل' سمجھ دار' پُر خلوص اتباع و فرمانبرداری کرنے والے تھے کہ فتح مکہ کے وقت جب کہ مسلمانوں کو کلی طاقت و غلبہ حاصل تھا مہاجرین مکہ میں سے کسی ایک نے بھی اپنی پرانی چھوڑی ہوئی جائیداد حاصل کرنے کی سعی نہیں کی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہ وہ اپنی جائیداد و گھر بار کو دیکھنے بھی نہیں گئے اور حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو سب ہی اللہ کی رضا کے طلب گار تھے۔ وہ تو اپنی ہر خوشی و سکون قلب اتباع و پُر خلوص اطاعت و فرمانبرداری پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' سرور کائنات' ہادیٔ انس و جاں سیّد المرسلین' خاتم النبیین' رحمت العالمین ﷺ میں پاتے تھے۔ تاریخِ اِسلام' سیرت النبی میں ہزار ہا مثالیں ایسی موجود ہیں جن سے یہ سچ' یہ حقیقت کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دُنیا سے رغبت برائے نام تھی بلکہ ان کی اکثریت کو تو رغبت ہی نہ تھی' روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

یہ نہیں کہ دُنیا ان کے پاس نہیں آئی۔ دُنیا ان کے پاس بہت آئی لیکن غالب اکثرت نے اُسے سنت رسول کریم ﷺ میں ٹھکرا دیا اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی دُنیا کی معرفت آخرت کمائی۔ انہوں نے دُنیاوی خواہشات کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باب میں پڑھ آئے ہیں کہ کئی

ایک نے کمایا بھی بہت یعنی کہ دُنیا بھی ان کے پاس بہت آئی اور انہوں نے بیک وقت ہزاروں اونٹوں کے سامان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں لٹایا بھی، خرچ بھی کیا۔ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال و دولت کو ایسی جگہ رکھ دیتے تھے جہاں سے حاجت مند حسب ضرورت لے جایا کرتے تھے انہوں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ لے جانے والا کون ہے اور کتنا لے گیا ہے اور یہ سب کچھ تعلیم وتربیت حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے سبب تھا۔

بھلا ایسے پاکباز گردہ، ایسے خدا ترس، خدا خوف اور آخرت کے طلب گار لوگوں کے بارے میں ایسے بے ہودہ، لغو الزامات کہ مسلمانوں کے چھاپہ مار دستوں کا کام قافلوں کو لوٹنا تھا کسی بھی صاحبِ عقل کو کیسے قبول ہو سکتے ہیں۔

حیاتِ طیبہ، ایک روشن کھلی کتاب

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضور انور، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے شب و روز ایک کھلی کتاب کی مانند ہیں۔ اس کھلی کتاب کے پُر خلوص مطالعے اور تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار اور مراحل میں پیش آنے والے حالات و واقعات کے غیر جانبدارانہ تجزیے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ دِین اِسلام محض، تبلیغ و وعظ، پند و نصائح اور چند ایک عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ اِسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور دین اسلام اِنسان کے ذہنی اور فکری ارتقاء سے لے کر اس کے معاشی سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، عسکری، تمدنی اور عمرانی مسائل سے بھی بحث کرتا ہے۔ صرف بحث ہی نہیں کرتا بلکہ ان مسائل کا حل بھی تجویز کرتا ہے۔ وہ حل جو اِنسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور جو عدل و انصاف کے ہر معیارے پر پورا اُترتا ہے بلکہ عدل و انصاف کے ضابطے مدون کرتا ہے۔

اِسلام عیسائیت کی طرح دِین کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار نہیں دیتا بلکہ مومن کے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور سونے جاگنے کو بھی عبادت قرار دیتا ہے بشرطیکہ اس کا یہ فعل خالص رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہو۔ اِسلام، دِین اور سیاست کو جدا جدا اِدارے تصور نہیں کرتا بلکہ دینی اقتدار کو سیاسی قوت کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کے لیے ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے، ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ اِنسان کو اموال پر ایک خاص مدت کے لیے محض حق تصرف حاصل ہے۔

تبلیغ اِسلام اور اقامت دِین مقصود بعثت ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِعلان نبوت کے ساتھ ہی تحریک اِسلامی کو بتدریج کمال حکمت اور فراست سے آگے بڑھایا گیا اور اِسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کا عمل بھی شروع کیا گیا۔ یہ اِس لیے کہ غلبہ اِسلام کی منزل کو جلد سے جلد حاصل کیا جائے۔

اِسلام کو چونکہ تمام ادیان پر غالب آنا تھا اس لیے سیاسی غلبے کے حصول کو عین عبادت قرار دیا گیا۔ حضور

پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بعثت کے بعد اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں جو اِنقلابی جدوجہد کی اس کا نتیجہ ریاست مدینہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔

مسلمان، آپ ﷺ کی قیادت و حکمتِ عملی کے سبب دیکھتے ہی دیکھتے ایک مضبوط سیاسی قوت کے طور پر اُبھرے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا عالم کفر آپ ﷺ کی اِنقلابی جدوجہد کے خلاف صف آراء ہو گیا۔ قبائل کا سارا زور اس بات پر تھا کہ اِسلام کو ایک سیاسی قوت نہ بننے دیا جائے کیونکہ اِسلام اگر ایک سیاسی قوت بن کر اُبھرا تو وہ عرب میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرے گا جس سے قبائلی نظام کی بنیادیں تک ہل جائیں گی۔

حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ نے ایک عظیم سپہ سالار کی حیثیت سے بھی بھرپور اور مثالی زِندگی گزاری۔ نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت کے عظیم مقاصد کو اپنی زِندگی کا مرکز و محور قرار دے کر دِن رات اقامت دِین کے لیے مصروفِ عمل رہے۔ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ جدوجہد ابتلا و آزمائش کے مراحل سے گزرنے کے بعد قدم قدم پر کامیابیوں اور کامرانیوں کا پیغام لائی اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی کہ اِنسانیت کے بھٹکے ہوئے کاروان کو صراطِ مستقیم ملی۔ اسے سیدھے راستے پر چلنے کا شعور عطا ہوا اور کاروان ہستی نئے عزم لیے تحقیق و جستجو کی راہوں پر گامزن ہوا۔

غزوات اور سرایا میں بھی اِخلاق اور ضابطوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا۔ اور جنگ کی ناگزیریت کے اِحساس کے باوجود جنگی جنون یا دہشت گردی میں مجاہدینِ اِسلام ملوث نہیں ہوئے۔ غزوات اور سرایا کی تعداد میں اختلافِ حقیقی ہے۔ غزوات اور سرایا کی تعداد عموماً ۸۸ بیان کی جاتی ہے جب کہ بعض محققین کے نزدیک یہ تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن کتب سیر کا مطالعہ کرنے سے اس نوعیت کی کچھ اور مہمات کا بھی سراغ ملتا ہے۔ لیکن اس نکتہ پر سب متفق ہیں کہ یہ مہمات ساری کی ساری جنگی کارروائیاں نہیں تھیں، صرف ان کی کثیر تعداد کی آڑ میں بعض مخالفین نے حضور انور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کو کسی عام سپہ سالار کی کارروائی قرار دے کر حقائق کو مسخ کرنے کی جسارت کی ہے۔

سرایا اور غزوات کی مہمات مختلف مقاصد کے لیے روانہ کی جاتی تھی۔ اوّلین سیرت نگاروں نے ان مہمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن مہمات میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی انہیں غزوات کا نام دیا گیا۔ اور جو مہمیں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں روانہ کیں انہیں سرایا کہا گیا۔ اس امر سے بحث نہ تھی کہ ان مہمات کو روانہ کرنے کی غرض و غایت کیا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے قدیم اہل سیر کا طریق یہ رہا ہے کہ وہ واقعہ نگاری پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اسباب و نتائج کو بالعموم نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے کئی ایک غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرکوبی یا ان کی گرفتاری کے لیے بھیجی جانے والی مہمات بھی سرایا میں شامل ہیں۔

مہمات کی درجہ بندی

نوعیت کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو ہم غزوات وسرایا کی درجِ ذیل درجہ بندی کر سکتے ہیں۔ اور ان سب سرایا وغزوات سے بلواسطہ یا بلاواسطہ وہ تمام مقاصد وفوائد حاصل ہوئے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ڈاکوؤں، لٹیروں کا تعاقب

اس مقصد کے لیے غزوۂ سفوان، سریہ قطن، غزوۂ ذی قردہ یا غزوۂ غابہ، سریہ عبداللہ بن حذافہ، سریہ حسمی، سریہ اُم قرفہ اور سریہ عرینیین جیسی مہمات روانہ کی گئیں۔

دُشمنوں کا تعاقب

اس مقصد کے لیے غزوۂ سویق، حمراء الاسد اور غزوۂ طائف کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

تبلیغِ دِین اللہ

غزوۂ ودان، غزوۂ بواط، غزوۂ ذوالعشیرہ، سریہ دومتہ الجندل، صلح حدیبیہ اسی قبیل (گروپ) سے ہیں تاہم ان میں سے بعض مہمات کی غرض وغایت معاہدہ جات کی تکمیل بھی رہی ہے۔

مقامی وشخصی واقعات

اس میں سریہ عمیر، سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ عبداللہ بن جحش اور سریہ ابن عتیک کا ذکر آئے گا۔

رفع خطرہ بغاوت

کچھ مہمات مختلف قبائل کی طرف بغاوت کے آثار دیکھ کر شورش کو کچلنے اور بلوؤں کو روکنے کے لیے روانہ کی گئیں جن کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور شرپسندوں کو سر اُٹھانے کی مہلت نہ ملی مثلاً غزوۂ بنو قنیقاع، سریہ رجیع، سریہ بئر معونہ، غزوۂ بنونضیر، سریہ بنو مصطلق، غزوۂ بنو قریظہ، سریہ ذی القصہ اور سریہ بنوطی وغیرہ۔

دُشمن کی سرگرمیوں سے باخبری

دُشمن کی سرگرمیوں سے آگاہی جنگی حکمت عملی وضع کرتے وقت بے حد ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ وصول ہونے والی اطلاعات اور معلومات کی روشنی میں بہتر منصوبہ بندی کر کے دُشمن کے عزائم کو خاک میں ملایا جا سکتا ہے۔ پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس بنیادی نکتہ کو کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اس حوالے سے سریہ سیف البحر، سریہ رابغ، سریہ خرار، سریہ نخلہ، سریہ قردہ، سریہ ابوقتادہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

بطورِ حفظ و ما تقدم

بعض مہمات محض حفظ ما تقدم کے طور پر بھی روانہ کی گئیں کہ اگر دُشمن کے حملہ آور ہونے کا اِمکان بھی ہو تو حملہ آور ہونے سے پہلے اس کی قوت پر کاری ضرب لگا کر اس کی جنگی صلاحیت کو بے کار بنا دیا جائے اور یوں اس کے اعصاب کو مفلوج کر دیا جائے، مثلاً سریہ عمرو بن اُمیہ، سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، سریہ قربہ، سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سریہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض مہمات کی روانگی کا مقصد کچھ اور تھا لیکن دورانِ سفر غلط فہمی کی بنا پر تصادم تک نوبت آ جاتی۔

دُشمن پر رُعب ڈالنا

دُشمن کو اپنی سیاسی اور عسکری کی قوت سے مرعوب کرنا بھی سرایا کے مقاصد میں شامل تھا تا کہ دُشمن کی جنگی تیاریوں کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ امن و امان کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی ترک کرنے پر مجبور ہو جائے علاوہ ازیں اردگرد کے علاقے کے نشیب و فراز اور ان کی جنگی و تجارتی اہمیت آگاہی بھی ان مہمات کی روانگی کی ایک وجہ تھی۔ اس ضمن میں غزوۂ قرقرہ الکدر، سریہ قرقرہ الکدر، غزوہ ذی امر، غزوۂ بدر اخریٰ، غزوۂ دومتہ الجندل، سریہ قریظہ، غزوہ بنولحیان، سریہ عمر، سریہ بنوثعلبہ، سریہ جموم، سریہ طرف، سریہ وادی القریٰ، سریہ فدک، غزوۂ وادی القریٰ، سریہ ذات الرقاع، سریہ عیص، سریہ کدید، سریہ غالب بن عبداللہ، سریہ تربہ، سریہ بنوکلب، سریہ میفعہ، سریہ بنومرہ، سریہ بشیر، سریہ ابن ابی العوجا، سریہ کلب بن عمیر، سریہ شجاع بن وہب، سریہ عمرو بن العاص، سریہ ابوعبیدہ، سریہ ابوقتادہ، سریہ عینیہ، سریہ قطبہ، غزوۂ تبوک اور سریہ دومتہ الجندل۔

برائے بت شکنی

جب اِسلامی حکومت عرب کے معاشرے پر سیاسی اور عسکری طاقت کے طور پر اُبھر کر سامنے آئی اور اسے اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کے لیے قوت نافذہ بھی حاصل ہوگئی تو عرب کی بت پرست سوسائٹی کو بتوں کی نحوست سے پاک کرنے کے لیے مختلف اوقات میں اطراف و اکناف میں بتوں کے انہدام کے لیے مہمات روانہ کی جانے لگیں اور یوں بتوں کی پوجا کرنے والوں کو خود ساختہ تو ہمات کے گرداب سے نکل کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں سربسجود ہونے کا شعور عطا کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے جو مہمات روانہ کی گئیں ان میں سریہ خالد رضی اللہ عنہ، سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سریہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ الاشہلی اور سریہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ قابلِ ذکر ہیں۔

براہِ راست کھلی جنگ

بعض مہمات دُشمن سے براہِ راست ٹکر لینے کے لیے بھی روانہ کی گئیں کیونکہ محض دفاعی حکمتِ عملی اپنا کر

قوت نافذہ کے حصول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دُشمن کی جارحیت کو روکنے کے لیے آگے بڑھ کر اس کی جنگی صلاحیت پر ضرب کاری لگانا آج بھی بہترین جنگی حکمت عملی سمجھی جاتی ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں جہاد فی سبیل اللہ کے تصور کی عملی تفسیر پیش کر کے قیامت تک آنے والی محکوم قوموں کو یہ درس دیا گیا کہ سفر اِنقلاب میں اپنے خون کے چراغ روشن کیے بغیر صبح آزادی کی منزل کو قریب نہیں لایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک باوقار زندگی کی آرزو ہے تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ اور باطل استحصالی قوتوں سے ٹکرا جانے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

ان مہمات کی تعداد اگرچہ بہت کم ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ مہمات بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور تاریخ کا رُخ متعین کرنے میں ان مہمات نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان مہمات میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد غزوۂ احزاب (خندق)، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین اور سریہ موتہ جیسی مہمات سرفہرست ہیں۔ بعض مہمات کسی ایک مہم کا ہی تتمہ یا توسیع ہوتی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی فتح کسی جنگ کا نتیجہ نہ تھی بلکہ مسلمانوں کو یہ فتح پرامن طریقے سے حاصل ہوئی کیونکہ قریش اِجتماعی طور پر مقابلہ پر آئے ہی نہیں۔ سیاسی، اخلاقی، ثقافتی، روحانی اور عسکری بالادستی نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مسلمانوں نے پے در پے فتوحات کر کے نہ صرف ریاست مدینہ کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا بلکہ عرب ہی نہیں اردگرد کے دیگر ممالک سے اپنے آپ کو ایک سیاسی اور عسکری قوت کے طور پر منوایا بھی۔ جب یہ رکاوٹیں دور ہوئیں تو اشاعتِ اِسلام کا کام بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس سے قبل بہت لوگ اِسلام کی حقانیت کا اعتراف کرنے کے باوجود محض اپنے سرداروں کے خوف سے اِسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے اور اپنے اندر اعلان اِیمان کی جرأت نہیں پاتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کو عسکری برتری حاصل ہوگئی تو لوگوں کے اِسلام قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

علاوہ ازیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیادہ تر تجارت شمالی علاقوں سے ہوتی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے اقتصادی استحکام حاصل کرنے کے لیے اس طرف بھی بھرپور توجہ فرمائی۔ قبائل کے سرداروں کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے۔ معاہدہ جات ہوئے اور مختلف اطراف میں مہمات بھیجی گئیں مثلاً دومتہ الجندل، خیبر، موتہ اور تبوک کی مہمات۔ ان سارے اقدامات میں ٹھوس منصوبہ بندی کو بڑا عمل دخل حاصل رہا۔ قبائل کی باہمی رنجشوں کی روشنی میں جو حکمت عملی اختیار کی گئی وہ بڑی کامیاب رہی اور اس کے مثبت نتائج بہت جلد سامنے آنے لگے۔ قبائل کو اپنا حلیف بھی بنایا گیا۔ صلح ناموں پر بھی دستخط کیے گئے۔ فتح مکہ کے وقت آپ نے جہینہ، ضمرہ، اشجع، سلیم اور دیگر قبائل سے دوستانہ مراسم استوار کیے۔

چونکہ آپ کے پیش نظر پوری دُنیا میں اِسلامی اِنقلاب برپا کرنا تھا اور تعلیمات اِسلامی کو پوری دُنیا میں پھیلانا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اپنی توجہ صرف عرب تک ہی مرکوز نہ رکھی بلکہ اِردگرد کے ممالک میں بھی

مہمات اور قاصد روانہ کیے۔ بادشاہوں کو خطوط لکھے اور سفارتی سطح پر دیگر اقدامات کیے۔ مختلف اقدامات سے عرب کے مضطرب اور بے سکون معاشرے میں امن و امان قائم ہوا اور سیاسی اور عسکری برتری کے باعث قتل و غارتگری کا سلسلہ بڑی حد تک بند ہو گیا اور اسلامی تعلیمات کی بدولت عرب کا معاشرہ امن کا گہوارہ بن گیا۔

مسلمانوں نے لوٹ مار نہیں کی

سرایا و غزوات کے بارے میں مستشرقین اور دیگر مغربی مفکرین اور ارباب علم انتہائی چابکدستی سے یہ اعتراض اپنے مخاطبوں کے ذہنوں میں ڈال دیتے ہیں کہ نگران گشتی دستے دراصل چھاپہ مار دستے تھے جن کی تشکیل اور روانگی کا مقصد تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

یہ مفکرین اور دانشور یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کی اپنی حکومتیں یعنی کہ ان کے اکابرین ماضی میں بھی اور اس دور میں بھی اقتصادی پابندیوں پر عمل کرتے رہے ہیں اور دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کر کے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرتے رہے ہیں اور تیسری دنیا کے ممالک خصوصاً اسلامی ممالک کی حکومتوں کو اقتصادی دباؤ میں لا کر بین الاقوامی امور و مسائل پر ان سے من چاہے فیصلے کرواتے رہے ہیں۔

اگر عہد رسالت مآب ﷺ میں مسلمان حالت جنگ میں ہونے کے باعث اپنے وجود کی بقا کی جنگ میں بین الاقوامی اصولوں کے مطابق دشمن کی تجارتی شاہراہ پر اس کی نقل و حرکت اور اس کے تجارتی قافلوں کا راستہ روکنے اور انہیں نقصان پہنچانے کی مکمل قدرت رکھتے ہوئے بھی اخلاقی قدروں کی پاسداری کرتے ہیں' اور بات محض ڈرانے دھمکانے سے آگے نہیں بڑھتی تو اس میں سے جارحیت کا کون سا پہلو نکلتا ہے۔

یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر لیا جاتا ہے کہ یہ چھاپہ مار کارروائیاں دشمن کا سامان رسد لوٹنے کے لیے کی جاتی تھیں' تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی ایک قافلے کو بھی نہیں لوٹا۔ صرف ایک بار معمولی سا واقعہ پیش آیا جس پر حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور مجاہدین کی طرف سے پیش کردہ مال کو قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اگر تجارتی قافلوں کو لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو عربوں کے دیگر تجارتی قافلوں کو کیوں نہ لوٹا گیا؟ لیکن اعتراض کرنے والے اپنی تمام تر دروغ گوئیوں اور کذب بیانیوں کے باوجود اس قسم کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ وہ تو اپنی بدفطرت' بدنیت کے سبب من گھڑت روایات کا سہارا لے کر وہ بہتان تراشیوں کے پلندے تخلیق کرتے رہے۔

مستشرقین کے لکھے گئے سے امت مسلمہ میں مقابلتاً اتنا بگاڑ پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ مسلمان علماء دانشوروں کے مستشرقین زدہ غلط خیالات' دلائل و انداز سے ہوتا ہے اسی لیے دکھ تو ان نام نہاد ''روشن خیال'' مسلم دانشوروں کی ذہنیت دیکھ کر ہوتا ہے جو اسلام کا مطالعہ بھی ان متعصب مستشرقین کی ''جدید اور سائنٹفک'' تحقیق

کی روشنی میں فرماتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اِسلام دُنیا سے لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے خاتمے کے لیے آیا تھا۔ وہ خود لوٹ مار کا بازار کیوں گرم کر دیتا؟ عقل اس لغو الزام تراشی کو نہیں مانتی۔

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے پورے عالمِ عرب سے فتنہ وفساد کا خاتمہ کر کے امن وایمان بحال کیا۔ قانون کی حکمرانی قائم کی۔ شرفِ انسانی بحال کیا۔ اقلیتوں کے جان ومال کے تحفظ کے لیے احکامات جاری کیے۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ کیا' دخترِ حوا کو احترام کی چادر عطا کی۔ ایسی عظیم انسانیت پرور تبدیلیاں لانے کی بنیادی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف دفاع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر ظلم کے ہاتھ کاٹنے کی روایت بھی قائم کی۔ کیونکہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ عربوں کے فرسودہ نظامِ حیات کو جڑ سے اکھاڑ کر امن اور سلامتی اور عدل وانصاف پر مبنی ایک ایسا نظام بنی نوعِ انسان کو دینا چاہتے تھے جو ازلی صداقتوں کا امین ہے۔

لہٰذا موقع کے مطابق حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر ظلم اور کفر کے خلاف فوری اور مؤثر اقدامات کیے۔ جسے مستشرقین جارحانہ جنگ کا نام دے کر اپنی خفت مٹاتے ہیں اور مسلمانوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دشمن تو واقعات کو اپنے مطلب کے معنی پہنا کر مخالفانہ پروپیگنڈا کرتے ہی رہتے ہیں لیکن حقائق' حقائق ہی رہتے ہیں۔ دھند کتنی بھی گہری کیوں نہ ہو بہر حال اسے سورج کی کرنوں کی حرارت میں تحلیل ہونا پڑتا ہے۔ اِسلام کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ اِسلام صداقتوں کا سب سے بڑا سورج ہے۔ اِسلام پوری کائنات کی سب سے زیادہ دلکش خوشبو ہے۔ بھلا سچائی کو بھی مستقل چھپایا جا سکتا ہے؟ بھلا سورج کی روشنی کو بھی زمین تک پہنچنے سے روکا جا سکتا ہے؟ بھلا خوشبو کے دلکش لگنے اور اس کو اور اس کو فضا میں پھیل جانے سے روکا جا سکتا ہے؟

'وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے'

غزوات کی تعداد

غزوات اور سرایا کی تفصیلی حالات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مغازی بشمول غزاوات اور سرایا کی تعداد کے بارے میں وضاحت کر دی جائے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱- ابن اسحاق' امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم نے عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ:

> ''انہوں نے کہا کہ میں نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی۔ انہوں نے کہا انیس (۱۹) غزوات میں۔ پھر میں نے پوچھا آپ کتنے غزوات میں نبی کریم کے ہمرکاب تھے۔ کہا سترہ (۱۷) غزوات میں- حافظ ابن کثیر نے بھی غزوات کی تعداد انیس بتائی ہے''۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد۲ صفحہ۳۵۲)

۲- ابن سعد صاحب الطبقات الکبریٰ نے اپنے استاد محمد بن عمر الواقدی کا اتباع کرتے ہوئے غزوات کی تعداد ستائیس بتائی ہے۔

ان غزوات کے نام سبل الھدیٰ کے حوالے سے درج ذیل ہیں:

۱- غزوۂ الابواء-اسے غزوۂ ودان بھی کہتے ہیں۔

۲- غزوۂ بواط۔

۳- غزوۂ صفوان-اسے بدرالاولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

۴- غزوۂ العشیرۃ۔

۵- غزوۂ بدرالکبریٰ۔

۶- غزوۂ بنی سلیم اسے قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔

۷- غزوۂ السویق۔

۸- غزوۂ غطفان۔

۹- غزوۂ ذی امر۔

۱۰- غزوۂ الضرع۔

۱۱- غزوۂ بنی قینقاع۔

۱۲- غزوۂ احد۔

۱۳- غزوۂ حمراء الاسد۔

۱۴- غزوۂ بنی النضیر۔

۱۵- غزوۂ بدرالاخیرہ۔

۱۶- غزوۂ دومۃ الجندل۔

۱۷- غزوۂ بنی مصطلق اسے غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

۱۸- غزوۂ خندق۔

۱۹- غزوۂ بنی قریظہ۔

۲۰- غزوۂ بنولحیان۔

۲۱- غزوۂ حدیبیہ۔

۲۲- غزوۂ ذی قرد۔

۲۳- غزوۂ خیبر۔

۲۴- غزوۂ ذات الرقاع۔

۲۵- غزوۂ عمرۃ القضاء۔

۲۶- غزوۂ فتح مکہ۔

۲۷- غزوۂ حنین۔

۲۸- غزوۂ الطائف۔

۲۹- غزوۂ تبوک۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۴ صفحہ ۱۶)

ان غزوات میں سے جن میں کفار کے ساتھ جنگ ہوئی وہ مندرجہ ذیل نو (۹) غزوات ہیں۔

۱- بدر

۲- احد

۳- خندق

۴- قریظہ

۵- مصطلق

۶- خیبر

۷- فتح مکہ

۸- حنین

۹- اور طائف

حضرت بریدہ نے کہا ہے کہ آٹھ غزوات میں کفار سے جنگ ہوئی شاید انہوں نے فتح مکہ کو غزوہ شمار نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ جنگ سے نہیں بلکہ صلح سے فتح ہوا۔

غزوات کی تعداد میں یہ تفاوت (فرق) حقیقی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض غزوات کے مقامات ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے اور بعض غزوات ایک ہی سفر میں پیش آئے اس لیے بعض حضرات نے قریب الوقوع غزوات کو ایک غزوہ شمار کیا۔ اس طرح ایک ہی سفر میں پیش آنے والے غزوات کو بعض علماء نے ایک غزوۂ شمار کیا۔ اور دیگر حضرات نے ان سب کو الگ الگ شمار کیا اس لیے تعداد میں کمی بیشی ہوگئی۔ مثلاً ودان اور ابواء کیونکہ یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب تھے اس لیے بعض نے اس کو ایک غزوہ شمار کیا اور بعض نے دو۔ اس طرح فتح مکہ کو بعض نے غزوات میں شمار کیا اور بعض نے کہا کہ یہ صلح سے فتح ہوا اس لیے اس کو غزوات میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح غزوۂ حنین اور طائف ایک ہی سفر میں پیش آئے اس لیے بعض نے انہیں ایک غزوہ شمار کیا۔ یہ عوامل غزاوت کی گنتی میں کمی بیشی کا سبب تو بن سکتے ہیں لیکن ان سے حقیقت حال متاثر نہیں ہوتی۔

پہلی ہجری میں کوئی غزوۂ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ اس میں درج ذیل تین سرایا وقوع پذیر ہوئے۔

۱- سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

۲- سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ
۳- سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اب ان سرایا کو ان کے زمانہ وقوع کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیا جا رہا ہے۔

سریہ حمزہ بن عبدالمطلب

یہ سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا گیا۔ مجاہدین کا یہ دستہ العیص کی طرف سے ساحل سمندر کی طرف بھیجا گیا۔ اس لئے اس سریہ کو سریہ سیف البحر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دستہ تیس (۳۰) مجاہدین پر مشتمل تھا اور اس کا مقصد قریش کے ایک قافلہ پر چھاپہ مارنا تھا۔ اس قافلے کا امیر ابوجہل تھا اور اس قافلہ میں تین سو (۳۰۰) مسلح افراد تھے۔

مختصراً اس سریہ میں

۱- تصادم مقصود نہ تھا، لڑائی نہیں ہوئی۔
۲- مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کرایا۔
۳- مسلمانوں کو احوال کفار سے آگاہی ہوئی اور بھی مطلوبہ مقاصد و فوائد حاصل ہوئے۔

تاریخ دانوں نے اس سریہ کو سریہ سیف البحر کا نام بھی دیا ہے، جس کے معنی ہیں ساحل سمندر پر جانے والا سریہ۔

اس کا زمانہ وقوع ماہِ رمضان سن ۱ ہجری مطابق مارچ ۶۲۳ء ہے

ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلی مہم ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک میں بھیجی گئی۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، سرکار دو عالم ﷺ نے اس لشکر کا امیر اپنے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اپنے دست مبارک سے ان کا پرچم باندھا۔ یہ پرچم سفید کپڑے کا تھا اور اس کا علمبردار ابو مرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔ یہ لشکر تیس افراد پر مشتمل تھا۔ جو تمام کے تمام مہاجر تھے حضور پُر نور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے جتنی مہمیں روانہ فرمائیں ان میں صرف مہاجرین کو شمولیت کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ انصار کے ساتھ یہ وعدہ ہوا تھا کہ اگر مدینہ منورہ پر کوئی بیرونی طاقت حملہ آور ہوگی تو وہ حضور پُر نور ﷺ کا دفاع کریں گے۔ اس لیے ان مہموں میں انصار کو شرکت کی دعوت دی ہی نہیں گئی۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جو مجلس مشاورت منعقد ہوئی اس میں انصار کے نمائندہ نے ہر مقام پر ہر حالت میں حضور ﷺ کے دفاع کا اعلان کر دیا کہ اگر حضور ﷺ برک الغماد (ایک مقام کا نام) تک جہاد کے لیے تشریف لے جائیں یا سمندر میں کود جانے کا بھی حکم دیں تو انصار میں سے کوئی فرد واحد تعمیل حکم سے سرتابی نہیں کرے گا اس کے بعد مہاجر کی تخصیص ختم کر دی گئی اور دونوں گروہ انصار اور مہاجرین اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کو سربلند

چلائے اور ہر تیر نشانے پر لگا جس کو لگا اس کو زخمی کرتا گیا۔

(الامتاع جلد ۱ صفحہ ۶۶۔ تلقیح صفحہ ۴۸۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۵۔ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۵۹۱۔ زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۱۶۴)

اس سریہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ابوسفیان کے لشکر سے دو شخص مقداد ابن عمرو البہرانی جو بنی زہرہ کے حلیف تھے اور عتبہ بن الغزوان المازنی جو بنی نوفل بن عبد مناف کے حلیف تھے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ درحقیقت وہ مدت سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن کفار نے ان پر اتنا سخت پہرہ بٹھا رکھا تھا کہ وہ ہجرت کر کے اپنے آقا کے قدموں میں حاضر نہ ہو سکے۔ وہ ابوسفیان کے اس دستہ میں محض اس غرض کے لیے شریک ہوئے کہ شاید انہیں موقع مل جائے اور وہ اپنے محبوب رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو سکیں۔ مقداد بن عمرو کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسود نے انہیں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ (الامتاع جلد ۱ صفحہ ۶۷)

اس موقع پر بھی مسلمانوں کی تعداد ساٹھ یا اسی تھی اور ابوسفیان کے دستہ میں دو سو مشرک تھے۔ لیکن مسلمانوں کے ایمانی جذبہ سے مرعوب ہو کر انہوں نے بھی مسلمانوں سے ٹکر لینے میں اپنی سلامتی سمجھی اور دُم دبا کر سکے واپس آ گئے۔ (خاتم النبیین جلد ۲ صفحہ ۵۷۷)

سریہ سعد بن ابی وقاص

سیرت نگاروں نے، تاریخ دانوں نے اس سریہ کو سریہ خرار کا نام بھی دیا ہے۔ یہ ایک جگہ، مقام کا نام ہے جس سے آگے نہ بڑھنے (جانے) کی تاکید فرمائی گئی تھی۔

اس کا زمانہ وقوع ماہ ذی قعدہ سن ۱ ہجری بمطابق ۶۲۳ء ہے۔

اس سریہ کے دستہ کے قائد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور اسے قریش مکہ کے ایک تجارتی قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لئے بھیجا گیا۔ اس دستہ میں مجاہدین کی تعداد بیس (۲۰) تھی۔ قریش کے قافلے میں شامل افراد کی تعداد اور ان کے سالار قافلہ کا نام معلوم نہیں ہے۔

مختصراً اس سریہ میں

۱- دشمن سے آمنا سامنا نہیں ہوا۔

۲- مسلمان اپنے حدف تک پہنچے اور

۳- بہت سارے فوائد متعلق آگاہی، رابطہ تعلیم و تربیت حاصل ہوئے۔

ہجرت کے نو ماہ بعد ذی القعدہ کے مہینہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک مہم الخرار کی جانب روانہ کی گئی اس دستہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور اس کو اٹھانے کی سعادت حضرت مقداد بن عمرو البہرانی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی جو ابھی ایک ماہ پہلے کفار سے فرار اختیار کر کے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ کر شامل ہو گئے تھے۔ اس مہم میں بیس مہاجر شریک ہوئے اور ان کے بھیجنے کا مقصد یہ

تھا کہ قریش کا جو تجارتی قافلہ آ رہا تھا اس پر چھاپہ ماریں اور اسے بدحواس کریں۔ انہیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ قافلہ کے تعاقب میں الخرار سے آگے نہ بڑھیں۔

خرار کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں:

ایک بستی کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔

ابن سعد نے اس کی مزید تفصیل لکھی ہے۔

''یعنی جحفہ سے مکہ کی طرف جائیں وہاں کے کنوئیں جو جحفہ کے بائیں جانب خم کے قریب ہیں۔ وہ کنوئیں الخرار سے موسوم ہیں''۔

(الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۔ تلقیح صفحہ ۴۸۔ زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۱۶۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حکم ملنے پر ہم پیدل روانہ ہوئے۔ دن کے وقت ہم چھپ جاتے اور رات کے وقت سفر کرتے۔ ہم پانچ روز بعد صبح کے وقت الخرار پہنچے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ جس قافلہ کی طلب میں ہم نکلے تھے وہ کل یہاں سے آگے نکل گیا ہے۔ کیونکہ اس جگہ سے آگے جانے کی ہمیں اجازت نہ تھی اس لیے ہم مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ (الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷)

امام سیرت، ابن اسحاق کے نزدیک یہ تینوں سرایا سن ۲ ہجری میں ہوئے ان کے نزدیک سب سے پہلے غزوۂ ودان اور ابواء وقوع پذیر ہوا اس کے بعد یہ سرایا بھیجے گئے، لیکن محمد بن عمر الواقدی نے ان سرایا کے وقوع کو سن ۱ ہجری سے وابستہ کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(خاتم النبیین جلد ۲ صفحہ ۵۷۶)

سن ۲ ہجری

سن ۲ ہجری کے متفرق واقعات

سن ۲ ہجری کے متفرق واقعات کے بیان سے پہلے کچھ ضروری وضاحت پیش خدمت ہے۔
حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا اور حضورِ انور ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ تعلیمات اسلامی کے نفاذ کو یقینی بناتے ہوئے دِین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کریں یہ فریضہ اس وقت تک بہ احسن پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک قافلہ تحریک دِینِ اِسلام کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو ممکنہ حد تک دور نہ کر دیا جائے۔ ان مقاصد جلیلہ کے حصول کے لیے آپ ﷺ کمال حکمت عملی سے تکمیل تحریک دِین اِسلام کی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہجرت مدینہ یقیناً حضور پُر نور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ ظلمت' ضلالت و عصبیتوں کے دروازوں کے قفل ٹوٹے' ایک راحت بخش نورانی دور کا آغاز ہوا۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی نوزائدہ ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے فیصلہ کن فیصلے کیے۔ چنانچہ ہجرت کا پہلا سال بڑا ہنگامہ خیز ثابت ہوا کیونکہ اس سال ایک اسلامی مملکت وتمدن کی بنیاد رکھی گئی اور عالمی سطح پر اسلامی ثقافت کو روشناس کرانے کے لیے دور رس نتائج کی حامل اقدامات کیے گئے۔ مہاجرین کی آبادی کاری حکومت کے استحکام کا باعث بنی۔

ہجرت کا پہلا سال تاریخ اِسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ایک سال میں ہنگامی بنیادوں پر کئی بہت ہی اہم نوعیت کے کام کیے گئے اور ایک نوزائیدہ مملکت کے داخلی و خارجی استحکام کے لیے نظریاتی اور جغرافیائی محاذوں پر مضبوط مورچہ بندی کی گئی۔ ان ٹھوس اور مثبت اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو نہ صرف مدینہ منورہ اور اس کے مضافات کی ثقافتی اور مجلسی زِندگی پر بڑی حد تک کنٹرول حاصل ہو گیا بلکہ سیاسی اور اقتصادی حوالوں سے بھی عظیم الشان اسلامی نظام کی تعمیر کے لیے مضبوط بنیادیں میسر آ گئیں۔

نگران گشتی دستوں کی تشکیل اور قرب و جوار مدینہ میں ان کے گشت سے کافی بڑے علاقے میں مسلمانوں کو نفسیاتی برتری ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ کفار مکہ کی راتوں کی نیندیں بھی حرام ہو گئیں۔ انہیں فکر لاحق ہوئی کہ وہ مجبور و مقہور مسلمان جو مکہ میں دبے دبے تھے اور اپنا کوئی اجتماعی وجود نہ رکھتے تھے اور ہم انہیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھتے تھے وہ اب مدینہ میں قدم جما کر ایک سیاسی اور عسکری قوت بن کر ابھر رہے ہیں۔ اگر وہ

یہود و نصاریٰ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارے لیے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر سکتے ہیں اور مکہ پر حملہ آور ہو کر ہماری قیادت سیادت و قوت کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف آتشِ انتقام پہلے ہی ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی۔ مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جمانے کی خبروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ان کی مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوششوں و جذبہ و خواہش میں تیزی آ گئی۔

قارئین کرام! مستشرقین یعنی کہ دینِ اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے پڑھے لکھے منظم بدخواہ اور ان کے طریقہ ہائے واردات کے بارے میں شروع میں ایک مفصل باب لکھا جا چکا ہے۔ انشاء اللہ غزوۂ بدر کے بیان سے پہلے ''سرایا' غزوات اور مستشرقین'' کے بارے میں' صرف متعلقہ' قدرے تفصیل سے لکھا جائے گا' یہاں صرف اشارۃً ذکر کیا جا رہا ہے۔

مستشرقین نے فکری مغالطوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا ایک جہان تخلیق کر رکھا ہے۔ نگران گشتی دستوں کی تشکیل پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ مہمات تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لیے روانہ کی جاتی تھیں۔ مستشرقین کی انہی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بعض مفکرین بھی اسی رو میں بہہ جاتے ہیں حتیٰ کہ نگران گشتی دستوں کو قافلہ لوٹنے والے چھاپہ مار دستے کہہ کر (لاشعوری) طور پر مستشرقین کے مقاصد کو پورا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چھاپہ مار کارروائیوں میں کوئی شک نہیں اور نہ ہمیں معذرت خواہانہ انداز اپنانے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو بھی جینے کا حق تھا۔ یہ مہمات صرف اور صرف دفاعی نوعیت کی نہیں تھیں بلکہ آگے بڑھ دشمن کو خوف زدہ کرنا' مدینہ سے دور رکھنا اور دشمن کی حملہ کرنے کی قوت کو مفلوج کرنا بھی ان کے مقاصد میں شامل تھا۔

جارحیت کو روکنے کے لیے آگے بڑھ کر فتنہ و شر کے مراکز کو ختم کرنا اکثر اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے' اسلام کے فلسفہ جہاد میں یہی روح کارفرما ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو ظلم اور کفر کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کو مجرمانہ غفلت اور جرم ضعیفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وہ قومیں جو اپنی آزادی کی حفاظت بزورِ شمشیر نہیں کر سکتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محکوم بنا لی جاتی ہیں۔ اس لیے جارحیت کو روک کر دائمی امن کے قیام کے لئے آگے بڑھ کر ظلم اور کفر کے مراکز پر کاری ضرب لگانا نہ صرف یہ کہ اخلاقی قدروں کے منافی نہیں بلکہ قوموں کی برادری میں وقار اور تمکنت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اہل حق تو ازل سے دستِ ظلم کو روکنے توڑنے کے لیے' ظلم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے میدانِ کارزار میں کودے ہیں' آتشِ نمرود میں کودنا ان کے آباء کی سنت ہے اور وہ اپنے دین و ایمان' ثقافتی ورثے کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر بھی کرتے ہیں۔

ہجرت کا دوسرا سال اس اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سال اسلام اور کفر کے درمیان پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تائید خداوندی سے مسلمانوں کو بے سروسامانی کے عالم میں بھی کفارِ مکہ پر عظیم فتح نصیب ہوئی۔

پورے جزیرہ نمائے عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ مسلمان ایک سیاسی اور عسکری قوت بن کر ابھرے اور باشندگانِ عرب نے اِسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا۔ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ یومِ بدر کو معرکہ بدر یوم الفرقان قرار دیا۔

آیئے سن ۲ ہجری کے واقعات کا آغاز نفاذ شرعی احکام سے کرتے ہیں اور اس کے بعد دیگر واقعات سرایا و غزوات کا ذکرِ خیر ہوگا۔

ہجرت کے بعد امتِ مسلمہ کے لیے دوسرا سال موت وحیات کی کشمکش کا سال تھا۔ مسلمانوں نے اگر با عزت طور پر زِندہ رہنا تھا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی قوت و طاقت کا اس طرح مظاہرہ کریں کہ ان کے بدخواہ ان کے وجود کو اور ان کی قوت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لیے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضور انور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے مجاہدین کے مختصر دستے مختلف علاقوں میں بھیج کر دشمن کو ہراساں بھی کرنا شروع کیا اور مختلف علاقوں کے جغرافیائی حالات سے بھی واقفیت بہم پہنچائی گئی۔ اور سرایا وغزوات سے تمام مقاصد وفوائد حاصل کیے۔

قارئین کرام! فوائد و مقاصد جو ہماری میری سمجھ میں آسکے وہ گزشتہ صفحات میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ آپ ان پر پھر ایک نظر ڈال لیں تا کہ حالات و واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

اس قسم کے پرخطر ہنگامی حالات میں عام طور پر دوسری قومیں اپنی ساری توجہ، اپنے سارے وسائل، اپنے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ قوم کی معاشی، تعلیمی اور اخلاقی اصلاح و فلاح کے منصوبوں کو اس وقت تک مؤخر کر دیا جاتا ہے جب تک دشمن کی قوت کو کچل نہ دیا جائے اور ملک میں امن و امان کی فضا بحال نہ ہو جائے۔

لیکن کاروانِ انسانیت کا راہبر، تحریکِ اِسلام کا علمبردار، سرکارِ دو جہاں پیغمبرِ اوّل و آخر اعظم، سیّد المرسلین، خاتم النبیین ہادیٔ انس و جان ﷺ اپنی امت کے دفاع اور بقا کی جنگ بھی لڑ رہا ہے اور اس کٹھن مرحلہ میں اپنی امت کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح وفلاح کے منصوبوں سے ایک لمحہ بھی غافل نظر نہیں آتا۔ پورے تسلسل کے ساتھ نبوت کے اہم فریضہ کو انجام دینے کی کوششیں بھرپور طریقے سے بھی جاری ہیں اس پرخطر ہنگامی دور میں بھی قانونِ الٰہی کے نزول اور اس کے نفاذ کا کام پوری سرگرمی سے ہوتا رہا۔ عبادات، معاملات اور معمولات زندگی کے ہر شعبہ میں ایسے ایسے احکامِ الٰہی کا نفاذ ہو رہا ہے جو اپنے دوررس نتائج اور ہمہ گیر اثرات کی بدولت ازحد اہم ہیں۔

سن ۲ ہجری میں جو شرعی احکام اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت سرورِ دو عالم، رہبرِ کائنات، ہادیٔ انس و جاں سیّد المرسلین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین ﷺ کے لیے نازل فرمائے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱- تحویل قبلہ- (بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کو امتِ مسلمہ کا قبلہ مقرر کیا گیا)

۲- ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔

۳- عید الفطر سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم۔

۴- یکم شوال کو عید گاہ میں عید الفطر کی نماز کی ابتداء۔

۵- سفر و حضر (ایک جگہ قیام) میں پہلے فرض نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ اب سفر میں تو دو رکعتیں ہی باقی رہیں لیکن حضر (ایک جگہ قیام) میں دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

۶- ملت اسلامیہ کے اغنیاء پر ان کے اموال کی زکوٰۃ فرض کی گئی اور اس کے مصارف کا تعین کر دیا گیا۔

۷- قصاص کا قانون نافذ کیا گیا۔

۸- دیتوں کا نظام مقرر ہوا۔

بڑے اختصار کے ساتھ ان امور کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

تحویل قبلہ

تحویل کے معنی بدلنے، تبدیل کرنے کے ہیں۔ تحویل قبلہ کا مطلب ہوا قبلہ کی تبدیلی۔ ایمان، اطاعت رسول اور محبت حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا نام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ گویا اطاعت رسول ہی زادِ سفر، اطاعت رسول ہی سرمایہ حیات اور اطاعت رسول ہی توشہ آخرت ہے۔

اسلام کی جملہ عبادات شان اجتماعیت کی حامل ہیں۔ اجتماعی شعور کی آئینہ دار ہیں۔ افراد امت کے اندر وحدت اور ہم آہنگی کا رنگ نمایاں کرنے کا باعث ہیں۔ نماز ایسی اجمع عبادت ہے جو دیگر تمام عبادات کی خصوصیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ نماز مؤمنین کو نظم و نسق کا پابند بناتی ہے۔ نماز با جماعت کے دوران لاکھوں افراد اپنی انفرادیت گم کر کے وحدت کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حکم الٰہی کے مطابق سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو یہ بھی بیت المقدس کے رخ پر تعمیر ہوئی۔ لیکن آپ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ اس طرح سے مسلمانوں کو انفرادی اور امتیازی مقام دلانا مقصود تھا۔ آپ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ آپ ﷺ کے جدامجد تھے اور پھر عرب قوم بھی خانہ کعبہ سے جذباتی وابستگی رکھتی تھی۔

اگرچہ دینِ ابراہیمی کی صورت مسخ کر دی گئی تھی اور اللہ کا گھر ۳۶۰ بتوں سے آباد تھا پھر بھی شعائر اسلامی کا ہلکا سا پرتو (عکس، جھلک) باقی رہ گیا تھا۔ قدرتی طور پر مسلمانوں کی بھی آرزو تھی کہ کعبہ کو قبلہ قرار دے دیا

جائے۔ بیت المقدس یہودیوں اور عیسائیوں کے قبلہ کے طور پر مشہور تھا۔ اسی لیے بعض اوقات وہ اس فخر کا اظہار بھی کرتے کہ مسلمان ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ہماری پیروی کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی طعنہ دیتے کہ مسلمانوں کا تو اپنا کوئی قبلہ ہی نہیں۔ ان مختلف عوامل اور اسباب کے پیش نظر قلب اطہر ﷺ میں اس خواہش کا مچلنا کہ کعبہ شریف کو قبلہ بنا دیا جائے' ایک قدرتی امر تھا۔ راویات میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے بھی حضور پُر نور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو وہ عرض کرنے لگے کہ:

''یا رسول اللہ! میں بھی آپ کی طرح ایک بندہ ہوں۔ مجھے آپ کی خاطر وہی کچھ کرنے کا اختیار ہے جس کا مجھے حکم دیا جائے۔ آپ اللہ سے دُعا جاری رکھیں''۔ (السیرۃ الحلبیہ' برہان الدین حلبی جلد۲ صفحہ ۱۲۸)

یہ امر درحقیقت بھی قابل لحاظ ہے کہ ہر قوم کا اپنا ایک امتیازی شعار ہوتا ہے۔ اپنی ایک الگ شناخت ہوتی ہے۔ مظاہر عبادات ہوتے ہیں جو شعائر رسوم اور طور طریقہ بن کر کسی قوم کی انفرادیت کو ظاہر کرتے ہیں اس طرح کسی قوم کا اجتماعی تشخص تشکیل پاتا ہے۔ نماز چونکہ ارکان اِسلام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور مسلمانوں کو نماز با جماعت کا پابند بنایا گیا ہے اس لیے تحویل کعبہ کی صورت میں اس کا عملی اظہار اس لیے بھی ضروری تھا تا کہ اجتماعی سطح پر یکجہتی کا اظہار ہو اور مرکز اِسلام مضبوط ہو۔

اللہ ہر مقام پر اپنے محبوب پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضرت محمد ﷺ کی دلجوئی فرماتا ہے۔ ساری دُنیا اللہ کی رضا کی طالب ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ نبی مکرم ومعظم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ تحویل قبلہ کے لیے حکم خداوندی کے منتظر تھے کہ ایک دن پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُر نور رحمتِ دو عالم ﷺ بنی سلمہ کے محلے میں حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ہاں دوپہر کے کھانے پر تشریف لے گئے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو حسب معمول بیت المقدس کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ نے جماعت کی امامت فرمائی۔

''جب دو رکعتیں مکمل ہوئیں تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اشارہ کیا کہ بقیہ نماز کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے مکمل کی جائے''۔ (السیرۃ الحلبیہ' برہان الدین حلبی جلد۲ صفحہ ۱۲۸'۱۲۹)

حکم الٰہی ملتے ہی حضور ﷺ نے نماز کی حالت میں ہی اپنا رخ کعبہ معظمہ کی طرف پھیر لیا اور حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم کی اقتداء میں تمام نمازیوں نے بھی بلا تامل گھوم کر اپنے منہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ شریف کی طرف کر لیے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ سے بیت المقدس جانب شمال ہے اور کعبہ شریف اس کے مقابل جانب جنوب ہے۔ اس لیے اس حکم مالک وخالق کائنات' ربّ للعالمین کے تحت حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنا رخ انور رُخ مبارک جانب شمال سے پھیر کر جانب جنوب کر لیا یعنی کہ آپ ﷺ ۱۸۰ کے زاویے پر گھوم گئے۔

آپ کی امامت میں نماز ادا کرنے والے خوش قسمت صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بلا تامل اپنی جگہ سے گھوم کر اپنے منہ کعبہ کی طرف کر لیے' مردوں کے پیچھے خواتین بھی نماز میں شامل تھیں۔ وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مردوں کے پیچھے آ کھڑی ہوئیں اور یوں نماز مکمل ہوئی۔ وہ مسجد جہاں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' ہادیٔ انس و جاں' حضور انور نبی کریم ﷺ جماعت کی امامت فرما رہے تھے اس دن سے ''مسجد قبلتین'' کہلاتی ہے یعنی دو قبلوں والی مسجد۔ نمازیوں نے اپنے منہ کعبہ شریف کی طرف پھیر لیے۔ نہ کسی نے اعتراض کیا اور نہ کسی ذہن میں کوئی سوال ابھرا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں سب نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اپنے ہادیٔ و مرشد پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا جو جذبہ موجزن تھا۔ اس کے بڑے خوبصورت اور حیران کن مناظر اس وقت دیکھنے میں آئے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں ادا کی تھی۔ تحویل قبلہ کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ وہ اپنے کسی کام سے انصار کے محلہ بنی حارثہ میں گئے۔ عصر کا وقت تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عصر کی نماز با جماعت ادا کر رہے تھے۔ حسب معمول ان کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ حضرت عباد رضی اللہ عنہ نے آواز سے پکارا۔

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نماز ظہر حضور انور نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھی ہے۔ اس وقت نمازی حالت رکوع میں تھے۔ حضرت عباد رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سارے نمازیوں نے بلا تامل اپنے منہ بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیے۔

ایک دوسرے صحابی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم محلہ بنی عبد الاشہل میں مشغول نماز تھے کہ ایک شخص نے آ کر بلند آواز سے کہا کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا ہے' اپنے منہ اسی جانب پھیر لیں۔ یہ آواز کان میں پڑنے کی دیر تھی کہ ہمارے امام نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا اور ہم بھی گھوم کر پیچھے جا کھڑے ہوئے اور اپنے رخ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۵۲۸)

تحویل قبلہ کے وقت سورہ بقرہ کی آیت پاک 144 نازل ہوئی:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ ''اے حبیب! ہم بار بار آپ کے رخ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو' پس اپنے چہرے اسی کی طرف

پھیر لو'۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۴)

دورانِ نماز تحویل کعبہ کا حکم اور پھر حکم خداوندی کے مطابق عمل درآمد یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش تھی دیکھنا یہ تھا کہ عقل غالب آتی ہے یا عشق کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ پھول کس کے دامن میں گرتے ہیں اور کانٹے کس کا مقدر بنتے ہیں۔ اگر کعبہ کی طرف رخ پھیرنے میں لحہ بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا۔ تحویل قبلہ ایک کٹھن آزمائش تھی' مرحلہ تھا جس میں عشق کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی گئی۔ اور صحابہ کرام کامیاب و کامران ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام آدمی کے لیے اتنی بڑی تبدیلی سے پہلے ذہنی طور پر تیار اور مطمئن ہوئے بغیر عمل درآمد مشکل ہوتا ہے۔ لیکن عمل درآمد کرنے والے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جن کے دِل و روح نورِ نبی' نورِ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سے پر تھے' منور تھے۔ انہوں نے تو اپنی عقل و شعور کو صرف اور صرف اطاعت و اتباع رسول کریم ﷺ کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ پیغمبر اوّل و آخر اعظم سیّد المرسلین' خاتم النبیین' ہادیٔ انس و جاں رحمت رسول کریم ﷺ کے ہر فرمان ہر حکم عمل و ادا تو ان کے ایمان و تقویٰ و سکون قلب میں اضافہ ہی کرتی تھی۔ انہوں نے تو بے ساختہ عمل کیا اور کہا حضور! آپ کا فرمان ہی ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ یہ خود سپردگی وارفتگی کی انتہا ہے۔

جان نثارانِ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے کسی مصلحت کو پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا۔ اپنے محبوب رسول کریم ﷺ کی ادا کی پیروی کو اپنا شعار بنایا' نقوش کف پا سے روشنی اخذ کرنے کو اپنا حاصل زِندگی اور مطمح نظر ٹھہرایا۔ کہ عشق حیلے بہانے تلاش نہیں کرتا' بے خطر آتش نمرود میں کود پڑتا ہے۔ تحویل قبلہ بھی عشق کی فتح تھی۔ قیامت تک آنے والے انسانوں کو بتا دیا گیا کہ ہر حال میں رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اطاعت کو مقدم رکھو کہ یہی فلاح دارین کا راستہ ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ اور اسی میں فلاح دارین ہے۔ یہ فلاح کا راستہ' صراط مستقیم دہلیز در حبیب خدا' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' ہادیٔ انس و جاں رہبر کائنات سیّد المرسلین' خاتم النبیین ﷺ پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔

بارگاہ خداوندی میں رسائی اسی چوکھٹ کی جبیں سائی سے ممکن ہے۔ در مصطفیٰ ﷺ پر آ جاؤ' در خدا تک خود بخود پہنچ جاؤ گے۔ تحویل قبلہ اصحاب رسول ﷺ کے کمال ایمان کی نشانی تھی۔ وہ اس آزمائش میں پورا اترے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کا مرکز و محور ذات حضور پُر نور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ ہے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ جدھر رخ موڑ لیتے ہیں' اہل محبت کا کعبہ بھی ادھر ہی بن جاتا ہے۔

قرآن مجید سورہ بقرہ کی آیت 143 میں تعیین و تحویل قبلہ کی حکمت یوں بیان ہوئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى

عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ بقرہ آیات ۱۴۳)

ترجمہ ''اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون (ہمارے) رسول کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

اللہ ہر جگہ موجود ہے اور وہ سمتوں کا محتاج نہیں۔ اصل چیز تو حکم خداوندی کی بجا آوری ہے۔ رخ کسی سمت بھی ہو، کسی بھی عمارت کو قبلہ مقرر کر لیا جائے، اصل چیز قبلہ کا تعین اور تحویل نہیں بلکہ دیکھنا یہ مقصود ہے کہ کون حبیب رب للعالمین ﷺ کی پیروی کرتا ہے، کون غلامی رسول کا طوق اپنے گلے میں ڈالتا ہے، کسے خوشنودی رسول مطلوب ہے، کون ان کے قدموں کی خیرات کا تمنائی ہے، کس کے دِل میں عشق مصطفیٰ کے چراغ روشن ہیں، کس کی سانسوں سے خوشبوئے اسم محمد ﷺ آتی ہے، حضور پُر نور ﷺ کا اسم گرامی لبوں پر مچلتا ہے تو کس کے لہو کی ایک ایک بوند جھوم اٹھتی ہے۔ کون نسبت رسول ﷺ کو اپنی دُعاؤں کا سر نامہ بنا کر رحمت خداوندی کا ملتجی ہوتا ہے۔ کون محبوب کبریا کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ کے نام کی دہائی دیتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو رضائے مصطفیٰ ﷺ سے منہ موڑ کر اینٹ، پتھر اور گارے کی کسی عمارت سے چمٹا رہے گا وہ بندہ نفس کہلائے گا۔ جس نے دامن مصطفیٰ ﷺ کو تھام لیا اس نے اپنی دُنیا اور اپنی عاقبت دونوں کا منظر نامہ رنگوں، روشنیوں اور خوشبوؤں سے بھر لیا۔ قبلہ کا رخ اس لیے بدلا گیا کہ یہ ہمارے محبوب ﷺ کی تمنا تھی۔ اے محبوب! تو بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہماری رحمت کو پکار رہا تھا، محبوب! ہمیں تیری یہ ادا پسند آ گئی۔ بس اب نماز کے دوران ہی کعبہ کی طرف اپنا منہ پھیر لیں اور جو تیری اتباع کرے گا، ہماری رحمت کا سزا وار ٹھہرے گا اور جو تامل کرے گا، ہماری درگاہ سے راندہ جائے گا۔ محبوب! تیری اتباع کرنے یا نہ کرنے سے کھوٹے کھرے میں حد فاصل قائم ہوتی ہے۔

یہود کا ردّعمل

یہود و نصاریٰ کے ہاں تحویل قبلہ کا شدید ردعمل ہوا اور ان سے اس طرح کا ردعمل بعید نہ تھا۔ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کر دیا گیا۔ اس پروپیگنڈے میں کردار کشی کا عنصر بھی شامل ہو گیا کیونکہ اِسلام کے تعارف سے قبل مدینہ منورہ اور مدینے کے مضافاتی علاقہ جات میں یہود و نصاریٰ کو علمی اور مذہبی برتری حاصل تھی اور پھر یہ لوگ صاحب ثروت تھے ان کا سماجی مرتبہ انہیں سماج میں نمایاں کر رہا تھا۔ اوس اور خزرج کے قبائل ان کے اسی علمی مرتبے سے مرعوب تھے۔ اِسلام سے قبل تو ہم پرستی نے ان کی سوچوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اوس اور خزرج میں سے اگر کسی کی اولاد زندہ نہ رہتی تو وہ منت مانتے کہ بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنا دیں گے۔ اس نفسیاتی برتری نے خصوصاً یہودیوں کو متکبر بنا دیا تھا اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے

تھے۔

اب طلوعِ اسلام کے بعد سارا منظر نامہ بدل گیا۔ اِسلام کی توانا ثقافتی اقدار کے سامنے فرسودہ روایات دم توڑنے لگیں۔ ان کی مذہبی اور روحانی برتری کا طلسم ٹوٹنے لگا وہ اب تک مسلمانوں کو اس لیے بھی برداشت کرتے چلے آ رہے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت المقدس ہے۔ شاید ان کے کسی کونے کھدرے میں یہ بات بھی ہو کہ ان کی علمی وجاہت کے سامنے نیا دِین ٹھہر نہ سکے گا اور بالآخر ہم اسے یہودیت ونصرانیت میں ضم کر لیں گے۔ تحویلِ قبلہ کی خبر سن کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

ہجرت سے سولہ سترہ ماہ بعد ماہ رجب میں بعد زوال آفتاب تحویل قبلہ کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہوا۔ جب مسلمانوں نے حکم الٰہی کے مطابق کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کیں تو یہود نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کبھی کہتے کہ یہ لوگ پھر مکہ والوں کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ دیکھنا اب رفتہ رفتہ انہی کے مشرکانہ عقائد کو اپنا لیں گے۔ لوگو! دیکھو یہ کس طرح پینترا بدلتے ہیں۔ اور اگر کعبہ کو قبلہ بنانا تھا تو پہلے ہی بنالیا ہوتا۔ یہ کیا کھیل ہے کہ چند ماہ بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ پھر اچانک ادھر سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اس حجت بازی کو یہ فرماتے ہوئے مسترد کر دیا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون ہمارے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور کون اپنی ہوائے نفس کا اسیر بنا رہتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 143 میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''اور انہیں مقرر کیا ہم نے بیت المقدس کو قبلہ جس پر آپ اب تک رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے تمہاری رسول کی اور کون مڑتا ہے۔ اُلٹے پاؤں''۔ (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۳)

مسلمانوں کی دینی استقامت اور غیرت ایمانی کی وجہ سے یہودیوں کی پروپیگنڈہ مہم ناکام ہوگئی اور مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ کے قصر ایمان میں نقب نہ لگائی جا سکی تو یہودیوں نے ایک اور پینترا بدلا۔ انہوں نے ایک وفد بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں بھیجا۔

یہودیوں کا ایک وفد جوان کے مندرجہ ذیل چیدہ چیدہ افراد پر مشتمل تھا حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رفاعہ بن قیس۔ فروم بن عمرو۔ کعب بن اشرف۔ رافع بن ابی رافع۔ حجاج بن عمر۔ ربیع بن ربیع۔ کنانہ بن ربیع۔ پسران ابی الحقیق۔

انہوں نے آ کر کہا: یا محمد (ﷺ) آپ نے اس قبلہ سے کیوں منہ موڑ لیا ہے جس پر آپ (ﷺ) اب تک تھے حالانکہ آپ (ﷺ) کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ (ﷺ) حضرت ابراہیم کی ملت اور دِین پر ہیں آپ (ﷺ) اپنے اس قبلہ کی طرف لوٹ جایئے۔ ہم سب یہودی قبائل کے افراد آپ (ﷺ) کی پیروی کریں گے اور آپ (ﷺ) کی نبوت کی تصدیق کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)

یہ یہودیوں کی ایک گہری چال تھی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ (ﷺ) اپنے فیصلے پر قائم رہتے ہیں یا اپنا فیصلہ بدلنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ جب ہم سب قبائل کی طرف سے حضور انور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی پیش کش کریں گے تو حضور پُر نور نبی کریم ﷺ اپنے فیصلے پر نظر ثانی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ان کی ساکھ متاثر ہو گی اور انہیں اِسلام کے خلاف مزید پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ان کی پیش کش نیک نیتی پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس سے سراسر عیاری و مکاری ٹپک رہی تھی۔

یہودیوں کی کوشش تھی کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کسی نہ کسی طرح قبلہ کی تبدیلی پر آمادہ ہو جائیں۔ ان کی نبوت کی تصدیق کرنے یا نہ کرنے کا مرحلہ تو بعد میں آئے گا۔ اس وقت حالات کے مطابق فیصلہ کریں گے کہ ہمیں حضور انور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنا چاہیے یا نہیں؟

ان کی پیش کش کسی خلوص پر مبنی نہ تھی۔ وہ صرف اپنی ان چکنی چپڑی باتوں سے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو آزمانا چاہتے تھے کہ کیا حضور ﷺ اپنے فیصلہ پر پکے رہتے ہیں یا ہمارے ایمان لانے کی لالچ میں اس فیصلہ کو بدل دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ آیت نازل کی:

ترجمہ: ''بیشک وہ جنہیں کتاب دی گئیں ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے ربّ کی طرف سے اور نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں''۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۴)

اور پھر آگے سورہ بقرہ کی آیت 145 میں مزید جلال سے فرمایا:

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اور اگر (بفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے''۔ (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۵)

اور یوں وہ طوفان بدتمیزی جو یہودیوں نے تحویل قبلہ پر مسلمانوں کے خلاف اُٹھایا تھا اپنی موت آپ مر گیا اور ان کے سارے اعتراضات اور الزامات کا صحیح جواب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت 142 میں دے دیا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ

وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥

ترجمہ ''اب بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اپنے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے سے) تھے۔ آپ فرما دیں مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کے لیے ہے''۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۲)

یہودی پروپیگنڈے سے جو تھوڑا بہت اثر ہوا تھا اب وہ بھی زائل ہو گیا اور پھر یہودیوں کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ طعنہ زنی کرتے۔ فضا سے گرد کی تہ چھٹ گئی۔ بدگمانیاں کے چھائے بادل سمٹ گئے' مسلمان یکسو ہو کر پانچ وقت کعبہ رُخ ہو کر نمازیں ادا کرنے لگے۔ تحریکِ دینِ اسلام کی مضبوطی کا شعور ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور کاروانِ عشق پورے اعتماد کے ساتھ اتباع و اطاعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شاہرہ انقلاب پر رواں دواں تھا۔

روزوں کا فرض ہونا

دیگر مذاہب میں بھی روزے کا تصور مختلف انداز میں موجود ہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لیے روزہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ روزہ باطن کا منظر نامہ' پاکیزگی اور طہارت کے قلم سے تحریر کرتا ہے۔ سفر رسالت میں روزہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کا ہمسفر رہا ہے۔

ہجرت کر کے جب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' تاجدارِ کائنات' سرکار دو عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا یہودی ۱۰ محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے قہر' ظلم اور عذاب سے نجات ملی تھی۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ بحیرہ احمر کو بحفاظت پار کر گئے۔ جب کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رزق آب بن گیا۔ اس لیے یہودی اظہار تشکر کے طور پر ہر سال ۱۰ محرم کو روزہ رکھتے اور اللہ کی عبادت کرتے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے یہودیوں کا یہ شعار دیکھ کر فرمایا:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں ہم تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں'' (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۵)

روایات میں ہے کہ ۱۰ محرم کو حضورِ انور ﷺ نے نہ صرف خود روزہ رکھا بلکہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہ کو بھی اس روز روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ ماہ شعبان میں روزوں سے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح ۲ ہجری میں رمضان المبارک کے پورے مہینے کو ماہِ صیام قرار دیا گیا اور روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے۔ سورہ بقرہ کی آیت 183 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

ترجمہ ''اے ایمان والو! تم پر اس طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر

فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''(سورہ بقرہ آیت ۱۸۳)

اوراس آیت کے بعد آیت ۱۸۵ میں فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

ترجمہ:''ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اوراس میں روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اورحق و باطل میں تمیز کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کوتو وہ یہ مہینہ روزے رکھے''۔(سورہ بقرہ آیت ۱۸۵)

کسی دِین کا اہم ترین فریضہ انسان کی اصلاح ہے۔انسان کی اصلاح کی یہی صورت ہے کہ اس کے دِل کی اصلاح ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں خوفِ الٰہی کی شمع فروزاں کر کے رکھ دی جائے اور اس کا مؤثر ترین طریقہ روزہ ہے۔صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے اور خواہشات نفسانی سے محض اس لیے مجتنب (بچے) رہنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔اصلاح نفس کا بہت مؤثر طریقہ ہے اور بڑی سعادت ہے۔

مسلمان اگر تنہا ہو۔کوئی انسانی آنکھ اسے دیکھ نہ رہی ہو۔ایسی حالت میں اسے سخت پیاس لگی ہو اور ٹھنڈے پانی کی صراحی بھی موجود ہے۔اس کے باوجود اس کا ہر حالت میں فرمان الٰہی کی بجا آوری پر کاربند رہنا تقویٰ کا کمال ہے۔اور یہ مشق اسے مکمل ایک ماہ کرنی پڑتی ہے۔اسی طرح اس کے دِل میں خوف خدا کا نقش گہرا ہو جاتا ہے۔اللہ کے کرم سے کچھ لوگ سدھر جاتے ہیں اور ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جس سے اس کے مولا کریم نے اسے منع فرمایا ہے۔

اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کے لیے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا فرمان الٰہی اسی سال نازل ہوا جب کہ ملت مسلمہ اپنے کینہ توز اور طاقتور دشمنوں سے اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں مصروف تھی۔

صدقہ عید الفطر

پورا مہینہ گوناگوں پابندوں میں جکڑے رہنا کے بعد جب ہلال عید نظر آتا ہے تو دِل جذبات مسرت سے لبریز ہو جاتے ہیں اور اس مسرت کا اظہار اچھا لباس پہن کر لذیذ کھانے پکا کر کیا جاتا ہے۔اسلامی معاشرہ میں تمام افراد خوشحال تو نہیں ہوتے' کچھ لوگ شب و روز کی روزی کے لئے ترس رہے ہوتے ہیں۔سب لوگ تو خوشیاں منا رہے ہوں لیکن اسی ملت کے بعض افراد کو روٹی کا سوکھا ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو یہ بڑی سنگدلی ہے۔اسی

لیے حضور انور نبی رحمت ﷺ نے اپنے ماننے والوں پر صدقہ عید الفطر واجب کیا ہر ذی استطاعت (صاحب حیثیت) روزہ دار کو سوا دو سیر گندم (اس کے بدل بطور صدقہ عید الفطر) اپنے کنبہ کے ہر فرد کی طرف سے ادا کرنے کا حکم ہوا' تا کہ ملت مسلمہ کے ان افراد کی ضروریات بہم پہنچانے کا اہتمام ہو جائے جو نادار ہیں اور تمام مسلمان یکساں طور عید کی اس پر مسرت تقریب میں شریک ہو سکیں۔

نمازِ عید کا اجراء

یکم شوال ہجرت کے دوسرے سال عید الفطر کے موقع پر نماز عید کا اجراء کیا گیا۔

سب اِسلامی تہوار خالق و مالک' ربّ کائنات کی عبادت سے عبارت ہیں۔ مسلمان معاشرہ خدا پرستی کا مظہر ہوتا ہے۔ مسلمان ہر حال میں ہر وقت اپنے ربّ کی عبدیت و توحید کے علم دار ہوتے ہیں۔ عید کا تہوار باہمی محبت واحترام و یگانگت میں اضافہ کرتا ہے۔ چھوٹے بڑے سب ایک دوسرے کیساتھ مل کر عید کی خوشیاں مناتے ہیں اور خوشیاں کو دوبالا کرتے ہیں۔ نماز عید کھلی جگہوں اور بڑی بڑی مساجد میں ادا کی جاتی ہیں۔ سارے مجمع کے چہرے پر رونق ہوتے ہیں۔ یہ طمانیت و رونق صیام سے حاصل کردہ سکون' صبر و برداشت' عفو درگزر کے سبب ہوتی ہے۔

ایک دوسرے کو گلے لگایا جاتا ہے۔ رنجشیں اور کدورتیں دور ہو جاتی ہیں ایک دوسرے سے اپنی غلطی کی معافی بھی مانگ لی جاتی ہے۔ حلیمی اور ملنساری اختیار کرنے کے ارادے بنتے ہیں۔ انفرادی زِندگی کے ساتھ ساتھ معاشرے میں سدھار آتا ہے۔ چھوٹے بچے' بچیاں زرق برق رنگے برنگے کپڑے زیب تن کر کے بڑے شوق سے نماز عید و دیگر دینی تہوار و اجتماع میں شرکت کرتے ہیں اور خوش رنگ تتلیوں کی طرح ہر طرف دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں یہ بچے ہی قوم کے معمار ہیں' مستقبل کی فعال اُمت مسلمہ ہیں۔ ان تہواروں' روزہ نماز کی ادائیگی اور دیگر مذہبی رسومات سے یہ بچے دِین متین کی خوبیاں اپنے اندر سمیٹے ہیں۔

زکوٰۃ کا فرض ہونا

سن ۲ ہجری کے واقعات میں زکوٰۃ کی فرضیت بھی ایک اہم واقعہ ہے' زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ کو اِسلام کے بنیادی رکن کی حیثیت دی گئی ہے۔ اور تارک زکوٰۃ دائرہ اِسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ معاشرے کو اعتدال اور توازن کی راہوں پر گامزن رکھنے کے لیے ادائیگی زکوٰۃ اور مستحقین میں تقسیم زکوٰۃ بہت ضروری ہے۔

ہجرت کے دوسرے سال ہی ملت کے ذی استطاعت (صاحب حیثیت) لوگوں پر زکوٰۃ فرض کی گئی' زکوٰۃ دِین اِسلام کے پانچ بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ یہ اسلامی معاشرہ کے ان افراد کی معاشی خوشحالی کی ضمانت ہے جو مختلف وجوہات کی بناء پر اپنی روزی کمانے سے قاصر ہیں اور محرومی اور غربت و عسرت کی زِندگی

بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے افراد کی کفالت کے لیے ہر خوشحال مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور اس کے مصارف بھی بڑی تفصیل سے خود ہی بیان کر دیئے تاکہ کوئی ان میں مداخلت کر کے اس فریضہ کے انقلاب آفرین اثرات کو غیر مؤثر نہ بنا دے۔

سورہ توبہ آیت ۶۰ میں زکوٰۃ فرض کرنے والے خالق و مالک، ربّ کائنات کا فرمان ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''صدقات تو صرف ان کے لیے ہیں جو فقیر۔ مسکین۔ زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے۔ نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقرضوں کے لیے۔ اور اللہ کی راہ میں مسافروں کے لیے۔ یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے''۔

جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف بھی خود ہی بیان فرما دیئے ہیں اور وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

۱- زکوٰۃ کا پہلا مصرف فقراء ہیں۔ فقیر اسے کہتے ہیں جو تنگ دست ہو اگرچہ رزق کمانے پر قادر ہو لیکن اس کی کمائی اسے خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کے قابل نہ بنا سکے۔

۲- دوسرا مصارف مساکین ہیں۔ مسکین، اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی بیماری۔ بڑھاپے اور مستقل معذوری کے باعث رزق کمانے کے قابل ہی نہ رہا ہو مثلاً اندھا، لنگڑا، اپاہج دیوانہ، فاتر العقل وغیرہ یہ دونوں زکوٰۃ کے مستحق ہیں لیکن ان دونوں میں سے مسکین کو مقدم رکھا جائے گا۔ اگر بیت المال میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ ان دونوں طبقوں کو دیا جا سکے تو پھر مسکین کو ترجیح دی جائے گی۔

۳- تیسرا مصرف عاملین (زکوٰۃ تقسیم کرنے والے حکومتی کارندے) ہیں یعنی کہ وہ لوگ جو زکوٰۃ فراہم کرنے کے لیے گھر گھر جاتے ہیں اس کے نظم ونسق کرتے ہیں پھر اسے حقداروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۴- چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں۔ ان سے مراد وہ نو مسلم ہیں جو اسلام لانے کے باعث اپنے پہلے کنبہ اور رشتہ داروں سے کٹ گئے ہوں۔ اپنے سابقہ وسائل معیشت چھن جانے کی وجہ سے وہ بے یار و مددگار اور نادار ہو کر رہ گئے ہوں۔

۵- پانچواں مصرف غلاموں کو آزاد کرانا ہے۔ جو غلام زرمکاتبت ادا کرنے سے قاصر ہوں ان کی اس مد سے امداد کی جائے تاکہ وہ اپنے مالکوں کو مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مسلمان جنگی قیدی کفار کے قبضہ میں ہوں تو ان کا فدیہ یا ان کی قیمت ادا کر کے انہیں کفار کی غلامی سے رہائی دلائی جائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں

افریقہ کے مہتمم صدقات نے انہیں لکھا کہ بیت المال کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں لیکن ہمیں کوئی فقیر نہیں ملتا جو آئے اور زکوٰۃ لے۔ فرمائیے اب کیا کریں؟ آپ نے تحریر فرمایا اگر فقراء نہیں ملتے تو جو لوگ مقروض ہیں ان کے قرض ادا کر دو۔ انہوں نے جتنے مقروض لوگ تھے ان کو تلاش کیا اور ان کے ذمہ قرض خواہوں کی جو رقوم واجب الاداء تھیں وہ ادا کر دیں۔ لیکن بیت المال پھر بھی بھرے کے بھرے رہے۔ انہوں نے امیر المؤمنین کو پھر لکھا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی مقروضوں کے قرض ادا کر دیئے ہیں پھر بھی بیت المال کے مخازن لبالب بھرے ہیں اب کیا کریں؟ تو آپ نے انہیں لکھا کہ جتنے مسلمان کفار کی غلامی میں ہیں اس رقم سے انہیں خریدو اور آزاد کرو۔

۶- چھٹا مصرف مقروض لوگ ہیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انہوں نے یہ قرضہ کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے نہ لیا ہو۔ اور قرضہ لے کر اسے اسراف اور فضول خرچی سے اڑایا نہ ہو۔ ایسے قرضوں کے بوجھل تلے دبے ہوں مقروض اگر خود قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ان کی بیت المال سے امداد کی جائے گی۔

اسی طرح وہ قرضے جو دو مسلمان گروہوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لیے کسی نے لیے ہوں وہ بھی اس مد سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

اسلام نے ہر ایسے شخص کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی جو اپنی ناداری کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے عاجز ہو گا۔

۷- زکوٰۃ کا ساتواں مصرف مسافر ہیں ایک شخص خوشحال ہے لیکن اثنائے سفر اس کی نقدی گم ہو گئی، چوری ہو گئی اس کا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ اب وہ پائی پائی کا محتاج ہے تو ایسے شخص کی بھی زکوٰۃ کے مال سے امداد کی جائے گی۔

۸- آٹھواں مصرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

علماءِ اسلام نے فی سبیل اللہ کی تشریح یوں کی ہے کہ تمام وہ کام جو عوام کے نفع اور بہتری کے لیے کیے جائیں وہ سب فی سبیل اللہ میں شمار ہوں گے۔

زکوٰۃ کی تقسیم اس طرح ہونی چاہیے کہ لینے والے ہاتھ کو دینے والے ہاتھ کی خبر نہ ہو۔ ہر مرحلہ پر اس کا اہتمام ہو کہ کسی کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ اس کے وقار کو دھچکا نہ لگے۔ زکوٰۃ مستحقین کا حق سمجھ کر انہیں ادا کی جائے۔

زکوٰۃ کا مقصد اور لوگوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مقصد معاشرے کی ناہمواریوں کو کم کر کے چہروں پر خوشیوں کے پھول بکھیرنا ہے۔ زکوٰۃ معاشی استحکام کا وسیلہ ہے، کارِ ثواب بھی ہے اور کارِ فلاح بھی، زکوٰۃ انسانی بہبود کا سرچشمہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق زکوٰۃ کے نظام کو کسی نظم و ضبط میں لا کر مثبت اور بہتر نتائج حاصل

کیے جا سکتے ہیں اور عوام کی نا آسودگیوں کو آسودگیوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ معاشی بحالی انسان کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس بنیادی مسئلے کے حل کے لیے اسلام نے نظام زکوٰۃ متعارف کرایا ہے۔ نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ دونوں انسان کو باطنی کثافتوں سے بھی پاک کرتے ہیں اور ظاہری غلاظتوں سے بھی اسے نجات دلاتے ہیں۔
قرآن پاک میں اللہ ربُّ العزت نے زکوٰۃ کے مصارف بھی بیان کر دیئے ہیں تاکہ افراد معاشرہ یا حکومتی ذرائع زکوٰۃ کی تقسیم کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے استحصالی نظام کی بنیاد نہ رکھ دیں۔

نزول احکام قصاص و دیت

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہر قوم میں ایسے افراد بھی ضرور پائے جاتے ہیں جو قانون کا احترام نہیں کرتے۔ ان حدود کو توڑنے میں انہیں بڑا لطف آتا ہے جو دین اور قانون نے قائم کی ہیں ایسے لوگوں کو کھلی چھٹی دے دینا معاشرہ کے امن و سکون کو تہ و بالا کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے قوانین کے بارے میں آیات قرآنی نافذ کیں جو اپنی آہنی گرفت سے ان ہاتھوں کو مروڑ کر رکھ دیں جو حدودِ الٰہی کی بالا دستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس سلسلہ کے وہ قوانین جو ناگفتہ بہ حالات اور خطرہ سے گھرے ہوئے ماحول میں اس سال نازل ہوئے ان میں سے اہم ترین قانون قصاص ہے۔
سورۂ بقرہ کی آیت مبارک ۱۷۸ میں خالق و مالکِ کائنات ربّ للعالمین کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

ترجمہ ''اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو ناحق مارے جائیں۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام۔ عورت کے بدلے عورت۔ پس جس کو معاف کی جائے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کوئی چیز تو چاہیے کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا۔ دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح' یہ رعایت ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور رحمت ہے تو جس نے زیادتی کی اس کے بعد' تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸)

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ کسی غریب کو حقیر سمجھ کر اس کا خون اکارت نہیں جانے دیا جائے گا۔ اور کسی قاتل کو معزز سمجھتے ہوئے قانون کی گرفت سے بچنے نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ جو شخص قتل کا ارتکاب کرے گا اس سے قصاص ضرور لیا جائے گا۔

اس قصاص کے ساتھ ساتھ رعایت کا ایک دروازہ کھول دیا کہ اگر مقتول کے وارث اپنے مقتول کا خون

معاف کر کے خون بہا لینا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔

اس ایک آیت میں قصاص اور خون بہا دونوں احکام نافذ کر دیے تا کہ سرکشوں اور انسانی خون سے ہولی کھیلنے والوں کو ان کے کیے کی پوری سزا دی جا سکے۔ اور اس سے بعد والی آیت (سورہ بقرہ آیت ۱۷۹) میں قانون قصاص کی حکمت بیان کر دی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

"اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو! تا کہ تم قتل کرنے سے پرہیز کرنے لگو"۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۹)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ ہوشربا حالات جن سے اُمتِ مسلمہ اس وقت دوچار تھی ان میں بھی اہم ترین احکام شرعیہ کا نزول جاری رہا تا کہ فرزندانِ اسلام کی اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کے نظام پر بھی پوری طرح عمل کیا جائے۔ ان نفوس قدسیہ نے ان صبر آزما حالات میں بھی احکامِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے کمال دیانت داری سے ان کو عملی جامہ پہنچایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب نے' پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' ہادیٔ انس و جاں رہبر کائنات' سیّد المرسلین' خاتم النبیین حضور پُرنور رسول کریم ﷺ نے احکامِ الٰہی پر ان پر آشوب حالات میں نہایت خوبصورتی سے اور مکمل عمل پیرا کرا کے امت مسلمہ کے لیے سنت قائم کر دی ہے۔ اللہ تمام اسلامی ممالک کو امت مسلمہ کو اس سنت نبوی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۲ ہجری میں نازل ہونے والے اور نفاذ پذیر ہونے والے ان مذکورہ احکام کا تعلق انفرادی اور اجتماعی اصلاح و فلاح کے ساتھ ہے۔ ویسے بھی فرد کی اصلاح و فلاح سے ہی معاشرے کی اصلاح ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے دینِ اسلام کے سارے قوانین احکام و ہدایات فلاح و اصلاح بنی نوع انسان و جن کے لیے بلواسطہ ہیں اور بلاواسطہ تمام کائنات کے لیے ہیں۔

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی

خاتون جنت' حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سرور کونین تاجدارِ کائنات ﷺ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیّد المرسلین' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو چار بیٹیاں عطا کیں' جو سب کی سب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضور انور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی بیٹیوں کے اسمائے گرامی ہیں:

۱۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا

۲۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

۴۔سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول کائنات ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ ایک روایت میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی عمر مبارکہ ۳۵ سال تھی لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق اس وقت حضور انور ﷺ کی عمر ۴۱ سال تھی۔

حضرت امام محمد باقر' حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں:

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اس سال میں ہوئی جب قریش مکہ' کعبہ مشرفہ کی از سرنو تعمیر کر رہے تھے۔ کعبہ کی یہ تعمیر نو اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ فخر کائنات اصل موجودات ﷺ کی عمر مبارک اس وقت پینتیس سال تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس وقت حضور کی عمر مبارک اکتالیس سال تھی جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی۔

جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سنِ بلوغ کو پہنچیں تو خاندان قریش کے متعدد سرداروں نے جو مال و دولت' اثر ورسوخ اور اپنی اسلامی خدمات کے باعث عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ کے رشتہ کے لئے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی لیکن پیغمبر اوّل وآخر واعظم' حضور پُرنور' نبی کریم' رؤف ورحیم ﷺ نے سب کو یہی جواب دیا کہ جیسا اللہ چاہے گا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت ابوطالب کے فرزندِ ارجمند تھے۔ یہ براہ راست حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ آپ ﷺ ہی کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ حضور ﷺ کے سامنے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے رشتے کے خواہش مند تھے۔ لیکن جب بھی اس حوالے سے نبی رحمت ﷺ سے بات کرنے کا ارادہ کرتے' اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے خیال سے خاموشی اختیار کر لیتے۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کا ادب واحترام بھی انہیں کچھ نہ کہنے پر مجبور کرتا' کچھ شرم وحیا پاؤں کی زنجیر بن جاتی' حرف مدعا زبان پر آتے آتے رک جاتا۔

رہ رہ کر نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خوئے بندہ نوازی ہمت بندھاتی کہ وہ کریم جس نے بچپن سے مجھے اپنے آغوش شفقت میں لیا۔ اور مجھ سے اتنی محبت اور اتنا پیار کیا کہ اس کے سامنے باپ کی شفقت اور ماں کا پیار ہیچ نظر آنے لگا۔ پھر ایسی تربیت فرمائی کہ دِل کی آنکھوں کو بینا کر دیا۔ جب اِسلام کی دعوت پیش کی گئی تو اس نور بصیرت کی برکت سے جو نگاہِ مصطفوی نے وافر فرمایا تھا' نور حق کو پہچاننے میں ذرا وقت نہ ہوئی۔ اس کے بعد بھی اپنے ٹھنڈے سایہ میں نشوونما پانے کا موقع بخشا۔ ایسے کریم آقا کی فیاضیوں کے سامنے میری ان ناداریوں کی کیا حقیقت ہے مجھے عرض کرنا چاہیے۔ وہ شفیق آقا مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

بڑی پس و پیش کے بعد آپ نے حرف مدعا عرض کرنے کا پکا ارادہ کر ہی لیا۔ ایک روز لجاتے اور شرماتے ہوئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سراپا ادب بن کر بیٹھ گئے۔ لیکن ہمت نے ساتھ نہ دیا' زبان گنگ ہوگئی یارائے تکلم نہ رہا۔ زبان اگر خاموش تھی تو زبانِ حال ماجرائے دِل کی ترجمانی کر رہی تھی۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم' حضور پُرنور' رحمت دوعالم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو بھانپ لیا۔ اس سے قبل کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زبان کھولتے خود رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''اے علی! کیسے آنا ہوا؟ کیا کوئی ضروری کام ہے؟'' (دلائل النبوۃ' جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

حضرت علی نے ہچکچاتے ہوئے حرف مدعا بیان کرنے کی کوشش کی لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا اور خاموش رہے۔ نبض ہستی پر ہاتھ رکھنے والے رسول مکرم معظم ﷺ نے خود ہی فرمایا:

''کیا فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے رشتے کے لیے آئے ہو؟'' (دلائل النبوۃ' جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حیا کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ صرف اتنا ہی کہہ پائے کہ ''ہاں یارسول اللہ''

حضور پُرنور رحمت دوعالم ﷺ بھی یہی چاہتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے یہ تجویز آتے ہی اسے سند قبولیت عطا فرما دی اور بخوشی اس تجویز سے اتفاق کیا۔

(قارئین کرام! یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ماہ رجب سن ۱ ہجری میں ہوا اور رخصتی سن ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد عمل میں آئی)۔

اور فرمایا ''کیا مہر کی ادائیگی کے لیے تمہارے پاس کچھ ہے؟'' (دلائل النبوۃ' جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصد ادب عرض پرداز ہوئے ''خدا کی قسم میرے پاس تو کسی قسم کا سامان نہیں''۔

سرورِ دوعالم ﷺ نے پوچھا: ''وہ حطمیہ زرہ کہاں ہے جو بدر میں ہاتھ آئی تھی؟'' انہوں نے عرض کیا: ''وہ تو میرے پاس موجود ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لے آؤ کافی ہے''۔

آقائے دوجہاں ﷺ نے حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں ان کی مرضی دریافت کی تو وہ خاموش رہیں۔ جس کا مطلب تھا کہ انہیں اس نکاح پر کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ رجب سن ۱ ہجری میں پہلے نکاح ہوا' رخصتی سن ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد عمل میں آئی۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ رخصتی کے وقت آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا: رات میری آمد کا انتظار کرنا۔ رات آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی' اندر تشریف لے گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ اس سے وضو فرمایا: بچے ہوئے پانی میں ہاتھ مبارک ڈالے' پانی پر دم کیا۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا پھر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر پانی چھڑکا اور فرمایا:

''میں نے اپنے خاندان کے سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے''

(الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۴)

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے:

کہ نکاح ماہ رجب ا ہجری میں ہوا اور رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت سیّدہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔

شب زفاف حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے دونوں کو کہلا بھیجا کہ میرے آنے سے پہلے کچھ نہ کرنا حضور ﷺ تشریف لے گئے وضو فرمایا پھر پانی پر دم کیا اور ان دونوں پر چھڑک دیا پھر دُعا فرمائی۔

''اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈال۔ ان دونوں پر برکت نازل فرما اور ان کے لیے ان کی نسل میں بھی برکتیں عطا فرما''۔

روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کے بعد ایک مکان کرائے پر لیا۔ بعد میں حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضور انور نبی کریم ﷺ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ ابا جان! حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے مکانات ہیں ان میں سے ایک مکان دلوا دیجیے۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا وہ پہلے ہی کئی مکان میری نذر کر چکے ہیں۔ اس لیے انہیں اب مزید کچھ کہنا مناسب نہیں۔ جب حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کو اس امر کی خبر پہنچی کہ سیّدہ عالم رضی اللہ عنہا کو ایک مکان کی ضرورت ہے تو وہ دوڑے دوڑے اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے اور عرض گزار ہوئے کہ:

''یا رسول اللہ! میرا جو کچھ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ آپ جو قبول فرما لیتے ہیں۔ اللہ کی قسم میرے لیے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ جو آپ چھوڑ دیتے ہیں''۔

انہوں نے ایک مکان حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی نذر کر دیا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اس مکان میں منتقل ہو گئیں حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں اور فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ (الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۲)

اس واقعہ کو ''کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ'' کے فاضل مصنف علی بن عیسیٰ اربلی نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے جس سے اس واقعہ کے وہ گوشے بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں جو دوسری روایات میں ناگفتہ رہ گئے تھے۔

لیکن میں اس واقعہ کو دوبارہ اس غرض سے بیان کر رہا ہوں کہ قارئین کرام پر' میرے مسلمان بھائیوں پر اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو' عیاں ہو کہ اس دور میں' آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ باتیں نہ تھیں' یہ خامیاں نہ تھیں جو بعد میں ناسمجھ تاریخ دانوں' ناسمجھ مؤرخین نے' ناسمجھ رائٹرز نے' لکھنے والوں اور ناسمجھ قصہ گو قسم کے لوگوں نے بنانا شروع کر دیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منسوب کرنا شروع کر دیں۔

انہیں تو ہر لحہ ہر وقت ایک دوسرے کا بے انتہا احترام تھا۔ وہ تو سراپا خیر و محبت تھے۔ وہ ہر اس چیز کو دل و جان سے چاہتے تھے جسے چاہنے کے لیے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا اور ہر اس چیز سے سو

نی صد بچتے تھے جس سے بچنے کے لیے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا۔ ان کا اتباع و اطاعت خامیوں سے پاک اور ہر طرح سے مثالی تھا۔ وہ سب آپس میں شیر و شکر تھے۔ وہ تو سب ہی ایک جسم کی مانند تھے۔ انہیں دوسرے کی تکلیف' دکھ درد' حاجت' ضرورت و بے آرامی بے چینی ایسے ہی محسوس ہوتی تھی جیسے وہ سب ایک جسم ہی ہوں۔

درج ذیل میں صحابہ کبار کی محبت' ہمدردی' چاہت و اپنائیت اور ان کے طرزِ عمل کو پڑھ کر نا سمجھ لوگوں کو سمجھ آ جانا چاہیے کہ وہ حق کے خلاف کتنی غلط بیانی کرتے ہیں۔ جاں نثارانِ نبی کریم رؤف رحیم یعنی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس خاص شمع رب للعالمین کے پروانے تھے اس شمع کی روشنی میں نفرتیں اور کدورتیں جنم ہی نہیں لے سکتیں تھیں۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ محبت کا سرچشمہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ نہم اس چشمہ سے سیراب ہونے والے' فیض یاب ہونے والے خوش نصیب انسان تھے جو آپس میں بہت شفیق اور مہربان تھے۔ وہ ہر وقت ہر حال میں ایک دوسرے کے مرتبے کا لحاظ و احترام کی فضا کو برقرار رکھتے تھے۔ قصہ مختصر ان کا اتباع و اطاعت' باہمی محبت و اخوت بے داغ تھی اور وہ سب ایک جسم تھے۔

قرآن حکیم' سورۂ انفال آیت ۶۳ میں اللہ رب العزت نے' خالق و مالک کائنات نے اپنے ان مقدس نفوس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسی دور کے بارے میں فرمایا ہے:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

ترجمہ: ''اور ان کے دلوں میں میل محبت کر دیا (اور ایسی محبت' میل ملاپ پیدا کر دیا کہ اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے (تو تب بھی اس معیار کی باہمی محبت پیدا نہ کر سکتے) ان کے دِل ملا نہ سکتے۔ لیکن اللہ نے ان کے دِل جلا دیئے۔ بے شک وہی ہے غالب حکمت والا''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نامعقول باتیں بنانا' ان سے نا اتفاقی بے مروتی کو منسوب کرنا سراسر زیادتی ہے' نا انصافی ہے ناحق ہے اور ان کا ایسا کہنا مذکورہ بالا آیت کریمہ کے خلاف' اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان کے خلاف ہے۔ ایسا کرنے والے اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ انہیں یہ ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بڑے بڑے شرفاء نے اس رشتہ کے لیے درخواست کی ہے لیکن پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' نبی اکرم ﷺ نے یہی فرمایا کہ جیسے اللہ چاہے گا۔ لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابھی تک گزارش نہیں کی۔ شائد غربت و افلاس کی وجہ سے یہ جسارت نہ کر سکے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس

کا رسول معظم ﷺ اس رشتہ کو ان کے لیے روکے ہوئے ہیں۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو کہا چلو علی کے پاس اور انہیں کہتے ہیں کہ وہ یہ عرض کریں اور اگر غربت و افلاس کی وجہ سے وہ خاموش ہوں تو ہم ان کے ساتھ مالی تعاون کرنے کو تیار ہیں۔

چنانچہ یہ سب حضرت علی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے ان کے گھر گئے پتہ چلا کہ وہ فلاں انصاری کا باغ سیراب کرنے کے لیے اپنی اونٹنی لے کر گئے ہیں۔ یہ حضرات اس انصاری کے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا اور پوچھا خیریت تو ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد کی وجہ بتائی آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

آپ مانگیے حضور پُر نور ﷺ آپ کو ضرور یہ رشتہ دیں گے۔ شاید اللہ اور اس کے رسول نے یہ رشتہ آپ کے لیے روکا ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کہا میرا دِل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو لیکن تہی داماں ہوں عرض کرنے کی جرأت کیسے کروں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے علی! آپ اس بات کی پروا نہ کریں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس مال و دولت کی پرکاہ (گھاس پھونس) کے برابر بھی وقعت نہیں۔ آپ ضرور خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور یہ گزارش پیش کریں۔

سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا اور ادب سے بیٹھ گئے کچھ دیر بعد حضور پُر نور، عالم خفا و غیوب ﷺ نے فرمایا: اے علی! میرا خیال ہے تم کسی کام کے لیے آئے ہو۔ بتاؤ کیا کام ہے؟ آپ نے شرم و حیاء میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں گزارش پیش کی۔ حضور پُر نور ﷺ کا رُخِ انور خوشی سے چمکنے لگا۔ مسکراتے ہوئے پوچھا مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟ آپ نے عرض کی! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں میری حالت حضور انور ﷺ سے مخفی نہیں۔ میرے پاس ایک تلوار۔ ایک زرہ اور ایک اونٹنی ہے جس پر میں پانی بھر کر لاتا ہوں۔

تاجدارِ کائنات، رحمتِ دو عالم، حضور پُر نور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تلوار تمہاری اہم ضرورت ہے اونٹنی بھی تمہاری روزی کا ذریعہ ہے اور زرہ کے عوض میں اپنی بچی کا نکاح تمہارے ساتھ کیے دیتا ہوں۔

یہ مژدہ جانفزا سن کر آپ باہر نکلے۔ آپ کی خوشی کی انتہاء نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے بتایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کا رشتہ مجھے دے دیا۔ ان دونوں حضرات کو یہ بات سن کر از حد مسرت ہوئی اور دونوں میرے ساتھ اکٹھے مسجد کی طرف آئے۔ ہم جب مسجد میں پہنچے تو رسول کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہوئے۔ حضور پُر نور ﷺ کا رُخِ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔

انصار مہاجرین کو جمع کیا گیا۔ اور نبی رحمت ﷺ نے دونوں کا عقد فرمایا:

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: اے علی! اب جاؤ اور زرہ کو بیچ کر اس کی رقم میرے پاس لاؤ۔ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو درہم میں وہ زرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فروخت کی۔ جب میں نے زرہ ان کے حوالے کر دی اور ان سے روپے لے لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ اس زرہ کی قیمت میں نے آپ کو ادا کر دی۔ اب میری طرف سے یہ زرہ بطور تحفہ آپ قبول فرمائیے۔

میں نے زرہ بھی لے لی اور روپے بھی اور انہیں لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور دونوں چیزیں میں نے حاضر ہو کر حضورانور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا وہ بھی عرض کیا۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دُعائے خیر فرمائی پھر حضرت صدیق اکبر کو حکم دیا کہ جاؤ اور میری بیٹی کے لیے ضروری چیزیں خرید کر لے آؤ۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال کو ساتھ بھیجا تا کہ وہ سامان کر لے آئیں۔

مہر و جہیز

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' شہنشاہ کونین ﷺ نے سیّدہ عالم رضی اللہ عنہا کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی' چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے' ایک چھاگل' ایک مشک دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین از شبلی نعمانی جلد ا صفحہ ۲۶۸)

اسلام کی آفاقی تعلیمات فرد کو اعتدال اور توازن کے جواہر سے آراستہ کرتی ہیں اور یوں اس کی شخصیت کو معاشرے کے لیے سودمند بنا دیتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق مہر کا مقرر کیا جانا اور اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ مقصد عورت کا وقار بلند کرنا ہے' اس کے احترام میں اضافہ کرنا ہے۔ محض دکھاوے کے لیے اور نمود و نمائش کی خاطر مہر کی بڑی بڑی رقمیں مقرر کرنا اور پھر ادائیگی کا اہتمام نہ کرنا اِسلام کے نزدیک سخت گناہ ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت مہر میں اپنی زرہ پیش کی۔ حضور پُرنور رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: اسے بیچ کر رقم میرے پاس لاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چار سو درہم میں فروخت کر دی۔ (شبلی نعمانی نے زرہ کو قیمت سوا سو درہم لکھی ہے)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ رقم ادا کرنے کے بعد فرمایا: اے علی! سودا طے ہو گیا۔ قیمت آپ کو مل گئی۔ زرہ میں نے لے لی۔ اب اسے میری طرف سے تحفتاً قبول کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سارا ماجرا حضور انور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے گوش گزار کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلوص اور محبت کا ذکر کیا تو تاجدار کائنات ﷺ کے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھ گئے کہ اللہ عثمان (رضی اللہ عنہ) پر رحمتیں نازل فرما۔

تاجدار کائنات ﷺ نے زرہ کی فروخت سے ملنے والی رقم میں گھر کا ضروری سامان خریدنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا۔

مذکورہ رقم جو زرہ کی فروخت سے حاصل ہوئی' اس سے جو چند چیزیں خریدی گئیں وہی دو جہانوں کے بادشاہ حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ کی لاڈلی بیٹی خاتون جنت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا جہیز تھا۔ یاد رہے جہیز کے اس سامان میں ایک چارپائی' چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے ایک چھاگل' ایک مشک' دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے تھے۔

ہمارے ہاں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جہیز کو مثال بنا کر لاکھوں کے سامان جہیز کا جواز فراہم کر لیا جاتا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو الگ گھر بسانے کے لیے جو چند چیزیں دی گئیں وہ مہر کی رقم سے خریدی گئی تھیں۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جانب سے جہیز کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا لیکن ہمارے ہاں جہیز کا اہتمام لڑکی والے کرتے ہیں۔

خوشحال والدین کی طرف سے بعد میں' بغیر نمائش و تشہیر کیے لڑکے اور لڑکی کو اگر تحفے کی صورت میں کوئی چیز دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور معاشرہ بھی معاشی طور پر عدم استحکام کا شکار نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے ہم نے جہیز کو باقاعدہ ایک رسم بنا لیا ہے اور رسم بھی وہ جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ناممکن بنا دیا گیا ہے۔

غزوۂ ابواء

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' حضورِ انور' نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اسلامی لشکر کی قیادت فرمائی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا یہ پہلا غزوۂ تھا۔ اس کا زمانہ وقوع ماہ صفر سن ۲ ہجری بمطابق اگست ۶۲۳ء ہے۔
اس غزوہ میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہمراہ ستر (۷۰) مجاہدین' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جس قافلے کو حراساں و بدحواس کرنے کے لئے' راستہ روک لینے کے لئے آپ ﷺ ابوا کے علاقہ تک تشریف لے گئے تھے اس قافلے میں شامل افراد کی تعداد اور ان کے سالار قافلہ کا نام معلوم نہیں ہیں۔

مختصراً اس غزوہ میں

۱- دشمن سے آمنا سامنا نہ ہوا۔

۲- دشمن پر دھاک بیٹھ گئی۔

۳- مسلمانوں نے مختلف قبائل سے معاہدہ جات کئے۔

۴۔ مسلمانوں کو معلوماتی ' آگاہی 'تعلیمی ' تربیتی اور بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔

اس غزوہ کو غزوۂ ابواء اور غزوۂ وَدّان بھی کہا جاتا ہے۔ وَدّان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ وَدّان ' رابغ سے مدینہ جاتے ہوئے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ابواء 'وَدّان کے قریب ہی ایک دوسرے مقام کا نام ہے۔

ہجرت کے بارہ ماہ بعد حضور انور نبی کریم سرور دوعالم ﷺ نے ماہ صفر میں ابواء کی طرف پہلا سفر جہاد فرمایا۔ اس لشکر کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا۔ یہ غزوۂ ابواء اور غزوۂ وَدّان کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ''فرعہ'' ایک ضلع (بڑے علاقے) کا نام ہے جو بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ ضلع ''فرعہ میں یہ دو بستیاں آباد ہیں۔ ان کے درمیان چھ سے آٹھ میل (اندازاً 11 کلومیٹر) کا فاصلہ ہے اس غزوہ کا مقصد بھی قریش مکہ کے تجارتی قافلہ کو ہراساں کرنا تھا' اس پر چھاپا مارنا تھا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں بھی صرف مہاجرین شریک ہوئے کسی انصاری کو اس میں شرکت کی اِجازت نہیں ملی۔ جب یہ لشکر ابواء کے مقام پر پہنچا تو وہ قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ ابوا سے دور جا چکا تھا۔ اس لیے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ اگرچہ اس قافلہ پر چھاپا مارنے کا قصد تو پورا نہ ہوا۔ لیکن اس غزوہ سے بھی ایک اہم کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

اس علاقہ میں بنوضمرہ قبیلہ آباد تھا۔ اس زمانہ میں اس قبیلہ کا سردار مخشی بن عمرو الضمری تھا۔ اس کے ساتھ حضور انور نبی کریم ﷺ کی ملاقات ہوئی اور باہمی دوستی کا معاہدہ طے پایا۔ جس کا متن درج ذیل ہے:

''اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا اور ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہے یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ یعنی وہ امن سے رہیں گے۔ ان کی جان و مال کو امن ہو گا اور جو آدمی ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا انہیں اس کے مقابلہ میں مدد دی جائے گی۔ بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دِین میں لڑائی کرے۔ یہ معاہدہ باقی رہے گا جب تک سمندر کا پانی اون کو گیلا کرتا رہے گا اور نبی کریم ﷺ جب اپنی مدد کے لیے ان کو دعوت دیں گے تو وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا ذمہ دار ہے اور ان کی مدد کی جائے گی جو ان پر حملہ کرے گا خواہ نیک اور متقی ہو''۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۴ صفحہ ۲۵ - الوثائق السیاسیہ صفحہ ۲۶۷ - المواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۵)

اس معاہدہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ صرف جنگ اور سیاست کے میدانوں کے ماہرین ہی لگا سکتے ہیں۔ بنوضمرہ اگرچہ ابھی تک اپنے مشرکانہ عقائد پر قائم تھے لیکن اب وہ اپنے ہم عقیدہ اہل مکہ کی مسلمانوں کے خلاف کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اور ان سے کسی قسم کا تعاون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ معاہدہ قافلہ پر قبضہ کرنے کی کامیابی سے بھی کہیں بڑی کامیابی تھی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم

حبیب خاص حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو مرحمت فرمائی' عطا فرمائی۔اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضورانور ﷺ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔اس سفر میں حضور کی پندرہ راتیں صرف ہوئیں' گزریں۔یہ پہلا غزوہ تھا جس میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم قائد کاروان انسانیت اور فاتح قلوب واذہان ہادیٔ دوجہاں رسول کائنات ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔(سبل الہدیٰ والرشد جلد۴صفحہ ۲۵)

غزوہ بواط

اس غزوہ کا زمانہ وقوع ماہ ربیع الاوّل سن ۲ ہجری بمطابق ستمبر ۶۲۳ء ہے۔اس غزوہ میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضورانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ہمراہ دوسو (۲۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' مجاہدین تھے۔مشرکین مکہ کے مذکورہ قافلے کا سالار امیہ بن خلف تھا اور اُس کے قافلہ میں سو (۱۰۰) افراد شامل تھے۔حضور پُرنور ﷺ کی قیادت میں دوسو مجاہدین کا یہ دستہ مشرکین مکہ کے قافلہ کو حراساں و بدحواس کرنے کے لئے' قافلے کا راستہ روکنے کے لئے سن ۲ ہجری کے ماہ ربیع الاوّل میں روانہ ہوا۔

مختصراً اس غزوہ میں

۱- دشمن سے آمنا سامنا نہ ہوا۔

۲- مسلمانوں کو تربیتی' معلوماتی' تعلیمی' تبلیغی بہت سارے فوائد حاصل ہوئے

بواط کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں:

''یہ جُہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو رِضواء پہاڑ کے نزدیک ہے''۔

اور رضواء ایک پہاڑ ہے جو ینبع کے قریب واقع ہے۔

یہ غزوہ ہجرت سے تیرہ ماہ بعد ابن سعد کے نزدیک ربیع الاوّل میں اور ابن ہشام کے نزدیک ربیع الثانی میں وقوع پذیر ہوا۔

حضور پُرنور نبی کریم ﷺ دوسو مہاجرین کے ہمرکاب بواط کی طرف روانہ ہوئے۔اس مہم میں علم بردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔اس معرکہ کا جھنڈا بھی سفید تھا۔مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بقول ابن سعد' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اور بقول ابن ہشام حضرت صائب بن عثمان مظعون رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔اس مہم کے پیش نظر بھی قریش مکہ کے اس تجارتی قافلہ کو ہراسان کرنا تھا' اس پر چھاپہ مارنا تھا جس کی قیادت امیہ بن خلف کررہا تھا۔اس کے ساتھیوں کی تعداد ایک سوتھی اور یہ قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔

حضورانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ جب بواط پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ قافلہ نکل گیا ہے چنانچہ اس دفعہ بھی سرکار دوعالم ﷺ بغیر جنگ کے ہی واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

(زادالمعاد جلد۲صفحہ ۹۳)

غزوۂ سفوان

اس غزوہ کا زمانہ وقوع ماہ ربیع الاوّل سن ۲ ہجری بمطابق ستمبر ۶۲۳ء ہے۔ اس غزوہ کو غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

اس مہم میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہمراہ ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجاہدین اسلام کا ایک دستہ تھا۔ یہ دستہ کرز بن جابر اور اس کے ساتھی لٹیروں (جن کی تعداد معلوم نہیں) کے تعاقب میں گیا اور اس دستہ نے لٹیروں کا وادی سفوان تک پیچھا کیا۔

مختصراً اس غزوہ میں

۱- دشمن فرار ہو گیا۔

۲- اس لیے کوئی ٹکراؤ نہ ہوا۔

۳- مسلمانوں کو دینی، روحانی، معلوماتی، تبلیغی، علمی و تربیتی اور بہت سارے فوائد حاصل ہوئے۔

علماء سیرت کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ غزوہ العشیر ہ کے غزوہ سے پہلے وقوع پذیر ہوا یا بعد میں ابن سعد اور چند دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ العشیر ہ کے غزوہ سے پہلے واقع ہوا لیکن ابن اسحاق نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

مدینہ کے نواح میں ایک چراگاہ تھی جسے الجماء کہا جاتا تھا۔ وہاں مسلمانوں کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرنے کے لیے چھوڑ دی جاتی تھیں۔ اور ان کی دیکھ بال کے لیے ایک آدھ چرواہا مقرر کر دیا جاتا تھا۔ کفار مکہ نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے اور مسلمانوں پر اپنی قوت اور طاقت کی دھاک بٹھانے کے لیے پہلا عملی قدم یہ اٹھایا کہ اپنے ایک سردار کرز بن جابر کی سرکردگی میں لٹیروں کی ایک پارٹی بھیجی۔ انہوں نے آ کر چراگاہ پر حملہ کر دیا اور چرواہے کو قتل کر دیا۔ کچھ درخت کاٹ دیئے اور جتنے اونٹ اور بھیڑ بکریوں کو ہانک کر لے جا سکتے تھے انہیں لے گئے۔

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی۔ تو حضور ﷺ اس کے تعاقب میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے ان کا تعاقب وادی سفوان تک کیا جو بدر کی آبادی کے قریب تھی۔ لیکن وہ لٹیروں کی پارٹی تیزی سے آگے نکل گئی۔ اس لیے حضور انور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اس وادی کی نسبت سے جہاں تک حضور انور نبی کریم ﷺ نے ان لٹیروں کا تعاقب کیا اس غزوہ کو غزوۂ سفوان سے موسوم کیا گیا اور کیونکہ یہ وادی بدر کے بہت قریب تھی۔ اور اس سے زیادہ مشہور تھی اس لیے اس غزوہ کو غزوۂ بدر اولیٰ کہا جاتا ہے۔

اس مہم میں لشکر اسلام کے علمبردار سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور سفید رنگ کا جھنڈا آپ کو دیا گیا تھا۔حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ابن سعد کے قول کے مطابق یہ غزوہ ہجرت سے تیرہ ماہ بعد ربیع الاوّل میں پیش آیا۔(البدایہ والنہایہ جلد۳ صفحہ ۲۴۷)

غزوہ ذی العشیرہ

اس غزوہ کا زمانہ وقوع ماہ جمادی الاوّل سن ۲ ہجری کے آخری دنوں یا ماہ جمادی الثانی کے سن ۲ ہجری کے شروع کے چند دنوں کا' بمطابق نومبر' دسمبر ۶۲۳ء کا ہے۔یہ ینبع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

اس غزوہ میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ہمراہ ایک سو پچاس سے دوسو (۲۰۰) تک کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔یہ اس قافلے کا راستہ روکنے' اسے حراساں اور بدحواس کرنے کے لئے گیا تھا جو مکہ سے مال تجارت لے کر ملکِ شام جا رہا تھا۔اس قافلہ کے ساتھ چالیس (۴۰) مسلح آدمی تھے اور اس قافلہ کا سالار ابوسفیان تھا۔

مختصراً اس غزوہ میں

۱- قافلے سے آمنا سامنا نہ ہوسکا۔

۲- مسلمانوں کی دور دور تک دھاک بیٹھ گئی۔

۳- دو قبائل سے معاہدے ہوئے۔

۴- مسلمانوں کو بہت سارے تعلیمی' معلوماتی' سفارتی' تبلیغی' حربی و تربیتی فوائد حاصل ہوئے۔

ایام سفر میں مدینہ کی سربراہی کا کام حضرت ابوسلمہ عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔اس دفعہ بھی پرچم سفید تھا۔

قارئین کرام کو ایک مغالطے سے بچانے کے لیے یہاں اس قافلہ اور غزوہ کے متعلق وضاحت ضروری ہے۔اور وہ یہ ہے۔

غزوہ ذی العشیرہ جس قافلہ کے سلسلے میں پیش آیا اس قافلے کا سالار ابوسفیان تھا اور اس وقت وہ قافلہ کو مکہ سے ملک شام کے لیے بغرض تجارت (منافع اور منافع سے مسلمانوں کا خاتمہ) روانہ ہوا تھا۔اور یہ ماہ جمادی الاوّل ۲ ہجری کا زمانہ تھا۔

یہی قافلہ ملک شام میں تجارت کرنے کی غرض سے تقریباً دو ماہ وہاں رہا اور ماہ شعبان کے آخری دنوں میں منافع کمانے' تجارت کرنے کے بعد واپس مکہ کے لیے روانہ ہوا۔

یہ وہی قافلہ ہے جس کا پیچھا کرنے کے لیے' جسے حراساں کرنے کے لیے' جسے خوف زدہ کرنے کے لیے' جس کے ذریعے دشمنوں کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کے لیے مسلمان' نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی قیادت

میں ماہِ رمضان سن ۲ ہجری میں دوسری بار اسی قافلہ کے لئے وہاں پہنچے۔

مشیت ایزدی' قافلہ مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ بچا کر بحفاظت نکل گیا لیکن اس دوران سالار قافلہ ابوسفیان کی طرف سے مشرکین مکہ کو مدد کے لیے پکارا جا چکا تھا اور وہ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے' مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے بدر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بھی اپنے مجاہدوں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے۔ اور پھر غزوۂ بدر وقوع پذیر ہوا۔

اب غزوہ ذی العشیر ہ کے متعلق مزید بیان

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ کا ایک تجارتی کارواں شام کو جا رہا ہے اور تمام اہل مکہ مرد وزن نے اس میں بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کی ہے ابوسفیان جو اس قافلہ کا سردار تھا اس کا قول ہے:

''بخدا! مکہ میں کوئی قریشی مرد اور کوئی قریشی عورت ایسی نہیں تھی جس کے پاس کچھ سرمایہ ہو اور اس نے اس قافلہ میں نہ لگایا ہو''۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قریش نے اپنے تمام اموال اس قافلہ میں لگا دیئے مکہ میں کوئی قریشی مرد اور عورت جس کے پاس مثقال برابر سونا تھا ایسا نہیں رہا جس نے اسے اس قافلہ میں تجارت کے لیے نہ لگایا ہو''۔

(السیرۃ الحلبیہ' برہان الدین حلبی جلد ۱ صفحہ ۵۱۳)

اہل مکہ' مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے انہوں نے ایسا کرنے کی برملا دھمکیاں عبداللہ بن ابی کو اور خود مسلمانوں کو بھی دی تھیں۔ یہ تیاریاں وسیع پیمانے پر علی الاعلان (علانیہ طور پر۔ بے روک ٹوک) ہو رہی تھیں۔ ایسی تیاریوں کے لیے سرمایہ کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے بہت بڑی سرمایہ کاری والا تجارتی قافلہ تیار کیا تا کہ اس کی آمدنی سے وہ متوقع حملہ کے اخراجات پورے کر سکیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار سنہری اشرفیوں کی سرمایہ کاری کی گئی تھی اس وقت کے حالات کے پیش نظر اتنی بڑی سرمایہ کاری بڑی حیرت انگیز بات تھی۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اس قافلہ کو ہراساں کرنے کے لیے اپنے ڈیڑھ سو رفقاء کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ سواری کے لیے صرف تیس اونٹ تھے جن پر سارے باری باری سوار ہوتے تھے۔

ان مجاہدین کا تعلق بھی مہاجرین سے تھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اس مہم کا پرچم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہوا جھنڈے کا رنگ سفید تھا' حضور پُرنور نبی کریم ﷺ عشیرہ کے مقام تک اس قافلے کے تعاقب میں

تشریف لے گئے۔

معلوم ہوا کہ قافلہ کچھ روز پہلے نکل گیا ہے۔ حضور نے جمادی الاوّل کے باقی دن اور جمادی الثانی کے چند روز مقام عشیرہ میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لے آئے ابن اسحاق اور ابن حزم کی یہی تحقیق ہے کہ یہ غزوہ جمادی الاوّل میں وقوع پذیر ہوا اور سب سے صحیح' درست بھی یہی لگتا ہے۔

عشیرہ کا قصبہ ینبع کے علاقہ میں ہے اسے ذوالعشیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک قلعہ ہے جو ینبع اور ذی المروہ کے درمیان واقع ہے۔ یہاں عمدہ قسم کی کھجوروں کے باغات ہیں جن کا پھل بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ خیبر کی صیحانی اور مدینہ طیبہ کی برنی اور عجوہ کھجوروں کے بعد یہ کھجور حجاز کی باقی تمام کھجوروں سے بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ یہ علاقہ بنو مدلج قبیلہ کا مسکن تھا۔

(معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۲۷۔ تلقیح صفحہ ۵۰۔ البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد (جلد ۴ صفحہ ۲۹)

قافلہ تو لشکر اسلام کے وہاں پہنچنے سے کئی روز پہلے نکل گیا تھا لیکن وہاں چند روز قیام کرنے سے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے ایک دوسری عظیم سیاسی کامیابی حاصل کی۔ بنو مدلج' بنوضمرہ کے حلیف تھے۔ جن شرائط پر بنوضمرہ سے دوستی کا معاہدہ ہوا تھا تقریباً ان ہی شرائط پر بنو مدلج سے بھی دوستی کا معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدہ کو تحریر کیا گیا اور فریقین نے اس پر دستخط کر دیئے۔

ان دو قبیلوں سے دوستی کے معاہدوں کے باعث مسلمانوں کی پوزیشن اس علاقہ میں بڑی مضبوط ہو گئی۔ اگر غزوۂ بدر سے پہلے ان سے یہ معاہدے طے نہ ہوتے تو کوئی بعید نہ تھا کہ یہ لوگ کفار مکہ کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ مل جاتے اور رسد وغیرہ کی فراہمی میں ان کی مدد کرتے۔ اور یوں مسلمانوں کی مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ لیکن ان دو معاہدوں کے بروقت ہو جانے کی وجہ سے مسلمان محفوظ ہو گئے اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی پوزیشن اور مضبوط ہو گئی۔

حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جب اس غزوہ پر روانہ ہوئے تو نقب بنی دینار سے گزرتے ہوئے ''فیفاء الخبار'' پہنچے۔ بطحاء بن الازہر کے مقام پر ایک درخت کے نیچے اترے۔ وہاں نماز ادا فرمائی جہاں مسجد بنا دی گئی۔ وہاں حضور انور ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ امام ابوالربیع الکلاعی الاندلسی متوفی ۶۳۴ھ اپنی کتاب الاکتفاء میں لکھتے ہیں:

''کہ چولہے کے وہ پتھر جن پر ہانڈی رکھ کر پکائی گئی تھی وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں اور لوگ انہیں جانتے ہیں۔'' (الاکتفاء جلد ۲ صفحہ ۸)

سریہ عبداللہ بن جحش

اس سریہ کا دوسرا نام ''سریہ نخلہ'' بھی ہے۔

اس کا زمانہ وقوع ماہ رجب سن ۲ ہجری بمطابق جنوری ۶۲۴ء کا ہے۔

مجاہدین کا یہ دستہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف مقام بطن نخلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس دستہ میں ۸ سے ۱۲ کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ انہوں نے مشرکین مکہ کے ایک قافلہ جو کہ مکہ سے عراق کے لئے سامانِ تجارت لے جا رہا تھا اس کو روکنا تھا' اس کو حراساں کرنا تھا۔ اس قافلے میں کتنے افراد شامل تھے یہ معلوم نہیں ہے۔ البتہ اس قافلے کا سالار امیہ بن خلف کا ایک بیٹا تھا جو اس قافلہ کو اپنی قیادت میں لے جا رہا تھا۔

مختصراً اس سریہ میں

۱- مسلمان دشمن کے قلب تک پہنچے۔

۲- تصادم ہوا۔

۳- ایک کافر مارا گیا' دو کو قیدی بنا لیا۔

۴- مسلمانوں کی تربیت' مہارت' اتباع و اطاعت' کا اعتماد و ایمان میں اضافہ ہوا۔

ابن ہشام کے مطابق اس سریہ میں شامل آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجاہدین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

نام	قبیلہ
۱- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	بنی عبدالشمس بن عبد مناف
۲- عکاشہ بن محصن بن حرثان	بنی اسد بن خزیمہ
۳- عتبہ بن غزوان بن جابر	بنی نوفل بن عبد مناف
۴- سعد بن ابی وقاص	بنی زہرہ بن کلاب
۵- عامر بن ربیعہ	بنی عدی بن کعب بن عدب بن وائل
۶- واقد بن عبداللہ	بنی تمیم
۷- خالد بن البکیر	بنی سعد بن لیث
۸- سہیل بن بیض	بنی الحارث بن فہر
	رضی اللہ عنہم اجمعین

ہجرت کے سترہ ماہ بعد رجب میں ایک اور سریہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ اس کے امیر مقرر کیے گئے۔ ایک روز حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء کے وقت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ اور حکم دیا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسلح ہو کر آنا اور مجھے ملنا میں نے تمہیں کہیں بھیجنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حسب ارشاد میں صبح کی نماز کے وقت مسلح ہو کر حاضر ہوا میرے

پاس تلوار، کمان، ترکش وغیرہ ہتھیار تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے آئے۔ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ میں پہلے ہی در اقدس پر حضور پُر نور ﷺ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ وہاں قبیلہ قریش کے چند افراد بھی موجود تھے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا وہ حاضر ہوئے۔ اور حضور انور ﷺ کے پاس اندر چلے گئے۔

حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک خط لکھنے کا حکم دیا۔ پھر مجھے اندر طلب کیا اور وہ گرامی نامہ مجھے عطا کیا اور فرمایا کہ میں نے ان لوگوں پر تمہیں امیر مقرر کیا ہے۔ تم انہیں ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ جب دو راتیں سفر کر چکو تو اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے کس سمت سفر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ فرمایا نجد (مکہ کی طرف) کی سمت منہ کر کے چل پڑو۔ یہ حکم سن کر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ آٹھ یا بارہ مہاجروں کے ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔

دو آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ دو رات سفر کرنے کے بعد انہوں نے حکم نامہ کھول کر پڑھا اس میں تحریر تھا۔

"اللہ کے نام کی برکت سے سفر جاری رکھو یہاں تک کہ بطن نخلہ پہنچ جاؤ۔ کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ وہاں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا۔ اور ان کے حالات سے ہمیں آگاہ کرنا"۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۰۲)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی مجاہدین کو حکم نامہ کے متن سے آگاہ ان الفاظ میں کیا۔ ہمیں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

"تم بطن نخلہ پہنچ کر قریش کا انتظار کرنا اور ان کے بارے میں ہمیں مطلع کرنا"

جب مجاہدین نے فرمان سنا تو سب نے کہا کہ ہم سب دل و جان سے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول اکرم محبوب ﷺ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہیں۔ آپ چلیے ہم سب آپ کے پیچھے ہیں۔ جب یہ لوگ بطن نخلہ پہنچے تو وہاں قریش کے ایک قافلہ کو موجود پایا۔ یہ قافلہ سامان تجارت لے کر عراق کی طرف جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی اور عثمان بن عبداللہ مخزومی بھی شامل تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے۔ عکاشہ بن محصن نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ عمرہ ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور لڑائی سے انہیں کوئی سروکار نہیں اپنا سر منڈوا دیا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر مشرکین کو تسلی ہو گئی انہوں نے اپنی سواری کے جانوروں کو رسیوں سے باندھ کر چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

اب مسلمانوں سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا۔ مسلمانوں نے سوچا کہ آج ہم اگر انہیں کچھ نہیں کہتے تو کل یہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں۔ اور ہم انہیں کچھ نہیں کہہ سکیں گے اور اگر آج ہم ان پر حملہ کرتے ہیں تو یہ رجب کا مہینہ ہے جو اشہر حرم سے ہے۔ اور اس میں جنگ کرنا ممنوع ہے۔

کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں یونہی نہیں جانے دینا چاہیے۔

حضرت واقد بن عبداللہ الیربوعی الحنظلی نے تاک کر تیر مارا جس نے عمرو بن حضرمی کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے مجاہدین نے مشرکین پر ہلہ بول دیا اور ان میں سے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ حکم کو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اسیر بنایا۔ نوفل بن عبداللہ بھاگ گیا۔ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو قیدیوں اور لدے ہوئے اونٹوں کو لے کر حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔ ادھر کفار نے شور مچا دیا کہ دیکھو محمد (ﷺ) نے حرمت والے مہینوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے ان میں بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ الزام تراشیوں کا ایک طوفان امڈ کر آیا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت سے اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ ان مجاہدین کو فرمایا۔ مَا اَمَرْتُکُمْ بِالْقِتَالِ فِی اَشْھُرِ الْحَرَامِ۔ کیا میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم ان حرمت والے مہینوں میں جنگ کرو؟ (الکامل فی التاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)

یہ سن کر ان مجاہدین پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی لوگ خیال کرنے لگے کہ ان کے دونوں جہان برباد ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے دو صاحبان حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ وہ اس کی تلاش کے باعث پیچھے رہ گئے قریش مکہ نے اپنے دو قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کے لیے زر فدیہ دے کر اپنے آدمی بھیجے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا جب تک ہمارے دو آدمی سلامتی کے ساتھ یہاں نہیں پہنچ جاتے ہم فدیہ قبول نہیں کریں گے۔ اگر تم نے ہمارے ان دو آدمیوں کو قتل کر دیا تو ہم تمہارے ان دو قیدیوں کو ان کے بدلے میں تہ تیغ کر دیں گے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت سعد اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہما بخیرت واپس آ گئے۔ اور حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے ان دو قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ چاندی فی کس لے کر انہیں آزاد کر دیا ان میں سے ایک حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اور احکام شرعی کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے اور حضور کے قدموں میں ہی زندگی بسر کرنے کا عزم کر لیا یہاں تک کہ بئر معونہ کے حادثہ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ مکہ واپس آ گیا اور حالت کفر میں ہی اس کو موت آئی۔

اس سریہ میں شامل مجاہدین کے غم و اندوہ کی انتہا ہو گئی اور اپنے مسلمان بھائیوں نے بھی ان کے اس عمل کو نشانہ ہدف بنایا اور تنقید کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ پر سورہ بقرہ کی آیت 217 نازل فرمائی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ

ترجمہ: ''وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے۔ آپ فرمایئے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور روک دینا مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے۔ اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ وفساد قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہاری دِین سے اگر بن پڑے''۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۷)

اس وحی نے صراحت کردی کہ لڑنے والے مسلمانوں کی سیرت کے بارے میں مشرکین نے جو شور برپا کر رکھا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں' کیونکہ قریش (مشرکین کفار مکہ) اس سے بہت پہلے ہی اِسلام کے خلاف لڑائی میں اور مسلمانوں پر ظلم وستم رانی میں ساری ہی حرمتیں پامال کرچکے ہیں۔ کیا جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا مال چھینا گیا اور پیغمبر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو یہ واقعہ شہر حرام (مکہ) سے باہر کہیں اور کا تھا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اب ان حرمات کا تقدس اچانک پلٹ آیا اور ان کا چاک کرنا باعثِ ننگ وعار ہوگیا۔ یقیناً مشرکین نے پروپیگنڈے کا جو طوفان برپا کر رکھا ہے وہ کھلی ہوئی بے حیائی اور صریح بے شرمی وبدنیتی پر مبنی ہے۔

اس آیت مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار مکہ' قریش مشرکین کی زیادتیوں کا شمار کرادیا ہے اور یہ واضح طور پر فرمادیا ہے کہ۔

''کفار کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا
ان کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا
مسلمانوں کو ان کے گھروں سے' مکہ سے نکالنا
جو مسلمان ہوگئے ہیں ان پر ظلم وستم وتشدد کرنا
انہیں ہجرت کرجانے کے لیے مجبور کردینا
کفار کا یہ کوششیں کرنا کہ مسلمان اپنے دِین سے پھر جائیں
وہ دِین اِسلام کو چھوڑ دیں اور مرتد ہوجائیں
جو مکہ میں رہنے کے حق دار ہیں' جن کے وہاں گھربار ہیں
جائیداد ہے جو وہاں پیدا ہوئے' پلے بڑھے ہوئے
ان کو صرف اس لیے نکال دینا کہ وہ مسلمان ہوگئے اللہ واحد
کی عبادت کرنے اور اُس کے رسول کریم' خاتم النبیین ﷺ
کی اطاعت واتباع کرنے لگ گئے ہیں۔

''کفار ومشرکین مکہ کے یہ مذکورہ بالا جرائم اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس شخص (عمرو بن حضرمی' مشرک مکہ) کے قتل سے یہ فرداً فرداً کہیں بڑے گناہ ہیں جرم ہیں۔ اور اس آیت میں واضح طور پر

یہ فرمایا جارہا ہے کہ مشرکو! کافرو تم اس کا ذکر کس گمان سے کرتے ہو"۔

اس آیت مبارک کے نزول سے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مشکل دور ہوئی اور انہیں اطمینان وسکون دِل نصیب ہوا۔

اس سریہ میں قتل ہونے اور قیدی بنائے جانے والوں کا تعلق چونکہ طبقہ امراء سے تھا اور یہ مکہ کے با اثر لوگ تھے اس لیے' سرداران مشرکین کا فوری مشتعل ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ عمرو بن حضرمی کے قتل نے مکہ میں آگ لگا دی۔ مشتعل نوجوانوں نے اسے خوب ہوا دی اوشدید ردعمل کا اظہار و مطالبہ کیا۔ اہل مکہ تو پہلے ہی تعصب و انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اب اس قتل سے مسلمانوں کے خلاف ایک لاوا ابل پڑا۔ اکثر مؤرخین کی رائے ہے کہ جنگ بدر کا فوری سبب بھی یہی قتل بنا۔ عمرو بن حضرمی کے قتل سے اہل مکہ کا مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دینے کا عزم و جنگی جنون اپنی انتہاء کو چھونے لگا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱صفحہ ۶۰۱ تا ۶۰۶ - المواہب اللدنیہ جلد ۱صفحہ ۷۶ - تاریخ ابن خلدون صفحہ ۱۸)

یہ ہیں جنگ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات ان میں سے کسی میں بھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی جب تک مشرکین نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں ایسا نہیں کیا۔ اس لیے اس کی ابتداء بھی مشرکین ہی کی جانب سے ہوئی جب کہ اس سے پہلے بھی وہ طرح طرح کی ستم رانیوں کا ارتکاب کر چکے تھے۔

ادھر سریہ عبد اللہ بن جحش کے واقعات کے بعد مشرکین کا خوف حقیقت بن گیا اور ان کے سامنے ایک واقعی خطرہ مجسم ہو کر آ گیا۔ انہیں جس پھندے میں پھنسنے کا اندیشہ تھا اس میں اب وہ واقعی پھنس چکے تھے۔

انہیں معلوم ہو گیا کہ مدینے کی قیادت انتہائی بیدار مغز ہے اور ان کی ایک ایک تجارتی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے۔ مسلمان چاہیں تو تین سو میل (۴۸۰ کلومیٹرز) کا راستہ طے کر کے ان کے علاقے کے اندر انہیں مار کاٹ سکتے ہیں' قید کر سکتے ہیں' مال لوٹ سکتے ہیں' اور ان سب کے بعد صحیح سالم واپس بھی جا سکتے ہیں۔ مشرکین کی سمجھ میں آ گیا کہ ان کی شامی تجارت اب مستقل خطرے کی زد میں ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود وہ اپنی حماقت سے باز آنے اور جہنیہ اور بنوضمرہ کی طرح صلح و صفائی کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے جذبۂ غیظ و غضب اور جوشِ بغض و عداوت میں کچھ اور آگے بڑھ گئے اور ان کے صنادید و اکابر سرداروں اور بڑوں نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کا صفایا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی طیش تھا۔ جو انہیں میدانِ بدر تک لے آیا۔

باقی رہے مسلمان تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سریہ کے بعد ماہِ شعبان سن ۲ ہجری میں ان پر جنگ فرض قرار دی۔ اور اس سلسلے میں کئی واضح آیات نازل فرمائیں:

سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ تا ۱۹۳ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○

ترجمہ: ''اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا' اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو' اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔ وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں۔ پس اگر وہ (وہاں) قتال کریں تو تم (وہاں بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزاء ایسی ہی ہے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی تعدی نہیں ہے مگر ظالموں ہی پر''۔ (سورہ بقرہ آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳)

اس کے جلد ہی بعد دوسری نوع کی آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور بعض احکامات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

سورۂ محمد کی آیات ۴ تا ۷ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ○ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○

''پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو' یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا ہے کہ) تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی کرے گا' اور ان کا حال درست کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ جس سے ان کو واقف کرا چکا ہے۔ اے اہل ایمان! اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا''۔ (سورۂ محمد آیات ۴ تا ۷)

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی فرضیت و ترغیب اور اس کی تیاری کا حکم حالات کے تقاضے کے عین مطابق تھا۔

حتیٰ کہ اگر حالات پر گہری نظر رکھنے والا کوئی کمانڈر ہوتا تو وہ بھی اپنی فوج کو ہر طرح کے ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا۔ لہٰذا وہ پروردگارِ برتر کیوں نہ ایسا حکم دیتا جو ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان احکامات‘ ہدایات‘ اشارات و کلام مبارک کو سب سے پہلے اور سب سے بہتر سمجھنے اور ان پر افضل ترین طریقوں سے عمل پیرا ہونے والی اس کائنات میں صرف اور صرف ایک ہی تو ہستی ہے اور وہ ہیں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم‘ ہادیٔ انس و جان‘ رہبرِ کائنات‘ رسولِ بحر و بر‘ سیّد المرسلین‘ خاتم النبیین‘ رحمت للعالمین‘ حضور پُر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ قافلہ کی آڑ میں مشرکین مکہ سے بہت جلد مقابلہ ہونا تھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اس (غزوہ بدر) کے لیے اسی معیار‘ دانائی‘ فراست و حکمت عملی سے آگے بڑھے جو کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم‘ سیّد المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے شایانِ شان تھی۔

جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمتیں صرف اس کا محبوب نبی ہی سمجھتا ہے اس طرح نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی حکمتیں سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات حق و باطل کے درمیان ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کا تقاضا کر رہے تھے‘ خصوصاً سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بعد جو کہ مشرکین کی غیرت وحمیت پر ایک سنگین ضرب تھی اور جس نے انہیں کباب سیخ بنا رکھا تھا۔

احکام جنگ کی آیات کے سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا تھا کہ خونریز معرکے کا وقت قریب ہی ہے اور اس میں آخر فتح ونصرت مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگی۔ آپ اس بات پر نظر ڈالیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں سے مشرکین نے تمہیں نکالا ہے اب تم بھی وہاں سے انہیں نکال دو۔ پھر کس طرح اس نے قیدیوں کے باندھنے اور مخالفین کو کچل کر سلسلۂ جنگ کو خاتمے تک پہنچانے کی ہدایت دی ہے۔ جو ایک غالب اور فاتح فوج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ آخری غلبہ مسلمانوں کو ہی نصیب ہوگا۔ لیکن یہ بات پردوں اور اشاروں میں بتائی گئی تاکہ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جتنی گرمجوشی رکھتا ہے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکے۔

پھر ان ہی دنوں۔ ماہ شعبان سن ۲ ہجری فروری ۶۲۴ء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ قبلہ‘ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو بنایا جائے اور نماز میں اسی طرف رخ پھیرا جائے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کمزور اور منافق یہود جو مسلمانوں کی صف میں محض اضطراب و انتشار پھیلانے کے لیے داخل ہو گئے تھے کھل کر سامنے آگئے۔ اور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصل حالت پر واپس چلے گئے اور اس طرح مسلمانوں کی صفیں بہت سے غداروں اور خیانت کوشوں سے پاک ہو گئیں۔

تحویل قبلہ میں اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے جو اس قبلے پر مسلمانوں کے قبضے سے پہلے ختم نہ ہوگا‘ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ کسی قوم کا قبلہ اس کے دشمنوں کے قبضے

میں ہو اور اگر ہے تو پھر ضروری ہے کہ کسی نہ کسی دن اُسے آزاد کرایا جائے۔

ان احکام اور اشاروں کے بعد مسلمانوں کی نشاط میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات اور دشمن سے فیصلہ کن ٹکر لینے کی آرزو کچھ اور بڑھ گئی۔

جہاد اور اِسلام کے بدخواہ

درج ذیل مسلمانوں کے مصائب و مشکلات کا پہلے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ چند درج ذیل حقائق آپ پر آشکارا ہو گئے ہوں گے۔

۱- دعوت توحید کے آغاز سے چودہ پندرہ سال تک کفار مکہ مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے رہے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے لکڑی اور پتھر سے گھڑے ہوئے اندھے بہرے بتوں کو اپنا خدا ماننے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے بجائے وہ اللہ وحدہ لاشریک کی الوہیت پر صدقِ دِل سے ایمان لائے تھے۔

۲- ہر کسی کو جی بھر کے ستایا گیا حتیٰ کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تک کو نہ بخشا گیا۔

۳- اس ظلم و جبر' اذیت و تشدد کے پیچھے ان کی یہ کوشش کارفرما رہی کہ دِین اسلام کو پھیلنے نہ دیا جائے' اسے ختم کر دیا جائے اور جو مسلمان ہو گئے ہیں انہیں اپنے پرانے دِین پر پھیر لایا جائے۔

۴- انہوں نے مسلمانوں کا اس حد تک جینا دوبھر کر دیا کہ مجبوراً وہ اپنے گھربار' مال و متاع جائے پیدائش چھوڑ کر اپنے دِین و ایمان کی سلامتی کے لیے' حفاظت کے لیے ملک حبشہ ہجرت کر گئے۔

۵- کفار مکہ کو مسلمانوں کا حبشہ میں جا کر آرام و سکون سے اپنے دِین متین پر کاربند ہونا' رہنا بھی نہ بھایا۔ وہ مسلمانوں کو وہاں سے بھی نکلوانے کے لیے شاہ حبشہ کے دربار میں پہنچ گئے۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کئی چالیں چلیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی خباثت سے محفوظ رکھا۔

۶- کسی غلط فہمی کے سبب کچھ مسلمان جو حبشہ سے مکہ آ گئے تھے اب ان کے ساتھ اور زیادہ برا سلوک کیا گیا کہ کچھ مجبوراً واپس حبشہ چلے گئے اور جو رہ گئے وہ ظلم ستم جور و جفا کی چکی میں پستے رہے۔

۷- تبلیغ دِین حق کا کام جاری تھا اور دِینِ اِسلام مکہ کے اندر آہستہ آہستہ (پہلے سات آٹھ سالوں تک) پھیل رہا تھا لیکن کفار مکہ کو تو دِینِ اِسلام اور بانی دِین اِسلام شروع سے ہی سخت ناپسند تھا اس لیے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اِسلام دشمنی' بانی دِین کی عداوت و مخالفت اور مسلمانوں کے ساتھ ظلم و تشدد' اذیت و جور و جفا میں اور بڑھتے جا رہے تھے۔

۸- جب مسلمان یثرب ہجرت کر گئے تو وہ بھی ان کے لیے ایک ناقابل معافی ناقابل برداشت جرم تھا۔ وہ تو مسلمانوں کو سکھ کا سانس تک نہیں لینے دینا چاہتے تھے وہ تو انہیں اپنے ظلم و تشدد سے ختم کر دینا چاہتے تھے کجا یہ کہ مسلمان پھر ایک محفوظ جگہ چلے گئے۔

۹- اب کفارِ مکہ نے اپنے غصہ‘ غیظ وغضب میں شمع کائنات‘ سراج منیر‘ شمع دِینِ اِسلام کو ہی گل کرنا چاہا۔ اپنے پختہ عزم اور مکر وفریب میں بھی وہ بری طرح ناکام رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے شمع کائنات‘ سراج منیر‘ شمع دِینِ اِسلام‘ پیغمبرِ اوّل وآخر واعظم رہبرِ کائنات‘ ہادیٔ انس وجاں‘ سیّد المرسلین‘ خاتم النبیین‘ رحمت للعالمین حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو باحفاظت یثرب پہنچا دیا۔ کفارِ مکہ‘ مشرکین عرب تو اب انگاروں پر لیٹ رہے تھے۔ انہیں اپنی ناکامیوں کے سبب اور مسلمانوں کا باحفاظت محفوظ دور و دراز علاقہ یثرب میں پہنچ جانے کے سبب ایک پل آرام نہ تھا۔

۱۰- سردارانِ کفارِ مکہ اور خاص طور پر ابوجہل کی تو نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ وہ تو مرتد کرنے کے لیے اپنے قبیلہ کے ایک دو مسلمانوں کو یثرب پہنچ کر بہانے سے اپنے ساتھ بھی لے آیا۔ ان کے ساتھ دھوکا کیا ظلم و تشدد کیا لیکن ناکام رہا۔

۱۱- مسلمان مدینہ منورہ میں اپنے قدم جمانے لگے تو پہلے ہی کفارِ مکہ نے ان کے قدم اکھاڑنے کی سعی ناکام شروع کر دی۔ انہوں نے یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ انہوں نے یہودیوں کو ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے علاقہ سے نکال دیں۔

۱۲- حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنی حکمتِ عملی سے ان خطرات کو ٹالا اور مسلمان ایک مضبوط وطاقتور قوم کے طور پر ابھرنے لگے تو کفارِ مکہ نے اپنی اِسلام دشمنی میں‘ اپنی خباثتوں میں ایک قدم اور آگے بڑھایا وہ یہ کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو یقین دلایا کہ سارے کفار ومشرکین یثرب کے یہودیوں کے ساتھ ہیں۔

اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی معرفت مسلمانوں کو یہ پیغام بھی پہنچایا کہ مسلمان اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ مکہ سے بچ کر نکل آئے ہیں تو اب آگے آرام وسکون ہی ہے بلکہ ہم مشرکین مکہ تو کسی وقت بھی مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو تہس نہس کر دیں گے۔

۱۳- کفارِ مکہ نے اہلِ مدینہ (مسلمانوں) کو تہس نہس کر دینے کا پیغام بذریعہ خط یا لکھ کر بھی پہنچایا جسے کہ اجتماعی (سارے مسلمانوں کے لئے) پیغام بھی کہا جا سکتا ہے اور فرداً فرداً بھی وہ مسلمانوں کو اسی طرح کی دھمکی والا پیغام جو انہوں نے عبداللہ بن ابی کو دیا تھا (ہم تم پر حملہ آور ہوں گے‘ تمہارے جوانوں کو قتل کر دینگے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے) دیتے رہتے تھے جیسا کہ ابوجہل نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے تکرار کی‘ زندہ واپس نہ جانے دینے کی دھمکی دی اور کہا کہ ”تم یہ خیال کرتے ہو کہ بوقت ضرورت تم مسلمانوں کی امداد کرو گے (یعنی کہ سعد یہ تمہاری یہ خام خیالی ہے ہم مسلمانوں کے ساتھ تم کو بھی نیست ونابود کر دیں گے)

۱۴- حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنی خدائی حکمت عملی سے پہلے مدینہ منورہ کو داخلی استحکام بخشا اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کے تحت سرایا و غزوات کا سلسلہ شروع کر فرمایا۔

ان کے ذریعے جہاں اسلام کو اور تقویت ملی وہاں ساتھ ساتھ تبلیغ دینِ اسلام' تشہیر و اشاعت بھی خوب ہوئی۔ مدینہ منورہ کے داخلی استحکام کا دائرہ اور پھیلتا گیا' وسیع ہوتا گیا۔

۱۵- وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان تعداد میں بڑھتے گئے اور معاشی' سیاسی' معاشرتی اخلاقی و دینی لحاظ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے اور دوسری طرف معاملہ بالکل اس کے الٹ تھا کہ

کفار' مشرکین عرب کے غیظ و غضب میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا وہ تو شروع سے یہ چاہتے تھے کہ کوئی بھی شخص دینِ اسلام اختیار نہ کرے' دینِ اسلام نہ پھیلنے دیا جائے اور داعی حق کو' داعی اسلام کو بھی تبلیغ دینِ اسلام سے باز رکھا جائے۔ وہ تو اپنی اسلام دشمنی میں اس حد تک بڑھ گئے کہ سارے مسلمانوں کو ان کے دین اور داعی دین کے سمیت سب کو یک لخت نیست و نابود کر دیا جائے۔ کفار نے مسلمانوں کو جیسے حق ہی نہیں دیا حالانکہ یہ ان کی خام خیالی تھی کہ خدائی ان کی ہے۔

۱۶- خالق و مالک کائنات تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے' کس کو اوپر لانا ہے کس کو نیچے گرانا ہے' کس کو عزت دینی ہے کس کو ذلت دینی ہے' کس کو بنانا ہے کس کو مٹانا ہے یہ سب اسی کا کام ہے۔

کفار و مشرکین مانیں نہ مانیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سالوں پہلے ان میں اپنے رسول برحق' سید المرسلین' خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ خاتم النبیین پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے دین کو ہی اپنا پسندیدہ دین بنایا۔ مسلمانوں کو صبر و استقامت سے نوازا۔ اور قدم قدم پہ اپنی حکمت کاملہ سے اپنے محبوب رسول کریم ﷺ کی مدد فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دینِ اسلام کو' داعی دینِ اسلام ﷺ کو تمام دین و مذاہب پر غلبہ عطا فرمانا تھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس بارے میں جو حکمت عملی فرمائی وہ دراصل خدائی حکمت عملی تھی۔

طاقت کے استعمال پر پابندی

واضح رہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کئی سالوں تک بغیر جنگ اور قتل و قتال کے دین اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے حالانکہ مکہ میں عرب اور مدینہ میں یہودی آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید ترین تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ مگر چونکہ ہادیٔ دو جہاں ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو صرف ڈرانے اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا (تلوار اٹھانے کا نہیں) اس لیے آپ ﷺ ان تکلیفوں پر صبر فرماتے رہے اور ان کو ڈر سناتے رہے۔ جس کی بنیاد اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''وَاَعْرِضْ عَنْهُمْ'' ان سے مت الجھو اور یہ کہ ''وَاصْبِرْ'' یعنی صبر سے کام لیں' اس کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ' برداشت و صبر وغیرہ کے صلہ میں آپ ﷺ سے فتح اور کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔

چنانچہ جب حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مکہ میں تشریف فرما تھے اور مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو اذیت دینا' ستانا' خاص طور پر غلام' بے سہارا' غریب و مسکین مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیت دینا' تکالیف پہنچانا

مارنا پیٹنا معمول تھا۔ تو جب بھی ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس سے آپ کا گزر فرمانا ہوتا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی اس حالت زار کے دوران خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے تو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ انہیں دیکھ کر ہمیشہ صبر کی تلقین فرماتے اور اس صبر و استقامت کے بدلے جنت کی بشارت دیتے اور کہیں معاملہ اس سے زیادہ توجہ طلب ہوتا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے صبر کرو، مجھے جنگ و جدال کا ابھی حکم نہیں دیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۷۷ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ

ترجمہ: ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو''

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت مقداد بن اسود، حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ان سب کو مکہ میں مشرکین بڑی زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے، آخر ایک دن انہوں نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو بڑے معزز اور محترم لوگ تھے اور جب کہ ہم ایمان لے آئے تو انتہائی ذلیل ہو گئے اس لیے آپ ﷺ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان مشرکوں سے جنگ کریں''۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان مسلمانوں (صحابہ کرام) سے فرمایا:

''تم ان سے اپنے ہاتھ روکے رکھو کیونکہ مجھے ان سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا''

ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو اس طرح جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اگر وہ مشرک لڑائی کی ابتداء کریں تو آپ ﷺ ان سے قتال کر سکتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ''فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ'' یعنی اگر مشرکین آپ ﷺ سے قتال کریں آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ قتال کیجئے۔

غرض جب سارے ہی عربوں نے مسلمانوں کو نشانہ پر رکھ لیا اور ہر طرف سے ان کو جنگ کے لیے مجبور کرنے لگے تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ رات کو بھی ہتھیار لگائے ہوئے اٹھتے اور وہ یہ کہتے:

''کیا کبھی ایسا وقت بھی آئے گا جب ہم امن کے ساتھ رات گزار سکیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو''۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ نور کی آیت ۵۵ نازل فرمائی جس میں ارشاد پاک ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ

بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ

ترجمہ: ''اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے' کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا' جیسی ان سے پہلوں کو دی۔ اور ضرور ان کے لیے جما دے گا ان کا وہ دِین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا''۔

جنگ کی مشروط اجازت کی وجہ یہ تھی کہ مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ایک چھوٹی سے جماعت تھے' پھر جب ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی اور وہ ایک طاقتور بڑا گروہ بن گئے' نیز ساتھ ہی مسلمانوں کے دلوں میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت اپنے ماں' اپنی اولاد اور اپنی بیویوں سے بھی زیادہ رچ بس گئی اور دوسری طرف مشرکین اپنے کفر میں خاتم النبیین ﷺ کے جھٹلانے پر تلے رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشرکوں سے جنگ کرنے کی اِجازت عطا فرما دی۔ یہ حکم ماہِ صفر سن ۲ ہجری میں ملا' مگر صرف ان لوگوں سے لڑنے کے لیے جو خود مسلمانوں پر حملہ کریں اور جنگ میں پہل کریں' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ

ترجمہ: اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت ۳۹ میں اس اِجازت جنگ وجدل کا یوں ذکر فرمایا ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ۨ

ترجمہ: ''اجازت عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے''۔ (سورۂ حج آیت ۳۹)

حرام مہینوں کے سوا جہاد کا اذن عام

اس کے بعد جنگ کی اِجازت مل گئی' یعنی ایسے شخص کے ساتھ خود سے جنگ کرنے کی اِجازت بھی ہو گئی' جس نے جنگ نہ چھیڑی ہو' مگر یہ اِجازت حرام مہینوں کے سوا باقی مہینوں میں تھی' اشہر حرم یعنی حرام مہینوں سے مراد یہ مہینے ہیں۔ رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مہینوں کو جنگ کی اِجازت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ اس بارے میں سورہ توبہ کی آیت ۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ

ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو' جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو' اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو''۔ (سورۂ توبہ آیت ۵)

پھر سن ۲ ہجری کے بعد جہاد واجب ہو گیا۔ یہ وجوب مطلق یعنی بلا کسی قید کے تھا' یعنی اس میں کوئی شرط نہیں تھی اور کسی خاص زمانے یا مہینے کی قید نہیں تھی' اس بارے میں سورہ توبہ کی آیت ۳۶ نازل ہوئی:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً

ترجمہ: اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو' جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں''۔ (سورۃ توبہ آیت ۳۶)

بلا شرط اذن عام

مراد یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں ان سے جنگ کرو' اب اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہجرت کے پہلے کے پورے زمانے میں اور ہجرت کے بعد ماہ صفر سن ۲ ہجری تک واجب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس پورے عرصہ میں آپ ﷺ کو صرف تبلیغ اور بغیر جنگ کیے ڈرانے کا حکم تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کو ستر (۷۰) کے قریب آیتوں میں اس دور میں جنگ سے روکا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو جہاد کی اجازت حاصل ہو گئی۔ یعنی ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اِجازت مل گئی جو مسلمانوں سے جنگ کریں' پھر اس کے بعد ایسے شخص سے بھی جنگ کرنے کی اِجازت مل گئی جس نے خود ابتداء نہ کی ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ حرام مہینوں میں سے کوئی مہینہ نہ ہو۔

اور پھر مطلقاً بلا کسی قید کے جہاد کرنے کا حکم ہو گیا (یعنی اس میں نہ یہ قید تھی کہ اسی شخص کے ساتھ جنگ کی جائے جس نے خود سے پہل کی ہو اور نہ اشہر حرام کی قید تھی) یعنی اس کے ساتھ بھی جس نے خود سے پہل کی ہو اور اس کے ساتھ بھی جس نے پہل نہ کی ہو اور ہر زمانے میں وہ چاہے حرام مہینے ہوں یا نہ ہوں۔

جہاد کا اعلان

جہاد کے سلسلے میں جو آیت پیچھے گزری ہے یعنی سورہ حج کی آیت مبارک ۳۹' اس آیت مبارک کے بارے میں بعض علماء نے کہا کہ جہاد کی اِجازت کی سلسلے میں یہ پہلی آیت ہے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی اِطلاع ان الفاظ میں دی۔

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں''۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ''جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب بھی وہ یہ کلمے کہہ دیں گے۔ تو اس کلمے کے حق کو چھوڑ کر ہر طرح وہ اپنے خون اپنے مال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہو گا۔ اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کلمے کا حق یعنی حق تلفی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اِسلام قبول کرنے کے بعد کفر کرے یا کسی شخص کی جان لے لے''

اُمتِ مسلمہ کے بدخواہ

دینِ اِسلام' اُمت مسلمہ کے خلاف مستشرقین (پڑھے لکھے منظم غیر مسلم جو اُمتِ مسلمہ کا برا چاہتے ہیں) تو

کافی عرصہ سے مصروف کار ہیں۔ ان کا تو ایک منظم اور خوب، سوچا سمجھا مشن ہے جو انہوں نے اُمتِ مسلمہ کے خلاف پورا کرنا ہے۔

ہمارے علماء، اور حکومت کا بھی یہ مشن ہونا چاہیے کہ ایسے عناصر پر' لکھنے والوں پر' ایسے لٹریچر' ایسی کتابوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور ان کے لکھے کو عام مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیں اور مستشرقین کے طریق کار کے بارے میں عوام میں بھی شعور پیدا کریں تاکہ وہ بھی ہوشیار رہیں اور ایسے لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں۔

اس معاملہ میں دُکھ کی بات یہ ہے کہ کسی بھی حکومت نے علماء کرام کو مستشرقین کے خلاف منظم نہیں کیا۔ انہیں اس بارے میں تعلیم نہیں دی اور ان کی کرتوتوں کے سدباب کا اہتمام نہیں کیا۔

اور اس سے بھی زیادہ دکھ کی بات کہ مستشرقین کے علم و فلسفہ و انداز بیان سے متاثر ہو کر ہمارے کئی نام نہاد علماء اپنی کم علمی' ایمان کی کمزوری کے سبب ان کے خیالات کو اپنا لیتے ہیں اور وہ پھر اُمتِ مسلمہ کے ان بدخواہوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ شاید انہیں عالم یا رائٹر کہلوانے کا شوق اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ وہ بمصداق "بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا" مستشرقین کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ مستشرقین انہیں شاباش دیتے ہیں۔ انہیں بہت بڑا عالم اور بے لاگ قسم کا رائٹر قرار دیتے ہیں اور ان کی آڑ میں اپنے مذموم ارادوں کو اور آگے بڑھا دیتے ہیں۔

چند ایسے لوگ جن پر اپنے آپ کو محقق کہلانے کا خبط سوار ہے ان کی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی ہرزہ سرائی کرتے رہیں بیہودہ گوئی کریں' بکواس لکھیں۔ لوگ انہیں پھر بھی غیر جانبدار اور غیر متعصب ہونے کا سرٹیفکیٹ ضرور عطا کرتے رہیں۔ اور ان کی واہ واہ کریں

یہ برے اور ناسمجھ لوگ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' سیّد المرسلین' خاتم النبیین' رحمت للعٰلمین رہبر کائنات' اصل الموجودات' ہادیٔ انس و جاں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدائی کارروائیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مقدس و خدائی سرایا و غزوات جیسے اقدامات کو لوٹ مار اور قزاقی وغیرہ جیسے بازاری' گھٹیا اور گرے ہوئے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن جسے زندہ رہنا ہو صرف اپنے لیے نہیں بلکہ سارے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے وہ ان مہیب طوفانوں کے سامنے بے بس تماشائی کی طرح کھڑا نہیں رہ سکتا۔ کہ وہ آئیں وہ خس و خاشاک کی طرح ان کی امیدوں کے نشیمن کو اڑا کر لے جائیں۔ بلکہ اس کی زندگی کا اعلیٰ و ارفع مشن اس سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ان طوفان کے سامنے چٹان کی طرح سر اونچا کر کے اور سینہ تان کر کھڑا ہو۔ یہاں تک کہ اس طوفان کی بے رحم موجیں اس چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر اور اپنا سر پھوڑ پھوڑ کر واپس ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ وہ انسانِ کامل ان تقاضوں کو کمال شجاعت سے پورا کرتا ہے۔

وہ شمع نور جس کو اس کے روشن کرنے والے نے اس لیے روشن کیا ہے کہ عالم رنگ و بو کا گوشہ گوشہ اس کے نور سے رشک طور بن جائے اور قیامت تک اس کی تابندہ اور رخشندہ کرنیں ہر قسم کی تاریکی کو فنا ختم کرتی

رہیں۔ اس شمع کے پاسبان اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سیّد المرسلین' خاتم النبیین ﷺ ہیں جنہیں ہر قدم پر رضائے الٰہی درکار ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کے اقدامات سے خوش ہے تو پھر دنیا کی کیا پرواہ۔ آپ ﷺ کے اقدامات اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تھے اور ان ہی اقدامات میں فلاح انسانیت چھپی تھی۔ بھلا شمع حق کا پاسبان اپنی جان میں جان ہوتے ہوئے کسی کو یہ کیسے موقع دے سکتے تھے کہ کوئی ظلمت کا پروردہ آگے بڑھ کر اس شمع حق کو گل کر دے۔ ناممکن قطعاً محال۔ تمام کائنات میں نور رحمت پھیلانے کے لیے خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس شمع حق کو روشن فرمایا اس کو بھلا کوئی کیسے بجھا سکتا ہے۔

اگر حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بروقت مؤثر اقدامات نہ فرماتے' عرب کی تجارتی شاہراہ کے اردگرد بسنے والے قبائل سے دوستی کے معاہدے نہ کرتے۔ مختلف علاقوں میں اپنی مہمیں بھیج کر وہاں کے جغرافیائی حالات سے واقفیت بہم نہ پہنچاتے۔ اور دشمن کی عددی کثرت' وسائل کی فراوانی' اسلحہ کے انباروں سے مرعوب ہو کر بیٹھ جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شیروں جیسی جرأت' چیتوں جیسی چستی اور پھرتی شاہین کی بلندی پروازی اور کامل اتباع و فرمانبرداری جیسی خوبیاں کیونکر نشوونما پاسکتیں۔ اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جان دینے اور سر کٹانے کا شوق ان میں اس قدر شدید کیونکر پیدا ہوسکتا تھا۔ ان کے حوصلے بلند اور پختہ اور کس طرح ہو سکتے تھے۔ باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں اور کیسے تیار کیا جا سکتا تھا۔ دشمن کی عددی و دیگر وسائل کی برتری کو اور کیسے مٹایا جاسکتا تھا۔

راہِ حق میں سرفروشی' جاں نثاری کے جذبات کو اگر پروان نہ چڑھایا جاتا تو اہل مکہ کے غرور و نخوت کا علاج کیسے ممکن تھا۔ عزیمت و استقامت کے یہ پہاڑ مشرکین عرب کی فرعونیت کی سرکش موجوں کے سامنے اگر سینہ تان کر کھڑے نہ ہوتے تو وہ اس دین فطرت کے نام و نشان کو بھی مٹا کر رکھ دیتیں۔ اور اگر اس معرکہ میں کفرو باطل کی طاغوتی قوتیں اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو جاتیں تو عالم انسانیت پر چھائی ہوئی یہ تاریک رات کبھی سحر آشنا نہ ہوتی۔ کائنات میں' اس دنیا میں ظلم' ناانصافی' جس کی لاٹھی اس کی بھینس یعنی کہ جنگل کے قانون کا دور دورہ ہوتا۔ گمراہی' ظلمت' ضلالت' اللہ سے ناآشنائی اور باطل معبودوں کی پرستش ہوتی۔ لیکن پیغمبر اوّل و آخر و اعظم' سید المرسلین' خاتم النبیین حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے نور حق کو پھیلانا تھا' دنیا کو وحدہ لاشریک کی پہچان کرانی تھی اور حق و انصاف عزت نفس' خوشحالی و سکون کو دنیا میں عام کرنا تھا۔

ان نیک مقاصد کے حصول کے لیے' حق کی حفاظت کے لیے' اس کی بقا کے لیے۔ اس کی نشوونما کے لیے حق' نیکی و بھلائی کے دشمنوں اور بدخواہوں کو شکست فاش دینے کے لیے جو قدم سرکارِ دو عالم ﷺ نے اٹھایا وہ صرف یہ نہیں کہ صحیح تھا بلکہ از حد ضروری تھا۔ اسی میں سرورِ کائنات ﷺ کے عظیم مشن کی کامیابی اور عالم انسانیت کی کامیابی' فتح و فلاح کا راز مضمر تھا۔

اسلام کے نظریہ جہاد پر تیغ پا ہونے والے اور ہادیٔ برحق پیکر رافت و رحمت ﷺ پر خونریزی اور لوٹ مار

کی جھوٹی تہمتیں لگانے والے اگر حقائق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت رکھتے ہیں تو آئیں نتائج کی زبان سے حقائق کی داستان سنیں۔ وہ یقیناً تسلیم کریں گے کہ رہبر کائنات' ہادیٔ انس و جاں ﷺ نے اس سلسلہ میں جو قدم اٹھایا وہ صرف جزیرہ عرب کے مکینوں کے لیے نہیں بلکہ سارے جہان والوں کے لیے باعث راحت' عزت' خوشحالی و رحمت ثابت ہوا۔

اس وقت دنیا بھر میں' جس ملک میں بھی اچھے کام ہو رہے ہیں۔ انفرادی' اجتماعی' قومی و ملکی فلاح و بہبود کے جو کام ہو رہے ہیں۔ وہ دین اسلام سے' تعلیمات نبی رحمت دو عالم ﷺ سے اپنا لیے گئے اصولوں کے سبب ہو رہے ہیں۔ ان قوموں نے یہ اصول و صفات تعلیمات قرآن و تعلیمات صاحب قرآن ﷺ سے ہی لی ہیں لیکن انہیں اپنی اسلام دشمنی کے سبب اس حقیقت کا اعتراف نہیں ہے۔

تعلیمات حضور پُر نور' رحمت للعالمین ﷺ صرف امت مسلمہ کے لیے ہی اس میں خیرات و برکات کے خزینے پنہاں نہیں ہیں بلکہ جملہ اولاد آدم کے لیے اس میں ابدی سعادتیں لازوال رحمتیں' بے پایاں احسانات اور گراں بہا انعامات کے خزانے چھپے ہیں۔ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ نے تیرہ سال گزارے اس عرصہ میں شرک و کفر کے علمبرداروں نے جو ظلم کیے۔ اور اس دوران حضور انور نبی کریم ﷺ اور حضور ﷺ کے غلاموں نے جس محیر العقول صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کا تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

مدینہ طیبہ میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پورے دس سال گزارے اس عرصہ میں کفار کے حملوں سے دفاع کے لیے جنگیں بھی ہوئیں۔ دونوں اطراف کے آدمی قتل بھی ہوئے زخمی بھی ہوئے۔ اس سے جو مقاصد حاصل کیے گئے بڑے اختصار سے ان کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

اسلام سے پہلے جزیرہ عرب سینکڑوں حصوں میں منقسم تھا۔ ہر حصہ مطلق العنان تھا۔ کہیں کوئی ذمہ دار حکومت نہ تھی۔ قانون و عدل کا کوئی نظام رائج نہ تھا۔ اس خطہ کے باشندوں کی معاشی فلاح اور معاشرتی بہبود کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔ ہر طرف طوائف الملوکی (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) کا دور دورہ تھا۔ قبائلی عصبیت کی حکمرانی تھی طاقتور' جس طرح چاہتے اپنے سے کمزوروں کا استحصال کرتے ان پر مشق جور و ستم کرتے ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا۔ غرض یہ کہ انسان نام کی کوئی چیز نہ تھی طاقتور کے سب غلام تھے۔ غریبوں کی' کمزوروں کی کوئی زندگی نہ تھی۔ آخرت کی زندگی کا' اعمال کے لیے جوابدہی کا کوئی تصور نہ تھا۔ باطل معبودوں کی بھرمار تھی۔ حق و ناحق کی پہچان نہ تھی۔

نبی رحمت ﷺ نے سینکڑوں ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ملک کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا وہاں قانون کی بالا دستی قائم کی۔ عدل و انصاف کا بے نظیر نظام عطا کیا۔ شاہ و گدا کے سارے امتیازات مٹ گئے رنگ' نسل' زبان اور علاقہ کی بنیادوں پر ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو انسانی مساوات اور شرافت کے پرچم کے نیچے متحد و منظم کیا اور سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ ان کے خالق و مالک سے جوڑ دیا۔ معبودان

باطل کے آستانوں سے اٹھا کر انہیں خداوند ذوالجلال کی بارگاہِ عظمت میں سربسجود کر دیا۔ انسانیت کو نئی زِندگی دے دی۔ حق وانصاف کا بول بالا کر دیا۔ ہر کسی کے لیے زِندگی خوشگوار بنا دی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس نبی مکرم ومعظم ﷺ کو جو امانت سپرد کی گئی تھی، مصائب وآلام کے ہزاروں طوفانوں کے باوجود احسن طریقہ سے اس امانت کو اس کے حق داروں تک پہنچا دیا۔ اس صادق وامین نبی ﷺ کی مساعی جمیلہ سے جو حیران کن انقلاب ایک قلیل مدت میں جزیرہ عرب میں رونما ہوا اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ صحیح معنوں میں دِینِ اِسلام کی عملداری میں آجانے والے خطہ ارض کو مثل جنت بنا دیا۔

اعداد وشمار

لیجئے اب اعداد وشمار کی روشنی میں دِینِ اِسلام کی آفاقی فوقیت اور حضور پُر نور کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اقدامات کی حقانیت کے عیاں کرتے ہیں۔

اس عظیم اور بے نظیر کارنامہ کو انجام دینے کے لیے دس سالوں میں کفار ومشرکین کے ساتھ جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں فریقین کا کتنا جانی نقصان ہوا اس کی تفصیلات پڑھ کر آپ ششدر رہ جائیں گے۔ ابتدائی سرایا اور غزوات میں نہ دشمن کا کوئی آدمی قتل ہوا۔ نہ کوئی کلمہ گو شہید ہوا۔ وہ غزوات وسرایا یہ ہیں۔ الابواء۔ سیف البحر۔ بواط۔ العشیر ۃ۔ اور بدر اولیٰ ان میں فریقین کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

۱- عبداللہ بن جحش کے سریہ میں کفار کا ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ اسلامی جنگوں میں یہ پہلا مقتول تھا۔

۲- غزوہ بدر الکبریٰ میں کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے۔ اور چودہ مسلمان شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔

۳- غزوۂ بدر کے بعد اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں دو مشرکوں کو قتل کیا گیا ایک کا نام نضر بن حارث اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔

۴- غزوۂ سویق میں صرف ایک مشرک قتل ہوا۔

۵- غزوۂ بنی سلیم میں تین انصاری شہید ہوئے۔

۶- غزوۂ ذی امر میں جو نجد میں ہوا کوئی شخص نہیں مارا گیا۔

۷- یہودی قبیلہ بنی قینقاع کے جلاوطن کرنے کی کارروائی میں دو آدمی مارے گئے۔ سریہ زید بن حارثہ میں فریقین کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا۔

۸- اس کے بعد اسلام دشمنی اور شرانگیزی کے باعث ان دو یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ کعب بن اشرف اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق۔

۹- اور ان کے بعد کعب بن یہوذا کو قتل کیا گیا۔

۱۰- غزوۂ اُحد میں ستر مسلمان نعمت شہادت سے بہرہ ور ہوئے اور (۵۹) انسٹھ مشرک مقتول ہوئے۔
۱۱- غزوۂ حمراء الاسد میں ایک بدزبان ابوعزیٰ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔
۱۲- یوم رجیع میں چھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔
۱۳- بئر معونہ کے غدارانہ منصوبہ میں ستر مسلمانوں نے تاج شہادت زیب کیا۔
۱۴- اس کے بعد عمرو بن امیہ نے غلطی سے تین کافروں کو مار ڈالا ان میں دو کی دیت، رحمت دوعالم ﷺ نے خود ادا کی۔
۱۵- غزوۂ بنی نضیر میں ایک آدمی کام آیا۔
۱۶- غزوۂ ذات الرقاع میں ایک انصاری شہید ہوئے۔ وہ رات کو پہرہ دے رہے تھے کہ کافروں نے یکے بعد دیگرے انہیں تین تیروں کا نشانہ بنایا۔
۱۷- غزوۂ خندق میں تین مشرک قتل کیے گئے اور چھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔
۱۸- غزوۂ بنی قریظہ میں دو مسلمان شہید ہوئے اور چھ یا سات سو یہودی مقتول ہوئے۔
۱۹- اس کے بعد خالد بن سفیان الہذلی قتل ہوا۔
۲۰- غزوۂ ذی قرد میں پانچ افراد کام آئے۔
۲۱- غزوۂ بنی مصطلق میں صرف دو آدمی کام آئے۔
۲۲- غزوۂ حدیبیہ میں ایک آدمی کام آیا۔
۲۳- غزوۂ خیبر میں زیادہ سے زیادہ جانبین سے بیس (۲۰) آدمی مارے گئے۔
اس کے بعد جو سرایا بھیجے گئے ان میں فریقین کا کوئی فرد نہیں مارا گیا۔ یہاں تک کہ
۲۴- جب بنی قضاعہ کی گوشمالی کے لیے کعب بن عمر کی امارت میں سریہ روانہ کیا گیا اس میں چودہ آدمی مقتول ہوئے۔
۲۵- غزوۂ موتہ میں بارہ شخص مارے گئے۔ امام ابن ہشام نے بارہ شہداء کے نام لکھے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۴۴۷- الاکتفا جلد ۳ صفحہ ۷۸۶)

۲۶- غزوۂ فتح مکہ میں بھی بارہ آدمی مارے گئے۔
۲۷- غزوۂ حنین اور ہوازن میں چار مسلمان شہید ہوئے اور قبلہ ثقیف کے پچھتر کافر مارے گئے اور
۲۸- غزوہ طائف میں بارہ مسلمان سعادت شہادت سے مشرف ہوئے۔
۲۹- غزوہ تبوک میں صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔

دونوں فریقوں کے مقتول جو جزیرہ عرب کے باشندے تھے ان کی تعداد چار سو ستتر (۴۷۷) ہے ان مقتولوں میں وہ لوگ بھی شمار کیے گئے ہیں جنہیں دھوکا اور غدر سے قتل کیا گیا تھا۔ یا غلطی سے قتل ہوئے تھے ان میں آپ چھ سو یا سات سو یہودیوں کو بھی شمار کر لیں جنہیں قتل کرنے کا حضرت سعد بن معاذ نے حکم دیا تھا اور

جنہیں خود یہودیوں نے اس قضیہ میں اپنا حکم تسلیم کیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ فریقین کے تمام مقتولوں کی تعداد بشمول مقتولین بنی قریظہ ایک ہزار ستتر (۱۰۷۷) یا گیارہ سو ستتر (۱۱۷۷) بنتی ہے۔

اتنی قلیل جانی قربانیوں اور نقصانات سے نوعِ انسانی کو جو فائدہ پہنچا وہ بے مثال اور بے نظیر ہے کوشش بسیار کے باوجود اقوام و ممالک کی جنگوں کی تاریخ میں آپ کو اس کی مثال نہیں ملے گی، ہرگز نہیں ملے گی۔

(بدر الکبریٰ شوقی ابوخلیل جلد ا صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

دینِ اسلام نے، حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس دنیا کو ضابطہ جنگ و جدل دیا تھا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں، خلفائے راشدین کے دور میں اور تابعین کے دور میں بے شمار جنگیں ہوئیں جن میں ہر موقع پر، ہر صورتِ حال میں، ہر مسلمان جرنیل نے، ہر مسلمان کمانڈر نے اس ضابطہ جنگ و جدل کو صدقِ دل سے اپنایا، اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوئے۔ اور رہتی دُنیا تک کے لیے مثال قائم کر دی۔ اس ضابطہ کے چند پُر حکمت، پُر عظمت سنہری اصول حسبِ ذیل ہیں:

۱- بچوں کی حفاظت کی جائے

۲- بوڑھوں کی حفاظت کی جائے

۳- عورتوں کو نہ مارا جائے

۴- عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے

۵- عبادت گاہوں میں مصروفِ عبادت لوگوں کو نہ مارا جائے۔

۶- ہسپتالوں، درس گاہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے

۷- انسانی فلاح و بہبود کے اداروں کو قائم رہنے دیا جائے

۸- درختوں، باغوں کو اجاڑا نہ جائے

۹- فصل، خوراک، چشمہ، کنویں وغیرہ کو قابلِ استعمال رہنے دیا جائے

۱۰- جو ہتھیار ڈال دے اسے امان دی جائے

۱۱- جو صلح چاہے اس کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا جائے

۱۲- پہلے دشمن کو ایمان لانے کے لیے کہا جائے

۱۳- صنفِ نازک کی عصمت کی حفاظت کی جائے۔

۱۴- قیدیوں کو بھوکا ننگا نہ رکھا جائے۔ انہیں مناسب عزت دی جائے

۱۵- مقتول کا مثلہ نہ کیا جائے۔

۱۶- زخمی کا علاج کیا جائے اسے قتل نہ کیا جائے

۱۷- مذہبی پیشواؤں کو تکلیف نہ دی جائے

۱۸- دشمن کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے جھوٹ نہ بولا جائے۔

۱۹- دشمن کے ساتھ احسان سے پیش آیا جائے۔

۲۰- ایسے مرد جو دشمنی اور لڑائی میں شرکت نہیں کرتے' انہیں نہ مارا جائے۔

۲۱- فصلوں کو اجاڑا نہ جائے۔

۲۲- کسان و مزدور کو نہ مارا جائے

۲۳- اونٹوں اور شیر دار جانوروں کو بچایا جائے

۲۴- خلق خدا' عوام الناس کے راستوں' پلوں اور پڑاؤ کی جگہوں کو خراب نہ کیا جائے۔

۲۵- بچوں کو ماں سے' والدین سے جدا نہ کیا جائے۔

۲۶- درختوں کو غیر ضروری نہ کاٹا جائے۔

اب اس کے مقابلہ میں ان قیامت صغریٰ' ان ہولنا کیوں کا مختصر ترین متعلقہ ذکر جن کو برپا کرنے والے ملک اور قومیں اپنی تہذیب و تمدن کو نہایت مہذب اور انسانیت پسند قرار دیتے نہیں تھکتے۔ شان رب العالمین کہ وہی جنہوں نے انسانیت کے خلاف ایسے ہولناک ظلم کئے ہیں' وہی آج شرافت' بردباری اور انسانیت کے علم دار بنے بیٹھے ہیں۔

جدید تہذیب اور سائنسی ترقی کی آغوش میں پرورش پانے والے یورپ کے دانشوروں اور حکمرانوں نے صرف اپنے اہل وطن کو ہی نہیں بلکہ ساری انسانی برادری کو نصف صدی سے کم عرصہ میں جن دو ہولناک عالمگیر جنگوں کا تحفہ دیا ہے ان کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل و دانش قاصر ہے۔ پرامن شہری آبادیوں' ہسپتالوں' درسگاہوں' بلکہ مذہبی عبادت گاہوں کو بھی جس سنگدلی سے اپنی بہیمانہ بمباری کا نشانہ بنا گیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ان کے تصور ہی سے انسانیت اور شرافت کا سر بار ندامت سے خم ہے۔

دیگر ہر قسم کے نقصان کو اگر آپ ایک لمحہ کے لیے نظر انداز بھی کر دیں اور فقط انسانی جانوں کے نقصانات کا ہی سرسری جائزہ لیں تو انسانی خون کی ارزانی کو دیکھ کر آپ پر لرزہ طاری ہو جائے گا۔ ناگا ساکی اور ہیروشیما پر امریکہ کے ایٹم بموں نے قیامت برپا کی' کیا اس خونچکان داستان کو سننے کا آپ میں حوصلہ ہے۔ لاکھوں انسان چند گھنٹوں میں ہلاک ہوئے اور ایٹم بم کے زہریلے اثرات اب تک ان علاقوں میں مختلف بیماریوں کی شکل میں رونما ہو رہے ہیں۔

صرف جانی نقصانات کے اعداد و شمار پیش خدمت ہیں جو دوسری جنگ عظیم میں ہوئے۔ اتحادی ممالک برطانیہ' امریکہ وغیرہ کا جانی نقصان ایک کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ فریقین کا مجموعی جانی نقصان ڈیڑھ دو کروڑ کے قریب ہے۔ صرف روس کے پچھتر لاکھ فوجی مارے گئے جاپان کے پندرہ لاکھ پچاس ہزار جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جرمنی کے اٹھائیس لاکھ پچاس ہزار فوجیوں نے اپنی قیمتی زندگیوں کو جنگ کی کالی

دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھایا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا جلد ۲۳ صفحہ ۷۹۳ ایڈیشن آف ۱۹۶۲)

انسانی جانوں کی ان عظیم اور ان گنت قربانیوں‘ بے حساب خونریزیوں‘ تباہ کن بمباریوں جنہوں نے سینکڑوں نہیں ہزاروں بارونق شہروں کو راکھ کے ڈھیروں میں بدل دیا اتنی گراں قیمت ادا کرنے کے بدلے انسانیت کو کیا ملا؟؟؟

’’جنگل کا قانون‘‘

’’خاموش نفرتیں‘‘

’’بندر بانٹ‘‘

’’قومی آزادی سے محرومی‘‘ اور

’’دیوار برلن جیسی جدائیاں‘‘

روسی بے رحم آمریت...... جس کی ایڑیوں کے نیچے یورپ اور ایشیا کے کئی ممالک گزشتہ پچپن (۵۵) سالوں سے پس رہے ہیں اور کراہ رہے ہیں۔

بیروزگاری کمرتوڑ مہنگائی بے حیائی‘ اخلاق باختگی۔ بڑھتی ہوئی غربت‘ عالمی افلاس غریب ممالک اور غیر ترقی یافتہ اقوام کا بے رحمانہ استحصال‘ معاشی بحالی اور خوش حالی کی آڑ میں اربوں‘ کھربوں ڈالروں کا سودی قرض۔ جس کے بدلے ملک کی معاشی‘ زندگی‘ آزادی‘ مکمل طور پر عرصہ درازتک کے لیے گروی۔ غریب ممالک‘ مقروض ممالک کی قسمت کی باگ ڈور اب ان ترقی یافتہ خوشحال ممالک کے ہاتھ میں ہے۔

کیا ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں انسانیت کی قبائے فضیلت و بزرگی کئی بار تار تار ہوئی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس سراپا یمن و سعادت اور پیکر رحمت و رافت ذات اقدس و اطہر پر انگشت نمائی کریں؟ انہیں اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اسلام دشمنی میں وہ ایسی لغو باتیں کہہ کر اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بھلا سورج‘ سراج منیر کی روشنی کو بھی روکا جا سکتا ہے۔

وہ ہادیٔ برحق‘ رہبر انسانیت ﷺ جس نے جنگ کو صرف ایک مقصد کے لیے جائز رکھا وہ یہ کہ کوئی کسی پر جبر نہ کرے۔ تشدد سے کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنے پسندیدہ عقیدہ کو ترک کرے۔ کسی کو وہ عقیدہ قبول کرنے سے جبراً نہ روکا جائے جس کو اس نے اپنی آزاد عقل و فہم سے قبول کر لیا ہے‘ حق تسلیم کر لیا ہے۔ جس نے جنگ کو بے مقصد تاخت و تاراج بے دریغ قتل و غارت اور بے فائدہ لشکرکشی سے سختی سے منع کیا ہے۔ جس نے جن اعلیٰ مقاصد کے لیے جنگ کی اجازت دی اس میں بھی شرف انسانیت کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جس نے جنگ و جدل کے ضابطہ کو اس طرح لاگو کیا کہ سینکڑوں سال بعد بھی کسی فاتح کو‘ جرنیل کو اس سے روگردانی کی ہمت نہ ہوئی۔

کسی مقتول کا مثلہ کرنے یعنی اس کے ناک ہونٹ کان کاٹنے۔ آنکھیں نکالنے۔ پیٹ چیرنے سے سختی

سے منع کیا۔ عورت پر بچے پر بوڑھے اور معذور پر تلوار اٹھانے کی قطعی ممانعت کر دی۔ حکم اور واضح دیا کہ مذہبی پیشواؤں اور ان کی خانقاہوں پر حملہ نہ کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی مکرم پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور خاتم النبیین ﷺ کو اور حضور ﷺ کے ذریعہ تمام فرزندان اسلام کو جنگ کے بارے میں واضح ہدایات نازل فرمائیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ میں ارشاد ربّ العالمین ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

ترجمہ ''اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو''۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۳ میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝

''اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ وفساد اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لیے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سمجھ لو کہ سختی کسی پر جائز نہیں مگر ظالموں پر''۔

اور سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۴ میں ارشاد خالق و مالک کائنات یوں ہے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝

ترجمہ: ''تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔ لیکن اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اور جان لو۔ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴)

ان آیات میں ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جارہی ہے جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے۔ اور ان تمام مظالم کو تسلیم و رضا کے یہ مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ وہ بھی خاص شرائط کے ساتھ اور مقررہ حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ اور قابل فخر بات کہ تمام مسلمان جرنیل ہر حالت میں مقررہ حدود کے اندر رہے اور انہوں نے کبھی حدود سے تجاوز نہ کیا۔

قرآن حکیم کے' اسلام کے حکم کو سمجھنے کے لیے ان تین نکات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے' ذہن نشین کر لیا جائے تو جہاد کے بارے میں اسلام دشمن عناصر کا پروپیگنڈا بالکل لغو اور جھوٹا لگے گا اور وہ اپنا منفی اثر کھودے گا۔

۱- کس مقصد کے لیے

۲- کن کے ساتھ

۳۔ اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ۔قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے۔

ان آیات میں تینوں امور کی وضاحت کر دی گئی مقصد جہاد کے متعلق فرمایا۔فی سبیل اللہ۔حق کی سربلندی کے لیے۔لوٹ مار' تجارتی ' صنعتی رقابت' نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد' مومن کی جنگ کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔

صرف ان لوگوں کے ساتھ اَلَّذِيْنَ يُقٰتِلُوْنَكُمْ جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں اور اس شرط کے ساتھ ''زیادتی نہ کرو'' جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔خبردار! اس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو کیونکہ زیادتی کرنے والے کو اللہ تبارک وتعالیٰ دوست نہیں رکھتا اور عورتوں' معصوم بچوں' اپاہجوں' بوڑھوں' کسانوں مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اِسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں)۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لئے پا پیادہ (پیدل) ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھل دار درختوں کو کاٹنے' اونٹوں اور شیر دار اور جانوروں کو بلاضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔

مستشرقین جو اسلام کے نظریات جہاد پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب ومتمدن دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل وانصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا۔

آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پر امن شہریوں اور بستیوں کو ایٹم بموں سے اڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔اور عورتوں' معصوم بچوں' بوڑھوں' بیماروں کسی سے درگزر نہیں کی جاتی ہسپتالوں' درسگاہوں عبادت خانوں تک کا احترام بھی پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

آیاتِ قرآنی کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جن میں رحمت مجسم ہادیٔ کائنات' رسول برحق ﷺ نے اپنے غلاموں کو آداب جہاد کی تلقین فرمائی ہے چند ارشادات نبوی کا آپ مطالعہ کیجئے۔حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم رحمت للعالمین ﷺ نے مجاہدین کے ایک لشکر کو الوداع کہتے ہوئے یوں وصیت فرمائی:

> ''اللہ کا نام لے کر اس کی برکت کے ساتھ سفر جہاد پر روانہ ہو جاؤ۔کسی بوڑھے شخص کو کسی بچے کو کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا۔اور خیانت نہ کرنا۔غنائم کو اکٹھا کرنا اور حالات کو درست کرنے کی کوشش کرنا دشمن کے ساتھ بھی احسان کرنا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ایک دوسرے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے وصیت یوں فرمائی:

> ''اللہ کا نام لے کر راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔اللہ کے دشمنوں کو تہ تیغ کرنا خیانت نہ کرنا' کسی سے دھوکا نہ کرنا۔کسی مقتول کی لاش کا مثلہ نہ کرنا۔اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا''

(خاتم النبیین جلد ۲ صفحہ ۵۸۵)

سرکارِ دوعالم سرورِ کائنات، پیغمبرِ اوّل وآخر واعظم ﷺ نے اپنی امت کے سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

''بچوں کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی مزدور کو قتل کرنا''۔

الغرض ہر موقع پر حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اپنے مجاہدوں کو، اور مجاہدین کے لشکروں کے سالاروں کو ان آداب کا خیال رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے۔

پیغمبرِ اوّل وآخر واعظم رحمت کائنات ہادی انس وجاں حضور پُرنور ﷺ اپنے فوجیوں کو کھیت اجاڑنے، درختوں کو بے ضرورت کاٹنے، شیر دار جانوروں کو قتل کرنے اور کنوؤں میں زہر ملانے سے بھی سختی سے منع فرمایا کرتے تھے۔

''نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو وصیت فرمایا کرتے کہ وہ سرسبز کھیتوں کو برباد نہ کریں درختوں کو نہ کاٹیں۔ کمزور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں۔ ان مردوں کو بھی قتل نہ کریں۔ جو جنگ کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے''۔

(خاتم النبیین جلد ۲ صفحہ ۵۸۵)

آج کے سائنسی انکشافات اور ایجادات کے دور میں جب کہ کئی قومیں اپنے آپ کو ترقی یافتہ مہذب اور شائستہ کہلانے پر مصر ہیں، وہ کون ہے جو اپنے دشمن کی فوجوں کے ساتھ ایسا رحیمانہ اور کریمانہ سلوک روا رکھتا ہو؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس محبوب بندے اور برگزیدہ رسول ﷺ کی ہی شان ہے کہ جنگ جیسی خوفناک چیز کو بھی رحم وکرم کا آئینہ دار بنا دیا۔ اس نبی صادق وامین ﷺ نے سچ فرمایا کہ میں رحمت کا پیغامبر ہوں؟ حضور کی جنگ بھی نوع انسانی کے لیے سراپا رحمت واحسان تھی۔ کیا فتنہ فساد کی آگ بجھانا اور معاشرہ کے امن وامان کو غارت کرنے والوں کی بیخ کنی کرنا نوع انسانی کے لیے رحمت نہیں؟ امن وامان، سکون قلب وخوشحالی، بحالی عزت نفس، تحفظ مال وجان، عزت واحترام سب ہی تو رحمت للعالمین ﷺ کی معرفت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دی ہیں، اس دنیا والوں کو دی ہیں۔

دینِ اسلام کو اپنے ابتدائی ایام میں جن سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑا، پیغمبرِ اوّل وآخر واعظم سرورِ دوعالم، راہبرِ انسانیت ہادی انس وجاں ﷺ اس وقت اگر یہ اقدامات نہ کرتے تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا؟ دشمن آگے بڑھ کر رشد وہدایت کے اس مرکز کو تاخت وتاراج کر دیتا۔ جس کلمہ گو پر اس کا بس چلتا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کسی حق پرست کو زندہ نہ چھوڑتا اور اس سے بھی زیادہ بھیانک اور دردناک حادثہ یہ رونما ہوتا کہ توحید کی شمع جسے روشن کرنے کے لیے حضور پُرنور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے دریغ قربانیاں دی تھیں وہ بجھ جاتی۔ اور ساری کائنات کفر وشرک ضلالت وظلمت کی تاریکیوں میں ہمیشہ کے لیے غرق ہو جاتی۔

اور ایسا ہو جانا نہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور تھا۔ اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی برحق، رسول کائنات، نبی

رحمت، خاتم النبیین ﷺ نے ایسا ہونے دینا تھا۔

آپ ﷺ کا مشن ہی نور حق کو پھیلانا تھا۔ دکھی انسانیت کو ضلالت وظلمت سے نکالنا تھا۔ دکھی انسانیت کو ظلم واستبداد سے نجات دلانا تھا اور وحدہ لاشریک کی حاکمیت قائم کرنا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے مطابق دنیا کو مکمل نظام دین اسلام دینا تھا۔

اب جو کوئی بھی، پیغمبر اسلام، حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے مشن کے خلاف سوچے، یا مشن کے خلاف کی توقع رکھے تو یقیناً وہ خود احمقوں کی دوزخ میں رہ رہا ہے۔

دشمنان اسلام اور مستشرقین کی طرف سے اس نبی انسانیت رہبر کائنات ﷺ پر، جس کو اس کے بھیجنے والے نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی حکمت عملی کو لوٹ مار اور قزاقی سے تعبیر کرنا ان کی کورچشمی (اندھے، نابینا ہونے) کی دلیل ہیں۔

باطل کے مقابلہ میں قوت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام سے پہلے بھی متعدد انبیاء کرام علیہ السلام کا معمول رہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں عیسائی دنیا میں عفو درگزر، صلح آشتی اور امن وسلامتی کا پیکر سمجھا جاتا ہے انہوں نے بھی طاغوتی قوتوں کے سر کو نیچا کرنے کے لیے اپنے حواریوں کو تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف پونے تین سال کی قلیل مدت تک بنی اسرائیل کو رشد وہدایت کی دعوت دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی خباثتوں، سازشوں اور دل آزاریوں سے تنگ آ کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا۔

"اس نے ان سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اسے لے۔ اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے"۔ (انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶)

اس سلسلہ میں لوقا کے باب ۱۲ کی آیت ۵۱ بھی ملاحظہ فرمائیں آپ نے کہا:

کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔

اس مضمون کو آپ نے متی کے باب ۱۰ آیت ۳۴ میں یوں بیان کیا ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔

عجیب تضاد ہے کہ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف پونے تین سال تبلیغ کرنے کے بعد تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر بھی آپ کو امن وصلح کا پیغمبر کہا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف تیرہ چودہ سال کے عرصہ دراز تک گوناگوں اذیتیں برداشت کرنے کے بعد حضور انور، حضور پُر نور نبی کریم ﷺ اپنے ماننے والوں کو کفار کے مقابلہ میں جہاد کا حکم دیتے ہیں تو آپ پر طرح طرح کے بہتان تراشے جاتے ہیں۔ کیا یہ بے انصافی کی انتہا نہیں؟ کیا یہ دوہرا معیار نہیں؟ اور ایسا کرنا کیا کھلی زیادتی نہیں ہے؟ اے اللہ! تو انہیں ہدایت دے، عقل دے، سمجھ دے کہ وہ ایسا کہنے، کرنے سے باز آجائیں۔ آمین

غزوۂ بدر

اسبابِ جنگ

جنگ کا بنیادی سبب تو روز اوّل سے صرف اور صرف ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ کفار و مشرکین مکہ نے دین اسلام، بانی دین اسلام اور دین اسلام کے پیروکاروں (مسلمانوں) کو شروع دن سے ہی قبول نہیں کیا تھا۔ مشیت ایزدی اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی حکمت عملی سے دین اسلام روز بہ روز ترقی پذیر تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر سیاسی، معاشی، دینی، مذہبی، معاشرتی غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں مضبوطی سے قدم جما رہا تھا۔

کفار کو دین اسلام، تحریک دین اسلام کا پھیلنا، پھلنا اور پھولنا قطعاً ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ ابتدا سے ہی دین اسلام اور اس کے پیروکاروں کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اب تک وہ مجبوراً انہیں برداشت کرتے رہے۔ ان حالات میں جنگ یا جنگوں نے تو ہونا ہی تھا۔ مسلمانوں پر تو جب بھی جنگ مسلط کی جاتی انہوں نے تو اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر اور اپنی ملت کی بقاء کی خاطر جان کی بازی لگانی ہی تھی۔ اور اب انہیں دشمن سے جنگ کرنے، دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

جنگ کا سبب تو صرف یہی ایک تھا۔ باقی سب واقعات مذکورہ بالا مشرکین کی پیدا کردہ صورت حال کے عمل اور ردعمل ہیں۔ جنگ کی آگ تو روز اوّل سے مشرکین کے دلوں میں دبی چنگاری کی شکل میں موجود تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ چنگاری ایک مسلسل جلتی آگ بن گئی جس میں کفار و مشرکین مکہ مسلسل پیچ پا تھے۔ سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے تو صرف جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مشرکین تو ایک زمانہ سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے اب انہیں ایک بہانہ، ایک موقع مل گیا۔

مسلمانوں کی طرف سے اقتصادی ناکہ بندی کے اقدامات سے کفار سہمے ہوئے تھے۔ زیر بحث قافلہ جس میں ان سب کا کثیر مال و دولت تھا اور جس کے منافع سے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ حتمی (کیونکہ مشرکین کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی ہلے میں مسلمانوں کو اور ان کے دین کو ان کے گھروں (مدینہ) میں جا کر نیست و نابود کر دیں گے، صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے) جنگ لڑنی تھی جب اس قافلہ کے مال و دولت کا

مسلمانوں کے ہاتھ لگ جانے کا خدشہ ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو اقتصادی ناکہ بندی کے جال میں پھنسے پایا تو ان کے دلوں میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ قافلہ کی مدد کی آڑ میں مسلمانوں کو مدینہ میں جا کر نیست و نابود کر دینے کے ارادے سے بشکل لشکر کفار مکہ سے سوئے مدینہ نکل پڑے۔

آپ یہ اسی باب میں کچھ آگے جا کر پڑھیں گے کہ مذکورہ قافلہ کے حاکم ابوسفیان نے اپنے ایک قاصد کی معرفت سرداران لشکر کو جحفہ کے مقام پر (جب کہ کفار ابھی مکہ سے 160 کلومیٹر دور مدینہ کی طرف آئے تھے اور مقام بدر ابھی مزید 160 کلومیٹر سوئے مدینہ آگے تھا) یہ پیغام پہنچایا کہ قافلہ بحفاظت آ گیا ہے اب آپ واپس مکہ آ جائیں، آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس واضح اور بروقت پیغام کے باوجود مشرکین نے مدینہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ اگر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کفار کا بدر میں راستہ روک نہ لیتے تو یقینی طور پر کفار نے اپنے مذموم و ناپاک ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کرنی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے جنگ بدر کے بعد بھی دو دفعہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی جن کے نتیجہ میں غزوہ احد اور غزوہ خندق وقوع پذیر ہوئے۔

ہر عمل کے چند ایک محرکات ہوتے ہیں۔ کچھ محرکات اور اسباب ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ خفیہ۔ جنگ ہی کو لے لیجئے اس کے کچھ اسباب فوری نوعیت کے ہوں گے اور کچھ کا دورانیہ ایک طویل عرصے پر محیط ہوگا اصل وجوہ کچھ اور ہوتی ہیں۔ ایک عرصہ سے پس پردہ بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں فوری وجہ تو ایک بہانہ بنتی ہے۔ غزوۂ بدر بھی کسی فوری اور اضطراری سوچ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ حق و باطل کے اس معرکہ کی وجوہات حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اعلان نبوت سے ہجرت مدینہ تک ان گنت واقعات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگرچہ چند ایک واقعات کو اس معرکہ کی فوری وجوہات میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تصادم اسی روز ناگزیر ہو گیا تھا جس دن حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے سماج میں اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کیا تھا جس روز حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پتھر کے بتوں کی پرستش کو ترک کر کے خدائے وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں سربسجود ہونے کی دعوت دی تھی۔

فاران کی چوٹیوں پر آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے ساتھ کفر نے اپنی بقا کی جنگ کے لیے صف بندی کا آغاز کر دیا تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف سازشوں اور شرانگیزیوں کا سلسلہ اصل میں غزوۂ بدر کا پیش خیمہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمان منظم ہونے لگے اور کفار کا یہ خدشہ کہ مسلمان ایک قوت بن کر ابھرے تو ان کا اقتدار ہی نہیں بلکہ پورا نظام خطرے میں پڑ جائے گا، حقیقت میں تبدیل ہونے لگا تو مشرکین مکہ کے لیے مسلمانانِ مدینہ کے ساتھ مسلح تصادم کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اعلان نبوت کے ساتھ ہی اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہو گیا تھا گو اس تصادم کا موقع

پندرہ سال بعد آیا لیکن ایک عرصے سے کفار و مشرکین نفرت کا لاوا اپنے سینوں میں لیے وحشت و بربریت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ اس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا جاتا، کبھی مسلمانوں کو انگاروں پر لٹا کر ہوتا اور کبھی انہیں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹنے کے غیر انسانی فعل کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا، کبھی سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کی سازش کر کے قریش اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے اور کبھی گھاٹی شعب ابی طالب میں خاندان رسول ﷺ کا معاشرتی بائیکاٹ کر کے انتقام کی آگ کو سرد کرتے لیکن یہ آگ سرد ہونے کی بجائے بھڑکتی رہی سینوں میں نفرت کا لاوا کھولتا رہا۔

جس دن اعلان نبوت کے ساتھ داعیٔ حق نے کفار و مشرکین کو دعوت حق دی تھی اسلام دشمنی کا آغاز بھی اسی روز ہو گیا تھا۔ آواز حق پر کفار کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے، نئے دین کو زندگی کا حصہ بنانے کی ہمت وخواہش ان میں نہ تھی۔ وہ جہالت کی بدبودار، بوسیدہ روائے تار تار سے چمٹے ہوئے تھے۔ مشرکین نظام باطل کے حصار سے نکلنے پر قطعاً رضامند نہ تھے۔ جب حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کر کے توحید کا نعرہ بلند کیا اور بت پرستی کے خلاف دعوتی جدوجہد کا آغاز کیا تو کفار مکہ کے ساتھ روایات کہنہ کا علم اٹھائے پورا عالم عرب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔

مکروہ سازشوں کا ایک ایسا جال بنا گیا جس سے نکلنے کا تصور وہی عظیم لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اپنے نصب العین کی سچائی پر غیر متزلزل یقین ہو اور ابتلا و آزمائش کے کسی مرحلے پر بھی ان کی جبین شکن آلود نہ ہو۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہر آزمائش پر پورا اترنے والے انہی نفوس قدسیہ پر مشتمل تھی جنہوں نے قدم قدم پر ایثار و قربانی کی لازوال مثالیں قائم کر کے قیامت تک راہ حق کے سفر پر نکلنے والے مسافروں کو اپنے نقوش پا کی روشنی عطا کی۔ وہ کون سا حربہ تھا جو مسلمانوں کے خلاف نہ آزمایا گیا۔ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اہل باطل اپنی عسکری طاقت جمع و منظم کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تیرہ سالہ مکی دور اس امر پر گواہ ہے کہ کفار اسلام دشمنی میں اندھے ہو چکے تھے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے قتل کے منصوبے بننے لگے، شب ہجرت بھی مفسدین اس نیت بد سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اسلامی تحریک اپنے قدم جما سکے۔ اس لیے انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پیچھا کیا اور نجاشی سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا کہ یہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ وہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان حبشہ میں جا کر سکھ کا سانس لیں یا مدینہ منورہ میں امن و سکون کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے تبلیغ دین متین کا کام جاری رکھیں۔

مشرکین کا جنگی جنون

مشرکین مکہ سرد جنگ میں سرگرمی سے مصروف عمل تھے، پروپیگنڈے کے محاذ پر جھوٹ کے پلندے اور بہتان تراشیوں کے انبار تخلیق ہو رہے تھے، سرد جنگ عموماً گرم جنگ کا پیش خیمہ ہوتی ہے، آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ کفار مکہ کا جنگی جنون گل کھلا کر رہے گا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مدینہ منورہ میں اپنی آمد کے فوراً بعد داخلی امن اور سیاسی استحکام کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ ابھی مشرکین مکہ سے الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ جہاد سے متعلق آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کو ایک نیا اعتماد ملا، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارنے کا اذن عطا ہوا اور مسلمانوں کے حوصلوں، ولولوں اور امنگوں کو بڑھاوا عطا ہوا۔ اس پس منظر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان جاری سرد جنگ میں گرما گرمی کے آثار پیدا ہونے لگے خصوصاً نوجوانوں کا جوش و خروش دیدنی تھا، جذبہ شہادت سینوں میں مچلنے لگا۔ اگرچہ مشرکین مکہ کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اب مسلمان ہمیں للکارنے اور ہمارے مدمقابل صف آرا ہونے کی پوزیشن میں ہیں لیکن وہ انتقام کی جس آگ میں جل رہے تھے اس نے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب و مفلوج کر رکھا تھا۔

مشرکین کے اوچھے ہتھکنڈے

ادھر میثاق مدینہ کے ذریعہ اہل مدینہ جن میں مسلمانوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے کا تعاون داخلی استحکام کے لیے بہت ضروری تھا تاکہ مدینہ منورہ کے دفاع کو نہ صرف مضبوط بنایا جائے بلکہ اپنی عسکری قوت کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر مخالف عناصر کو دشمن کا ساتھ دینے سے باز بھی رکھا جا سکے۔ یہ حکمت و فراست مثبت نتائج بھی پیدا کر رہی تھی اور ریاست مدینہ کی حالات پر گرفت بھی بتدریج مضبوط ہو رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ مدینہ کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں بھی انہیں پذیرائی نصیب ہو رہی تھی۔ کفار مکہ کو یہی بات کھٹکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں وغیرہ کو دھمکی آمیز خط لکھنا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ان اشتعال انگیز کارروائیوں کے پس منظر میں مسلمان کمال حکمت سے آہستہ آہستہ تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے کفار مکہ کی دھمکیوں کا سلسلہ جاری رہا اور وہ مسلمانوں کے خلاف جنگی جنون کو ہوا دے رہے تھے۔

پروپیگنڈے کا مقصد

مشرکین مکہ خصوصاً ایک عرصہ سے مسلمانوں کے خلاف سرد جنگ شروع کیے ہوئے تھے۔ ان کی پروپیگنڈہ مشینری ہمیشہ سرگرم عمل رہتی۔ کردار کشی کا ہر حربہ آزمایا گیا۔ دروغ گوئی کی انتہا کر دی گئی۔ کفار کی اشتعال انگیز کارروائیوں سے ایک جنگی جنون سا پیدا ہو چکا تھا۔ عمرو بن حضرمی کا قتل حرمت والے مہینے میں ہوا

تھا اس لیے مشرکین نے اس واقعہ کو مسلمانوں کے خلاف خوب اچھالا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں کو بھی حلال کر لیا ہے۔ عرب قبائل کے لیے حرمت والے مہینوں کا احترام ایک جذباتی مسئلہ تھا۔ ان کے مخالفانہ پروپیگنڈے کا مقصد یہ تھا کہ رائے عامہ کو مسلمانوں کے خلاف اس قدر بھڑکا دیا جائے کہ جب وہ حملہ آور ہوں تو مدینہ شہر کے اندر سے بھی لوگ ان کے ساتھ آملیں۔ نیز مدینہ پر حملہ کرنے کے فعل کو کوئی قابل مذمت قرار دینے والا بھی نہ ہو۔ (سیرت لابن ہشام: جلد ۱ صفحہ ۶۰۲)

گشتی دستے، مسلمانوں کا حق

گشتی دستے مختلف مقاصد کے حصول کے لیے مختلف اطراف میں بھیجنا مسلمانوں کا حق تھا۔

کفار کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر مسلمانان مدینہ بھی چوکنے تھے اور مدینہ منورہ پر کفار کے متوقع حملہ کا جواب دینے کے لیے دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اپنے دفاع سے غفلت بہت ہی ناخوشگوار صورتحال پیدا کر سکتی تھی۔ سپہ سالار مدینہ حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ نے جو دفاعی حکمت عملی اپنائی ماہرین جنگ اس پر انگشت بدنداں ہیں۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے روایتی انداز اپنانے کے بجائے نئے زاویہ نگاہ سے دفاع مدینہ کے جملہ پہلوؤں کا جائزہ لیا اور نگران گشتی دستوں کی تشکیل کر کے دشمن کی نقل و حرکت خصوصاً اس کی اقتصادی ناکہ بندی پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ اور بہت جلد اس کے حوصلہ افزا نتائج بھی حاصل ہونا شروع ہو گئے۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مدینہ منورہ کے داخلی استحکام اور کسی بیرونی حملہ کے امکانات کے پیش نظر مسلمانوں یثرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر سے قبل نگران گشتی دستے باقاعدہ حکمت عملی کے تحت بھیجے گئے۔ ان میں سے صرف ایک مہم میں کفار سے مڈبھیڑ ہوئی جس کے سربراہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔

(سیرت لابن ہشام: جلد ۱ صفحہ ۶۰۱)

منافع مسلمانوں کے خلاف

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اہل مکہ کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ بڑے بڑے تجارتی قافلے گرد و پیش کی منڈیوں میں رواں دواں رہتے، مدینہ میں مسلمانوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جانے کا انہیں بڑا قلق تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ کے سردار عوام الناس کو خصوصاً نوجوانوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف یہ نفرت جنون اور دیوانگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ کفار مکہ اسلام دشمنی میں بوکھلائے ہوئے تھے۔ کفار نے تجارت (اس مال تجارت میں مسلمانوں سے ضبط شدہ مال و دولت بھی شامل تھا) کے نفع میں سے ایک مخصوص حصہ لازمی طور پر جنگی تیاریوں کے لیے مختص

کرنا شروع کر دیا۔ دشمن کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی پر معترض ہونے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس تجارت سے ہونے والے آمدنی کا ایک حصہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ہتھیاروں کی فراہمی پر خرچ ہو رہا تھا۔

اقتصادی ناکہ بندی

دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کرنا مسلمانوں کا حق تھا۔ دشمن کی عسکری قوت پر کاری ضرب لگانے کیلئے دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے حق سے آخر مسلمان ہی کیوں دستبردار رہتے۔ کیا انہیں اپنے دفاع میں کوئی قدم اٹھانے کا کوئی حق نہ تھا؟ مستشرقین اور معترضین یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہجرت مدینہ سے قبل حضور پُرنور نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی گئی اور شب ہجرت حضورِ انور ﷺ کے کاشانہ مبارک کو برہنہ تلواروں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ کیا یہ محاصرہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ نہ تھا؟ مسلمان اس وقت دفاعی پوزیشن میں تھے، مستشرقین کی علمی خیانت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ جارحیت پسندوں کی سازشوں کی مذمت کرنے کے بجائے الٹا مظلومین پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیتے ہیں۔

عربوں کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار شام کے ساتھ تجارت پر تھا اس لیے مکہ ایک تجارتی مرکز کے طور پر مشہور تھا۔ یہ تجارت عربوں کی اقتصادیات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ مکہ اور شام کے درمیان تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کی گرفت مضبوط ہو جانے کے بعد دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کرنا نسبتاً آسان ہو گیا تھا اور دیگر حالات پر بھی ریاست مدینہ کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگی۔ قریش کے قافلوں سے تعرض کے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہوا جس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہونے لگے۔

جو مسلمانوں نے اپنے حق کے لیے اقتصادی ناکہ بندی حق طریقے سے کی وہ دنیا میں آج بھی کی جا رہی ہے لیکن سراسر ناحق اور ناحق طریقوں سے اسے انجام دیا جا رہا ہے۔ مذکورہ حکمت عملی پر امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے سے پہلے بڑے زور و شور سے عمل کیا اور دوران جنگ عراق کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کر کے عالمی برادری میں اس کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔ چنانچہ جنگ کے بعد عراق پر ناروا اقتصادی اور سماجی پابندیاں عائد کی گئیں تو کہیں سے بھی ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ ہوئی بلکہ اپنی ننگی جارحیت کا جواز پیش کر کے پوری دنیا کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔

چوری اور سینہ زوری

دشمن اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ مکہ کی ایک اور اہم شخصیت کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور مویشیوں کو اپنے ساتھ ہانک کر لے گیا، اس اشتعال انگیز کارروائی کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ڈرایا

دھمکایا جائے کہ ہم تمہارے گھر میں آ کر بھی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں ہیں اور کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ مشرکین نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ڈاکہ زنی کی ابتدا کر دی۔

معیارِ اصول و اخلاق

مشرکین کے مسلسل غلط و ناروا رویے کے باوجود مسلمانوں کا رویہ سب کے ساتھ پر اصول و پر اخلاق ہی رہا۔

ماہِ رجب سن ۲ ہجری میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ آدمیوں کے ہمراہ دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کی غرض سے مکہ اور طائف کے درمیان گھات لگا کر بیٹھنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ مقام نخلہ پر مشرکین کے ایک قافلے کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں ایک مشرک عمرو بن حضرمی مارا گیا، دو آدمی قیدی بنا لیے گئے اور قافلے کے سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے کیونکہ اس دستے کو لڑائی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا چنانچہ اس گشتی دستے کے اراکین سخت تشویش میں مبتلا رہے کہ معلوم نہیں ان کے خلاف کیا کارروائی کی جاتی ہے۔

(سیرت لابن ہشام، ۱:۶۰۳)

ابوسفیان کا واویلا

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اہل مکہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور شام کے ساتھ ان کے تجارتی مراسم مدتوں سے قائم تھے، تجارتی قافلے مکہ اور شام کے درمیان رواں دواں رہتے عموماً ان تجارتی قافلوں کی حفاظت کا بھی انتظام کیا جاتا ماہ جمادی الاوّل سن ۲ ہجری میں حضور انور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع موصول ہوئی کہ ابوسفیان بن حرب ایک بہت بڑا قافلہ لے کر ملک شام کی طرف جا رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مجاہدین لے کر دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے لیے نکلے لیکن قافلہ جا چکا تھا۔

اب تقریباً تین ماہ بعد اسی مذکورہ قافلے کی ملک شام سے بعد از تجارت واپسی متوقع تھی۔ قافلہ کی واپسی کے دنوں کی صحیح اطلاعات حاصل کرنے کے لیے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شمال کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ قافلے کی واپسی پر نظر رکھیں۔ یہ اصحاب رسول مقام ''الحوارا'' میں ٹھہر گئے۔ جب ابوسفیان ایک ہزار اونٹوں کے قافلے کے ساتھ واپس آیا تو اس کی نگرانی پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی اطلاع فوراً مدینہ منورہ دی۔ حضورِ انور نبی کریم و رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو دشمن کی رسد کاٹنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے نکلے۔

ابوسفیان کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔اس نے فوراً مکہ میں سرداران قریش کواس امر کی اطلاع دی اورفوری مدد چاہی۔روایات میں ہے کہ ابوسفیان کے ایلچی ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنی قمیض اور بعض روایات کے مطابق اپنی چادر پھاڑ دی،اونٹ کا کجاوہ الٹ دیا اور قریش کو پکارا کہ ابوسفیان،محمد (ﷺ) اوران کے ساتھیوں کے نرغے میں ہے تمہارا سامان تجارت بھی ان کے ہاتھ میں جانے والا ہے۔اے اہل مکہ!اے قریش!ابوسفیان کی مدد کے لیے پہنچو۔

کفار مکہ جو پہلے ہی مسلمانوں پر ادھار کھائے بیٹھے تھے مشتعل ہوگئے،انہوں نے ہنگامی بنیادوں پر لشکر ترتیب دیا جس میں تمام قبائل کے جنگجو افراد کو شامل کیا گیا اور اموال حاصل کئے گئے تا کہ جنگی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔مسلمانوں کے خلاف منظم ہونے والے اس لشکر میں ابولہب کے سوا تمام سردار شریک ہوئے۔ان جنگی تیاریوں کے ساتھ ساتھ سرداران قریش نے یہ بھی محسوس کیا کہ کہیں لشکر کی روانگی کے بعد مکہ کے دفاع کو کمزور جان کر بنو بکر مکہ پر حملہ نہ کردیں لیکن عین اس موقع پر شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں ادھر آ نکلا، اسلام دشمنی نے دونوں فریقوں کومتحد کردیا اور وہ آپس کی دشمنی بھول گئے۔

سراقہ بن مالک نے قریش کے ذمہ دار سرداروں کو یقین دلایا کہ ہم اس موقع پر کوئی شرارت نہیں کریں گے آپ اطمینان سے مسلمانوں کے ساتھ دودو ہاتھ کریں۔یہ یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد قریش کی جنگی تیاریوں کو آخری شکل دی جانے لگی اور ان کا جوش وخروش جنون کی آخری حدوں کو چھونے لگا۔حسد،رقابت اور انتقام کی آگ چاروں طرف روشن تھی۔کفر مادی وسائل کی کثرت پر اترا رہا تھا۔مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ زوروشور سے جاری تھا۔یہ واویلا اس لیے مچایا جارہا تھا کہ قافلہ تجارت کے ساتھ جس جس کے مالی مفادات وابستہ تھے یا جو قبائل مسلمانوں سے نفرت کرتے تھے ان قبائل اور خاندانوں کا کوئی فرد اس لشکر میں شامل ہونے سے نہ رہ جائے اور سب مل کر اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے قدم سے قدم ملا کر ایک ساتھ آگے بڑھیں۔(البدایہ والنہایہ،۳:۲۵۷)

قتل حضرمی اور ابوسفیان کا واویلا

قتل عمرو بن حضرمی اور ابوسفیان کا برائے مدد قافلہ واویلا کرنا جنگ بدر کا سبب نہ تھے۔غزوۂ بدر کے محرکات یقیناً ایک سے زیادہ ہیں ان میں سے کچھ محرکات قریش کے فوری ردعمل کا باعث بنے۔مؤرخین کی اکثریت نے ابن الحضرمی کے قتل اور تجارتی قافلے پر مسلمانوں کے متوقع حملے کی افواہ کو سلسلہ غزوات کا اصل سبب قرار دیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ ابن الحضرمی کے قتل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور تجارتی قافلے کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ نے کفار مکہ کے جنگی جنون کو ہوادی لیکن یہ کہنا قرین انصاف نہیں کہ مذکورہ واقعات ہی غزوۂ بدر کا اصل سبب تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابن الحضرمی نہ مارا جاتا اور نہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے کے بارے میں ہی افواہ پھیلتی تو کیا حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائیوں کا امکان ختم ہو جاتا؟ کیا کفر و اسلام کے درمیان تصادم نہ ہوتا؟ کوئی باشعور شخص اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔ حق کو باطل کے ساتھ ٹکرانا ہی تھا۔ اسلام کو کفر کے مقابلے میں صف آرا ہونا ہی تھا۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو غلبہ دین حق کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ عظمت اسلام کے پرچم کبھی نہ لہراتے۔ حق کی آواز چار دانگ عالم میں کبھی نہ گونجتی۔ خیر کی قوتیں مسند اقتدار پر کبھی رونق افروز نہ ہوتیں، اور اندھیرے کبھی روشنی سے منہ نہ چھپاتے پھرتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی جنگ یا تصادم کا باعث بننے والے فوری نوعیت کے واقعات اس جنگ یا تصادم کے اصل اسباب نہیں ہوا کرتے بلکہ اصل اسباب اس عمل کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں جس عمل کے ردعمل کے طور پر کوئی بڑا واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر کی بنیاد تو اس وقت ہی پڑ گئی تھی جب حضور ﷺ نے اعلان نبوت کے ساتھ لوگوں کو دعوت حق دی تھی اور پرچم توحید بلند کیا تھا۔ اور کفار مکہ نے پہلے دن سے ہی شدید مخالفت کی اور دین حق کو قبول نہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ انفال کی آیت 7 میں مشیت ایزدی کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرمادے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان وشوکت کی) جڑ کاٹ دے۔''

(سورۃ انفال آیت 7)

منشائے ایزدی یہ ہے کہ حق، باطل کی جڑ کاٹ دے تاکہ باطل، اسلامی انقلاب کے سفر میں مزاحمتیں کھڑی کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ باطل اگر رکاوٹ بنے تو اس کا سر کچل دیا جائے۔ فتنہ و فساد کو ختم کر کے افراد معاشرے کے لیے آسودہ اور پرسکون زندگی کا اہتمام کیا جائے۔ کفر، استحصال اور ظلم کا خاتمہ ہی جہاد فی سبیل اللہ کا مقصود و مطلوب ہے۔ نگران گشتی دستوں کی اطراف و اکناف مدینہ میں روانگی، دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے لیے مختلف تدابیر اس بڑے مقصد کے حصول کے لیے ضمنی اقدامات کا درجہ رکھتی ہیں۔ کسی کا مال تجارت لوٹ لینا اسلامی اخلاقیات سے انتہائی گری ہوئی بات ہے۔

یہ تو اقتصادی ناکہ بندی تھی جو اس زمانہ میں بھی دشمن کو زیر کرنے کا ایک معروف حربہ ہے۔ خوف خدا سے عاری مستشرقین اور مغربی مفکرین مسلمانوں پر لوٹ مار کا الزام لگاتے وقت یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب ابن الحضرمی مارا گیا تو اس مہم کے سربراہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مال لائے حضورِ انور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا

بلکہ ناراضی کا اظہار کیا، یاد رہے کہ جس تجارتی قافلے کو بچانے مشرکین لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلے تھے اس تجارتی قافلے سے ہونے والے نفع کا ایک حصہ جنگ پر صرف ہونا تھا اور یہ بات مکہ کے رؤساء پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ اور اس تجارت قریش میں مسلمانوں سے ضبط کیا ہوا مال و دولت بھی شامل تھا۔

فیصلے کی گھڑی آ پہنچی

ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین کی اسلام دشمنی نفرت اور انتقام کی خواہش تمام حدود سے تجاوز کر گئی۔ مکہ میں تمام مہاجرین کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں حتیٰ کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اس مکان پر بھی قبضہ جما لیا گیا جو آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بطور وراثت ملا تھا۔ علمبرداران کفر کے تیور بتا رہے تھے کہ نظام باطل کو بچانے کے لیے وہ کچھ بھی کر گزریں گے اور وہ ہر ضابطے اور اصول کو بالائے طاق رکھ کر درندگی کی آخری حدوں کو بھی پھلانگ جائیں گے۔ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس خودسری، سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی رعونت و فرعونیت کا جواب بے نیام تلواروں ہی سے دیا جا سکتا تھا۔

وقت و حالات کا تقاضہ تھا کہ اب نئی حکمت عملی کے تحت باطل پر کاری ضرب لگائی جائے کیونکہ حق و باطل میں امتیاز و فیصلے کا وقت آ پہنچا تھا۔ مشرکین مکہ کے جنگی جنون کو میدان جنگ ہی میں ٹھنڈا کیا جا سکتا تھا کیونکہ اللہ کے نبی مکرم معظم ﷺ جانتے تھے کہ راہ انقلاب میں سر بکف چلنے والے قافلے منزل انقلاب سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ خلعت شہادت زیب تن کئے بغیر نہ اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے اور نہ باطل استحصالی طاقتوں اور ابلیسی قوتوں کے مکمل خاتمے کی توقع ہی رکھی جا سکتی ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لحہ موجود تک قانون فطرت یہی رہا ہے کہ زندہ قومیں اپنے نظریاتی تشخص کی بقا اور اپنی جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ اپنی محنت وخون و پسینہ سے کرتی ہیں۔ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انقلابی قوتیں عملی جدوجہد کو ہی نتیجہ خیزی کی ضمانت گردانتی ہیں۔ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا نہ جائے تو نہ صرف یہ عمل منشائے ایزدی کے خلاف ہوگا بلکہ غیرت ایمانی کے بھی منافی ہوگا۔

13 سالہ مکی دور کے بعد حالات کا رخ تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا اور اللہ کے رسول مقبول ﷺ ایک نئی حکمت عملی کے تحت باطل پر کاری ضرب لگا کر فیصلہ کن مرحلے کے منتظر تھے۔ کیونکہ حضورِ انور ﷺ کا ہر لفظ اور حضورِ انور ﷺ کا ہر عمل حکم الٰہی کے تابع تھا۔ حضورِ انور ﷺ کا ہر لفظ اور حضور پُرنور ﷺ کا ہر عمل اس پیغمبرانہ جدوجہد کا حصہ تھا جس کے نتیجے میں دنیا کو دائمی امن کی نوید دی جانے والی تھی اور جس کے نتیجے میں عملاً بھی انسان پر انسان کی خدائی کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جانے والا تھا۔

مکی دور میں ابتلاء و آزمائش کے دور سے لے کر مقام بدر تک حالات و واقعات کی بکھری ہوئی ان گنت کڑیوں کو مربوط کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کفار سے مسلح تصادم کے امکانات کو کسی سطح پر بھی مسترد

نہیں کیا گیا۔ بلکہ شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر اس فیصلہ کن ٹکراؤ کے لیے ایک طویل منصوبہ بندی کی گئی اور باطل قوتوں سے مرحلہ وار نبرد آزما ہونے کے لیے عسکری قوت کو محدود وسائل میں رہ کر منظم کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

ہجرت کے دوسرے سال دشمن سے ٹکر لینے اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ 313 صحابہ کے ہمراہ تائید خداوندی کے سائے تلے بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ منورہ سے نکلے۔ پہلے مرحلہ پر دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کر کے اس کے وسائل جنگ پر کاری ضرب لگانا مقصود تھا تاکہ دشمن کی حملہ کرنے کی قوت کو توڑا جاسکے۔ لیکن دشمن کا تجارتی قافلہ سمندر کے قریبی راستہ کے ذریعے راہ فرار اختیار کر گیا اور دشمن سے فوری جنگ کے امکانات ایک دم بڑھ گئے۔

لشکر کفار کی مدینہ منورہ کی جانب پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہونے کے بعد یہ بات مجاہدین پر بھی آشکار ہو چکی تھی کہ فیصلے کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ اب اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف مسلح تصادم ناگزیر ہو گیا ہے۔ جملہ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کفار کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے تھے آپ دو دن محو سفر رہے پھر بدر کی وادی ''ذفران'' کے مقام پر پہنچے تو قریش کے تجارتی قافلے کے بچ نکلنے اور مدینہ منورہ کی جانب لشکر کفار کی پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سورہ انفال کی آیات ۷ اور ۸ پر مشتمل یہ پیغام بھیجا۔

وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (سورۃ انفال آیت 7 اور 8)

ترجمہ: ''اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرمادے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان وشوکت کی) جڑ کاٹ دے تاکہ (معرکہ بدر اس عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کردے اور باطل کو باطل کردے اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق وباطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے ہیں۔''

ان آیات مقدسہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں غلبہ و قوت، عظمت وسطوت اور رعب و دبدبہ عطا کرنا چاہتا ہے اور متکبر و سرکش دشمن کی کبر ونخوت سے اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکا کر، توڑ کر حزب اللہ کی مدد و نصرت فرمانا چاہتا ہے۔ حق اور باطل کے درمیان واضح اور روشن امتیاز کرنا مقصود تھا تاکہ دنیا پر یہ بھی آشکار ہو جائے کہ حق کا علمبردار کون ہے اور باطل کا پرستار کون ہے۔ اور قیامت تک کے لیے یہ روز روشن کی طرح دنیا پر واضح ہو گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو مذکورہ بالا تینوں امتیازات سے نوازا۔

باب 53

حضور ﷺ کی بے مثال عظیم شانیں

قارئین کرام! پہلی جلد میں حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی شانوں، عظمتوں، رفعتوں کے بارے میں بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہاں زیر بحث موضوع، موضوعات کو سمجھانے کی خاطر آپ ﷺ کی بے مثال اور عظیم شانوں کے بارے میں مختصراً لکھا جارہا ہے تاکہ قارئین کرام کو زیر بحث نکات کو سمجھنے میں دقت نہ ہو یا انہیں آسانی سے سمجھایا جاسکے۔ اس باب کے اہم نکات یہ ہیں: (زادالمعاد جلد 2 صفحہ 96)

1- آپ ﷺ قافلہ و لشکر کفار، دونوں کی آمد سے یکساں باخبر تھے۔

2- آپ ﷺ نے قافلہ کے حصول کے بجائے لشکر کفار سے جنگ کا انتخاب فرمایا۔

3- آپ ﷺ مدینہ ہی سے لشکر کفار سے جنگ کے لیے نکلے تھے۔

درج ذیل میں ان اہم نکات کو مصدقہ حوالہ جات کے ساتھ مدلل بیان کیا گیا ہے تاکہ دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے بدخواہوں (مستشرقین) کے پھیلائے ہوئے زہریلے اثرات کو زائل کیا جاسکے اور ان کا سدباب کیا جاسکے۔

درج ذیل آیات مبارکہ محکم اور واضح ہیں اور ہر کسی کے لیے، ہر معیار کے قاری کے لیے اتنی آسانی سے سمجھ میں آجانے والی ہیں کہ ان کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

خالق و مالک کائنات، قادر مطلق رب العالمین اپنے محبوب، حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بارے میں، کی شان میں سورۃ نجم کی آیات 3 اور 4 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ وہی فرماتے ہیں جو وحی انہیں کی جاتی ہے۔'' (سورۃ نجم آیات 3،4)

سورۃ فتح کی آیت 10 میں رب کائنات کا فرمان یوں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

ترجمہ: ''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' (سورۃ فتح آیت 10)

سورۃ نساء کی آیت 80 میں اللہ تبارک وتعالیٰ، حاکم الحاکمین کا ارشاد مبارک یوں ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ

ترجمہ: ''جس نے رسول کا حکم مانا، بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔'' (سورۃ نساء آیت 80)

اور سورۃ نساء کی آیت 64 میں خالق و مالک کائنات، قادر مطلق، رب العالمین کا ارشاد مبارک یوں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط

ترجمہ: ''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

(سورۃ نساء آیت 64)

اللہ کے نزدیک ترین

قارئین کرام!

اچھے، موثر، مختصر ترین انداز میں یعنی کہ دو تین صفحوں میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سب سے اعلیٰ وارفع مقام، آپ ﷺ کی شانیں، رفعتیں، عظمتیں اور امتیاز خصوصی کے بارے میں نے اپنے نکتہ نظر کو آسانی سے سمجھانے کے لیے اور قارئین کرام کے دلوں میں نقش کر دینے کے لیے یہ چارٹ بنایا ہے۔

اللہ

حضور انور حضور پرنور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر اول وآخر

رحمتہ العالمین
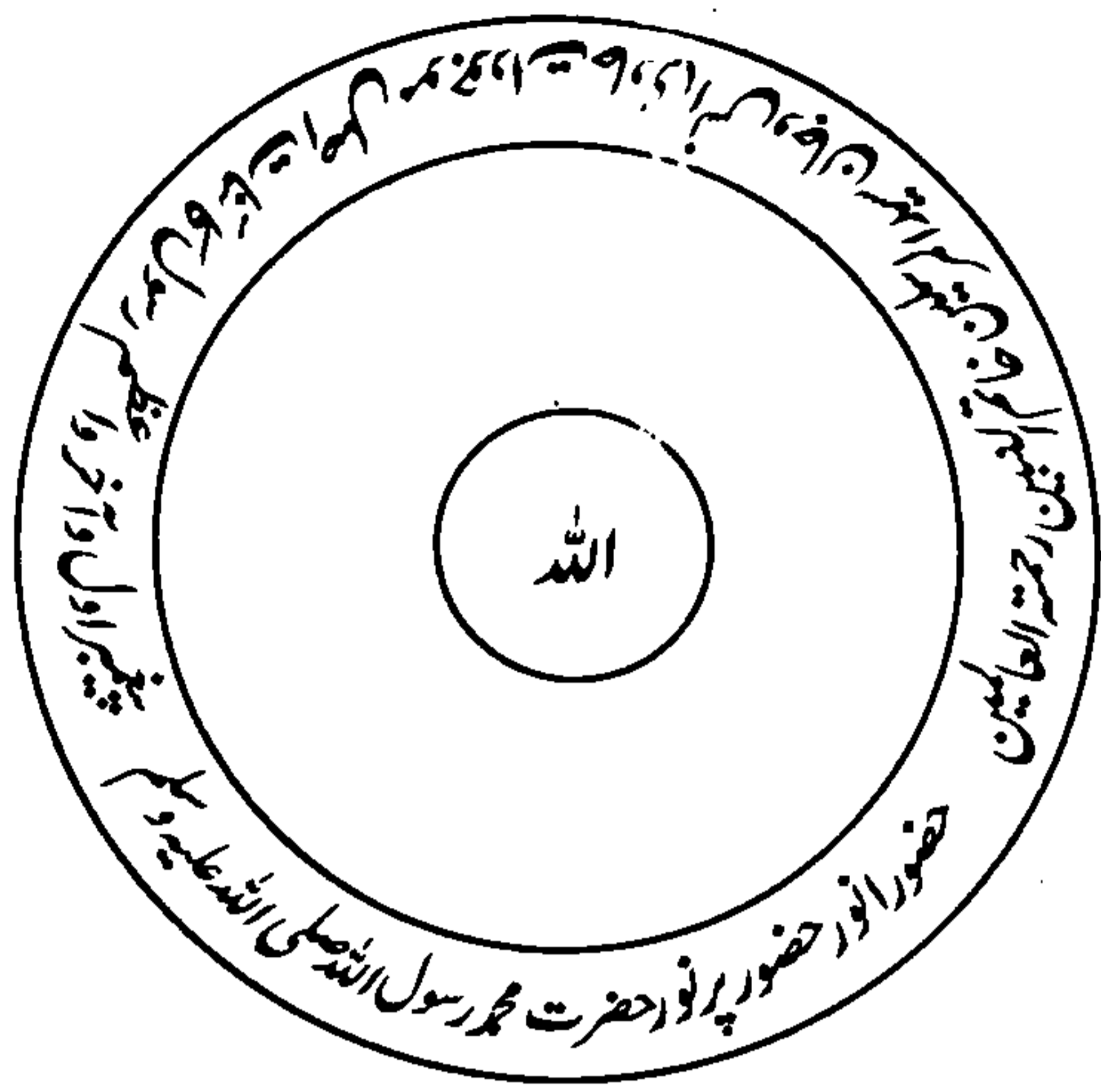
باقی تمام انبیا کرام علیہ اسلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ اجمعین

صالحین امت رحمتہ اللہ علیہ اجمعین

باقی تمام بنی نوع انس وجاں

میں نے لامحدود ذات پاک کو اس شعر کے تحت

ہے اگرچہ وہ منزہ از مکان
دیکھ اس کا اپنے قلب سے نشان

اور اس فرمان مبارک کے تحت کہ اللہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے ایک دائرہ مرکز سے ظاہر کیا ہے۔ میری نظر میں تو یہ مرکز بھی لامحدود ہے لیکن جن کو یہ سمجھ نہ آسکے میں ان سے معافی کا طلبگار ہوں کہ میں نے لامحدود ذات پاک کو محدود دائرے سے ظاہر کردیا۔ اصل میں مجھے اس سے بہتر کوئی اور طریقہ یا اشارہ نظر نہیں آیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرانے میں، خود اللہ کی پہچان ہونے میں، اللہ کی عطا کردہ خدائی 99 صفات کا مظہر ہونے ہیں، ان صفحات کا حامل ہونے میں، عقل سمجھ، دانش، کامیاب حکمت عملی میں، علم، علم غیب، اللہ کی قربت، محبوبیت، افضلیت، لگاؤ، عبدیت عرضیکہ ہر خوبی اور ہر عطا میں (عطا پانے میں اور عطا کرنے میں، رحمتیں، برکتیں، نوازشیں، مدد، لطف وکرم پانے میں اور انہیں مخلوق خدا کو عنایت کرنے میں) ہر طرف سے ہر جہت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین صرف اور صرف حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

ہر دائرے کا ایک دوسرے سے فاصلہ ہے۔ بڑھتے فاصلے کے تناسب سے مندرجہ بالا صفات وخوبیاں دور کے دائروں میں کم ہوتی جاتی ہیں۔ یہ جو ایک دائرے سے دوسرے دائرے کا فاصلہ ہے میرے نزدیک حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا خلا ہے جس کے فاصلے کو لائٹ ایرز یعنی کہ روشنی کی رفتار کے سالوں میں ہی ماپا جاسکتا ہے لیکن آپ اسے اپنی سمجھ کے مطابق سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں کلومیٹرز یا میلوں کی دوری بھی سمجھ سکتے۔

آپ اس چارٹ سے اندازہ لگائیں کہ ہمیں عقل ودانش سمجھ وخوبی سے کیا حصہ ملا ہے؟ ہمارے پاس تو ان کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہائے رے! انسان کی ناسمجھی کہ ہم اس "نہ ہونے کے برابر حصہ عقل و سمجھ" کو بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے محبوب رسول کریم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہ السلام کے بارے میں غلط خیالات کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

مغالطے سے بچانے کے لیے گزارش

ایک مغالطے سے بچانے کے لیے آیات مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں کچھ کہتا چلوں شان نزول کے بارے میں پچھلے باب میں قدرے تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ یہاں صرف یہی گزارش کروں گا کہ آیات مبارکہ کی شان نزول امت کے لیے ہے، ہمارے لیے ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے نہیں ہے۔

باالفاظ دیگر اس نکتہ کو یوں سمجھ لیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی آیت اسی وقت نازل فرمائی گئی ہو جب کہ اس سے متعلقہ واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے۔ وہ اس واقعہ سے پہلے بھی نازل ہو سکتی ہے، اس سے بہت پہلے بھی۔ اس کے بعد بھی، اس کے بہت بعد بھی اور وقوع کے دوران بھی۔

میں اس کی اور وضاحت کر دوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے، قادرِ مطلق نے، ہر دم ہر کچھ کر دینے پر قادر نے' سارے کے سارے قرآن حکیم کو اس کی لوحِ محفوظ پر ترتیب کے مطابق حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سینہ مبارک، دل مبارک، دل مبارک کی ڈسک پر ابتدا ہی میں ثبت فرما دیا تھا۔ لوحِ محفوظ پر قرآن حکیم کی ترتیب وہی ہے جو اس دنیا میں ہمارے پاس موجود قرآن حکیم کی ہے۔

اب آیت یا آیاتِ مبارکہ کے نزول کو اس طرح سمجھ لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں سے جن آیات (ہدایات، احکامات، نصیحت) پر اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو چاہا کہ وہ ان پر اب عمل پیرا ہو، وہ آیت، آیات اللہ رب العزت نے، قادرِ مطلق نے آپ کے دل مبارک کے کمپیوٹر کی سکرین پر روشن فرما دیں، نمودار کر دیں تاکہ اب اس کا محبوب ان پر عمل پیرا ہو۔

اسے آپ اس طرح سمجھ لیں کہ جیسے آپ کے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک پر پورا قرآن شریف ازلی ترتیب سے موجود ہے جیسا کہ آجکل حقیقت میں موجود بھی ہے۔ اب آپ اس میں سے کوئی مخصوص آیت مبارکہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ نور کی آیت 35۔ آپ نے سورۃ نور کے کوڈ کا بٹن دبایا، پھر آیت 35 کا بٹن دبا دیا اور آپ کے کمپیوٹر کی سکرین پر **اللہ نور السموات والارض** .... سے .... **شیءٍ علیم ο** تک پوری آیت روشن ہوگئی، نمودار ہوگئی۔

اسی طرح قرآن حکیم تو آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سینہ مبارک میں، دل مبارک میں، دل مبارک کی ڈسک مبارک پر پہلے روز ہی سے ثبت تھا، موجود تھا۔ اس دن سے موجود تھا جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثبت فرمایا۔ اب اس ثبت شدہ قرآن حکیم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس آیت یا جن آیاتِ مبارکہ کے بارے میں چاہا کہ اس کا محبوب نبی، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ اس پر یا ان پر عمل پیرا ہو، اللہ اپنی قدرت وحکمت سے ان آیات کو آپ ﷺ کے دل مبارک کی سکرین پر روشن کرتا رہا، نمودار کرتا رہا اور یہی ہمارے لیے قرآن حکیم کا نازل فرمانا ہے۔

مسلمان جانتے تھے کہ جنگ بہت قریب ہے۔ وہ بہت پہلے سے اس کے لیے تیار ہو رہے تھے اور اب دشمن سے، مشرکین مکہ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار تھے۔ انہیں تو اپنے دفاع میں لڑنا تھا۔

کچھ لوگوں کی خام خیالی

بڑے دکھ کی بات ہے کہ کچھ لوگ اس خام خیالی میں ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تو مدینہ سے قافلہ کے حصول کے لیے روانہ ہوئے تھے اور لشکر کفار کا تو آپ ﷺ کو وادی ذفران میں پتہ چلا۔ وہ لوگ احادیث و آیات مبارکہ کی غیر معیاری، غیر حقیقی تشریح کر کے، غیر معیاری معنی پہنا کے اس ضمن میں اور بھی بہت سارے غیر معیاری، غیر حقیقت پسندانہ خیالات کا پرچار کرتے ہیں۔ ان کے یہ خیالات بدگمانیوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ جن آیات واحادیث مبارکہ کا سہارا لے کر یہ ناپختہ لوگ بدگمانیاں پیدا کرتے ہیں انشاء اللہ ان ہی آیات واحادیث سے میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ واضح کروں گا کہ

1- جنگ ایک عرصہ سے ناگزیر تھی

اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ

2- مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کر رہے تھے

3- آپ ﷺ کو بارگاہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جنگ کی اجازت کا انتظار تھا

4- اجازت ملی تو فیصلے کی گھڑی کا انتظار تھا

5- آپ ﷺ دشمن کے ارادوں سے ہمہ وقت باخبر تھے

6- آپ ﷺ لشکر کفار کی سوئے مدینہ روانگی سے باخبر تھے

7- آپ ﷺ نے رضائے الٰہی کے مطابق قافلہ کو نکل جانے کا موقع دیا، کیونکہ

8- آپ ﷺ نے قافلہ کے بجائے لشکر کفار سے جنگ کا انتخاب فرمایا

9- آپ ﷺ مدینہ سے دشمن کو شکست فاش دینے کے لیے نکلے تھے

10- آپ ﷺ کے پیروکار عظیم انسان تھے

11- ان کے پُرخلوص اتباع اطاعت وفرمانبرداری سے اللہ ان سے راضی ہو گیا

12- مسلمانوں کو بے سروسامانی میں جنگ کے لیے نکالنا خالی از حکمت نہ تھا

(اس کا مناسب وقت پر واضح اور مدلل ذکر کیا جائے گا)

مندرجہ بالا میں سے ایک سے پانچ تک کو گزشتہ اوراق میں آپ بہت تفصیل سے پڑھ چکے ہیں ویسے بھی ان کا تاریخ کے تسلسل کے مطابق جہاں ذکر ہونا چاہیے تھا وہاں ان نکات کا اجمالی ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو یہاں دھرایا نہیں جائے گا اور باقی کا ذکر اب آپ قدرے تفصیل سے اور اپنے موقف کے لیے قوی دلائل کے ساتھ پڑھیں گے اور مجھے قوی امید ہے کہ آپ کو میرے دلائل اور ان سے جو نتائج اخذ کیے گئے قطعاً اختلاف نہ ہوگا بلکہ آپ میرے ہمنوا بن کر ان نیک، مثبت، صحیح، وتعمیری خیالات کا پرچار کریں گے۔

اگر غیر جانبداری کا کوئی کڑے سے کڑا معیار بھی مقرر کرلیا جائے اور ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی دو سالوں میں رونما ہونے والے حالات و واقعات، فریقین کے مابین طے پائے جانے والے معاہدہ جات اور مسلمانوں کی طرف سے اپنی دینی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی اکائی کے تحفظ کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات کا بغور جائزہ لیا جائے اور انہیں اس کڑے معیار پر پرکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عام مسلمان بھی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اب سرمیدان باطل کے ساتھ تصادم ناگزیر ہوگیا ہے، چنانچہ وہ ذہنی اور قلبی طور پر ہی نہیں عملی طور پر بھی لشکر کفار کے حملے، اپنے دفاع اور پھر جوابی حملے کے لیے تیار ہورہے تھے اور دشمن کے حملے سے پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کی سعی کررہے تھے اس لیے عملاً نقارہ جنگ پر چوٹ پڑ چکی تھی۔

کتنی عجیب و مضحکہ خیز بات ہے یہ کہنا کہ آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جنگ کے ارادے سے نہ نکلے تھے۔ اور خاص طور جب یہ کہنے والے حضرات اس حدیث پاک کو (مکی دور میں) بہت پہلے پڑھ چکے ہیں کہ

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے مشرکین کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ﷺ فرماتے ''ابھی جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی ہے۔''

یہ حدیث مبارک، یہ فرمان رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ، یہ ایک چھوٹا سا جملہ بذات خود بہ بلند آواز یہ کہہ رہا ہے کہ جنگ کی اجازت بھی مل جائے گی اور جنگ، جنگیں بھی ہوں گی۔

اپنے دفاع کے لیے، دین و ایمان کے لیے، اپنی بقاء کے لیے تو جنگ لڑنا ہی پڑتی ہے جس کے لیے مسلمانوں کو شروع سے ہی تیار کیا جارہا تھا۔ آپ ہی سوچئے کہ کیا اجازت کے طلبگار، جنگ کے لیے اجازت کے منتظر، مشرکین کے انتہا کے ستائے ہوئے، مشرکین کی جنگ کی دھمکیوں سے باخبر اور اپنے دفاع کے لئے ہر طرح سے تیار مسلمان جنگ کی آمد سے بے خبر تھے؟

آیات میں مستقبل کی آگاہی

درج ذیل آیات مبارکہ سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور غزوۂ بدر کے درمیانی دور میں نازل فرمائی گئیں۔ آپ انہیں ایک دفعہ غور سے پڑھیے۔ یہ آیات مبارکہ بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کہ مشرکین سے جنگ ہوگی، مسلمان حق پر ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید ونصرت ان کے ساتھ ہے، اور رہے گی، وہ فتح یاب ہوں گے، اور جہاں سے (مکہ سے) انہیں نکالا گیا ہے اب مسلمان مشرکین کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

ان آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد ایک عام آدمی بھی بخوبی سمجھ جاتا ہے کہ اب مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں ایسا ہوگا، ایسا ہوجائے گا۔ یہ محکم آیات ہیں، واضح آیات ہیں ان کا سمجھنا کسی کے لیے بھی دشوار نہیں

ہے۔

جب ایک عام آدمی، آپ اور میں ان آیات مبارکہ کو پڑھ کر مندرجہ بالا نتائج اخذ کر سکتے ہیں یا مستقبل کے بارے میں مندرجہ بالا الفاظ، فقرے کہہ سکتے ہیں تو اب آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں صحبت ہدایت، تعلیم و تدریس رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ حاصل تھی، جن کے سینے نور ایمان سے بھرے ہوئے تھے، جن پر آپ ﷺ کی ہر وقت نظر عنایت تھی، وہ ان آیات سے کیا مستقبل اخذ کرتے ہوں گے۔ اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی باتوں کو، قرآن کو، قرآنی آیات مبارکہ کو ان کے مفہوم، اشاروں کنایوں کو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کو، مسلمانوں کو یہ پتہ تھا کہ جنگ بالکل قریب ہے اور آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو رضائے الٰہی کے مطابق بظاہر قافلہ کے حصول (ناکہ بندی اور رسد کاٹنا) کے لیے نکلے لیکن آپ ﷺ کا اصلی ہدف لشکر کفار تھا۔ اس حقیقت کو کہ آپ ﷺ کا اصلی ہدف لشکر کفار تھا اگلے چند اوراق میں بالکل واضح کر دیا جائے گا۔

سورۃ بقرہ آیات 190 تا 193 میں ارشاد قادر مطلق ہے،

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ○

(سورۃ بقرہ آیات 190 تا 193)

ترجمہ: ''اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں۔ پس اگر وہ (وہاں) قتال کریں تو تم (وہاں بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ غفور ورحیم ہے۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کوئی تعدی نہیں ہے مگر ظالموں ہی پر۔''

اس کے جلد ہی بعد دوسری نوع کی آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کی

ترغیب دی گئی ہے اور بعض احکامات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

سورۃ محمد کی آیات 4 تا 7 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

ترجمہ: ''پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب انہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا ہے کہ) تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کا حال درست کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس سے ان کو واقف کرا چکا ہے۔ اے اہل ایمان! اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔''

(سورۃ محمد آیات 4 تا 7)

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی فرضیت و ترغیب اور اس کی تیاری کا حکم حالات کے تقاضے کے عین مطابق تھا۔ موجودہ صورت حال میں اگر حالات پر گہری نظر رکھنے والا کوئی کمانڈر ہوتا تو وہ بھی اپنی فوج کو ہر طرح کے ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا۔ لہٰذا وہ پروردگار برتر کیوں نہ ایسا حکم دیتا جو ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات حق و باطل کے درمیان ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کا تقاضا کر رہے تھے، خصوصاً سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بعد جو کہ مشرکین کی غیرت وحمیت پر ایک سنگین ضرب تھی اور جس نے انہیں کباب سیخ بنا رکھا تھا۔

احکام جنگ کی آیات کے سیاق وسباق سے انداز ہوتا تھا کہ خونریز معرکے کا وقت قریب ہی ہے اور اس میں آخری فتح و نصرت مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگی۔ آپ اس بات پر نظر ڈالیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں سے مشرکین نے تمہیں نکالا ہے اب تم بھی وہاں سے انہیں نکال دو۔ پھر کس طرح اس نے قیدیوں کے باندھنے اور مخالفین کو کچل کر سلسلہ جنگ کو خاتمے تک پہنچانے کی ہدایت دی ہے جو ایک غالب اور فاتح فوج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ آخری غلبہ مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگا۔ لیکن یہ

بات کنایوں اور اشاروں میں بتائی گئی تا کہ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جتنی گرمجوشی رکھتا ہے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکے۔

پھر ان ہی دنوں، ماہ شعبان سن 2 ہجری فروری 624ء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا (سورۃ بقرہ آیت 144 میں) بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے اور نماز میں اسی طرف رخ پھیرا جائے۔

تحویل قبلہ میں اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے جو اس قبلے پر مسلمانوں کے قبضے سے پہلے ختم نہ ہوگا، کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ کسی قوم کا قبلہ اس کے دشمنوں کے قبضے میں ہو اور اگر ہے تو پھر ضروری ہے کہ کسی نہ کسی دن اسے آزاد کرالیا جائے گا۔

ان احکام اور اشاروں کے بعد مسلمانوں کی خوشی وشادمانی میں مزید اضافہ ہوگیا اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات اور دشمن سے فیصلہ کن ٹکر لینے کی آرزو کچھ اور بڑھ گئی۔

سورۃ انفال آیت 7 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

ترجمہ: ''اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے۔'' (سورۃ انفال آیت 7)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں بیان فرماتے ہیں:

''اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرما دے (دین اسلام کو مدد ونصرت اور شوکت و تمکنت کے ذریعہ غلبہ دے کر) اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے (اور ان کے آثار بھی ختم کر دے)''

(تفسیر ابن عباس: 145)

قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تائید ونصرت کے ذریعے اسلام کو فروغ دینے کی دائمی بنیادوں کو اس معرکے کے ذریعے سے استوار کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ باطل طاغوتی طاقتیں جو ایک عرصے سے حق کی شمع کو گل کرنے کی سازشوں میں مصروف تھیں انہیں نیست و نابود کیا جائے۔ اور ہر سطح پر پرچم حق وصداقت بلند کر کے اسلام کا بول بالا کیا جائے۔ ادھر مفسدین کی شرانگیزیاں جاری تھیں، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر افشانی ہو رہی تھی۔ سازشوں کا ایک لامتناہی جال بچھایا جا رہا تھا۔

اور اہل ایمان ہدایت قرآنی کے مطابق صابر وشاکر بن کر اذیت وتکلیف کو برداشت کر رہے تھے۔ مگر اب وقت آ گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انہیں اس صبر کا پھل دیا جائے۔ اس استقامت پر انہیں فتح وکامرانی سے نوازا جائے اور حق وباطل کے درمیان واضح اور کھلا امتیاز کر دیا جائے۔ اور یہ امتیاز ہر کس وناکس کو دکھا بھی دیا جائے۔ غزوۂ بدر اللہ تبارک وتعالیٰ کی فتح ونصرت اور لطف وعنایت کے ظہور کا باعث بنا، حق کا پرچم سربلند ہوا جبکہ باطل کا جھنڈا سرنگوں ہوا اور اس کا غرور خاک میں مل گیا۔

مشیت ایزدی اور منشائے رسول

سورۃ انفال آیت 5 میں ارشاد رب العالمین ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ○

ترجمہ: ''جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا۔''

گویا مشیت ایزدی اور منشائے رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ وہی تھی جس کا اظہار قرآن حکیم نے کھل کر کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کی کمر توڑ دی جائے۔ دین حق غالب آئے اور باطل استحصالی قوتیں نیست و نابود ہو جائیں۔

قرآن کے اس بین موقف سے ہمارے ائمہ تفسیر نے استفادہ کیا ہے، تفسیر ابن عباس میں لشکر اسلام کی مدینہ سے روانگی کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔

''جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر (مدینہ منورہ) سے ایک حق امر (قرآن یا جہاد کے لیے) نکال لایا۔'' (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس:145)

آیت مذکورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حق کے غلبے کا ایک ذریعہ قتال (جنگ) کو بھی ٹھہرایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی تائید و نصرت سے قلیل کو کثیر پر، بظاہر کمزوروں کو طاقتوروں پر، غیر مسلح کو مسلح پر، بغیر تیاری والوں کو تیاری والوں پر، صرف تن ڈھانپنے والوں کو زرہ پہننے والوں پر، اور اپنی عددی کثرت پر فخر کرنے والوں پر فتح دینا مقصود تھا۔ دنیا جسے ناممکن جانتی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی غیبی مدد سے اسے ممکن بنا دیا۔ ظاہری اسباب اپنی جگہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ نظام کائنات میں سچ و حق کی ضیا پاشیاں بکھر بکھر گئیں۔ دین کو عظمت و غلبہ اور سطوت و تمکنت عطا ہوئی باطل نہ صرف مغلوب ہوا بلکہ حق کے سامنے اس کا گھمنڈ بھی خاک میں مل گیا۔

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحتاً بیان کیا کہ حضورِ انور نبی اکرم ﷺ کفار سے جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے تھے، فرماتے ہیں:

''جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر مدینہ سے ایک امر حق جہاد کے لیے نکال لایا۔''

(تفسیر کبیر، 125:15)

گویا حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مدینہ منورہ سے ہی کفار کے حملہ سے دفاع اور پھر جوابی حملے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی رضا اللہ کی رضا کے تابع تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ ظاہری اسباب کی موافقت و سازگاری کے نہ ہوتے ہوئے بھی، بنی نوع انسان کو اعلائے حق کا نظارہ کرانا چاہتا تھا اس لیے امام رازی مشیت ایزدی کے حوالے سے اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں:

''لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ارادہ اور توجہ دوسرے قافلے (لشکر کفار) کی طرف مرتکز کی تاکہ حق کا بول بالا ہو۔'' (تفسیر کبیر، 128:15)

امام خازن اسی آیہ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بعض نے کہا یہاں خروج سے مراد ہجرت کے وقت مکہ سے مدینہ کی طرف نکلنا ہے جبکہ جمہور مفسرین کی رائے اس حوالے سے یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے بدر کی طرف نکلنا مراد ہے۔ سو آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا، جیسے آپ کے رب نے آپ ﷺ کو حق کے قیام کے لیے مدینہ کے گھر سے نکلنے کا حکم دیا جو مشرکین کے فرسودہ نظام کے خاتمے اور بذات خود ان کے اپنے خاتمے میں مضمر تھا۔'' (الخازن، 128:2)

اور اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ ''روح البیان'' میں رقمطراز ہیں:

''جیسا کہ آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کے گھر مدینہ سے جہاد کے لیے آپ کو باہر لایا بس یہی درست بات ہے۔'' (تفسیر روح البیان، 314:3)

السید محمد رشید رضا تفسیر المنار میں اسی موقف پر اظہار خیال کرتے ہیں:

''آپ کے رب نے آپ ﷺ کو اپنے گھر مدینہ سے ایک حق امر یعنی بظاہر مشرکین کے دو گروہوں سے مزاحم ہونے کے لیے نکالا جبکہ حقیقتاً جس گروہ کا وعدہ کیا گیا یہ وہی ہے جس سے جنگ ہوئی۔''

(تفسیر المنار، 597:9)

امام ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مشیت کے تحت کافروں اور مسلمانوں کو خلاف توقع جمع کر دیا تاکہ مسلمانوں کو شان وشوکت ملے اور کفار کے مقابلے میں ان کی مدد ونصرت کی جائے اور (سب سے بڑھ کر) حق اور باطل کے درمیان واضح امتیاز پیدا کر دیا جائے۔'' (تفسیر ابن کثیر، 287:2)

روایات میں مذکور ہے کہ جب سرفروشان اسلام کا لشکر وادی ذفران میں پہنچا اور دشمن کے تجارتی قافلے اور لشکر کفار کی مدینہ کی جانب پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہوئیں تو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تازہ ترین صورت حال کے مطابق پالیسی طے کرنے کے لیے مشاورت کی کہ تجارتی قافلے کا تعاقب کیا جائے یا لشکر کفار کی سرکوبی کے لیے مجاہدین کو کوچ کرنے کا حکم دیا جائے۔ کچھ کی رائے یہ تھی کہ دشمن کے تجارتی قافلے کے تعاقب کو ترجیح دی جائے۔

لیکن تاجدار کائنات ﷺ کی خواہش اس کے بالکل برعکس تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ نگاہ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ تجارتی قافلے کا تعاقب بے سود ہوگا اور وقت اور قوت کے ضیاع کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ جب کہ جنگی جنون میں مبتلا لشکر کفار ردائے امن کو تار تار کرنے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان حالات

میں حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ دشمن کی قوت کو ختم کر کے دائمی بنیادوں پر کفار مکہ کے استحصال سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجارتی قافلے کے تعاقب کی رائے پیش کی تو بوجوہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے چہرہ اقدس پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔

مجاہدین اسلام کو اعتماد میں لے کر حقائق سے آگاہی کا شعور عطا کیا جارہا تھا۔ باہمی مشاورت اوران کی رائے کا احترام کرتے ہوئے انہیں خود اس فیصلے پر پہنچنے میں مدد دی جارہی تھی کہ مسلمان مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں۔ کفار مکہ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دینا چاہتے بلکہ وہ ان کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ میدان جنگ میں اتر کر فتنہ وفساد کے سرچشموں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔

شمع رسالت کے پروانے جو ہر لمحہ شمع رسالت پر دیوانہ وار نثار ہونے کے لیے تیار رہتے تھے ذہنی طور پر باطل کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ شوق شہادت ان کے لہو کے اندر سے پھوٹ رہا تھا۔ وہ رتبہ شہادت سے ہمکنار ہونے کے لیے بے تاب نظر آنے لگے۔ بدقسمتی سے اصحاب سیر کی اکثریت نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ حضورِانور ﷺ مدینہ منورہ سے دشمن کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کے لیے نکلے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بات تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ازخود قیاس فرمائی تھی اسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (سورۃ انفال آیت 7)

ترجمہ: تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں (کوئی نقصان نہ ہو)''

''تودون'' جمع کا صیغہ ہے، اشارہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ہے، اگر حضورِانور ﷺ کا ارادہ اورخواہش قافلے کے حوالے سے ہوتی تو قرآن اپنے اسلوب میں اسے بیان کر دیتا جبکہ قرآن نے بڑے واضح انداز میں جمع کا صیغہ استعمال کر کے اس خواہش کے پیدا ہونے کے اصل مقام کی نشاندہی کر دی ہے کہ یہ خواہش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے تھی۔

کھلا اعلان جہاد و جنگ

زیر بحث موضوع سے متعلق درج ذیل آیت مبارکہ اور حدیث پاک بھی پکار پکار کر یہ اعلان فرمارہی ہیں کہ حضورانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ سے بغرض جہاد و جنگ ہی نکلے تھے۔ آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو یہ علم تھا کہ مشرکین کے لشکر سے ٹکراؤ ہوگا۔ یہ آیت مبارکہ (سورہ انفال آیت 7) آپ ﷺ کے مدینہ طیبہ چھوڑنے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اپنے محبوب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم پر وحی فرمانے کے کئی طریقے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم و حکمت سے جبرائیل امین تو یوم ولادت مبارک

سے پردہ فرما جانے کے دن تک حسب منشا رب العالمین حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے ہیں۔ رضائے حاکم الحاکمین، قادر مطلق رب العالمین کے تحت حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس کا ذکر مبارک مدینہ منورہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ فرمایا اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا تو آپ ﷺ نے وادی ذفران میں غزوۂ بدر سے دو تین دن پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرما دیا۔

ایسا کرنے میں بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر وقت آنے پر کیا جائے گا۔

سورۃ انفال آیت 7 میں خالق و مالک کائنات نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ (سورۃ انفال آیت 7)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ۔ ان دو گروہوں (قافلہ اور لشکر) میں سے ایک تمہارے لیے ہے۔''

حدیث مبارک جو ذفران کے مقام پر فرمائی گئی:

''(بدر میں مقابلہ کے لیے) روانہ ہو جاؤ اور تمہیں خوشخبری ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ میں ان لوگوں کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 615۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 392۔ دیگر کتب سیرت)

میں اب اس آیت مبارکہ اور حدیث پاک کی وضاحت کرتا ہوں، تشریح کرتا ہوں کہ یہ کیسے پکار پکار کر یہ اعلان کر رہی ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ لشکر کفار سے ٹکر لینے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ظاہری طور پر تو آپ ﷺ قافلے کو ہراساں کرنے، رسد کاٹ دینے کے ارادے سے ہی نکلے تھے لیکن یہ آپ ﷺ کا مقصود نہ تھا۔ آپ ﷺ مقصود دشمن کی جڑ کاٹ دینا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ اے میرے محبوب! مشرکین کا تجارتی قافلہ بھی آپ ﷺ کی زد میں آنے کے لیے سوئے بدر آ رہا ہے اور مشرکین کا لشکر جرار بھی مدینہ کی طرف بڑھا آ رہا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کو آپ ﷺ کے قبضہ دے دوں گا۔ اب یہ پسند آپ ﷺ کی ہے کہ آپ ﷺ کسے چاہتے ہیں۔

میں اب اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ یہ مدینہ منورہ میں کیسے فرما دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ میری اس وضاحت سے قارئین کرام سو فی صد مطمئن ہو جائیں گے اور کسی خام خیالی کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہیں دیں گے۔

جو لوگ اس غلط خیال میں ہیں یا اس غلط خیال کا پرچار کرتے ہیں کہ آپ ﷺ صرف قافلہ کے حصول کے لیے نکلے تھے اور اس وقت لشکر کفار کا پتہ بھی تھا۔ وہ مجھے اس سوال کا جواب دیں کہ کیا کوئی دینے والا ان دونوں

چیزوں کو دکھلائے بغیر، علم میں لائے بغیر' لینے والے کو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک آپ کو مل جائے گی؟ کبھی بھی نہیں کہہ سکتا ورنہ جس کو کہا جا رہا ہے اس کا پہلا سوال ہی یہ ہوگا کہ کونسی دو چیزوں میں سے؟

اس اہم نکتے کو سمجھنے کی خاطر:

اس کی مثال کچھ اس طرح لے لیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو یہ کہتا ہے کہ میرے بیٹے تمہاری شادی ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے ہوگی۔ ''ان دو لڑکیوں'' کے الفاظ باپ اسی وقت استعمال کر سکتا ہے یا کرے گا جب باپ نے وہ دونوں مخصوص لڑکیاں اپنے بیٹے کو دکھا چکا ہوگا یا اس کے علم میں پہلے لا چکا ہوگا یا کسی طرح سے ان دونوں کا ذاتی تعارف کرا چکا ہوگا۔

اگر وہ باپ وہ مخصوص لڑکیاں دکھائے بغیر' بیٹے کے علم میں لائے بغیر' یہ الفاظ کہے گا کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے تمہاری شادی ہوگی تو بیٹا لامحالہ فوراً یہ پوچھے گا ابا جی کون سی دو لڑکیوں میں سے؟ اور اگر باپ اس کے سوال کا تسلی بخش جواب دیئے بغیر پھر یہی کہہ دیتا ہے کہ تمہاری شادی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ہوگی تو بیٹا یقیناً باپ کی دماغی صحت پر شک کرے گا۔

مجھے مجبوراً یہ مثال دینی پڑی ہے تا کہ زیر بحث نکتہ قارئین کرام کو خوبصورتی کے ساتھ واضح ہو جائے، ذہن نشین ہو جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ظاہری طور پر تو قافلے کے ذریعے ناکہ بندی کرنے، رسد کاٹنے کے لیے ہی نکلے تھے لیکن آپ ﷺ کا منشا لشکر کفار سے ٹکرانا اور کفر کی جڑ کاٹ دینے کا تھا۔ آپ کتنے ہی سرایا و غزوات میں پڑھیں گے کہ راز داری کی خاطر اصلی ہدف کو ایک وقت تک سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھپایا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی یہ کتنی کارآمد حکمت عملی تھی کہ آج ساری دنیا (کی افواج) اسے اپنائے ہوئے ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مندرجہ بالا حدیث وادی ذفران میں فرمائی جب کہ قافلہ بدر کی راہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے ساتھ والے غیر معروف راستے سے گزر کر محفوظ فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالک کائنات کی یہ شان تو نہیں ہے کہ وہ اپنے محبوب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں رسول بحر و بر، سید المرسلین خاتم النبیین رحمت للعالمین ﷺ کو یہ حدیث یہ فرمان قرآن اس وقت فرمائے گا جب دو میں سے ایک دسترس سے باہر جا چکا ہوگا۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ قرآن حکیم کا مذکورہ فرمان مبارک تو آپ ﷺ پر مدینہ طیبہ میں ہی سوئے بدر روانہ ہونے سے پہلے ہی نازل فرما دیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر یہ آیت نازل فرما کر دراصل یہ اختیار دے دیا تھا کہ میرے محبوب، اب ان میں سے جو آپ ﷺ کو پسند ہو وہ لے لیں، اس کے لیے آگے بڑھیں۔

اس دوسرے نکتے یا پہلو کو آپ یوں سمجھ لیں کہ:

ان ہی مذکورہ بالا باپ بیٹے کی ساحل سمندر کے ساتھ زمین ہے اوران کی زمین کے ایک قطعہ 200 میٹر لمبے اور 100 میٹر چوڑے پر سمندر کا پانی آ گیا ہے یعنی کہ 200 میٹر لمبا اور 100 میٹر چوڑا قطعہ زمین زیر آب ہے۔ وہاں سمندر کا پانی نہایت صاف اور شفاف ہے کہ دور دور تک اس میں مچھلیاں اور دیگر آبی جانور تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اس حصہ میں کہیں بھی پانی کی گہرائی بھی ساڑھے تین فٹ (3½) سے زیادہ نہیں ہے سمندر کے اس مذکورہ حصہ میں ایک سنہری مچھلی آ جاتی ہے جو تقریباً ایک اوسط آدمی کی لمبائی موٹائی اور وزن جتنی ہے۔ اتفاق قدرت سے حکمت الٰہی سے سمندر کے اس حصہ میں سنہری مچھلی سے قدرے لمبی اور موٹی سلور رنگ کی ایک اور مچھلی آ جاتی ہے جس کا رنگ چمکیلا سلور یا چاندی کا سا نکھرا ہوا رنگ ہے۔ یہ دونوں مچھلیاں باقی سب مچھلیوں سے بہت زیادہ بڑی ہیں اور اپنے رنگ و جسامت کے لحاظ سے بالکل ممتاز ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک ایک ہی ہیں اس لیے وہ اس صاف شفاف پانی میں دور دور تک نظر آتی ہیں، پہچانی جاتی ہیں۔

باپ اپنے پختہ علم کی وجہ سے اپنے بیٹے کو کہتا ہے۔

یہ جو دو بڑی مچھلیاں (ایک سنہری اور ایک چمکتے سلور رنگ کی) ہمارے پانی میں آ گئی ہیں اب انہوں نے چند دنوں کے لیے اسی پانی میں رہنا ہے یعنی کہ دائیں بائیں یا سامنے کھلے سمندر میں، گہرے پانی میں نہیں جانا ہے۔ یہ جو سنہری خوبصورت مچھلی ہے اس کے پیٹ میں دس کلو سونے کی ایک بار موجود ہے۔ اس مچھلی کا پکڑے جانا بھی آسان ہے کیونکہ یہ مچھلی حملہ آور نہیں ہوتی۔ اس کا گوشت بھی خوشبودار ہے اور کھانے میں بہت لذیذ ہے لیکن اس کا گوشت موٹا اور سستی لانے والا ہے اور کچھ دماغی اور عضلاتی بیماریاں بھی اس کا گوشت کھانے سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ متعدی امراض اور دیگر موروثی بیماریاں بھی اس کے گوشت کھانے والے میں زیادہ ہوتی ہیں قصہ مختصر اس کا گوشت بیماریوں کا گھر ہے لیکن ہے، بہت ہی لذیذ۔

اور یہ جو چمکتے سلور رنگ والی مچھلی ہے اس کے پیٹ میں بھی دس کلو سونے کی ایک بار موجود ہے اور اس سونے کی بار کے علاوہ دس کلو نادر قسم کے ہیرے جواہرات بھی اس کے پیٹ میں موجود ہیں۔ لیکن اس کا پکڑے جانا بہت مشکل ہے، خطرناک ہے، کیونکہ یہ شارک قسم کی مچھلی ہے جو اپنے دفاع میں حملہ بھی کرتی ہے اور یہ تمہیں زخمی بھی کر سکتی ہے۔ اور ہاں اس کا گوشت ایک خاص بو والا ہے اور کھانے میں بھی لذیذ نہیں ہے۔ لیکن اس کا گوشت کھانے والے کو اس کی نسلوں تک کے لیے بہت فائدے ہیں۔ ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے بہت سارے امراض سے بچاتا ہے۔ چستی، طاقت و توانائی نسل در نسل بڑھتی رہتی ہے، عروج پر رہتی ہے۔ انسان کے اندر انسانیت ابھرتی ہے اور بری عادات برے رویے کو کم کرتی ہے۔ اس میں موجود ہیرے جواہرات تمہاری کتنی ہی نسلوں کو آسودگی اور خوشحالی دے سکتے ہیں اور اس کے گوشت کے اچھے اثرات بھی نسل در نسل اور بھی

نمایاں ہوتے جائیں گے۔

اور ہاں بیٹے! جو میں بات تمہیں خاص پر بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک مچھلی یقیناً تمہارے قابو آ جائے گی اگر تم قابو کرنا چاہو گے تو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دوں کہ یہ سنہری مچھلی چار پانچ دنوں بعد ہمارے پانی سے سمندر کے گہرے پانی میں چلی جائے گی اور پھر تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے گی۔

جبکہ یہ سلور رنگ والی مچھلی اس کے چلے جانے کے بعد بھی چند دن اسی پانی میں موجود رہے گی۔ بیٹے میں نے صحیح معلومات تمہیں دے دی ہیں اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم اس بارے میں کیا سوچتے ہو، کیا کرتے ہو، کیسے قابو کرتے ہو۔

بیٹے نے اس پر بہت سوچا، غور و غوض کیا۔

اس نے سوچا کہ سنہری مچھلی کو پکڑنا تو مقابلتاً بہت آسان ہے، لیکن اس میں سوائے دس کلو سونے اور خوشبو دار لذیذ گوشت کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس نے چار پانچ دنوں بعد گہرے پانی میں بھی چلے جانا ہے جب کہ دوسری مچھلی، سلور رنگ والی مچھلی کا پکڑنا تو بہت مشکل ہے بلکہ زخمی ہو جانے کا بھی قوی امکان ہے اور گوشت بھی خاص بو والا ہے اور کھانے میں مقابلتاً اتنا لذیذ نہیں ہے لیکن باقی سارے اس کے فائدے ہیں اور میری نسلوں تک کے لیے فائدے ہیں، خوشحالی، آسودگی، دماغی و جسمانی اعلیٰ صحت اور انسانیت پسندی، چاک و چوبند، بہت ساری بیماریوں سے محفوظ اور نادر ہیرے جواہرات جو نسل ہا نسل تک فراخی و حلال رزق و خوشحالی کا سبب ہوں گے۔ اور پھر ایک نے تو میرے قابو میں آ ہی جانا ہے۔

تو میں کیوں نہ ایسا کروں کہ جس کے فائدے کم ہیں (اور برے اثرات زیادہ ہیں) اور اس نے چار پانچ دنوں بعد گہرے پانی میں بھی چلے جانا ہے میری پہنچ سے باہر ہو جانا ہے میں کیوں نہ اسے چلا جانے دوں اور جس میں میرا فائدہ ہے، میرے خاندان کا فائدہ، میری نسلوں کا فائدہ ہے، نسل در نسل فائدہ ہے تو اسے کیوں نہ قابو کیا جائے۔ جس میں میری نسلوں کے لیے مالی، معاشی، روحانی، جسمانی اور بہت سارے فائدے ہیں میں کیوں نہ اسے قابو کروں۔ اور اس نے تو میرے قابو میں آ ہی جانا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ مجھے زخمی ہی کر سکتی ہے۔ ایک دو زخموں کے بدلے اگر میری آئندہ نسلوں کو بہت سارے فوائد حاصل ہو جائیں تو یہ سودا برا نہیں ہے۔

حضور پرُنور نبی کریم و رؤف و رحیم ﷺ نے بھی وہی کیا جس میں آسانی تو تھی لیکن فائدہ تھوڑا تھا، عارضی تھا اسے جانے دیا اور جس میں وقتی دشواری تھی لیکن دین و امت کے لیے بے پناہ فائدے تھے، بھلائی تھی خوبی تھی اسے اختیار کر لیا۔

دین و امت کا ہر طرح کا بھلا ہی تو سب سے بڑا اور چاہے جانے والا فائدہ ہے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو یہ ''ان دوگروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے'' اس وقت فرمایا گیا تھا جب قافلہ بھی زد میں آنے کے لیے بدر آرہا تھا اور جب لشکرِ کفار مکہ سے سوئے مدینہ روانہ ہو چکا تھا اور دو تین منزلیں طے کر چکا تھا نہ کہ یہ اس وقت فرمایا گیا جب کہ قافلہ بدر کے مقام سے ہٹ کر گزر گیا اور پہنچ سے دور ہو گیا۔ حاصل بحث یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مدینہ روانگی سے پہلے ہی قافلہ اور لشکر کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا تھا اور دونوں میں سے کسی ایک کو مغلوب کرنے، قبضہ میں لانے کا اختیار دے دیا گیا تھا۔

لشکرِ کفار کے چلنے سے پہلے

آپ ﷺ کے زمینی اطلاع دینے والے رابطے متحرک ہو گئے تھے۔

میں نے درج ذیل کو لکھتے وقت ان فاصلوں کو مدنظر رکھا ہے۔

1- ملک شام کی طرف سے سرحد حجاز اور بدر کا درمیانی فاصلہ 950 کلومیٹر۔

2- مدینہ طیبہ سے بدر کا فاصلہ (جو لشکر اسلام نے طے کیا) 150 کلومیٹر۔

3- مکہ سے بدر کا فاصلہ (جو لشکر کفار نے طے کیا) 330 کلومیٹر۔

آجکل بھی مکہ اور مدینہ کے درمیان سڑک کا راستہ 450 کلومیٹر ہے۔ اس زمانے میں راستے نہ اتنے صاف تھے اور نہ اتنے سیدھے۔ پھر قافلوں یا لشکر کے اپنے پڑاؤ کے لیے پانی، درخت، گھاس، جڑی بوٹیوں والی جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہوگا جو کہ قافلوں کے لیے (انسانوں، جانوروں) کے لیے بنیادی ضروریات ہیں۔ یعنی کہ وہ ان ضروریات کی خاطر سیدھے راستے سے کچھ دائیں بائیں ہٹ بھی جاتے ہوں گے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اس وقت کے راستے موجودہ راستوں، سڑکوں سے کچھ طویل ہی ہوتے ہوں گے بالکل صحیح ہوگا۔

4- اور میرے اندازے کے مطابق عام حالات میں قافلے، تجارتی قافلے ہر روز کم سے کم 32 کلومیٹر (20 میل) اور زیادہ سے زیادہ 48 کلومیٹر (30 میل) کا فاصلہ طے کرتے ہوں گے۔ صبح سویرے کے چلے دوپہر کے وقت کے قریب کہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکتے بھی ہوں گے اور پھر تازہ دم ہو کر شام تک، سورج غروب ہونے تک محوِ سفر رہتے ہوں گے۔

حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم، افضل الانبیاء، خاتم النبیین، رحمت للعالمین ﷺ کے خدائی رابطوں کے ساتھ ساتھ زمینی رابطے بھی بہت یقینی مضبوط اور کمال کے تھے۔ آپ ﷺ ساری دنیا سے عموماً اور عرب کے حالات سے خصوصاً ہمیشہ باخبر ہوتے تھے اور متعلقہ شہروں، قصبوں اور قرب وجوار کے دیہات سے تو آپ ﷺ ان میں ہر طرح کی تبدیلیِ حالات سے بروقت آگاہ ہوتے تھے۔ ابھی مکہ میں چند مسلمان اور کچھ اشخاص مسلمانوں سے درپردہ ہمدردی رکھنے والے موجود تھے۔ یا یوں کہہ لیں کہ کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو درپردہ'

اسلام پسند تھے، حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے چاہنے والے تھے لیکن مصلحتاً انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے جب ضمضم کا واویلا سنا اور مشرکین مکہ کی طرف سے مدینہ پر لشکر کشی کے آثار دیکھے تو انہوں نے، ان میں سے کسی ایک نے مدینہ منورہ میں آپ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو اطلاع دی کہ لشکر کفار سوئے مدینہ روانہ ہوا ہی چاہتا ہے اور جب تک اطلاع کرنے والا مدینہ میں پہنچا ہوگا اس وقت تک لشکر کفار بھی سوئے مدینہ دو، تین منزلیں طے کر چکا ہوگا۔

ایک سچا مفروضہ

مندرجہ بالا کی چند آخری سطریں اور درج ذیل کے دو تین صفحات راقم الحروف (اس کتاب کے مصنف) کا مفروضہ ہیں۔ یہ مفروضہ میں نے بہت تحقیق کے بعد اختیار کیا ہے اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اپنے لکھنے کے انداز و دلائل سے میں اس مفروضہ کو اور اس سے اخذ ہونے والے نتائج کو اگلے چار پانچ صفحوں میں آپ پر بھی سچا ثابت کر دوں گا۔ یعنی آپ میرے اس مفروضے کو سچ مان جائیں گے اور میرے ہم خیال بن جائیں گے۔

23 شعبان سن 2 ہجری

کے لگ بھگ ابوسفیان کو حدود حجاز میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مسلمان مدینہ اقتصادی ناکہ بندی کی خاطر تمہارے قافلہ کے ملک شام جاتے وقت بھی بدر کی طرف ذی العشیرہ تک آئے تھے تمہاری خوش قسمتی تم بچ نکلے۔ یقیناً مسلمان مدینہ تمہارے قافلے کے انتظار میں ہوں گے اور وہ اہل مکہ کی رسد کاٹ دینے یا اقتصادی ناکہ بندی کرنے ضرور آئیں گے اس لیے تم احتیاطی تدابیر کرلو۔

ملک شام کی طرف سے واپس آتے ہوئے حجاز کی حدود میں داخل ہونے کے کوئی پونے دو سو کلومیٹر بعد معروف شہر تبوک آتا ہے۔ ابھی مقام بدر کوئی آٹھ سو کلومیٹر دور تھا اور مکہ 1300 کلومیٹر دور تھا کہ ابوسفیان نے ضمضم غفاری کو تبوک پہنچنے سے پہلے ہی قافلہ کی ممکنہ تباہی اور اسے بچانے کے لیے اہل مکہ سے فوری مدد کے پیغام کے ساتھ مکہ روانہ کر دیا اور ہدایت کی کہ وہ برق رفتاری سے مکہ پہنچے۔

ضمضم غفاری سارے علاقے سے واقف تھا۔ وہ ابوسفیان کے پیغام کو لے کر واقعی برق رفتاری سے مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے ہر روز اندازاً 100 سے 120 کلومیٹر کا راستہ طے کیا اور جو فاصلہ عام قافلہ کے لیے ایک مہینے سے زیادہ کی مسافت تھا اس نے اندازاً وہ 12، 13 دنوں میں طے کر لیا۔ وہ اندازاً 23 شعبان کو چلا اور 1300 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے 4 رمضان بروز ہفتہ کو مکہ پہنچا۔ حسب رواج، ضرورت، عادت و ہدایت اس نے ابوسفیان کے پیغام کو مرچ مصالہ لگا کر اور اسے بڑھا چڑھا کر اعلان کر دیا۔

مشرکین کی تیاری

مانا کہ مشرکین مکہ عرصہ دراز سے اور خصوصاً گزشتہ 1½ سال سے مسلمانوں کو مدینہ جا کر ان کے گھروں میں نیست و نابود کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس حقیقت کے باوجود یہ نہیں مانا جا سکتا کہ ادھر ضمضم نے مکہ میں قافلے کی مدد کے لیے اہل مکہ کو بلایا اور ادھر اسی وقت اسی دن کفار مکہ قافلہ کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے۔

1300 جنگجو افراد کو اکٹھا کرنے، مختلف قبائل سے رابطہ کرنے، انہیں ساتھ چلنے (بغرض جنگ) کے لیے قائل کرنے، ان سب کے لیے سامان حرب و خورونوش کے ساتھ گھوڑوں، اونٹوں اور مال برداری کے جانوروں اور جانوروں کے لیے خوراک چارہ کے انتظامات کرنے اور انہیں اکٹھا کرنے، یک جا کرنے میں کم از کم ایک دو دن تو لگ ہی گئے ہوں گے۔ یعنی کہ جس دن ضمضم پہنچا وہ دن اور اس کے بعد کا دوسرا دن تو کم از کم ان تیاریوں میں لگ گیا ہوگا اور تیسرے دن صبح مشرکین مکہ کا لشکر اپنے تجارتی قافلے کی مدد کے لیے سوئے مدینہ روانہ ہوا ہوگا۔

نوٹ:

درج ذیل کو اچھی طرح سمجھانے کی خاطر اس طرح سے لکھنا پڑا ہے۔ کیونکہ زیر بحث نکات اسی طرح سے خوبصورتی کے ساتھ ایک نظر میں واضح ہو سکتے ہیں۔ آپ درج ذیل کو تاریخ کے لحاظ سے سلسلہ وار پڑھیں یعنی کہ 4 رمضان سے شروع کریں اور 17 رمضان پر ختم کریں۔ تاکہ آپ کو ایک ایک دن اور ایک ایک رات کا صحیح پتہ چل سکے اور حقائق کو جاننے اور سچ کو پہچاننے میں دقت نہ ہو۔

تبوک

مدینہ

بدر

17 رمضان بروز جمعہ 2ھ غزدہ بدر وقوع پذیر ہوا

16 رمضان بروز جمعرات بدر کے ہی مقام پر دوسرے روز مقیس الجمعی 9 اونٹ

15 رمضان بروز بدھ نویں منزل بدر پہلا روز۔ ابوالبختری بن ہشام 10 اونٹ

14 رمضان بروز منگل آٹھویں منزل مقام نامعلوم۔ حارث بن عامر بن نوفل 10 اونٹ

13 رمضان بروز سوموار ساتویں منزل مقام نامعلوم۔ عباس بن عبدالمطلب 10 اونٹ

12 رمضان بروز اتوار چھٹی منزل نبیہ اور منبہ پسرانِ الحجاج 10 اونٹ — ابوا

11 رمضان بروز ہفتہ پانچویں منزل پڑاؤ رات۔ عتبہ بن ربیعہ 10 اونٹ — جحفہ

10 رمضان بروز جمعہ چوتھی منزل بھٹکے یا تفریحاً گئے۔ شیبہ بن ربیعہ 9 اونٹ — ساحل سمندر

9 رمضان بروز جمعرات تیسری منزل پڑاؤ رات۔ سہیل بن عمرو 10 اونٹ — قدید

8 رمضان بروز بدھ دوسری منزل پڑاؤ رات۔ امیہ بن خلف 9 اونٹ — عفان

7 رمضان بروز منگل پہلی منزل پڑاؤ رات۔ ابوجہل 10 اونٹ — مرالظہران

مکہ

6 رمضان بروز سوموار
5 رمضان بروز اتوار
4 رمضان بروز ہفتہ

ان دو دنوں میں اہل مکہ نے اپنی تیاری مکمل کی اور
7 رمضان بروز منگل صبح کے وقت سوئے مدینہ چل پڑے
اس دن ضمضم مکہ پہنچا اور ابوسفیان کے ہنگامی پیغام کا اعلان کیا

ابوسفیان کا لشکرِ کفار کو پیغام واپسی

ابوسفیان حالات کے پیشِ نظر چوکنا اور باخبر تھا۔ جب وہ بدر سے ابھی تین چار منزل پیچھے ہی تھا تو اسے اطلاع ملی کہ مسلمان بدر کے مقام پر اس کا راستہ روکیں گے اقتصادی ناکہ بندی کریں گے اور اہل مکہ کی رسد کاٹ دیں گے۔ اس خبر کے ملتے ہی اس نے اپنے قافلے کی معمول کی رفتار اندازاً 35 کلومیٹر فی یوم سے بڑھا کر 45 کلومیٹر فی یوم کر دی اور ساتھ ہی بدر سے ایک منزل پہلے ہی بدر کے معروف راستے کو اپنے بائیں طرف چھوڑ کر ساحل سمندر کے نزدیک والا غیر معروف راستہ اختیار کر لیا، اور یوں وہ علاقہ بدر سے بحفاظت گزر گیا۔

جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ قافلہ اب محفوظ ہے تو اس نے اپنے ایک ساتھی قیس بن امرؤ القیس کو لشکر کفار کی طرف روانہ کیا کہ وہ سردارانِ لشکرِ کفار کو پیغام دے کہ قافلہ بدر سے صحیح سالم بحفاظت گزر آیا ہے اب کوئی خطرہ نہیں اس لیے لشکر کے ساتھ واپس مکہ آ جاؤ۔ ابوسفیان کا یہ پیغام رساں بھی بہت تیزی کے ساتھ سوئے مکہ روانہ ہوا اور مشرکین کے لشکر سے جحفہ کے مقام پر جا ملا اور ابوجہل اور دیگر سردارانِ لشکر کفار کو ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا۔ لیکن ابوجہل نہ مانا اور لشکر کو مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے بدر تک جانے کا حکم کر دیا۔

تمام اہل سیر کے نزدیک یہ مصدقہ امر ہے

۱- کہ 17 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعہ غزوۂ بدر وقوع پذیر ہوا اور مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔

2- کہ 16 رمضان کو دونوں لشکر بدر کے علاقہ میں موجود تھے اور رات گئے تک وہ دونوں اپنی اپنی حتمی پوزیشن سنبھال چکے تھے۔

3- کہ لشکر کفار نے اپنے سفر کی نویں رات یعنی کہ 15 رمضان بدھ کی رات بھی علاقہ بدر میں گزاری تھی۔

اب اس چارٹ سے یہ واضح ہو گیا کہ

1- ابوسفیان نے حدود حجاز میں داخل ہوتے ہی ضمضم غفاری کو قافلے کی مدد کے لیے پیغام کے ساتھ مکہ روانہ کر دیا تھا۔

2- ضمضم حسب ہدایت اندازاً 23 شعبان کو ابوسفیان کا حکم پا کر برق رفتاری سے چلا اور اندازاً 4 رمضان کو مکہ پہنچا۔

3- لشکر مشرکین نے تیاری میں دو اڑھائی دن لیے اور وہ 7 رمضان کو علی الصبح سوئے مدینہ روانہ ہو گیا۔

4- لشکر کفار نے راستے میں نو راتیں گزاریں۔ نویں رات یعنی 15 رمضان بدھ کی رات لشکر کفار نے علاقہ بدر میں گزاری۔

ابوسفیان نے قیس بن امرؤ القیس کو سردارانِ لشکر کفار کے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ قافلہ بحفاظت بدر سے گزر آیا ہے۔ اب ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اب آپ لوگوں کو مزید آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے مکہ

واپس لوٹ جائیں اس سے چند نکتے واضح ہوئے:

1- کہ جب قیس ابن امرؤالقیس پیغام لے کر لشکر کفار کے پاس پہنچا تو اس وقت لشکر کفار چار منزلیں طے کر کے، مکہ اور بدر کا آدھا راستہ طے کر کے مقام جحفہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

2- پیغام رساں نے سرداران لشکر کو ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا لیکن ابوجہل نہ مانا اور وہ لشکر کو لے کر سوئے مدینہ چل پڑا۔

3- یقیناً ابوجہل کے ارادے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کے تھے ورنہ وہ یہ خوشخبری سن کر بلا تامل مکہ واپس ہو جاتا۔

4- اب اس سے ابوسفیان اور مشرکین مکہ سے متعلق ایک اور اہم نکتہ واضح ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ قافلے کا راستہ اس کے شام جانے کے وقت بھی روکا گیا تھا لیکن قافلہ ایک دو دن پہلے گزر گیا تھا۔ کیونکہ اس قافلے کا جاتے وقت راستہ روکا گیا تھا' اس لئے اور قافلہ کی مالی اہمیت کے پیش نظر اس دوران جب کہ قافلہ ملکِ شام میں تجارت کر رہا تھا ابوسفیان اور سردارانِ قریش مکہ کے درمیان پیغام رسانی کے ذریعہ یہ پہلے ہی طے پا چکا تھا کہ مقامِ بدر کے قریب جو قافلہ کو واپسی پر خطرہ درپیش ہے قریش نے وہاں پہنچ کر اس کا سدِ باب کرنا ہوگا۔

اور اس بات کی اطلاع انہیں صرف ابوسفیان ہی دے سکتا تھا کہ قافلہ کس دن بدر سے گزرے گا۔ اس لئے ابوسفیان نے اپنے اندازے سے قافلہ کے حدود حجاز میں داخل ہوتے ہی ضمضم غفاری کو حکم دیا کہ وہ برق رفتاری سے جائے اور جتنا جلد ہو سکے قریش مکہ کو اس کا پیغام دے دے۔

اور یوں ضمضم غفاری نے اندازاً 4 رمضان سن 2 ہجری بروز ہفتہ کو مکہ پہنچ کر' مرچ مصالحہ لگا کر مشرکین مکہ کو پیغام دے دیا۔

اور یہی میرا مفروضہ تھا جو حالات و واقعات کی باریک بینی سے بالکل سچ ثابت ہوا ہے۔ میں نے اس بارے میں جن تاریخوں کا تعین کیا ہے ان میں ایک دو دن کا بھی آگا پیچھا کرنے سے حالات و واقعات کی کڑیاں نہیں ملائی جا سکتیں۔ اور میرے مفروضے کا بالکل صحیح ہونے کا یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس سے تمام حالات و واقعات ایک صحیح تسلسل کے ساتھ واضح طور پر بیان کئے جا سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا متفقہ و مصدقہ حقائق پر مبنی غزوہ بدر، تاریخ اسلام یا سیرت النبی کے بہت اہم نکات ہیں ان کو ذہن نشین کر لیجئے تا کہ آپ جب ایسی کتابیں یا مضامین پڑھیں جن میں ان مصدقہ حقائق کو موڑ توڑ کر پیش کیا گیا ہو تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ ایسے لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جو اسلام و ملت اسلامیہ کے بدخواہ، مستشرقین ہیں۔ ایسی کتابوں، مضامین سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ ان کا کام و مقصد سوائے اس کے اور

کچھ نہیں کہ ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیں، یک جہتی ختم کر دی جائے، باہمی پیار محبت و اعتماد کو ختم کر دیا جائے تا کہ ملت اسلامیہ کو، قوم مسلمان کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ دوسری قوموں کے سامنے سر نہ اٹھا سکیں اور ہر معاملہ میں ان کے زیر دست رہیں۔

اگر مسلمان محض قافلہ لوٹنے کے لیے نکلے ہوتے تو وہ قافلہ کے بچ نکلنے کی اطلاع پا کر واپس مدینہ لوٹ جاتے، لیکن مدینہ واپس لوٹ جانے کا تصور بھی کسی کے دل میں نہیں آیا۔ مقصود مدینہ کا دفاع تھا جو مدینہ میں محصور ہو کر نہیں کھلے میدان میں دشمن کو للکارنے ہی سے ممکن تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکی لشکر کس نیت سے مکہ سے روانہ ہوا تھا۔ کیا مقصود صرف قافلے کو بچانا تھا یا مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا اس لشکر کے مقاصد میں شامل تھا؟ سیدھی سی بات ہے اگر تجارتی قافلے کو بچانا مقصود ہوتا تو جب مشرکین مکہ کو یہ اطلاع مل گئی تھی کہ ابوسفیان سمندر کے راستے قافلے کو بحفاظت بچا لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو وہ یہ خوشخبری سنتے ہی مکہ لوٹ جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ ایسا ہونا تھا۔ ابوجہل جس کے ذہن میں فتور سمایا ہوا تھا یقیناً مسلمانوں کے ساتھ ایک خونریز جنگ کی تیاری کے ساتھ گھر سے نکلا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے تجارتی قافلے کو تحفظ فراہم کرنے کی آڑ میں مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن معرکہ برپا کرنے کی تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔

بدقسمتی سے ہمارے بعض مفسرین اور مورخین نے بھی بعض اہل علم کے پیدا کردہ فکری مغالطوں اور علمی لغزشوں پر گرفت نہیں کی اور تحقیق و جستجو کے کڑے مراحل سے گزر کر حقیقت حال جاننے کی سعی نہیں فرمائی۔ بلکہ ان فکری مغالطوں اور علمی لغزشوں کو من وعن اپنی تصانیف میں جگہ دے کر غلط اور بے بنیاد تصورات کو سند جواز فراہم کی ہے۔ جس کی آڑ لے کر مستشرقین نے الزام تراشیوں اور بہتان تراشیوں سے ذہنوں میں شکوک و شبہات و ابہام کے بیج بوئے اور حقائق و اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کی ناپاک جسارت کی۔

دشمن کی خبر رکھنا اور دشمن کو بے خبر رکھنا

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی یہ حکمت عملی بہت سی کامیابیوں کی ضامن ہے۔ یہ اتنی ثمر بار، سودمند حکمت عملی ہے کہ آج دنیا کی ہر قوم و ملک اسے اپنائے ہوئے ہے۔ اور اسی کی کامیابی سے جنگ جیت لی جاتی ہے اور جن کی یہ حکمت عملی کمزور ہو وہ عموماً جنگ میں بہت نقصان اٹھاتے ہیں، جنگ ہار جاتے ہیں۔

کتب سیر میں مذکور ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ ﷺ جب بھی کسی غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو صراحتاً اس کا ذکر نہ فرماتے بلکہ اشارے اور کنائے میں اس کا اظہار کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے:

''حضورِ انور نبی اکرم ﷺ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور موقع کا اشارہ و کنایہ فرماتے تھے۔''
(صحیح مسلم، جلد 2: صفحہ 362)

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اکثر مفسرین نے غالباً کسی غلط فہمی کی بنا پر یا روایات کے تسلسل میں اس بات کو دہرایا ہے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ دشمن کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور لشکر کفار سے خونی تصادم مقصود نہ تھا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قریش کے جنگی جنون اور ان کی اشتعال انگیز کارروائیوں کی اطلاعات تسلسل کے ساتھ مدینہ منورہ میں موصول ہو رہی تھیں۔ مدینہ پاک پر کفار کا حملہ کسی وقت بھی متوقع تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا بھی معمول تھا کہ راتوں کو جاگ جاگ کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ حفاظتی اقدامات کسی اندرونی بغاوت کے پیش نظر نہ تھے بلکہ یہ حفاظتی اقدامات کفار مکہ کے متوقع شب خون کی وجہ سے کیے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ دشمن سے ٹکر لینے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے تھے، رہی یہ بات کہ روانگی کے وقت حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اعلان جہاد کیوں نہیں فرمایا تھا؟

اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے اور یہ بات معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص کی سمجھ بھی آ سکتی ہے کہ جنگی فیصلوں کو صیغہ راز میں رکھ کر بہتر اور مثبت نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مہمات جو روانہ کی گئیں ان میں شریک مجاہدین کو نہ مہم کے مقاصد سے آگاہی حاصل ہوتی اور نہ انہیں یہ خبر ہوتی کہ انہیں کس مقام کی جانب روانہ کیا جا رہا ہے۔ بلکہ ان امور کا انکشاف سفر کے دوران یا منزل پر پہنچ کر ہوتا تھا۔ فتح مکہ کا تاریخی کارنامہ سرانجام دینے کے لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا معرکہ سر کرنے جا رہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اپنے محبوب ﷺ کو ہر طرح کے حالات و واقعات سے قدم قدم آگاہ رکھ رہا تھا۔ آسمانی رابطے تو بے حد مضبوط، یقینی اور برق رفتار تھے۔ آپ ﷺ نے منصوبوں کو خفیہ رکھنے کے فلسفے کو اپنی جنگی حکمت عملی کی بنیاد بنایا۔ یہ آپ فتح مکہ کے باب میں پڑھیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک افشائے راز کی کوشش جو کہ ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غیر محتاط خط کی وجہ سے ہو رہی تھی، اپنے محبوب رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ پر بروقت اور فوری ظاہر فرما دی۔ آپ ﷺ کے آسمانی اور زمینی دونوں رابطے بے حد یقینی اور فعال تھے۔

حالات و واقعات کا حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یا [illegible] مکہ میں رمضان سن 2 ہجری کو پہنچ گیا تھا اور اگر ایسا نہیں تو پھر ابوسفیان کے ایلچی کے واویلے سے پہلے ہی مکی لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا کیونکہ مکی لشکر تقریباً 200 میل کا سفر طے کر کے بدر کے مقام پر پہنچا تھا۔ بدر تک پہنچنے

کے لیے اسلامی لشکر نے 90 میل سے کچھ زائد کا فاصلہ طے کیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مکی لشکر کی روانگی کی خبر پانے کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔

جب سپہ سالار مدینہ ﷺ بھی مدینہ سے روانہ ہوئے تو مقصود دشمن سے ٹکر لینا ہی تھا۔ واقدی کی یہ روایت کہ فرمایا آقائے دو جہاں ﷺ نے کہ ''جو شخص ہمارے دین میں شامل نہیں وہ ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا'' بھی اس حقیقت کو آشکار کررہی ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے کسی مرحلے پر بھی جنگ کے امکانات کو مسترد نہیں کیا۔ بلکہ انصار کو اسلامی لشکر میں شامل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو کامل یقین ہو چکا تھا کہ دشمن کے ساتھ اب مسلح تصادم ناگزیر ہو چکا ہے اور یہ کہ اگر دشمن کو آگے بڑھ کر روکا نہ گیا تو مدینہ کا دفاع بھی ممکن نہ ہوسکے گا۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ سرزمین مکہ پر مسلمانوں کے خلاف شرانگیز کارروائیاں جاری تھیں۔ سازشوں کا ایک جال تھا جو اسلامی تحریک کی راہوں میں بچھایا جارہا تھا۔ جنگی جنون کو ہوا دی جارہی تھی۔ مختلف قبائل کی عصبیتوں کو بھڑکایا جارہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے نبی مشرکین مکہ کی ان معاندانہ سرگرمیوں سے بے خبر رہے ہوں اور انہیں مکی لشکر کی روانگی کا علم نہ ہو۔

شانِ نزول کے بارے میں جو میں نے لکھا ہے اسے ایک بار پھر پڑھ لیں اور حضور پُرنور، خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ کے علم کے بارے میں شکوک میں نہ پڑھیں۔

غزوۂ بدر کے حوالے سے جو آیات نازل ہوئیں ان کے مقام نزول کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ مذکورہ آیات قرآنی مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئی تھیں تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ سے دشمن سے بھرپور جنگ کی نیت سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ وحی غیر متلو کے ذریعہ بھی احکام خداوندی سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا جاتا رہا ہے۔

غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہونے والی آیات پر غور وفکر کیا جائے تو اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ان کے پیش نظر دشمن سے کھلے میدان میں ٹکر لے کر حق کا پرچم سربلند کرنا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ کی رائے یہ تھی کہ ہم چونکہ مسلح تیاری کے بغیر گھر سے نکلے ہیں اس لیے ہمیں کفار کے لشکر کے بجائے تجارتی قافلے کا تعاقب کرنا چاہئے۔ جبکہ مشیت ایزدی اور منشائے رسول یہ تھی کہ کفار کے لشکر کا قلع قمع کر کے فتنہ وفساد کے دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کردیا جائے۔

مشیت ایزدی کے عین مطابق

درج بالا مباحث اور ائمہ تفاسیر کے اقوال اور خود قرآن حکیم کی آیات مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ سے جہاد کی نیت سے نکلے تھے۔ چونکہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف

ورحیم ﷺ کا ہر قول اور فعل وحی الٰہی سے صادر ہوتا تھا، اس لیے مدینہ منورہ سے لشکر اسلام کی روانگی عین رضائے الٰہی کے مطابق تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ رضائے رسول رضائے الٰہی کے برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت پر قرآن اپنی مہر تصدیق ثبت کر چکا ہے کہ نطق رسول ﷺ وحی الٰہی ہے۔

دشمن کے تجارتی قافلے کے تعاقب کی خواہش پر ناراضی کا اظہار حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اس تمنا اور آرزو کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مشیت ایزدی کے عین مطابق اب آگے بڑھ کر باطل کا سر کچلنا چاہتے ہیں۔ تاریخی حقائق جس تسلسل نے ہمارے سامنے ہیں ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اب مشرکین مکہ سے میدان جہاد میں کھلا تصادم ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر اس وقت منشائے ایزدی اور منشائے رسول سے انحراف کیا جاتا تو قیامت تک حریت فکر کا دروازہ بند ہو جاتا۔ کوئی مظلوم ظلم اور بربریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کر سکتا۔ مظلوم اور مقہور دست ظالم کو اپنا مقدر جان کر غلامی کے اندھیروں میں خود کو گم کر لیتے۔ مطلع انسانیت پر آزادی کا سورج کبھی طلوع نہ ہوتا۔

آج انسان غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر آزاد معاشروں کے قیام کا سہرا اپنے سر باندھ رہا ہے۔ یہ اسی ساعت دلنواز کی عطا ہے، جن تاریخی لمحات میں باطل پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور 313 جاں نثاروں کی جماعت اپنے عظیم قائد ﷺ کی عظیم قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی تھی۔

اب اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہ اللہ کے محبوب رسول ﷺ تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر، مشیت ایزدی کے عین مطابق، اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ مشرکین مکہ سے ٹکر لینے اور ان کی مسلسل اشتعال انگیز کارروائیوں کا موثر جواب دینے کے لیے مدینہ منورہ سے سفر جہاد پر روانہ ہوئے تھے، غزوۂ بدر کا حالات و واقعات کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ کا بیان

اسلام کا پہلا اور فیصلہ کن معرکہ

مشرکین سے جنگ کے اسباب و وجوہات کا ذکر گزشتہ اوراق میں تفصیل سے ہو چکا ہے یہاں ان کو دوہرانا مقصود نہیں ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے غزوہ ذی العشیرہ کا ذکر اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کے مکہ سے ملک شام جاتے وقت غزوہ ذی العشیرہ پیش آیا اور اب جب غزوۂ بدر وقوع پذیر ہوا تو ظاہری طور پر آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بمع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے مدینہ منورہ سے اسی قافلے کے حصول کے لیے، دشمن کی رسد کاٹنے کے لیے، دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے لیے نکلے تھے۔

ورنہ تو غزوہ ذی العشیرہ جمادی الاول سن 2 ہجری کے آخری دنوں میں وقوع پذیر ہوا اور غزوۂ بدر

17 رمضان سن 2 ہجری کو وقوع پذیر ہوا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی ساڑھے تین ماہ کا عرصہ ہے، مدت ہے جس کے دوران سریہ نخلہ اور سریہ یا بعث عمیر وقوع پذیر ہوئے۔ بس سمجھانے کی خاطر غزوۂ بدر کا ذکر کرنے سے پہلے غزوہ ذی العشیرہ کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔

حکمت الٰہی، قافلہ کی آڑ میں لشکر کفار

بظاہر تو مذکورہ قافلہ ایک تجارتی قافلہ تھا جس کا کہ ظاہری مقصد بھی اہل مکہ کی مجموعی اقتصادی حالت بہتر بنانا تھا لیکن کفار مکہ، سرداران مشرکین مکہ نے باہم یہ فیصلہ کیا ہوا تھا کہ اس تجارتی قافلہ کے حاصل شدہ منافع سے وہ اجتماعی طور پر اپنے سیاسی مقاصد حاصل کریں گے اور ان سیاسی مقاصد میں اولین مقصد مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا تھا کہ اب مزید دیر نہ کی جائے اور مسلمانوں کے گھروں (مدینہ منورہ) میں پہنچ کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، نیست و نابود کر دیا جائے۔

اس تجارتی قافلے کی اہمیت کے سبب میں اس کا دوبارہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ قارئین پر کفار کا جنگی جنون اور مسلمانوں کا اپنے دفاع کے لیے لڑنا واضح ہو۔

عمرو بن الحضرمی کی ہلاکت کی خبر نے اہل مکہ کو بے حد مشتعل کر دیا تھا۔ اس واقعہ سے ان کے سرداروں کو مسلمانوں کی قوت کا کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے عوام کو جمع کر کے اپنا پروگرام بتایا کہ ہم مدینہ پر ضرور حملہ کریں گے۔ لیکن، جنگ معمولی بات نہیں، لہٰذا ہمیں پہلے مالی طور پر نہایت مستحکم ہو جانا چاہئے اور خوب سامان جنگ جمع کر لینا چاہئے۔ اس مقصد کے لیے ہم جلد سے جلد ایک تجارتی قافلہ شام روانہ کرتے ہیں۔ اس تجارت میں ہر شخص اپنا حصہ شامل کرے تاکہ یہ قافلہ پہلی ہی مرتبہ اتنا منافع اور ضروری سامان لے کر واپس ہو، جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے کافی ہو سکے۔

یہ قافلہ تیار ہوا، اس میں شامل درجنوں تو قریش کے سردار تھے، اور چالیس جوان قافلہ کی خدمت اور حفاظت کے لیے مقررہ ہوئے۔ اور قریش کے ہر مرد و عورت نے، اس میں اپنا حصہ شامل کیا۔ اس کی مالیت، پچاس ہزار دینار، بتائی جاتی ہے۔ موجودہ طریقہ سے ہم نے حساب لگایا تو یہ دولت، اس وقت تقریباً دو لاکھ ڈالر کی تھی۔ گویا ہمارے دور میں اس کی مالیت کا اندازہ دس' پندرہ کروڑ ڈالر کیا جاسکتا ہے، سواریوں اور سامان تجارت کے لیے ایک ہزار اونٹ لے گئے تھے۔ یوں سمجھ لیجے، کہ یہ قافلہ کیا تھا، قریش کی ایک ٹریڈنگ کمپنی تھی جو اپنا مال لے کر شام روانہ ہو رہی تھی۔ اور ایک زبردست منافع حاصل کرنے کا، اس کو یقین تھا۔ اس قافلہ کی رخصت کرنے کے لیے بھی اہل مکہ نے بڑا اہتمام کیا، اور بڑے ہی اعزاز کے ساتھ، یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

اہم باتیں

اس موقع پر، قافلہ سے متعلق چند اہم باتیں ذہن نشین کرانا ضروری ہیں۔

1- یہ قافلہ عام تجارتی قافلہ نہ تھا بلکہ قومی نوعیت کا تجارتی قافلہ تھا۔
2- قریش کے درجنوں سردار اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔
3- اس قافلہ میں قریش کے ہر فرد نے مال لگایا تھا۔
4- قریش کا تقریباً تمام تجارتی سرمایہ اس قافلہ کے پاس تھا۔
5- یہ طے پاچکا تھا کہ اس قافلے کا تمام منافع مدینہ پر حملے کرنے، مسلمانوں سے جنگ کرنے اور انہیں ختم کردینے کے لیے وقف ہے۔
6- قریش کو اس سے کثیر منافع کی توقع تھی اور
7- اپنے مذموم ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھا۔
8- قریش اس سے بہت امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔

گویا کہ اگر یہ قافلہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو پورے کا پورا مکہ ماتم کدہ بن جائے گا اور اہل مکہ کی ... حربی (جنگی) قوت ایک عرصہ تک کے لیے ختم ہو جائے گی۔

یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف ...یم ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کے حالات کا پتا لگانے کے لیے ...ال کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی مقام "حوراء" تک تشریف لے گئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ...بوسفیان قافلہ لے کر وہاں سے گزرا تو یہ نہایت تیز رفتاری سے مدینہ پلٹے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ...ی۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے۔ اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی، یعنی ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کیلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان بار کیا ہوا تھا اور اتنے قیمتی قافلے کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا زرین موقع تھا۔ اہل مکہ کے لیے اس مال کثیر سے محرومی بڑی زبردست فوجی، ...ی اور اقتصادی مار کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لیے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے، اس کے لیے نکل پڑو۔ ہوسکتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بطور غنیمت تمہارے حوالے کردے۔

لیکن آپ ﷺ نے کسی پر روانگی ضروری نہیں قرار دی بلکہ اسے محض لوگوں کی رغبت پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس اعلان کے وقت اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ توقع نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکر قریش کے ساتھ میدان بدر میں ایک نہایت پر زور ٹکر ہو جائے گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینے ہی میں رہ گئے۔ ان کا

خیال تھا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا یہ سفر آپ ﷺ کی گزشتہ عام فوجی مہمات سے مختلف نہ ہوگا اور اسی لیے اس غزوے میں شریک نہ ہونے والوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

مقام بدر

مکہ و مدینہ کے درمیان بدر نامی ایک شخص نے، ساحل سمندر سے قریب پڑاؤ ڈالا اور آہستہ آہستہ، یہاں آبادی ہوگئی، اسی شخص کی نسبت سے، اس پوری آبادی کو بدر کہا جانے لگا۔ شام سے مکہ، اور مکہ سے شام، جانے والے قافلے، یہاں آرام کی غرض سے ٹھہرنے لگے، لہٰذا اس آبادی کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی، حتیٰ کہ سال میں ایک مرتبہ یہاں میلہ لگنے لگا، جس میں عرب کے بڑے بڑے تاجر جمع ہوتے اور اس طرح یہ دیہات چند دن کے لیے، خرید و فروخت، کھیل کود اور عیش و عشرت کا مرکز بن جاتا تھا۔ (البدایہ والنھایہ، جلد 3، صفحہ 133)

عمدۃ الاخبار نے بدر کے بارے میں یوں لکھا ہے:

بدر، پہلے حرف کی زبر اور دوسرے کے سکون کے ساتھ..... عرب کے مشہور پانیوں میں سے ایک پانی اور مشہور بازاروں میں سے ایک بازار ہے اور اس جگہ کو یہ نام اس شخص کے نام پر دیا گیا جس نے سب سے پہلے اس میں کنواں کھودا۔ وہ غفار قبیلے کا ایک آدمی تھا جس کا نام بدر بن قریش بن مخلد بن النضر بن کنانہ تھا۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ وہ قریش بن الحارث تھا..... جس کے نام پر قریش کو قریش کا نام دیا گیا اور یہ نام ان پر غالب آ گیا کیونکہ وہ ان کا رہنما اور غلے کا مالک تھا اور وہ کہا کرتے تھے کہ قریش کا قافلہ آیا ہے اور قریش کا قافلہ چلا گیا ہے اور اس کا بیٹا بدر بن قریش تھا، اسی کے نام پر اس جگہ کا نام بدر رکھا گیا جہاں یہ مبارک واقعہ ہوا تھا۔ (عمدۃ الاخبار، ص 238)

بدر، مدینہ کے جنوب مغرب میں واقعہ ہے، اس کے اور مدینہ کے درمیان ان قافلوں کے راستوں پر جن پر رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ چلے، تقریباً 150 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

اسی طرح بدر، مکہ کے شمال میں واقع ہے، اس کے اور مکہ کے درمیان، قدیم قافلوں کے راستوں پر جن پر مشرکین چلتے تھے، تقریباً 330 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

آجکل مکہ اور بدر کا درمیانی فاصلہ، بسوں کے راستے سے 320 کلومیٹر ہے اور مدینہ اور بدر کا درمیانی فاصلہ اس راستے سے تقریباً 140 کلومیٹر ہے۔

اور بدر اور بحر احمر کے ساحل کا درمیانی فاصلہ جو اس کے مغرب میں واقع ہے، تقریباً 20 کلومیٹر ہے۔

چونکہ، قافلوں کی یہ گزرگاہ تھی، لہٰذا حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے، قافلہ ابوسفیان کی ناکہ بندی کے لیے اسی طرف کا رخ کیا اور قریش مکہ اپنے قافلہ کو بچانے کے لیے بھی یہیں آئے اور اس طرح بدر ہمیشہ کے لیے حق و باطل کے امتیاز کا پہلا مرکز قرار پایا۔

یوم الفرقان

یوم کا مطلب ہے دن اور فرقان کے معنی ہیں حق اور باطل میں فرق کرنے والا، سچ و جھوٹ میں امتیاز کر دینے والا، حق پرستوں اور ناحق پرستوں میں واضح تمیز کر دینے والا۔ اس لیے یوم الفرقان کا مطلب ہے وہ خاص دن، جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت وقدرت سے حق کو باطل میں واضح تمیز فرما دی۔ مسلمانوں پر اپنی مدد ونصرت کی خاص عنایت کی اور وہ ہر طرح کی قلت کے باوجود کامیاب وکامران ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس مدد خاص کا قرآن حکیم، فرقان مجید سورۃ آل عمران کی آیت 123 میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

''اور بیشک مدد کی تھی تمہاری اللہ تبارک وتعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔''

(سورۃ آل عمران: 123)

تاریخ اسلام کا یہ وہ معرکہ ہے جب اسلام اور کفر حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کی پہلی ٹکر ہوئی۔ اسی معرکہ میں فرزندان اسلام کی تعداد لشکر کفار کی تعداد سے ایک تہائی تھی۔ وسائل اور اسلحہ کے اعتبار سے بظاہر بہت کمزور تھے۔ دیگر وسائل اور سامان حرب نہ ہونے کے برابر تھا۔ جزیرہ عرب کا اجتماعی ماحول سراسر ان کے خلاف تھا۔ انتہائی خوش فہمی کے باوجود اسلام کے غلبہ اور فتح مند ہونے کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔ کفر بڑے کروفر کے ساتھ حق کی بے سروسامانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تین گنا فوج لے کر بڑے غرور وفرعونیت ورعونت سے میدان میں آیا تھا۔ لیکن اسے ایسی فیصلہ کن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس کی کمر توڑ دی پھر اسے کبھی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس شان سے حق کو للکار سکے۔ مورخین اس معرکہ کو غزوۂ بدر الکبریٰ۔ غزوۂ بدر العظمٰی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن رب قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن حکیم میں اسے یوم الفرقان کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ یعنی وہ دن جب حق اور باطل کے درمیان فرق آشکارا ہو گیا اندھوں اور بہروں کو بھی پتہ چل گیا کہ حق کا علمبردار کون ہے اور باطل کا نقیب کون۔

سورۃ انفال کی آیت 41 میں ارشاد حاکم الحاکمین خالق ومالک کائنات ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ (سورۃ انفال آیت 41)

ترجمہ: ''اور جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔''

ایک دوسری آیت سورہ دخان کی آیت 16 میں اسے یوم بطشۃ الکبریٰ بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ (سورۃ دخان آیت 16)

ترجمہ: ''جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے۔ اس روز ہم ان سے بدلہ لے لیں گے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ انفال کی آیات 1 تا 19، 26، 41 تا 49، 67 تا 71 میں، اور سورۃ آل عمران کی آیات 13، 124 تا 127 میں اور سورۃ حج کی آیات 19 تا 24 میں غزوۂ بدر کا ذکر فرمایا ہے۔

اس قدر تفصیل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اسی غزوے کو اپنے کلام مبارک میں محفوظ فرمایا ہے جس سے اس کی اہمیت ثابت کرنا مقصود ہے۔ بلاشبہ یوم الفرقان اور اس روز وقوع پذیر ہونے والا غزوۂ بدر پوری کائنات میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مدد وتوفیق سے میں کوشش کروں گا کہ سیرت اور تاریخ کی ماخذ کتابوں سے رہنمائی لیتے ہوئے آیات قرآن کریم اور ارشادات نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی روشنی میں اس غزوہ کے تفصیلی حالات آپ کی خدمت میں اس طرح بیان کروں کہ واقعات کا ربط اور تسلسل برقرار رہے تاکہ قارئین کرام قریش مکہ کے کفر وعناد، غرور اور تکبر اور فرزندان اسلام کے جذبہ ایثار وجانفروشی کا صحیح اندازہ لگاسکیں۔

23 شعبان سن 2 ہجری

ابوسفیان سالار قافلہ حالات حاضرہ کی وجہ سے بہت چوکنا تھا۔ اس نے ہر طرف اپنے مخبر پھیلائے ہوئے تھے۔ مدینہ اور مدینہ کے اطراف سے یہودیوں کا بھی بغرض تجارت شام آنا جانا رہتا تھا وہ بھی مسلمانوں کے بدخواہ تھے اور مشرکین مکہ سے تبادلہ خیالات، خبر واخبار ہوتا رہتا تھا۔ ایسے لوگ بھی ابوسفیان کو مسلمانوں کی حرکات وسکنات سے باخبر رکھے ہوئے تھے یا اس کے مخبر تھے۔

ابوسفیان کو حدود حجاز میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ اطلاع مل چکی تھی کہ جب تمہارا قافلہ مکہ سے ملک شام گیا تھا تو مسلمانوں نے اپنے نبی (ﷺ) کے ہمراہ بدر میں آکر تمہارے قافلے کو روکنا چاہا تھا اور وہ اس غرض سے بستی ذی العشیرہ تک پہنچ بھی گئے تھے پھر تمہارے قافلے کی بدر سے ایک دو دن پہلے گزر جانے کی اطلاع پاکر واپس ہو گئے۔

اب مخبر نے ابوسفیان کو یہ بھی اطلاع دی کہ یقیناً واپسی پر مقام بدر پر پھر تمہارا راستہ روکا جائے گا اس طرح سے مسلمان اہل مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کریں گے۔

ابھی مقام بدر کوئی 800 کلومیٹر دور تھا اور مکہ کوئی 1300 کلومیٹر دور کہ ابوسفیان نے قبیلہ غفاری کے ایک ماہر شتر سوار ضمضم غفاری کو بیس مثقال سونا بطور اجرت دیا اور اسے کہا کہ وہ برق رفتاری سے مکہ پہنچے اور قریش مکہ کو آگاہ کرے کہ تمہارے تجارتی قافلے کو مسلمانوں کے ہاتھوں بدر کے مقام پر لٹ جانے کا قوی خطرہ ہے مسلمان قافلے کے انتظار میں ہیں اس قافلہ کو بچانے کے لیے فوراً پہنچیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس قافلے کی سلامتی سے واپسی قریش مکہ کی بہت بڑی ضرورت و خواہش تھی کیونکہ قبیلہ قریش کا کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جس نے اپنے مقدور کے مطابق' اپنی حیثیت کے مطابق اس قافلہ میں سرمایہ نہ لگایا ہوا۔

ضمضم کے پہنچنے سے پہلے مکہ میں خواب عاتکہ

ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے یعنی کہ اندازاً یکم رمضان بروز بدھ کی رات کو حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا جس نے انہیں ہراساں کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عباس کو بلا بھیجا۔ آپ آئے تو عاتکہ نے کہا۔ بھائی جان! بخدا میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے حد درجہ خوف زدہ کر دیا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی آفت نازل ہونے والی ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ اس راز کو افشا نہ کریں گے تو میں آپ کو بتاتی ہوں۔ عباس نے راز افشا نہ کرنے کا وعدہ کیا آپ نے اپنا خواب یوں بیان کرنا شروع کیا۔

میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح وادی (وادی میں کھلا میدان) میں آ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا۔

''اے دھوکا بازو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دنوں کے اندر اندر دوڑ کر آؤ۔''

میں نے دیکھا کہ لوگ اس شتر سوار کے پاس جمع ہو گئے پھر وہ مسجد میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہے۔ اس شخص نے وہی نعرہ بلند کیا۔ پھر میں نے اس اونٹ کو جبل ابی قبیس کے اوپر کھڑا ہوا دیکھا۔ وہاں جا کر اس شتر سوار نے پھر وہی نعرہ لگایا۔ اور ایک بھاری بھرکم چٹان کو نیچے لڑھکا دیا۔ جب وہ لڑھکتی ہوئی نیچے پہنچی تو اچانک پھٹ گئی مکہ کا کوئی ایسا گھر نہ رہا جس میں اس چٹان کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔

یہ خواب سن کر عباس نے اپنی بہن کو کہا۔ کہ یہ تو بڑا اہم خواب ہے عاتکہ! کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اس کو پوشیدہ رکھنا عباس یہ کہہ کر وہاں سے نکلے۔ راستہ میں ان کی ملاقات ولید بن عتبہ سے ہو گئی یہ ان کا دوست تھا انہوں نے اس خواب کا ذکر ولید سے کر دیا اور اسے مخفی رکھنے کی تاکید کی۔ ولید نے اس کا ذکر اپنے باپ عتبہ سے کیا۔ اس طرح یہ راز افشا ہو گیا۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں شام کو حرم شریف میں طواف کرنے کے لیے گیا تو وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہے وہاں اس خواب کا تذکرہ ہو رہا ہے ابوجہل نے مجھے دیکھا اور کہا ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر میرے پاس آنا چنانچہ میں طواف سے فارغ ہوا تو اس کے پاس چلا گیا ابوجہل نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے بنو عبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟ میں نے اسے کہا تمہارا اس سے کیا مطلب ہے!
اس نے کہا میں اس خواب کا ذکر کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کہا اس نے کیا دیکھا۔ ابوجہل نے کہا اے عبدالمطلب کی اولاد! تم اس پر مطمئن نہیں کہ تم میں ایک نبی ظاہر ہوا اور اب تمہاری عورتوں نے نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔
پھر اس نے کہا عاتکہ کا کہنا ہے کہ اس شتر سوار نے تین دن کے اندر نکلنے کے لیے کہا۔ ہم تین دن انتظار کریں گے۔ اگر ان تین دنوں کے اندر اس کا یہ خواب سچا نہ ہوا تو ہم یہ لکھ کر ہر جگہ چسپاں کر دیں گے۔
''کہ ملک عرب میں تمہارا گھرانہ سب سے جھوٹا گھرانہ ہے'' مجھے بے بس ہو کر اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے غصہ سے اسے کہا کہ اے بزدل! جھوٹ تجھ میں ہے یا تیرے خاندان میں۔

عباس کہتے ہیں کہ شام کو میں گھر گیا بنی عبدالمطلب کی کوئی خاتون باقی نہ رہی جس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ نہ پلائی ہو اور یہ نہ کہا ہو۔

''پہلے وہ خبیث فاسق تمہارے مردوں پر الزام تراشی کرتا رہا تو تم نے اسے برداشت کر لیا اب وہ تمہارے خاندان کی خواتین پر بہتان لگا رہا ہے اور تم خاموشی سے سن رہے ہو۔ تم میں اتنی غیرت بھی نہیں کہ اس کا منہ توڑ جواب دے سکو۔'' (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 382)
میں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور اگر اس نے پھر کوئی ایسی بات کہی تو میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔

4 رمضان سن 2 ہجری بروز ہفتہ

اس واقعہ کے تیسرے روز میں پھر حرم شریف میں گیا۔ آج میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ اگر ابوجہل سے میری ملاقات ہوئی تو میں اس سے بدلا لے کر رہوں گا۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو مجھے ابوجہل نظر آیا۔ میں اس کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل بھاگا ہوا مسجد کے دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اور میرے ڈر سے باہر بھاگا جا رہا ہے درحقیقت یہ بات نہ تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو الغفاری کی چیخ سن لی تھی اور وہ ادھر دوڑا جا رہا تھا۔ میں بھی باہر آ گیا وہاں میں نے ضمضم کو وادی کے درمیان اپنے اونٹ پر سوار کھڑا ہوا دیکھ لیا۔ اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیئے تھے۔ اپنے کجاوے کو الٹا کر دیا اور اپنی قمیض آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالی تھی اور چیخ چیخ کر یہ اعلان کر رہا تھا۔
''اللطیمہ اللطیمہ اپنے اس قافلہ کو بچاؤ جس پر خوشبو، بزازی اور دیگر اموال تجارت لدے ہوئے ہیں مع

ابوسفیان اس پر حملہ کرنے کے لیے محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چڑھائی کر دی ہے۔ میرے گمان میں یہ نہیں کہ تم بروقت وہاں پہنچ جاؤ گے۔ فریاد پھر فریاد۔''

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 383۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 362)

اس نئے حادثہ نے مجھے بھی اور اسے بھی یوں مصروف کر دیا کہ پھر ہم اس موضوع پر کوئی بات نہ کر سکے۔

ضمضم کا یہ اعلان سننے کے بعد لوگوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ عاتکہ کے خواب کے باعث ہر ایک پر خوف و ہراس طاری تھا۔ کفار مکہ ڈینگیں مارنے لگے اور شیخی بگھارنے لگے۔ محمد (ﷺ) اور اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر ایک کو حضرمی والا قافلہ سمجھ رکھا ہے۔ اب جب ہم سے ٹکر لیں گے تو ان کو اپنی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

ابوسفیان کا قاصد ضمضم جب مکہ پہنچا تو اسی رات اس نے خواب دیکھا کہ وہ اونٹ پر سوار ہے اور ایک خون بھری وادی سے گزر رہا ہے۔ وہ اس خواب سے ڈر کر اٹھ کھڑا ہوا، اور جب صبح اس نے لوگوں کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا، تو انہوں نے اس کو عاتکہ کے خواب کی تصدیق قرار دیا۔ اور اکثریت نے یہی کہا کہ قریش پر کوئی بڑی آفت آنے والی ہے، لیکن صرف ابوجہل ہی تھا، جو نہ کچھ سنتا تھا، نہ ہی سوچتا تھا۔ اس پر صرف مسلمانوں کی دشمنی سوار تھی، وہ ان سے جنگ کرنا چاہتا تھا، جنگ کو بہت ہی معمولی کام سمجھتا تھا۔ اس نے یہ خواب بھی ہنسی مذاق میں اڑا دیا۔

قبیلہ قریش میں جوش و خروش کا ایک عجیب عالم تھا۔ ان میں سے ہر ایک خود اس جنگ میں شریک ہونے کے لیے بے تاب تھا۔ اگر کسی مجبوری کے باعث خود جانے سے قاصر تھا تو اپنے قائم مقام ایک جواں کو بھیج رہا تھا۔ جو لوگ مالی لحاظ سے مضبوط تھے۔ وہ نادار افراد کی مالی اعانت کر کے انہیں سامان جنگ کے لیے اونٹ مہیا کر رہے تھے۔ قریش کے رؤساء عام لوگوں کو بھی مشتعل کر رہے تھے کہ وہ اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں سہیل بن عمرو جو مکہ کا رئیس اعظم تھا وہ لوگوں کو یہ کہہ کر برانگیختہ کر رہا تھا۔

''کیا تم محمد (ﷺ) اور یثرب کے بے دینوں کو اس بات کی اجازت دے دو گے کہ وہ تمہارے مال لوٹ کر لے جائیں جس شخص کو دولت کی ضرورت ہو تو میری دولت اس کے لیے حاضر ہے اور جس شخص کو اسلحہ کی ضرورت ہو تو وہ میرے اسلحہ خانہ سے اسلحہ لے سکتا ہے۔''

اس کے اعلان پر امیہ بن ابی صلت نے اس کے بارے میں مدحیہ قصیدہ لکھا۔ نوفل بن معاویہ، مکہ کے اہل ثروت کے پاس گیا اور انہیں اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس لشکر کے لیے کھل کر مالی امداد دیں اور فوجیوں کی سواری کے لیے اونٹ مہیا کریں۔ نوفل کی باتیں سن کر عبداللہ بن ابی ربیعہ بولا۔

یہ لو پانچ سو اشرفیاں۔ جہاں مناسب سمجھتے ہو خرچ کرو۔ عویطب بن عبدالعزیٰ نے تین سو اشرفیاں پیش

کیں۔ طعیمہ بن عدی نے بیس اونٹ پیش کئے اور یہ وعدہ کیا کہ جو لوگ جنگ کے لیے جائیں گے وہ ان کے اہل و عیال کی جملہ ضروریات پوری کرے گا۔

الغرض ابوجہل نے تمام سرکردہ لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلیں حتیٰ کہ اس نے قبیلہ بنو ہاشم کے جو افراد مکہ میں موجود تھے ان کو بھی معاف نہ کیا ان میں سے بھی حضرت عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب کو مجبور کیا کہ وہ اس لشکر میں شامل ہوں۔

قصہ مختصر ہر قریشی یا خود اس لشکر میں شامل ہوا یا کسی شخص کو اپنے قائم مقام بھیجا مکہ کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد ابولہب کے پاس گیا اس نے لشکر میں شریک ہونے سے تو صاف انکار کر دیا البتہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنی جگہ بھیجا۔ عاص ابولہب کا مقروض تھا چار ہزار درہم اس کے ذمہ واجب الاداء تھے وہ افلاس کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا تھا ابولہب نے اسے کہا کہ اگر تم میری جگہ اس لشکر میں شریک ہو تو میں تمہیں چار ہزار درہم کی خطیر رقم معاف کر دوں گا۔ چنانچہ عاص اس بات پر رضامند ہو گیا اور ابولہب کے قائم مقام لشکر میں شریک ہوا۔ دراصل عاتکہ کے خواب نے اس کو حواس باختہ کر دیا تھا وہ کہتا تھا۔ کہ عاتکہ کا خواب یقینی سچا ہے۔

امیہ بن خلف، جو مکہ کا رئیس اعظم تھا اور اپنی قوم میں معزز و محترم تھا اس نے بھی جنگ میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک روز وہ اپنی قوم کے پاس حرم میں بیٹھا ہوا تھا کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اس کے ہاتھ میں کانگڑی (چھوٹی انگیٹھی) تھی جس میں کچھ انگارے تھے اس نے ان پر بخور ڈالا ہوا تھا اس نے اسے امیہ کے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہا محترمہ! آپ دھونی لیں آپ مرد نہیں عورت ہیں۔

دراصل ابوجہل نے عقبہ کو ایسا کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ عقبہ احمق شخص تھا۔ امیہ نے اسے خوب گالیاں سنائیں پھر ابوجہل خود اس کے پاس آیا اور اسے کہا اے ابوصفوان! (امیہ کی کنیت) تم اس علاقہ کے سردار ہو جب لوگ دیکھیں گے کہ تم اس جنگ میں شرکت نہیں کر رہے تو وہ بھی شرکت سے باز رہیں گے اور اس سے برا اثر پڑے گا۔ آپ ایسا کریں کہ یہاں سے ہمارے ساتھ روانہ ہوں ایک دو روز کے بعد بے شک آپ واپس چلے آئیں۔ امیہ کے خوفزدہ ہونے کی وجہ وہ دھمکی تھی جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے بتائی تھی۔ اس کے بارے میں آپ تفصیل پڑھ آئے ہیں۔

امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ۔ زمعہ بن اسود۔ عمیر بن وہب، حکیم بن حزام وغیرہ اکابر مکہ فال نکالنے کے لیے اپنے بڑے بت ہبل کے پاس اکٹھے ہوئے۔ جب انہوں نے فال نکالی تو وہ تیر نکلا جس میں جنگ میں شرکت کی ممانعت تھی چنانچہ انہوں نے جنگ میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابوجہل نے ان کو اتنا مجبور کیا کہ وہ بادل نخواستہ لشکر میں شمولیت پر آمادہ ہو گئے۔

عداس کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں یہ عتبہ اور شیبہ کا غلام تھا۔ اس نے طائف میں حضور کی خدمت میں انگور پیش کئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا جب اس کے آقا ربیعہ کے دونوں فرزند عتبہ اور شیبہ جنگ پر روانہ ہونے لگے تو از راہ خیر اندیشی عداس نے کہا۔

''میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں۔ تم اپنی قتل گاہوں کی طرف روانہ ہو رہے ہو بہتر ہے کہ یہ ارادہ ترک کر دو۔''

انہیں بھی ابو جہل نے مجبور کیا اور وہ اس خیال سے روانہ ہوئے کہ چند روز بعد واپس آ جائیں گے۔

یہ ناممکن ہے

قارئین کرام! مانا کہ کفار مکہ، مشرکین قریش عرصہ دراز سے اور خصوصاً گزشتہ 1½ سال سے مسلمانوں کو مدینہ جا کر ان کے گھروں میں نیست و نابود کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس حقیقت کے باوجود یہ نہیں مانا جا سکتا کہ ادھر ضمضم نے مکہ میں قافلے کی مدد کے لیے اہل مکہ کو بلایا اور ادھر کفار، قریش مکہ اسی وقت، اسی دن قافلے کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے۔ اتنی جلدی ایک لشکر کا تیار ہو کر چل پڑنا ناممکن ہے۔

1300 جنگجو افراد کو اکٹھا کرنے، مختلف قبائل سے رابطہ کرنے، انہیں بغرض جنگ اپنے ساتھ چلنے کے لیے قائل (آمادہ) کرنے، ان سب کے لیے سامان حرب و خور و نوش کے ساتھ گھوڑوں، اونٹوں اور مال برداری کے جانوروں اور ان کے لیے خوراک، دانہ پانی چارہ کے انتظامات کرنے اور انہیں سلیقے سے یک جا کرنے میں کم از کم ایک دو دن تو لگ ہی گئے ہوں گے۔ یعنی کہ جس دن ضمضم مکہ پہنچا (4 رمضان بروز ہفتہ) وہ دن اور اس کے بعد کے ایک دو دن (یعنی کہ 5 اور 6 رمضان) تو ضرور بالضرور جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے ہوں گے اور پھر 7 رمضان بروز منگل صبح سویرے مشرکین مکہ کا لشکر اپنے تجارتی قافلے کی مدد کے لیے سوئے مدینہ روانہ ہوا ہوگا۔ آپ اس چارٹ کو ایک دفعہ پھر دیکھ لیں۔ 7 رمضان بروز منگل لشکر کفار کا مکہ سے روانہ ہونے' بدر پہنچ جانے اور 17 رمضان بروز جمعہ غزوۂ بدر کا وقوع پذیر ہو جانے تک کی تاریخوں اور ان تاریخوں میں لشکر کفار کے سفر کے متعلق تو کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے۔

الحمد للہ کہ ابن کثیر، ابن ہشام، احمد بن زینی دحلان اور دیگر معروف و مستند سیرت نگاروں نے، تاریخ دانوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ ''تین روز تک یہ لشکر سفر پر جانے کی تیاری کرتا رہا'' اور مکمل تیاری کے بعد سوئے مدینہ روانہ ہوا۔

میں نے جو چارٹ برائے آمد ضمضم اور روانگی لشکر کفار بنایا ہے وہ بہت غور و غوض و تحقیق کے بعد بنایا ہے اور وہ ابن ہشام، ابن کثیر، احمد بن زینی دحلان جیسے معروف و مستند سیرت نگاروں سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس لیے میں اپنی اس کتاب میں اسی چارٹ کے مطابق تاریخ وار لشکر کفار کی روانگی و آمد در علاقہ مقام بدر' لکھوں گا

تا کہ قارئین کرام کو غزوۂ بدر و تاریخ اسلام کو سمجھنے میں یاد رکھنے میں اور آگے بیان کرنے میں آسانی رہے۔

تین روز تک یہ لشکر اس سفر پر جانے کی تیاری کرتا رہا جب تیاریاں مکمل ہوگئیں جنگ جو بہادروں کا ایک لشکر جرار، اس کے لیے سامان جنگ اور سواری کے جانور فراہم ہوگئے تو انہوں نے عزم سفر کیا قریش مکہ کی فوج کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے جن پر سو (100) زرہ پوش سوار تھے۔ پیدل سپاہیوں کے لیے زرہیں ان کے علاوہ تھیں۔ اس روز ان کا علمبردار صائب بن یزید تھا۔ (صائب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعد میں نعمت ایمان عطا فرمائی۔ اور ان کی پانچویں پشت میں حضرت امام شافعی جیسی دنیائے اسلام کی عظیم ہستی پیدا ہوئی)

یہ لشکر کس شان سے مکہ سے روانہ ہوا؟ اس کے بارے میں تمام مورخین نے یوں لکھا ہے۔

''ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں تھیں جو دفیں بجا رہی تھیں انہیں جوش دلانے کے لیے گیت گا رہی تھیں اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار سنا کر ان کی آتش غضب کو اور بھڑکا رہی تھیں نیز کفار مکہ جب مکہ سے نکلے تو غرور نخوت کا پیکر بنے ہوئے تھے۔''

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد 1 صفحہ 364۔ دلائل النبوۃ البیہقی جلد 3 صفحہ 32، بدر الکبریٰ، صفحہ 48)

ابلیس، سراقہ بن مالک کی شکل میں

جب تیاریاں مکمل ہوچکیں تو اچانک ایک خیال نے سرداران قریش کو پریشان کر دیا۔ قریش نے بنی کنانہ کے ایک بوڑھے شخص کو قتل کر دیا تھا۔ ان کے علاقہ سے قریش کا ایک خوبرو جوان گزرا انہوں نے اسے پکڑا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کچھ عرصہ بعد ''مرالظہران'' سے بنی کنانہ کا ایک سردار عامر نامی گزر رہا تھا۔ مقتول قریش کے بھائی نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ اور اس کی تلوار لے کر مکہ آیا اور اسے غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکا دیا۔ جب صبح ہوئی تو قریش نے ایک تلوار غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکتی ہوئی دیکھی انہوں نے پہچان لیا کہ یہ بنو کنانہ کے سردار عامر کی تلوار ہے انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ فلاں قریشی نے عامر کو قتل کیا ہے۔ اب انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مکہ سے اتنے دور چلے جائیں اور بنو کنانہ ہمارے گھروں کو خالی پا کر حملہ کر دیں ہمارے اہل و عیال کو قید کر کے اور ہمارے مال و اسباب لوٹ کر لے جائیں۔ انہوں نے سوچا کہ ایسے حالات میں ان کا باہر جانا بڑا خطرناک ہے چنانچہ انہوں نے اس مہم کو ترک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اچانک ابلیس ملعون سراقہ بن مالک المدلجی کی شکل میں ظاہر ہوا اور انہیں تسلی دی کہ بنو کنانہ ان پر حملہ آور نہیں ہوں گے اور اپنے آپ کو اس بات کا ضامن بنایا۔ اس نے انہیں کہا۔

''میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جو تمہیں

ناپسند ہو۔"

اس نے ایک اور یہ جھوٹ بھی بولا۔ کہ بنو کنانہ تو تمہاری امداد کے لیے آنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔قرآن کریم کی سورۂ انفال کی آیت مبارکہ 48 میں شیطان کی اس مکاری کا تذکرہ ہے۔

فال کی خبر

مشرکین میں، ہر کام کرنے سے پہلے فال نکالنے کا رواج بہت پرانا ہے اور اب تک ہے، مشرکین مکہ بھی کوئی کام کرنے سے پہلے فال ضرور نکالتے تھے۔ اور اسی کی خبر پر عمل کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے اہم کام صرف اس لیے نہ کرتے تھے کہ فال سے ان کے کرنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اتنے بڑے قافلہ کی روانگی کے لیے بھلا فال کیسے نہ نکالی جاتی۔ پس مشرکین جمع ہوئے، خوب چڑھاوے لے کر، اپنے گرو، ہبل کے گرد، اور اپنے طریقوں کے مطابق فال کے تیر نکالنے شروع کیے۔ اور آخر کار فال نے، یا ان کے گرو نے واضح اعلان کر دیا، کہ مکہ سے باہر مت نکلو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ، جب کسی کی شامت آ ہی جاتی ہے تو اس کی عقل ونظر سب پر، پردے پڑ جاتے ہیں، وہی ہوا، کہ ابوجہل نہ مانا، آج اپنے خدا کی بھی نہیں مان رہا تھا۔ وہ کیسے مانتا خدائے حقیقی کا تو کچھ اور ہی فیصلہ ہو چکا تھا۔ پھر کئی بار فال نکالی گئی اور ہر مرتبہ، بربادی کی خبر ملی، لیکن جب مقدر ہی پھوٹ چکا ہو تو فال کیا کرے۔ شیطان نے بھی انہیں حوصلہ دیا۔ اس کا ذکر سورۂ انفال کی آیت 48 میں یوں فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ج

ترجمہ: "اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال اور انہیں کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا۔" (سورۃ انفال آیت 48)

7 رمضان بروز منگل

اب لشکر کفار کی مرحلہ وار روانگی یا سوئے مدینہ پیش رفت اور اس دوران وقوع پذیر ہونے والے دیگر واقعات کو سلسلہ وار بیان کیا جائے گا۔

مشرکین مکہ، قریش مکہ نے ضمضم کے آنے کے بعد دو دنوں میں 5 رمضان بروز اتوار اور 6 رمضان بروز سوموار کی رات تک جلدی جلدی اپنی لشکرکشی کی تیاری مکمل کر لی اور 7 رمضان بروز منگل علی الصبح مکہ سے سوئے مدینہ نکل پڑے۔ انہوں نے منگل کی رات اپنا پہلا پڑاؤ "مرالظہران" میں کیا اور گانے بجانے کی محفل جمائی اور سارے لشکر کی خاطر ومدارات کے لیے اس رات ابوجہل بن ہشام نے دس اونٹ ذبح کیے۔

لشکر میں بدشگونی اور بنی عدی کی واپسی...... قریشی لشکر جب مکہ سے چلا تو جس نے اونٹ ذبح کیے وہ

ابوجہل ہی تھا، اس نے دس اونٹ ''مرالظہران'' کے مقام پر ذبح کئے تھے، ان میں سے کچھ اونٹ پوری طرح ذبح نہیں ہو سکے اور اٹھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور زخمی حالت میں لشکر کے درمیان چکراتے پھرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں بچا جس میں ان کا خون نہ پہنچا ہو۔ کتاب امتاع میں یوں ہی ہے۔

ان کے ساتھ بنی عدی کے جو لوگ تھے وہ یہ واقعہ دیکھ کر یہیں سے واپس ہو گئے کیونکہ انہوں نے اس کو بڑی بدشگونی سمجھا۔ اور باقی ماندہ اہل لشکر کفار حسب پروگرام و معمول دوسری صبح اٹھ کر اگلی منزل کے لیے سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

8 رمضان بروز بدھ

دن بھر لشکر کفار اپنی اگلی منزل کی طرف رواں رہا۔ لشکر کفار نے بدھ کی رات کو اپنی دوسری منزل مقام عسفان پر پڑاؤ کیا اور گانے بجانے کی محفل جمائی۔ اس رات امیہ بن خلف نے لشکر کی خاطر و مدارات کے لیے نو اونٹ ذبح کئے اور حسب پروگرام صبح اٹھ کر اگلی منزل کے لیے سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

9 رمضان بروز جمعرات

دن بھر لشکر کفار اپنی اگلی منزل کی طرف رواں رہا اور شام کو اپنی اس تیسری منزل مقام ''قدید'' پر پڑاؤ ڈالا، اور رات بسر کی۔ اس رات بھی حسب خواہش و معمول ناچ گانے بجانے کی محفل جمی اور سارے لشکر کا کھانا، خاطر و تواضع سہیل بن عمرو نے کیا اس نے اس رات دس اونٹ ذبح کئے۔ اور حسب پروگرام صبح اٹھ کر اپنی اگلی منزل کے لیے سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

10 رمضان بروز جمعہ

لشکر کفار دن بھر اپنی اگلی منزل کی طرف رواں رہا اور اپنی اس چوتھی منزل کے لیے بھٹک کر (راستہ بھول کر) یا ارادتاً مزید تفریح کی خاطر' ساحل سمندر پر پہنچ گئے۔ وہیں پڑاؤ ڈالا اور رات گزاری۔ سمندر کے کنارے ناچ گانے بجانے کی خوب محفل جمی (یہاں بھٹک کر پہنچنے کے امکان اس لیے کم ہیں کہ راستے میں لشکر مشرکین کے ملنے والے لوگ ہی آباد تھے۔ ابوجہل اور دیگر سرداران مشرکین کا زیادہ اچھی تفریح کے لیے جی چاہا ہو گا اس لیے وہ ارادتاً ساحل سمندر پر جا پہنچے۔)

اس منزل پر شیبہ بن ربیعہ نے سارے لشکر کے کھانے پینے کی ذمہ داری نبھائی اور اس غرض سے اس نے اس رات 9 اونٹ ذبح کئے۔ لشکر کفار نے ساحل سمندر کی خنک و تازہ ہواؤں میں مزے دار رات گزاری اور حسب معمول صبح اٹھ کر اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گئے۔

11 رمضان بروز ہفتہ

لشکر کفار اپنی پانچویں منزل کے لیے سوئے مدینہ آگے بڑھتا رہا اور اس رات انہوں نے مقام ''جحفہ'' پر پڑاؤ کیا۔ اور رات گزاری۔ یہ لشکر کفار کی پانچویں منزل تھی۔ یہاں بھی حسب معمول وخواہش سردارانِ قوم ناچ گانے بجانے کی محفل جمی۔ اس رات لشکر کو کھانے دینے کی ذمہ داری عتبہ بن ربیعہ کی تھی، اس نے یہاں دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کی خاطر ومدارات کی۔

نوٹ

1- میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جحفہ کے مقام سے ابوجہل نے گانے بجانے والے واپس کر دیئے۔ مجھے یہ بات صحیح نہیں لگتی ہے کیونکہ اس معاشرے، اس ماحول وموقع وحالات میں ابوجہل جیسے لوگوں کی یہ سوچ نہیں ہوسکتی اور ایسا کرنے کے لیے کوئی جواز بھی موجود نہ تھا۔ اور اس کے صحیح نہ ہونے کی تصدیق آگے ابوجہل کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

2- مقام جحفہ تقریباً مکہ اور بدر کے درمیان واقع ہے اور مشرکین مکہ کا لشکر اب تک سوئے مدینہ تقریباً ڈیڑھ سو (150) کلومیٹر کا فاصلہ طے کر آیا تھا۔

3- ابھی لشکر کفار مقام جحفہ پر خیمہ زن تھا کہ ابوسفیان کا ایک پیغام رساں قیس بن امراء القیس سرداران قریش کے نام ایک اہم پیغام لے کر ان کے پاس مقام جحفہ میں پیش ہوا۔

قارئین کرام! کیونکہ یہ پیغام کئی طرح سے بہت اہم ہے مثلاً یہ جاننے کے لیے کہ مشرکین مکہ کا اصلی ہدف مدینہ میں ساکن مسلمان تھے نہ کہ اپنے قافلے کو بچانا مقصود تھا اور یہ کہ کچھ سرداران قوم مسلمانوں سے جنگ کرنا نہ چاہتے تھے لیکن ابوجہل کی ضد، ہٹ دھرمی نے سب کو جنگ کی آگ میں دھکیل دیا۔ اور یہ مذکورہ پیغام اور اس کے بعد فیصلے بھی مقام جحفہ پر 11 رمضان کی تاریخ میں ہوئے اس لیے لشکر کفار کی مقام جحفہ سے روانگی سے پہلے ابوسفیان، اس کے پیغام اور پیغام کے جواب میں سرداران قریش اور خاص طور پر ابوجہل کی مدینہ کی طرف بڑھنے کی ضد کے بارے میں حسب ذیل پیش خدمت ہے۔

اب ہم لشکر قریش کو اپنی اسی منزل وحالت پر چھوڑتے ہیں اور ابوسفیان اور اس کے قافلہ کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

ضمضم غفاری کو مکہ بھیجنے کے بعد ابوسفیان بے فکر نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی جاسوسی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اس نے عمومی راستہ (شاہراہ عام) کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو جاتا تھا۔ اور بڑی تیز رفتاری سے مسلسل مسافت طے کرنا شروع کر دی۔ اس طرز عمل سے وہ مسلمانوں کے حملہ کی زد سے

محفوظ ہو گیا۔ اس وقت اس نے قیس بن امرؤ القیس کو قریش کے لشکر کو یہ پیغام دینے کے لیے بھیجا کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ مسلمانوں کے حملہ کے خطرہ سے محفوظ ہو گیا ہے قافلہ کی حفاظت اور امداد کے لیے اب لشکر کی ضرورت نہیں۔ اس لیے آپ لوگ (لشکر کفار) مکہ واپس لوٹ جائیں۔

جب ابوسفیان کا قاصد پیغام لے کر پہنچا تو کفار کا لشکر جحفہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ جحفہ مکہ سے تین چار منزل کی مسافت پر ہے اس نے وہ پیغام لشکر کے سپہ سالار ابوجہل کو پہنچا دیا۔ لیکن اس فرعون مزاج قریشی نے ابوسفیان کے مشورہ کی ذرا پروانہ کی۔ اور کہا۔

''بخدا ہم ہرگز (واپس) نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم بدر پہنچیں وہاں تین دن قیام کریں گے۔ اونٹوں کو ذبح کریں گے وہاں سارے لشکر کو کھانا کھلائیں گے۔ شراب کے جام پر جام لنڈھائیں گے ہماری کنیزیں سارنگیاں اور دفیں بجا کر رقص و سرود کی محفل گرم کریں گی سارا عرب ہمارے متعلق اور ہمارے سفر کے متعلق اور ہمارے لشکر کے بارے میں سنے گا پھر ہمیشہ کے لیے وہ ہم سے خوفزدہ رہیں گے۔ اے دوستو! بڑھتے چلے جاؤ۔'' (السیرۃ النبویہ، لابن ہشام جلد 1 صفحہ 618)

اگرچہ ابوجہل نے ابوسفیان کے مشورہ کو مسترد کر دیا لیکن کئی سلیم الطبع لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس پر غور کیا اور اس پر عمل کرنے میں ہی اپنی فلاح سمجھی۔ اخنس بن شریق الثقفی جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ وہ جحفہ کے مقام پر ہی بنی زہرہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا۔ تمہارے اموال بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچا لیے۔ تمہارا آدمی مخرمہ بن نوفل بھی بسلامت واپس پہنچ گیا۔ تم گھروں سے اس لیے نکلے تھے کہ مخرمہ کو بچاؤ اور اپنے اموال تجارت کی حفاظت کرو تمہارا وہ مقصد پورا ہو گیا اب تم اس جنگ کی آگ میں اپنے آپ کو بلا مقصد کیوں جھونکتے ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ تم واپس جاؤ۔ اگر کوئی تمہیں بزدلی کا طعنہ دے تو تم یہ الزام مجھ پر عائد کر دینا میں اس الزام سے خود نپٹ لوں گا۔

اخنس جو پکا کافر تھا اس میں یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی۔

علامہ مقریزی ''الامتاع'' میں اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ اس سفر میں اخنس نے تنہائی میں ابوجہل سے ملاقات کی اور اس سے پوچھا کیا محمد (ﷺ) تیرے خیال میں جھوٹے ہیں؟

''ابوجہل نے کہا: وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں حالانکہ ہم خود انہیں امین کہا کرتے تھے، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ عبد مناف کے پاس پہلے ہی سقایہ۔ رفادہ اور مشورہ کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں اگر ان میں نبوت بھی آ جائے تو ہمارے لیے کیا باقی رہے گا۔''

اخنس نے ابوجہل کی جب یہ بات سنی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ محض اقتدار کی جنگ ہے ابوجہل کے دل میں

بنو ہاشم کے بارے میں جو حسد اور بغض ہے محض اس لیے وہ محمد (حضور انور نبی کریم ﷺ) کی مخالفت کر رہا ہے چنانچہ اس نے بنو زہرہ کو سمجھایا اور انہیں اس جنگ میں شرکت نہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ بنی زہرہ کے جتنے افراد کفار کے لشکر میں شامل تھے وہ سب واپس چلے گئے اور بنو عدی قبیلہ کے افراد اس سے پہلے مرالظہر ان سے ہی واپس چلے گئے تھے۔

مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اخنس اور بنو زہرہ کس مقام پر لشکر کفار سے جدا ہوئے مقریزی کا خیال ہے کہ ابواء کے مقام پر یہ جدائی وقوع پذیر ہوئی لیکن اکثر مورخین طبری۔ ابن سعد وغیرہ کی رائے میں جحفہ کے مقام پر ہی بنو زہرہ واپس چلے گئے۔ تھے۔ (الامتاع جلد 1 صفحہ 79،80)

علامہ مقریزی کا مندرجہ بالا فرمانا بھی، تحقیق بھی صحیح ہوسکتی ہے کہ اخنس بن شریق نے ابوجہل سے دوران سفر یہ بات کی ہو اور اس کے نتیجہ میں اخنس بن شریق نے یہ بھلا قدم اٹھایا۔ اور اس کی وجہ ان دونوں کے درمیان اسی نوعیت کی پرانی بات چیت بھی ہوسکتی ہے۔ اور وہ پرانی بات یہ ہے کہ

ایک دن جب مکہ مکرمہ میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے کلام الٰہی سنا تھا تو اس نے اس کے متعلق ابوجہل سے رائے طلب کی تو ابوجہل نے اس حقیقت کو جھٹلانے کے بجائے یہ تاویل کی۔

اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا:

''اے ابوالحکم محمد (ﷺ) سے جو کچھ تم نے سنا، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میں نے کیا سنا؟ ہم میں اور بنی عبد مناف میں علو مرتبت کے متعلق کھینچا تانی ہوئی، انہوں نے کھانا کھلایا، ہم نے بھی کھانا کھلایا۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں' ہم نے بھی دیں۔ انہوں نے سخاوت کی ہم نے بھی کی۔ یہاں تک کہ ہم گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے (یعنی خوب کشمکش ہوئی) اور دونوں کی حالت شرط کے دو گھوڑوں کی سی ہوگئی۔ انہوں نے کہا ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ پس جب ہم ایسی حالت دیکھ رہے ہیں تو واللہ ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اسے سچا جانیں گے۔'' (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد، 1 صفحہ 316)

گویا ابوجہل حسد و کینہ کی آگ میں جل کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ''جس شخص کو ہم دنیاوی معاملات میں امین کہتے ہیں وہ بھلا اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سارے اعزازات یعنی سقایہ، افادہ، حجابہ، مشورہ، بنی عبد مناف کے پاس جمع ہوں اور پھر نبوت بھی انہی کو مل جائے تو ہمارے لیے باقی کیا رہ گیا؟ جس طرح یہود حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی پیدائش پر آپ ﷺ کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے اور کف افسوس ملتے پھرتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے گھر سے رخصت ہوگئی بالکل اسی طرح عرب قبائل کے بڑے بڑے سردار خصوصاً مشرکین مکہ کے سردار جن میں ابوجہل پیش پیش تھا اعلان نبوت کے

ساتھ حسد، کینہ اور طمع کی آگ میں جلنے لگے کہ نبوت کا حقدار ہمیں کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ آخر تمام اعزازات بنی عبدِ مناف ہی کا مقدر کیوں بنے ہیں۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو صادق امین کہنے والے ذاتی اغراض اور ان سے محرومیوں کے باعث آمادہ جنگ ہو گئے۔

یہ بات سن 10 نبوی سے پہلے کی ہے۔ اخنس بن شریق نے ابوجہل کی اس بات کو اپنے حافظے میں رکھا کیونکہ یہ اس کے لیے ایک نامعقول اور احمقانہ منطق تھی جس میں قبائلی عصبیت اور انا پرستی کی برائی کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ ابوجہل نے ابوسفیان کے پیغام اور دیگر سرداران قوم کی صائب، اچھی رائے (کہ اب آگے نہ جائیں) کو ٹھکرا دیا ہے اور ایسا کرنے کے لیے اس کے پاس سوائے انا پرستی اور قبائلی عصبیت کے کچھ اور نہیں ہے تو اس نے ہوش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بنی زہرہ کے ساتھ وہاں سے واپسی اختیار کر لی۔

حضرت ابوطالب کے بیٹے طالب بھی اس لشکر میں شریک تھے ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ اثنائے سفر کسی قریشی کے ساتھ ان کی گفتگو ہوئی اسی قریشی نے طالب کو کہا۔ بخدا! اے بنی ہاشم! ہم جانتے ہیں کہ بظاہر اگرچہ تم ہمارے ساتھ ہو لیکن تمہاری قلبی ہمدردیاں محمد (ﷺ) کے ساتھ ہیں یہ بات سن کر طالب کو بہت غصہ آیا اور اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ وہ بھی مکہ لوٹ گیا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 400)

12 رمضان بروز اتوار

ابوجہل نے ابوسفیان کے پیغام پر کان نہ دھرے اور کسی بھی سمجھانے والے کی بات نہ مانی کہ لشکر کو واپس مکہ لے جائیں اور حسب معمول لشکر کفار صبح مقام جحفہ سے اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گیا۔
لشکر نے دن بھر اپنا سفر سوئے بدر و مدینہ جاری رکھا اور شام تک اپنی چھٹی منزل مقام "ابوا" تک پہنچ گئے۔ وہیں پڑاؤ ڈالا اور رات بسر کی۔ حسب معمول یہاں بھی رات کو ناچ گانے بجانے کی محفل جمی۔ اس رات لشکر کی میزبانی الحجاج کے بیٹوں نبیہ اور منبہ کے حصہ میں آئی اور اس رات مقام ابوا پر ان دونوں بھائیوں نے مل کر دس اونٹ ذبح کیے اور لشکر مشرکین کی خاطر و مدارات کی۔

نوٹ:

1- 12 رمضان بروز اتوار بعد از ظہر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے 313 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بظاہر قافلہ ابوسفیان کی ناکہ بندی کے لیے نکلے تھے۔
2- لشکر کفار اس وقت تک سوئے مدینہ پونے دوسو (175) کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکا تھا اور وہ مسلسل چھ دن سفر کر چکے تھے اور مقام بدر تک پہنچنے کے لیے ابھی کوئی ایک سو پچیس (125) کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا

باقی تھا یا بالفاظ دیگر بدر تک پہنچنے کے لیے صرف تین دن کی مسافرت باقی تھی۔

حسب معمول اور با ارادہ بدر لشکر کفار بمع اپنے سرداروں اور بڑے لیڈر ابوجہل کے علی الصبح مقام ابوا سے اپنی اگلی منزل کے لیے سوئے بدر و مدینہ (یہی راستہ بدر سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کو بھی جاتا تھا) روانہ ہو گئے۔

13 رمضان بروز سوموار

لشکر کفار حسب معمول سارا دن سوئے بدر چلتا رہا، مسافت طے کرتا رہا اور شام پڑے ایک نامعلوم مقام پر خیمہ زن ہو گیا (پڑاؤ ڈال دیا)۔ یہ لشکر کفار کی ساتویں منزل تھی نزدیک کوئی قابل ذکر آبادی یا گاؤں نہ تھا اس لیے یہ منزل بے نام ہی رہی۔

ساتویں منزل یا ساتویں پڑاؤ کی رات کی میزبانی قریش کے ایک سردار بنام عباس بن عبدالمطلب کے حصہ میں آئی۔ عباس بن عبدالمطلب نے لشکر کے طعام خورونوش کے لیے اس رات دس اونٹ ذبح کیے اور باقی سرداروں کی طرح خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داری نبھائی۔ یہاں بھی رقص و سرور کی محفل جمی اور دوسرے دن علی الصبح حسب معمول لشکر قریش اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گیا۔

14 رمضان بروز منگل

لشکر کفار حسب معمول سارا دن سوئے بدر گامزن رہا، مسافت طے کرتا رہا اور شام پڑے ایک نامعلوم مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ لشکر کفار کی آٹھویں منزل تھی۔ اس کے نزدیک کوئی آبادی یا گاؤں نہ تھا اس لیے یہ منزل بھی بے نام رہی۔ بھلا رقص و سرور کے رسیا سرداروں کی یہ رات ناچ گانے بجانے کے بغیر تو نہ گزری ہوگی خاص طور پر سفر کے بعد جنگجو نوجوانوں کی تو یہ بہت بڑی تفریح تھی جس کے ذریعہ ابوجہل ان کے حوصلے بلند رکھے ہوئے تھا اور وہ سوئے مدینہ شوق سے گامزن تھے۔ یہاں لشکر کی ضیافت کے لیے حارث بن عامر بن نوفل نے نو اونٹ ذبح کیے اور اپنی سرداری کا حق ادا کر دیا۔ رات گزاری کے بعد لشکر کفار حسب معمول علی الصبح اپنی اگلی منزل (بدر) کے لیے روانہ ہو گیا۔

15 رمضان بروز بدھ

حسب معمول لشکر کفار پچھلی نامعلوم منزل سے بدھ کی صبح اپنی اگلی منزل کے لیے چل پڑا۔ اب بدر کا فاصلہ کوئی تیس (30) کلومیٹر رہ گیا تھا اس لیے اب ان کی اگلی منزل جو کہ نمبر کے لحاظ سے نویں منزل بنتی تھی قصبہ بدر یا علاقہ بدر ہی تھی۔ شام پڑتے پڑتے لشکر کفار قصبہ بدر کے قریب پہنچ گیا اور قصبہ سے، آبادی سے کچھ فاصلے پر ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ آج 15 رمضان کی تاریخ اور یہ بدھ کی رات تھی اور لشکر کفار کی قصبہ بدر کے نزدیک

علاقہ بدر میں یہ پہلی رات تھی۔

نویں منزل پر نویں رات کے خور و طعام، خاطر و مدارات و ضیافت لشکر کی باری قریش کے سردار ابوالبختری بن ہشام کی تھی۔ اس نے اس مقصد کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔

16 رمضان بروز جمعرات

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ لشکر کفار 15 رمضان کو بدھ کی شام تک مقام بدر پر پہنچ گیا تھا اور بدھ کی رات انہوں نے علاقہ بدر میں قصبہ بدر کے نزدیک ہی خیمے لگائے، خیمہ زن ہوئے اور رات گزاری۔

اب 16 رمضان کی صبح یعنی کہ جمعرات کے دن صبح انہوں نے حسب معمول سابق اپنا سفر مقام بدر سے آگے جاری نہ کیا بلکہ وہیں جمعرات کا دن گزارا۔

16 رمضان کو جمعرات کے دن عصر کے بعد لشکر مدینہ بھی، لشکر اسلام بھی، مقام بدر پر پہنچ گیا اور لشکر کفار کی مخالف سمت میں ان سے چھ سات سو میٹر دور خیمہ زن ہوگیا یا پڑاؤ ڈال دیا۔

لشکر کفار کی مقام بدر پر یہ دوسری (اور آخری) رات تھی اور لشکر کی خاطر و مدارات خور و طعام کی یہ دسویں رات تھی۔ اس رات مقیس انجمی نے ضیافت لشکر کفار کے لیے، نو اونٹ ذبح کیے اور اپنی سرداری کا حق ادا کیا۔

ابوسفیان کی مکی لشکر میں شمولیت

روایات میں ہے کہ ابوسفیان قافلہ تجارت کو لے کر بحفاظت مکہ پہنچ گیا، اسے یہ خبر ملی کہ اخنس بن شریق اپنے تین سو آدمی لے کر راستے ہی سے واپس آ گیا ہے تو اس نے بنی زہرہ کے متعلق یہ جملہ کہا

"اے بنی زہرہ! نہ قافلے میں نہ جنگ میں۔"

ابوسفیان کا یہ جملہ ضرب المثل بن گیا، اس ضرب المثل سے بھی کفار کے جنگی جنون کا اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کا بھوت کس حد تک ان کے اعصاب پر سوار تھا۔ ابوسفیان قافلے کے معاملات نمٹانے کے بعد ضروری تیاری کر کے بدر کے میدان میں لشکر کفار سے آملا۔

جناب محمد احمد باشمیل اپنی تصنیف غزوۂ بدر الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ ابوسفیان لشکر مشرکین مکہ میں شامل ہو کر بدر پہنچا۔ اس نے جنگ میں حصہ لیا اور وہ زخمیوں میں شامل تھا۔ یعنی کہ وہ اس جنگ کے دوران زخمی ہوگیا تھا اور زخموں کے ساتھ مکہ واپس پہنچ گیا۔

(باشمیل۔ محمد احمد، معرکہ بدر الکبریٰ۔ (عربی)۔ ح۔س۔ ص 152: انگریزی ترجمہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور 1971ء۔ ص 104)

قارئین کرام! جیسا کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں قریش مکہ لشکر کفار کی شکل میں 15 رمضان بروز بدھ کی شام تک مقام بدر میں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بدھ کی ساری رات اور 16 رمضان سن 2 ہجری، جمعرات کا

سارا دن اور رات بدر میں گزارا اور انہوں نے پڑاوٗ وادی بدر کے مشرق کی جانب ریت کے ایک بڑے ٹیلے (سفید ریت کے پہاڑ نما بڑے تودے) کے پیچھے ڈالا تھا۔

ابوجہل نے تو ابوسفیان کا مشورہ اور اس کے بعد دیگر سرداران قوم کے ان مشوروں کو کہ اب جب کہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بحفاظت بچ کر نکل آیا ہے ہمیں آگے نہیں بڑھنا چاہیے کہ اس مقام (مقام جحفہ) سے ہی واپس مکہ چلے جانا چاہیے، بڑی فرعونیت سے رد کر دیا تھا اور اس نے بڑے تکبر اور غضب سے کہا کہ خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے۔ ہم بدر تک جائیں گے اور تین دن وہاں ٹھہریں گے اور اونٹ ذبح کریں گے اور کھانا کھائیں گے اور شراب نوشی کریں گے اور گلوکارائیں ہمارے لیے گانے گائیں گی اور ناچ گانے کی خوب محفلیں سجیں گی۔ عرب ہمارے متعلق، ہماری لشکرکشی کے متعلق اور ہمارے لشکر اور ساز و سامان حرب کے متعلق سنیں گے تو وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔

ابوجہل نے مقام بدر پر خیمہ زن ہونے کے بعد دونوں راتوں میں عیش و طرب کے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا، لشکر کی ضیافتیں کیں۔ 15 رمضان، بدھ کی رات ابوالبختری بن ہشام نے دس اونٹ ذبح کیے اور 16 رمضان، جمعرات کی رات مقیس الجمحی نے نو اونٹ ذبح کر کے لشکر کی ضیافت کی اور ابوجہل کے ارادوں و خواہشات کے مطابق دونوں راتوں میں شراب نوشی ہوئی اور ناچ گانے بجانے کی محفلیں سجیں۔

15 رمضان بدھ کی رات (جب لشکر کفار بدر میں تھا) کو لشکر قریش کے ایک فرد جس کا نام جہم تھا، نے ایک خواب دیکھا اور صبح اٹھ کر اس نے اپنے اس خواب کا ذکر سرداران قریش سے کر دیا۔ خواب سننے والوں میں ابوجہل بھی تھا۔

پھر 16 رمضان بروز جمعرات، دن کے کسی وقت جہم نے جو خواب کچھ سرداران مشرکین اور اپنے ساتھیوں کو سنایا وہ تاریخ کی کتابوں میں یوں درج ہے۔

قریش کے ایک لشکری جہم کا خواب

قریش کے ساتھ بنی مطلب ابن عبد مناف میں کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہم ابن صلت تھا۔ یہ غزوہ خیبر کے سال میں مسلمان ہو گئے تھے اور حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے ان کو تیس وسق وزن کا مال دیا تھا (عرب کا ایک وزن جو ساٹھ صاع کا ہوتا تھا اور ایک صاع ساڑھے تین سیر یا تین کلو کا ہوتا ہے، وسق ایک اونٹ کے وزن کو بھی کہتے ہیں) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

غرض ایک دن لشکر میں یہ سونے کے لیے لیٹے۔ جیسے ہی ان کی آنکھ لگی کہ اچانک یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے:

''کیا تم نے وہ سوار دیکھا جو ابھی میرے سامنے آ کر رکا تھا۔''

لوگوں نے کہا نہیں (ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا) تو یہ کہنے لگے:

''ابھی میرے سامنے ایک سوار آیا تھا وہ یہاں رکا اور کہنے لگا کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، زمعہ، ابوالبختری، امیہ ابن خلف اور فلاں فلاں شخص قتل ہو گئے۔'' اس نے ان تمام سرداران قریش کے نام گنوائے جو غزوۂ بدر میں قتل ہوئے۔

پھر اس نے کہا کہ اس سوار نے پھر کہا کہ سہیل بن عمرو اور فلاں فلاں لوگ گرفتار ہو گئے اس نے ان سب لوگوں کے نام گنائے جو غزوۂ بدر میں گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے تھے۔

پھر جہم بن صلت نے کہا:

''پھر اس سوار نے اپنے اونٹ کے سینے میں ہتھیار مارا اور اسے قریشی لشکر (لشکر کفار) کی طرف دوڑا کر لے گیا۔ وہاں کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں بچا جس میں اس اونٹ کا خون نہ پہنچا ہو۔''

یہ عجیب وغریب بات سن کر ان کے ساتھیوں نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ شیطان آ کر کوئی دل لگی کر گیا ہے۔''

اس کے بعد جلد ہی یہ خواب تمام قریشی لشکر میں مشہور ہو گیا۔ جب ابوجہل نے سنا تو وہ بولا:

''اب بنی ہاشم کے ساتھ ساتھ بنی مطلب کا جھوٹ اور دروغ گوئی بھی سامنے آنے لگی ہے۔ کل تم دیکھ ہی لوگے کہ کون قتل ہوتا ہے؟''

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوجہل نے یہ خواب سن کر کہا:

''لو بنی مطلب میں یہ دوسرا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ کل پتہ چل جائے گا کہ کون مارا جاتا ہے ہم یا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی۔''

ایسا لگتا ہے کہ لشکر کفار نے 16 رمضان سن 2 ہجری جمعرات کا تمام دن جنگی منصوبہ بندی اور جنگ کی تیاریوں میں گزارا اور وہ جنگ کے لیے بہت بے تاب تھے کیونکہ 17 رمضان بروز جمعہ وہ سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی میدان جنگ میں پہنچ گئے اور مورچہ بندی شروع کر دی اور اپنے جاسوسوں کو مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے اور محفوظ دستوں یا فوری کمک کے دستوں کا اندازہ کرنے بھیج دیا۔

12 رمضان سن 2 ہجری بروز اتوار لشکر اسلام کی روانگی

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے لشکر اسلام، لشکر کفار سے ٹکرانے کے لیے، اس کا راستہ روکنے کے لیے مدینہ منورہ سے 12 رمضان بروز اتوار روانہ ہوا تھا جب کہ 12 رمضان تک لشکر کفار مدینہ کی راہ میں مقام ابوا تک آ چکا تھا اور مقام ابوا سے مقامِ بدر اب صرف تین دنوں کی مسافت پر رہ گیا تھا۔

گزشتہ اوراق میں لشکر کفار کو 16 رمضان سن 2 ہجری کی تاریخ تک سلسلہ وار بیان کر کے بدر تک لے آئے ہیں اور لشکر اسلام نے ابھی 16 رمضان بروز جمعرات بدر پہنچا ہے۔ آئیے اب ہم لشکر نبوی کی روانگی اور بدر تک پہنچنے کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے اب ہم آپ کو مدینہ منورہ لیے چلتے ہیں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب نبی، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضورِ انور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ اپنے قدسی صفات 313 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے سوئے بدر روانہ ہو رہا ہے لیکن اس سے پہلے چند اہم اور متعلقہ نکات پڑھ لیجئے۔

مقصد قافلے کا حصول نہ تھا

اس کے ثبوت میں اس باب کے آغاز میں اس کے متعلق مدلل اور تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ یہاں یاد دہانی کے لئے صرف اہم نکات کو دہرایا جا رہا ہے۔

1- یہ آیت مبارکہ کہ ''دو گروہوں سے ایک کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہارے لیے ہے۔'' پہلے نازل فرمائی جا چکی تھی۔
2- آپ ﷺ آسمانی اور زمینی ذرائع کی معرفت قافلہ اور لشکر کفار دونوں سے یکساں طور پر واقف تھے۔
3- اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس آیت کے ذریعے انتخاب کا موقع دیا۔
4- کفار کی دھمکیوں سے ظاہراً جنگ ناگزیر تھی۔
5- قافلے کا حصول تو آسان تھا لیکن فائدہ عارضی اور برائے نام تھا۔
6- لشکر کا حصول بظاہر مشکل تھا لیکن فائدے بہت زیادہ اور دیرپا تھے۔
7- آپ ﷺ نے قافلے کے مقابلہ میں حصول لشکر کفار کا انتخاب فرمایا۔
8- آپ ﷺ مشرکین مکہ کے جنگی جنون اور تیاریوں سے خوب آگاہ تھے۔
9- آپ ﷺ نے خلاف معمول اس دفعہ انصار صحابہ کو بھی ساتھ لیا۔
10- عورتوں اور 18 سال سے کم عمر لڑکوں کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ فرمائی۔
11- جو کم عمر لڑکے ساتھ چل پڑے تھے انہیں واپس فرما دیا۔
12- قافلہ کے حصول کے لیے صحابہ کرام کی اتنی بڑی تعداد کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔
13- قافلے کے نکل جانے کی اطلاع پر آپ ﷺ واپس نہ ہوئے۔
14- آپ ﷺ نے قافلے کو نہ محسوس ہونے والے طریقہ سے جانے دیا۔
15- عمیر بن وقاص کو اجازت کے ساتھ تلوار بھی دی۔
16- ایک دو دن بعد روزے چھوڑ دیئے گئے۔

17- مقام روحاً سے حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کو بطور نائب مدینہ بھیج دیا۔

18- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بستی سقیا پر سامان حرب زیب تن فرمالیا۔

19- قافلے کے لیے نکلتے تو شمال مغرب کی راہ اختیار کی جاتی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوب مغرب کی راہ پر نکلے جدھر سے لشکر مشرکین قریش آ رہا تھا۔

یہ مندرجہ بالا سب ہی نکات اس حقیقت کے حق میں ہیں کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً قافلہ کو حراساں کرنے کے لئے نکلے لیکن یہ راز داری کے لئے تھا۔ اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضائے الٰہی کے مطابق بے سروسامانی کی حالت میں لشکر کفار سے مقامِ بدر پر ٹکرانے کے لئے نکلے تھے تاکہ یومِ بدر صحیح معنوں میں یوم الفرقان بن جائے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم، رب کائنات کی رضا کے مطابق، قافلہ قریش کی آڑ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکمل بے سروسامانی کی حالت میں ساتھ لے کر سوئے بدر روانہ ہوئے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص مدد، کرم نوازیوں تائید و نصرت کے ساتھ یوم بدر کو یوم فرقان بنادے۔ کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید، مدد و نصرت اور کھلی کھلی زبردست مدد انہیں حاصل ہوئی جو حق پر تھے اور حق پر ہیں۔

یوم غزوۂ بدر، یوم الفرقان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے، قادر مطلق نے، سب کچھ کے خالق و مالک نے یوم غزوۂ بدر کو یوم الفرقان بنانا تھا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے مطابق حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں صرف قافلے کا ذکر فرمایا تاکہ کم تعداد میں مسلمان اپنی مرضی سے مکمل بے سروسامانی کی حالت میں نکلیں اور ظفریاب ہوں کامیاب ہوں فاتح ہوں اور انہیں کامیابی بھی ایسی ملے کہ جو انسانی وہم و گمان سے بھی بالاتر ہو۔

اور ان کا ایمان پر اور ایمان بڑھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیئے ہوئے وعدہ کو پورا ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ناممکن کو ممکن ہوتا دیکھ لیں اور اللہ کو نہ ماننے والے بھی ایک دفعہ تو اس کے وجود کو تسلیم کرلیں اور یہ جان جائیں کہ ان دو گروہوں میں سے حق پر کون ہے اور کون باطل پرست ہے۔

مسلمانوں کی بے سروسامانی کی بھی انتہا تھی کہ سواری کے لیے صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور دو زرہیں۔ تلواریں، نیزے، تیر کمان، بلّم، برچھی، بھالے بھی گنے چنے تھے۔ نہ زادِ راہ ضرورت کے مطابق نہ تن ڈھانپنے کے کپڑے۔ تنبو اور بستر بھی اس سفر میں شاید ہی چند ایک کے پاس ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے اور ان بے سروسامان مسلمانوں پر کرم خاص ہے کہ یہ سفر، یہ جنگ ماہ فروری کے آخر اور مارچ کے شروع میں وقوع پذیر ہوئی۔ ورنہ تو سخت موسم میں بے شمار مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو مسلمانوں کو اسی بے سروسامانی میں نکالنا مقصود تھا اور یہ دنیاوی انداز سے اسی وقت ممکن تھا جب آپ ﷺ مسلمانوں کے سامنے صرف قافلے کا ذکر فرمائیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس حالت میں انہیں لشکر کفار سے ٹکرا دے اور انہیں شاندار کامیابی عطا فرما دے۔

اس نکتے کو آپ یوں سمجھ لیں کہ اگر مسلمان بھی تعداد، سامان جنگ اور دیگر سہولیات حرب میں مشرکین کے برابر ہوتے اور پھر ان سے جنگ جیت جاتے تو یہ کوئی خاص قابل ذکر بات نہ ہوتی قابل ذکر وفخر جیت نہ ہوتی۔

اور اگر مسلمان تعداد، سامان حرب اور دیگر جنگی سہولیات وضروریات میں دشمن کے آدھے بھی ہوتے اور پھر جیت جاتے تو ان کی یہ کامیابی اتنی بڑی بات نہ ہوتی اتنی اچنبھے کی بات نہ ہوتی۔

لیکن مکمل بے سروسامانی کی حالت میں اپنے سے تین گناہ زیادہ بڑے اور مکمل طرح سے مسلح لشکر کو میدان جنگ میں بری طرح شکست دے دینا، ہرا دینا وہ ناقابل یقین حقیقت ہے کہ جو اس امر کو مانے بغیر سمجھ نہیں آسکتی کہ مسلمانوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی تائید، مدد ونصرت حاصل تھی اور مسلمانوں کا اسلحہ بھی دین، ایمان وتقویٰ تھا اور ان کا کھانا پینا، آرام وتفریح بھی۔ وہ یہ سب کچھ اپنے اللہ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ نبی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی فرمانبرداری، اطاعت، اتباع ومحبت میں ہی پاتے تھے۔

اس کے برعکس

اگر آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ فرماتے کہ چلو مشرکین مکہ سے جنگ کرنی ہے۔

تو مسلمان بھی حتی الامکان بھرپور تیاری کرتے۔ سامان خورونوش و مال برداری وغیرہ میں حتی الامکان کوئی کمی نہ رہنے دیتے اور ایک بہت بڑی تعداد میں اپنے محبوب ہادیٔ برحق ﷺ کے ساتھ نکلتے یہاں تک کہ کوئی عورت اور دس سال سے زائد عمر کا بچہ بھی پیچھے رہنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اور یہ حقیقت درج ذیل کی مثالوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

خاتون کا جذبہ جہاد

جب حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مقام بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ تو ام ورقہ بنت نوفل نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول ﷺ! مجھے بھی جہاد میں چلنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بیماروں کی تیمارداری کروں گی ممکن ہے مجھے بھی اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت نصیب فرما دے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت نصیب فرمائے گا۔"

ان خاتون نے قرآن پاک پڑھ رکھا تھا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا تھا۔ چنانچہ عام مسلمان بھی ان کو شہیدہ ہی کہنے لگے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا کہ ایک روز ان پر ان کے ایک غلام اور باندی نے حملہ کر دیا جن کو انہوں نے کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ انہوں نے ان خاتون کو ایک موٹی اور کھردری چادر میں بیہوش کر کے باندھ دیا یہاں تک کہ ان کا دم گھٹ گیا (اور وہ شہید ہو گئیں)۔ اس کے بعد قاتلوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لا کر پیش کیا گیا جنہوں نے ان کو پھانسی دینے کا حکم دیا۔ اس طرح یہ دونوں پہلے مجرم ہیں جن کو مدینہ میں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، میرے ساتھ چلو شہیدہ سے مل کر آئیں گے۔"

کمسن بچوں کا جذبہ جہاد

جب آپ ﷺ مرج الظبیہ سے نکلنے لگے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو شمار کیا جائے چنانچہ بیئر عتبہ کے پاس ٹھہر کر تعداد شمار کی گئی۔ یہ جگہ مدینہ سے ایک میل (1.5 کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے، چنانچہ صحابہ آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے، ان میں جو کم عمر تھے آپ ﷺ نے ان کو واپس فرما دیا۔ ان واپس کئے جانے والوں میں اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن ظہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے عمیر بن وقاص کو بھی واپس ہونے کا حکم دے دیا تھا جس پر وہ رونے لگے۔ آخر پھر آپ ﷺ نے ان کو جنگ پر چلنے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

آپ آگے پڑھیں گے کہ مختلف غزوات میں کم سن بچوں نے جنگ میں شمولیت کی خاطر کیا کیا خوبصورت اور معصوم انداز اپنائے۔ مثلاً بڑا نظر آنے کی خاطر پنجوں کے بل چلنا، پنجوں پر کھڑے ہونا۔ نکالے جانے کے خوف سے لشکر میں چھپے چھپے رہنا۔ مونچھوں کی جگہ کو کچھ سیاہ کر لینا۔ اور جب نکالے جانے کا حکم صادر ہو جائے تو اس پر شدت غم سے رو پڑنا۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ جذبہ جہاد کا' شوق شہادت کے جذبے کا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شدت سے موجزن ہونا ہے۔ اطاعت واتباع رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ میں اپنے دین وایمان کی حفاظت میں' اس جہاں سے جانا انہیں مرغوب تھا۔ وہ ابدی کامیاب زندگی کے لیے، اپنے محبوب رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قدموں میں جان نثار کرنے کے لیے، جام شہادت نوش فرمانے کے لیے سب کے سب ہی بے تاب تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب سے دو میں سے ایک کا وعدہ فرمایا اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان دو میں سے لشکر کفار سے ٹکر لینے کو پسند فرمایا۔ یوم بدر کو یوم الفرقان بنانے کے لیے آپ ﷺ اپنے اصحاب کو مکمل بے سروسامانی میں لے کر بظاہر قافلہ کے لیے نکلے لیکن آپ ﷺ کا ہدف لشکر مشرکین تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ رب کائنات، علیم وخبیر نے اپنے محبوب رسول، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کو حسب ضرورت ہر طرح کے حالات سے باخبر رکھا ہوا تھا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ قافلہ قریش اور لشکر قریش مکہ دونوں سے، دونوں کی روانگی وآمد سے بہت اچھی طرح باخبر تھے۔ نگاہ نبوت زمان ومکان میں بہت دور تک دیکھتی ہے۔ برگزیدہ نبیوں کے لیے حجاب نہیں ہوتے اور ان کا ظرف بھی اتنا عظیم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ کو جانتے دیکھتے ہوئے بھی اپنے اصحاب سے صرف اسی کا ذکر فرماتے ہیں جس کا فرما دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اجازت دیتے ہیں۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بھی رضائے رب العالمین کے مطابق اپنے اصحاب کو صرف وہی بتاتے تھے اور اتنا ہی بتاتے تھے اور اس موقع پر بتاتے تھے جس کی جب اور جہاں فرما دینے کی اجازت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ عظیم وکریم سے ملتی تھی۔ درج ذیل احادیث بھی اس حقیقت کا اپنے طور پر برملا اظہار کرتی ہیں اور سمجھنے والوں کے لیے، ماننے والوں کے لیے، ان احادیث مبارک میں بہت کچھ موجود ہے۔

مشاہدات متواترہ کے علاوہ وحی الٰہی کے ارشادات اپنے پیغمبر برحق کو قریش کے ان ظالمانہ تدابیر و ارادے سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ طبری کے اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ہم لوگوں سے اکثر چاہ بدر کی نسبت پوچھا کرتے تھے اس امر کا شاہد صادق ہے کہ آپ جنگ بدر کے متعلق قبل از وقوع بذریعہ وحی مطلع فرما دیئے گئے تھے۔ اور لشکر قریش کے بالکل قریب پہنچ جانے تک کسی قسم کی تحریک وسبقت کرنے سے روک دیئے گئے تھے۔ چنانچہ جمہور مورخین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے لشکر کفار کے بالکل قریب بدر آجانے کی صحیح خبر پا کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کی مدافعت کا ارادہ فرمایا جو حکم قدرت اور تدبیر مشیت کا عین مقصود تھا۔

یہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں اور آگے بھی پڑھیں گے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جنگ کی شب، میدان جنگ میں آکر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بتا دیا تھا کہ کون کافر، کہاں مرے گا، اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد معتبر کتابوں میں موجود ہے، کہ "خدا کی قسم! اللہ نے اپنے رسول کو حق پر بھیجا ہے، آپ نے جس کافر کے، ہلاک ہونے کی، جو جگہ بتائی تھی، وہ بالکل اسی جگہ پڑا تھا، نہ لکیر سے (لگائے گئے نشانوں سے) اِدھر نہ ذرا بھی اُدھر،

پس آپ کا صحیح صحیح، یہ بتا دینا، پوری جنگ کے متعلق، یہ یقین کرنے کے لیے کافی ہوگیا، کہ آپ کو جنگ کا تمام حال معلوم تھا۔ مدینہ سے نکلے تو بظاہر قافلہ تجارت کے تعاقب کے لیے تھے، لیکن یہ معلوم تھا کہ مقابلہ، بڑے دشمن سے ہوگا۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت افزائی تو کر رہے تھے، لیکن یہ پتہ تھا، کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ ولید، امیہ بن خلف وغیرہ کا جہنم انتظار کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب مرنے والوں کا

پتہ تھا، تو یہ بھی معلوم تھا کہ کون، کس کو مارے گا۔ عریش میں آہ وزاری کے ساتھ دعا تو ہورہی تھی لیکن پتہ ہو چکا تھا، کہ کامیابی وکامرانی، اہل ایمان ہی کی ہوگی اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اتنی سی بات تھی، کہ خدا نے، نظام قدرت کو پورا کرنے کے لیے، بعض مواقع پر اپنے نبی کی توجہ کو مصلحتاً ہٹایا اور نبی نے، مرضی الٰہی کی تکمیل کے لیے، خدا ہی کے حکم کے مطابق، بعض باتوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظاہر نہ فرمایا۔ اور یہ سب کچھ مشیت الٰہی کے مطابق تھا جس کے کہ آپ حضور پُرنور نبی کریم ورؤف ورحیم ﷺ راز دار تھے۔

مدینے سے بدر تک

اس نقشے میں قافلوں کے وہ راستے دکھائے گئے ہیں جو کے سے بدر ہوتے ہوئے شام کی طرف جاتے ہیں نیز وہ راستہ بھی دکھایا گیا ہے جو مدینے سے بدر آتا ہے۔

درمیانی فاصلے اور چند نئے مقامات

قارئین کرام! چند مقامات کے درمیانی فاصلوں اور قافلوں کی روزانہ اوسط سفر طے کرنے کی صلاحیت (32 سے 48 کلومیٹر) کے بارے میں گزشتہ ابواب میں لکھا جاچکا ہے۔

اب لشکر اسلام کے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے اور بدر پہنچ جانے تک کے حالات کو خوبصورتی سے بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مقامات راہ کی لسٹ میں شامل کئے گئے چند مقامات اور ان کے فاصلے کے بارے میں لکھ دیا جائے تا کہ مقدس نفوس کے اس مقدس سفر کو، غزوۂ بدر کو اور یوم الفرقان کو تمام جذبات کے ساتھ آسانی اور خوبصورتی سے سمجھا جاسکے۔

مرج الظبیہ یا بیئر عتبہ اور بستی سقیا یا بیئر سقیا کا ذکر تو تقریباً ہر بڑے سیرت نگار (بہت تفصیل سے لکھنے والے) نے کیا ہے لیکن نہ جانے کیوں یہ دونوں مقام، مقامات راہِ بدر کی لسٹ میں کیوں نہیں لکھے گئے۔

میں نے بہت غور و خوض و تحقیق کے بعد ان ناموں کو اس لسٹ میں ان کی جگہ پر شامل کیا ہے، دکھایا ہے اور اپنے حوالہ جات کو مزید مستند کرنے کے لیے، ایک اور مقام حفیرہ یا حضیرہ شامل لسٹ کیا ہے تا کہ اس مقدس سفر اور اس سفر کے دوران پڑاؤ یا رات گزاری کے مقامات کو بھی جانا جاسکے، ان کا اندازہ کیا جاسکے۔ آخر تو یہ مقدس نفوس صحابہ کرام ﷢ کا اپنے محبوب قائد حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ، کے زیر نگاہ گزارے گئے پانچ دن اور پانچ راتوں کا بیان ہے، جن کا جاننا امت مسلمہ کے لیے بہت اہم ہے۔

1- مدینہ منورہ سے بدر کا فاصلہ جو لشکر اسلام نے طے کیا اندازاً 150 کلومیٹر۔

2- مدینہ منورہ سے بیئر عتبہ یا مرج الظبیہ کا فاصلہ۔ 2 کلومیٹر۔ (کتاب الامتاع، علامہ مقریزی)

3- مدینہ منورہ سے حفیرہ یا حضیرہ اندازاً 67 کلومیٹر، (مغازی الرسول، علامہ واقدی) ترجمہ بشارت علی خان مطبوعہ 1988ء کے صفحہ 15 پر درج ہے "اور دوسری صبح (سقیا سے) وادی ملل میں گئے اور تربان حفیرہ اور ملل کے درمیان واقع ہے۔"

4- مدینہ منورہ سے (زیر بحث) بیوت سقیا، بستی سقیا یا بیئر سقیا، بقول علامہ مقریزی (کتاب الامتاع، علامہ مقریزی) دو دن کی مسافت پر واقع ہے یعنی کہ اندازاً مدینہ سے 75 کلومیٹر سوئے بدر دور ہے۔

معلومات علاقہ، راستہ، و مقامات

مدینہ سے بدر تک کا سارا علاقہ تقریباً پہاڑی ہے۔ کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی وادیاں بھی آجاتی ہیں اور ان میں چشمے نخلستان اور جنگلات بھی ہیں ایک دو وادیاں مقابلتاً بڑی بھی ہیں اور سرسبز و خوبصورت بھی۔ ان میں سب سے بڑی وادی وادی بدر ہے جس کی اندازاً لمبائی 5 میل یعنی کہ 8 کلومیٹر اور چوڑائی 4 میل یعنی کہ 6.4

کلو میٹر ہے۔ زیادہ تر پہاڑ بنجر ہیں۔ پہاڑی علاقہ میں راستے میدانی علاقوں کی طرح وسیع سیدھے اور صاف نہیں ہوتے بلکہ وہ پگڈنڈی ہوتے ہیں جو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی گزرتی ہیں۔ یہ پگڈنڈیاں خاصی دشوار گزار ہوتی ہیں اور عموماً نخلستان اور پانی (چشموں، کنوؤں، جھیل، تالاب) کے قریب سے گزرتی ہیں۔ اس میں ریتلے میدان بھی کافی ہیں۔ بدر ساحل سمندر سے کوئی 18، 19 کلو میٹر دور ہے۔

قارئین کرام! لسٹ میں دیئے گئے مقامات میں ہر مقام بستی یا آبادی نہیں ہے بلکہ یہ بستیوں کے ساتھ چشموں، کنوؤں، وادیوں، پہاڑوں، گھاٹیوں، دروں اور ریت کے ٹیلوں کے نام بھی شامل ہیں۔ ان میں اہم اور مشترک بات یہ ہے کہ ان میں سے ہو کر، ان کے قریب سے، ان کے دائیں بائیں سے آپ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور آپ ﷺ کے 313 قدسیوں کے لشکر خدائی کا وہاں سے گزر ہوا۔

اس راستہ کو آپ سیدھا نہ جانیں۔ لسٹ میں یا کتاب میں اس انداز سے لکھنا تو مجبوری ہے۔ یہ راستہ تو بہت ٹیڑھا میڑھا ہے۔ ویسے بھی آپ ﷺ رضائے الٰہی اور راز داری کی خاطر عام راستے سے دائیں بائیں ہٹ کر چلے تھے۔ مدینہ منورہ سے بدر کی سمت بالکل جنوب مغرب کا درمیان ہے۔ لیکن راز داری اور رضائے الٰہی کی خاطر لشکر اسلام کو نہ جانے کتنا اصل سمت سے ہٹ کر دائیں بائیں چلنا پڑا ہوگا۔ اور اس سبب وہ 130 کلو میٹر کا فاصلہ 160 کلو میٹر بن گیا ہوگا۔

آیئے اب آپ اس سفر مقدس کا بیان پڑھنے سے پہلے، مقامات سفر کی جدید لسٹ پر نظر ڈال لیں اور اسے یاد کر لیں یا اپنے تصور میں بٹھالیں تا کہ سفر مبارک کو سمجھنے میں آسانی رہے اور آپ کو یوں معلوم ہو کہ گویا آپ خود اس سفر میں شامل ہیں یا اس سفر مبارک کی فلم دیکھ رہے ہیں۔

قارئین کرام

اس مقدس سفر کا ایک اور پہلو بھی ہے جو نہ جانے کیوں اب تک تحقیق پسند سیرت نگاروں، تاریخ دانوں کی نظر سے اوجھل رہا۔ میرا مقصد اس پہلو کو بیان کرنے کا صرف اور صرف یہ ہے کہ اس سے لشکر اسلام کی، مسلمانوں کی بے سروسامانی کا اندازہ ہو اور اس بے سروسامانی میں بھی ان کے انتہا کے جوش وجذبہ جہاد، اتباع اطاعت وفرمانبرداری اور حب دین ورسول اللہ (ﷺ) کا اندازہ ہو سکے۔

وہ نکتہ یا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ اور دو یا تین گھوڑے تھے اور لشکر میں شامل مجاہدین کی تعداد 313 تھی اور وہ سواری کے جانوروں کی تعداد کم ہونے کے سبب ایک اونٹ پر تین تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باری باری سوار ہوتے رہے اور یوں سفر تمام کیا۔

مجاہدین (313) اور سواری کے جانوروں (70+2) بہتر (72) کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہر اونٹ پر چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باری باری بھی بیٹھتے تو پھر بھی 27 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زائد تھے یعنی کہ ان 27

کو سارا سفر پیدل ہی طے کرنا پڑتا یا کرنا پڑا۔ اور اگر ہر اونٹ پر باری باری صرف تین آدمی ہی سوار ہوتے رہے تو اس کا مطلب ہے کہ 87 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جنہوں نے سارا فاصلہ پیدل طے کیا۔

اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کافی بڑی تعداد نے یہ فاصلہ اپنے شوق چاہت و ہمت سے پیدل طے کیا جن میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ انہوں نے سارا راستہ پیدل طے کیا۔ اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باقی رہ گئے ان میں سے تین تین اور چار چار نے بھی باری باری اونٹ کی سواری کی اور باقی راستہ پیدل طے کیا۔

چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باری باری ایک اونٹ پر سوار ہونے سے متعلق کم از کم ایک اونٹ کے بارے میں تو مصدقہ ہے کہ وہ ایک اونٹ چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقسیم تھا۔ اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تھے جن میں سے حضرت حمزہ، زید بن حارثہ، ابی کبشہ رضی اللہ عنہم اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔

اس کا مطلب ہے کہ لشکر اسلام کے ہر فرد نے اگر کچھ فاصلہ اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر کیا ہے تو وہ فاصلہ جو سوار ہو کر کیا گیا کل 37 کلومیٹر بنتا ہے اور جو ہر ایک نے پیدل طے کیا وہ فاصلہ 123 کلومیٹر بنتا ہے۔

مختصراً مدینہ سے بدر کا راستہ

مدینہ منورہ

جنوب مغرب کی جانب درہ مدینہ

وادی عقیق

بیئر عتبہ، مرج الظبیہ

ذوالحلیفہ

اولات الجیش یا ذات الجیش

حضیرہ یا خیرہ

تربان

بستی سقیا، بیئر سقیا

ملل

غمیس الحمام

صخیرات الیمامہ

السیالہ

فج الروحا

شنوکہ

عرق الظبیہ

بیئر الروحا، سجاسج، خوبصورت وادی

المنصرف

نازیہ اور درہ الصفرا

وادی دحقان

مقام الصفراء، وادی الصفرا

وادی ذفران

اصافر، پہاڑی سلسلہ، راستہ

بستی الدبہ

حنان۔ پہاڑ کی مانند ریت کا ٹیلہ

بدر کے قریب اور پھر

بدر کے میدان میں

میں نے مندرجہ بالا لسٹ ترتیب سے اسی لیے بنائی ہے کہ اب سفر کے دوران کے واقعات کو اس دن اور اس مقام کے ساتھ ترتیب سے بیان کر سکوں کہ فلاں حدیث فلاں دن فلاں مقام پہ فرمائی گئی، مشاورت فلاں دن فلاں جگہ فرمائی گئی، رات کہاں گزاری اور کہاں کون ملا، کس سے کیا بات فرمائی گئی۔

چند اہم نکات

بدر اور غزوۂ بدر کے لیے سفر مبارک کا بیان شروع کرنے سے پہلے چند ایک توجہ طلب نکات بتانا چاہتا ہوں کہ ان کا خیال رکھا جائے۔

1- آپ ﷺ اور لشکر اسلام کا سفر 12 رمضان سن 2 ہجری بروز اتوار شروع ہوا۔ سیرت نگاروں نے، تاریخ والوں نے تاریخ تو، 12 رمضان ہی لکھی ہے لیکن انہوں نے دن ہفتہ لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ 12 رمضان سن 2 ہجری کو اتوار کا دن تھا نہ کہ ہفتہ کا۔ یہ متفقہ و مصدقہ امر ہے کہ غزوۂ بدر 17 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعہ وقوع پذیر ہوا۔ اب آپ خود ہی اس سے حساب لگا لیں اور تصدیق کر لیں کہ 12 رمضان سن 2 ہجری کو اتوار کا روز تھا۔

2- مدینہ سے بدر تک کوئی دو تین کلومیٹر کا راستہ بھی بالکل سیدھا اور صاف نہ تھا۔ جن راہوں، پگڈنڈیوں سے

لشکر اسلام گزر راہ وہ سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی تھیں کہ اصل سمت سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہٹے جا رہی تھیں۔ آپ کی سہولت کے لیے مدینہ منورہ اور بدر کے درمیان کے پچیس (25) مقامات کے نام ترتیب سے لکھ دیئے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر لشکر اسلام چلا۔ یہاں ایک نقشہ دیا جا رہا ہے جو صحیح سمت دکھاتا ہے۔ اسے خوب بل کھاتے ہوا آپ اپنے تصور میں خود کر لیں۔

3- آپ ﷺ رضائے الٰہی کے مطابق مکمل بے سروسامانی میں بظاہر قافلے کے لیے نکلے لیکن آپ ﷺ کا ہدف لشکر کفار ہی تھا۔

4- ایک دو روز بعد آپ ﷺ نے روزے نہ رکھنے کا اعلان فرما دیا تھا۔

5- بیرٔ سقیا پر جب لشکر اسلام کی آخری گنتی کی گئی تو اس وقت تک لشکر سے جانے والے جا چکے تھے اور آنے والے آ چکے تھے۔ خبر گیری کے لیے گئے ہوئے صحابہ کرام بھی شامل ہو چکے تھے اور حبیب بن اساف بھی ایمان لا چکا تھا اور لشکر اسلام کی تعداد 313 تھی۔

اب ہم تسلسل کے ساتھ، لسٹ مقامات میں دی گئی ترتیب کے مطابق سفر کا بیان شروع کرتے ہیں۔

روانگی سے پہلے کا ذکر

غزوۃ العشیر ۃ کے حالات آپ پڑھ آئے ہیں۔ اس میں سرور دو عالم ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے جو ابوسفیان کی قیادت میں ماہ جمادی الاول کے آخری دنوں میں مکہ سے براستہ بدر شام جا رہا تھا۔ لیکن حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جب عشیرہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ قافلہ ایک دو روز پہلے یہاں سے نکل گیا ہے۔ اب ماہ رمضان میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو اس قافلہ کی واپسی کا انتظار تھا۔ جب اطلاع ملی کہ وہ قافلہ واپس آ رہا ہے۔ ابوسفیان کے علاوہ مکہ کے رئیسوں میں سے مخرمہ بن نوفل۔ عمرو بن العاص بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ اور قافلہ کی حفاظت کے لیے چالیس آدمیوں کا جتھہ اس کے ہمرکاب ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ اس قافلہ کے تعاقب کے لیے نکلیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"کہ ابوسفیان جو اپنے قافلہ سمیت واپس آ رہا ہے نکلو شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اموال ہمیں مرحمت فرمادے۔"

رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت پر کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ہمرکاب ہو گئے اور کچھ پیچھے رہ گئے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیچھے رہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ جنگ تک نوبت آئے گی۔ ان حضرات نے یہی خیال کیا کہ قافلہ کے ساتھ چالیس کے لگ بھگ محافظوں کا دستہ ہے۔ ان کو دبوچ لینا کوئی ایسا کام نہیں جس کے لیے سب مسلمانوں کا ساتھ جانا ضروری ہو۔ نیز حضور انور نبی کریم ﷺ نے بھی سب کو اس مہم میں

شرکت کا حکم نہیں فرمایا تھا، حضور ﷺ کا ارشاد تھا:

''جس کی سواری حاضر ہے وہ تو سوار ہو جائے اور ہمارے ساتھ چلے اور جن کی سواریاں وہاں موجود نہ تھیں بلکہ ان کی چراگاہوں میں یا زرعی فارموں میں تھیں۔حضور ﷺ نے ان کا انتظار نہ فرمایا۔''

ہجرت سے انیس ماہ بعد رمضان المبارک کی بارہ تاریخ تھی اتوار کا دن تھا۔حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔مسلمان لشکر کے پاس سواری کے لیے دو گھوڑے ستر اونٹ تھے باقی مجاہدین پاپیادہ تھے۔

حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔

غزوۂ بدر میں ایثار و قربانی کی لازوال مثالیں قائم کی گئیں، مسلمان اپنے آقا ﷺ کی ہمراہی میں بے سروسامانی کے عالم میں عرب کی طاغوتی طاقت سے ٹکر لینے کے لیے گھر سے نکلے تو انہیں نقل و حرکت کے لیے بھی ان گنت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔سواریوں کی بے حد کمی تھی، فیصلہ کیا گیا کہ مجاہدین باری باری ان پر سوار ہوں۔اس ضمن میں کمانڈر اور سپاہی میں کوئی فرق روانہ رکھا گیا، محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے، عملاً مساوات کا مظاہرہ کیا گیا۔رحمت دو عالم ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ جس کے پاس سواری کا اونٹ ہے وہ تو اپنے اونٹ پر سوار ہو جائے اور باقی پاپیادہ سفر کریں بلکہ حضور ﷺ نے تین صحابہ کے لیے ایک ایک اونٹ مقرر کر دیا جس پر وہ باری باری سوار ہوا کریں گے۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ہر تین تین صحابہ کے لیے ایک ایک اونٹ مقرر فرما دیا۔اور اپنے اونٹ کو بھی اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں فرمایا۔حالانکہ امت کے نبی اور امام۔ لشکر کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضور ﷺ اپنے اونٹ کو صرف اپنی سواری کے لیے مختص فرماتے تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا لیکن جو نبی رحمت کائنات ﷺ انسانی مساوات کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لایا تھا۔اگر وہ اپنے حسن عمل سے مساوات کا درس نہ دیتا تو اور کون دیتا۔حضور ﷺ نے اپنے اونٹ کے لیے بھی تین آدمی تجویز فرمائے۔حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ خود۔حضرت علی مرتضیٰ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہما۔جب روحاء کے مقام پر حضور ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا والی بنا کر واپس بھیج دیا تو حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اور حضور پُرنور ﷺ کا یہ نورانی لشکر اس شان سے اپنے مرکز سے رخصت ہوا۔

حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ جب اپنی باری کی مسافت طے کر چکے اور اترنے لگے تا کہ دوسرا ساتھی سوار ہو تو دونوں جاں نثار صحابیوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہماری باری میں بھی حضور (ﷺ) ہی سوار رہیں۔ہمارے لیے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ حضور اونٹ پر سوار ہوں نکیل ہمارے ہاتھوں میں ہو مسلسل اس کے پاؤں کی گرد اڑ رہی ہو جو ہماری آنکھوں کا سرمہ اور چہروں کا غازہ بن رہی ہو۔اے اللہ کے

حبیب (ﷺ)! ہماری یہ مخلصانہ پیشکش ضرور قبول فرمائیے۔

اس پر سرورِ دو عالم نبی رحمت شرف انسانی کے پیغامبر سالار اعظم مساوات انسانی کے داعی رحمت للعالمین ﷺ نے اس تجویز کو نامنظور فرماتے ہوئے فرمایا:

''نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں تمہاری طرح ثواب سے بے نیاز ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 261۔ انساب الاشراف جلد 1 صفحہ 289)

اپنے آقا ﷺ کا یہ ایمان افروز ارشاد سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کیف و سرور کا کیسا عالم ہوگا۔ ان کے ایمان کو کتنی جلاء اور توانائیاں نصیب ہوئی ہوں گی۔ قیامت تک آنے والے قائدین قوم اور سالاران افواج کو مساوات انسانی اور عمل کی عظمتوں کا کتنا جلیل المرتبت سبق ملا ہے اس کا اندازہ تو ہر ذی شعور کر سکتا ہے۔

جھنڈوں کی تقسیم

حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کا اعزاز مرحمت فرماتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ کا امیر مقرر فرمایا۔ مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، سفید رنگ کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا، حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ انصار کے دستے کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین کے دستے کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، فوج کے میمنہ کے کمانڈر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور میسرہ کے کمانڈر مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے، ساقہ (فوج کا پچھلا حصہ) کی کمان حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو دی گئی جب کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور ﷺ خود اسلامی لشکر کے پرچم کمانڈر تھے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 261۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1: صفحہ 613)

ابن کثیر، ابن ہشام نے اسے یوں بھی بیان کیا ہے۔

جب لشکر اسلام روحاء کے مقام پر پہنچا تو حضور ﷺ نے ابولبابہ کو واپس مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ حضور ﷺ کی واپسی تک نیابت کے فرائض انجام دیں۔ لشکر اسلام کا پرچم جو سفید رنگ کا تھا وہ حضرت مصعب بن عمیر کو عطا فرمایا حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے آگے آگے دو اور جھنڈے لہرا رہے تھے ایک پرچم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں تھا اس پرچم کا نام عقاب تھا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ اور دوسرا پرچم ابن ہشام کی رائے کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن بعض اصحاب سیر نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو انصار کا علمبردار کہا ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں لشکر کے ساقہ (آخری حصہ) پر حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا جو بنو نجار کے بنی مازن قبیلہ سے تھے میمنہ (دائیں جانب) پر حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کو میسرہ (بائیں

جانب) پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 387)

نبوی انٹیلی جینس

جب لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں ہیں انہیں کاٹ دیا جائے اس کا مقصد یہ تھا کہ لشکر کی راز داری برقرار رکھی جا سکے۔

سپہ سالار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے روانہ ہوتے وقت بھی پوری راز داری سے کام لیا تھا کیونکہ دشمن کو اپنے عزائم کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کا موقع دینا اور اپنے جنگی رازوں اور فیصلوں کے اخفا کا مکمل اہتمام نہ کرنا حکمت و دانش کے ہی خلاف نہیں بلکہ اس ضمن میں ذرا سی لاپرواہی کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی بصیرت پر دنیا کے بڑے بڑے جرنیل انگشت بدنداں ہیں کہ کس طرح آج سے چودہ سو سال قبل حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے مروجہ طور طریقوں سے ہٹ کر دشمن کے خلاف دفاعی منصوبہ بندی کرتے وقت ترقی پسندانہ رویہ اپنایا اور اپنے جنگی شعور کو وقت کے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں اتروا دیں تاکہ دشمن کو مجاہدین اسلام کی نقل و حرکت کا پتہ نہ چل سکے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بسبس بن عمر رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء رضی اللہ عنہ کو دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 262)

امام بخاری اپنی صحیح میں عبداللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (عبداللہ نے) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوۂ میں شریک نہ ہونے والوں پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کیونکہ جب یہ لشکر روانہ ہوا تو اس کے پیش نظر ابوسفیان کا قافلہ تھا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنی قدرت اور حکمت سے مسلمانوں اور کفار مکہ کو آمنے سامنے کر دیا جس کے بارے میں پہلے کوئی میعاد مقرر نہ کی گئی تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 389)

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے قبل جہاد کا اعلان عام نہیں کیا تھا اور نہ کسی سے جنگ کا تذکرہ ہی فرمایا تھا اور شمولیت بھی لازمی قرار نہ فرمائی گئی تھی۔ بلکہ معاملہ مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے ارادے کا اظہار فرمایا اور جتنے مسلمان بخوشی جمع ہو سکے، انہیں لے کر راہ حق میں نکل پڑے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مسلمان غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس لیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل نہ کر سکے نہ ان سے کسی قسم کی باز پرس ہوئی اور نہ قیادت کی جانب سے کسی ناراضی کا اظہار کیا گیا۔ اگرچہ اس سعادت سے محروم رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے طور پر غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکنے کا افسوس ہوا۔ جس کا اظہار اکثر مواقع پر وہ کرتے بھی رہتے

تھے۔ظاہر ہے اگر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ جنگ کا اعلان فرما دیتے تو جنگ میں حصہ لینے کے قابل کوئی ایک شخص بھی مدینہ میں نہ رہتا سب اپنے آقا ﷺ کی ہمراہی میں کفر کے مقابلے میں صف آرا ہونے کے لیے سروں سے کفن باندھ کر نکل پڑتے۔

تاریخ نے حضورِانور ﷺ کے ایک ایک نقش پا کو اپنے سینے میں محفوظ کررکھا ہے، مدینہ منورہ سے بدر تک لشکر اسلام نے جو راستہ اختیار کیا ارباب سیر نے اسے اپنی پوری جزئیات کے ساتھ قلمبند کیا ہے، روایات میں ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ 12 رمضان سن 2 ہجری بروز اتوار مجاہدین کے ساتھ مدینہ کے درے کے راستے عازم سفر ہوئے۔عقیق، ذوالحلیفہ، اولات الجیش، تربان، ملل، غمیس الحمام، مخیّرات الیمامہ، سیالہ، فج الروحاء اور شنوکہ سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کے راستے کو بائیں جانب چھوڑ کر دائیں جانب نازیہ کی طرف مڑے، نازیہ اور مضیق الصفراء کے درمیان وادی دحقان میں سیدھے چلتے گئے اس کے بعد وادی صفراء کو بائیں جانب چھوڑ کر دائیں جانب وادی ذفران میں داخل ہوئے، جب اس وادی سے نکلنے لگے تو مشرکین مکہ کے لشکر کی آمد کی اطلاعات ملیں، وادی ذفران سے نکل کر ثنایا (رصافہ) میں سے ہوتے ہوئے بدر کے قریب ایک بستی الدیہ میں سے گزرے بالآخر الحنان کو دائیں جانب چھوڑ کر 16 رمضان کی شام بدر میں اتر گئے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 261-264)

لیجئے، اب نفوس مقدسہ کے سفر مبارک کو مقامات کی ترتیب سے بیان شروع کرنے سے پہلے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ لشکر اسلام کا بے سروسامانی کی حالت میں، نہایت سادگی اور پروقار طریقے سے روانگی کا موازنہ لشکر کفار کے ساتھ ذہن میں رہے کہ وہ تمام کروفر، نخوت وفرعونیت اور ہر کچھ کی بہتات کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور سارے عرب پر اپنا رعب ودبدبہ قائم کرنے کے لیے مکہ سے بدر تک پہنچے۔

لشکر اسلام کے پاس سواری کے لیے اتنے اونٹ نہ تھے جتنے کہ مشرکین قریش مکہ نے اپنے لشکر کو کھلانے، پلانے، ضیافت وتفریح میں ذبح کیے۔انہوں نے مکہ سے ان کی بدر میں آخری رات تک 97 اونٹ ذبح کیے۔ سواری اور مال برداری کے اونٹ ان کے علاوہ تھے اور بہت وافر تھے۔

مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ برائے سواری ہوگا۔ایک اونٹ پہ سوار ہوگا اور دو اس کے ساتھ پیدل چلیں گے۔اور یہ باری باری ہوگا۔

قارئین کرام! اس سے کوئی آٹھ دس صفحے پہلے ہی میں اس نکتہ کو بیان کر چکا ہوں اور سیرت النبی، تاریخ اسلام سے ایک غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے دوبارہ یہاں مختصراً لکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کے پاس کل ستر (70) اونٹ اور دو گھوڑے تھے اور لشکر اسلام میں صحابہ کرام کی تعداد 313 تھی۔اگر تین تین کے باری باری سوار ہو کر

سفر کرنے کے بجائے چار چار مجاہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی باری باری ان موجود بہتر (72) سواریوں پر سوار ہوتے تو تب بھی پچیس (25) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہوتے جنہیں یہ سارا سفر ہی پیدل طے کرنا پڑتا۔ اس لئے میں اگلے سفر کو چار چار صحابہ کرام فی سواری کے حساب سے بیان کروں گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لشکر اسلام کے ہر فرد نے صرف 1/4 سفر سوار ہو کر کیا اور ہر ایک نے 3/4 سفر پیدل طے کیا۔ مدینہ سے بدر تک مسافت جو لشکر اسلام نے، مسلمانوں نے طے کی وہ تقریباً 160 کلومیٹر تھی۔ جس میں سے ہر ایک نے 40 کلومیٹر اونٹ پہ سوار ہو کر کیا اور 120 کلومیٹر ہر ایک نے پیدل طے کیا۔ اس سے آپ اندازہ لگالیں مسلمانوں کی سخت تربیت کا، سخت جفاکشی وسخت جانی کا، اپنے مقصد کے حصول کے لیے عزم صمیم کا اور ان کے اتباع، اطاعت وفرمانبرداری رسولِ کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بجالانا ان کے لیے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز تھا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نہایت سادگی اور [illegible] واطمینان کے ساتھ 12 رمضان سن 2 ہجری [illegible] اتوار مدینہ منورہ سے مدینہ کے درے کے راستے عازم سفر [illegible]۔

راز داری کی خاطر آپ [illegible] معمول رہا کہ عام راستے سے ہٹ کر چلے اور سفر کے شروع میں تو کچھ فاصلے تک بسا اوقات اپنے ہدف کی [illegible] مخالف سمت میں بھی چلے تا کہ اسلام دشمن عناصر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدف کا آسانی سے اندازہ نہ ہو سکے۔

بیرٔ ابو عتبہ، مرج الظبیہ

لشکر اسلام مدینہ کے جنوب مغرب کی سمت میں مدینہ کے درے سے عازم سفر ہوا اور وادی عقیق سے گزر کر مدینہ سے کوئی دو کلومیٹر دور بیرٔ ابو عتبہ یا مرج الظبیہ کے مقام پر اکٹھا ہونے کے لیے رکا۔ جب لشکر اسلام اس مقام پر اکٹھا ہو گیا تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا معائنہ فرمایا۔

اسلامی لشکر جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو جذبہ جہاد میں سرشار چند کمسن بچے بھی لشکر میں شامل ہو گئے، آرزوئے شہادت ان کے ننھے منے دلوں میں ایک ہیجان برپا کر رہی تھی، کفر سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دینے کی تمنا ان کے لہو میں دوڑ رہی تھی۔ راستے میں حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی عسکری اہلیت کا جائزہ لیا اور لشکر میں شامل کمسن بچوں کو واپس بھیج دیا۔ نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ ایک زبردست اور فیصلہ کن معرکہ برپا ہونے والا ہے۔ دشمن سے تصادم کی صورت میں بچوں کی حفاظت ایک مسئلہ بن سکتی تھی۔ اس لیے اس مقام پر معائنہ کے دوران جو کم عمر لوگ نظر آئے حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہیں سے واپس فرما دیا۔

عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم، زید بن ارقم اور زید بن

ثابت الانصاری البخاری رضی اللہ عنہم کو واپس جانے کا حکم دیا۔ عمیر بن ابی وقاص جب ملاحظہ کے لیے پیش ہوئے اور حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں کمسنی کی وجہ سے واپس جانے کا حکم دیا تو وہ رو پڑے۔ ان کے جذبہ جہاد کو دیکھ کر حضور کو ترس آ گیا تو انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی انہوں نے میدان بدر میں جام شہادت نوش کیا اس وقت ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 38۔ امتاع الاسماع جلد 1 صفحہ 74)

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کو یوں بیان فرمایا ہے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی بواسطہ ابوبکر اور ان کے باپ اسمٰعیل کے اور عامر اور ان کے باپ کے واسطے سے انہوں نے کہا قبل اس کے کہ ہم لوگ ملاحظہ میں رسول خدا ﷺ کے پیش کئے گئے تھے۔ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ لشکر میں چھپا رہتا تھا یعنی سامنے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے نہیں آتا تھا۔ میں نے پوچھا اے برادر! تجھ کو کیا ہوا کہ تو سامنا حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا نہیں [illegible]تا۔ انہوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ رسول خدا ﷺ مجھے دیکھ کر صغیر سن سمجھیں گے تو مجھ کو ہمراہی سے واپس [illegible]گے حالانکہ میں ساتھ چلنا چاہتا ہوں اور کہا عجب ہے کہ حق تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب کرے۔ راوی نے کہا پھر جب عمیر ملاحظہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ میں پیش کئے گئے آخر وہی ہوا کہ آپ ﷺ نے کم عمر دیکھ کر فرمایا تو واپس جا۔ تب عمیر رونے لگے۔ پس حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کو اجازت دی۔ چنانچہ سعد کہتے تھے کہ باعث کمسنی عمیر کے پرتلہ اس کی تلوار کا میں نے خود باندھ دیا تھا۔ بالآخر وہ بدر میں شہید ہوا اور اس وقت عمیر کی عمر سولہ برس کی تھی۔

کچھ سیرت نگاروں نے لکھا ہے لشکر اسلام کے یہاں پڑاؤ ڈالا یعنی کہ رات گزاری لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مدینہ منورہ سے نکلتے ہی، مدینہ سے ڈیڑھ دو کلومیٹر باہر پہنچتے ہی پڑاؤ ڈالنے کا ارشاد فرمائیں گے۔ میرا ایسا کہنے کی ایک دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ سارا لشکر اسلام اس روز روزے سے تھا۔ اگر وہ روزے کے سبب رکے بھی ہوں گے تو کم از کم پندرہ بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے وقت مغرب سے کچھ پہلے رکے ہوں گے اور وہاں روزہ افطار فرمایا ہوگا اور لشکر نے آرام کیا ہوگا اور رات گزاری ہوگی۔

دوسری وجہ بدر تک کا فاصلہ ہے جو چار پانچ دنوں میں طے کرنا ہے اور وہ فاصلہ 160 کلومیٹر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ لشکر اسلام کے ساتھ سواری کے لیے صرف ستر اونٹ تھے یعنی کہ 3/4 لشکر نے بہ یک وقت پیدل چلنا تھا اور انہوں نے، ہر ایک نے 125 کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا تھا اور طے کیا بھی۔ یہ تو ممکن ہے کہ پہلے دن 20 کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہو اور پھر دوسرے دن روزہ نہ رکھا ہو اور پہلے دن کی

مسافت کی بھی کسر دوسرے دن نکال دی ہو یعنی کہ دوسرے دن 40 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرلیا ہو لیکن یہ ممکن یا مناسب نہیں لگتا کہ لشکرِ اسلام پہلے دن صرف 2 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرے اور دوسرے دن اسے 48 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑے۔ اس لیے میرے اندازے کے مطابق لشکرِ اسلام نے پہلے دن پندرہ بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مقام اولات الجیش کے قرب وجوار میں پڑاؤ ڈالا اور وہیں آگے کچھ دنوں کے لیے روزے نہ رکھنے کا اعلان فرمادیا۔

درج ذیل سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ لشکرِ اسلام نے حفیرہ سے پہلے پہلی رات بسر کی تھی۔

تربان

اور دوسری صبح کو وادی ملل میں گئے (اور تربان حفیرہ اور ملل کے درمیان واقع ہے) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا جب ہم لوگ تربان میں تھے اس وقت حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے سعد اس آہو (ہرن) کو دیکھ۔ سعد نے کہا پھر میں نے تیر کمان سے جوڑا اور حضرت نے اٹھ کر اپنا سر مبارک درمیان میرے شانے اور کان کے رکھا اور فرمایا مار تیر اور دعا کی اے اللہ! اس کے تیر کو نشانے پر لگا دے۔ سعد نے کہا پس اس دعا سے میرے تیر نے گردن آہو سے خطانہ کی' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور میں اس کی طرف دوڑا اور اس کو جیتا پایا کہ اس میں رمق جان باقی تھی۔ تب میں اس کو ذبح کر کے اٹھالایا اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لارکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا اور وہ شکار شدہ ہرن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بانٹ دیا گیا۔

بیئر سقیا، بستی سقیا

گزشتہ اوراق میں علامہ مقریزی کی تصنیف ''کتاب الامتاع'' کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ زیر بحث بیئر سقیا یا بستی سقیا مدینہ منورہ سے سوئے بدر دو دنوں کی مسافت پہ ہے۔ یعنی کہ بیئر سقیا یا بستی سقیا مدینہ منورہ سے اندازاً 75 کلومیٹر دور ہے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ چاہ سقیا کا پانی پئیں اور خود بھی اس کنویں کا پانی پیا اور سقیا کے گھروں کے پاس نماز پڑھی اور سقیا سے روانگی کے وقت حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو ابوعتبہ کے کنویں کے پاس کھڑا کر کے گنتی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا یہ سب 313 ہیں۔ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خوش ہوئے اور فرمایا طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی تعداد تھی اس روز حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لیے دعا کی اور عرض کیا۔

''اے اللہ! ابراہیم تیرے بندے، تیرے خلیل، اور تیرے نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لیے تجھ سے دعا مانگی تھی۔ اور میں محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لیے تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لیے ان کے صاع میں۔ ان کے مد میں اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنادے اور جو وبائی امراض وہاں ہیں انہیں خم میں بھیج دے۔ اے اللہ! میں نے مدینہ کے دو کناروں کے درمیانی علاقہ کو حرم بنادیا ہے جس طرح تیرے خلیل ابراہیم نے مکہ کو حرم بنادیا تھا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 38۔ امتاع الاسماع جلد 1 صفحہ 74)

اسی مقام پر خبیب بن اساف جو بڑا بہادر اور جنگ جو تھا لیکن ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا' وہ اپنی قوم خزرج کی مدد کے لیے اور غنیمت کے لالچ کے لیے آیا اور ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی آمد سے بڑے خوش ہوئے کہ ایسا بہادر اور جنگ آزما سپاہی ہمارے ساتھ جارہا ہے لیکن رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس کو لے جانے سے انکار کردیا اور فرمایا: ''ہم کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے جو ہمارے دین پر نہ ہو۔'' (امتاع الاسماع جلد 1 صفحہ 74-سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 38)

عسکری لباس میں حضورِ انور ﷺ کی دعا

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس موقعہ پر اپنی زرہ زیب تن فرمائی جس کا نام ذات الفضول تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام ''عضب'' تھا حمائل فرمائی، جب آپ ﷺ بیوت السقیاء (سقیا کے مکانوں) سے آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ مسلمان پیادہ پا ہیں ان کو سواریاں عطا فرمادے، یہ ننگے ہیں ان کو لباس عطا فرمادے، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرمادے اور یہ لوگ مسکین وغریب ہیں ان کو اپنے فضل وکرم سے غنی اور خوشحال بنادے۔''

دعا کی قبولیت

چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور چند دن بعد ہی غزوۂ بدر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اگر اس نے سواری پر جانا چاہا تو اس کو ایک دو ایسے اونٹ نہ مل گئے ہوں جن کو وہ استعمال کرسکے اسی طرح جن کے پاس کپڑے نہیں تھے ان کو پہننے اور اوڑھنے کے لیے کپڑے مل گئے، اسی طرح دشمن کا سامان رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہیں رہی، اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کا اتنا معاوضہ ملا کہ کئی خاندان خوشحال ہوگئے۔

عرق الظبیہ

جب لشکر اسلام عرق الظبیہ پہنچا تو وہاں ایک بدوی سے ملاقات ہوئی۔ مسلمانوں نے اس سے لشکر کفار

کے بارے میں پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسے کہا گیا کہ اے فلاں! اللہ کے رسول (ﷺ) کی خدمت میں سلام عرض کرو۔ اس نے پوچھا کیا تم میں کوئی اللہ کا رسول بھی ہے؟ مسلمانوں نے کہا ہاں تم سلام عرض کرو۔ وہ حضور کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو بتایئے میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے۔ سلمہ بن سلامہ ایک صحابی بولے۔

''یہ سوال اللہ کے رسول سے نہ پوچھو ادھر آؤ میں تمہیں اس سے آگاہ کرتا ہوں۔''

''تم نے اس سے بدمعاشی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تجھ سے بچہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا چھوڑو اسے تم نے اسے رسوا کیا اور آپ ﷺ کو سلمہ بن سلامہ کے یہ کلمات ناگوار گزرے اس لیے اس سے منہ پھیر لیا۔ (السیرۃ النبویہ، لابن کثیر جلد 2 صفحہ 390)

قارئین کرام! یہاں حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرما دینا ''کہ تم نے اس سے بدمعاشی (بدفعلی) کی ہے'' کافی تھا۔ اور یہ جو آگے اس نے فرمادیا ہے کہ اس کے پیٹ میں تجھ سے بچہ ہے اس سے بھی مراد یہی ہے کہ اے ناسمجھ بدو تو نے اس جانور سے بدفعلی کی ہے اور تجھے ایسی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول مقبول ﷺ سے نہیں پوچھنی چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی جانور صرف اپنے ہی ہم جنس سے حاملہ ہو سکتا ہے کسی غیر جنس سے قطعاً نہیں ہوسکتا۔ گھوڑا اور گدھا قطعاً غیر جنس نہیں ہیں اور انہیں بھی حضرت انسان ہی اپنے تجربات کی خاطر ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے وہ اپنے طور پر جنس کے لیے قریب نہیں آتے۔

سج سج، بیئر الروحاء

پھر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے سج سج میں نزول فرمایا، اسی مقام کا نام بیئر الروحاء ہے۔ آپ ﷺ نے بیئر الروحا کے قریب نماز شب پڑھی، ادا فرمائی۔

معجزہ کمزور اونٹ توانا ہو گیا

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان سے حدیث بیان کی عبید بن یحییٰ نے معاذ بن رفاعہ سے۔ انہوں نے اپنے باپ رفاعہ رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کی طرف نکلے۔ ایک اونٹ پر باری باری تین تین آدمی سفر کرتے چلے جاتے تھے اور تقریباً ہم سب کے ساتھ زاد راہ بہت کم تھا۔ اکثر کے پاس ایک صاع ثمر کا بوجھ تھا جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اونٹ پر میرے ساتھ میرا بھائی خلاد بن رافع اور عبید بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہمارے ساتھ ایک دو صاع ثمر (کھجور) کے وزن کے اور وزن نہ تھا۔ ہم باری باری اس پر سوار ہو کر جارہے تھے یہاں تک کہ ہم روحا میں پہنچے وہاں اچانک ہمارا اونٹ کمزوری کے سبب سوار سمیت

گر پڑا اور بیٹھ گیا وہ بیماری کمزوری کے سبب بہت تھک گیا تھا۔ہم نے (میں نے) وہاں منت مانی کہ اگر ہمارا اونٹ ٹھیک ہو جائے اور اللہ ہمیں فتح عطا فرمائے تو ہم مدینہ واپس ہو کر، اس اونٹ کو ذبحہ کر کے صدقہ کر دیں گے۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ﷺ ان کے قریب تشریف لائے، آپ نے اونٹ کو بیمار دیکھا، تو پانی منگوا کر وضو فرمایا اور بچے ہوئے پانی میں کلی کی پھر ہمیں حکم دیا، کہ اونٹ کا منہ کھولو، پس ہم نے، منہ کھولا، تو آپ ﷺ نے وہ پانی اس کے منہ میں ڈالا، اور کچھ پانی کے چھینٹے، اونٹ کے سر، گردن اور کوہان پر مارے۔اس کے بعد وہ اونٹ ہمیں اٹھا کر، خوب دوڑنے لگا، جیسے کبھی بیمار نہ ہوا تھا، پس اللہ نے ہمیں فتح دی اور ہم مدینہ واپس آئے، تو ہم نے اپنی نذر کے مطابق اونٹ کو ذبح کر دیا۔

واپسی ابولبانہ

جب لشکر اسلام روحا کے مقام پر پہنچا تو حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کو وہاں سے واپس مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی واپسی تک نیابت کے فرائض انجام دیں۔

حضرت ابولبانہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اب تک حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ والے اونٹ پر باری باری سوار ہوتے آرہے تھے۔جب حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت ابولبانہ رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ روانہ فرمایا تو اپنے ساتھ اونٹ کی سواری کے لیے حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

خبیب بن اساف

حضرت سعد بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مقام روحاً پر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ وادی روحا سجاسج ہے یعنی کہ وادی روحاً عرب کی تمام وادیوں سے افضل ہے' خوبصورت ہے۔

اور راوی بیان کرتے ہیں کہ خبیب بن اساف ایک مرد بہادر وشجاع تھا لیکن اسلام قبول نہیں کرتا تھا۔

جب حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے سوئے بدر خروج فرمایا تو خبیب بن اساف اور قیس بن محرث یہ دونوں بھی لشکر اسلام کے ہمراہ نکلے۔

وادی عقیق میں مقام عقیق پر حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خبیب بن اساف پر نظر پڑی۔اس وقت وہ زرہ، خود اور دیگر سامان حرب پہنے ہوئے تھا اور خود کی جھالر اس کے چہرے کو چھپا رہی تھی۔

آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اسے خود کی جھالر میں سے دیکھ کر پہچان لیا۔وہ دونوں اس

وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا، سعد کیا یہ خبیب بن اساف نہیں ہے؟ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہی ہے۔

یہ سن کر خبیب بن اساف نے آگے بڑھ کر ناقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھام لی۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیب بن اساف اور قیس بن محرث لوگ جسے قیس بن حارث بھی کہتے تھے سے فرمایا کہ تم دونوں ہمارے ساتھ کیوں آئے ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ حضور ہم آپ کے خواہرزادے ہیں اور ہمسایہ ہیں۔ ہم تو اپنے قبیلے کے ساتھ مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکلے ہیں۔

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں نہیں ہے وہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔ تب خبیب نے کہا کہ میری قوم کے لوگ (میرے قبیلے کے لوگ) یہ خوب جانتے ہیں کہ میں جفاکش، توانا اور طاقتور ہوں اور اپنے مخالف کو زیر کر لیتا ہوں اس لیے میں حصول مالِ غنیمت کے لیے جنگ کروں گا لیکن ایمان نہیں لاؤں گا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا، ہاں اگر تو ایمان لے آئے تو ہمارے ساتھ چل سکتا ہے۔ ان دونوں نے سوچنے کی مہلت مانگی۔ اور خبیب بن اساف مقام روحاً پر حاضر خدمت اقدس ہو کر ایمان لے آیا اور کلمہ توحید پڑھ لیا۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان لانے سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب ہمارے ساتھ چل۔ چنانچہ اس نے جنگ بدر میں اپنی مردانگی و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔

اور قیس بن محرث مسلمان نہیں ہوا اور وہاں سے واپس مدینہ آ گیا۔ پھر جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے کامیاب و کامران لوٹے تو قیس بن محرث بھی ایمان لے آیا اور بعد ازاں حاضر احد ہو کر شہید ہوا۔

الصفراء

جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ وادی سج سج سے روانہ ہو کر منصرف کے مقام پر پہنچے تو مکہ کے اس راستہ کو بائیں جانب چھوڑا اور نازیہ کے راستہ بدر کا قصد فرمایا پھر وادی کو درمیان سے چیرتے ہوئے دحقان نامی وادی سے گزر کر مضیق الصفراء سے ہوتے ہوئے الصفراء کے مقام پر تشریف فرما ہوئے مقام الصفراء وادی الصفراء مقام بدر سے کوئی 18 کلومیٹر دور ہے۔ یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جاسوس ابوسفیان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بدر روانہ کئے ان میں سے ایک کا نام بسبس بن عمرو الجہنی تھا جو بنی ساعدہ کا حلیف تھا۔ دوسرے کا نام عدی بن ابی زغباء تھا۔ جو بنی نجار کا حلیف تھا۔

وہ تعمیل ارشاد کے لیے بدر کی طرف چل دیئے۔ پانی کے چشموں کے قریب ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ اس کی اوٹ میں انہوں نے اپنے اونٹ بٹھائے انہوں نے دیکھا کہ دونو عمر عورتیں جا رہی ہیں اور ایک نے دوسری کو اس طرح پکڑا ہوا ہے جس طرح قرض خواہ اپنے مقروض کو پکڑتا ہے جس عورت کو پکڑا ہوا تھا اس نے اپنی رفیقہ کو کہا کہ

''کہ کل یا پرسوں قافلہ یہاں پہنچے گا میں ان کی خدمت کروں گی جو معاوضہ ملا میں اس سے تمہارا قرض ادا کردوں گا۔''

مجدی بن عمرو وہاں چشمہ پر موجود تھا اس نے کہا کہ تم سچ کہتی ہو۔ یوں اس نے ان کے درمیان بیچ بچاؤ کر دیا۔ بسبس اور عدی دونوں ان کی باتیں سن رہے تھے وہاں سے واپس آ گئے اور سرورِ دو عالم ﷺ کو اطلاع دی۔

قافلہ کی واپسی کے وقت ملک شام میں ہی ابوسفیان کو بھی ایک شخص نے بتا دیا کہ جب تمہارا قافلہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا تھا اس وقت بھی حضور ﷺ نے تمہارا تعاقب کیا تھا۔ اور اب تمہاری واپسی کی انہیں اطلاع ملے گی تو وہ یقیناً اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر تیرے قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے مدینہ طیبہ سے بدر کی راہ پر آئیں گے۔

ابوسفیان کو ہر وقت مسلمانوں کے حملہ کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے قافلہ سے آگے بدر کی طرف نکل آیا تاکہ کچھ معلومات حاصل کر سکے۔ جب وہاں پہنچا تو مجدی بن عمرو ابھی وہیں موجود تھا ابوسفیان نے اس سے پوچھا کیا کوئی مشکوک آدمی تم نے دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ البتہ میں نے دو شتر سوار دیکھے ہیں جنہوں نے اس ٹیلے کے پیچھے اپنے اونٹ بٹھائے۔ پھر اس چشمہ سے مشک میں پانی بھرا اور چل دیئے۔ ابوسفیان وہاں آیا جہاں اونٹ بیٹھے تھے وہاں اونٹوں کے لیدنے پڑے تھے۔ (اونٹ کی میگنیاں پڑی تھیں اس نے وہ میگنیاں توڑیں) ایک لیدنا اٹھایا اور اسے پھوڑا جب اس میں اسے کھجور کی گٹھلیاں نظر آئیں تو چیخ اٹھا۔

''بخدا یہ اہل یثرب کے چارہ کے لیدنے ہیں۔''

وہ جلدی سے واپس بھاگا۔ اور اپنے قافلہ کو لے کر ساحل سمندر کی طرف نکل گیا اور بدر کو اپنی بائیں جانب چھوڑ کر ساحل کے کنارے کنارے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ (دیگر کتب سیرت، الاکتفاء، جلد 2 صفحہ 18)

ابوسفیان کے ضروری ذکر کے بعد اب پھر ہم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سفر مبارک کو درہ صفراء اور وادی نازیہ سے شروع کرتے ہیں۔ درہ صفراء وادی نازیہ اور وادی دحقان اور مقام صفراء سے چند کلو میٹر پہلے آتے ہیں۔ پھر ایک وادی کو قطع کیا جو صفراء کی تنگ گھاٹی اور النازیہ کے درمیان ہے اور اسے ''حقان'' کہتے ہیں۔ صفراء کے قریب پہنچے تو بنی ساعدہ کے حلیف بسبس بن عمرو الجہنی اور بنی النجار کے حلیف عدی بن ابی الزغباء کو بدر کی جانب روانہ فرمایا کہ وہ ابوسفیان بن حرب وغیرہ کے متعلق خبریں معلوم کریں۔ مقام صفراء بدر

سے اندازاً 18 کلومیٹر دور ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور ان دونوں سے آگے نکل گئے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ مقام الصفر اء کے سامنے آئے، جو دو پہاڑوں کے درمیان ایک بستی ہے تو آپ نے ان پہاڑوں کے نام دریافت فرمائے۔ لوگوں نے کہا، ان میں ایک کو تو مسلح کہا جاتا ہے اور دوسرے کو مخری۔ وہاں کے رہنے والوں کے متعلق دریافت فرمایا تو کہا گیا: کہ بنوالنار اور بنوحراق، بنی غفار کی دونوں شاخیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان سے گزرنے کو ناپسند فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان ناموں اور ان کے رہنے والوں کے ناموں سے فال لی۔ ان دونوں پہاڑوں اور الصفر اء کو بائیں جانب چھوڑ کر سیدھی طرف کی راہ ایک وادی میں اختیار فرمائی، جسے ذفران کہا جاتا تھا۔

اس وادی میں جو مقام یا بستی گاؤں ہے اسے ذفران کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے وادی کو طے کیا اور مقام ذفران کے ایک طرف قریب ہی قیام فرمایا۔

وادی ذفران

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے دونوں پہاڑوں اور مقام صفراء کو اپنے بائیں طرف چھوڑا اور ان کے دائیں طرف سے وادی صفراء میں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس کے دو کلومیٹر بعد وادی ذفران میں داخل ہوئے اور اس سے گزرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے مقام ذفران کے قریب رکے۔ مقام ذفران بدر سے تقریباً 16 کلومیٹر دور ہے۔

اس دوران اس جگہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان اپنے قافلہ کو بدر کے دائیں طرف سے لے کر ساحل سمندر کی راہ سے بدر سے گزر چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر بڑی شان و شوکت سے اپنے قافلے کو بچانے کی آڑ میں مقام بدر کی طرف بڑھا آ رہا ہے اور وہ لشکر جرار آج 15 رمضان سن 2 ہجری بروز بدھ کی شام تک مقام بدر کے قریب پہنچ جائے گا۔

اس اطلاع کے جاننے کے بعد آپ ﷺ وادی ذفران سے سوئے بدر اور آگے بڑھ گئے اور مناسب جگہ پر قیام فرمایا اور مشاورت فرمائی۔ سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں نے اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ غالب امکان اسی بات کا ہے کہ مشاورت وادی ذفران سے سوئے بدر نکل جانے کے بعد کسی مناسب مقام پر ہوئی جہاں قیام بھی فرمایا گیا۔

ایک کھلا چیلنج

حضورِ انور ﷺ کو برابر یہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ کفار مکہ کا لشکر واپس ہونے کے بجائے مسلسل

آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ اطلاعات یقیناً تشویشناک تھیں۔ اس لیے مدینہ منورہ کا دفاع بہرصورت بہت ضروری تھا۔ اگر کفارِ مکہ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان اپنے جنگی جنون کا مظاہرہ کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا کہ جہاں چاہیں دندناتے پھریں تو سیاسی اور عسکری لحاظ سے ہی نہیں نفسیاتی اعتبار سے بھی یہ بات مسلمانوں کے لیے، دینِ اسلام کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوتی۔ اگر اس وقت لشکرِ مشرکین مکہ کو نہ روکا جاتا یا اگر وہ مدینہ پر حملہ کئے بغیر پلٹ بھی جاتے تو تب بھی مدینہ منورہ پر ہر وقت دشمن کے حملے کی تلوار لٹکتی رہتی۔ اور اس نفسیاتی دباؤ میں نہ دیگر امورِ مملکت کی طرف توجہ دی جاسکتی اور نہ دعوتِ حق کے کام میں گرمجوشی کا مظاہرہ ہوسکتا۔ لشکرِ کفار کے گھمنڈ کو توڑنا اس لیے بھی ضروری تھا تاکہ عرب قبائل کے دل سے ان کا رعب اتر جائے اور جو لوگ محض قریش کے سماجی مرتبے اور ان کی عسکری قوت کے دباؤ میں آکر اسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہے ہیں اس دباؤ کے ہٹنے کے بعد بغیر ہچکچاہٹ کے اسلام کی آغوشِ رحمت میں آجائیں۔

مشاورت

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم معلم اعظم ﷺ جنہوں نے اپنی آفاقی تعلیمات کے ذریعہ اولادِ آدم کو درسِ انسانیت دیا اور اسے ایک ایسے منشورِ حیات سے نوازا جو قیامت تک ہر عہد اور ہر صدی کے انسان کی فکری اور عملی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے اولادِ آدم کو ایک ایسا نظامِ حیات بھی دیا جو ہر دور کے سیاسی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی اور روحانی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم معلم اعظم ﷺ قصرِ رسالت میں جس منصبِ جلیلہ پر رونق افروز تھے وہاں وہ کسی کی رائے کے محتاج نہیں تھے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ چاہتے تو مختلف امور و مسائل پر فیصلے صادر فرما کر ان کی تعمیل کا حکم دے سکتے تھے اور آپ ﷺ کے جاں نثاران کی ایک ایک جنبشِ ابرو پر اپنی جانوں کے نذرانے نچھاور کردیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے قول و فعل سے "اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ خدا ہے" کی عملی تفسیریں بھی لوحِ حیات پر ثبت کیں۔

لیکن حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی شفقت اور محبت کی انتہا ہے، کہ وہ اپنے رفقاءِ کار کو اعتماد میں لیے بغیر اوپر سے فیصلے مسلط کرنے کے عمومی رجحان کے خلاف تھے۔ غزوۂ بدر ہو یا غزوہ خندق، حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے اصحاب کے مشوروں کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ان پر پوری طرح عمل درآمد بھی کرایا۔ یوں مشاورت کے جمہوری شعور کی خوشبو چاروں طرف پھیلتی رہی اور نتیجتاً آگے چل کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے پیروکاروں نے استحصال اور آمریت کی ہر شکل کے خلاف جہاد کر کے ذہنِ انسانی میں حریتِ فکر کے نئے دریچے وا کرنے کا تاریخی اور تخلیقی کارنامہ سرانجام دیا۔

اس موقع پر حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہنگامی اجلاس طلب کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی تاکہ ان کا نقطہ نظر معلوم ہوسکے۔ بدلتے ہوئے حقائق کی روشنی میں کوئی متفقہ

لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ کیونکہ مدمقابل دشمنان اسلام کا ایک ایسا لشکر تھا جو نہ صرف اسلامی لشکر سے تین چار گناہ بڑا تھا بلکہ اشیائے خورونوش سے لے کر سامان حرب تک اس کے پاس وافر مقدار میں موجود تھا اور اس کے پاس کسی مادی چیز کی کوئی کمی نہ تھی۔

آپ ﷺ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ اب ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے۔ اس خبر پر حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اب دشمن کی اطلاع مل جانے کے بعد مقابلہ کئے بغیر ہماری واپسی کے اثرات نہایت ہی خراب ہوں گے، نہ صرف یہ کہ، کفار مکہ کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ بلکہ، مدینہ کے یہودیوں اور قرب و جوار کے، عرب پر بھی، ہمارا کوئی رعب باقی نہ رہے گا، گویا، اب تک تو صرف، بیرونی اور خارجی حالات کا مقابلہ رہتا تھا آئندہ مدینہ کا اندرونی، امن وامان بھی تباہ ہو جائے گا اور پھر حالات پر قابو پانا بہت ہی مشکل ہوگا۔

اور اب ایک ایسا اقدام ناگزیر ہے جو شجاعت و بسالت اور جرأت و جسارت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہ بات قطعی تھی کہ اگر مکی لشکر کو اس علاقے میں یوں ہی دندناتا ہوا پھرنے دیا جاتا تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی تقویت ملتی اور ان کی سیاسی بالادستی کا دائرہ دور تک پھیل جاتا۔ مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور اس کے بعد اسلامی دعوت کو ایک بے روح ڈھانچہ سمجھ کر اس علاقے کا ہر کس و ناکس جو اپنے سینے میں اسلام کے خلاف کینہ وعداوت رکھتا تھا شر پر آمادہ ہو جاتا۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ آخر اس کی کیا ضمانت تھی کہ مکی لشکر مدینے کی جانب پیش قدمی نہیں کرے گا اور اس معرکہ کو مدینہ کی چہار دیواری تک منتقل کر کے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں گھس کر تباہ کرنے کی جرأت اور کوشش نہیں کرے گا؟ جی ہاں! اگر مدنی لشکر کی جانب سے ذرا بھی گریز کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو مسلمانوں کی ہیبت وشہرت پر تو بہر حال اس کا نہایت برا اثر پڑتا۔

اس لیے اس مقام پر حضورِانور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے مجلس مشاورت قائم کی۔ مہاجرین۔ انصار اوس وخزرج کے قبائل سب کو اس مجلس میں شمولیت کی دعوت دی۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے موجودہ صورت حال سے ان کو آگاہ کیا اور پوچھا اب تمہاری کیا رائے ہے۔

قارئین کرام

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے چند اہم نکات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں اور انہیں حیات طیبہ تاریخ اسلام پڑھتے وقت اپنے ذہن میں رکھیں۔ اس طرح سے عظمت و رفعت رسول اللہ ﷺ اور شان صحابہ کرام، آل رسول علیہم الرضوان آپ کی نگاہ میں رہے گی اور جہاں کہیں بھی آپ ان کی عظمت، رفعت، شان و حرمت کے خلاف کسی غیر محتاط عالم، علماء یا مستشرقین کا لکھا ہوا کچھ پڑھیں گے تو آپ اس غلط مواد کے پیدا کر

خلفشار، بے چینی، بے راہ روی اور دیگر برے نتائج سے بچ جائیں گے اور اپنے دوسرے ساتھیوں، دوست احباب کو بھی راہ راست پر رکھ سکیں گے۔

میں نے اس دوران سورہ انفال کی آیات 5 اور 6 کی تشریح کے بارے میں بھی لکھنا ہے۔ ان آیات مبارکہ کی صحیح تشریح پیش کرنا ہے، ان کے بارے میں لکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ آیات مبارکہ مذکورہ مشاورت کے موقع سے متعلق ہیں اور ان آیات مبارکہ کی کچھ علماء دین، مستشرقین نے دل آزار تشریح کر ڈالی ہے۔ تشریح کی آڑ میں وہ سب سے اونچی اور نرالی عظمت، رفعت، حرمت و شان رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی منفرد پر خلوص خصوصیات اتباع اطاعت، فرمانبرداری اور جان نثاری کو بھی بھول گئے ہیں۔

رضائے الٰہی کے مطابق

اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ نبی ﷺ یا انبیاء کرام علیہم السلام پہ یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ وحی مبارک، پیغام، اطلاع' خبر خاص کو پا کر فوراً ہی اپنے اصحاب میں فرما دیں یا ان پہ ظاہر فرما دیں۔ نبی، رضائے الٰہی، حکمت خداوندی کے تحت اپنے پیغام کو، اپنے مشن کو، اپنے کام کو، اپنے ذمہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو اطلاع، خبر، یا وحی ملنے کا مطلب آپ یہ نہ سمجھیں کہ وحی مبارک' آسمانی پیغام وہدایت اور اپنے خیر خواہوں کے ذریعے، اپنے جاسوسی ذرائع کے ذریعے یا زمینی اطلاعات جو آپ ﷺ کو ملتی تھیں تو وہ اطلاعات نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ساتھ سارے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی یہ اعلان فوراً سنادی جاتی تھیں۔ نہیں، ایسے نہیں ہوتا تھا۔

وحی مبارک کو تو صرف اور صرف آپ ﷺ ہی سن پاتے تھے اور سمجھ پاتے تھے چاہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نازل ہو رہی ہو۔ اور ظاہری یا زمینی پیغامات، اطلاعات بھی پہلے صرف اور صرف حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو ہی تنہائی میں گوش گزار کی جاتی تھیں اور پھر آپ ﷺ رضائے الٰہی کے مطابق اپنی حکمت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرماتے تھے۔

ایمان ویقین کی پختگی

عموماً یا عام حالات میں ایمان ویقین کی پختگی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آتی ہے مسلسل ایمان افروز حالات وواقعات دیکھ کر، پڑھ کر ایمان بالغیب عین الیقین میں بدل جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی صلاحیت

جیسا کہ میں نے مذکورہ بالا میں لکھا ہے کہ اصول کائنات تو یہ ہے ایمان ویقین کی پختگی وقت گزرنے کے

ساتھ ساتھ آتی ہے لیکن اس کے برعکس بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ بھی صلاحیت عطا فرماتا ہے، صلاحیت دیتا ہے کہ جہاں وہ اپنے رب کے حکم سے چاہیں تو ایک نگاہ فیض ڈال کر اپنے اصحاب کی دل کی دنیا کو ایک دم اور یکسر بدل دیتے ہیں اور یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیوں کی طاقت، عظمت، ہیبت ورعب صداقت کو اس طرح سے بڑھاتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے اہل مدینہ میں انصار ومہاجرین میں، اوس وخزرج میں مثالی اخوت، محبت و باہمی احترام کو پیدا فرمادیا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب رسول حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر خاص کرم نوازی ہے اور یہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔

اس کے بارے میں سورہ انفال آیت نمبر 63 میں قادر مطلق، رب العالمین کا ارشاد پاک یوں ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

ترجمہ: ''اور ان کے دلوں میں میل کردیا، اگر تم زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خرچ کردیتے (تو تب بھی) ان کے دل نہ ملا سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے، بے شک وہی ہے غالب حکمت والا۔'' (سورہ انفال آیت 63)

مشاورت

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو مقام صفراء پر اور وادی ذفران کے شروع میں ہی ظاہری طور پر، دنیاوی طور پر یہ اطلاع مل گئی تھی کہ قریش کا تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی قیادت میں ملک شام سے واپس مکہ کے لیے آرہا تھا وہ مقام بدر سے ساحل سمندر کی طرف ہٹ کر گزر چکا ہے اور قافلے کو بچانے کی آڑ میں جو لشکر کفار مکہ سے روانہ ہوا تھا وہ اب بدر کے قریب پہنچ چکا ہے۔

میں گزشتہ اوراق میں تمثیل کے ساتھ بیان کرچکا ہوں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہونے سے پہلے قافلہ قریش اور لشکر مشرکین قریش دونوں سے یکساں باخبر تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب رسول سید المرسلین خاتم النبیین کی خدمت اقدس میں جبرائیل امین کو روز اوّل سے، یوم ولادت سے دے رکھا تھا۔ مدینہ منورہ میں ہی یہ آیت مبارکہ بھی نازل فرمائی گئی۔

''اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے۔''

(سورہ انفال آیت 7)

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم، افضل الانبیاء، خاتم النبیین پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ نے دین ودنیا میں، آخرت میں اپنی امت کی بھلائی کی خاطر، دین متین کے قیام کی خاطر قافلے کے بجائے لشکر کفار سے ٹکر لینا

پسند فرمایا۔ دو میں سے ایک پر فتح کا غلبہ کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ قافلہ تو جا چکا تھا یا اسے جانے دیا گیا اور اب لشکر کفار سامنے تھا جو اپنے قافلے کی حفاظت سے گزر جانے کی اطلاع پانے کے باوجود آدھے راستے سے مکہ واپس نہ ہوا بلکہ اپنے ناپاک ارادے لے کر علاقہ بدر میں پہنچ گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول مقبول، خاتم النبیین ﷺ گو کہ ہر طرح سے کلی اختیار کے مالک تھے لیکن آپ ﷺ نے مناسب جانا کہ بدلے ہوئے حالات میں مشاورت کی جائے اہل لشکر اسلام کو بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کیا جائے۔ ان کی رائے سنی جائے اور اگر ان میں کوئی خامی ہو تو لشکر کفار سے ٹکرانے سے پہلے اسے دور کر دیا جائے۔

مشاورت وادی ذفران کے آخری حصہ میں یا وادی ذفران سے کچھ کلومیٹر سوئے بدر بڑھ جانے کے بعد ایسی جگہ پر فرمائی گئی جو لشکر اسلام کے قیام کے لیے بھی ہر طرح سے مناسب تھی۔ کتابوں میں اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ

"قافلہ جس کے لیے ہم مدینہ سے چلے تھے وہ تو ہماری زد سے نکل گیا ہے لیکن مشرکین مکہ، کفار مکہ کا وہ لشکر جو اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے نکلا تھا۔ وہ جحفہ میں اپنے قافلے کی حفاظت سے گزر جانے کی مصدقہ اطلاع پا جانے کے باوجود مدینہ کی طرف بڑھ کر علاقہ بدر تک آ گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ تمہیں دو قافلوں (قافلہ تجارت، لشکر کفار) سے ایک پر ضرور غلبہ عطا فرمائے گا پس اب تمہارا کیا خیال ہے۔"

ظاہر ہے اچانک حالات کی تبدیلی کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کچھ نہ کچھ اثر تو ہونا ہی تھا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خیال ہوا کہ نہ ہم جنگ کے ارادے سے نکلے ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس جنگ کرنے کے لیے ساز و سامان موجود ہے۔ جب کہ دشمن جنگ کے لیے پوری طرح سے تیار ہو کر آیا ہے وہ تعداد میں بھی زیادہ ہے اور جنگی ہتھیار، ساز و سامان بھی پورا لایا ہے۔ اس لیے بعض کو پس و پیش ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم قافلہ ابوسفیان کا تعاقب کریں اس حال میں لشکر کفار سے ٹکرانا تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دینے کے مترادف ہوگا۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس رائے کو ناپسند فرمایا اور چہرہ مبارک پر کچھ ناگواری کے تاثر آئے۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے حاضرین لشکر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی، نگاہ فرمائی تو فوراً ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی مرضی کا احساس کرتے ہوئے گردنیں جھکا دیں۔

بعض علماء کے ناقص خیالات

غزوۂ بدر سے متعلق قرآن حکیم کی سورہ بقرہ، انفال اور حج میں بہت ساری آیات نازل فرمائی گئی ہیں۔

میرا مقصد ان آیات مبارکہ کا یہاں فرداً فرداً ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ میں یہاں ان آیات مبارکہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق خاص طور پر اس موقع مشاورت سے ہے۔

خالق و مالک کائنات، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم کی سورہ انفال کی آیات 5 اور 6 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

(سورہ انفال آیات 6،5)

''جس طرح اے محبوب! تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا، اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ سچی بات میں بھی تم سے جھگڑتے (بحث کرتے، اپنی رائے دیتے) تھے۔ بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی (سچی بات) گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔''

میں نے ان آیات مبارکہ کو یہاں موضوع بحث اس لیے بنایا ہے کہ ایک تو یہ آیات مبارکہ موقع مشاورت سے متعلق ہیں اور تاریخ اسلام، حیات طیبہ کا حصہ ہیں اور دوسرے اس لیے کہ کچھ علماء نے ان آیات مبارکہ کی غلط اور نازیبا تشریح کی ہے ان علماء میں سے ایک عالم سید ابوعلی مودودی صاحب ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف تفہیم القران جلد 2 صفحہ 15 پر تاریخی پس منظر کے حوالہ سے جو لکھا ہے وہ غیر حقیقت پسندانہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ عالم اپنے علم کے زعم میں ایسے الفاظ وفقرے لکھ گیا ہے جو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان نہیں ہیں بلکہ ان الفاظ وخیالات کا شمار بے ادبی اور گستاخی میں ہوتا ہے۔ وہ جملے، خیالات، الفاظ دل آزار ہیں اس لیے میں انہیں یہاں نقل نہیں کروں گا۔ اسی لیے میں نے مکمل حوالہ دے دیا ہے۔

گروہ کا مطلب اکثریت نہیں ہے۔ گروہ دو کا بھی ہو سکتا ہے، دس بیس کا بھی اور اس سے بڑا بھی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات حمیدہ کو جانتے ہوئے یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس گروہ کی تعداد دس، بیس سے زیادہ نہ تھی بلکہ ایسے خیالات کے حامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانچ دس ہی ہوں گے۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں عموماً ایمان ویقین کی پختگی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاصل ہوتی ہے بہت ممکن ہے اس گروہ میں ان چند مسلمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہو جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن ابھی ایمان ویقین کے ان مراحل پر نہ پہنچے تھے جہاں وہ وحدت رب العالمین اور رسالت خاتم النبیین کی سچائی پر جان دے کر شہادت پیش کرنا اپنے لیے سعادت اور بلند ترین مقام کا انعام سمجھتے ہوں۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خیال فطری تھا جیسا کہ عام لوگوں کا ایسے موقع پر خیال ہوتا ہے یہ تو ان کی رائے

تھی ،ان کی سوچ تھی۔ یہ نہ تو ان کے تقوے کے خلاف تھا اور نہ ہی ایسا خیال اطاعت وفرمانبرداری سے گریز تھا۔

اور ایسے خیالات کا اظہار بوقت مشاورت اس لیے بھی ضروری تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیکھ لیں ،مسلمان دیکھ لیں امت مسلمہ دیکھ لے کہ نگاہ نبوت کا فیض کس قدر شدید وفوری ہوتا ہے کہ وہ خام کو بھی سیکنڈوں میں' لمحوں میں کندن بنا دیتی ہے۔ میری اس بات کی مزید وضاحت ان آیات مبارکہ کی تشریح صحیح میں پڑھیں گے جو اس کے بعد کی جارہی ہے۔

صحیح تشریح

ان آیات مبارکہ میں جو بات بتائی گئی ہے وہ عام آدمی کی فطرت یا سوچ کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عام آدمی نہ تھے۔ انہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ،پیغمبر اوّل وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوا۔ انہیں تعلیم وتربیت تزکیہ نفس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوا۔ ان کے بارے میں تو ہمیں یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے جذبات ،احساسات ،خواہشات بھی بنیادی طور پر ایسے ہی تھے جیسے ہم لوگوں کے۔ انہیں بھی اپنے بیوی بچوں میں رہنے کی خواہش اسی طرح تھی ،کھانے پینے ،آرام اور آرام سے سونے کی خواہش بھی اسی طرح تھی۔ خطرات میں کودنے سے پہلے اس کا اندازہ کرنا ،تجزیہ کرنا ،اس کے اچھے برے نتائج کو سمجھنے کی صلاحیت بھی اسی طرح کی تھی لیکن (یہ بہت بڑی اور پُر معنی لیکن ہے)۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ،سید المرسلین ، خاتم النبیین ،پیغمبر اوّل وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت صحبت ونمونہ حیات ،تنظیم وترتیب وتزکیہ نفس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ،نگاہ مبارک نے ان سے یہ خامیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دی تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے خیالات آتو جاتے تھے لیکن وہ جڑ نہیں پکڑ سکتے تھے (جیسا کہ ہم لوگوں میں عام ہے) ایسے خیالات کا آجانا تو ایک فطری عمل ہے اور ان سے فوری مکمل نجات پا جانا یہ صرف نگاہ خاص وتوجہ وتعلیم وتربیت خاص کا فیض ہے جو ان پاکبازوں کو حاصل تھی۔

فیض نگاہ نبوت

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمزور خیالات سن کر چہرہ اقدس پر ناخوشی کے تاثرات اس لیے آگئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ قافلہ دسترس سے باہر چلا گیا ہے اور لشکر کفار علاقہ بدر میں پہنچ چکا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دو میں سے ایک پر ظفریاب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ دیگر یہ فرما دیا تھا کہ

اب لشکر کفار سے ضرور ٹکرانا ہے۔ یہ اٹل ہے۔ اور مسلمانوں کی اس بے سروسامانی کی ٹکر سے لشکر کفار نے

پاش پاش ہو جانا ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ تمہیں اللہ کے نبی کا ساتھ حاصل ہے اور ہر دو صورت میں کامیابی تمہاری ہے۔ شہید ہوئے تو اور غازی بنے تو، تمہیں ابتدی کامیابی حاصل ہونے والی ہے اور اس جنگ میں کفار کے کئی سردار بھی مارے جائیں گے۔

جب چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس واضح فرمان کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے لشکر کفار پر فتح یابی کو مشکل جانا اور اپنی عرض سے اس کا اظہار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ رسول، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناخوشی کے تاثر آئے اور اس وقت ہادی دو جہاں رسول کائنات پیغمبر بحر و بر نے مجمع پر ایک نگاہ کرم ڈالی کہ جو ناپختہ خیالات کسی کے دل و دماغ میں آ گئے تھے وہ کافور ہو گئے اور یقین و ایمان کامل نے ان دلوں میں جگہ لے لی۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ فیضان نگاہ نبوت اس قدر فوری اور شدید تھا کہ لشکر اسلام میں کوئی ایسا دل باقی نہ رہا جس میں یہ کمزوری والے خیالات رہ گئے ہوں۔

جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی کہیں بھی، کسی موقع مہم پر بھی دوبارہ ایسی بات نہ کی۔ کوئی ایک بھی لشکر سے پیچھے نہ رکا۔ کوئی ایک بھی وہاں سے واپس نہ ہوا۔ ہر ایک شوق و صدق دل سے آگے بڑھا۔ ہر ایک نے میدان کارزار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کسی کو اپنی بے سروسامانی کا خیال نہ آیا، اور نیزوں، تیر کمانوں، لاٹھیوں، ڈنڈوں سے ہی کامیاب ترین لڑائی لڑی۔ اور بارگاہ نبوی سے دعائیں اور شاباش اور بارگاہ رب العزت، رب العالمین رب کائنات سے خوبصورت خطابات اور ابدی راحتوں کی ضمانت حاصل کی۔

یہ کہاں کا انصاف ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں غیر معیاری الفاظ استعمال کرنے والے اور غلط سوچ رکھنے والوں نے اس سیدھے سادھے بے ضرر سے واقعہ کو جان بوجھ کر بے ادبی اور گستاخی کرنے کا سبب بنایا ہے۔ ایسے بدنصیب لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اصل میں تو دین متین کی اس شاندار عمارت کی بنیادوں میں ان ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خون پسینہ ہے جو غزوۂ بدر میں لشکر طاغوت سے لشکر کفار سے انتہا کی بے سروسامانی میں ٹکرائے اور دشمن کو پاش پاش کر دیا۔ حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مکمل بے داغ ہے لکھنے والوں نے ان کے بارے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کی تعداد بھی ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ ان سب نے پر خلوص، پرشوق اور بے داغ اتباع کیا ہے۔ وہ تو سب ہی آسمان ہدایت کے درخشاں ستارے ہیں۔

ان کی خوبیوں کا مکمل ذکر کرنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں پر، دلوں پر انوار رسالت براہ راست پڑے تھے۔ انہوں نے اپنا گھر بار مال و دولت، آل اولاد، عمر، جوانی، عیش و عشرت بلکہ سب کچھ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت، اطاعت، اتباع و تابعداری و فرمانبرداری میں، اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول مقبول، محبوب خدا ﷺ کی خوشنودی کی خاطر بہ رضا و رغبت و شوق لٹا دیا۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رنج و راحت میں آپ کے ساتھ رہے، سختی اور نرمی میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جان و مال آپ پر فدا کیا۔ آپ ﷺ کے سامنے تلواروں اور نیزوں سے شجاعت کا اظہار کیا، آپ کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن جانا، اگر چہ دشمنی رکھنے والے ان کے باپ، دادا، بیٹے بھائی اور خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ وہ اپنے رشتے داروں سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کے رشتہ داروں سے خیر خواہی رکھتے تھے۔

عشق و محبت، لگاؤ، چاہت، وارفتگی کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی خاطر سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتے رہے۔ وہ صرف مصیبتیں جھیلتے ہی نہ تھے بلکہ ان مصیبتوں میں ایک لذت اور سرور محسوس کرتے تھے۔ محبت کا یہ جذبہ ان میں ایسی سرشاری پیدا کرتا تھا کہ جسم کی کوئی تکلیف اور ذہن کی کوئی اذیت انہیں محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔

انہوں نے جس میدان میں بھی اور جہاں بھی قدم بڑھائے وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ انہوں نے کبھی بھی کہیں بھی قدم واپس نہیں موڑے پیٹھ دکھانا تو بہت دور کی بات ہے۔ تنہا تنہا نے سینکڑوں سے مقابلہ کیا ہے (حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں) ان کے ارادے اور جسم فولادی تھے کہ ستر ستر زخم کھا کے بھی دشمن کے خلاف تلوار چلاتے رہتے تھے اور پرچم اسلام کو انہوں نے دونوں بازو کٹ جانے کے باوجود بلند رکھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا آسمانی اور غیر آسمانی صحیفوں میں کتابوں میں ''مقدس نفوس، پاکباز لوگ'' کے پیارے اور پُر احترام نام سے ذکر کیا گیا۔

دنیائے اسلام تو کیا، دنیائے کفر کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ یہ نفوس قدسیہ جہاں زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا حسین پیکر تھے، وہاں بہادری و شجاعت میں بھی اپنی مثال آپ ہی تھے۔ ان کی راتیں یادالٰہی میں محو ہو کر گزرتی تھیں ان کی جبیں سجدوں سے معمور رہتی تھیں۔ لیکن، دن میں، وہ دشمن کے مقابلے پر ایک آہنی چٹان بن جاتے تھے، ان کے فولادی عزائم کے سامنے کوئی ٹھہر نہ پاتا تھا، نور نبوی نے ان کے اندر جو قوت و حوصلہ پیدا کر دیا تھا، وہ ناقابل شکست بن گیا تھا۔ صحبت پیغمبر اوّل و اعظم و آخر حضور پُرنور ﷺ نے، ان کے ایمان کو جو، جلا بخشی تھی وہ، ناقابل تسخیر تھی۔ نگاہ رسالت کا جو فیضان، ان کو نصیب ہوا تھا، اس سے وہ عزم و ہمت کا عظیم پہاڑ بن گئے تھے۔ دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضری کے وقت، تو یہ حلم و تواضع، عجز و انکساری کا نمونہ ہوتے تھے، لیکن جب باطل قوتوں سے نبرد آزما ہوتے تو ان سے بڑا تلوار کا دھنی کوئی نہ ہوتا تھا، ان سے زیادہ جری، نڈر، کوئی نظر نہ آتا تھا۔

کاش کہ ایسے غیر معیاری الفاظ لکھنے والوں نے، ایسے غیر معیاری خیالات کے حامل لوگوں نے، ناعاقبت اندیشوں نے موقعہ مشاورت کے بعد ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویے اور کارناموں کو ہی دیکھا ہوتا۔

جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مشاورت کے بعد لشکر کفار سے ٹکرانے کا فیصلہ فرمالیا اور

آگے بڑھے تو ان میں سے کسی نے بھی واپسی کو اختیار نہ کیا۔ بلکہ وہ وقتی کیفیت ختم ہوگئی اور ہر ایک شوق شہادت میں مستانہ وار، میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ اور جوں، جوں، اللہ کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی رہیں ان کے دل بڑھتے اور قدم مضبوط ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ جب جنگ کا وقت آ گیا تو ہر ایک یہی چاہنے لگا، کہ پہلے، اس کو جام شہادت نوش کرنے کا موقع ملے۔ اب تو دنیا کی کھجوریں اور پانی بھی بے مزہ لگنے لگا۔ صرف ایک ہی خواہش تھی کہ شہید ہوکر، جنت میں پہنچیں اور یا فاتح بن کر، آقا ﷺ سے، جنتی ہونے کی ضمانت لیں۔

پس ایسا ہی ہوا، چودہ جاں نثاروں نے شہید ہوکر، جنت کی راہ لی اور حیات ابدی کا انعام پایا اور فاتحین کو مژدہ ملا، کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:

''اہل بدر پر اللہ کی نظر رحمت ہوئی اور ان سے فرمایا، کہ اب تم جو چاہو کرو بے شک میں نے تمہارے گناہ بخش دیے۔'' (روح البیان ج 3، انفال، و مدارج النبوت)

یہ اہل بدر کی عظمت اور ان سے محبت کا اظہار ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے لیے شرعی احکام کی پابندی نہ رہی۔ ہاں اگر وہ اس جہاد کے بعد کوئی نفلی عبادت نہ کرتے تب بھی یقیناً مغفور اور جنتی ہی ہوتے، رضی اللہ عنہم۔

آخر میں

مولانا مودودی صاحب جیسے خیالات کے حامل صاحبان میرے ان سوالات کا جواب دیں، سمجھ آ جائے تو راستہ بدل لیں اور اپنی عاقبت سنوار لیں۔

1- کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظام و انتظام میں خامیاں ہیں؟

2- کیا قرآن حکیم میں کہیں تضاد ہے؟

3- کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کو دو دن پہلے (15 رمضان سن 2 ہجری بروز بدھ، میرے حساب کے مطابق مشاورت اس دن ہوئی تھی) والے جذبات و خیالات رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پتہ نہ تھا کہ یہی لوگ دو دن بعد ایمان و یقین کی اعلیٰ ترین پختگی اور اتباع، اطاعت و فرمانبرداری کے اعلیٰ ترین اور بے مثال معیار قائم کریں گے؟

غزوۂ بدر 17 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعہ وقوع پذیر ہوا اور اس غزوہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ثابت قدمی دکھائی، جس دلیری، شجاعت و بے جگری سے وہ لڑے اور جس طرح احکام نبوی، فرمان نبوی پر انہوں نے لبیک کہی اور ان کی ان خوبیوں کے سبب جنگ کے جو نتائج برآمد ہوئے ان کی اس دنیا میں مثال نہیں ملتی اور مثال نہیں مل سکے گی۔

انہیں اس کمال کی ثابت قدمی، حب رسول اللہ، اتباع، اطاعت و فرمانبرداری دکھانے پر مالک کائنات

نے مختلف خطابات وانعامات سے نوازا۔

سورہ مجادلہ آیت 22 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اصحاب بدر کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: ''یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی، اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، اور سن اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔''

جو لکھنے والے

انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے باشعور لوگ ان کے لکھے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن اسلام دشمن عناصر، مستشرقین کا کیا کریں کہ وہ تو مسلمانوں کے ایسے غیر معیاری لکھے ہوئے ہی کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ مسلمان کے ایسے غیر معیاری لکھے کو وہ اپنے مذموم موضوع کی بنیاد بنالیتے ہیں اور پھر اس کی آڑ میں تحقیق کے بہانے ہر کچھ کہہ جاتے ہیں، لکھ جاتے ہیں جو کہ دین اسلام کے لیے امت مسلمہ کے لیے، زہر قاتل ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کی یکسوئی، یکجہتی و وحدت کو پارہ پارہ کرتا ہے۔

اس مختصر سی بات چیت کے بعد سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اور بڑی خوبصورت گفتگو کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے بھی اپنے جذبہ جاں نثاری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے عرض کی۔

''یارسول اللہ! تشریف لے چلئے جدھر اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں بخدا! ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو جواب بنواسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ ''جایئے آپ اور آپ کا خدا ان سے جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں'' بلکہ ہم یہ کہیں گے تشریف لے چلئے آپ اور آپ کا پروردگار اور جنگ کیجئے ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اس ذات پاک کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور آپ کی معیت میں دشمن کے ساتھ جنگ کرتے جائیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 288)

قارئین کرام! حضرت ابوبکر صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے دو نام ہیں اور مقابلتاً غیر معروف ہیں۔ اس لیے درج ذیل میں ان کا تھوڑا سا تعارف پیش خدمت ہے۔

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ عامری، انہیں مقداد بن اسود کندی حضرمی بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے باپ نے اپنی قوم میں ایک خون کیا تھا۔ پس وہ حضرموت چلا گیا اور کندہ کا حلیف بن گیا اور ان کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ جس سے مقداد پیدا ہوئے۔ جب مقداد بڑے ہوئے تو ان کے اور ابی شمر بن حجر کندی کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ تو آپ نے اس کی ٹانگ پر تلوار ماری اور مکہ بھاگ آئے۔ اور اسود بن عبد یغوث کے حلیف بن گئے۔ اسود نے انہیں لے پالک بنا لیا اس لیے ان کو مقداد بن اسود کہتے ہیں اور یہی نام ان پر غالب آ گیا۔ جب یہ آیت ''کہ ان کے باپ کے نام سے پکارو'' اتری تو انہیں مقداد بن عمرو کہا جانے لگا۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ آپ بڑے دلیر تھے۔ آپ کی وفات سن 33 ہجری میں ہوئی۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد کے ان ایمان افروز جذبات کو سن کر انہیں کلمہ خیر سے یاد فرمایا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پھر فرمایا۔

''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

یہ تینوں کمانڈر مہاجرین سے تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور معرکے کا اصل بوجھ انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا اور بیعت عقبہ کی رو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تینوں حضرات کی باتیں سننے کے بعد پھر فرمایا! ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' مقصود انصار تھے اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھانپ لی، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔

''اے اللہ کے پیارے رسول! یوں لگتا ہے جیسے حضور ہماری رائے پوچھ رہے ہیں۔''

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ گویا ہوئے۔

''بے شک ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے ہم نے گواہی دی ہے کہ جو دین لے کر آپ تشریف لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور اس پر ہم نے آپ کے ساتھ وعدے کئے ہیں۔ اور ہم نے آپ کا حکم سننے اور اس کو بجا لانے کے پکے پیمان باندھے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ تشریف لے جائیے جدھر آپ کا ارادہ ہے ہم حضور کے ساتھ ہیں اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر آپ ہمیں سمندر کے سامنے لے جائیں اور خود اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم اس بات کو

ناپسند نہیں کرتے اگر آپ کل ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم جنگ کے گھمسان میں صبر کرنے والے ہیں دشمن سے مقابلہ کے وقت ہم سچے ہیں ہمیں امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کارنامے دکھائے جس سے آپ کی چشم مبارک ٹھنڈی ہو جائے گی۔ پس اللہ کی برکت پر آپ روانہ ہو جایئے۔"

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 615-السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 392)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ان پاکیزہ اور مجاہدانہ جذبات کو سن کر حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کی حد نہ رہی۔ پھر فرمایا۔

"روانہ ہو جاؤ۔ اور تمہیں خوشخبری ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بخدا! میں قوم کے مقتولوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔"

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 615-السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 392)

بے سروسامانی کے عالم میں

جب اہل ایمان کا نقطہ نظر سامنے آیا تو یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی مسلمانوں کو اللہ کی مدد و نصرت اور اپنی غیرت ایمانی سے جنم لینے والی قوت کی اثر پذیری اور نتیجہ خیزی پر کامل یقین ہے۔ ان کا شوق شہادت ان کی آنکھوں کی چمک سے عیاں تھا۔ وہ مادی وسائل پر نہیں قوت ایمانی پر یقین رکھتے تھے۔ وہ دشمن کی عددی برتری سے نہ خائف تھے اور نہ مرعوب۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت پر مکمل بھروسہ تھا اس لیے نہ وہ کسی مرعوبیت کا شکار ہوئے اور نہ کسی قسم کے احساس کمتری نے ان کے حوصلوں، ولولوں اور امنگوں کو پست کیا۔

بلکہ ان کے سینوں میں شہادت کے ارمان مچل رہے تھے۔ راہ حق میں عروس شہادت سے ہمکنار ہونے کا تصور ہر دنیاوی لذت و خواہش پر حاوی تھا۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ساری صورت حال اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے سامنے رکھی تو ان کی جبینوں پر ایک بھی شکن نمودار نہ ہوئی۔ وہ باطل سے ٹکر لینے کے لیے بے تاب نظر آنے لگے، مہاجرین کی طرف سے کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے حق میں تجاویز آنا شروع ہوئیں۔ کیونکہ انہوں نے مشرکین مکہ کی چیرہ دستیوں کو برداشت کیا تھا، عرصہ حیات ان پر تنگ کر دیا گیا تو انہیں ہجرت مدینہ کا حکم ملا۔ دشمن دین کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا یہ اچھا موقع تھا۔

اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بصیرت افروز اور روح پرور کلمات سماعت فرمانے کے بعد حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر خوشی کے آثار ہویدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر اپنے جرنیلوں کے اللہ کی راہ میں جان کے نذرانے پیش کرنے کے بلند عزائم پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے اسلامی لشکر کو بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا ارشاد گرامی ہوا۔

لوگو! چلو، اور تمہیں بشارت ہو کہ اللہ نے مجھ سے ایک گروہ کا وعدہ کرلیا ہے خدا کی قسم! میں لوگوں کے مرنے کے مقامات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔(ان مقامات کو دیکھ رہا ہوں کہ کون کہاں گرے گا، کہاں ڈھیر ہوگا۔)

(البدایہ والنہایہ، 262:3)

مجلس مشاورت بخیر انجام پذیر ہوئی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دشمن کے مقابلہ کے لیے چلنے کی دعوت دی۔اور وہاں سے بدر کے لیے روانہ ہوگئے۔

بدر میں تشریف آوری

پھر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ذفران کے قریب مقام مشاورت سے کوچ فرمایا اور ان پہاڑوں پر سے چلے جن کا نام الاصافر تھا۔وہاں سے ایک بستی کی جانب نزول فرمایا جس کا نام الدُبّہ تھا اور الحنان کو جو ایک ریت کا ٹیلا بڑے پہاڑ کی طرح تھا۔دائیں جانب چھوڑ کر بدر کے قریب نزول فرمایا۔پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص سوار ہو کر نکلے (ابن ہشام نے کہا کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے)۔ مجھ سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے بیان کیا، آپ عرب کے ایک شیخ کے پاس جا کر ٹھہر گئے۔اس سے قریش، محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق پوچھا اور دریافت کیا۔آیا ان کے متعلق خبریں ملیں؟ شیخ نے جواب دیا، میں تمہیں اس وقت تک کچھ نہ بتاؤں گا، جب تک مجھے یہ نہ بتادو کہ تم کن لوگوں میں سے ہو؟

رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا ''جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم بھی تمہیں بتائیں گے۔'' اس نے کہا، کیا وہ اس کے معاوضے میں؟ فرمایا: نعم (ہاں!)

بوڑھے سے گفتگو

شیخ نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی فلاں فلاں روز نکلے۔جس نے مجھے خبر دی ہے اگر اس نے سچ کہا تو آج وہ فلاں فلاں مقام پر ہوں گے اور وہی مقام بتایا، جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ قریش بھی فلاں فلاں روز نکل چکے تھے، جس نے مجھے خبر دی، اگر اس نے سچ کہا ہے تو آج وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہوں گے اور وہی مقام بتایا جہاں قریش تھے۔جب وہ خبر سنانے سے فارغ ہوا تو کہا: تم دونوں کن لوگوں میں سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحن من ماء دافق یعنی کہ ہم اچھلتے، کودتے پانی (منی) سے ہیں۔اس کے پاس سے آپ ﷺ پلٹ آئے۔راوی نے کہا: وہ کہنے لگا: پانی سے ہیں کا کیا مطلب؟ کیا عراق کے پانی سے؟ ابن ہشام نے کہا: وہ بوڑھا سفیان الضمری تھا۔

آخری فقرے کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ جب بوڑھے (سفیان الضمری) نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا نحن من ماء دافق یعنی کہ ہم اچھلتے پانی (منی) سے ہیں،

منی سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو کہ ایک سچ ہے، حقیقت ہے۔
اس طرح حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس بوڑھے کو گول مول جواب دے کر اپنا وعدہ بھی پورا فرمادیا اور اس کو اپنے بارے میں بے خبر بھی رکھا۔ اس زمانے میں عرب میں یہ طریقہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جہاں لوگ رہتے تھے وہاں کا پتہ وہ پانی کا نام لے کر بتایا کرتے تھے کہ ہم فلاں علاقہ کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بوڑھا یہ جواب سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور کہنے لگا:
''پانی سے تعلق رکھتے ہیں کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟''
(یعنی وہ پانی سے مراد اس محاورہ کے مطابق سمجھا جب کہ آپ ﷺ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ انسان کی اصل پانی یعنی منی کا ایک قطرہ ہے جس سے وہ اس دنیا میں آتا ہے۔ جس کو قرآن پاک میں ماء دافق یعنی اچھل کر نکلنے والا پانی فرمایا گیا ہے) مگر کتاب امتاع میں یہ ہے کہ حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ہم پانی سے آئے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عراق کی سمت میں اشارہ فرمایا تھا اور وہاں سے مدینہ منورہ کی سمت بھی وہی تھی۔ اسی لیے اس نے پوچھا کہ کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟ چونکہ عراق میں پانی کی کثرت اور بہتات تھی اس لیے بوڑھے نے اس اشارہ سے یہ سمجھ لیا کہ عراق کا پانی مراد ہے کہ ہم عراق سے آئے ہیں۔

اصول کی پاسداری، عہد کی پابندی

قارئین کرام! آپ کو اس معیار کی اصول پرستی اور عہد کی پابندی کہیں اور دیکھنے، پڑھنے کو نہیں مل سکے گی۔ یہ تو صرف وہی کر سکتے ہیں جنہیں اپنے رب پر سو فیصد توکل ہو جو ہر حال میں اللہ ہی کی مدد کے طالب ہوں اور اللہ کی مدد کے مقابلہ میں تمام دنیاوی وسائل کو بے بس، بیکار و ہیچ جانتے ہوں۔ جو سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق، اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے کر رہے ہوں۔
حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا تو ہر قدم اللہ کی رضا کے مطابق اور اللہ کی خوشنودی کے لیے اٹھتا تھا آپ ﷺ کے مقاصد تو دنیا سے ظلمت وضلالت، گمراہی کو دور کرنا اور کائنات میں اللہ کا نور پھیلانا تھے۔ آپ ﷺ کے دنیاوی مقاصد تو قطعاً نہ تھے۔
ظلمت و گمراہی (ضلالت) کے پروردہ اور ان کے طلبگار مشرکین تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور و روشنی کو بجھانے آئے تھے اور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ رب کائنات، خالق و مالک کل کے حکم و اذن سے ظلمت و ضلالت بدی و گمراہی کو دنیا سے دور کرنے اور اللہ کے نور کو کائنات میں ہر سو پھیلانے کے لیے بدر میں تشریف لائے تھے۔
گزشتہ اوراق میں مشرکین کی تعداد اور ان کا ہر طرح کے ساز و سامان حرب سے لیس ہونے کے بارے

لوگو! چلو، اور تمہیں بشارت ہو کہ اللہ نے مجھ سے ایک گروہ کا وعدہ کرلیا ہے خدا کی قسم! میں لوگوں کے مرنے کے مقامات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ (ان مقامات کو دیکھ رہا ہوں کہ کون کہاں گرے گا، کہاں ڈھیر ہوگا۔)

(البدایہ والنہایہ، 3:262)

مجلس مشاورت بخیر انجام پذیر ہوئی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دشمن کے مقابلہ کے لیے چلنے کی دعوت دی۔ اور وہاں سے بدر کے لیے روانہ ہوگئے۔

بدر میں تشریف آوری

پھر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ذفران کے قریب مقام مشاورت سے کوچ فرمایا اور ان پہاڑوں پر سے چلے جن کا نام الاصافر تھا۔ وہاں سے ایک بستی کی جانب نزول فرمایا جس کا نام الدّبہ تھا اور الحنان کو جو ایک ریت کا ٹیلا بڑے پہاڑ کی طرح تھا۔ دائیں جانب چھوڑ کر بدر کے قریب نزول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص سوار ہو کر نکلے (ابن ہشام نے کہا کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے)۔ مجھ سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے بیان کیا، آپ عرب کے ایک شیخ کے پاس جا کر ٹھہر گئے۔ اس سے قریش، محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق پوچھا اور دریافت کیا۔ آیا ان کے متعلق خبریں ملیں؟ شیخ نے جواب دیا، میں تمہیں اس وقت تک کچھ نہ بتاؤں گا، جب تک مجھے یہ نہ بتادو کہ تم کن لوگوں میں سے ہو؟

رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا ''جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم بھی تمہیں بتائیں گے۔'' اس نے کہا، کیا وہ اس کے معاوضے میں؟ فرمایا: نعم (ہاں!)

بوڑھے سے گفتگو

شیخ نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی فلاں فلاں روز نکلے۔ جس نے مجھے خبر دی ہے اگر اس نے سچ کہا تو آج وہ فلاں فلاں مقام پر ہوں گے اور وہی مقام بتایا، جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ قریش بھی فلاں فلاں روز نکل چکے تھے، جس نے مجھے خبر دی، اگر اس نے سچ کہا ہے تو آج وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہوں گے اور وہی مقام بتایا جہاں قریش تھے۔ جب وہ خبر سنانے سے فارغ ہوا تو کہا: تم دونوں کن لوگوں میں سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحن من ماء دافق یعنی کہ ہم اچھلتے، کودتے پانی (منی) سے ہیں۔ اس کے پاس سے آپ ﷺ پلٹ آئے۔ راوی نے کہا: وہ کہنے لگا: پانی سے ہیں کا کیا مطلب؟ کیا عراق کے پانی سے؟ ابن ہشام نے کہا: وہ بوڑھا سفیان الضمری تھا۔

آخری فقرے کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ جب بوڑھے (سفیان الضمری) نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا نحن من ماء دافق یعنی کہ ہم اچھلتے پانی (منی) سے ہیں،

منی سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو کہ ایک سچ ہے، حقیقت ہے۔

اس طرح حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس بوڑھے کو گول مول جواب دے کر اپنا وعدہ بھی پورا فرمادیا اور اس کو اپنے بارے میں بے خبر بھی رکھا۔ اس زمانے میں عرب میں یہ طریقہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جہاں لوگ رہتے تھے وہاں کا پتہ وہ پانی کا نام لے کر بتایا کرتے تھے کہ ہم فلاں علاقہ کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بوڑھا یہ جواب سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور کہنے لگا:

''پانی سے تعلق رکھتے ہیں کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟''

(یعنی وہ پانی سے مراد اس محاورہ کے مطابق سمجھا جب کہ آپ ﷺ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ انسان کی اصل پانی یعنی منی کا ایک قطرہ ہے جس سے وہ اس دنیا میں آتا ہے۔ جس کو قرآن پاک میں **ماء دافق** یعنی اچھل کر نکلنے والا پانی فرمایا گیا ہے) مگر کتاب امتاع میں یہ ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ہم پانی سے آئے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عراق کی سمت میں اشارہ فرمایا تھا اور وہاں سے مدینہ منورہ کی سمت بھی وہی تھی۔ اسی لیے اس نے پوچھا کہ کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟ چونکہ عراق میں پانی کی کثرت اور بہتات تھی اس لیے بوڑھے نے اس اشارہ سے یہ سمجھ لیا کہ عراق کا پانی مراد ہے کہ ہم عراق سے آئے ہیں۔

اصول کی پاسداری، عہد کی پابندی

قارئینِ کرام! آپ کو اس معیار کی اصول پرستی اور عہد کی پابندی کہیں اور دیکھنے، پڑھنے کو نہیں مل سکے گی۔ یہ تو صرف وہی کر سکتے ہیں جنہیں اپنے رب پر سو فیصد توکل ہو جو ہر حال میں اللہ ہی کی مدد کے طالب ہوں اور اللہ کی مدد کے مقابلہ میں تمام دنیاوی وسائل کو بے بس، بیکار و ہیچ جانتے ہوں۔ جو سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق، اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے کر رہے ہوں۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا تو ہر قدم اللہ کی رضا کے مطابق اور اللہ کی خوشنودی کے لیے اٹھتا تھا آپ ﷺ کے مقاصد تو دنیا سے ظلمت وضلالت، گمراہی کو دور کرنا اور کائنات میں اللہ کا نور پھیلانا تھے۔ آپ ﷺ کے دنیاوی مقاصد تو قطعاً نہ تھے۔

ظلمت و گمراہی (ضلالت) کے پروردہ اور ان کے طلبگار مشرکین تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور و روشنی کو بجھانے آئے تھے اور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ رب کائنات، خالق و مالک کل کے حکم و اذن سے ظلمت و ضلالت بدی و گمراہی کو دنیا سے دور کرنے اور اللہ کے نور کو کائنات میں ہر سو پھیلانے کے لیے بدر میں تشریف لائے تھے۔

گزشتہ اوراق میں مشرکین کی تعداد اور ان کا ہر طرح کے ساز و سامان حرب سے لیس ہونے کے بارے

میں لکھا جاچکا ہے اور مسلمانوں کا ان کے مقابلے کے لیے انتہا کی بے سروسامانی کی حالت میں نکلنا بھی بیان کیا جاچکا ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اس کڑے وقت میں مسلمانوں کو دنیاوی لحاظ سے مسلح افرادی قوت کی سخت ضرورت تھی۔ لیکن نہیں، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم، رہبر کائنات، ہادی انس وجاں ﷺ نے اصولوں پر سمجھوتہ نہ فرمایا۔ یہ صرف دنیا کو حکمت دانائی کا پیغام دینے والے، پیغمبر اوّل و آخر واعظم تاجدارِ کائنات حضرت محمد ﷺ ہی ہیں، جنہوں نے میدانِ جنگ میں بھی اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے اندازہ لگائیے، یہ ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ حیات طیبہ میں آپ کو اس قسم کے متعدد واقعات ملیں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان، اور حضرت ابوحسیل رضی اللہ عنہما، دونوں صحابی، کہیں سے آرہے تھے۔ بدر کے ایسے راستہ سے گزرے کہ، دشمن نے ان کو دیکھا اور پکڑ لیا۔ اور کہا، تم دونوں اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے جارہے ہو ہم ہرگز نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ تمہیں قتل کردیں گے۔ ان دونوں نے یقین دلایا کہ ہمارا جنگ سے کوئی واسطہ نہیں ہم تو اپنے کسی کام سے نکلے تھے۔ اور اب واپس مدینہ جارہے ہیں۔ بہت یقین دہانی کی، تو جان چھوٹی۔ لشکر اسلام میں پہنچ کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کرتے ہیں، تم نے وعدہ کرلیا ہے کہ جنگ میں حصہ نہ لوگے۔ لہٰذا اب تم اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاؤ، یہاں ٹھہرنا بھی، بدعہدی میں شمار ہوگا۔

کتنا قابل تقلید ہے' قابل غور ہے' قابل صد تحسین ہے، پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضور پُرنور ہادیٔ انس وجاں' رہبر کائنات ﷺ کا یہ فیصلہ۔ ایسے وقت جب کہ دشمن تعداد و سامان کے اعتبار سے کئی گنا بڑا ہے یہاں آدمیوں کی کمی ہے لیکن پابندی عہد کے اصول کی بناء پر اپنے دو جانثاروں کو شریک جنگ نہ ہونے دیا۔ یہ صرف اور صرف پیغمبر اوّل وآخر و اعظم ﷺ کی شان ہے۔

قریش کے سقوں سے پوچھ گچھ

بوڑھے سفیان الضمری سے معلومات حاصل کرنے کے بعد اسی شام کو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چند دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں کے بارے میں تازہ خبریں لے کر آئیں۔ انہیں قریش کا ایک پانی ڈھونے والا جانور نظر آیا اس کے ساتھ ایک تو بنی حجاج کا غلام تھا اور ایک بنی عاص کا غلام تھا۔ کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس رات عبیدہ بن سعید بن عاص کا غلام یسار پکڑا گیا، منبہ بن حجاج کا غلام مسلمان ہوگیا، نیز امیہ بن خلف کا غلام ابورافع بھی پکڑا گیا، ان سب کو حضور انور نبی کریم ﷺ کے پاس لایا

گیا جو اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا صرف اتنا ہے کہ بعض راویوں نے تینوں گرفتار ہونے والوں کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دو ہی کا ذکر کیا، جب کہ بعض راویوں نے ایک ہی شخص کا تذکرہ کیا۔ واللہ اعلم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ اس وقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں (اور اس تجارتی قافلے سے تعلق رکھتے ہیں) ان دونوں نے کہا:

''ہم قریش کے پانی ڈھونے والے ہیں۔'' یعنی کہ ہم قریش کے سقے ہیں، بہشتی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر یقین نہیں کیا اور انہیں مارا، جب ان پر مار پڑی تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔ اسی وقت حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب ان دونوں نے تم سے سچ بولا تو تم نے ان کو مارا اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے مارنے سے ہاتھ روک لیے۔ خدا کی قسم! یہ قریش کے لشکر کے آدمی ہی ہیں اور مجھے قریش کے متعلق خبریں دے گے۔''

آپ ﷺ نے جب ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ قریش ریت کے اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو وادی کے بلند کنارے کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے، انہوں نے کہا بہت ہے (یعنی انہوں نے صحیح تعداد نہیں بتلائی) ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم! ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بڑے بہادر لوگ ہیں۔''

آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان کی تعداد کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے بہت کوشش کی کہ ان سے قریش کی صحیح تعداد معلوم فرمالیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر آپ ﷺ نے حکمت عملی کے ساتھ یہ بات معلوم فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، ان سقوں نے کہا کہ کسی دن نو اور کسی دن دس جانور ذبح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس تو ان کے لشکر کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے، یعنی ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا؟

''قریش کے معزز لوگوں میں سے ان کے ساتھ کون کون ہے؟''

انہوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ بن حجاج اور سہیل بن عمرو عامری۔

یہ حضرت سہیل بعد میں فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے اور قریش کے بڑے سرداروں اور بلند پایہ

خطیبوں میں سے تھے، آگے آئے گا کہ یہ اس غزوہ میں گرفتار ہو گئے تھے، ان کے علاوہ قریشی لشکر میں عمر بن عبدود بھی تھا۔

غرض یہ سن کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''مکہ نے اپنا دل و جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لیے بھیجا ہے، یعنی اپنے تمام معزز اور بڑے بڑے لوگ بھیج دیئے ہیں۔''

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک بار پھر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مکہ نے تمہاری طرف اپنے جگر گوشے پھینک دیئے ہیں۔'' (السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1: صفحہ 617)

وادی بدر میں مزید پیش قدمی اور تعمیر مرکز قیادت

میدان بدر میں حضور انور ﷺ نے کہاں قیام فرمایا اس واقعہ کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں۔

قریش نے آگے بڑھ کر وادی کے دور افتادہ کنارے العدوۃ القصوئ پر اپنے خیمے نصب کیے۔ لیکن سارے پرانے کنویں وادی کے ٹیلے کے نشیبی علاقہ میں تھے۔ حضور پُرنور، سرور دو عالم ﷺ عدوۃ الدنیا کی طرف سے وادی بدر میں داخل ہوئے۔ جب پہلے کنویں پر پہنچے تو وہاں قیام کا ارادہ فرمایا۔

حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہاں جس منزل پر آپ ﷺ نے قیام فرمایا ہے کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں قیام کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اور ہم یہاں سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں یا یہ صرف آپ ﷺ کی رائے اور جنگی چال ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ صرف رائے اور جنگی چال ہے، تب حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا،

''یارسول اللہ! پھر یہ جگہ مناسب نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ لوگوں کو یہاں سے ہٹا لیجیے اور وہاں قیام کیجیے جو دشمن کے پانی سے قریب ترین جگہ ہو۔ جب دشمن یعنی قریش پڑاؤ ڈالیں تو وہ چشمہ وہاں سے قریب ترین ہو۔''

پھر حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں اس چشمے کے زبردست سوت اور پانی کی کثرت سے واقف ہوں کہ وہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ ہم وہیں پڑاؤ ڈالیں گے اور پھر اس کے علاوہ جو گڑھے اور سوت ہیں ان کو پاٹ دیں گے۔''

یعنی جو دوسرے خام اور کچے کنویں ہیں ان کو بھر دیں گے۔ پھر ہم اس بڑے چشمے پر حوض بنا کر اس میں پانی جمع کر لیں گے اور اس طرح ہمارے پاس پینے کا پانی کافی مقدار میں ہوگا جب کہ ان لوگوں کو پانی نہیں ملے

گا کیونکہ دوسرے تمام گڑھے اس چشمے کے پیچھے ہوں گے۔

یہ سن کر حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھی رائے دی ہے۔ اسی وقت جبرائیل نازل ہوئے اور انہوں نے حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے کہا کہ حباب بن منذر نے جو رائے دی ہے وہ بہت عمدہ اور مناسب ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور تمام لوگ وہاں سے روانہ ہوئے اور اس چشمے پر آئے جو اس جگہ سے قریب ترین تھا جہاں قریش نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ مسلمانوں نے یہاں قیام کیا اور پھر آپ ﷺ نے گڑھے بھرنے کا حکم دیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کچے کنویں پر ایک حوض بنوائی جہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا اور اس میں پانی بھروا دیا اور ڈول ڈلوا دیئے۔ اور اس طرح حضرت حباب کے مشورے پر عمل فرمایا (ایسے کچے اور بغیر من (بغیر منڈیر) کے کنویں کو عربی میں قلیب کہتے ہیں۔)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 620) (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 35)

اسی وقت سے حضرت حباب رضی اللہ عنہ کو ذی رائے کہا جانے لگا تھا، اگرچہ بعض لوگوں کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حباب رضی اللہ عنہ اس سے پہلے اس لقب سے مشہور تھے۔

سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے عریش بنانے کا مشورہ

اس موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری تجویز بارگاہ رسالت مآب میں پیش کی۔ یہ وہی سعد ہیں جنہوں نے مجلس مشاورت میں ایمان افروز جواب دے کر حضور کے قلب مبارک کو مسرور کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم حضورِانور ﷺ کے لیے ایک عریش (چھپر) نہ بنا دیں۔ جو کھجور کے پتوں کا ایک سائبان ہوتا ہے۔

تاکہ حضورِانور ﷺ اثنائے جنگ اس میں قیام فرمائیں۔ اور حضورِانور ﷺ کی سواری کے لیے اونٹ بھی وہاں تیار کھڑے رہیں۔ پھر ہم دشمن سے نبرد آزما ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر ہمیں عزت و فتح سے سرفراز فرمادے پھر تو ہمارا مدعا پورا ہو گیا یہی ہم پسند کرتے تھے۔ اگر دوسری صورت پیدا ہو جائے تو حضورِانور ﷺ اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے جائیں جہاں حضور ﷺ کے وفا شعار غلاموں کی معقول تعداد موجود ہے جو ہم سے کہیں زیادہ حضورِانور ﷺ پر فریفتہ ہیں۔ اس کے بعد اگر دشمنوں سے جنگ کرنے کی نوبت آئے گی تو وہ حضور کے پرچم کے نیچے اپنی جان کی بازی لگا دیں گے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ خلوص و ایثار میں وہ کسی سے کم نہیں۔ حضور کی معیت میں میدان جہاد میں داد شجاعت دے کر اپنی غلامی کا حق ادا کریں گے۔

یہ مشورہ سن کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جذبہ کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے سعد! اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے زیادہ بہتر چیز کا فیصلہ فرما لیا ہو؟''
یعنی ان کی فتح ونصرت کا اور دشمن پر ان کو غالب کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجازت ملنے کے بعد ایک ٹیلہ پر حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عریش بنا دیا۔ وہاں بیٹھ کر میدان جنگ کا سارا حال دیکھا جا سکتا تھا۔
اس عریش میں ایک تو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور دوسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تیسرے کسی شخص کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خود تلوار سجا کر پہرہ دینے کے لیے اس عریش کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 49)

ابو بکر رضی اللہ عنہ بہادر ترین شخص

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:
''بتلاؤ سب سے زیادہ بہادر شخص کون ہے؟
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بہادر شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں جب ہم نے حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ چھپر بنا دیا تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہاں کون شخص رہے گا تا کہ مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آ سکے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''خدا کی قسم! یہ سن کر ہم میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی آگے بڑھے اور حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر اپنی تلوار کا سایہ کر کے کہنے لگے کہ جو شخص بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کی جرأت کرے گا اسے پہلے اس سے یعنی ان کی تلوار سے نمٹنا پڑے گا۔''
اسی لیے حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ بہادر شخص قرار دیا۔
مگر یہ بات جنگ کی آگ بھڑکنے سے پہلے کی ہے کہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی، کیونکہ جنگ کے شروع ہونے کے بعد خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چھپر کے دروازے پر نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے جب کہ وہیں یعنی چھپر کے دروازے کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم انصاریوں کے ایک دستے کے ساتھ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے تعینات تھے۔
موقع کی مناسبت سے اس واقعہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زبانی قدرے تفصیل سے سننا زیادہ مناسب

معلوم ہوتا ہے۔ اس سے اس لافانی محبت اور احترام کا آپ کو اندازہ ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں ایک دوسرے کے بارے میں تھا۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کیا مقام تھا۔

اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر نے امام بزاز کی مسند کے حوالہ سے اپنی سیرت میں نقل فرمایا ہے۔ ایک روز اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے سامعین سے پوچھا اے لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب لوگوں سے بہادر کون ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا، اے امیر المومنین! آپ۔

حضرت علی شیر مردان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں وہ ہوں جس کو جب کسی نے للکارا تو میں نے اپنی تلوار سے اس کے ساتھ انصاف کر دیا۔ لیکن سب سے زیادہ بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ ہم نے جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عریش بنایا تو ہم نے اعلان کیا کہ اس عریش میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا تا کہ کوئی مشرک، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی جسارت نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا:

''بخدا! کوئی آدمی اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے نہ اٹھا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے، جو اپنی تلوار لہراتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے تا کہ اگر کوئی بدبخت حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کا جواب دے سکیں۔ یہ ہے سب لوگوں سے بڑا شجاع۔''

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کفار نے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا ہوا ہے۔ کوئی دھینگا مشتی کر رہا ہے اور کوئی بک بک کر رہا ہے۔ اور وہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ رہے ہیں کہ تم وہ ہو جس نے بہت سے خداؤں کے بجائے ایک خدا کو ماننے کا دعویٰ کیا ہے۔

بخدا! ہم میں سے کوئی بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نرغے سے نکالنے کے لیے آگے نہ بڑھ سکا۔ سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔ آپ آگے بڑھے کسی کو مار کر کسی کو دھکا دے کر پرے ہٹایا اور ان کی ہرزہ سرائیوں کے مسکت (برجستہ اور خاموش کر دینے والے) جواب دیئے۔ اور ان کو بار بار یہ کہہ کر جھنجھوڑتے رہے۔

''تمہارا ستیاناس ہو، تم ایسے شخص کو مارنے کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، (تمہیں شرم نہیں آتی۔)''

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے وہ چادر اٹھائی جو آپ نے اوڑھی ہوئی تھی۔ آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا جس سے آپ کی ریش مبارک بھیگ گئی پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو خطاب کرتے

ہوئے فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں مجھے بتاؤ کہ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟''

ساری قوم (سب سننے والوں) نے خاموشی اختیار کرلی۔ کچھ انتظار کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک ساعت آل فرعون کے مومن کی ساری زندگی سے بہتر ہے۔ وہ شخص اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن یہ اپنے ایمان کو اعلانیہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے۔''

کفار کی قتل گاہوں کی نشاندہی

معرکہ بدر بپا ہونے سے ایک روز قبل یعنی کہ 16 رمضان بروز جمعرات کو بوقت شام سپہ سالار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ میدان جنگ کا جائزہ لیا اور کفار کی قتل گاہوں کی نشاندہی فرمائی۔ قریش کے ایک ایک سردار کا نام لے کر بتایا کہ فلاں کی لاش یہاں گرے گی فلاں کی لاش وہاں گرے گی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات کی نشاندہی فرمائی تھی:

''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی ایک (کافر بھی) متجاوز نہیں ہوا (یعنی جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا۔) (صحیح مسلم، جلد 2: صفحہ 102)

قارئین کرام

اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک وضاحت ضروری ہے۔ اکثر سیرت وتاریخ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ 16 رمضان بروز جمعرات کو جب لشکر اسلام بدر میں اپنی آخری منزل یا تکنیکی پوزیشن پر قیام پذیر ہوا تو وہاں انہیں مشرکین کے مقابلہ میں پانی کی قلت کا سامنا تھا۔ یہ سچ نہیں ہے بلکہ یہ ایک غلط بیانی ہے جسے میں مختصر دلائل سے ثابت کروں گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی پانی کی ضرورتیں، ضرورت یا حاجت زیادہ تھی جس کے سبب شیطان نے طرح طرح سے وسوسے ڈالنا چاہے اور ڈالے بھی لیکن وہ رب کائنات کی مسلمانوں خاص رحمتوں کے سبب مکمل ناکام رہا۔

شیطان کا کام شیطانی ہی کرنا ہے۔ وسوسے ہی ڈالنا ہے۔ نیکی سے، بھلائی سے، اچھے کاموں سے روکنا ہی تو اس کا کام ہے اور مسلمان نوری کام کر رہے۔ وہ تو نیکی، اچھائی، خوبیوں اور اللہ کے نور کو عام کرنا چاہتے تھے اس لیے شیطان ان کے خلاف برسر پیکار تھا۔

یوم غزوۂ بدر تو تاریخ دنیا، تاریخ کائنات میں بہت ہی زیادہ اہم موڑ کا دن ہے۔ اس دن مسلمانوں کی کامیابی شیطان کی بہت بری شکست ہوئی اور مسلمانوں کو ناکامی ہوتی تو شیطان کا بول بالا ہو جاتا، نیکی، نور، اچھائی کا پودا اگتے ہی کاٹ دیا جاتا تو اسی وقت سے ہماری دنیا میں، ہماری کائنات میں ضلالت وظلمت کا ہمیشہ

کے لیے راج ہو جاتا۔

جہاں تک پانی کی حقیقی کمی کا تعلق ہے وہ تو نہ تھی کیونکہ

1- حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ وہاں کے چشموں سے واقف تھے اور وہ لشکر اسلام کو سب سے اچھے اور بڑے کنویں، چشمے پر لے گئے تھے۔

2- اور زائد چشمے، کنویں مصلحتاً پاٹ دیئے گئے تھے۔ پاٹ دینے سے مراد کنویں ختم کر دینا نہیں ہے بلکہ عارضی طور پر ایسے کر دینا کہ خدانخواستہ دشمن، ان تک پہنچ جائے تو فوری انہیں استعمال نہ کر سکے۔ پانی کے حصول میں اسے وقت لگے اور دقت ہو۔

3- مشرکین کے سقے انہی چشموں سے پانی لیتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔

4- 17 رمضان کی صبح کچھ سرداران مشرکین نے مسلمانوں کے حوض سے پانی پیا تھا۔

مندرجہ بالا کی بنا پر میں یہ کہتا ہوں اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے قبضہ میں یا مسلمانوں کی پہنچ میں پانی کسی طرح سے کم نہ تھا۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ لشکر کفار کے پاس پانی نہیں تھا۔ ان کے علاقہ میں بھی کوئی چشمہ یا کنواں ہوگا۔ اور اگر نہ بھی ہو تو مشرکین کے پاس سارے لشکر کے لیے پانی لانے اور جمع کرنے کے ذرائع موجود تھے۔ سقے، مشکیں، چھاگلیں، مشکیزے اور پانی لادھ کر لانے کے لیے جانور گدھے، خچر، اونٹ وغیرہ بھی کافی ان کے ساتھ تھے۔

یہ مسلمان ہی تھے جو صحیح بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ اکثر کے پاس پانی لے لینے یا پانی لینے کا برتن بھی نہ تھا اوک سے ہی پانی پی لیا اور اوک سے ہی اپنے اوپر نہانے کا پانی ڈال لیا۔

یہاں بنیادی فرق پانی کی ضرورت کا ہے۔ مسلمانوں کے لیے پانی صحیح معنوں میں آب حیات ہے۔ صفائی نصف ایمان ہے۔ مسلمانوں نے پاس انفرادی چھاگل یا مشکیزے تو ہو سکتے ہیں اور وہ بھی بہت کم کے پاس ہر ایک کے پاس نہیں۔ ان کے پاس بڑی مشک وغیرہ تو نہ ہوں گی' نہ سقے' نہ پانی لادھ لانے کے کوئی جانور۔ ان کی اکثریت کے پاس ایک ہی جوڑا تھا جس سے وہ تن ڈھانپے ہوئے تھے اور بعض کے پاس تو ستر پوسی کے لیے صرف ایک ہی قمیض یا کپڑا۔ اور اسے پاک صاف رکھنا بھی ضروری۔

اس لیے مسلمانوں کی نہانے، دھونے، وضو، طہارت کی ضروریات فوری اور زیادہ تھیں اور جن کے لیے انہیں دن میں چار پانچ دفعہ تو پانی کی ضرورت پڑتی تھی۔

مسلمان تو بدر کے قریب اور پھر بدر میں 16 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعرات عصر کے قریب پہنچے تھے اور وقت نماز عشا تک وہ میدان بدر میں اپنی پوزیشن ہی سنبھال رہے تھے یا پڑاؤ ڈال رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ تھکے تھے، ان کے کپڑے بھی میلے یا ناپاک ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں انہیں نہانے، اپنے کپڑے دھونے یا

طہارت کی شدید طلب ہوگی جو کہ پانی کے بغیر ممکن نہیں اور نہائے دھوئے بغیر نہ طہارت کی طرف سے ذہنی سکون ملتا ہے اور نہ ہی ایسے میں آدمی پرسکون نیند کرسکتا ہے۔

مصلحتاً دو تین چشمے پاٹ دیئے گئے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر پانی کی کمی محسوس کی گئی اور شیطان نے ان حالات واحساس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے۔

لیکن مسلمانوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص رحمتیں تھیں کہ بروقت مزے دار بارش ہوگئی جس سے مسلمانوں کو قدرتی طہارت (نہانا دھونا) وتازگی، نفاست ودلجمعی، میٹھی گہری نیند، اچھی نیند کے سبب دماغی و جسمانی چستی، صاف ستھری فضا، چلنے پھرنے کے لیے اچھی زمین اور ضروریات زندگی کے لیے وافر پانی مل گیا اور یہ رحمت کی بارش اپنے ساتھ شیطانی وسوسوں کو بھی بہا کرلے گئی۔

مسلمانوں پر خصوصی رحمتیں

غزوۂ بدر میں قدم قدم پر مسلمانوں کو اللہ کی مدد ونصرت حاصل ہوئی۔ باران رحمت کا نزول بھی تائید الٰہی کی ایک کھلی نشانی تھی۔ رات خوب بارش ہوئی۔ صحرا پر ابر کرم کے چھینٹے پڑے تو زمین کی خوشبو جاگ اٹھی۔ موسم خوشگوار ہوگیا۔ بارش سے ریتلی زمین میں سختی آگئی اور زمین پر پاؤں جمانے میں آسانی محسوس ہونے لگی۔ یہی بارش کفار ومشرکین کے لیے زحمت بن گئی۔ ان کا علاقہ دلدل میں تبدیل ہوگیا۔ گھڑسوار دستے کی جنگی اہلیت بری طرح متاثر ہوئی۔ بارش برسانے کا تذکرہ خدائے بزرگ وبرتر نے اپنی آیات مقدسہ میں بھی فرمایا ہے۔

(سیرت ابن ہشام، جلد 1: صفحہ 620)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بغیر ظاہری آثار کے بارش کردی جس کے نتیجے میں پانی کی قلت دور ہوگئی اور جنگی نقطہ نظر سے خاصا فائدہ ہوا۔ کہ کفار کی طرف والی زمین دلدل میں تبدیل ہوگئی لہٰذا ان کے لیے چلنا' پھرنا اور جم کر لڑنا مشکل ہوگیا۔ مسلمان اونچائی پر تھے اس طرف کی ریت جم گئی اور اونٹوں اور انسانوں کے پاؤں جو پہلے ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے اب زمین پر اچھی طرح جمنے لگے۔ قدرت خداوندی کہ ابلیس کی ہر چال ناکام ہوگئی اور مسلمان ایمان کی دولت سے مزید مالا مال ہوگئے۔

وسوسوں کا علاج

میدان بدر میں شیطان لشکر کفار کا نمائندہ بن کر پوری طرح متحرک تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر اگر مشرکین مکہ شکست کھا گئے تو پھر اسلام کی آفاقی تعلیمات کے فروغ کو دنیا کی کوئی طاقت نہ روک سکے گی اور پوری دنیا پر توحید کا پرچم لہرانے لگے گا۔ اس لیے وہ مجاہدین کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگا اور انہیں ورغلانے کے لیے طرح طرح کی ترغیبیں دینے لگا اور شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کے ایمان کو

متزلزل کرنے لگا۔ شیطان نے ناپاکی، پانی کی قلت، تھکان، نیند کی کمی، ریتلی زمین کے وسوسے مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنا شروع کر دیئے تاکہ وہ کمزور ہو جائیں، بددل ہو جائیں اور میدان کارزار میں شیطان کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

شیطانی وساوس کی یلغار سے وہ پریشان اور فکرمند ہوئے۔ جس وادی میں مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے اس میں مٹی اور ریت بہت تھی اور زمین نرم تھی جس میں پیر دھنستے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی پریشانی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اچانک وہاں بارش برسادی جس سے گردو غبار دب گیا اور مٹی جم گئی۔ اس طرح حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکلیف ختم ہوگئی۔ سب بارش کے پانی سے تازہ ہوگئے۔ لوگوں کے دلوں سے شیطان کے وسوسے دور ہوگئے۔ سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے پانی کے برتن چھاگل بھر لیے اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور خوب نہا دھو کر تروتازہ ہوگئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس رحمت خاص کا یوں ذکر فرمایا ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ تمہیں گندگیوں سے پاک کردے اور شیطانی وسوسے تمہارے دلوں سے نکال دے اور تمہارے دلوں کو قوت وحوصلہ عطا فرمائے اور تمہارے پاؤں جما دے یعنی مٹی اور ریت کو جمادے تاکہ اس میں تمہارے قدم نہ دھنسیں۔''

ادھر اسی بارش کی وجہ سے قریش سخت مصیبت میں پڑ گئے ادھر کیچڑ ہو گیا جس سے چلنے پھرنے میں دشواری ہوگئی اور وہ نہ تو اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل رہے اور نہ پانی کے چشمے تک پہنچنے کے قابل رہے، اس طرح یہ بارش جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لیے نعمت اور قوت ثابت ہوئی وہیں دوسری طرف مشرکوں کے لیے ایک مصیبت اور زحمت بن گئی۔

اللہ کی مددِ خاص

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں ایسے محیر العقول واقعات بھی رونما ہوتے ہیں عقل جن کی توجیہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ سوچ جن کے بارے میں سوچ سوچ کر ماؤف ہو جاتی ہے اور سائنس انہیں اتفاقات کا نام دے کر اپنا دامن چھڑا لیتی ہے لیکن روحانی دنیا میں یہ بظاہر خلاف عقل واقعات کسی استعجاب اور حیرت کا باعث نہیں بنتے کیونکہ اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کو اپنے ایمان وایقان کی بنیاد بنانے والے اپنی ہر سوچ کو مشیت ایزدی کے تابع کر دیتے ہیں وہ اس کائنات رنگ وبو کے اس خالق کی پرستش کرتے ہیں جس کے اذن سے ہوائیں سفر کرتی ہیں اور جس کے حکم سے بنجر زمینوں کو شاداب ساعتوں کا لمس عطا ہوتا ہے۔ جو ہر ذی روح کی ایک ایک سانس کا مالک ہے جو حیی بھی ہے اور قیوم بھی، جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے جو جبار بھی ہے اور قہار بھی اور جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی۔ یہی احساس انہیں ایمان کی دولت سے نوازتا

ہے اور وہ ان محیر العقول واقعات کو کرشمہ خداوندی سمجھ کر من وعن قبول کر لیتے ہیں اور یہی ایمان کی معراج ہے۔
غزوۂ بدر میں اللہ کی مدد اور نصرت کو آسمانوں سے اترتے ہوئے اہل ایمان نے ہی نہیں دیکھا بلکہ مشرکین مکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمن بھی اس تائید غیبی کے عینی شاہد ہیں۔

پرسکون نیند

انسان کا ذہن اگر منتشر ہو یا اس پر حالات کا دباؤ ہو تو وہ بے چینی اور سستی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی نیند ختم ہو جاتی ہے۔ میدان جنگ میں جہاں جان کے لالے پڑے ہوں، موت سامنے رقص کر رہی ہو تو خوف کی لہر خون میں سرایت کر جاتی ہے اور بہادر سے بہادر انسان کا پتہ بھی پانی ہونے لگتا ہے۔ اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے لیکن زمانے نے دیکھا کہ میدان بدر میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعظم ﷺ جاگ رہے ہیں اور اپنے مالک کے حضور گڑگڑا کر التجائیں کر رہے ہیں۔ فتح وکامرانی کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اور وہ اسلامی لشکر جس نے صبح باطل کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کرنا ہے، جس نے مشرکین مکہ کے گھمنڈ کو خاک میں ملانا ہے، اور جس نے باب حریت کا نیا عنوان رقم کرنا ہے نیند کے گہرے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔
یہ نہیں کہ انہیں حالات کی نزاکت کا اندازہ نہیں وہ تو مدینے کے دفاع میں پوری پوری رات پہرہ دیتے رہے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ ان کے پاس اتنی افرادی قوت ہے یا وسائل جنگ کی اتنی فراوانی ہے کہ وہ دشمن کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ انہیں ایمان کی دولت نصیب ہے اور انہیں تائید خداوندی پر مکمل بھروسہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے۔ عزت، ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ طمانیت، یہ وقار، یہ پرسکون نیند اور یہ سکون قلبی ایمان کی عطا ہے۔ یہ میٹھی نیند عطیہ خداوندی ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے عظیم ساتھیوں پر پرسکون نیند اتاردی ہے، جاگنے کی کوشش کے باوجود لشکریوں کی آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔
لیکن دوسری طرف دشمن اضطراب و بے چینی کی کیفیت سے دوچار ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دشمن کی نقل وحرکت کی خبریں لے کر واپس آتے ہیں تو بیان کرتے ہیں کہ کفار تو ڈر کے مارے کسی گھوڑے کو بھی ہنہنانے نہیں دیتے۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری نیند کا یہ حال تھا کہ اٹھنے کی کوشش کرتا لیکن نیند کے باعث پھر سو جاتا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ وہ بھی نیند میں بے ہوش تھے اٹھنے کے لیے کروٹ بدلتے تو دوسری طرف گر جاتے۔ اس کیفیت کو قرآن مجید نے سورہ انفال کی آیت 11 میں یوں بیان کیا ہے:

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○

''جب اس نے اپنی طرف سے (تمہیں) راحت وسکون (فراہم کرنے) کے لیے تم پر غنودگی طاری فرمادی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس کے ذریعے تمہیں (ظاہری و باطنی) طہارت عطا فرمادے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی نجاست کو دور کردے اور تمہارے دلوں کو (قوت یقین) سے مضبوط کردے اور اس سے تمہارے قدم (خوب) جمادے۔ (سورۃ انفال آیت 11)

نتیجہ اس خدائی مدد کا یہ نکلا کہ مسلمان جب صبح نماز کے لیے اٹھے تو تازہ دم تھے چاک و چوبند اور پوری طرح بیدار، لیکن ساری رات سوتے جاگتے کی کیفیت میں رہنے والا لشکر کفار کی جب صبح ہوئی تو وہ پژمردہ، بے چین، مایوس اور مرجھایا ہوا تھا۔

نقشہ جنگ بدر

مدینہ کو
شام کو
بدر کی بستی
اسلامی فوج
باغات
عام قبرستان
جبل اسفل
مکہ کو
شمال
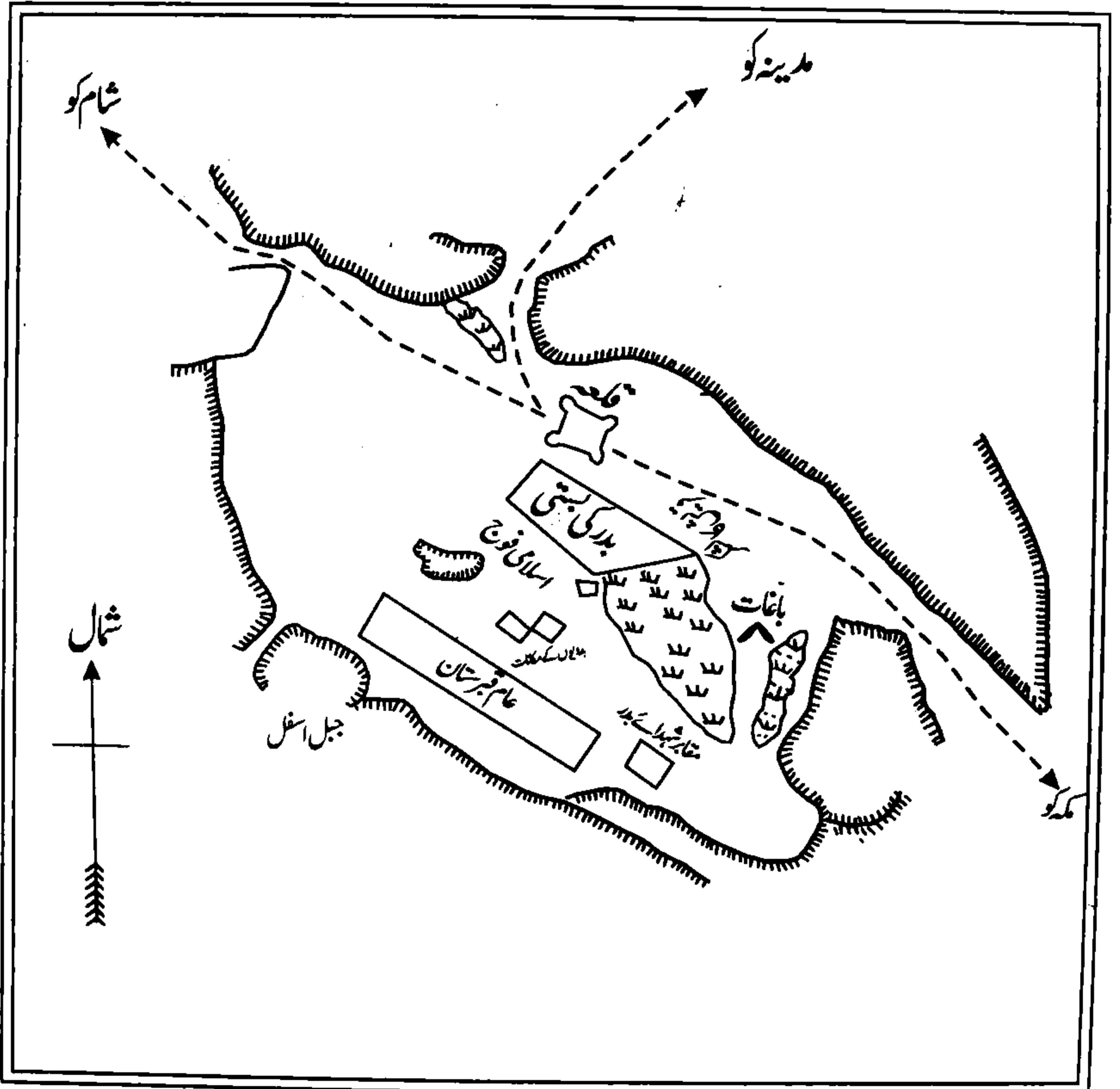
میدان بدر، محل وقوع

عرب کا مغربی علاقہ پہاڑی ہے۔ اس لیے وادیوں ہی سے قافلے والے گزرتے ہیں۔ گھاٹیوں کا راستہ زیادہ دشوار گزار ہے۔ عہد قدیم اور عہد نبوی ﷺ میں جو راستہ مکہ، بدر اور مدینہ سے گزرتا تھا۔ اس میں اب تبدیلی ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد رفتہ رفتہ حاجیوں کی تعداد جب لاکھوں پر پہنچی تو پانی اور پڑاؤ کی ضرورتوں کے مدنظر بعض منزلوں کو بدل دیا گیا۔ ترکوں نے اپنے عہد حکومت میں ایک علیحدہ راستہ ''طریق سلطانیہ'' بنایا تھا جس کے کچھ حصہ پر ریلوے لائن بھی بچھادی گئی تھی۔

بدر اور مدینے کے درمیان متعدد نخلستان موجود ہیں۔ حمرا سے مدینے تک جنگل بھی پائے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ میٹھا پانی ملتا ہے اور علاقہ سرسبز ہے۔ چراگاہیں بھی موجود ہیں۔

میدان بدر اور اس کے محل وقوع کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے تاکہ جنگ میں رونما ہونے والے واقعات کا آپ صحیح جائزہ لے سکیں اور ان سے مستفید ہوسکیں۔

علامہ یعقوب الحموی معجم البلدان میں بدر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان اس نام سے مشہور ہے وادی بدر کے نشیب میں ساحل سمندر سے ایک رات کی مسافت (اندازاً 18 کلومیٹر کی دوری) پر واقع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بدر بن یخلد بن نضر کی طرف منسوب ہے۔''[1] اس لیے اس نام سے اس کو شہرت ملی۔

مکہ سے تقریباً 330 کلومیٹر اور مدینہ سے 130 کلومیٹر کے فاصلہ پر بدر کا مقام ہے، یہاں سے ایک راستہ سیدھے شمال کی جانب شام کو جاتا ہے اور دوسرا راستہ مشرق کی سمت مدینہ کو جاتا ہے۔ بدر پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ وادی کے بیچوں بیچ سے سڑک گزرتی ہے۔ بائیں جانب پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے اور اس سے ذرا اوپر سطح مرتفع کی شکل میں ریتلا میدانی قطعہ ہے، بدر ان پہاڑی سلسلوں کی پہلی وادی میں ہے جو اندرون ملک پورے حجاز میں شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کوہ اور سمندر کے درمیان بدر میدانی علاقہ ہے۔

اس کے ساحل سے بھی قافلہ کا راستہ گزرتا ہے۔ بدر کا میدان زیادہ تر ریتلا ہے۔ مکہ، شام اور مدینہ جانے والے راستے جو وادیوں سے گزرتے ہیں بدر ہی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

بدر، مدینہ منورہ سے تقریباً 130 کلومیٹر بجانب مغرب جنوب اس شاہراہ پر واقع ہے جس پر زمانہ قدیم سے شام اور مکہ مکرمہ کے درمیان تجارتی قافلوں کی آمدورفت رہی ہے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کے اور راستے بھی ہیں جن میں سے بعض کا فاصلہ نسبتاً کم ہے لیکن لوگ بدر ہو کر ہی آتے جاتے ہیں اور حال میں جو پختہ سڑک موٹروں کے لیے حرمین شریفین کے درمیان بنائی گئی ہے وہ بدر سے ہوتی ہوئی گئی ہے۔ بحیرہ احمر کے

ساحل سے اس مقام کا فاصلہ اندازاً 18 کلومیٹر ہوگا۔

حرمین شریفین کے درمیان جو سڑک بنائی گئی تھی وہ تو بدر سے گزر کر جاتی تھی۔ ستر کی دہائی کے آخر تک یہی بڑی سڑک تھی جو ہر طرح کی آمدورفت کے لیے تھی۔ وہ سڑک اب بھی قائم ہے اور شہداء بدر کی زیارت کے شائقین اسی سڑک پر جا کر شہداء بدر کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ سعودی حکومت نے اسی کی دہائی کے شروع میں حجاج اور زائرین کی سہولت کے لیے ایک نئی سڑک بنائی ہے جو بدر سے کافی ہٹ کر گزرتی ہے۔ یہ بہت وسیع سڑک ہے آنے جانے کے لیے الگ الگ راستے ہیں اور بیک وقت ہر سڑک پر تین تین موٹریں آ جا سکتی ہیں عام ٹریفک آج کل (1985ء سے) اسی شاہراہ پر چلتی ہے۔

بدر بیضوی شکل کے ایک میدان میں واقع ہے جسے پہاڑوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اس میدان کا طول اندازاً 8 کلومیٹر اور عرض اندازاً 6½ کلومیٹر کے قریب ہے۔ اردگرد کے پہاڑوں کے نام الگ الگ ہیں۔ مشرقی جانب کے پہاڑوں یا ٹیلوں کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔ شمال وجنوب میں دو سفیدی مائل ٹیلے ہیں جو دور سے ریت کے بلند تودے معلوم ہوتے ہیں ان میں سے شمالی ٹیلے کا نام ''العدوۃ الدنیا'' یعنی کہ (قریب کا ناکہ) اور جنوبی ٹیلا کا نام ''العدوۃ القصویٰ'' یعنی کہ (دور کا ناکہ)۔ آخری ٹیلے کے پاس جو اونچا ٹیلا ہے اسے عقنقل کہا جاتا ہے مغربی جانب کا ٹیلا جبل اسفل کہلاتا ہے۔ یہاں سے سمندر صاف نظر آتا ہے۔ سورۃ انفال میں بسلسلہ غزوۂ بدر مسلمانوں اور قریش مکہ کے ٹھہرنے کی جگہوں کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

''یہ وہ دن تھا کہ تم قریب کے ناکہ پر تھے ادھر دشمن دور کے ناکہ پر تھا اور قافلہ تم سے نچلے حصہ میں (یعنی سمندر کے کنارے) نکل گیا تھا۔''

گویا پہلے دو نام یا تو نزول قرآن سے پیشتر موجود تھے یا پھر قرآن میں مذکور نام رکھ لیے گئے۔ البتہ جبل اسفل کا نام بظاہر یقینی طور پر نزول قرآن کے بعد رکھا گیا یا مشہور ہوگیا قرآن میں اسفل کا تعلق پہاڑ سے نہیں، تجارتی قافلہ کے نکل جانے کی سمت وجہت سے ہے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ پہاڑ کے نام کا لازمی حصہ بن گیا۔ (پہاڑ کا نام بن گیا یا پہاڑ کے نام کا حصہ بن گیا)

آبادی کی کیفیت

آبادی بظاہر خاصی بڑی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں کئی سو مکان پتھر کے بنے ہوئے ہیں جنہیں مقامی اصطلاح میں قصر کہتے ہیں۔ دو مسجدیں عام نمازوں کے لیے بھی ہیں اور مسجد جامع، جہاں نماز جمعہ ہوتی ہے اس مقام پر ہے جہاں غزوۂ بدر کے روز رسول اللہ ﷺ کے لیے عریش یعنی سائبان بنایا گیا تھا۔ یہ بلند مقام تھا اس لیے وہاں سے پورے میدان کا ہر حصہ صاف نظر آتا ہے۔ اس مسجد کو مسجد العریش بھی کہتے ہیں اور مسجد الشمامہ بھی، آخری نام کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔

اس نام کی ایک مسجد مدینہ منورہ میں بھی ہے۔ کتبہ کے مطابق یہ مسجد ''خوش قدم'' کے زیر اہتمام 21 ربیع الاول 906ھ مطابق 15 اکتوبر 1500ھ میں بنی تھی۔ یہی سال ہے جب مصر کے برجی مملوک حکمرانوں میں سے اشرف قانصوہ غوری مسند نشین ہوا تھا۔ اور اسی کو اس سلسلہ کا آخری حکمران سمجھنا چاہئے۔ پھر مملوک سلطنت اور عباسی خلافت دونوں عثمانی سلطان سلیم کے حوالے ہوگئیں اور ترکوں کے دور خلافت کا آغاز ہوا۔ ''خوش قدم'' حکومت مصر کی طرف سے سرکاری تعمیرات کا مہتمم تھا۔

ترکوں کے عہد حکومت میں شریف عبدالمطلب نے بدر میں ایک مستحکم قلعہ بنوایا تھا۔ مگر بعد میں دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔

بدر ایک بڑا تجارتی مرکز اور مشہور شاہراہ تجارت کا نہایت اہم مقام تھا۔ اس لیے وہاں زمانہ جاہلیت میں بھی ہر سال میلہ لگتا تھا جو یکم ذی قعدہ تک رہتا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہر جمعہ کو یہاں بازار لگتا ہے اس میں لوگ دور دور سے اشیاء بغرض فروخت لے آتے ہیں مثلاً گھی' چمڑا اور چمڑے کی بنی ہوئی مختلف چیزیں، روغن بلسان، کمبل، عبائیں اونٹ، بھیڑ، بکریاں وغیرہ بعض اوقات گائیں بھی اس بازار میں آجاتی ہیں۔

(رسول رحمت صفحہ 276،277)

دشمن کی تعداد، حق کے علمبرداروں کی تعداد سے تین گنا ہے۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ ہیں۔ اور دوسرے سامان حرب میں دو زرہیں، ٹوٹی ہوئی کمانیں، شکستہ نیزے اور کچھ کے پاس پرانی تلواریں ہیں جب کہ دشمن اسلام کے پاس سو برق رفتار عربی گھوڑے ہیں جن پر سو (100) زرہ پوش آزمودہ کار لڑاکے سوار ہیں۔ ہزاروں اعلیٰ نسل کے اونٹوں کا بیڑا ہے۔ خورونوش کے ذخائر کے انبار اٹھانے والے بار برداری کے جانور ان کے سوا ہیں۔ اور ان اونٹوں کا بھی ان میں شمار نہیں ہے جو روزانہ ضیافت لشکر کے لیے ذبح کئے جاتے تھے۔ نو نو دس دس اونٹ ہر روز ذبح کئے جاتے ہیں۔ ہر روز ان کا کوئی نہ کوئی رئیس اتنے اونٹ ذبح کرتا ہے اور لشکر کفار کی پرتکلف دعوت کا اہتمام کرتا ہے۔

جب مکہ سے نکلے تو پہلے روز ابوجہل نے دس اونٹ ذبح کئے۔ دوسرے روز عسفان کے مقام پر امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے۔ اس کے بعد قدید کے مقام پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ۔ اس کے بعد شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ۔ پھر جحفہ کے مقام پر عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ پھر ابواء کے مقام پر نبیہ اور منبہ پسران الحجاج نے دس اونٹ پھر عباس بن عبدالمطلب نے دس اونٹ' پھر حارث بن عامر بن نوفل نے نو اونٹ۔ اور جب بدر کے چشمہ پر پہنچے تو ابوالبختری نے دس اونٹ۔ دوسرے روز اسی مقام پر مقیس الجمحی نے نو اونٹ ذبح کئے اور پھر وہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 109-110)

لشکر کفار نے ہر رات ناچ گانے، رقص و سرود سے اپنے لشکریوں کا دل بہلایا۔ ہر رات ان کا حوصلہ بلند

کرنے کے لیے، ان کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے سرداران قوم نے باری باری اپنے لشکر کی ضیافت کی ان کا ہر طرح سے کھانے پینے کا خیال رکھا اور شراب پانی کی طرح بہائی۔ ناچنے گانے والی کنیزوں نے اس موقع پر اپنی شوخ اداؤں اور رسیلی نواؤں سے اہل لشکر کفار کی آتش غضب وعناد کو خوب بھڑکایا۔ غرضیکہ لشکر قریش اپنے تمام تر جنگی ساز و سامان کے ساتھ، عیش و مستی میں ڈوبا ہوا مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے بدر پہنچ گیا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

سوز و گداز اور ادب و نیاز میں ڈوبی ہوئی دعائیں

لشکر اسلام میں اپنی تمام تر بے سروسامانی کے باوجود ان مصطفوی درویشوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر اطمینان وتسکین کا نور برس رہا ہے۔ ان کے قلوب میں یقین و ایمان کی جو شمع فروزاں ہے اس نے بے چینی اور بے یقینی کے اندھیروں کو کافور کر دیا ہے۔ جذبہ یقین، اعتماد و محبت سے سرشار اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لیے اور اس کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین حنیف کا پرچم اونچا لہرانے کے شوق میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ہی مستانہ وار منزل رضائے محبوب کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں دشمن کی تعداد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی کا ذرا خوف نہیں ہے۔ باطل کے مضبوط قلعوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے ریزہ ریزہ کر دینے کا عزم انہیں ماہی بے آب کی طرح تڑپا رہا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہ عزم محکم، یہ باطل سے ٹکرا جانے کا والہانہ شوق، خداوند قدوس کے نام پاک کو بلند کرنے کی تڑپ، یہ بے خوفی، یہ دلیری، انہیں کہاں سے نصیب ہوئی ہے؟ آبِ حیات کا یہ چشمہ، سوز و گداز اور ادب و نیاز میں ڈوبی ہوئی ان دعاؤں سے پھوٹا ہے جو زبان پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُر نور ہادیٔ انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلی ہیں جنہوں نے مجیب الدعوات کی شان اجابت دعا کو مائل بکرم کر دیا ہے۔

آیئے! کوثر و سلسبیل میں دھلے ہوئے ان دعائیہ جملوں کا آپ بھی مطالعہ فرمائیں تاکہ یہ بھید آپ پر بھی آشکارا ہو جائے کہ عددی کثرت اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود کفر کے چہرہ پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں اور حق کے رخ زیبا پر سکون وطمانیت کا نور کیوں چمک رہا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ اس رات ہم میں سے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص شب بیدار نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور بہت لمبے لمبے سجدے کر رہے تھے، آپ سجدے میں گر کر مسلسل یا حی یا قیوم کا ورد فرما رہے تھے یہاں تک کہ اسی طرح صبح ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رات میں اچانک بارش ہوئی اور ہم پانی سے بچنے کے لیے درختوں وغیرہ کے نیچے پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہوئے گزاری۔

قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کر دوں جو کہ بصورت دیگر غلط فہمی کا

باعث بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اب اس کے فوراً بعد آپ پڑھیں گے کہ ''یہ جمعہ کی رات تھی'' اور یہ ذکر ہو رہا ہے 17 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعہ کی گزری ہوئی رات کا، یوم غزوۂ بدر، یوم الفرقان سے پہلے گزری ہوئی رات کا۔

عربی نظام تبدیلی دن و رات میں اور ہمارے نظام میں یا باقی دنیا کے نظام تبدیلی شب و روز میں ایک فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ عربی نظام ماہ و شب و روز میں تاریخ یا تبدیلی دن سورج غروب ہونے پر ہوتی ہے یعنی کہ اس نظام میں پہلے مکمل رات آتی ہے اور پھر دن آتا ہے۔ سمجھنے کی خاطر اسے یوں سمجھ لیں کہ عربی دن کے شروع ہونے میں پہلے 12 گھنٹے کی رات آتی ہے اور اس کے بعد 12 گھنٹے کا دن آتا ہے۔

جب کہ ہمارے نظام میں تاریخ کی تبدیلی، دن کی تبدیلی آدھی رات گزر جانے کے بعد یعنی کہ رات کے 12 بجے کے بعد ہوتی ہے۔ یعنی کہ رات کا پہلا آدھا حصہ اس سے پہلے گزرنے والے دن کے ساتھ شمار ہوتا ہے اور رات کا دوسرا آدھا حصہ اس کے بعد طلوع ہونے والے دن کے ساتھ شمار ہوگا۔

اس لیے یہاں یہ لکھ دینا کہ ''یہ جمعہ کی رات تھی'' صحیح ہے کیونکہ یہ بات ماہ رمضان کے حوالے سے ہو رہی ہے اور اگر کوئی رات کے پہلے حصے کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھ دے کہ یہ رات جمعرات کے دن کی رات تھی تو ایسا لکھ دینا بھی ہمارے نظام یا غیر عربی نظام کے تحت صحیح ہوگا۔ اس لیے آپ اس سے کہ ''یہ جمعہ کی رات تھی'' سے کسی مغالطے میں نہ پڑیں۔

یہ جمعہ کی رات تھی اس رات مسلمانوں کو خوب نیند آئی صبح اٹھے تو تروتازہ اور ہشاش بشاش تھے سفر کی ساری تھکن کافور ہو چکی تھی۔ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اس رات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''ہم میں مقداد کے سوا کوئی بھی گھڑ سوار نہ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ سب لوگ سوئے ہوئے ہیں بجز رسول اللہ ﷺ کے۔ حضور رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 48)

حضرت حارثہ، سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا:

''بدر کے دن ہمارے پاس حضرت مقداد کے سوا کوئی گھڑ سوار نہ تھا۔ آپ ابلق گھوڑے پر سوار تھے۔ اس شب سب لوگ نیند کے مزے لوٹتے رہے۔ سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کے۔ حضور ﷺ ساری رات صبح تک نفل پڑھتے رہے اور رحمت الٰہی کو ملتفت کرنے کے لیے اپنے آنسوؤں کے دریا بہاتے رہے۔'' (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 49)

اشکوں کی زبان سے نصرت حق کے لیے بارگاہ رب العزت میں جو دعائیں، جو التجائیں کی گئی ہوں گی ان کی قبولیت کا کیا عالم ہوگا۔ سبحان اللہ وہ سب کی سب مستجاب ہوئیں۔

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

کہ روز بدر جب جنگ شروع ہوئی تو میں کچھ وقت تک اس جنگ میں دادِ شجاعت دیتا رہا پھر میں تیزی سے عریش میں آیا تا کہ میں حضور ﷺ کو ایک نظر دیکھ لوں کہ حضور ﷺ کیا کر رہے ہیں۔ جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سربسجود ہیں۔ اور زبان مبارک سے ''**یاحی یا قیوم یا حی یا قیوم**'' کا ورد فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی جملہ حضور ﷺ کی زبان سے نہیں نکل رہا۔ میں پھر میدان میں لوٹ آیا اور کچھ دیر مشرکین مکہ کے ساتھ نبرد آزما رہا۔ کچھ دیر کے بعد میں پھر حضور ﷺ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے عریش میں واپس آیا تو دیکھا حضور ﷺ ابھی تک سربسجود ہیں اور زبان پاک سے ''**یاحی یا قیوم**'' کا ورد فرما رہے ہیں۔

پھر میں دوڑ کر میدان جنگ میں پہنچا اور دشمن کو اپنی شمشیر آبدار کے جوہر دکھانے لگا۔ کچھ دیر بعد دل بے چین مجھے پھر عریش میں لے آیا تا کہ اپنے آقا حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے احوال کو دیکھوں کہ حضور ﷺ کس چیز میں مصروف ہیں۔ پھر بھی حضور ﷺ کو سربسجود پایا اور وہی اسماء مبارکہ حضور ﷺ کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔ کئی بار میں آیا اور واپس گیا لیکن حضور ﷺ کو ''**یاحی یا قیوم**'' کا ورد کرتے ہوئے پایا۔ یہاں تک کہ دشمن شرمناک شکست سے دوچار ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کے مجاہدین کو فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔

''آپ یہی کہتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح عطا فرمائی۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

''میں نے اس شدت اور قوت سے کسی کو اپنے حق کا واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا۔ جس شدت اور قوت سے حضور ﷺ نے روز بدر اللہ تبارک وتعالیٰ کو واسطہ دیا۔ حضور عرض کرتے رہے، اے اللہ! میں تجھے اس عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے، اے اللہ! اگر تو اس گروہ کو ہلاک کر دے گا تو پھر تیری بھی عبادت نہیں کی جائے گی۔

دعا کے بعد حضور ﷺ نے جب رخ مبارک پھیرا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ پھر فرمایا گویا میں کفار کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں جہاں وہ کل گرے پڑے ہوں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن حضور اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے اور یہ دعا مانگ رہے تھے۔

''اے اللہ! میں تجھے اس عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔
اے اللہ! اگر تو اسے پورا نہیں کرے گا تو پھر تا ابد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا ﷺ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور عرض کی یارسول اللہ! یہ کافی ہے یہ کافی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب پر اصرار کی حد کر دی ہے۔ حضور ﷺ نے اس وقت زرہ پہن رکھی تھی آپ اس حالت میں نکلے اس وقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سورۃ قمر کی یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○

ترجمہ: ''عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ ان کے وعدے کا وقت روز قیام ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔'' (سورۃ قمر آیات 46،45)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

کہ یوم بدر، رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور حضور کے صحابہ کی تعداد 313 تھی۔ یہ تعداد کا فرق دیکھ کر حضور پُرنور ﷺ قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ رب العزت میں پھیلا دیئے اور اسی حالت میں اپنے رب کے حضور میں فریاد شروع کر دی۔ یہاں تک کہ محویت کے عالم میں حضور ﷺ کے کندھوں سے چادر نیچے گر پڑی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تیزی سے آئے وہ چادر اٹھائی اور حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مبارک کندھوں پر ڈال دی۔ پھر پیچھے سے حضور ﷺ کو سینہ سے لگالیا اور عرض کی۔ اے اللہ کے پیارے نبی! آپ نے واسطہ دینے میں انتہا کر دی ہے۔ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرمائے گا اسی وقت جبرائیل امین بارگاہ الٰہی سے سورۃ انفال کی یہ آیت مبارکہ لے کر حاضر خدمت اقدس ہوئے۔

ترجمہ: ''یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔''

(سورۃ انفال آیت 9)

ایک بار پھر اسی طرح حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں بڑے عجز و نیاز سے دعا مانگنا شروع کی۔

''اے اللہ! اگر یہ کافر، مسلمانوں کے اس گروہ پر غالب آ گئے تو شرک غالب آ جائے گا اور پھر تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے آقا! بخدا! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور حضور ﷺ کے رخ اقدس کو فتح کی مسرت سے روشن فرما دے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت ایک ہزار فرشتے نازل کئے جو قطار در قطار نازل ہوئے اور دشمنوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا اس وقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا اے صدیق! مبارک ہو، خوش ہو، خوشخبری ہو۔ یہ ہے جبرائیل جو زرد عمامہ

باندھے گھوڑے کی باگ پکڑے آ گئے ہیں اور آسمان وزمین کے درمیان کھڑے ہیں۔ پھر وہ نیچے اترے اور ایک ساعت مجھ سے غائب ہو گئے پھر ظاہر ہوئے اس وقت ان کے پاؤں پر گرد جمی ہوئی تھی اور عرض کی جس وقت آپ ﷺ نے اپنے رب کو پکارا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت آپ ﷺ کے پاس آ گئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 3 صفحہ 54)

اپنے حبیب خاص، پیغمبر اوّل وآخر واعظم، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اس گریہ وزاری، عاجزی ونیازمندی نے عرش وکرسی کے رب کریم کو اپنے محبوب بندے کی دستگیری اور اس کے سراپا خلوص وایثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت وتائید کی طرف مائل کیا۔ اور نوری فرشتوں کو حکم ملا کہ آج آسمان کی رفعتوں سے نیچے اترو ذکر وفکر کی محفلوں کو کچھ وقت کے لیے خیر باد کہہ دو۔ اور زمین عرب کی اس وادی کا رخ کرو جہاں میرا محبوب بندہ اپنے جاں نثاروں سمیت میرے نام کو بلند کرنے کے لیے سر بکف اور کفن بدوش کفر کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہے۔

ابھی چشمان مبارک آنسوؤں سے پر تھی، ابھی اشکوں کے یہ نادر موتی اپنے کریم ورحیم خدا کے حضور اس کی رحیمی اور کریمی کی بھیک مانگنے کے لیے سربسجود ہونے والے تھے کہ سورۃ انفال کی آیت 12 اور سورۃ آل عمران کی آیات کریمہ 123 تا 126 کا نزول ہو گیا۔ سورہ انفال کی آیت 12 میں ارشاد رب العالمین ہے:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ (سورۃ انفال آیت 12)

ترجمہ: ''یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔ میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر۔''

اور سورۂ آل عمران کی آیات 123 تا 126 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان یوں ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ ۝ بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝

ترجمہ: ''اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تبارک وتعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم اس (بروقت امداد کا) شکر ادا کرسکو۔ عجیب سہانی گھڑی تھی جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا

پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں۔ کافی ہے۔ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور اگر آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے۔ اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

(سورۃ آل عمران آیات 123 تا 126)

سرکار دو عالم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سویرے سویرے وادی بدر میں پہنچ گئے۔ اب قریش کا لشکر بھی خوب بن سنور کر کیل کانٹے سے لیس ہو کر بڑی شان بان سے پیکر نخوت اور عونت بنے وادی بدر کی طرف آنا شروع ہوا۔ ان کے سینے اسلام، پیغمبر اسلام، اور فرزندان اسلام کے لیے غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ غصہ سے دانت پیس رہے تھے ان کا بس چلتا تو مسلمانوں کو کچا چبا جاتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب خاص رسول اللہ ﷺ نے اس شان سے جب انہیں ادھر آتے دیکھا تو اپنے عزیز و حکیم پروردگار کی جناب میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کی۔

"اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے تکبر سے اور فخر سے چلا آ رہا ہے تاکہ تیرے ساتھ ٹکرائے اور تیرے رسول کو جھٹلائے۔ اے اللہ! اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے اللہ! ان کو ناکام کر دے، ہلاک کر دے۔"

ایک سوار (عتبہ بن ربیعہ) سرخ اونٹ پر سوار ہو کر میدان سے گزر رہا تھا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس سوار کو دور سے دیکھ کر یہ فرمایا کہ لشکر قریش میں سے اگر کسی سے خیر کی توقع کی جا سکتی ہے تو صرف سرخ اونٹ کے اس سوار سے۔ اگر وہ لوگ اس کی بات مانیں گے تو فلاں پا لیں گے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! ذرا حمزہ کو آواز دو۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت لشکر کفار کے بالکل قریب تھے وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا۔ کہ یہ سرخ اونٹ والا کون ہے؟ انہوں نے بتایا یہ عتبہ بن ربیعہ ہے اور یہ لوگوں کو جنگ سے باز رہنے کی تلقین کر رہا ہے اور انہیں واپس چلے جانے کی ترغیب دے رہا ہے۔ وہ اپنی قوم کو کہہ رہا ہے۔

"اے میری قوم! واپسی کا سارا الزام مجھ پر عائد کر دو۔ تم یہ کہنا کہ عتبہ نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اس لیے ہم واپس آ گئے لیکن ابوجہل عتبہ کی اس تجویز کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔" (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 50)

قارئین کرام! غور کریں، حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اونٹ سوار کو دور سے دیکھا اور آپ ﷺ نے اس شخص کو بغیر پہچانے اور بغیر اس کی آواز سنے اس کے متعلق اپنے صحابہ کرام کو صحیح صحیح خبر دے دی۔

آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرما دیا کہ یہ شخص جو سرخ اونٹ پر سوار ہے اپنی قوم سے ایسی باتیں کر رہا ہے ایسی نصیحت یا درخواست کر رہا ہے جس کے مان لینے میں سراسر پوری قوم کی فلاح ہے۔

اور مندرجہ بالا کے اس فقرے سے یا ان الفاظ سے کہ ''اگر وہ لوگ اس کی بات مانیں گے تو فلاح پالیں گے'' یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ جنگ کے خواہاں نہ تھے لیکن جب مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی گئی تو وہ اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر انتہائی بے جگری سے لڑے اور اللہ رب العزت نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔

قریش کے چند لوگ جن میں حکیم بن حزام بھی تھا وہ حضور اکرم ﷺ کے حوض پر پانی پینے کے لیے آئے۔ مسلمانوں نے انہیں روکنا چاہا حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا انہیں پانی پینے دو۔ جن لوگوں نے وہاں سے پانی پیا وہ سب کے سب میدان جنگ میں مارے گئے سوائے حکیم بن حزام کے۔ یہ اس کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور مسلمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس واقعہ کا ان پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ زندگی بھر جب قسم کھاتے تو یوں کہتے۔

''یعنی اس ذات کی قسم! جس نے بدر کے دن مجھے نجات دی۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 51)

جب سب لوگ اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے تو کفار نے عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا کہ جاؤ اندازہ لگا کر ہمیں بتاؤ کہ مسلمانوں کے لشکر کی کتنی تعداد ہے؟ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے مسلمانوں کے لشکر کے اردگرد چکر لگایا پھر آ کر انہیں بتایا کہ ان کی تعداد تین سو ہے یا کچھ زیادہ یا کچھ کم۔ پھر اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ میں اس امر کی بھی تسلی کر لوں کہ کیا کچھ فوجیوں کو انہوں نے کمین گاہوں میں تو چھپا نہیں رکھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا وادی میں دور تک چلا گیا۔ اسے کوئی آثار نظر نہ آئے واپس آ کر انہیں بتایا کہ میں نے کسی کمین گاہ میں ان کا کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے کہا۔

''لیکن اے گروہ قریش! میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں جن پر موتیں سوار ہیں۔ یثرب کے اونٹ اپنے اوپر یقینی موت اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جس کے پاس کوئی بچاؤ کا سامان نہیں اور ان کی تلواروں کے سوا ان کی کوئی پناہ گاہ نہیں۔ کیا تم انہیں دیکھتے نہیں ہو کہ وہ گونگے بنے ہوئے ہیں۔ کوئی بات نہیں کر رہے اور زہریلے سانپوں کی طرح پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ بخدا! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی قتل نہیں کیا جائے گا جب تک تم میں سے ایک آدمی مقتول نہ ہو جائے اور اگر اپنی گنتی کے مطابق انہوں نے تمہارے آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا تو اس کے بعد زندگی میں کیا لطف باقی رہے گا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتا دی اب جس طرح تم مناسب سمجھتے ہو کرو۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 51)

کسی عرب کے مشاہدہ کی گہرائی اور وسعت کا آپ نے اندازہ لگانا ہو تو عمیر بن وہب جمحی کے ان جملوں کا بغور مطالعہ کیجئے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں کس غضب کی صلاحیتیں اور وہ بھی کتنی فیاضی سے عطا فرمائی تھیں۔ اور ان کی بلاغت وفصاحت کی خدا داد قومی صلاحیتوں کا اندازہ درج ذیل میں ابوسلمہ الجشمی کے بیان سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

عمیر بن وہب کے بعد کفار نے ایک اور شخص کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا اس کا نام ابوسلمہ الجشمی تھا۔ اس نے بھی گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے لشکر کا چکر لگایا اور واپس آ کر انہیں بتایا۔

''بخدا! میں نے نہ ان کے پاس کوئی قوت وطاقت دیکھی ہے نہ اسلحہ کے انبار۔ نہ گھڑ سواروں کے دستے۔ لیکن میں نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ ایسی قوم جس نے اپنی جان کی بازی لگا دی ہے۔ ان کے پاس ان کی تلواروں کے سوا کوئی قوت اور جائے پناہ نہیں۔ ان کی آنکھیں نیلگوں ہیں۔ گویا وہ کنکریاں ہیں چمڑے کی ڈھال کے نیچے۔ میں نے اپنی رائے سے تمہیں آگاہ کر دیا اب جیسے تم مناسب سمجھو کرو۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 52)

حکیم بن حزام نے جب یہ باتیں سنیں تو اس نے مختلف لوگوں سے ملاقات کی۔ پھر عتبہ کے پاس آیا اور اسے کہا۔

اے ابا ولید! (عتبہ کی کنیت) تو قبیلہ قریش میں بڑا برگزیدہ شخص ہے ساری قوم کا سردار ہے اور تمہاری بات مانی جاتی ہے کیا تم ایک ایسا کارنامہ انجام دینے کے لیے تیار ہو تا کہ تجھے تا ابد کلمہ خیر سے یاد کیا جاتا رہے عتبہ نے پوچھا وہ کون سا ایسا فعل ہے۔ حکیم نے کہا لوگوں کو اس میدان جنگ سے واپس لے جاؤ۔

عمرو بن الحضرمی مقتول تمہارا حلیف تھا اس کا بوجھ تم اٹھالو۔ عتبہ نے کہا مجھے منظور ہے اور میں تجھے اپنا ضامن مقرر کر رہا ہوں اس کی دیت بھی اپنی گرہ سے ادا کروں گا اور جو اس کا مال ضائع ہوا ہے اس کا معاوضہ بھی میرے ذمہ ہے۔ تم جاؤ ابن حنظلیہ (ابوجہل) کے پاس اور اس کو اس بات پر آمادہ کرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگوں کو لڑا کر رہے گا۔

عتبہ بن ربیعہ نے حکیم بن حزام کو ابوجہل کے پاس بھیجا اور خود عتبہ بن ربیعہ نے ساری قوم کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی۔

''اے گروہ قریش! تم محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب سے جنگ کر کے کیا کرو گے اگر تم انہیں قتل کرو گے تو وہ سارے تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں پھر زندگی بھر تم ایک دوسرے کا منہ دیکھنا نہیں گوارا کرو گے۔ کسی نے کسی کا بھائی قتل کیا ہوگا۔ کسی کا بیٹا۔ کسی کا چچا قتل کیا ہوگا۔ کسی کا ماموں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ محمد (ﷺ) کو عرب کے دوسرے قبیلوں سے لڑنے دو۔ اگر ان قبائل نے

ان کو قتل کر دیا تو تمہارا مدعا پورا ہو گیا۔ اور اگر یہ غالب آ گئے تو تمہیں ان سے ملتے ہوئے کوئی شرم نہیں آئے گی کیونکہ تم نے ان کا کچھ بگاڑا نہ ہو گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں نے جان دے دینے کا عزم کر رکھا ہے۔ تم اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہو۔ اے قوم! بزدلی کی تہمت تم مجھ پر جڑ دو اور اعلان کر دو کہ عتبہ کی بزدلی کی وجہ سے ہم جنگ نہیں کر سکے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں۔"

حکیم، عتبہ سے بات کر کے ابو جہل کے پاس آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس نے اپنی زرہ تھیلے سے نکالی ہوئی ہے اور وہ اسے درست کر رہا ہے میں نے اسے کہا: اے ابا الحکم! مجھے عتبہ نے تمہارے پاس اس مقصد کے لیے بھیجا ہے میری بات سن کر ابو جہل بگڑ گیا۔ اور کہنے لگا:

"یعنی عتبہ نے جب سے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا ہے شدت خوف سے اس کا سانس پھول گیا ہے۔ بخدا! ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ کر دے۔"

حکیم کو بڑی بے مروتی سے ٹکا سا جواب دینے کے بعد اس نے عمرو بن الحضرمی (مقتول) کے بھائی عامر کو بلا بھیجا وہ آیا تو اسے کہا: دیکھ! تیرا حلیف عتبہ لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے اور تیرے بھائی کے خون کو ضائع کرنا چاہتا ہے۔ تم اٹھو اپنے معاہدے اور اپنے بھائی کے خون کی دہائی دو۔ عامر بن الحضرمی کھڑا ہو گیا اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق پیچھے سے اپنی چادر اٹھا دی پھر چلا کر کہنے لگا واعمراہ! واعمراہ! اس کی اس چیخ و پکار پر لوگ بھڑک اٹھے اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے اس طرح مصالحت کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔

جب عتبہ کو ابو جہل کی بات پہنچی۔ تو عتبہ نے جواب میں یہ کہا۔

"اس ذلیل کو جلدی معلوم ہو جائے گا کہ کس کا سانس پھولا ہے میرا یا اس کا۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 53)

مندرجہ بالا چند صفحات عربوں کی فصاحت، بلاغت، متناسب صحیح بے لاگ رائے زنی اور اس حقیقت کو کہ مشرکین کے کچھ لوگ، کچھ سردار، مدبر، صاحب الرائے، اہل عقل و دانش بھی تھے اور دور اندیش بھی تھے، بہت اچھی طرح آشکار کرتے ہیں۔ یہ گفت وشنید و معاملات بہت اہم بھی ہیں۔ اس لیے یہ واقعات مزید معلومات یا تفصیل کے ساتھ قدرے زیادہ قابل فہم انداز میں پیش خدمت ہیں۔

قریش کے جاسوس

غرض جب لشکر کفار نے میدان بدر میں جنگی پوزیشن اختیار کر لی تو انہوں نے عمیر بن وہب جمحی کو جاسوسی کے لیے بھیجا (یہ عمیر بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور نہایت اچھے مسلمان بنے اور حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم

ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔) قریش نے عمیر سے کہا جا کر محمد ﷺ کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو۔ عمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا، پھر قریش کے پاس آ کر ان سے بولے:

''وہ لوگ تقریباً تین سو ہیں، ممکن ہے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوں۔ مگر ٹھہرو میں ذرا یہ دیکھ لوں کہ ان لوگوں کی کوئی کمین گاہ تو نہیں جہاں اور لوگ چھپے ہوئے ہوں یا کوئی مدد تو آنے والی نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر عمیر پھر روانہ ہو گئے اور وادی میں بہت دور تک گئے مگر انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی تب وہ پھر واپس آئے اور کہنے لگے:

''مجھے اور کچھ نظر نہیں آیا، مگر اے گروہ قریش! میں نے دیکھا کہ یہ سر بکف لوگ موت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں جیسے وہ اونٹنی ہوتی ہے جو اس کے مالک کی قبر پر باندھ دی جاتی ہے نہ اس کو چارہ دیا جاتا ہے نہ پانی یہاں تک کہ اسی حالت میں مر جاتی ہے۔ یعنی یثرب کے یہ جیالے قتل وخون کا بازار گرم کرنے آئے ہیں۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں یہ لوگ گونگوں کی طرح خاموش اور مہر برلب ہیں، سانپوں کی طرح پھنکارتے ہیں، انہیں لوٹ کر اپنے گھروں کو جانے کی تمنا نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نہ حمایتی ہیں اور نہ ان کی تلواروں کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک وہ تمہارے میں سے ایک آدمی کو نہیں مار لے گا۔ اس طرح اگر تمہارے آدمی بھی اتنے ہی مرے جتنے ان کے تو اس کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں۔ اس لیے اس بارے میں سوچ لو۔''

قریش کی واپسی کے لیے حکیم کی عتبہ سے درخواست

حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو وہاں سے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''ابو ولید! تم قریش کے بڑے اور سردار ہو اور لوگ تمہاری بات مانتے ہیں، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ رہتی دنیا تک تمہارا ذکر بھلائی اور خیر کے ساتھ ہوتا رہے۔''

عتبہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو حکیم نے کا کہ بہتری اسی میں ہے کہ قریشی لشکر کو واپس لے چلو۔ عتبہ نے جب ساری بات سنی تو اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے محسوس کیا کہ یہ خون ریزی نقصان دہ ہے چنانچہ اس نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا:

''اے گروہ قریش! خدا کی قسم! تمہیں محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کر کے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ محمد (ﷺ) کے صحابہ سب کے سب تمہارے رشتہ دار اور عزیز ہی ہیں۔ اس لیے خدا کی قسم! اگر تم نے ان لوگوں کو مار ڈالا تو تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے کے رشتہ داروں کا قاتل ہوگا اور تم میں

سے ہر ایک ہمیشہ دوسرے کو اس وجہ سے بری نظر اور نفرت سے دیکھے گا کہ ہر شخص دوسرے کے رشتہ داروں اور خاندان والوں کا قاتل ہے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ واپس لوٹ چلو اور محمد ﷺ سے نمٹنے کے لیے تمام عربوں کو چھوڑ دو۔ اگر انہوں نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچا دیا تو یہ تمہارے دل کی مراد ہوگی۔ اور اگر دوسری صورت ہوئی تو تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی بلکہ وہ بھی تمہاری ہی عزت ہوگی۔ لہٰذا تم ان کے ساتھ مت الجھو۔ اے قوم! آج اگر تمہیں اس طرح لوٹنے میں غیرت آتی ہے تو اس کی عار اور ذمہ داری تم مجھ پر ڈال دو اور مجھے بزدل کہہ سکتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم میں بزدل نہیں ہوں۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حکیم بن حزام نے عتبہ بن ربیعہ سے یوں کہا:

''تم لوگوں کو اپنی پناہ دے دو اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو جو تمہارا حلیف تھا اور اس کے تجارتی قافلے کا جو سامان محمد ﷺ کے دستہ کے امیر عبداللہ بن جحش کے ہاتھ لگا اس کا تاوان اپنے سر لے لو کیونکہ یہ لوگ محمد ﷺ سے صرف اسی کے خون بہا اور مال تجارت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔''

عمرو بن حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف یعنی معاہدہ بردار تھا جو تجارت کی غرض سے سفر میں تھا۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں نخلہ کی طرف دشمنوں کی سرکوبی اور ان کے قافلے روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سامنا عمرو بن حضرمی کے قافلے سے ہوا۔ اس مقابلے میں حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس قافلے کے مال پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سریہ کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔

اس طرح عمرو بن حضرمی وہ پہلا شخص ہے جس کو مسلمانوں نے مقابلے میں قتل کیا۔ حکیم بن حزام نے عتبہ کو اسی کے متعلق مشورہ دیا کہ لڑائی کی بنیاد عمرو بن حضرمی کا قتل ہے لہٰذا تم اس کی جان کی قیمت اپنے ذمہ لے لو اور اس کے قافلے کا جو مال تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے اس کی ادائیگی بھی اپنے سر لے لو اور اس طرح اس جنگ کو نہ ہونے دو جو سر پر آ چکی ہے عتبہ اس پر راضی ہو گیا اور اس نے کہا:

''ہاں، میں اس کا خون بہا اپنے ذمہ لیتا ہوں، وہ میرا حلیف تھا اس لیے اس کی جان کی قیمت اور مال کے نقصان کی ادائیگی کا ذمہ میں اپنے سر لیتا ہوں تم نے جو کہا اور جو مشورہ دیا میں اس کو قبول کرتا ہوں۔''

اس کے بعد عتبہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کی صفوں میں گھوما اور قریش کے سامنے اعلان کرتا گیا:

''اے قوم کے لوگو! میری بات مانو! تم صرف عمرو بن حضرمی کے خون بہا اور اس کے لٹے ہوئے مال کا مطالبہ ہی تو کرتے ہو، میں ان دونوں کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں۔''

عتبہ کی کوششوں کی حضور ﷺ کو اطلاع

ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے قریشی لشکر کو نمودار ہوتے دیکھا اور اس کے بعد لشکر میں ایک شخص کو ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان دونوں یعنی لشکر یا اونٹ والے میں سے اگر کسی کے ساتھ اس وقت خیر ہے تو وہ سرخ اونٹ والے کے ساتھ ہے۔''

ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر کوئی خیر کا حکم دینے والا شخص ہوتا جس کی بات لوگ مانتے تو وہ سرخ اونٹ والا ہے جس سے یہ لوگ فلاح پاتے۔

جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس سرخ اونٹ والے شخص کو قریشی لشکر میں گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حمزہ کو آواز دو۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکوں کی صفوں کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت حمزہ سے پوچھا:

''یہ سرخ اونٹ والا شخص کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟''

حضرت حمزہ نے عرض کیا:

''وہ عتبہ بن ربیعہ ہے جو لوگوں کو جنگ کرنے سے منع کر رہا ہے۔''

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا عتبہ کے بارے میں مندرجہ بالا ارشاد آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا کہ آپ ﷺ نے دور سے اس شخص کو دیکھ کر اور بغیر پہچانے اور بغیر اس کی آواز سنے اس کے متعلق مکمل صحیح خبر دے دی۔

ابوجہل کا عتبہ پر غصہ

غرض حکیم بن حزام سے بات کرنے کے بعد جب عتبہ نے عمرو بن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لینے کا اعلان کر دیا تو اب اس نے حکیم سے کہا کہ تم ذرا ابن حنظلیہ یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ، حکیم کہتے ہیں، کہ میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ابوجہل کے پاس پہنچا، میں نے دیکھا کہ وہ زرہ بکتر پہن کر ہتھیار لگا رہا تھا، میں نے اس سے کہا:

''مجھے عتبہ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔''

عتبہ کو بزدلی کا طعنہ

ابوجہل یہ سن کر غضبناک ہوگیا اور اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ عتبہ بزدل ہوگیا ہے، یہاں عربی کا ایک خاص محاورہ استعمال ہوا ہے جو بزدلی کا طعنہ دینے کے لیے بولا جاتا ہے، ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوجہل

فوراً عتبہ کے پاس آیا اور غصہ کے ساتھ اس نے عتبہ سے کہا:

''یہ بات تم نے ہی کہی ہے، خدا کی قسم! اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو میں اس کی بزدلی کا زبردست طعنہ دیتا کہ تیرے دل میں دشمن کا خوف اور ڈر بیٹھ گیا ہے، خدا کی قسم! ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہیں جائیں گے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔''

پھر ابوجہل نے حکیم سے کہا:

''عتبہ نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ اس لیے کہی ہے کہ وہ جانتا ہے مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ ان کو ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہی کافی ہو جائیں گے۔ اور ان میں ہی عتبہ کا بیٹا ابوحذیفہ بھی ہے (لہٰذا مسلمانوں کی ہلاکت کا مطلب ہے کہ عتبہ کا بیٹا بھی ہلاک ہو جائے گا) لہٰذا وہ تم کو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے۔'' حضرت ابوحذیفہ اسی عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے اور بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوجہل نے عتبہ کی بات سن کر قریشی لشکر سے کہا:

''اے گروہ قریش! عتبہ تمہیں یہ مشورہ اس لیے دے رہا ہے کہ اس کا بیٹا بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ ہے اور خود محمد (ﷺ) اس کے چچازاد بھائی ہیں لہٰذا وہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے بیٹے اور اس کے چچازاد بھائی کو قتل کرو۔''

یہ سن کر عتبہ بگڑ گیا اور ابوجہل کو گالیاں دینے لگا، پھر بولا:

''جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کون اپنی قوم کے حق میں کانٹے بو رہا ہے۔''

کفر و اسلام میں عتبہ کے کنبہ کی تقسیم

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی عتبہ بن ربیعہ کی سوتیلی بیٹی ام ابان کے چار بھائی اور دو چچا تھے اور سب ہی اس جنگ بدر میں شریک ہوئے ان میں سے دو بھائی مسلمان تھے اور دو مشرک تھے اور اسی طرح ان دونوں چچاؤں میں سے ایک مسلمان تھا اور ایک کافر تھا، دونوں مسلمان بھائی تو حضرت ابوحذیفہ اور حضرت مصعب بن عمیر تھے، یہ حضرت مصعب غالباً ام ابان کے ماں شریک بھائی تھے، یعنی عتبہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ عتبہ کی بیوی کے بیٹے تھے، اور دو کافر بھائی ولید بن عتبہ اور ابوعزیز تھے، اسی طرح ام ابان کے مسلمان چچا معمر بن حرث تھے، یہ بھی شاید عتبہ کے ماں شریک بھائی تھے، اور کافر چچا شیبہ بن ربیعہ تھا۔

عتبہ کا ابوجہل پر غصہ

غرض جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابوجہل نے اس کو بزدل کہا ہے تو عتبہ نے کہا:

''اس شخص کو جو اپنے سرین خوشبوؤں سے رنگ رہا ہے، جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص بزدل ہے، میں یا وہ؟''

سرین کو خوشبو سے رنگنے کا مطلب پیچھے گزر چکا ہے، اس موقعہ پر اس محاورہ کے استعمال کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ کلمہ عتبہ کا ایجاد کیا ہوا نہیں تھا نہ وہ اس کو سب سے پہلے استعمال کرنے والا شخص ہے بلکہ یہ محاورہ اصل میں ایک بادشاہ کو طعنہ کے طور پر کہا گیا تھا جس کا نام قابوس بن نعمان یا قابوس بن منذر تھا۔ یہ بادشاہ بہت زیادہ عیش پسند تھا اور جنگوں سے جان چراتا تھا یعنی ہر وقت خوشبوؤں میں معطر عیش و نشاط میں غرق رہتا تھا۔ اس لیے اس کو کہا گیا کہ وہ بدن پر خوشبوئیں ملے ہوئے یعنی زعفران وغیرہ لگائے رنگ رلیوں میں مصروف رہتا ہے۔ تو محاورہ میں رنگا ہوا ہونے سے مراد خوشبوؤں میں رچا بسا اور زعفران وغیرہ کی زردی ہے، چنانچہ سرداران عرب صرف آسودگی اور سکون و چین کے وقت ہی خوشبوئیں لگاتے تھے، جنگ کے موقعوں پر خوشبوئیں لگانا بے انتہا برا اور معیوب سمجھتے تھے کیونکہ اس سے نزاکت اور عیش پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جب ابوجہل کو یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ صحیح سلامت بچ کر نکل گیا ہے تو اس خوشی میں اس نے اونٹ ذبح کیے، بدر کے مقام پر شراب و کباب کی محفل سجائی اور اس میں طوائفوں کے رقص و نغمہ سے دل بہلایا اسی وقت اس نے شاید خوشبو بھی لگائی ہو یا اس کا ارادہ کیا، اسی لیے عتبہ نے اس کے متعلق یہ محاورہ استعمال کیا جس سے اس کا مقصد یہ طعن کرنا تھا کہ وہ میدان جنگ میں خوشبوئیں لگاتا اور بنتا سنورتا ہے۔

جہاں تک سرین کے لفظ بولنے کا تعلق ہے تو اس سے مراد تو سارا بدن ہے لیکن انتہائی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لیے جسم کے سب سے گندے اور ارذل چوتڑ اور چوتڑوں کے درمیان کے حصے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابوجہل کی ضد اور سرکشی

ایک روایت ہے کہ جنگ سے پہلے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو مشرکین کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ یہ معاملہ اگر میں تمہارے سوا دوسروں کے ساتھ کروں تو یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تمہارے ساتھ پیش آئے، یہ پیغام سن کر حکیم بن حزام نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ انصاف کی بات ہے اس انصاف کے بعد تم لوگ ہرگز ان پر فتح نہیں حاصل کرسکتے۔''

مگر ابوجہل بولا:

''اب جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ہمارے قابو میں کر دیا ہے تو خدا کی قسم! ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے۔''

عتبہ کے خلاف عامر کا اشتعال

اس کے بعد ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو بلایا جو اس مقتول شخص یعنی عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا اور اس سے کہا:

''یہ عتبہ تمہارا دوست اور معاہدہ بردار ہے اور لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو رسوا کرے۔ اس نے تمہارے بھائی کی جان کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تم اس خوں بہا کو قبول کر لو گے۔ تمہیں اپنے بھائی کا خوں بہا عتبہ کے مال سے لیتے ہوئے شرم نہیں آئے گی جب کہ تم اس کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ اٹھو اور اپنے بھائی کے خون کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرو۔''

یہ عامر بن حضرمی بھی اپنے بھائی عمرو بن حضرمی کی طرح عتبہ کے معاہدہ برداروں میں سے تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی، چنانچہ عامر اٹھا اور اس نے اپنا بدن کھول کر اس پر مٹی ملی اور لوگوں کے درمیان چیخنا شروع کیا ہائے میرا بھائی! ہائے میرا بھائی! یہ سن کر لوگوں میں جوش وخروش پھیل گیا۔

حکمت الٰہی

شان رب العالمین، حکمت رب کائنات کہ یوم غزوۂ بدر کو یوم الفرقان بنانے کے لیے ادھر مسلمانوں کو انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ منورہ سے نکالا اور ادھر لشکر مشرکین قریش کو ابوسفیان کے اس واضح اور بروقت پیغام کہ قریش کا قافلہ تجارت بدر سے بحفاظت گزر آیا ہے اور اب کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے اب لشکر مشرکین مکہ، واپس ہو جائے، کے باوجود میدان بدر میں لے آیا۔

بلاشبہ، غزوۂ بدر اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کا ذریعہ بنا، خدا نے اپنے بندوں کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازنے کے لیے یہ احسان فرمایا کہ حالات ناسازگار ہونے کے باوجود دونوں لشکر میدان کارزار میں پہنچ گئے اور مقابلہ ہوا۔

یہ اللہ ہی کی تدبیر وحکمت تھی کہ مدینہ سے نکلتے وقت لشکر اسلام کے پیش نظر (پیغمبر اسلام ﷺ کے نہیں) صرف قافلہ تجارت تھا جس کی ناکہ بندی کر کے وہ دشمن کو معاشی طور پر تباہ کر دینے کی اہم سیاسی پالیسی پر عمل کر رہے تھے لیکن بدر تک پہنچنے سے پہلے حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بالآخر ایک بڑے لشکر کفار سے مقابلہ ہو گیا۔

دوسری طرف کفار بالخصوص ابو جہل کا مسلمانوں کے خلاف سخت برافروختہ (غیظ و غضب میں آنا) ہونا اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مکہ سے نکل پڑنا اور قافلہ کے بحفاظت مکہ پہنچ جانے کی اطلاع کے بعد بھی مسلمانوں سے جنگ پر اصرار کرنا یہ سب بھی اللہ ہی کی طرف سے تھا۔

اگر مشرکین مکہ ابوسفیان کے پیغام پر عمل پیرا ہو جاتے یا کسی اور وجہ سے، ابھی جنگ کا فیصلہ نہ کرتے تو اس طرح کفر کو مزید طاقتور ہونے اور مسلمانوں سے نپٹنے کا کچھ وقت ملتا۔ اور یوں ان کی سازشوں سے مسلمان پریشان ہی ہوتے رہتے۔ انہیں سکون ہی نہ مل پاتا کہ وہ اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے کچھ کرتے۔

پس اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر انعام فرمایا کہ وہ بغیر ارادہ جنگ کے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور پھر خدا کو ان سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اس کا ذکر مبارک اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ انفال کی آیت 42 میں یوں فرمایا ہے:

وَلٰـكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورہ انفال آیت 42)

ترجمہ "لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ) اس لیے تھی، تا کہ اللہ وہ کام کر دکھائے جو ہونا ہی تھا، تا کہ ہلاک ہو، جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے، جسے زندہ رہنا ہے، دلیل سے اور بے شک اللہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔"

اپنے نبی کی شان میں مسلمانوں کیلئے میدان بدر میں اللہ کی زبردست اور کھلی کھلی مدد

قارئین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالک کائنات کے میدان بدر میں مسلمانوں کی زبردست اور واضح مدد فرمانے کے کتنے خوبصورت انداز و طریقے ہیں۔ اپنے برگزیدہ نبیوں کی زبردست اور کھلی کھلی مدد فرمانا اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے۔ اپنے نبیوں کی زبردست اور کھلی کھلی مدد فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق، ذی شعور مخلوق پر اولاً یہ واضح کرتا ہے کہ وہ ہر وقت ہر کچھ کرنے پر قادر ہے اور ثانیاً یہ کہ اس کا نبی برحق ہے اس کا اتباع کیا جائے اور اس کی رہنمائی کے مطابق زندگی گزاریں۔

زبردست اور کھلی کھلی مدد کے الفاظ میں نے درج ذیل آیات مبارکہ سے لیے ہیں۔

"اور مجھے اپنی طرف سے کھلا مددگار غلبہ دے۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیت 80)

"اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔" (سورۃ فتح آیت 3)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے انبیاء کرام مستجاب الدعوات ہوتے ہیں جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں تو قادر مطلق (ہر کچھ کرنے پر ہر وقت قادر یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ) ان کی ایسے انداز و طریقوں سے مدد فرماتا ہے کہ عموماً وہ ذی شعور مخلوق انس و جاں کے لیے ناقابل یقین ہوتے ہیں۔

اپنے انبیاء کرام کی ہر وقت زبردست اور کھلی کھلی مدد فرمانا اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے۔ میدان بدر میں مسلمانوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی زبردست کھلی کھلی مدد کو سمجھنے کے لیے درج ذیل کو پڑھیے اور دیکھیے کہ قادر مطلق کیا کیا کرتا ہے اور موقع پر موجود اپنی ذی شعور مخلوق کو دکھا کر کرتا ہے تا کہ مخلوق خدا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود وحدانیت اور اس کے نبی آخر الزمان کا برحق ہونا نظر آئے اور یقین رہے۔

ہم سب کا وہی ایک اللہ ہے۔

☆ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا (بن ماں باپ کے پیدا فرمایا) پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا۔ انہیں جنت میں رکھا پھر زمین پر بھیج دیا اور دونوں کو جبل رحمت پر (مکہ معظمہ) میں ملا دیا اور بنی نوع انسان کی ابتداء فرمائی۔

☆ جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی صدیوں کی تبلیغ الوہیت، وحدانیت کے بعد قوم نوح کو غرقاب کیا اور حضرت نوح اور ساتھیوں کو بمع ہر جاندار کے جوڑے کو لیے ہوئے کشتی نوح، جودی پہاڑ کی چوٹی پر رکی۔

☆ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت رحم دل بنایا۔ جس نے آگ کے الاؤ حضرت ابراہیم کے لیے پھولوں کا گداز بستر بنا دیا اور دعائے ابراہیم علیہ السلام قبول فرمائی اور ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

☆ جس نے اپنی کھلی نشانی ''مقام ابراہیم'' کو ہمارے لیے محفوظ رکھا۔

☆ جس نے حضرت لوط علیہ السلام کو بمع اپنے پیروکاروں کے عذاب کی بستی سے نکالا۔ پھر وہ بستی الٹا دی اور اس پر پتھروں کی بارش کر دی ہے اور اس بستی کو نشان عبرت بنا دیا۔

☆ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے محل میں کی۔ جس کے عصا نے وقت کے جادوگروں کے تمام حربے نگل لیے۔ جس کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بمع اپنی قوم کے دریا پار ہوئے، دریا نے بیچ میں سے گزرنے کا راستہ دے دیا اور اسی پانی نے فرعون کو بمع لشکر غرقاب کیا اور پانی نے اس کی لاش نکال باہر پھینکی کہ نشان عبرت بنے۔ جس کے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔

☆ جس نے جسم فرعون کو آنے والی امتوں کے لیے نشان عبرت بنایا۔

☆ جس نے قارون کے ساتھ اس کا خزانہ بھی زمین میں دھنسا دیا۔

☆ جس نے قوم موسیٰ، بنی اسرائیل پر اپنی رحمت خاص سے من وسلویٰ نازل فرمایا۔

☆ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے اصرار پر خاص اونٹنی بطور وارننگ پہاڑ سے پیدا فرمائی، بنائی اور جب عذاب نازل کیا تو بڑی بڑی چٹانوں کے تراشیدہ مکانات اکھاڑ کر پھینک دیئے، الٹا دیئے اور قیامت تک کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔

☆ جس نے قوم شعیب کے علاقہ مدین کو ایسے صفحہ ہستی سے مٹایا کہ گویا کبھی آباد ہی نہ تھے۔

☆ جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا امتحان لیا تو سب کچھ ہی اجڑ گیا اور امتحان میں کامیابی پر صحت وتوانائی کے ساتھ مال واسباب بھی پھر اسی طرح دے دیئے جیسے کہ پہلے تھے۔

☆ جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں یہ تاثیر دی کہ لوہا، پتھر وغیرہ ہاتھ کے لگتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ لوہے کے آلات بنا کر ہی روزی کماتے تھے۔

☆ جس کے ساتھ مل کر پہاڑ اور پرندے بھی اللہ کی تسبیح وحمد وثناء کرتے تھے۔

☆ جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت شاہی دیا اور چرند، پرند، جن وانسان پر حکومت دی۔

☆ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ رکھا۔

☆ جس نے قوم عاد پر آندھی کا عذاب نازل کیا۔ وہ ایسی ہوا تھی کہ جس پر سے گزرتی اسے ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتی۔

☆ جس نے یوسف علیہ السلام کو کنعان کے کنویں سے نکال کر مصر کا بادشاہ بنایا، جس کی پاکدامنی کی گواہی چار ماہ کے بچے نے دی۔ جس کو ترغیب وتنہائی میں خوف خدا ہی رہا۔

☆ جس نے ضعیفی میں حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ عطا فرمائے۔

☆ جس نے حضرت مریم علیہا السلام، اپنی عابدہ کو، زمین پر کھانے کے لیے جنت کے پھل بھیجے اور پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام کے رحم میں اپنی روح پھونکی اور مطلع کیا کہ آپ کے بطن سے پیدا ہونے والا میرا نبی ہوگا۔

☆ جس نے ابن مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطن مادر میں ضروری تعلیم دی، جنہوں نے چند دن کی عمر میں پالنے میں ہی بات اور تبلیغ شروع کر دی۔ جس کا پیدا ہونا' رہنا اور اٹھایا جانا سلامتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مٹی، گارے کے پرندے بنا کر اللہ کے حکم سے اڑا دیتے تھے۔

☆ جس نے آج سے تقریباً 1450 سال پہلے مکہ معظمہ میں اپنے پیغمبر اوّل وآخر واعظم' اصل الموجودات' حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا کیا۔

☆ جس نے رسول اُمی کی بشارت توریت اور انجیل میں دی۔

☆ جس نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی طرح 99 صفات، نام عطا فرمائے۔

☆ جس نے نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین، شفیع المذنبین سید المرسلین، رحمت للعالمین، محبوب خاص بنا کر تمام انبیاء کرام میں ممتاز کیا، افضل الانبیاء اور اپنا حبیب بنایا۔

☆ جس نے مسلح، چاک وچوبند پہرہ دار قاتلوں کے بد ارادوں کو کھلے عام خاک میں ملا دیا۔

☆ جس نے غارِ ثور کے دہانہ پر مکڑی کا جالا تان کر اور کبوتروں کے جوڑے کو بیٹھا کر، بالکل غار کے دھانے پر پہنچے ہوئے تلاش کرنے والے کھوجی اور مشرکین قریش کو نامراد واپس پلٹایا۔

☆ جس نے بہ سبب نبی اکرم ﷺ انصار و مہاجرین میں ایسا بھائی چارہ پیدا کر دیا کہ سگے بہن بھائیوں میں بھی نہیں ہوتا۔

☆ جو اپنی حکمت و قدرت سے لشکر اسلام کو انتہائی بے سروسامانی میں اور لشکر کفار کو تمام سامان حرب کے ساتھ بلا جواز بدر میں لے آیا۔

☆ جس نے نبی اکرم ﷺ کے فرمانبردار ساتھیوں کو قلیل تعداد، بغیر تیاری، اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود میدان بدر میں مشرکین مکہ پر مکمل فتح دی۔

☆ جس نے عتیبہ بن ابولہب کو تمام حفاظتی انتظامات و پہروں کے باوجود شیر کے حوالے کر دیا۔

☆ جس نے ان تمام سرداران قریش کو، جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ فرما چکے تھے، چن چن کر بے سروسامان صحابہ کرام سے تہ تیغ کرا دیا۔

☆ جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں، نبی اکرم ﷺ کے ذریعے وہ صفات، دلیری، جذبہ ایثار و قربانی، اطاعت و فرمانبرداری، حب رسول و حب دین، اخلاق، ہمت و مردانگی پیدا کی کہ ان کی مثال رہتی دنیا تک نہ مل سکے گی۔

☆ جس کی تسبیح میں ذی شعور مخلوق کے علاوہ باقی تمام مخلوق ہمہ وقت مصروف ہے۔

ہم سب کا خدا وہی ہے جو ان سب کا خدا تھا۔

اب ہم مسلمانوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی زبردست اور کھلی کھلی مدد، تائید و نصرت کا سلسلہ وار بیان کریں گے۔

ان میں سے بارش اور میٹھی گہری نیند کا پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں ان دونوں کا اجمالی ذکر ہوگا اور تعداد میں ایک دوسرے کا کم نظر آنا، فرشتوں کی آمد، اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا مٹھی بھر خاک کا پھینکنا ان تینوں کا یہاں ذکر تفصیل سے ہوگا اور بعد میں جہاں ان کا ذکر حالات و واقعات کے تسلسل کے لحاظ سے ہونا ہے وہاں مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

بارش

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارش اس وقت نازل فرمائی جب لشکر اسلام نے رات گزارنے کے لیے میدان بدر میں اپنے لیے جگہ کو پسند فرما لیا۔

چونکہ لشکر قریش مسلمانوں سے پہلے بدر پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس مقام پر پڑاؤ ڈال لینا تھا جو بظاہر

ہر اعتبار سے موزوں تھا۔ جس کو قرآن کریم نے ''عدوۂ قصویٰ'' فرمایا زمین ایک سی سخت تھی، پانی بھی موجود تھا، لیکن مسلمانوں کا قیام ''عدوۂ دنیا'' میں ہوا، وادی کا وہ حصہ جو مدینہ یا شمال کی طرف تھا جس میں نشیب و فراز تھے زمین ایسی ریتلی تھی کہ چلنا دشوار ہو رہا تھا، پیر دھنسے جاتے تھے، وضو، غسل، پینے اور دیگر ضروریات کے لیے پانی کی قلت کا احساس ہوا۔ اس صورت حال سے شیطان نے بھی فائدہ اٹھانا چاہا کہ بے سروسامان مسلمانوں کے دلوں میں خوب وسوسے ڈالنے لگا۔ ''تم اہل حق ہو، تمہارے ساتھ نبی برحق ہے، اگر یہ سچ ہے تو کیا اہل حق کا یہی حال ہوتا ہے کہ ضروریات کے لیے پانی تک وافر میسر نہیں۔ کیا اسی حال میں تم شان و شوکت والے بڑے لشکر سے مقابلہ کرو گے۔

پس اللہ نے کرم فرمایا، اور رات ہی کو بارش ہونے لگی۔ نہ تو یہ بارش کا موسم تھا نہ ہی کوئی ایسے آثار تھے جن سے عام طور پر بارش کا اندازہ لگایا جاتا ہے لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ فضل فرمائے تو نہ موسم ضروری ہے نہ آثار، بارش ہوئی خوب ہوگئی۔ موسم خوشگوار ہو گیا۔ مسلسل پیدل چلنے کی تھکان سے مرجھائے ہوئے دل تر و تازہ ہو گئے، جسموں کی خاک و دھول اور تکان ختم ہو گئی۔ پیاس بجھ گئی۔ وضو، غسل اور پاکی کا ذریعہ فراہم ہوا۔ خشک گڑھے، حوض بن گئے تا کہ پانی بعد تک کام آتا رہے۔ ریتلی زمین سخت ہو گئی، کہ چلنا پھرنا آسان ہو۔ یہ خدا کے بندے ہیں، جن کے لیے خدا نے قیامگاہ کو پر فضا اور ہموار کر دیا۔ یہ اللہ کے مہمان ہیں، جن کے کھانے پینے اور میٹھی نیند کا انتظام اس نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

اس بارش سے اہل حق کو خوب فائدہ ہوا، لیکن اہل باطل، ان کے لیے یہ بارش مصیبت و زحمت بن گئی۔ ان کا سامان عیاشی برباد ہوا، عیش و عشرت کے لیے جگہ جگہ جلائی گئی آگ بجھ گئی اور ان کے دلوں کی آگ مزید بھڑکنے لگی۔ ان کا پڑاؤ نشیب میں تھا، بڑی اچھی جگہ تھا لیکن اب وہاں بارش کا پانی بھر گیا اور لشکر کفار علاقہ جوہڑ اور دلدل بن گیا، کہ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا۔ یہ ان کی تباہی و بربادی کی پہلی نشانی تھی اگر سمجھ لیتے تو بھاگ جاتے، جان بچ جاتی، لیکن کفر چاہے کتنی ہی شوکت و عظمت والا ہو، اندھا ہوتا ہے بھلا جو چاند کو، دو ٹکڑے دیکھ کر بھی نہ سمجھ سکے تھے، وہ آج کیا سمجھ لیتے۔

میٹھی گہری نیند

جب بارش تھم گئی اور آسمان صاف ہو گیا۔ تھکے جسموں کو تازگی اور پاکیزگی نصیب ہو گئی۔ جب فضا بھی پاک صاف اور خوشگوار ہو گئی اور ریتلی زمین آرام دہ بستر بن گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک اور فضل فرما دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سپاہیوں پر یہ فضل فرمایا کہ انہیں نیند آ گئی۔ وہ خوب سوئے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بعض صحابہ کرام کا حال بیان کر چکے ہیں، کوئی اٹھتا تو پھر دوسری جگہ لیٹ کر سو جاتا۔ کسی کے ہاتھ

سے بار، بار تلوار چھوٹ جاتی۔ غرضیکہ خوب سوئے، جس سے فائدہ یہ ہوا کہ جنگ کی صبح سب تازہ دم، ہشاش بشاش تھے۔ یقیناً یہ اللہ کا بڑا فضل تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول صاحب روح البیان نقل کرتے ہیں:

''جنگ کی حالت میں، اونگھ، ذریعہ سکون ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔''

ظاہر بینوں کے لیے بڑی حیرت کا مقام ہے کہ نیند اور میدان جنگ میں وہ بھی ایسے وقت جب کہ صورت حال نہایت خطرناک ہے۔ تین گنا بڑا دشمن سر پر مسلط ہے، بظاہر صبح موت کا سامنا ہے۔ انسان کا تو یہ حال ہے کہ ذرا پریشانی ہو، الجھن ہو، نیند اڑ جاتی ہے۔ سونے کی دوائیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ نہ جانے کیا جتن کرنے پڑتے ہیں کہ کسی طرح نیند آ جائے۔ اور یہاں جنگ کی رات ہے میدان جنگ ہے، سب گھر سے بے گھر ہیں، بظاہر دوبارہ گھر والوں سے ملنے کی توقع بھی نہیں اور سب بڑے آرام سے پرسکون نیند سو رہے ہیں۔

جنہیں حیرت ہوتی ہے انہیں ہوا کرے، خدا پر ایمان رکھنے والوں کو کوئی حیرت نہیں ہے۔ اہل ایمان جانتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ وہ ہر وقت ہر کچھ کر سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، قادر مطلق اپنے بندوں کو جب چاہے، خوف وغم سے آزاد کر کے سلا دے کہ میرے بندوں کو سکون نصیب ہو جائے، کیا یہ قادر مطلق کے لیے دشوار ہے پھر اس کے بندوں کو تو اس کی یاد سے سکون مل جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ رعد کی آیت 28 میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

ترجمہ: ''خبردار، اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔'' (سورۃ رعد آیت 28)

تو پھر جہاد جو ذکر الٰہی کی چادر ہے، اسے اوڑھنے والوں کے دل کیوں نہ مطمئن ہوں۔ اس چادر تلے نیند آنا ہی چاہیے تھی، پس آئی اور مجاہدین خوب سوئے۔

تعداد کم دکھانا

اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ حکمت اس وقت ظاہر ہوئی جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم نظر آ رہی تھی جس سے بے ڈھنگی پیش رفت کرنے کے لیے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور جب جنگ شروع ہو گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کر دی یعنی اس وقت انہیں مسلمان بہت زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے تاکہ ان کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ جائے، ادھر جنگ شروع ہونے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی نظر میں مشرکوں کی تعداد بہت کم کر دی تاکہ حملہ کرنے کے لیے ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس انعام کا ذکر سورۃ انفال کی آیات نمبر 43، 44 فرماتے ہوئے بتایا کہ مسلمانوں پر دورانِ جنگ ایک احسان یہ بھی کیا گیا کہ حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خواب میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظاہر میں کافروں کی تعداد کو کم دکھایا۔

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے عریش میں دعا سے فارغ ہو کر تھوڑا آرام فرمایا اور جب بیدار ہوئے تو چہرہ انور پر خوشی کے آثار تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مژدہ سناتے ہوئے فرمایا کہ کافروں کو میں نے خواب میں تھوڑا دیکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یقیناً شکست ہوگی۔

جب کہ مسلمانوں کو ظاہر میں اپنا دشمن کم ہی نظر آرہا تھا۔ جیسا کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: ''کیا تم کافروں کو ستر (70) دیکھتے ہو؟ یعنی مجھے ستر نظر آرہے ہیں کیا تمہیں بھی اتنے ہی نظر آتے ہیں۔ تو ان کے ساتھی نے کچھ غور کر کے کہا، نہیں، مجھے، تو سو (100) نظر آرہے ہیں حالانکہ وہ ایک ہزار تھے۔ مسلمانوں کو اس لیے کم نظر آئے کہ

''وہ ان سے ڈٹ کر لڑیں، مسلمانوں کے دل مضبوط رہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے خواب کی تصدیق ہو جائے۔'' (روح البیان والبدایہ والنھایہ)

اور کفار کو بھی مسلمان کم نظر آرہے تھے، اگر زیادہ نظر آتے تو کافر بھاگ کھڑے ہوتے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو جنگ کرانا ہی مقصود تھی۔ تا کہ اسلام غالب ہو اور دنیا پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اہل حق وسائل سے نہیں، اللہ کے فضل وکرم اور اس کی نصرت سے غالب رہتے ہیں۔

درحقیقت تعداد میں کم نظر آنے کی کیفیت کا تعلق دونوں لشکروں کے عزائم اور مقاصد سے بھی ہے کہ اہل حق کے سامنے اللہ کی رضا، رسول کی اطاعت اور اسلام کو غالب کرنے کا، ایسا جذبہ تھا جس کی تکمیل کے لیے ان کے دل میں، اب نہ تو کسی چیز کی محبت باقی رہی تھی، نہ ہی ذہن میں کسی کی قوت کا تصور اور کسی ڈر کا خیال رہا تھا۔ انہیں جنت کے باغات سامنے نظر آرہے تھے جن کی راہ میں چند پتھر چند کانٹے کافروں کی صورت میں تھے، اس لیے کافر انہیں بہت کم نظر آئے اور بہت کمزور نظر آئے، پس انہوں نے عزم کر لیا کہ ان پتھروں اور کانٹوں کو ہٹاتے، کاٹتے، ہمیں اپنی منزل تک بہرحال پہنچنا ہے۔

اور اہل باطل کو تکبر وغرور، تعداد وسائل کی کثرت پر اعتماد تھا۔ شہرت وعزت کی ہوس نے شیطان کے مکرو فریب نے انہیں ایسا اندھا کر دیا تھا، کہ صبر واستقامت شجاعت و دلیری کے سورج ان کے سامنے چمک رہے تھے لیکن انہیں تو ایسا نظر آرہا تھا کہ سامنے چند چراغ ٹمٹمار ہے ہیں، پس ہم نے پھونک ماری اور یہ ہمیشہ کے لیے بجھے اور کامیابی کا تاج ہمیں ملا۔

پس دونوں ہی نے ایک دوسرے کو کم اور کمزور دیکھا اور غالب وہ رہا جس کا مقصد مقدس تھا اور تائید الٰہی جس کے ساتھ تھی۔

اس حکمت کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت 13 میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ (سورۃ آل عمران آیت 13)

ترجمہ: ''بے شک تمہارے لیے ان دو گروہوں میں نشان عبرت تھا جو آپس میں نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دونا ہے۔''

اور سورۃ انفال آیت 44 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ (سورۃ انفال آیت 44)

ترجمہ: ''اور جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا، کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔''

چنانچہ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''غزوۂ بدر کے موقعہ پر مشرکین ہمیں اتنے کم نظر آ رہے تھے کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ شاید یہ سب ملا کر ساٹھ آدمی ہیں، اس پر اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں ان کی تعداد سو تک ہے۔''

اس سے متعلق ایک روایت ہے کہ قباث بن اشیم جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوۂ بدر میں کافر کی حیثیت سے شریک تھے اپنے دل میں سوچنے لگے کہ مسلمان اتنے تھوڑے سے ہیں کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی۔

پھر اس واقعہ کے کئی سال بعد یعنی غزوہ خندق کے بعد قباث مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچ کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں وہاں پہنچ گیا مگر صحابہ کرام کے مجمع میں آپ ﷺ کو پہچان نہ سکا۔ میں نے سلام کیا تو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''قباث! غزوۂ بدر کے موقعہ پر یہ بات تم نے ہی کہی تھی کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی۔''

قباث نے عرض کی:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دیکر بھیجا! کہ یہ بات میری زبان سے نکلی نہیں تھی اور نہ ہی میرے ہونٹوں تک یہ لفظ آئے تھے۔ نہ اس بات کو کسی نے سنا تھا کیونکہ یہ بات تو میرے دل میں صرف ایک خیال کے طور پر گزری تھی۔''

اس کے بعد قباث فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات تم نے ہی تو اپنے دل میں سوچی تھی! قباث نے فوراً ہی کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور جو پیغام وہ لے کر آئے ہیں وہ سچا اور حق ہے۔

فرشتوں کی آمد

اللہ تبارک وتعالیٰ تو خالق و مالک کائنات ہے۔ قادر مطلق کی قدرت کا کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ ذی شعور مخلوق انس و جاں کے سوا باقی سب مکمل تابعدار ہیں اور سو فیصد حکم بجالاتے ہیں۔

سورۃ فتح آیت 7 کے فرمان کے مطابق:

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

ترجمہ ''اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر۔''

وہ حاکم الحاکمین کل ہے۔ سب کچھ اس کے تابع ہے۔ اس کے حکم میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب خاص پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے دعا کے لیے مبارک ہاتھ اٹھائے اور وہ قبول فرمائی گئی اور مسلمانوں کی خوشی اور ان کے دل کے چین کی خاطر فرشتوں کا لشکر بدر میں بھیجا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں، ان کی آمد کے بارے میں سورۃ آل عمران کی آیات 123 سے 127 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ○

ترجمہ ''اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار رہو۔ جب اے محبوب! تم مسلمانوں سے فرماتے تھے، کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر اور تقویٰ کرو، اور کافر

اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔ اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اسی لیے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے۔ اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔ اس لیے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کرے کہ نامراد پھر جائیں۔'' (سورۃ آل عمران آیات 123 تا 127)

سورۃ انفال کی آیات 9 اور 10 میں خالق و مالک کائنات نے فرشتوں کی آمد کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورہ انفال آیات 9، 10)

ترجمہ ''جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی، کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے، اور یہ تو اللہ نے کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لیے کہ تمہارے دل چین پائیں، اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے غلاموں کی چھوٹی سی کمزور جماعت کے لیے عریش میں جس عجز و انکساری کے ساتھ اپنے رب کریم سے دعا کی، اس کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور لشکر اسلام کے لیے فرشتوں کے نزول کا مژدہ سنایا، کہ ایک ہزار فرشتوں کا لشکر میرے سپاہیوں کی امداد کے لیے آ رہا ہے۔

اور جب دوران جنگ ایک موقع پر مسلمانوں نے یہ خبر سنی کہ کفار قریش کی امداد کے لیے کرز بن جابر ایک بڑا لشکر لے کر آنے والا ہے۔ تو اللہ نے بھی اپنے بندوں کی امداد میں اضافہ کیا۔ اور فرمایا ''تم ہرگز نہ گھبراؤ، ہمارے لشکر سے بڑا لشکر کس کا ہو سکتا ہے، اگر دشمن کی مدد کے لیے کوئی پہنچا، تو ہم مزید تین ہزار کا نورانی لشکر نازل فرما دیں گے۔ اور اگر دشمن کا حملہ شدید ہو گیا، تو پھر ہم اپنے لشکر کی تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دیں گے۔

میدان بدر میں اگر غور کیا جائے، تو فرشتوں کا نزول کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ فرشتے تو انسانوں کی خدمت کے لیے بھی پیدا کیے گئے ہیں۔ اور نظام قدرت کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ ہی دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہر انسان کے ساتھ ہر وقت دو فرشتے رہتے ہیں، عزرائیل علیہ السلام تو اپنی پوری جماعت لیے ایک ایک انسان کے گھر پر پہنچتے ہیں۔ باطل کے مقابلہ پر اہل حق کی مدد کے لیے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ فرشتوں کے لشکر آ چکے ہیں۔

ملائکہ کی یہ عظیم فوج، حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام کی قیادت میں منظم ٹولیوں کی صورت

میں اس طرح لشکر کے درمیان دائیں بائیں اتری کہ اللہ کے سپاہیوں کی ہر طرف سے مدد وحفاظت ہو سکے، ان کے عمامہ اور لباس سفید تھا چتکبرے (ابلق، دو رنگا گھوڑا، خصوصاً سفید اور کالے رنگ والا گھوڑا) گھوڑوں پر یہ سوار تھے، ہوا کے جھوکوں کے ساتھ گہرے بادلوں میں سے یہ زمین پر آئے۔

اللہ نے اپنی نورانی مخلوق کی یہ فوج کافروں سے جنگ کے لیے نازل نہیں فرمائی تھی۔ اگر فرشتوں ہی سے دشمن کو ہلاک کرانا مقصود ہوتا، تو اس کے لیے تو صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی کافی تھے۔ جن کی قوت کا اندازہ انسانیت متعدد بار کر چکی ہے۔ انہوں نے اس سے پہلے اپنے بازو کے ایک پر کی قوت سے، قوم لوط کو ہلاک کر ڈالا۔ اپنی ایک چیخ (زوردار آواز، کڑک) سے قوم ثمود کے شہروں کو تباہ کر دیا۔ یقیناً ان کافروں کے لیے بھی ان کا ایک اشارہ کافی ہوتا اتنے فرشتوں کو مقابلہ کرنے کے لیے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ تو صرف اللہ نے اپنے پیارے بندوں کی دلجوئی کی تھی کہ انہیں اپنی تعداد کی کمی کا خیال نہ رہے۔ بلکہ یہ احساس ہو کہ اگر دشمن کی تعداد ساڑھے نو سو ہے ہمارے پاس ہزار فرشتے موجود ہیں۔ اور اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائے تو ہمارے ساتھ بھی پانچ ہزار فرشتوں کی جماعت ہو جائے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لشکر میں کمی نہیں، وہ جتنی چاہے تعداد بڑھا دے، کون ہے جو اس لشکر کا مقابلہ کر سکے۔

ہاں بعض مقامات پر بوقت ضرورت فرشتوں نے اپنا کام بھی دکھایا جیسا کہ چند واقعات سے اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک انصاری حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو غزوۂ بدر کی باتیں سناتے ہوئے کہنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک کافر کے پیچھے دوڑا کہ اس کو ماردوں۔ لیکن وہ ابھی مجھ سے بہت آگے تھا اچانک میں نے اپنے قریب سے ایک گھوڑا گزرنے کا احساس کیا۔ اور سنا کہ اس کا سوار کہتا جا رہا ہے "اقدم یا حیزوم" اور ایک لمحہ بعد ہی میں نے دیکھا کہ اس کافر کا سر زمین پر تھا۔ میں دوڑا اور اس کو اٹھا لیا۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: "حیزوم" حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے وہ میدان جنگ میں تمہاری مدد کر رہے تھے۔

ابوالیسیر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کیا، جو بہت دراز قد تھے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ابوالیسیر سے پوچھا کہ تم نے ان کو کس طرح گرفتار کر لیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ان کی گرفتاری میں ایک ایسے شخص نے میری مدد کی، جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ نہایت ہی بارعب شکل وصورت والا تھا، چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: اے ابوالیسیر! تیری مدد کرنے والا شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان فرشتوں میں سے ایک تھا جو بدر میں تمہاری مدد کے

لیے نازل ہوئے۔

ابوسفیان نے مکہ واپس ہو کر جب جنگ کا حال ابولہب اور دوسرے کافروں کو سنایا تو یہ کہا کہ مسلمانوں کے پاس اسلحہ کی کمی نہ تھی۔ ان کی تعداد بھی بہت تھی۔ ہم نے ان میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن کے چہرے سفید تھے۔ وہ سفید لباس میں سفید عمامے باندھے، چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب وہ ہمارے کسی ساتھی کی طرف بڑھتے تو ان کا وار کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ وہ زمین و آسمان کے درمیان اڑتے بھی نظر آتے تھے۔ ہم کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

سائب بن حنیش رضی اللہ عنہ نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنی گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا میں مشرکین کے ساتھ، بھاگا جا رہا تھا، کہ بلند قد خوبصورت نوجوان چتکبرے گھوڑے پر سوار میرے آگے آیا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ میں ہل نہ سکا۔ پھر اس نے مجھے باندھ دیا اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے مجھے اس حال میں دیکھا، تو پکارا کہ یہ قیدی کس کا ہے؟ جب کسی نے جواب نہ دیا تو وہ مجھے لے کر حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ کو میرا حال بتایا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو میں خاموش رہا کیونکہ میں اپنا حال حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا نہ چاہتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ اس کو اللہ کے فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔ اور اے عبدالرحمٰن! اب یہ تمہارا ہی قیدی ہے اس کو لے جاؤ۔ سائب بن حنیش نے کہا، اگرچہ میں بہت دیر سے مسلمان ہوا لیکن میں ہمیشہ اپنے اس واقعہ کو یاد کرتا تھا۔

اور شیطان تو اس خدائی فوج کو دیکھتے ہی بھاگا۔ جب کہ وہ مکہ سے وقت جنگ تک ابوجہل کے ساتھ ساتھ لگا ہوا اس کا اہم ترین مشیر بنا ہوا تھا۔ اور کفار کی ہمت افزائی کے لیے ان کی شجاعت و بہادری کے قصیدے پڑھ رہا تھا اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلا رہا تھا۔

سورۃ انفال آیت 48 میں رب کائنات نے اس بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا، اور کہا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور میں تمہارا مددگار ہوں۔'' (سورۃ انفال آیت 48)

شیطان میدان جنگ میں سراقہ بن مالک بن جعشم بنی کنانہ کے سردار کی صورت اختیار کئے ابوجہل کے بھائی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا جونہی اس نے دونوں لشکروں کو آمنے سامنے دیکھا اور لشکر اسلام میں فرشتوں کو اترتے دیکھا تو ابوجہل سے کہنے لگا اب میں جاتا ہوں جب ابوجہل نے اسے روکنا چاہا تو اسے ایسا زوردار دھکا دیا کہ وہ زمین پر گر پڑا اور یہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ سورۃ انفال آیت 48 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بارے

میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: ''تو جب دونوں فوجیں، آمنے سامنے ہوئیں، تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا، میں تم سے علیحدہ ہوتا ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں، جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (سورۃ انفال آیت 48)

شیطان کی عمر، اگرچہ بہت طویل ہے لیکن اسے زندہ رہنے کی مہلت ''وقت معلوم'' تک ملی ہے جو کہ اسے معلوم نہیں۔ اس لیے وہ ڈرتا ہے کہ نہ جانے کب اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہلاک کرے۔ علاوہ ازیں وہ فرشتوں خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بہت ڈرتا ہے کہ اگر کسی نے اس کو گرفتار کرلیا تو نہ جانے پھر رہائی ملے یا نہ ملے۔ نیز شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھاگتا ہے، ڈرتا ہے کہ اگر ان کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ ان کے جلال کو برداشت نہ کر پائے گا، ممکن ہے کہ جل کر خاک ہو جائے۔ (روح البیان وغیرہ)

بیہقی نے حکیم بن حزام سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن مشرکوں پر آسمان سے چیونٹیاں گریں اور اس قدر زیادہ تعداد میں گریں کہ افق نظروں سے اوجھل ہوگیا اور پوری وادی میں چیونٹیوں کا سیلاب آ گیا، اسی وقت میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ یہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے ہوا ہے اور یہ فرشتے ہیں۔

اسی طرح ایک حسن سند سے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکوں کے شکست کھانے سے پہلے جب کہ خونریزی کا بازار گرم تھا میں نے سیاہ دھاریاں سی دیکھیں جو اس قدر تھیں کہ ساری وادی ان سے بھر گئی، اس وقت مجھ کو یقین ہو گیا کہ حقیقت میں یہ فرشتے ہیں اور قوم یعنی مشرکوں کو شکست ضرور ہوگی۔

مشرکوں کو ابلیس کی شہ

ایک مرسل حدیث میں آتا ہے کہ یوم عرفہ کے علاوہ کبھی شیطان اتنا ذلیل و ہیچ اور بے بس نہیں دیکھا گیا جتنا بدر کے دن دیکھا گیا۔ اور اسی طرح تمام مغفرت اور دوزخ سے چھٹکارے کے موقعوں پر بھی ذلیل و بے بس ہوتا ہے جیسا کہ رمضان کے دنوں میں اور خاص طور پر شب قدر میں۔

حدیث میں آتا ہے کہ بدر کے دن ابلیس سراقہ بن مالک مدلجی کنانی کی صورت میں شیاطین کے ایک لشکر کے ساتھ آیا جو سب کے سب بنی کنانہ کے لوگوں کے بھیس میں تھے اس کے ہاتھ میں اس کا جھنڈا بھی تھا اس نے مشرکوں سے آ کر کہا:

''آج کوئی انسان تم پر غالب نہیں آ سکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں۔''

یہی بات شیطان نے مشرکوں کی مکہ سے روانگی کے وقت بھی ان سے کہی تھی جو بنی کنانہ یعنی سراقہ کی قوم

کی وجہ سے بہت ڈر رہے تھے (کہ ایسے میں کہیں وہ قریش سے اپنی دشمنی نہ نکالیں) اگرچہ اس موقعہ پر بیان ہوا ہے کہ شیطان تنہا تھا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ ابلیس کا لشکر یعنی جنات کے مشرکین بعد میں آ کر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہوں۔

جبرائیل کو دیکھ کر ابلیس کی بدحواسی اور فرار

اسی وقت جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہ نے ابلیس کو دیکھا جو ایک مشرک کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ یہ مشرک ابوجہل کے بھائی حرث بن ہشام تھے جو اس وقت تک مشرک تھے۔ ابلیس جبرائیل امین اور دیگر ملائکہ کو دیکھ کر بدحواس ہوگیا اور اس طرح اس کے ساتھ اس کے لشکری بھی حواس باختہ ہوگئے، اسی وقت حرث بن ہشام نے ابلیس سے کہا:

''سراقہ! کیا تم واقعی محافظ بن کر آئے ہو؟''

اس نے کہا:

''میں تم لوگوں سے بری اور بیزار ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

حرث بن ہشام نے یہ جواب سن کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا:

''خدا کی قسم! میں تو صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ یثرب کی چمادڑیں نکل کر سامنے آگئی ہیں۔''

سراقہ یعنی ابلیس کے فرار پر ابوجہل کی تلملاہٹ

اس پر ابلیس نے حرث کے سینے پر ہاتھ مار کر انہیں دھکا دیا جس سے وہ گر پڑے۔ دوسری طرف حرث بن ہشام کے بھائی عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل نے سراقہ یعنی ابلیس کی دغابازی دیکھی تو لوگوں سے کہا:

''لوگو! تم سراقہ کی دغا پر ہمت نہ ہارنا کیونکہ وہ پہلے ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ سازش کر کے آیا تھا نہ ہی تم لوگ عتبہ وشیبہ اور ولید کے قتل پر بھی بددل نہ ہونا کیونکہ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا، لات وعزیٰ کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے نہیں جکڑ لیں گے۔''

پھر وہ لوگوں سے پکار پکار کر کہنے لگا:

''انہیں قتل مت کرو بلکہ پکڑ لو۔''

سراقہ کی حقیقت کا علم

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ جنگ کے بعد جو قریشی زندہ بچے اور بھاگ کر مکہ پہنچے تو انہوں

نے سراقہ بن مالک مدلجی کو مکہ میں موجود پایا (جب کہ وہ ابلیس کو سراقہ کی شکل میں میدان بدر میں دیکھ چکے تھے اور اس کو سراقہ ہی سمجھ رہے تھے) انہوں نے مکہ میں سراقہ کو دیکھ کر کہا:

''سراقہ! تم ہماری صفیں توڑ کر بھاگ آئے اور ہمیں جنگ میں ناکام کرا دیا۔''

سراقہ نے کہا:

''خدا کی قسم! تمہارے معاملات کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے نہ میں میدان بدر میں گیا اور نہ مجھے کچھ خبر ہے۔''

مگر ان لوگوں نے سراقہ کی بات کا یقین نہیں کیا یہاں تک کہ یہ لوگ جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اس بارے میں نازل ہونے والی وحی سنی تب ان کو پتہ چلا کہ میدان جنگ میں جو شخص ان سے سراقہ کی صورت میں ملا تھا، وہ سراقہ نہیں بلکہ اصل میں ابلیس تھا یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ مجھے اس بات پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ ابلیس اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ اس سے یقیناً ڈرتا ہے یعنی چاہے حقیقت میں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے اس طرح ابلیس نہ ڈرتا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابلیس اس لیے ڈرا تھا کہ کہیں یہ دن ہی متعین دن نہ ہو جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ فرقان آیت 22 میں ارشاد ہے:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○

ترجمہ: ''جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں یعنی کافروں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔'' (سورۃ فرقان آیت 22)

غرضیکہ ملائکہ دوران جنگ مجاہدین اسلام کی مدد کرتے رہے، انہوں نے کافروں کو قتل بھی کیا زخمی بھی کیا، گرفتار کر کے باندھا بھی، مسلمانوں نے فرشتوں اور ان کے گھوڑوں کی آوازیں سنیں، انہیں دیکھا اور صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ کافروں نے بھی دیکھا۔

مٹھی بھر خاک پھینکنا

جب جنگ پورے شباب پر تھی، جبرائیل علیہ السلام، حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ ایک مٹھی خاک دشمن کے لشکر پر پھینکیے۔ پس حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاک لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل حکم کی، اور حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ''شاہت الوجوہ'' (چہرے مرجھا جائیں) پڑھ کر لشکر کفار کی طرف خاک اڑائی، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس میں خاک نہ پڑی ہو، اور کوئی حلق ایسا نہ تھا جس میں خاک کا اثر نہ ہوا ہو۔ پس میرے آقا ﷺ کے اس معجزے کا ظہور ہونا تھا مٹھی بھر خاک کا پڑھ کر دشمن کی طرف پھینکنا ڈ تھا۔ اب مسلمانوں کی طرف ان

کے سینوں کے بجائے، پیٹھیں تھیں، وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجاہدین اسلام ان کو گرفتار کر رہے تھے، ان کا چھوڑا ہوا مال جمع کر رہے تھے، اور جو اللہ نے چاہا وہ پورا ہوا، حق ثابت ہوگیا، اسلام غالب آ گیا۔

(روح البیان، سورۃ انفال)

کافروں پر پتھر، کنکریاں، خاک برسنے کے واقعات تاریخ انسانیت میں کئی مرتبہ پیش آ چکے ہیں۔ ولادت نبوی ﷺ سے کوئی 55 دن پہلے، خدا نے اپنے گھر کے دشمن کو کنکریاں برسا کر ہی تباہ و برباد فرمایا تھا۔ اور یہ کام ابابیل سے لیا گیا تھا لیکن غزوۂ بدر میں اور اس سے پہلے ہجرت کے لیے گھر سے نکلتے وقت اس کے بعد غزوہ حنین میں، تین مرتبہ کافروں پر خاک و کنکریاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول مکرم ﷺ کے دست مبارک سے برسوائیں۔

تا کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اب دنیا میں ہماری عطا' دین، حکمت و قدرت سے وہ قوت و قدرت والا نبی موجود ہے، جس کی رضا و خوشنودی، ہمارے رحم و کرم کی برسات کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے بغاوت اس کی حکم عدولی اس کی ناراضگی ہمارے عتاب و عذاب کے نزول کا سبب ہے۔ نیز اب ہم جو کچھ دیتے ہیں وہ اسی نبی کے واسطے اور وسیلے سے دیتے ہیں۔ اب کافروں پر کنکریاں برسوانے کے لیے ہم نہ تو فرشتوں کو بھیجیں گے، نہ ابابیل کو حکم دیں گے، اب اگر انسان، میرے نبی سے بغاوت کرے گا تو نبی ہی سے اس کو تباہ کرایا جائے گا۔

پس اے انسانوں تمہاری بھلائی اور نجات اسی میں ہے کہ اس نبی رحمت ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، ان کے دامن رحمت میں پناہ لو، ان کی بغاوت اور مقابلہ سے باز آؤ کہ کوئی قوت ان کو مغلوب نہیں کر سکتی دیکھو جس کی پھینکی ہوئی مٹی تمہیں میدان سے بھاگنے پر مجبور کر رہی ہے اگر وہ تم پر نظر غضب ڈال دے تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔ لہٰذا میرے نبی کے غضب کو دعوت نہ دو، ان کی رحمت میں پناہ لو، دنیا میں بھی کامیاب رہو گے اور آخرت میں بھی نجات و بخشش یقینی ہوگی۔

حضورِ انور ﷺ میدانِ جنگ میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ وہ اپنی حکمت و خدائی سے، ہر طرح سے متضاد دو لشکروں کو میدان بدر میں آمنے سامنے لے آیا۔

مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے محبوب اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی انس و جاں، پیغمبر بحر و بر رسول کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے اتباع اطاعت و فرمانبرداری میں، ہر حال میں آپ ﷺ کا حکم و ہدایت بجا لانے کے لیے، اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے، اللہ کی وحدانیت، کلمہ توحید بلند کرنے کے لیے، دین اسلام کو اس ضلالت و ظلمت زدہ دنیا میں پھیلانے کے لیے، حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی مکمل قیادت میں بہت عجز و انکساری سے، اپنے ربّ پر مکمل توکل کیے ہوئے تمام تر بے سر و سامانی

کی حالت میں بھی' اللہ کی عبادت کرتے ہوئے' اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے اس کی عظمت و پاکی بولتے ہوئے، خراماں خراماں بدر میں چلے آئے۔

مسلمانوں کو اپنے رب پر، خالق و مالک وکائنات پر پورا پورا توکل تھا اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی قیادت اور حکمت عملی پر یقین واثق تھا۔ وہ ہر طرح سے پر اعتماد تھے۔ وہ حق پر تھے اور حق کی بالا دستی کے لیے نکلے تھے۔

مسلمانوں کو اپنی قوت بازو پر بھروسہ تھا وہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے، شجاعت اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور کفر سے ٹکرا جانے کے لیے بیتاب تھے۔ اپنے نصب العین کی سچائی نے انہیں وہ قوت ایمانی عطا کی تھی جس کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ باطل کو اپنی ایک ہی ٹکر سے پاش پاش کر دیں گے۔ ایمان کی طاقت کے بل بوتے پر طاغوتی طاقتوں کو شکست فاش دیں گے۔ اسی لیے نہ وہ دشمن کی افرادی قوت سے خائف تھے اور نہ اس کے وسائل جنگ ہی انہیں مرعوب کر سکے تھے۔ انہیں نصرت الٰہی پر کامل یقین تھا۔

اور البدایہ والنہایہ کے مطابق بدر کے میدان میں موجود اسلامی لشکر میں 86 مہاجرین اور 231 انصار تھے۔ (61 اوسی اور 170 خزرجی) یعنی کل 317 افراد تھے لیکن اکثر مورخین نے مسلمانوں کی تعداد 313 بیان کی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 326)

اور یہ تعداد 313 ہی کی ہے کیونکہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے مقام بیئر سقیا پر جب اصحاب کی گنتی کے لیے فرمایا تو اس وقت تعداد اصحاب 313 بتائی گئی تھی۔

اور حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تھا کہ یہی تعداد لشکر طالوت کی تھی وہ مجاہد بھی 313 تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلیل تعداد کے باوجود انہیں بھی بہت بڑے لشکر پر کامیابی دی تھی۔ انشاء اللہ ہم بھی کامیاب ہوں گے۔

اس کے متضاد، اس کے برعکس لشکر کفار ابوجہل (جہالت کے باپ، سب سے بڑے جاہل یا فرعون) کی قیادت میں تمام تر جنگی تیاریوں کے ساتھ، سامان خورونوش عیش وعشرت کے ساتھ ہر طرح سے، ہر طرح کے سامان حرب سے مسلح ایک ہزار جنگجوؤں کے ساتھ، نہایت تکبر، غرور، رعونت وفرعونیت کے ساتھ ضلالت وظلمت کی دنیا پہ اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے، مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے، اکڑتے، اتراتے ہوئے، مکہ سے سوئے مدینہ نکلے۔

جنگی افرادی قوت، ہر طرح کے وافر سامان جنگ، اور ہر طرح کے سامان خورونوش وعیش وعشرت کی فراوانی نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اس کے حسد کی آگ اور بڑھائی اور اس کے گھمنڈ، غرور وتکبر میں

مزید اضافہ کیا۔ ان سب عوامل نے اس کی عقل کو ماؤف کر دیا یہاں تک کہ جب اسے مقام جحفہ پر (جو مکہ سے صرف 150 کلومیٹر کی دوری پر تھا) ابوسفیان کا پیغام واپسی ملا تو اس نے اس پر کان نہ دھرے بلکہ دوسرے ساتھی سرداروں کی بھی نیک رائے کو یکسر مسترد کر دیا۔ اور عالم عرب پر اپنا رعب و دبدبہ بٹھانے کی خاطر، مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی خاطر، تمام راستے ضیافتیں اڑاتے ہوئے، محفلیں سجاتے ہوئے، رنگ رلیاں مناتے ہوئے، اکڑتے اتراتے ہوئے سوئے مدینہ بڑھتا گیا اور بدر میں جا اترا۔

مشرکین مکہ کا لشکر ایک ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ لشکر کفار کے ساتھ صرف جنگی مقاصد کے لیے سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ خورونوش و مال برداری کے لیے اونٹ اور دیگر جانوران کے علاوہ تھے۔ 96 اونٹ تو مشرکین نے مکہ سے بدر تک صرف کھانے کے لیے ذبح کیے اور کھائے۔ اسی طرح سامان حرب کی بھی فراوانی تھی۔ اپنی جنگجو افرادی قوت اور ہر طرف ہر طرح کی فراوانی کے سبب انہوں نے، ابوجہل نے یہ سوچ لیا تھا کہ بس مسلمانوں کو تو وہ لمحوں میں روند ڈالیں گے۔ ان کی نظر میں مسلمانوں کی قوت کی کوئی حیثیت ہی تھی۔

دشمن کے پاس افرادی قوت کے ساتھ سامان حرب کی بھی فراوانی تھی، بیشتر سپاہی لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے تھے، تلواروں، تیروں اور نیزوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ سامان رسد بھی کافی مقدار میں موجود تھا۔ یہ ظلمت و ضلالت اور جھوٹے خداؤں کے پروردہ لوگ نفرت حسد اور انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ قوت ایمانی سے یکسر محروم، اعتماد کی دولت سے تہی دامن اور ایک بے مقصد جنگ میں شریک تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔

''پیغمبر اوّل و آخر واعظم رسول برحق ﷺ نے رات کے وقت ہی لشکر اسلام کی صف بندی فرما دی۔''

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

''علی الصبح ان کی صفوں کو مرتب کرنے کے بعد جنگ کے لیے بڑی عمدگی سے انہیں تیار کر دیا۔''

سب مجاہد اپنے اسلحہ سے لیس ہو کر چاق و چوبند اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹ گئے انہیں تاکید کر دی گئی کہ وہ ہر حالت میں نظم و ضبط کو برقرار رکھیں۔ حکم کے بغیر کوئی اقدام کرنے کی سختی سے ممانعت فرما دی گئی۔

اصحاب بدر رضی اللہ عنہم سے خطاب فرمانے کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ نے اسلامی لشکر کی صفیں درست فرمائیں اور لڑائی کے بارے میں مجاہدین اسلام کے نام چند ضروری ہدایات جاری کیں۔

1- اس وقت تک جنگ کا آغاز نہ کریں جب تک کہ آپ ﷺ کی جانب سے حکم نہ مل جائے۔

2- دشمن گھیرے تو اسے پہلے تیر اندازی سے پھر نیزوں سے اور زیادہ قریب آنے پر تلواروں سے روکا جائے۔ (البدایہ والنہایہ، 3: 274)

غزوۂ بدر سے پہلی والی رات (شب بدر) حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت عاصم بن

ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھاتم لوگ کیسے لڑتے ہو؟ تو انہوں نے یہ مندرجہ بالا طریق کار بتایا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا
جنگ اسی طرح نازل ہوئی۔(اسی طرح سے لڑی گئی)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کہ بدر کے روز جب حضورِانور نے لشکر اسلام کی صف بندی کردی تو ایک مجاہد جوش جہاد میں اپنی صف
سے آگے جانے لگا حضور ﷺ نے دیکھا تو حکم دیا ''معی معی۔''یعنی میرے ساتھ رہو۔بے ترتیبی سے آگے مت
بڑھو۔

اسی اثناء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا۔جب صفیں درست کرارہے تھے
جو آگے یا پیچھے ہوتا اس کو اس تیر کے اشارے سے صف شکنی سے منع فرمارہے تھے۔حضور ایک صف کے آگے
سے گزررہے تھے دیکھا کہ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف سے آگے نکلے کھڑے ہیں۔ایک تیر سے ان کے شکم پر ہلکی
سی چوٹ لگائی اور فرمایا۔''اے سواد! سیدھے ہو جاؤ۔'' وہ سیدھے تو ہو گئے لیکن معاً گویا ہوئے یارسول اللہ
مجھے اس چوٹ سے درد ہوا ہے،اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عدل وانصاف کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔
مجھے اس چوٹ کا بدلہ لینے دیجئے۔

علمبردار عدل وانصاف نے اس مطالبہ کو بے ادبی یا گستاخی پر محمول نہیں کیا۔میدان جنگ میں ایک سپاہی
کا اپنے سالار اعلیٰ سے اس قسم کا مطالبہ سن کر اسے کورٹ مارشل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ کسی ادنیٰ سی بھی برہمی
اظہار کئے بغیر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے زرہ کے بندھ کھولے،اپنی قمیص مبارک اٹھادی اور اپنا
شکم اقدس کو اس کے سامنے پیش کردیا اور فرمایا''اے سواد! آؤ بدلہ لے لو۔''

حضرت سواد رضی اللہ عنہ خوشی میں لپک کر آگے بڑھے،حضور کو گلے لگالیا اور بطن مبارک کو چوم لیا۔حضور
نبی کریم رؤف ورحیم نے پوچھا سواد تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ!

''جو مرحلہ ہمیں درپیش ہے وہ حضور ملاحظہ فرمارہے ہیں میری یہ آرزو تھی کہ اس دنیا سے رخصت
وقت میری جلد،حضور پاک ﷺ کی جلد مبارک سے مس ہو جائے۔''

قربان ہو جائے انسان،شمع جمال مصطفوی کے پروانوں پر۔پیک اجل کو لبیک کہتے وقت بھی انہیں
بیوی کی یاد بے چین کررہی ہے،نہ بچوں کی۔حسرت ہے تو بس اتنی کہ جسد اطہر کے ساتھ ان کا جسم چھو جائے
پھر سب حسرتیں برآئیں گی۔سب ارمان پورے ہو جائیں گے کیونکہ انہیں یقین واثق وکامل تھا کہ جس خوش
نصیب کو یہ سعادت میسر آگئی آتش دوزخ اس کو نہیں جلاسکتی۔

اس محبوب دلنواز ﷺ نے اپنے عاشق دلفگار حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کی اس حسرت پر خوشنودی کا اظہار

...الیا اور اسے دعا خیر سے نوازا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں سرور دو عالم ﷺ اپنے مجاہدین کی صفوں کو منظم کرنے اور ضروری ...ہدایات سے انہیں مشرف کرنے کے بعد اپنے ہیڈکوارٹر (عریش) میں تشریف لائے حضور کے ہمراہ صرف ...حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے ان کے علاوہ اور کوئی آدمی ہمراہ نہ تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 410)

اس موقع پر جب کہ جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی اور فریقین پوری تیاری کے ساتھ صفیں باندھ کر ایک ...دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ نے لشکر اسلام کو ایک خطاب ...فرمایا۔ آپ اگر اس کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا ہر جملہ سے نور نبوت کی شعاعیں پھوٹ رہی ...ہیں اور کائنات میں ہر ایک قلب اور ذہن کو منور کر رہی ہیں۔ جذبات شجاعت و استقامت کو نئی زندگی بخش رہی ...ہیں۔ اگرچہ یہ خطاب قدرے طویل ہے لیکن سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا ازحد ...لازم ہے۔ تاکہ اللہ کے نبی آخر الزمان ﷺ میں اور عام جرنیلوں اور مفکرین میں فکر اور عمل کا فرق واضح ہو جائے ...اور مقام نبوت کی رفعتوں کا احساس ہو جائے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پہلے اپنے رب کی حمد و ...ثناء کی۔ پھر فرمایا:

''میں تمہیں اس بات پر برانگیختہ (ابھارتا ہوں، تیار کرتا ہوں) کرتا ہوں جس پر اللہ عزوجل نے تمہیں برانگیختہ (ابھارا، تیار کیا) کیا ہے۔ اور ان کاموں سے منع کرتا ہوں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں منع فرمایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان بہت بڑی ہے۔ وہ حق کا حکم دیتا ہے اور سچائی کو پسند کرتا ہے۔ اور نیک کام کرنے والوں کو اپنی بارگاہ میں ان کی بلند منزلوں پر فائز کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اسی سے انہیں فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اور آج تم حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر کھڑے ہو۔ اس مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے کوئی عمل قبول نہیں کرے گا سوائے اس کے جو محض اس کی رضا کے لیے کیا گیا ہو۔''

''اور جنگ کے موقع پر صرف صبر ہی ایسی چیز ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ حزن واندوہ غم وملال کو دور کرتا ہے۔ اور اسی صبر کی برکت سے غم سے نجات دیتا ہے۔ اور اسی صبر سے تم آخرت میں نجات پاؤ گے۔ تم میں اللہ کا نبی موجود ہے جو تمہیں بعض چیزوں سے منع کرتا ہے اور بعض چیزوں کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ آج تمہیں حیا کرنا چاہیے (احتیاط کرنا چاہیے، بچنا چاہیے) کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے کسی ایسے عمل پر آگاہ نہ ہو جس سے وہ تم پر ناراض ہو۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تم سے بیزاری بہت سخت ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔

...اللہ نے اپنی کتاب میں جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے ان کو غور سے دیکھو۔ اور جو اپنی نشانیاں تمہیں دکھائی ہیں۔

ان پر بھی غور کرو، انہیں مدنظر رکھو اور ذلت کے بعد تمہیں عزت بخشی ہے۔ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑلو' اس سے تمہارا رب تم پر راضی ہوگا۔ اور ان مقامات پر اپنے رب کو آزماؤ۔ تم اس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے، تمہیں وہ ضرور ملے گا جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ حق ہے۔ اور اس کا قول سچا ہے۔ اور اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ بیشک میں اور تم سب اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہیں، جو حی و قیوم ہے۔ وہی ہماری پشت پناہی کرنے والا ہے اور اسی کا دامن کرم ہم نے پکڑا ہوا ہے۔ (اسی کا آسرا ہے)۔ اس پر ہم نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے اور سارے مسلمانوں کی۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 55)

آپ اس خطبہ میں جتنا غور کریں گے شان نبوت کے اتنے جلوے آپ کو نظر آنے لگیں گے۔
دشمن پوری طرح مسلح ہو کر سامنے کھڑا ہے گھمسان کا رن پڑنے والا ہے۔ اس صورت حال کے باوجود قائد لشکر اسلام سرکار دو عالم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ صرف دشمن کو تہ تیغ کرنے کے لیے جوش نہیں دلا رہے، بلکہ اس نازک مقام پر بھی بندے کے رشتہ عبدیت کو اپنے معبود برحق کے ساتھ استوار کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ ایک نبی کی شان ہی ہوسکتی ہے، جو تمام امور سے صرف نظر کر کے ہر حالت میں اللہ کی رضا کا طلبگار رہوتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کے دلوں میں بھی رضائے الٰہی کے شوق کی چنگاری سلگا دیتا ہے۔ اور انہیں بھی ہر حال و ہر صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے طلبگار بنا دیتا ہے۔
حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم سرور دو عالم ﷺ مجاہدین اسلام کو اس ایمان افروز اور روح پرور خطبہ سے سرفراز کرنے کے بعد اپنے عریش میں تشریف لے آئے اور اپنے قدیر وعلیم پروردگار کی بارگاہ بیکس پناہ میں انتہائی عاجزی، گریہ زاری سے دعاؤں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر عرض کی:

''اے اللہ! اگر تو اس گروہ کو ہلاک کر دے گا تو پھر اس زمین میں تیری عبادت بھی نہیں کی جائے گی۔''

پھر دست سوال پھیلا کر بڑے درد و سوز سے التجا کی۔

''اے اللہ! جو وعدہ تو نے مجھ سے فرمایا ہے اس کو پورا کر۔''

''اے اللہ! میں تیری نصرت کا طلب گار ہوں۔''

ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے عرض حال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ محویت کے عالم میں چادر مبارک کندھوں سے سرک کر نیچے گر پڑی۔ حضرت صدیق کو یارائے صبر نہ رہا۔ دوڑ کر آئے اور چادر درست کر دی از راہ شفقت گزارش کرنے لگے۔

''اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! اب آپ ﷺ بس فرمایئے۔ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ

سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرمائے گا۔"

اسی اثناء میں حضور کو اونگھ سی آئی اور چند لمحوں بعد فرمایا:

"اے ابوبکر خوشخبری مبارک! اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبرائیل ہیں جو گھوڑے کے لگام کو پکڑے ہوئے جا رہے ہیں اور اس گھوڑے کے پاؤں گرد آلود ہیں۔"

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 420۔ طبری جلد 2 صفحہ 280)

حق کے علمبردار اور باطل کے پرستار صفیں باندھ کر آمنے سامنے کھڑے ہیں۔ مسلمانوں کی قلیل تعداد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کفار کے تکبر اور رعونت میں مزید اضافہ ہو گیا اور ابوجہل نے للکار کر اپنے ساتھیوں کو کہا:

"لات وعزیٰ کی قسم! ہم ہرگز واپس نہیں ہوں گے۔ جب تک ان مٹھی بھر مسلمانوں محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کو ان پہاڑوں میں تتر بتر نہ کر دیں۔ دوستو! انہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو پکڑتے جاؤ اور رسیوں میں باندھتے جاؤ۔

قریش مکہ، مئے آتشیں (سرخ رنگ کی شراب تکبر وغرور) سے مخمور تھے اور یہ خیال کر رہے تھے کہ مسلمان ہمارے پہلے حملہ کی تاب ہی نہ لا سکیں گے۔ ہم طوفان بن کر امنڈیں گے اور انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیں گے۔

ادھر مشرکین مکہ شراب وطاقت کے نشہ میں بلند و بانگ ارادے بنا رہے تھے اور ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغمبر اوّل و آخر واعظم، رہبر کائنات، ہادی انس و جاں، پیغمبر بحر و بر، اصل الموجودات، فخر کائنات، انسان کامل سید المرسلین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین ﷺ اللہ کا پیارا حبیب اور اس کے جاں نثار غلام مجیب الدعوات کی بارگاہ میں بارگاہ الٰہی میں آنسوؤں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ اور قادر وعزیز خدا سے اسلام کی نصرت وفتح کی خیرات مانگ رہے تھے۔

"پیغمبر اوّل و آخر واعظم سید الانبیاء اپنے رب کی بارگاہ میں فریاد کر رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمین و آسمان کے رب، دعاؤں کو قبول کرنے والے، بلاؤں کو ٹالنے والے، رب العالمین کی بارگاہ میں دعائیں مانگ رہے تھے۔" (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 427)

فیصلے کی گھڑی آن پہنچی، دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ معرکہ آرائی کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ حضور پرنور پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ عزم و ہمت کے پیکر بے مثال، چہرے پر جلال و جمال، آنکھوں میں عجز و انکسار، اور ہونٹوں پر ثنائے پروردگار لیے ہوئے اصحاب بدر سے یوں مخاطب ہوئے:

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، جو شخص آج ثابت قدمی کے ساتھ ثواب کی نیت سے آگے بڑھے گا اور پیٹھ پھیرے بغیر لڑتا رہے گا، اللہ اسے جنت میں داخل کرے

گا۔''(السیرۃ النبویہ لابن ہشام،1:627)

اسلامی لشکر کا مورال ہمت وحوصلہ پہلے ہی بہت بلند تھا۔اپنے عظیم جرنیل اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے یہ کلمات سن کران کے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔شوق شہادت سینوں میں طوفان برپا کرنے لگا اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے تاب نظر آنے لگے۔

جنگ کا آغاز

جنگ کی پہلی چنگاری اسود بن عبدالاسد مخزومی نے بھڑکائی۔ یہ شخص بڑا ضدی، بدسرشت، بدخو اور بڑا گھمنڈی تھا۔اس نے اعلان کیا کہ میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیئے گا، اور اسے منہدم کردے گا یا اپنی جان دے دے گا۔ جب وہ فاسد نیت سے پانی کے تالاب کی طرف بڑھا۔تو اسلام کے شاہین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹے جب ان کا آمنا سامنا ہوا تو آپ نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کی ایک پنڈلی کاٹ دی۔ وہ ضدی اپنی پیٹھ کے بل گر پڑا اس کی کٹی ہوئی ٹانگ سے خون کا فوارہ بہنے لگا' پھر بھی وہ رینگتا ہوا حوض کے قریب پہنچا۔اس کا ارادہ تھا کہ اس میں گھس کر سارے پانی کو ناقابل استعمال بنادے۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر دوسرا وار کیا اور اس کا کام تمام کردیا۔اس جنگ میں یہ پہلا کافر تھا۔جس کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔

کفار کی طرف سے مبارزت طلبی

اسود بن الاسد مخزومی کو یوں دولخت دیکھ کر مشرکین کا ایک سردار، عتبہ بن ربیعہ جوش وغضب سے دیوانہ وار اٹھا اور اپنی شجاعت کے اظہار کے لیے بے تاب ہوگیا۔اپنے بھائی شیبہ کو اپنے دائیں طرف اور اپنے بیٹے ولید کو بائیں طرف لے کر صفوں کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔اور ''مقابلے کے لئے میدان میں آؤ'' کا نعرہ لگا کر یہ تینوں اپنے اپنے مدمقابل کا انتظار کرنے لگے۔

تین انصاری نوجوان حضرت عوف اور معاذ' پسران حارث اور عفراء اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شیروں کی طرح دھاڑتے ہوئے ان سے مقابلہ کے لیے نکلے اور میدان میں آگئے۔ان سے عتبہ وغیرہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔''ہمارا تعلق انصار سے ہے۔'' وہ بولے ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا واقعی تم معزز مدمقابل ہو لیکن ہمارے مقابلہ کے لیے ہمارے چچا زادوں کو بھیجو۔ان میں ایک شخص نے بلند آواز سے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہمارے ساتھ پنجہ آزمائی کے لیے ہماری قوم میں سے مدمقابل بھیجو۔

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم، سرکار دوعالم ﷺ نے ان کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے فرمایا:''اے

ابوعبیدہ تم اٹھو۔اے حمزہ تم اٹھو۔اے علی تم اٹھو۔" اللہ کے یہ تینوں شیر جب ان کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کیونکہ انہوں نے زرہیں پہنی ہوئی تھیں ہتھیار سجائے ہوئے تھے اس لیے پہچان نہ سکے۔ان تینوں حضرات نے اپنا اپنا نام لے کر اپنا تعارف کرایا۔یہ سن کر وہ کہنے لگے "بے شک تم معزز مدمقابل ہو،تم سے مقابلہ ٹھیک رہے گا۔"

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جو ان تینوں میں سے عمر میں بڑے تھے انہوں نے عتبہ کو للکارا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو۔اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عتبہ کے بیٹے ولید کو۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔بجلی کی سرعت سے اس پر اپنی شمشیر آبدار سے بھرپور وار کیا اور آن واحد میں اس کے دو ٹکڑے کر کے زمین پر پھینک دیا۔اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ولید کو مہلت دیئے بغیر اپنی شمشیر براں کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

البتہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ایک دوسرے پر اپنی تلواروں سے حملے کرتے رہے۔حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وار سے عتبہ کو زخمی کر دیا اور عتبہ کی تلوار ان کی ٹانگ پر پڑی اور اس کو کاٹ کر الگ کر دیا۔حضرت حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما اس دوران اپنے حریفوں کا کام تمام کر کے فارغ ہو چکے تھے۔وہ اب حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے تیزی سے بڑھے۔ان کی تلواریں عتبہ بن ربیعہ پر بجلی کی سرعت سے کوندیں اور عتبہ کو پل بھر میں ڈھیر کر دیا۔

لشکر کفار کے تینوں مبارزین (میدان جنگ میں مقابلہ کے لیے آگے آنے والے) تھوڑی ہی دیر میں بڑی آسانی اور پھرتی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور اب ان کی لاشیں میدان جنگ میں پڑی تھیں۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں وہاں سے اٹھایا اور حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کھڑے تھے وہاں لا کر لٹا دیا۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا رخسار حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ابوطالب مجھے اس حالت میں دیکھتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ ان کے ان اشعار کا حق دار میں ہوں۔

1 اے مشرکو! خانہ خدا کی قسم! تم جھوٹ بول رہے ہو۔جب تم یہ کہتے ہو کہ ہم محمد کو چھوڑ دیں گے اور اس کے اردگرد تیروں اور نیزوں سے جنگ نہیں کریں گے۔

2 سن لو ہم انہیں تمہارے حوالے نہیں کریں گے جب تک ہماری لاشوں کے ڈھیر اس کے آس پاس نہ لگ جائیں۔ہم اس کے دفاع میں اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھی بے پرواہ ہو جائیں گے۔"

اپنے جاں بلب عاشق کا یہ نعرہ مستانہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مژدہ سنایا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔''

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 625...... السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 414)

قریش کے جب یہ تینوں سردار، اسلام کے بہادروں نے موت کی گھاٹ اتار دیئے تو اس اندیشہ سے کہ کفار حوصلہ نہ ہار دیں ابوجہل نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا:

''ہمارا مددگار عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں جو تمہاری مدد کرے۔''

حضور پُرنور نبی کریم سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسلام کے مجاہدین کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں یہ نعرہ بلند کریں۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔''

اب مبارزت طلبی ختم ہوگئی یعنی کہ میدان جنگ میں اب مشرکین میں سے کوئی بھی جنگجو اپنی فوج یا اپنے لشکر سے نکل کر آگے نہ آیا اور مبارزت طلب نہ ہوا۔

کچھ دیر تو مشرکین کو یقین ہی نہ آیا، ان کو سمجھ ہی نہ آئی کہ یہ کیا ہوگیا ہے اور کیسے ہوگیا ہے وہ کچھ دیر کے لیے بہت حد تک حواس باختہ تھے۔

اس مبارزت کا انجام، اس مقابلے کا انجام مشرکین کے لیے برا آغاز تھا، کیونکہ وہ جنگ کے پہلے مرحلے ہی میں اپنے تین بہترین جنگجوؤں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ لشکر مشرکین پر ان تین شہسواروں، جنگجوؤں کی موت ایک دردناک اور کاری ضرب تھی۔ ابوجہل کی نعرہ بازی نے انہیں حوصلہ دیا لیکن اب کی دفعہ بھی مبارزت طلب نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کو روند ڈالنے کے ارادے سے (انہیں معلوم تھا کہ مسلمان بہت حد تک نہتے ہیں اور انہیں وہ نظر بھی بہت کم نظر آ رہے تھے) بے ترتیب، غیر منظم طریقے سے آگے بڑھے۔

پہلے انہوں نے مسلمانوں کی صفوں پر اندھا دھند تیر اندازی کی اور خوب تیر برسانے کے بعد بڑے غیظ و غضب سے ان پر یک دم حملہ کر دیا اور غیر منظم طریقے سے مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

اس طرح میدان میں جنگ کی آگ پوری شدت سے پھیل گئی۔

مسلمانوں نے اپنی صفوں میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر مشرکین کے حملے کا سامنا کیا۔ انہیں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ حکم دیا تھا کہ اگر دشمن تمہارے قریب آئے اور تمہیں گھیرے تو پہلے تیر اندازی سے، اور قریب آنے پر نیزوں سے اور زیادہ قریب آ جانے پر تلواروں سے روکا جائے۔ اور جب تک اجازت نہ ملے حملہ نہ کرو۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اس پرحکمت حربی منصوبے کا مسلمانوں کے موقف طاقت وانداز

کو مضبوط کرنے اور دشمنوں کو ہر طرح سے کمزور کرنے پر بڑا اثر پڑا۔ اور وہ اس طرح کہ جب مشرکین کا حملہ اپنی انتہائی شدت پر تھا، اس وقت مسلمانوں کا موقف دفاعی تھا۔ اور مشرکین نے غیظ وغضب سے مسلمانوں کی صفوں پر جو غیر منظم اور جارحانہ پے در پے حملے کئے، ان میں انہوں نے ثابت قدم رہ کر مشرکین کو بہت سخت نقصانات پہنچائے۔

مسلمانوں کی اس مستقل ثابت قدمی سے وہ نفسیاتی طور پر بھی بہت متاثر ہوئے اور ان کی ہمت، عزمیت اور شجاعت جواب دے گئی۔

گھمسان کا رن

اب تو ایک آدھ گھنٹے سے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی لیکن ابھی تک حملہ آور ہونے والا کفار کا لشکر تھا۔ اور مسلمان اپنی اپنی صفوں میں اپنی اپنی جگہ پر رہ کر دشمن کو اپنے تیروں اور نیزوں سے روکے ہوئے تھے۔ اس یلغار کے سامنے مسلمانوں کی ثابت قدمی کو دیکھ کر لشکر مشرکین میں کچھ مایوسی آ گئی۔ ان کے حملوں کی تیزی اور شدت کمزور ہوتے ہوتے بہت حد تک ختم ہو گئی اور ان کی ہمت وشجاعت بھی نمایاں طور پر کمزور پڑ گئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم واذن سے حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ایک مٹھی خاک لے کر اور اس پر اللہ کا کلام پڑھ کر دشمن کی طرف پھینک دی۔ آپ ﷺ اپنی کمانڈ پوسٹ سے جو کہ ایک مقابلتاً اونچی جگہ پر تھی جنگ کے حال واحوال کو بغور دیکھ رہے تھے۔

جب حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے دیکھا کہ دشمن کے حملوں میں اب وہ شدت اور تیزی نہیں رہی ہے اور ان کی ہمت وشجاعت بھی کمزور پڑ گئی ہے ان کا جوش وجذبہ مسلمانوں کی ثابت قدمی کے سامنے ماند پڑ گیا ہے اور اب وہ کسی دم بھی پسپا ہوا چاہتے ہیں تو اسلامی فوج، لشکر اسلام کے دستوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن پر حملہ کریں۔

بس پھر کیا تھا، مسلمانوں کی صفیں آگے بڑھیں اور مشرکین کی بے ڈھنگم صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ہر طرف تلواریں لہرانے لگیں اور دشمنوں کے خون سے میدان بدر کو رنگین کرنے لگیں۔ اب صحیح معنوں میں میدان کار زار گرم ہو گیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔

آپ ﷺ معرکہ میں

جب جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھے اور میدان کارزار گرم ہو گیا اور گھمسان کا رن پڑا تو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم، ہادی انس وجاں رہبر کائنات ﷺ بہ نفسِ نفیس اپنے محافظ دستہ کے ساتھ اپنی کمانڈ پوسٹ (عریش) سے میدان جنگ میں تشریف لے آئے اور معرکہ میں شامل ہو گئے۔

آپ ﷺ کا رعب و دبدبہ تو دشمن پر آپ ﷺ کے پہنچنے سے بہت پہلے پہنچ جاتا ہے (یہ حدیث مبارک ہے، فرمان رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ ہے)۔ جب مشرکین نے حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو معرکہ میں مصروف عمل دیکھا اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیلاب کی مانند راستے کی ہر قوت و رکاوٹ کو تباہ کرتے ہوئے بڑھے چلے آرہے ہیں تو دشمن کے رہے سہے حوصلے بھی پست ہوگئے اور وہ آپ ﷺ کے سامنے سے دور ہونا شروع ہوگئے۔

آپ ﷺ اپنے دستے کے ہراول میں تھے اور بڑھے چلے جارہے تھے اور زبان مبارک سے سورہ قمر کی آیات 45`46 کے مطابق یہ فرماتے جارہے تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝

ترجمہ: ''عنقریب یہ (مشرکین کی) جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ (حقیقت) ہے۔'' (سورۃ قمر آیات 45،46)

سخت اور زبردست جنگ کے بعد مشرکین کی غیر منظم صفوں میں گھبراہٹ، سراسیمگی اور اضطراب کی علامات نمایاں ہوگئیں اور مسلمانوں کے منظم اور شدید حملوں کے سامنے ان کی صفیں ریت کی دیوار کی طرح گرنے لگیں۔ اس طرح جنگ کا انجام قریب آ گیا۔

مسلمان بڑھ بڑھ کر مشرکین پر حملہ کرنے لگے اور اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے لگے۔ دشمن اس سے پہلے حملوں میں اپنی قوت و ہمت صرف کر چکا تھا اب جو مسلمانوں کی صفیں بغیر مزاحمت آگے بڑھتی ہوئی نظر آئیں تو ان کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی۔ اس دوران ابوجہل سمیت ان کے کئی سورما میدان جنگ میں مارے گئے تھے یا خاک و خون میں لت پت پڑے تھے۔ اب انہوں نے میدان جنگ سے پیٹھ دے کر بھاگنا شروع کر دیا۔

مشرکین کی موثر کمانڈ نہ تھی اور جنگ کا مقصد بھی نہ تھا۔ انہوں نے جو ابتدا میں بڑی تعداد میں یک بارگی لشکر اسلام پر حملہ کیا وہ بھی غیر منظم تھا۔ وہ اس طرح کا ہی حملہ تھا کہ یلغار کردو اور ان نہتے، کم تعداد مسلمانوں کو پل بھر میں روندتے ہوئے گزر جاؤ۔ ان حملوں میں بھی انہیں شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا حالات و اسباب کے سبب وہ خود اعتمادی سے مکمل محروم ہوگئے اور اب پسپا ہونے کے بجائے انہوں نے میدان جنگ سے بھاگ جانے میں ہی جان کی امان سمجھی اور یوں باقی ماندہ لشکر مشرکین جو بھاگنے کے قابل تھا وہ اپنی سواریوں کے ساتھ یا پیدل ہی ادھر ادھر اور اپنے کیمپ کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوری مکہ کی طرف دوڑ لگا دی۔

ابلیس نے تو بشکل سراقہ بن مالک جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی دوڑ لگا دی تھی (اس کا پہلے بھی کچھ ذکر ہو چکا ہے اور اب بعد میں بھی ہوگا) کیونکہ اس نے حضرت جبرائیل امین اور دیگر فرشتوں کو میدان بدر میں مسلمانوں کی طرف دیکھ لیا تھا اور اسے اپنے خاتمہ کا دن سمجھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

روایات کے مطابق مشرکین کے لشکر سے سب سے پہلے جو دم دبا کر اپنے کیمپ کی طرف جان بچا کر بھاگا وہ بنی مخزوم کا ایک حلیف بنام خالد بن الاعلم تھا۔ یہ شاعر تھا اور اپنے اشعار میں یہ ثابت قدمی کا چرچہ کیا کرتا تھا لیکن جب اپنے پر وقت آن پڑا تو سب سے پہلے بھاگ نکلا لیکن اس کو پکڑ لیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ ثابت قدمی کے سلسلے میں اس کا ایک یہ شعر۔ ترجمہ

ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون نہیں بہاتے
بلکہ دشمن کا خون ہمارے قدموں پر ٹپکتا ہے

ضرب المثل بن گیا تھا۔

جب لشکر قریش کے دلوں میں گھبراہٹ آ گئی اور ان کا لشکر بدنظمی سے پسپا ہونے لگا اور انہوں نے لشکر اسلام کو جارحانہ انداز میں اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ان کے قدم اکھڑ گئے، اور پھر ان کی فوج بھاگنے لگی اور انہیں شکست عام ہو گئی تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔

مسلمانوں کی تلواریں تو ان پر پہلے ہی برس رہی تھیں اور ان کے کافی سورما ڈھیر کر دیئے تھے اب جو مشرکین نے پیٹھ دے کر بھاگنا شروع کر دیا تو مسلمانوں کی تلواریں تھیں اور کفار کی گردنیں۔ اب مسلمان انہیں قید و قتل کر رہے تھے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے سرکشی کے محل کو تباہ ہوتے، اور جاہلیت کی بڑائی کو شکست فاش سے دوچار ہوتے دیکھ کر فرمایا:

"چہرے بدشکل ہو گئے۔"

کچھ ہی دیر بعد میدان جنگ مشرکین سے خالی ہو گیا۔ جو بھاگنے کے قابل تھا اور جس سے بن پڑی وہ بھاگ گیا۔ بہت سارے میدان جنگ میں مارے گئے۔ اور بہت سارے پکڑ لیے گئے اور قیدی بنا لیے گئے اور یوں وقت ظہر کے بعد اور وقت عصر سے گھنٹوں پہلے کفار مکہ کو شکست فاش ہو گئی۔

313 سب نے کمال کیا

قارئین کرام! غزوۂ بدر کے بارے میں جو اس سے پہلے لکھا گیا ہے یا جو اس کے بعد لکھا جائے گا اسے پڑھ کر یہ نہ سمجھیں کہ غزوۂ بدر میں بس یہی کچھ ہوا تھا اور جتنی دیر میں آپ نے اسے پڑھ لیا ہے اس سے بھی یہ نہ سمجھیں کہ غزوۂ بدر اتنی تھوڑی ہی دیر جاری رہا ہے یا اتنی ہی دیر لڑا گیا ہے۔

اور اس میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر یا کارناموں کے ذکر سے یہ نہ سمجھیں کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی شدت سے جنگ نہیں لڑی۔ 313 سب نے یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کمال کی اطاعت وفرمانبرداری رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ، کمال کی حب دین اسلام اور کمال کی ہمت حوصلہ اور مہارت حرب دکھائی ہے۔

ہر کوئی اپنے محاذ پر ڈٹ کر لڑا ہے یا ہر کسی نے سونپی ہوئی ذمہ داری خوب سے خوب تر نبھائی ہے۔

میں جو کہہ رہا ہوں اس کو اور غزوۂ بدر کو اچھے طریقے سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قارئین کرام درج ذیل کو مدنظر رکھیں:

1- محاذ جنگ کم از کم تین سو (300) میٹر طویل تھا جس کے ایک طرف 313 مسلمان تھے اور ان کے مخالف مشرکین مکہ کا ایک ہزار (1000) کا لشکر جرار تھا۔

2- جنگ کے لیے فوجیں طلوع آفتاب کے ساتھ ہی میدان میں آ کر صف آرا ہو گئیں۔ پہلے مبارزت طلبی کے تحت جنگ ہوئی، پھر گروہ کی شکل میں تیراندازی نیزہ بازی اور آخر میں گھمسان کا رن پڑا۔ تلواروں، برچھیوں، بھالوں سے دست بہ دست جنگ ہوئی۔ اور اندازاً دن کے ڈیڑھ، دو بجے لشکر کفار کو مکمل شکست فاش ہوگئی۔

یعنی یہ جنگ اندازاً صبح 7 بجے سے دن کے ڈیڑھ دو بجے تک مختلف شکلوں میں لگاتار لڑی گئی (17 رمضان سن 2 ہجری بمطابق 13 مارچ 624 عیسوی ہے۔ اس سے گرمی اور طلوع آفتاب کے وقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔)

3- جب مسلمانوں کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم ہوا تو اس وقت گھمسان کا رن پڑا۔ دست بہ دست لڑائی ہوئی اور یہ لڑائی کوئی گھنٹہ بھر سے زائد دیر جاری رہی اور اسی دوران سب سے زیادہ قتال ہوا۔

میدان بدر میں مسلمانوں کے 13 جانباز شہید ہوئے اور اندازاً 60 کے قریب زخمی بھی ہوئے ہوں گے جب کہ اس جنگ میں مشرکین مکہ کے ستر (70) جنگجو مارے گئے۔ ستر (70) قیدی بنالیے گئے اور کم از کم دشمن کے تین سو پچاس (350) فوجیوں کو مختلف نوعیت کے زخم پہنچائے گئے۔

اتنی بڑی اور طویل جنگ کا حال فرداً فرداً بیان کرنا تو ناممکن ہے۔ یہ عمل بہت طویل ہوگا۔ اور غالباً اس وجہ سے ہماری ماخذ کتابوں میں بھی بہت کم واقعات کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ جب کہ قتال تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے۔

ہر کسی نے دشمنوں کو قتل کیا ہے، انہیں زخم لگائے ہیں، انہیں ناکارہ کیا ہے، انہیں میدان جنگ میں پسپا کیا ہے اور وہاں سے بھگایا ہے یا ان کو قیدی بنایا ہے۔ ان چھ، سات گھنٹے کے عرصہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عبادب الٰہی میں، حب دین اللہ میں، اتباع اطاعت ومحبت بھری فرمانبرداری رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ میں

نہ جانے کتنی کتنی داستانیں رقم کی ہیں اور ہمت، شجاعت، دلیری، مردانگی، حکمت عملی، قوت ایمان اور قوت بازو کے نہ جانے کتنی دلکش، ہوش رُبا، نا قابل یقین اور ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے کارنامے سرانجام دیئے ہوں گے۔

اس اعتبار سے کم از کم 313 داستانیں، کارنامے ہیں جو میدان بدر میں رونما ہوئے۔ ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور دیگر مجبوریوں کے تحت ہر ایک کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ طوالت سے بچنے کے لیے بعض دفعہ ایسی نمایاں باتیں، واقعات، کارنامے بھی چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو کئی اعتبار سے قابل ذکر ہوتے ہیں۔

مثلاً عام کتابوں میں یہ ذکر نہیں ملے گا کہ میدان بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار ذوالفقار سے درجن بھر دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ اپنے مدمقابلوں کو بھی واصل جہنم کیا اور دائیں، بائیں بڑھ کر اپنے ساتھیوں کی مدد کی اور ان کے مدمقابل کو بھی قتل کیا۔

اس قتال کے دوران جیسے ہی آپ کو وقت ملتا تھا آپ فوراً ہی بہ خیال حفاظت عریش رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹتے اور دیدار حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سکون پا کر پھر دشمنوں میں گھس جاتے اور زبردست قتال کرتے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی سات، آٹھ دشمنوں کے سر اتارے۔ آپ کی تلوار بازی کا یہ حال تھا کہ جس طرف رخ کر لیتے دشمن وہاں سے جان بچانے کی خاطر پیچھے ہٹ جاتے۔ ایک دو مقابلے میں آنے سے گھبراتے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ جوان کے سامنے آ گیا وہ مارا جائے گا۔

دشمنوں نے بھی آپ کی بہادری، مردانگی، شجاعت، حربی مہارت و تلوار بازی کا اعتراف کیا ہے۔ موت سے چند ساعت پہلے امیہ بن خلف کے بیٹے علی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: (آپ ان دونوں باپ بیٹے کو اپنا قیدی بنا کر اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھے۔)

کہ یہ شخص کون ہے جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر بطور علامت سجایا ہوا ہے۔ میں نے کہا یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ بے ساختہ بولا، یہی وہ شخص ہے جس نے ہم پر بجلیاں گرائی ہیں۔ یعنی برق بن کر لشکر کفار پر ٹوٹا ہے اور لشکر کفار میں اس نے بہت تباہی پھیلائی ہے۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اتنا زبردست قتال کیا ہے انہیں خود بھی کئی کئی زخم لگے ہوں گے لیکن انہیں اپنے زخمی ہونے کی پرواہ نہ تھی وہ اس حالت میں بھی دشمن سے آخری لمحات تک برسرپیکار رہے اور ان پر فتح یاب ہوئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بہت زخم آئے، اور ان زخموں میں چند ایک بہت گہرے اور لمبے بھی تھے۔ ان زخموں

کے باوجود وہ آخر تک تلوار چلاتے رہے، نیزہ بازی کرتے رہے اور انہوں نے بھی دو تین مشرکین کے سر اتارے اور نہ جانے انہوں نے کتنے مشرکین کو زخمی، گھائل کیا ہوگا۔

اس لیے اب ذیل میں چند کارناموں کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

سرفروشوں کے کچھ کارنامے

اب غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کو ایک اور انداز سے پڑھئے۔ مندرجہ بالا مجموعی ذکرِ جنگ تھا اب ذرا چیدہ چیدہ مشرکین کے قتل و قیدی ہونے کے واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قابل تحسین قابل تقلید ایمان افروز کارناموں کے بارے میں ذکر ہے۔ اسے خوب دھیان اور دلچسپی سے پڑھئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور ایمان کو مزید بڑھایئے۔

اس کے لیے ہمیں پھر سے جنگ کی ابتدا سے پہلے سے بیان کرنا پڑے گا تاکہ سارے واقعات ایک تسلسل کے ساتھ قابل فہم رہیں اور قارئین کرام پوری طرح سے مستفید ہوسکیں۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، رسول کائنات، ہادی انس و جان، حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تشریف فرما تھے۔ حضرت صدیق حاضر خدمت تھے۔ حضور بارگاہ الٰہی میں امداد کے لیے فریاد کر رہے تھے۔

اور خالق و مالک کائنات، رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن لی۔ جس کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ انفال کی آیات 9 اور 10 میں یوں فرمایا ہے:

ترجمہ "یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ بہت غالب ہے حکمت والا ہے۔" (سورۃ انفال آیات 10،9)

رب کائنات کی طرف سے اس خوشخبری کو پالینے کے بعد حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے آئے اور انہیں کفار کے ساتھ جہاد کرنے پر برانگیختہ (تیار کرتے ہوئے، ابھارتے ہوئے) کرتے ہوئے فرمایا:

"کھڑے ہو جاؤ اور بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔
اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ جو شخص آج مشرکین سے جنگ کرے اور وہ اس حالت میں قتل کیا جائے کہ وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اللہ کی رضا کا امیدوار ہو دشمن کی طرف منہ کئے ہوئے ہو۔ پیٹھ پھیرے ہوئے نہ ہو۔ ایسے شخص کو اللہ

تبارک وتعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔"

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد 2 صفحہ 420...... السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 627)

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ جب یہ کلمات طیبات ارشاد فرمارہے تھے تو حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ ان کے ہاتھوں میں کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ارشاد سن کر کہنے لگے:

"واہ واہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم نے فرمایا: بیشک۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میرے درمیان اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان اس کے سوا کوئی چیز حائل نہیں کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے یہ ارشاد مبارک سننے کے بعد کہا:

"اگر میں یہ کھجوریں کھانے کی دیر تک زندہ رہا تو یہ بہت لمبا عرصہ ہوگا۔"

پھر انہوں نے اپنے ہاتھ والی کھجوریں پھینک دیں۔ اپنی تلوار بے نیام کر لی اور کفار کے ساتھ جنگ شروع کی یہاں تک کہ وہ شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ دشمن کے ساتھ لڑائی کر رہے تھے اور یہ رجز بھی پڑھ رہے تھے۔

"اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے میرے نفس! اللہ کی طرف تیزی سے بڑھو بغیر کسی زادسفر کے وہاں صرف تقویٰ اور آخرت کے لیے نیک عمل اور جہاد فی سبیل اللہ میں صبر سب سے بہتر زادسفر ہے۔ اور ہر زادسفر ختم ہونے والی ہے۔ بجز تقویٰ نیکی اور راست روی کے۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 70)

میدان بدر میں مسلمانوں میں سے جس نے سب سے پہلے جام شہادت نوش کیا وہ حضرت مہجع رضی اللہ عنہ تھے، جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ انہیں کسی تیرانداز نے اپنے تیر کا ہدف بنایا جو جان لیوا ثابت ہوا۔

اس کے بعد بنو عدی بن نجار کے قبیلہ کے حضرت حارثہ بن سراقہ کو تاج شہادت زیب سر کرنے کی سعادت بخشی گئی۔ آپ تالاب پر پانی پی رہے تھے کہ کسی کافر نے تاک کر انہیں تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر ان کی گردن میں آ کر پیوست ہو گیا اس طرح وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت حارثہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ انہیں کسی نامعلوم شخص کا تیر لگا تھا۔ جس سے ان کی وفات ہوئی۔ ان کی ماں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی۔ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتایئے کہ میرا بیٹا حارثہ کہاں ہے؟ اگر وہ جنت میں ہو تو پھر میں صبر کروں گی اور اگر نہیں تو پھر میں جی بھر کر اس پر نوحہ کروں گی (ابھی تک میت پر نوحہ کرنا ممنوع نہیں ہوا تھا)۔ رحمت کائنات حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اسے فرمایا

''تیرا بھلا ہو۔ ایک جنت نہیں ہے آٹھ جنتیں ہیں اور تیرے بیٹے کو فردوس اعلیٰ میں جگہ عطا فرمائی گئی ہے۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نگاہ نبوت نے لمحہ بھر میں آٹھوں جنتوں کا، ان کی بیکراں وسعتوں کے باوجود مشاہدہ فرمالیا اور اس خاتون کا بیٹا جہاں تھا اس کو دیکھ کر اس کی ماں کو آگاہ فرمادیا۔

نگاہ خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ کی قوت بینائی کا اندازہ لگائیے۔ پل بھر میں آٹھوں جنتوں کا جائزہ لے کر بتادیا کہ اس بوڑھی خاتون کا شہید بیٹا کہاں تشریف فرما ہے۔

صحابہ کرام کی سرفروشی کا ایک اور روح پرور واقعہ سماعت فرمائیے۔

حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ ان کی والدہ ماجدہ کا نام عفراء رضی اللہ عنہا ہے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ فرمائیے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے سے کس بات پر خوش ہوتا ہے؟ فرمایا بندہ کا سر برہنہ حالت میں دشمن کے حلقہ میں اپنا ہاتھ گھسیڑ دینا۔ یعنی بغرض جہاد دشمنوں میں بغیر خود یا زرہ کے گھس جانا اور پھر قتال کرنا۔ یہ ارشاد سنتے ہی انہوں نے اپنی زرہ اتار کر پرے پھینک دی پھر اپنی تلوار بے نیام کی اور کفار کی صفوں میں گھس گئے۔ داد شجاعت دیتے رہے دشمنان اسلام کو اپنی شمشیر سے تہ تیغ کرتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کرلیا اور اپنی جان کا نذرانہ اپنے خالق کریم کے حضور میں پیش کردیا۔ صدق واخلاص کے یہ وہ پیکر تھے جنہوں نے اپنے جذبہ جاں نثاری سے دشمنانِ حق کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

خوب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بنفس نفیس اس جنگ میں شریک تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنی تلوار سے کفار پر حملے کر رہے تھے۔

''حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے عریش میں اسلام کی فتح ونصرت کے لیے عاجزانہ دعائیں کرتے ہوئے اس جہاد میں شریک تھے۔ پھر وہاں سے میدان جنگ میں تشریف لائے پہلے مسلمانوں کو جہاد کے لیے ترغیب دلائی پھر دونوں صاحبان اپنی اپنی تلواروں سے کفار سے نبرد آزما ہوگئے۔ اس طرح حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں سعادتیں جمع کرلیں۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 71)

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، نبی مکرم و معظم حضور انور ﷺ کی شجاعت و جرات اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے شوق کا ان الفاظ ذکر کرتے ہیں:

''بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو حضور ہماری پیشوائی فرمارہے تھے۔ اور ہم حضور ﷺ کے ساتھ اپنا بچاؤ کر رہے تھے اور سب سے سخت جنگ کرنے والے اس دن حضور ﷺ تھے۔ اور حضور ﷺ سے زیادہ

مشرکین کے نزدیک کوئی نہیں تھا۔" (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 422..... سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 71)

ابوجہل کی بدبختی

اس کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی تھا اور کفر کا سرغنہ اور حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی عداوت کا علمبردار تھا۔ اس نے بدر کے روز اپنے آپ کو مشرک کی فوج کا سالار عام بنایا ہوا تھا پس اللہ نے اس کو رسوا کر دیا۔

فریقین جب ایک دوسرے کے بالکل قریب آ گئے تو ابوجہل کی بدبختی نے زور پکڑا اور اس کے منہ سے بے ساختہ بے اختیار یہ جملے نکلے۔

"اے اللہ! جو ہم دونوں فریقوں سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے اور غیر معروف چیزیں لانے والا ہے اس کو ہلاک کر دے۔ یا اللہ! جو تیرا زیادہ محبوب ہے اور جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرما۔" (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 71)

اس کی یہ التجا قبول ہوئی ان دونوں میں سے جو اللہ کا محبوب تھا اور جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی تھا اس کو فتح و کامیابی نصیب ہوئی وہ مظفر و منصور اس میدان جنگ سے واپس آئے۔ اور جو قطع رحمی میں پیش پیش تھا اور جو مشرک تھا، مشرکانہ اور غیر معروف باتیں کرتا تھا وہ ہلاک و برباد ہوا اور اس کے ساتھی بری طرح شکست کھا کر دم دبا کر بھاگ گئے۔ سورہ انفال کی آیت 19 میں قادر مطلق، رب العالمین کا ارشاد ہے:

اس التجائے مشرکین کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ انفال کی آیت 19 میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: "اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ۔ اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لیے اور تم پھر شرارت کرو گے، ہم پھر سزا دیں گے۔ اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔" (سورۃ انفال آیت 19)

علامہ زمخشری نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفار جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

"اے اللہ! ہم دونوں فریقوں سے جو زیادہ مہمان نواز ہے جو زیادہ صلہ رحم ہے جو قیدیوں کو زیادہ آزاد کرنے والا ہے اس کی مدد فرما۔ اگر محمد (ﷺ) حق پر ہے تو اسے فتح دے اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں غلبہ بخش۔" (الکشاف)

بالفاظ دیگر سورۃ انفال کی آیت 19 کے ذریعے مشرکین کو یہ پیغام دیا جارہا ہے، کفار سے یہ کہا جارہا ہے کہ وہ دعا جو تم نے مانگی تھی وہ قبول ہوئی۔ جو حق پر تھا وہ غالب ہوا اور جو باطل سے چمٹے ہوئے تھے وہ مغلوب۔ اب باز آجاؤ تمہارے معیار کے مطابق حق واضح ہوگیا۔ اب تو کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہی۔ اس حق کو پہچان جاؤ اور اسے مان جاؤ۔ اگر پھر بھی تم نے حق کو قبول نہ کیا اور اس کی مخالفت سے باز نہ آئے تو یاد رکھو تمہیں آئندہ بھی ایسی اندوہناک شکستوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور اسلام دشمن حرکتوں میں کبھی کامیاب نہ ہوگے۔

گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ فریقین کے بہادر جوان اپنی تلواروں سے اپنے مخالفین کی گردنیں اڑا رہے تھے اس حالت میں فرشتے قطار در قطار آسمان سے نازل ہو کر مسلمانوں کی امداد کررہے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے بتایا:

مجاہدین اسلام غزوۂ بدر میں وقوع پذیر ہونے والے چشم دید حالات بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ہم کسی کافر پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے تو ہم دیکھتے کہ ہماری تلوار کے پہنچنے سے پہلے اس کا سر کٹ کر دور جاگرتا۔

ابلیس جو سراقہ بن مالک کی شکل میں اپنے چیلوں کی امداد کے لیے معروف پیکار تھا۔ اس کی نظر جب ملائکہ کے دستوں پر پڑی تو ایک دم پریشان ہوگیا اور چیخ اٹھا۔ اس کے اوسان خطا ہوگئے وہاں سے بھاگنے میں اس نے اپنی عافیت سمجھی۔ حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) نے جب اسے بھاگتے ہوئے دیکھا تو اسے پکڑ لیا اور کہا۔ اے سراقہ! ہمیں جنگ میں دھکیل کر اب کدھر بھاگتے ہو؟ اس نے سمجھا کہ یہ حقیقتاً، اصل میں سراقہ بن مالک ہے۔ ابلیس نے اسے گھونسہ رسید کیا اور اپنا دامن چھڑا کر فوچکر ہوگیا۔ وہ کہتا جارہا تھا۔

''میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب شدید ہے۔'' (سورۃ انفال آیت 48) (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 433)

مشرکین نے جب دیکھا کہ ان کا سرگرم معاون میدان جنگ سے بھاگ نکلا ہے تو ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔ ابوجہل کو اس بات کا علم ہوا تو بھاگا بھاگا آیا اور اپنے فوجیوں کو کہنے لگا کہ سراقہ کے بھاگ جانے سے تم پست ہمت مت ہو۔ اس نے تو پہلے ہی مسلمانوں سے سازباز کر رکھی تھی کہ وہ عین حالت جنگ میں بھاگ کھڑا ہوگا۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی بھاگنے لگیں گے۔ وہ چلا گیا ہے تو اچھا ہوا خس کم جہاں پاک۔ ابوجہل نے مزید کہا شیبہ۔ عتبہ۔ اور ولید کے قتل ہونے سے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اپنی جلد بازی کے باعث مارے گئے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کا کوئی کمال نہیں وہ اگر سنبھل کر مقابلہ کرتے تو اپنے حریفوں کو پچھاڑ کر رکھ دیتے۔ ذرا صبر کرو اور ڈٹے رہو۔ دیکھو ہم ان چند سرپھروں کا کس طرح خاتمہ کرتے ہیں۔ یہ تمہارے ایک ہلہ کی تاب بھی نہیں لاسکیں گے۔

اس نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ:

''لات وعزیٰ کی قسم! ہم یہاں سے نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ ہم محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو ان پہاڑوں میں منتشر نہ کردیں۔ تم ان میں سے کسی آدمی کو قتل نہ کرنا بلکہ ان کو گرفتار کر کے رسیوں سے باندھ دینا۔ تاکہ انہوں نے تم سے تعلق توڑ کر اور اپنے خداؤں لات اور عزیٰ سے منہ موڑ کر جو فحش غلطی کی ہے اس پر وہ ندامت کا اظہار کریں۔'' (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 433...... سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 67)

ابوجہل کی اس انگیخت پر اشتعال دلانے پر مشرکین کے جوش و خروش میں اضافہ ہوگیا۔ وہ بڑھ بڑھ کر مسلمانوں کی صفوں پر حملے کرنے لگے۔ حضورِ انور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے پھر دست دعا بارگاہ رب العالمین میں بلند کر کے عرض کی:

''اے میرے پروردگار! جان بازوں کا یہ گروہ اگر ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس زمین میں تیری عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔''

اس موقع پر، اس وقت فوراً جبرائیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی اے اللہ کے حبیب! ایک مٹھی بھر مٹی لے کر ان ظالموں کی طرف پھینکیے۔ حضورِ انور نبی کریم سرورِ دو جہاں تاجدارِ کائنات ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر مجھے دو۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے وہ کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں۔ اپنے دست مبارک سے کنکریاں پھینکیں اور زبان مبارک سے فرمایا:

''اے اللہ! ان کے چہروں کو بگاڑ دے ان کے دلوں کو مرعوب کر دے کہ ان کے قدم اکھڑ جائیں۔''

اس کے ساتھ ہی چشم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا عجیب منظر تھا۔ مشرکین شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے۔ مڑ کر کسی کی طرف دیکھتے ہی نہیں تھے۔ زرہوں کو بوجھ سمجھ کر انہیں اتار اتار کر پھینکتے چلے جا رہے تھے اور مسلمان شیروں کی طرح ان پر حملے کر رہے تھے۔ کسی کو تہ تیغ کر کے واصل جہنم کر رہے تھے کسی کو اسیر بنا کر رسیوں سے جکڑ رہے تھے۔ ملائکہ بھی مسلمانوں کے ساتھ دوش بدوش کفار کو بے دریغ قتل کرنے میں مصروف تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 74،75)

جب ان مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی تو حضور پُر نور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو فرمایا کہ مجھے علم ہے کہ بنی ہاشم کے جو افراد کفار کے ساتھ یہاں آئے ہیں' وہ خوشی سے نہیں آئے بلکہ انہیں مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے آرزومند نہ تھے۔ اس لیے تمہیں اگر ان میں سے کوئی ملے تو اس کو قتل نہ کرنا اور جو شخص ابوالبختری کو پائے وہ اسے بھی قتل نہ کرے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں وہ حضور کا دفاع کیا کرتا تھا نیز شعب ابی طالب کے حصار کو ختم کرانے میں اس نے اولین کردار ادا کیا تھا۔ نیز فرمایا جسے عباس ملیں انہیں بھی قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ خوشی سے نہیں آئے انہیں جبراً لایا گیا ہے۔

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ بات سن رہے تھے۔ غصہ اور جلدی میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ ہم تو اپنے باپوں بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس ملیں تو انہیں چھوڑ دیں بخدا! اگر عباس مجھے مل گئے تو میں ان کے منہ میں تلوار کی لگام ضرور ڈالوں گا۔

ان کی یہ بات جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے سنی تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے ابو حفص! کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے چہرے پر تلوار کا وار کیا جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ابو حذیفہ یقیناً منافق ہو گیا ہے مجھے اجازت فرمائیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں۔

بے دھیانی میں یہ جملہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکل تو گیا لیکن عمر بھر اس پر پچھتاتے رہے۔ آپ کہتے' وہ بات جو اس روز میری زبان سے نکل گئی تھی مجھے اس کے باعث اپنے انجام کے بارے میں خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ وہ جملہ جو اس روز میری زبان سے نکلا اس کا مجھے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے۔

میرے دل کو کبھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اگر میں شہید ہو جاؤں تو شاید میری شہادت اس گناہ کا کفارہ بن جائے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یہ تمنا بھی پوری فرما دی جنگ یمامہ میں دشمنانِ ختم نبوت کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ پہلا دن تھا جب میرے دلنواز آقا ﷺ نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 76)

ابو جہل کی ہلاکت

جب گھمسان کا رن پڑا تو ابو جہل اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ میدان جنگ میں تھا۔ وہ لشکر مشرکین کا سپہ سالار تھا۔ کفار کی فوج کے درجن بھر جنگجوؤں کے ایک دستے نے اس کی حفاظت کی خاطر اس کے گرد مستقل گھیرا ڈال رکھا تھا اور وہ میدان جنگ میں ابو جہل کے ساتھ ساتھ ہی آگے پیچھے ہو رہے تھے۔ اس حفاظتی دستہ میں اس کا اپنا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔

عکرمہ بھی اپنے باپ ابو جہل کی طرح رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام، تحریک اسلام کا شدید ترین مخالف تھا او. وہ معرکہ احد کے لیے مسلمانوں کے خلاف نمایاں کوششیں کرنے والوں، بھڑکانے والوں اور ترغیب دینے والوں میں سے تھا۔

اس جنگی حفاظتی دستے نے ابو جہل کے ارد گرد اپنی تلواروں اور نیزوں کی باڑ قائم کر رکھی تھی جن کے ذریعے وہ ہر اس آدمی کو روکتے جو اس کی طرف یا اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

اس کی فوج نے مسلمانوں کو زک نقصان پہنچانے کے لیے بار بار حملے کیے، کوششیں کیں لیکن مسلمان اپنی

جگہوں پر ڈٹے رہے۔ ابوجہل اس خام خیالی میں تھا کہ اس کی اتنی بڑی اور پوری طرح سے مسلح فوج مٹھی بھر (اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایک خاص وقت میں دونوں فریقوں کی تعداد کو ایک دوسرے کو بہت کم کر کے دکھایا تھا) نہتے مسلمانوں ایک ہی ہلے میں روندتی ہوئی گزر جائے گی اور انہیں پکڑ لے گی، نہس نہس کر دے گی۔ اسے خاطر خواہ مزاحمت کی توقع نہ تھی۔

اب جب اس کی فوج نے دیکھا کہ ان کے بار بار کے تابڑ توڑ حملوں سے مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوئے تو ان کے حوصلے پست ہوگئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ لیکن ابوجہل جو اپنی حفاظتی باڑ کے ساتھ اپنی فوج کے درمیان میں تھا وہ اپنے غرور، تکبر، رعونت وفرعونیت کے سبب اس صورت حال کا ادراک نہ کرسکا۔ وہ اب بھی یہی کہے جا رہا تھا کہ انہیں پکڑلو، انہیں بھگا دو، منتشر کر دو۔

اور اسی حالت میں وہ دو مسلمان شاہینوں کا شکار ہوگیا اور لشکر کفار کے ساتھ اپنے بدانجام کو پہنچا۔

حضرت ابن اسحاق ﷫ کے مطابق جنگ بدر میں مسلمانوں کا کوڈ ورڈ (شناختی الفاظ یا لفظ) احد احد تھا تاکہ اپنے اور بیگانے (دشمن) میں تمیز ہوسکے۔ کوڈ ورڈ ایک دوسرے کے قریب ہوکر آہستہ سے کہا جاتا ہے تاکہ دشمن اسے جان نہ لے اور اپنا نہ لے یا اختیار نہ کرلے۔

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر محدثین نے ابوجہل کی موت کا یہ عبرت ناک واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷜ کے حوالے سے یوں روایت کیا ہے:

روز بدر جب میں مجاہدین کی صف میں کھڑا ہوا تھا تو میں نے اپنے دائیں بائیں دو نوعمر انصاری جوان کھڑے دیکھے۔ میں نے خیال کیا کہ بجائے ان کے اگر میری دونوں جانب آزمودہ کار، بہادر اور جنگجو ہوتے تو بہت بہتر ہوتا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آہستہ سے ان میں سے ایک نوجوان مجھ سے پوچھنے لگا: اے چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: بھتیجے! میں اسے خوب پہچانتا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا کام ہے۔ اس نے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ میرے آقا ﷺ کے بارے میں بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

''بخدا! اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا بدن اس کے بدن سے جدا نہ ہوگا جب تک ہم دونوں میں سے وہ نہ مر جائے جسے مرنے کی جلدی ہے۔''

اس نے ابھی بمشکل اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ دوسرے نوجوان نے میری چٹکی لی۔ اور آہستہ سے مجھ سے وہی سوال پوچھا اور وہی بات کہی جو پہلے نوجوان نے کہی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر لگا رہا ہے۔ اور یہ رجز پڑھ کر انہیں جوش دلا رہا ہے۔

''یہ شدید جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔ میں نوجوان طاقت ور اونٹ ہوں جو اپنے عنفوان شباب میں ہے۔ میری ماں نے مجھے ایسی جنگوں کے لیے ہی جنا ہے۔''

میں نے انہیں کہا یہ ہے وہ شخص (ابوجہل) جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔

اپنے شکار کو پا کر چند لمحوں میں وہ عقابوں کی طرح جھپٹے اور اس پر حملہ آور ہوئے اور اپنی تلواروں کے واروں سے اسے گھائل کر دیا۔ وہ بے حس وحرکت زمین پر جا گرا۔ یہ کارنامہ بجلی کی سرعت سے انجام دینے کے بعد دونوں اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے ابوجہل کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے پوچھا تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ دونوں نے کہا میں نے اسے قتل کیا ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے دریافت کیا جن تلواروں سے تم نے اسے قتل کیا ہے انہیں کپڑے سے صاف تو نہیں کر دیا؟ عرض کی نہیں، وہ جوں کی توں ہیں۔ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کی تلواروں کو ملاحظہ کیا وہ دونوں خون سے رنگین تھیں، اور فرمایا:

''تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔''

اسلام کے یہ دو شاہین صفت مجاہد جنہوں نے قریش کے لشکر کے سپہ سالار، دشمن خدا و رسول، امت محمدیہ کے سرکش اور سنگدل فرعون کو موت کی گھاٹ اتارا، یہ کون تھے؟ کس ماں کے جائے (جنے) اور کس باپ کے فرزند تھے؟ اس کے بارے میں اسی موقع پر کچھ قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مدینہ طیبہ کے وہ خوش نصیب افراد جنہوں نے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر حضورِ انور رحمت کائنات ﷺ کے دست ہدایت بخش پر سب سے پہلے اسلام لانے کی بیعت کی ان کی کل تعداد چھ یا آٹھ تھی ان میں ایک خاتون بھی تھیں جن کا نام حضرت عفراء ؓ تھا۔ جو اپنی لازوال قربانیوں، عظیم خدمات اور درخشاں کارناموں کے طفیل اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوئیں۔ انہوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام حارث بن رفاعہ النجاری تھا۔ حضرت عفراء ؓ کے بطن سے ان کے تین فرزند تولد ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ عوف، معاذ اور معوذ یہ تینوں اپنے باپ کے بجائے اپنی عظیم القدر ماں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ انہیں فرزندان حارث کہنے کے بجائے فرزندان عفراء کہا جاتا ہے۔

حارث کے بعد اس کی شادی بکیر بن یالیل سے ہوئی۔ دوسرے خاوند کے ان کے شکم سے چار فرزند ہوئے جن کے نام ایاس، عاقل، خالد، عامر ہیں۔ حضرت عفراء ؓ کے ان ساتوں بیٹوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سب نے حق و باطل کے پہلے معرکہ میں اپنے خالق کریم کے نام کو کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے شرکت کی اور جانبازی کے ایسے کارنامے سرانجام دیئے جن پر ملت اسلامیہ کو بجا طور پر فخر ہے۔

ان میں سے حضرت عوف بن عفراء ؓ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ ان آٹھ یا چھ انصاریوں میں سے ایک تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی۔ ان کا یہ واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ بدر کے آغاز میں یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے

اور یوں عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ ﷺ! یہ فرمایئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے سے کس بات پر خوش ہوتا ہے۔ اور اس کی طرف دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: بندے کا برہنہ سر حالت میں دشمن کے حلقہ میں اپنا ہاتھ گھسیڑ دینا، ایسا عمل ہے جسے دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔

یہ ارشاد سنتے ہی انہوں نے اپنی زرہ اتار کر پرے پھینک دی تلوار کو بے نیام کیا اور شیر کی طرح گرجتے ہوئے کفار کی صفوں میں گھس گئے۔ داد شجاعت دیتے رہے دشمنان اسلام کو اپنی شمشیر سے تہ تیغ کرتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 3 صفحہ 410)

اسی خاتون کے دو فرزند حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما جو عوف رضی اللہ عنہ شہید کے سگے بھائی تھے انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے امت محمدیہ کے فرعون ابوجہل بن ہشام کو جہنم رسید کیا تھا۔

اگرچہ ایک روایت میں معاذ بن عفراء کے بجائے معاذ بن عمرو بن جموح کا نام آیا ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں رقم کیا ہے۔

''یعنی ان سب روایات میں صحیح روایت وہ ہے جو صحیحین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ابوجہل کے قتل کے سلسلہ میں مروی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس پر پیہم وار کئے یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا اور ان دونوں کے نام معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما ہیں۔''

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 425)

یہ سارا خاندان مرد و زن، پیر و جواں، خورد و کلاں عشق حبیب کبریاء حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی شراب طہور سے سرشار تھے۔ ہر فرد کی زندگی اپنے اندر ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ مادر مہربان حضرت عفراء رضی اللہ عنہا اور اس کے فرزندوں کے جذبہ ایمانی کے بارے میں آپ نے پڑھا۔ اب حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کی پوتی اور ان کے بیٹے معوذ کی بیٹی حضرت ''ربیع'' رضی اللہ عنہا کے عشق نبوت کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دفعہ ان کے چچا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں کھجوروں سے بھرا ہوا ایک طشت دیا اور کہا اسے لے جاؤ اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں جا کر پیش کر دو۔ وہ اٹھیں سر پر کھجوروں سے بھرا ہوا طشت اٹھایا اور خدمت اقدس میں پیش کیا۔ بندہ نواز آقا ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرمایا۔ جب حضرت ربیع رضی اللہ عنہا واپس جانے لگیں تو اس کریم وقاسم تاجدارِ کائنات ﷺ نے سونے کا ایک زیور جو بحرین کے والی نے بطور تحفہ بھیجا تھا اپنے جانباز عاشق حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کی لخت جگر کو عطا فرمایا اور اسے کہا ''اس زیور کو پہنا کرو۔''

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 416)

امام بخاری اور امام ترمذی نے خالد بن ذکوان کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ یہی حضرت ربیع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز میری شادی ہوئی صبح سویرے میرے آقا ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ اور کچھ وقت میرے ہاں تشریف فرما رہے۔ اس وقت خاندان کی بچیاں دف بجا بجا کر چند شعر گاتی رہیں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے ابو عبیدہ کہتے ہیں میں نے ربیع سے کہا:

ذرا مجھے سرکار دو عالم ﷺ کا حلیہ تو بیان کرو۔

اس سچی عاشقہ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کا سراپا مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کر دیا۔ فرمایا:

''اے میرے بیٹے! اگر تم حضور ﷺ کا دیدار کرتے تو تم دیکھتے کہ گویا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔''

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 417)

اس نیک بخت خاتون کو بیعت رضوان میں شرکت کا شرف نصیب ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ جب جہاد پر تشریف لے جاتے تو غازیان اسلام کی خدمت کے لیے ہر غزوہ میں وہ حضور پُرنور ﷺ کے ساتھ جاتیں میدان جہاد میں زخمی ہونے والے مجاہدین کی مرہم پٹی کرتیں۔ اور تیمارداری کے فرائض انجام دیتیں اور شہداء کی میتوں کو مدینہ طیبہ پہنچانے کا انتظام کرتیں۔

ان کے بارے میں ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں ایک عجیب واقعہ تحریر کیا ہے وہ بھی سماعت فرمائیے۔

ابوجہل کی ماں اسماء بنت مخربہ کے حالات بیان کرتے ہوئے علامہ ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں حضرت ربیع دختر معوذ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عہد فاروقی میں میں چند خواتین کی معیت میں ابوجہل کی ماں اسماء بنت مخربہ کے ہاں گئی۔ اس کا بیٹا عبداللہ بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا مادری بھائی تھا وہ یمن میں رہتا تھا۔ اور وہاں سے اپنی ماں کی طرف اعلیٰ قسم کا عطر بھیجا کرتا تھا۔ اور وہ اس عطر کو فروخت کرتی تھی۔ ہم بھی اس سے وہ عطر خریدا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ میں شیشیاں لے کر عطر خریدنے اس کے پاس گئی تو اس نے میری شیشیوں میں عطر ڈالا اور ان کا وزن کیا۔ جس طرح میری سہیلیوں کی شیشیوں کا وزن کیا۔ پھر اس نے کہا میرا حق جو تمہارے ذمہ ہے وہ مجھے لکھ دو۔ میں نے لکھا۔ کہ ربیع بنت معوذ کے ذمہ اتنا بقایا ہے۔ اسماء میرا اور میرے شہید باپ کا نام سن کر بدکی اور بولی کہ تو اس قاتل کی بیٹی ہے جس نے اپنے مالک کو قتل کیا تھا۔

میں نے کہا نہیں میں اس کی بیٹی ہوں جس نے اپنے غلام کو قتل کیا تھا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ کہنے لگی بخدا! میں تمہیں کبھی کوئی چیز فروخت نہیں کروں گی۔ میں نے جھٹ جواب دیا بخدا! میں تم سے ہرگز کوئی چیز نہیں خریدوں گی۔ خدا کی قسم! جو عطر تم بیچتی ہو اس میں نہ کوئی خوشبو ہے نہ مہک۔ مجھے ایسے عطر کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے کہا اے بیٹے! یہ بات میں نے غصہ سے کہی تھی ورنہ اس کا عطر بہترین عطر تھا۔

ابوجہل کی والدہ اسماء مسلمان ہوئی یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں تحریر کیا ہے کہ:

''کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہوئی اور انہوں نے حضرت فاروق اعظم کا عہد خلافت پایا اور یہ قول زیادہ قوی ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوجہل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں اس دشمن خدا اور رسول کو جہنم رسید کر کے رہوں گا۔ جب مجھے موقعہ ملا تو میں اپنی تلوار لہراتا ہوا اس پر ٹوٹ پڑا۔ میرے پہلے ہی وار سے اس کی ٹانگ پنڈلی سے کٹ کر دور جا پڑی۔ اس کے بیٹے عکرمہ نے جو بعد میں مسلمان ہوئے میری گردن پر تلوار سے وار کیا جس سے میرا بازو کٹ گیا۔ صرف جلد کے ایک تسمہ سے وہ میرے کندھے سے پیوست رہا' اور لٹکنے لگا۔ باقی سارا دن میں اسے لٹکتے ہوئے بازو سے مصروف پیکار رہا۔ میرا کٹا ہوا ہاتھ میری پست کے پیچھے لٹک رہا تھا۔ اس کے پیہم لٹکنے سے مجھے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچ لیا۔ وہ جلد کا تسمہ ٹوٹ گیا اور اس سے آزاد ہو کر میں پھر کفار سے لڑنے میں مشغول ہو گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معاذ کا زخم ٹھیک ہو گیا اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔

قاضی زادہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنا کٹا ہوا بازو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور پُرنور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس پر لگایا۔ اپنی جگہ پر لگا دیا تو کٹا ہوا بازو کندھے کے ساتھ پھر جڑ گیا۔ قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ ابوجہل کے وار سے دوسرے نوجوان معوذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹ گیا۔ وہ اسے لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے کلائی کے ساتھ جوڑا تو وہ جڑ گیا۔ معوذ دوبارہ نئے عزم کے ساتھ کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں مشغول ہو گئے اور داد شجاعت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ خلعت شہادت سے سرفراز کیے گئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 77،78)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں باپ کا قتل

یوم بدر، غزوۂ بدر کے دوران حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا جو مشرک تھا۔ ان کے باپ نے پہلے خود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور اس نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی غرض سے بار بار

حملہ کیا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بار بار داؤ دے کر وہاں سے ہٹ جانے کی کوشش کی مگر مشرک باپ نے پیچھا نہ چھوڑا۔آخر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ باپ کی تیور دیکھ کر پلٹ پڑے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔

اسی سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی آیت 22 نازل فرمائی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (سورۃ مجادلہ آیت 22)

ترجمہ:''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی،اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔''

ابوذات الکرش

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن میرا مقابلہ عبیدہ بن سعید بن العاص سے ہوا وہ سرتاپا فولاد میں غرق تھا۔اس کی دو آنکھوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔اس نے اپنی کنیت ابوذات الکرش رکھی ہوئی تھی۔

اس نے مجھے دیکھا تو للکار کر کہا کہ''میں ابوذات الکرش ہوں۔''اگر ہمت ہے تو آؤ میرے مقابلہ میں۔میں نے اپنا نیزہ تاک کر اس کی آنکھوں میں گھونپ دیا۔اس ایک ضرب سے ہی اس کا کام تمام ہوگیا لیکن نیزہ اس کے سر میں ایسا کھبا کہ بڑی کوشش کے باوجود وہ نہ نکلا۔آخر میں نے اپنا پاؤں اس کے چہرے پر رکھا۔اور اسے نکالنے کے لیے پورا زور لگایا۔وہ نیزہ تو اس کی آنکھوں سے نکل آیا لیکن اس کا پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نیزہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مانگ لیا۔انہوں نے پیش خدمت کر دیا۔حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ واپس لے لیا۔ان سے دوبارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا مطالبہ کیا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ نے پھر لے لیا۔پھر ان سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مانگ لیا آپ کی زندگی بھر آپ کے پاس رہا۔جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو پھر اس نیزہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے والد سے لے لیا۔ان کی شہادت تک وہ نیزہ ان کے پاس رہا۔پھر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے طلب کر لیا۔جب آپ نے شہادت پائی تو پھر وہ نیزہ آپ کے خاندان میں ہی رہ گیا۔(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 80)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ

عاصم بن عمر بن قتادہ اپنے باپ عمر سے اور وہ اپنے باپ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں ان کی آنکھ کو تیر لگا۔ جس سے آنکھ باہر نکل آئی اور سارا ڈھیلا ان کے رخسار پر بہنے لگا۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ کر الگ کر دیں۔ انہوں نے اس کے بارے میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، فرمایا: ہرگز نہیں۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اپنے دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو واپس آنکھ میں ڈال دیا۔ اور اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ وہ آنکھ بالکل صحت یاب ہو کر اپنی جگہ پر اس خوبصورتی کے ساتھ بیٹھ گئی کہ اس کے بعد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو "یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ان میں سے کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔"

ایک روز یہی عاصم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پوتے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہیں عاصم نے یہ واقعہ سنایا۔ اور پھر اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

"میں اس مجاہد کا بیٹا ہوں۔ جس کی آنکھ جب اس کے رخسار پر بہنے لگی تھی اور مصطفیٰ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی نے اسے لوٹایا تھا۔ اور یہ لوٹانا کتنا ہی بہترین تھا۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار

حضرت عکاشہ الاسدی رضی اللہ عنہ کفار سے جہاد کرنے میں مصروف تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ دوڑے دوڑے حضورِ انور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اب میں کس سے لڑوں؟ سرکار کے پاس ایک لکڑی پڑی تھی وہی اٹھا کر دے دی اور فرمایا "اے عکاشہ اس سے دشمن کے ساتھ جنگ کرو۔"

جب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر لہرایا تو وہ ٹہنی تلوار بن گئی جو کافی لمبی تھی اور جس کا لوہا بڑا سخت تھا۔ اس کی رنگت سفید تھی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ کفار سے لڑتے رہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حق کو فتح مبین عطا فرما دی۔ یہ تلوار "العون" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے بعد تمام غزوات میں وہ اسی تلوار سے جنگ کرتے رہے۔ جب کہ فتنہ انکار ختم نبوت کے استیصال کے لیے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ اس میں بھی یہ پیش پیش رہتے۔ یہاں تک کہ ایک جھوٹے مدعی نبوت طلیحہ اسدی نے انہیں شہید کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 446)

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ عکاشہ وہی ہیں کہ جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے مژدہ سنایا کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا تو انہوں نے عرض

کی تھی۔ یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ان خوش نصیبوں میں کردے۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! اسے تو ان میں کردے۔'' (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 446)

جنگ بدر کے ایک دوسرے مجاہد سلمہ بن اسلم بن الحریش کی تلوار بھی اثنائے جنگ ٹوٹ گئی۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے انہیں بھی کھجور کی ایک خشک ٹہنی دے دی اور فرمایا اس سے دشمن پر وار کرو۔ انہوں نے جب اس شاخ کو ہاتھ میں لیا تو وہ بہت مضبوط اور تیز دھار تلوار بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ اس سے دشمن پر حملے کرتے رہے اور انہیں موت کی گھاٹ اتارتے رہے۔ یہ تلوار ان کی شہادت کے دن تک ان کے پاس رہی۔

''آپ نے واقعہ جسر میں شہادت پائی۔ یہ جنگ عہد فاروقی میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی گئی تھی۔'' (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 447)

ابوالبختری بن ہشام کا قتل

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ابوالبختری کا برتاؤ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بڑا شریفانہ تھا۔ اس نے کبھی حضور ﷺ کو اذیت نہیں پہنچائی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے سرکارِ دوعالم ﷺ کو تکلیف پہنچی ہو۔ حضورِانور ﷺ کے قبیلہ بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور اور مقید کرنے کے لیے رؤساء مکہ نے جو عہد نامہ لکھ کر کعبہ کے اندر محفوظ کردیا تھا اس کو کالعدم کرانے میں اولین اور اہم کردار اسی ابوالبختری نے انجام دیا تھا۔

اس لیے حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ وہ ابوالبختری کو قتل نہ کریں۔ میدان جنگ میں اس کا سامنا حضرت مجذر بن زیاد البلوی رضی اللہ عنہ سے ہوگیا، جو انصار کا حلیف تھا۔ انہوں نے ابوالبختری کو بتایا کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ہمیں تجھے قتل کرنے سے روک دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست جنادہ بن ملیحہ اللیثی بھی تھا جو مکہ سے اس کے ہمراہ آیا تھا۔ ابوالبختری نے حضرت مجذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرے اس دوست کا کیا بنے گا۔

حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا! ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صرف تیرے بارے میں یہ حکم دیا ہے۔ ابوالبختری کہنے لگا:

''بخدا! ایسا نہیں ہوگا۔ اگر مرنا ہے تو ہم دونوں اکٹھے مریں گے تاکہ مکہ کی عورتیں میرے بارے میں یہ نہ کہہ سکیں کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے دوست کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔''

اس کے ساتھ ہی ابوالبختری نے اپنی تلوار بے نیام کی اور یہ رجز پڑھتے ہوئے حضرت مجذر رضی اللہ عنہ پر حملہ کردیا۔

''کہ کسی آزاد ماں کا بیٹا اپنے دوست کو نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اسے اپنا راستہ نظر آ جائے۔''

دونوں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے ابوالبختری اور اس کے دوست جنادہ کو قتل کر دیا۔

دشمن خدا' نوفل کا قتل

نوفل بن خویلد بھی باقی کفار کے سرغنوں کی طرح حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو ستانے میں اور اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ روز بدر جب دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو نوفل بن خویلد نے نہایت بلند آواز سے کہا تھا۔

''اے گروہ قریش! آج کا دن عزت اور سر بلندی کا دن ہے۔''

اس کی یہ بات سن کر حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! نوفل بن خویلد کا انجام مجھے دکھا۔

جب دشمن میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا تو حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ کیا کسی کو نوفل بن خویلد کا بھی پتہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''اس کو میں نے قتل کیا ہے۔'' یہ سن کر حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا! ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس دشمن اسلام کے متعلق میری دعا قبول فرمائی۔''

اس بارے میں بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ نوفل بن خویلد کو پہلے حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا تھا مگر پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ (غزوات النبی، برہان الدین حلبی، ترجمہ وتشریح صفحہ 120)

امیہ بن خلف کا قتل

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف کی آپس میں دیرینہ دوستی تھی۔ امیہ اگر یثرب آتا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنتا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اگر مکہ مکرمہ جاتے تو اس کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ اثنائے طواف حضرت سعد اور ابو جہل کے درمیان جو جھڑپ ہوئی وہ بھی آپ کو یاد ہوگی۔ مختصراً وہ یوں ہے کہ جھڑپ کے دوران امیہ پاس کھڑا سن رہا تھا۔ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو بلند آواز سے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو امیہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا۔ اے سعد! ابوالحکم (ابو جہل) کو بلند آواز سے جواب نہ دو وہ اس ساری وادی کے باشندوں کا سردار ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جوش سے جواب دیا۔ امیہ ایسی باتیں رہنے دو۔ خدا کی قسم! میں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ

تمہیں قتل کردیں گے۔

امیہ نے اس روز سے اپنے دل میں طے کرلیا تھا کہ وہ مکہ سے باہر قدم نہیں رکھے گا۔ بدر کی جنگ کے لیے ابوجہل نے جب تیاری شروع کی تو اس نے مکہ کے تمام رؤساء کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ امیہ نے اس کی دعوت کو مسترد کردیا اور اس کے ہمراہ باہر جانے سے انکار کردیا۔

پھر ابوجہل اس کے پاس آیا اور اسے کہا اے صفوان کے ابا! تم اس ساری وادی کے سردار ہو اگر تم نے شرکت کرنے سے انکار کیا تو دوسرے لوگ بھی اس مہم میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس کے بار بار کے انکار کے باوجود ابوجہل کا اصرار بڑھتا گیا اور آخر کار اس نے امیہ کو مجبور کرلیا کہ وہ ساتھ چلے۔ اس نے کہا اگر تم مجھے جانے پر مجبور کرتے ہو تو پھر میں مکہ کے سارے اونٹوں سے سب سے اعلیٰ اور سب سے گراں قدر اونٹ اپنی سواری کے لیے خریدوں گا۔ (کہنے کا مقصد یہ تھا کہ باوقت ضرورت میں بھاگ آؤں گا اور بھاگ آنے کے لیے اسے بہت تندرست اور اعلیٰ قسم کے اونٹ کی ضرورت تھی۔)

وہاں سے اٹھ کر امیہ گھر آیا اور اپنی بیوی کو کہا اے صفوان کی ماں! میرا سامان جنگ تیار کرو۔ اس نے کہا کیا تم نے اپنے یثربی بھائی (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کی بات کو فراموش کردیا ہے اس نے کہا نہیں۔ بس لوگوں کو دکھانے کے لیے تھوڑی دور تک لشکر کے ساتھ جاؤں گا پھر لوٹ آؤں گا۔

امام بخاری اور امام ابن اسحاق، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور امیہ دونوں دوست تھے میرا پہلا نام عبدعمرو تھا۔ جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں نے اپنا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ لیا۔ جب امیہ مجھے ملتا تو مجھے ازراہ طعن کہتا کہ اے عبدعمرو! تم نے اپنا وہ نام ترک کردیا ہے جو تیرے باپ نے رکھا تھا۔ میں نے کہا بیشک۔ اس نے کہا میں الرحمٰن کو نہیں جانتا اس لیے میں تمہیں عبدالرحمٰن کہہ کر نہیں بلاؤں گا اور اپنے پہلے نام کو تم نے ترک کردیا ہے اس لیے ہم آپس میں تمہارے لیے ایک نام طے کرلیں کہ جب میں تمہیں بلاؤں تو اس نام سے بلایا کروں۔ چنانچہ ہم نے باہمی مشورہ سے عبدالالہ نام تجویز کرلیا۔ اس کے بعد جب کبھی میرے پاس سے وہ گزرتا تو مجھے عبدالالہ کہہ کر بلاتا اور میں اس کا جواب دیتا۔

جب جنگ بدر میں ہم اکٹھے ہوئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اسے اس جنگ میں شرکت کرنے سے منع کردوں، لیکن میں ایسا نہ کرسکا۔

پھر جنگ کے آخری وقت میں نے دیکھا کہ امیہ اپنے بیٹے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے آرہا ہے میرے پاس چند زرہیں تھیں جو میں نے اپنے مقتولوں سے اتاری تھیں۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے میرے پہلے نام سے بلایا یا عبدعمرو! میں نے اسے جواب نہ دیا۔ پھر اس نے مجھے عبدالالہ کہہ کر پکارا میں نے "ہاں" سے جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے کہا کیا تجھے میری سلامتی کی ضرورت ہے؟ تو پھر ان زرہوں کو پرے

پھینکو اور مجھے بچانے کی فکر کرو۔ میری جان ان زرہوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

چنانچہ میں نے وہ زرہیں پھینک دیں۔ پھر اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا میں ان کو لے کر چلا۔ راستہ میں اس کے بیٹے علی نے مجھ سے پوچھا اے عبدالالہ! یہ شخص کون ہے جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر بطور علامت سجایا ہوا ہے؟ میں نے کہا یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ بولا: ''یہی وہ شخص ہے جس نے ہم پر بجلیاں گرائی ہیں۔'' (یعنی بہت سے مشرکین کو قتل کیا ہے اور لشکر کفار میں تباہی مچادی ہے۔)

میں انہیں لے کر جارہا تھا کہ اچانک حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسے میرے ساتھ دیکھ لیا۔ یہ وہی امیہ تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کے مسلمان ہونے کے جرم میں اذیت ناک سزائیں دیتا تھا آپ نے جب اسے دیکھا تو بلند آواز سے پکارے۔

''یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف۔ اگر آج وہ بچ کر نکل گیا تو پھر میرا بچنا محال ہے۔''

آپ نے یامنشر الانصار (اے گروہ انصار) کہہ کر اپنی مدد کے لیے انصار کو بلایا۔ چند انصاری نوجوان لپک کر ان کے پاس آ گئے اور ہمارے تعاقب میں نکلے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ ابھی ہمیں آ لیں گے تو میں نے امیہ کے لڑکے کو ان کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اس کے ساتھ الجھ کر مشغول ہو جائیں اور اتنے میں امیہ کو میں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں گا۔

امیہ بن خلف فربہ اندام تھا اس سے تیزی سے چلا نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے اسے کہا بیٹھ جاؤ۔ اور میں اس پر سپر بن کر لیٹ گیا۔ تا کہ اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تلوار کے وار سے بچا سکوں۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا وہ اس پر جھپٹ رہے تھے اور میں اس کا بچاؤ کر رہا تھا۔

اسی اثناء میں کسی نے تلوار کے وار سے اس کے بیٹے کی ٹانگ کاٹ دی اور وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ امیہ بن خلف نے یہ منظر دیکھ کر ایسی چیخ ماری کہ لوگوں کے دل دہل گئے۔ میں نے ایسی دل دوز چیخ پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے امیہ بن خلف کو کہا اس کو اب چھوڑو، اب اپنی جان بچاؤ، میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں کے پیہم واروں سے اس کے پرزے اڑا دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بعد میں بھی کہا کرتے تھے۔

''اللہ بلال پر رحم کرے، میری زرہیں بھی چلی گئیں اور میرے دو قیدیوں کو قتل کر کے مجھے ان کے زرفدیہ سے بھی محروم کر دیا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ حبشی بلال رضی اللہ عنہ جو دولت ایمان سے مشرف ہونے سے پہلے بنی جمح

کی ایک مشرک عورت کا زرخرید غلام تھا۔ اور دن رات اس کی خدمت گزاری میں جتا رہتا تھا۔ اس نے جب ہادی برحق ﷺ کی دعوت توحید قبول کر لی تو کفر و شرک کے سرغنے ابوجہل اور امیہ انہیں طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے تھے۔ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر چند اوباشوں کو پکڑا دیتے وہ انہیں مکہ کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ جب ان کا سر کسی پتھر سے ٹکراتا تو یہ قہقہے لگا کر ہنستے۔ اور آپ کا عشق الٰہی اور عشق رسول میں یہ حال تھا کہ غشی کی حالت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے اَحد اَحد کی صدائیں بلند ہوتیں۔

آج وہ کمزور اور بے نوا بلال رضی اللہ عنہ قوت ایمان اور اپنے اسلامی بھائیوں کے تعاون سے اتنا طاقت ور ہو کر میدان بدر میں ابھرا کہ اس کی تلوار آج مکہ کے ایک رئیس اعظم اور اس کے نوجوان بیٹے پر اٹھ رہی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے اور اس کو چھڑائے۔ اس روح فرسا بلکہ روح پرور منظر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد کی عملی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب وہ چاہے تو برے سے برے حالات میں اور بہت ہی کم تعداد میں بھی اپنے انبیاء کے پیروکاروں کو دشمنوں پہ فتح یاب فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت جالوت علیہما السلام کے واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ جب چاہتا ہے تو اپنے انبیاء کرام اور ان کے مخلص پیروکاروں کی خوب زبردست کھلی کھلی مدد فرماتا ہے۔ وہ تو قادر مطلق ہے وہ تو سب کا خالق و مالک ہے اس کی شان کے کیا کہنے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈلوایا، وہاں سے نکالا، مصر کے بازاروں میں بکایا قید و بند میں رہایا پھر اسے مصر کا بادشاہ بنا دیا۔

سورۃ قصص آیات 5 اور 6 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی ہی شان اور احسان کا ذکر فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام ہی حق ہے اور اس دنیا میں بھی بالآخر حق کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے۔'' (سورۃ قصص آیات 5،6)

مشرکین کو قیدی بنانا

جب کفار قریش کے نامور افراد مارے گئے تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اب انہوں نے میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جانیں بچانا چاہیں۔ مجاہدین اسلام نے جب یہ بھگدڑ دیکھی تو انہوں نے انہیں اپنا قیدی بنانا

شروع کیا۔اور رسیوں سے ایک ایک دو دو کو باندھنے لگے۔ اسلام کے فاتح سپہ سالار حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے عریش سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ چند انصاری جان بازوں کے ساتھ اپنے آقا ﷺ کی حفاظت کے لیے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ وہ بھی کفار کی افراتفری اور مسلمانوں کا ان کو قیدی بنانے کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ لیکن ان کے چہرہ پر ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا اے سعد! مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ کفار کو قیدی بنایا جائے انہوں نے عرض کی:

''بیشک یا رسول اللہ! مجھے یہ بات پسند نہیں۔ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی۔ اس میں ان کے زیادہ سے زیادہ افراد کو موت کی گھاٹ اتارنا میرے نزدیک ان کو زندہ رکھنے سے بہت بہتر تھا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 82)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کفار میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے تو میں نے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو دیکھا کہ دست مبارک میں تلوار ہے اسے لہرا رہے ہیں اور کفار کا تعاقب فرما رہے ہیں۔ اور زبان حق ترجمان سے سورہ قمر کی آیات 45، 46 تلاوت کر رہے ہیں:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○

ترجمہ: ''عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ ان کے وعدہ کا وقت روز قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔'' (سورۃ قمر آیات 45، 46)

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے اس آیت کا مفہوم اس روز معلوم ہوا۔

معرکہ بدر سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ وقوع پذیر ہوا۔ صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور زوال آفتاب تک جاری رہی۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو کفار کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ جب فخر کائنات ﷺ اس جنگ سے فارغ ہوئے تو کسی نے مشورہ دیا کہ:

''یا نبی اللہ! اب اس تجارتی قافلہ پر حلہ بول دیجئے اب ہمارے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔''

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) جو اس وقت جنگی قیدی تھے اور ایک رسی سے بندھے ہوئے تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو یارائے سکوت نہ رہا۔ عرض کی حضور! آپ کے لیے یہ مناسب نہیں۔ پوچھا گیا کیوں آپ نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک پر آپ کو غلبہ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عباس تم سچ کہتے ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 83)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پُرنور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان جنگی قیدیوں کے

بارے میں سفارش کرتا تو میں ان سب کو فدیہ لیے بغیر رہا کردیتا۔'' مطعم بن عدی نے حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو طائف سے مکہ واپسی پر اس وقت اپنی پناہ میں لے لیا جب دوسرے دو بااثر سردار اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو نے آپ ﷺ کو پناہ دینے سے معذرت کرلی۔ اور مطعم بن عدی نے اپنے پناہ دینے والے قول کو عملی طور پر خوب سے خوب تر نبھایا یہاں تک کہ ابوجہل نے بھی اسے کہا، جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 573......السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 419 تا 422......
زادالمعاد جلد 2 صفحہ 46،47......سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 83......
رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 71،72......دیگر معروف ومعتبر کتب سیرت)

مختلف ائمہ حدیث امام مسلم نسائی امام احمد نے متعدد صحابہ کرام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جنگ سے ایک روز قبل حضور پُرنور سرکار دو عالم ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ جب گزرتے تو فرماتے:

''اگر اللہ نے چاہا تو کل اس جگہ فلاں کی لاش گری پڑی ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا تو کل اس جگہ فلاں کی لاش گری پڑی ہوگی۔''

قریش کے رئیسوں کا نام لے لے کر بتایا کہ اس جگہ کل فلاں کی لاش گری ہوگی۔

جنگ کے بعد مسلمانوں نے جب ان مرداروں کا جائزہ لیا تو ہر ایک کو وہاں ہی گرا ہوا پایا۔ جہاں اس کے بارے میں پیغمبر اوّل وآخر واعظم عالم خفا وغیوب مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم! جس نے ہمارے نبی کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا وہ ان حدود سے ذرا آگے پیچھے نہ تھے جہاں حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کے بارے میں نشاندہی فرمائی تھی۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 84)

لاشِ ابوجہل کی تلاش

حضور پُرنور نبی، سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ابوجہل کی لاش تلاش کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ابوجہل کی لاش کی تلاش میں نکلے۔ ایک جگہ پہنچے تو ابوجہل کو زمین پر گرا ہوا پایا۔ وہ جاں بلب تھا اس کا سارا جسم فولادی زرہ میں چھپا ہوا تھا اور اس نے اپنی تلوار اپنی رانوں پر رکھی ہوئی تھی وہ نقاہت کے باعث اپنے کسی عضو کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو پہچان لیا۔ آپ نے اس کے اردگرد چکر کاٹا۔ جانکنی کے عالم میں بھی اس کی نخوت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس کی چھاتی پر چڑھ گئے تو وہ بولا:

''اے بکریوں کے نکمے چرواہے! تو نے بڑے دشوار زینہ پر قدم رکھا ہے۔''

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 455)

آپ نے اس کے اردگرد چکر کاٹا۔ اپنی تلوار سے اس کا سر الگ کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ ان کی تلوار پرانی اور بوسیدہ ہے۔ شاید اس کی گردن نہ کاٹ سکے۔ انہوں نے اپنی تلوار سے اس کے سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ انہیں یاد آ گیا کہ وہ کبھی ان کے بالوں کو کھینچا کرتا تھا۔ ان ضربوں سے تلوار پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے اس سے تلوار کھینچ لی۔ جانکنی کے عالم میں اس نے اپنا سر اٹھایا۔ اور پوچھا۔ ''فتح کس کی ہوئی؟'' میں نے کہا ''اللہ اور اس کے رسول کو فتح ہوئی۔''

میں نے اسے داڑھی سے پکڑ کر جھنجوڑا اور کہا اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے جس نے (اے اللہ کے دشمن!) تجھے ذلیل کیا۔ میں نے اس کا خود، اس کی گدی سے ہٹایا۔ اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی گردن کٹ کر علیحدہ جا گری۔

پھر میں نے اس کے ہتھیار، زرہ، لباس وغیرہ اتار لیا۔ پھر اس کا سر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لے آیا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ کے دشمن ابوجہل کا یہ سر ہے۔ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسلام کو اور اہل اسلام کو عزت عطا فرمائی۔'' پھر حضور سر بسجود ہو گئے۔ پھر فرمایا:

''ہر امت میں ایک فرعون ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کا فرعون ابوجہل تھا۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 77،78)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابوجہل کے قتل کی اطلاع جب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم نے معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما سے سنی تو فرمایا:

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے لشکروں کو شکست دی۔''

سب سے بڑا فرعون

جنگ میں ابوجہل کی ٹانگیں کٹ گئی ہیں۔ سارا جسم زخموں سے چور چور ہے۔ جسم کا سارا خون نچڑ چکا ہے۔ نقاہت و زخموں کے سبب سارا جسم واعضا مفلوج ہو رہے ہیں۔ سفر آخرت در پیش ہے۔ حیات مستعار کے صرف چند لمحے باقی ہیں۔ سانس لینا دشوار ہے۔ آخری چند سانسیں ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اس میں' اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عداوت کا لاوا پھوٹ پھوٹ کر ابل رہا ہے۔ اس نے حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ پر نگاہ واپس ڈالی اور کہا:

''اپنے نبی (ﷺ) کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں عمر بھر اس کا دشمن رہا ہوں اور اس وقت بھی ان کے

بارے میں میرا جذبہ عداوت بہت شدید ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ازلی بدبخت کا یہ جملہ عرض کیا۔تو پیغمبر اوّل و آخر واعظم، رہبر کائنات ہادئ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح بارگاہ الٰہی میں تمام انبیاء سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں۔اور جس طرح میری امت بارگاہ خداوندی میں جملہ امتوں میں سے افضل و اعلیٰ ہے۔اسی طرح میری امت کا فرعون بھی تمام امتوں کے فرعونوں سے زیادہ سنگدل اور کینہ توز ہے۔موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کو جب بحر احمر کی موجوں نے اپنے نرغہ میں لے لیا تو وہ پکار اٹھا۔کہ میں ایمان لایا کہ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے۔لیکن اس امت کا فرعون جب مرنے لگا تو اس وقت بھی اس کی اسلام دشمنی اور سرکشی میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوگیا۔(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 431)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے نرالے انداز ہیں۔اتنے جنگ آزماؤں نے اس پر تلواروں کے پے در پے وار کیے لیکن یہ نہیں مرا۔وہ عاجز و بے دست و پا ہوگیا اٹھنے اور جنبش کرنے کی سکت باقی نہ رہی۔لیکن آخر دم تک اس کے ہوش وحواس سلامت رہے۔اس میں حکمت یہ تھی کہ اس پیکر نخوت و عونت کو اس شخص کے ہاتھوں واصل جہنم کیا جائے جو مالی لحاظ سے غریب تر، جسمانی لحاظ سے کمزور و ناتواں اور قبیلہ کے لحاظ سے بے یارومددگار تھا۔

اسلام لانے کے جرم میں ابوجہل اس کے سر کے بال پکڑ کر اسے طمانچے رسید کیا کرتا۔گالیاں بکتا اور طرح طرح سے ستایا کرتا تھا۔اور اس مسکین کلمہ گو میں یہ طاقت نہ تھی کہ کوئی جوابی کارروائی کرسکتا۔آج وہ نادار اور نحیف ناتواں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی چھاتی پر بیٹھ کر اسے اس کی زبوں حالی اور بے بسی کا احساس کرا رہا ہے۔اس کے سر کو ٹھوکریں مار رہا ہے۔اسے اپنے پاؤں تلے روند رہا ہے۔اس کا خود اتار کر اس کے ہاتھ سے اس کی شمشیر آبدار چھین کر اسی سے اس کی گردن کو کاٹ رہا ہے۔وہ بیہوش نہیں وہ ہوش میں ہے۔اس تذلیل ورسوائی کا شعور رکھتا ہے۔لیکن دم نہیں مار سکتا۔

نحیف ونزار ہلکے اور پست قد کے مالک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے کمزور کلائی والے ہاتھوں سے اس کے سر غرور کو کاٹتے ہیں۔اسے اٹھا کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے نیچے پھینک دیتے ہیں۔اس فرمان الٰہی کا عملی اظہار ابوجہل کی عبرت ناک اور المناک موت سے بخوبی ہو رہا ہے۔

"کہ ساری عزت تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو اس بات کا علم نہیں"۔(سورۃ منافقون آیت 8)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے جذبہ ایمان کی آزمائش

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان چند خوش نصیب سعادت مند لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ہادی برحق

ﷺ کی دعوت اسلام دعوت حق کو اس وقت دل و جان سے قبول کر لیا تھا، جب کہ ابھی دار ارقم کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز بننے کا شرف نصیب نہیں ہوا تھا۔ آپ مکہ کے سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

آپ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ عتبہ جو خاندانی وجاہت، دولت و ثروت کے علاوہ اپنی عقل و دانش اور اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے قریش کے جملہ خاندانوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔ لیکن وہ ان جملہ خوبیوں اور صفات کے باوجود اسلام اور نبی اسلام ﷺ کا پرلے درجہ کا دشمن تھا۔

اگرچہ اس کی عداوت میں ابوجہل کا اندھا تعصب اور اکھڑپن اور عقبہ بن ابی معیط جیسے کفار کی کمینگی گھٹیا پن اور رذالت نہ تھی۔ اس کا شمار مکہ کے زیرک، دانشمند اور عاقبت اندیش سرداروں میں ہوتا تھا۔ لیکن اسلام کی بدخواہی میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھا۔

مشیت ایزدی نے اس خانوادہ سے جہاں دولت، ریاست، شہرت اور دین حق سے عداوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی ابوحذیفہ کو تاکا اسے جھپٹا اور آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ باپ چچا بھائی سارے خاندان کا ہر فرد لات و ہبل کا پرستار اور اس کی سطوت و عظمت کا پاسبان بنا ہوا تھا۔ ایسے خاندان کے ایسے امیر و کبیر رئیس سردار کے بیٹے کا ان کے معبودوں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینا خاندان کے لیے کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس سے سارے قبیلہ میں کہرام برپا ہو گیا۔ کون سی ایسی کوشش اور حیلہ تھا جو انہوں نے اپنے خاندان کے اس ایک اہم فرد کو اپنے حلقہ میں واپس لانے کے لیے استعمال نہ کیا۔

پیدائش سے اب تک جس ناز و نعم کا وہ خوگر تھا اسلام لانے پر اس کے لیے ساری بساط ہی الٹ دی گئی۔ محرومیوں اور مایوسیوں نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اسے ہر وقت ستایا جاتا۔ نت نئی اذیت سے اس کا دل دکھایا جاتا۔ لیکن اس مرد حق پسند کی استقامت میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ جب مکہ کی سرزمین تنگ ہو گئی تو پہلے اس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کے مصائب برداشت کیے۔ ان کی رفیقہ حیات بھی حزن والم سے بھرپور جلاوطنی میں ان کے ساتھ رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں وہاں ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام اپنے محبوب کریم کے اسم گرامی کے مطابق محمد رکھا۔ اور اس طرح اپنے قلب حزین کی تسکین کا سامان فراہم کر لیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح ان کے مصائب رنج والم کو کچھ کم کر دیا، انہیں قابل برداشت بنا دیا اور وقت گزرتا رہا۔

چند سال بعد حبشہ سے مکہ واپس آئے یہاں کی فضا انہیں برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ ان کے آقا حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جب ہجرت کی اجازت فرمائی تو یہ بھی بصد شوق و رغبت پھر اپنے اہل و عیال کو لے کر مرکز دین و ایمان (یثرب) مدینہ طیبہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ یہاں انہیں اپنے محبوب آقا ﷺ کی دید کی سعادت نصیب ہو جاتی تھی۔ یہی چیز ان کے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں کے لیے تسکین و اطمینان

کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ جرمِ عشق میں تیرہ چودہ سال کا عرصہ گونا گوں اذیتیں، سہتے سہتے جذبہ عشق جواں ہوگیا۔ اسی اثناء میں غزوۂ بدر پیش آیا وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے اپنے حبیب مکرم ومعظم ﷺ کی معیت میں میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو 17 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعہ یعنی یومِ غزوۂ بدر، یوم الفرقان کے موقع پر دو مزید آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ وہ دونوں آزمائشیں اتنی بھیانک اور سخت تھیں کہ اگر ان سے پہاڑوں کو بھی آزمایا جاتا تو وہ ہول امتحان سے ریزہ ریزہ ہوجاتے۔ لیکن یہ ان کے رب کریم کی توفیق صحبت ومحبت رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ اور ان کے ایمان کی بے پایاں قوت تھی جس کے باعث وہ ان دونوں امتحانوں میں سرخرو ہوکر نکلے۔

پہلی کڑی آزمائش اس وقت آئی جب میدان جنگ میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ اس وقت حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ بنوہاشم کے جوافراد لشکر کفار کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں آئے، بلکہ انہیں زبردستی لایا گیا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی تمہارے سامنے آئے تو اسے قتل نہ کرنا نیز فرمایا اگر ابوالبختری کسی کے روبرو ہو تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔ اور جو شخص عباس بن عبدالمطلب کے مدمقابل آئے تو وہ انہیں بھی قتل نہ کرے۔ کیونکہ انہیں بھی جبراً ساتھ لایا گیا ہے۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جن کا باپ عتبہ، چچا شیبہ، بھائی ولید اس وقت تک مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوچکے تھے۔ انہوں نے جب یہ ارشاد نبوی سنا تو وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بے ساختہ وبے ارادہ ان کی زبان سے نکلا۔

''ہم تو اپنے باپوں، بھائیوں، قریشی رشتہ داروں کو تہ تیغ کردیں اور عباس کو کچھ نہ کہیں۔ انہیں چھوڑ دیں یہ کیسے ممکن ہے۔ بخدا! اگر میرا مقابلہ عباس سے ہوا تو میں اپنی تلوار سے ان کے منہ میں لگام دوں گا۔''

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے سنی تو حضورِانور ﷺ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''اے ابا حفص! کیا اللہ کے رسول کے چچا کے چہرہ پر تلوار سے ضرب لگائی جائے گی؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اجازت فرمایئے میں ابوحذیفہ کی گردن اڑادوں۔ بخدا! وہ منافق ہوگیا ہے۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے تند جذبات کی رو میں بہتے ہوئے یہ جملہ نکل تو گیا۔ لیکن عمر بھر اس پر پریشان رہے اور اظہار افسوس کرتے رہے۔ وہ اکثر کہا کرتے۔

''میں نے اس دن جو بات کہی تھی میں اس کے انجام سے اب تک ترساں ولرزاں ہوں۔ اس کے اثر بد

سے میری نجات کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے شہادت کا شرف عطا فرما دے تاکہ راہ حق میں میری شہادت میرے اس گناہ کا کفارہ بن جائے۔'' (محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 447)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اس تمنا کو پورا کیا۔ عقیدہ ختم نبوت کے باغی مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کرتے ہوئے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان قربان کر دی۔

جس شخص کی آنکھوں کے سامنے اس کے باپ، چچا اور بھائی کو بیک وقت تہ تیغ کر دیا گیا ہو۔ اس کا رنجیدہ خاطر ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ بشری فطرت کے یہ ایسے شدید تقاضے ہیں جن سے دامن بچانا ناممکن نہیں تو بہت زیادہ مشکل ضرور ہے۔ ان حالات میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے ان کلمات کا نکلنا قطعاً باعث تعجب نہیں بلکہ ایک فطری عمل سا لگتا ہے۔ لیکن جونہی انہیں ہوش آیا تو انہیں اپنی اس غلطی کا اتنا شدید احساس ہوا کہ دن رات پریشان رہتے تھے۔ انہیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا کہ مبادا اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہو۔ اور ان کی شمع ایمان ہی بجھا دی جائے۔ اگر ایسا سانحہ رونپذیر ہوا تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی وہ اکثر سوچتے کہ اس گناہ کبیرہ کا کفارہ ادا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے انہیں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا موقع مل جائے۔

اور دوسری آزمائش کا انہیں اس وقت سامنا کرنا پڑا جب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کفار کی لاشوں کو ایک پرانے گڑھے میں پھینک دینے کا حکم دیا۔ وہ لاشیں گھسیٹ کر لائی جا رہی تھیں اور اس گڑھے میں پھینکی جا رہی تھیں۔ اسی اثناء میں ان کے باپ عتبہ کی لاش لائی گئی جس کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار جوہر دار نے دولخت کر کے زمین پر پھینک دیا تھا۔ اسے بھی اس گڑھے میں لڑھکا دیا گیا۔

یہ منظر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا تکلیف دہ حوصلہ شکن اور صبر آزما تھا۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا۔ ان کی اس کیفیت کو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا۔ ان کے دل میں غم و اندوہ کا جو طوفان برپا تھا۔ اس پر آگاہی پاتے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

''اے ابوحذیفہ! اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر تمہارے دل میں کچھ خیال تو پیدا نہیں ہو گیا۔''

اس سراپا ادب و نیاز غلام نے عرض کی۔

''یا رسول اللہ! بخدا! مجھے اپنے باپ اور اس کے انجام کے بارے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن میں اپنے باپ کو صاحب رائے۔ حلیم اور اچھی صفات کا مالک خیال کرتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام کی طرف لے آئیں گی۔ جب میں نے اس کے انجام کو دیکھا اور حالت کفر میں اس کے مرنے کو

دیکھا تو اس بات کا مجھے بہت دکھ ہوا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 87)

حضورِانور ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کرانہیں اپنی دعائے خیر سے نوازا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے سب سے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولولہ انگیز قیادت میں بہت ہی شاندار اور واضح کامیابی، فتح نصیب فرمائی۔

اپنے محبوب قائد، سپہ سالار، حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اتباع واطاعت میں وہ اپنے رب کے عبادت گزار، شکرگزار بندے بن کر ہی رہے اور اب بھی ان کے ہونٹوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء اور کلمات شکر ہی رواں تھے ان کی جبینوں پر ایمان کی روشنی فروزاں تھی۔ عرب کے رواج کے مطابق نہ دشمن کی لاشوں کا مثلہ ہوا، نہ ان کے خیموں کو آگ لگائی گئی۔ نہ انہیں بے گور وکفن کھلے میدان میں چھوڑا گیا کہ چیل کوئے اور جنگلی جانوران کو نوچتے رہیں۔

آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور آپ ﷺ کے اتباع واطاعت میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تبارک وتعالیٰ علیہم اجمعین نے حالت جنگ میں بھی تمام اخلاقی، شائستگی، متانت، ووقار کی اعلیٰ اقدار کو قائم رکھا اور انہیں آئندہ بنی نوع انسان کے لیے زندہ کیا اور اپنے قول وفعل سے عمل کر کے دنیا کے لیے مثال قائم کردی۔

اگرچہ یہ مقتولین اسلام کے دشمن تھے اور انہوں نے حضورانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور حضور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فردگزاشت نہیں کیا تھا اس کے باوجود حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے یہ برداشت نہ کیا کہ ان کی لاشیں یوں ہی بے گور وکفن پڑی رہیں۔ کتے اور جنگلی جانوران کو بھبھوڑتے رہیں یا چیلیں اور کوئے ان کو نوچتے رہیں۔ بلکہ ان سب کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈال کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا۔ یہ بھی حضور ﷺ کی شان رحمت کا ایک جلوہ ہے۔ جس کی نظیر کسی فاتح کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

سب مقتولوں کو اس کنویں میں پھینک دیا گیا لیکن امیہ بن خلف کی لاش ایک دن میں ہی سوج گئی۔ اس نے زرہ پہنی ہوئی تھی اس کو زرہ سے نکالنے لگے تو اس کا گوشت اور ہڈیاں بکھر گئیں۔ اس لیے وہیں پڑا رہنے دیا گیا اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال کر ڈھانک دیا گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 84)

جب ابوجہل کو گھسیٹ کر اس کنویں میں پھینکا جانے لگا تو حضور پُرنور نبی کریم سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا: اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ ہماری تلواریں مشرکین کے سرداروں کے ساتھ ٹکرائی ہیں۔

اس ارشاد میں ان اشعار کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابوطالب ﷺ نے کہے تھے۔

1 - خدا کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور آپ کے اردگرد گھیرا ڈال

کہ ہم نیزوں اور تلواروں سے جنگ نہیں کریں گے۔''

2- ''اور ہم آپ کو ان کے سپرد کر دیں گے اس سے پیشتر کہ ہماری لاشیں آپ کے اردگرد بکھری پڑی ہوں اور ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے بے خبر ہو گئے ہوں۔''

3- ''اور مجھے اللہ کی قسم! جو میں دیکھ رہا ہوں اگر وہ پروان چڑھا تو ہماری تلواریں ان کے سرداروں کے جسموں کو کاٹ رہی ہوں گی۔''

مشرکین کے ستر مقتولوں میں چند وہ آدمی بھی تھے جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو وہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح ہجرت نہ کر سکے ان کے خاندان والوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا یہاں تک کہ جب جنگ بدر کی نوبت آئی تو وہ لشکر کفار میں شریک ہو کر میدان بدر میں پہنچے اور قتل ہوئے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

''بیشک وہ لوگ کہ قبض کیا ان کی روحوں کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا کہ تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں۔فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔'' (سورۃ نسأ آیت 97)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب جنگ میں فتح یاب ہوتے تو تین روز وہیں قیام فرماتے اور متعلقہ امور کا تصفیہ فرماتے۔ بدر میں بھی حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے تین روز قیام فرمایا۔تیسرے روز حکم دیا کہ ناقہ پر پالان کسا جائے۔پھر حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ چل پڑے صحابہ کرام پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔بعض کہتے ہیں کہ شام کا وقت تھا حضور چل کر اس کنویں پر آئے جس میں کفار قریش کی لاشیں ڈالی گئی تھیں کنویں کی منڈیر کے پاس کھڑے ہو کر ندا دی۔

''اے ابوجہل، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تو کیا تم آج مسرور نہ ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا کیا اس وعدہ کو تم نے سچا پایا؟ میرے ساتھ تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا۔''

پھر فرمایا:

''اپنے نبی کے تم بہت برے رشتہ دار تھے۔تم نے میری تکذیب کی اور لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا اور لوگوں نے مجھے پناہ دی۔تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! انہیں مرے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں۔ آپ آج انہیں ندا فرما رہے ہیں۔ بے روح جسم کیسے گفتگو کر سکتے ہیں۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم وسول کائنات، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ وہ اب سن رہے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن وہ جواب دینے کی قوت سے محروم ہیں۔''

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کفار مکہ موت کے بعد اپنی قبروں میں سنتے ہیں تو مسلمان بھی بعد از وفات یقینی طور پر خوب سنتے ہیں۔

لیکن یہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا آپ فرماتی ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

''کہ اب ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں جو کچھ انہیں کہا کرتا تھا وہ حق تھا۔''

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**یسمعون**'' نہیں کہا۔ بلکہ ''**یعلمون**'' کہا۔

صحیح بخاری میں یوں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمایا:

''میں نے ان سے جو بات کہی وہ انہوں نے سن لی ہے۔'' (صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 566، 567)

قارئین کرام!

کچھ لوگوں نے مندرجہ بالا احادیث کے فرق کو موضوع بحث بنا دیا ہے جب کہ میری نظر میں ان روایات میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث میں ہے ''وہ اب سن رہے ہیں'' اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ روایت میں ہے ''اب انہیں معلوم ہو گیا'' اب وہ مان گئے ہیں'' یہ معلوم ہو جانا یا مان جانا ہم زندہ انسانوں کے لیے بھی ایک ایسا عمل ہے کہ جسے ہم اپنی پانچوں حسوں کے فعال ہوئے بغیر نہیں کر سکتے۔ ہماری یہ پانچ حسیں یہ ہیں:

سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔

یہاں ان مردوں سے اس وعدہ (ان باتوں، تبلیغ و ہدایات) کے سچا پایا جانے کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے جو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کے ساتھ باقی سب دنیا کو پیش کی تھیں۔ مختصر ترین یہ کہ اطاعت رسول میں ابدی راحت ہے اور نافرمانی میں مستقل عذاب ہے۔

سننے کے لیے تو صرف ایک ہی حس کا فعال ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ہے سننے کی حس۔ اور جاننے ماننے کے لیے ویسے تو سب حسوں کا بیدار ہونا' فعال ہونا ضروری ہے لیکن اکثر جاننے ماننے کا عمل سننے اور دیکھنے سے بھی پورا ہو جاتا ہے۔

یعنی بمطابق حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے کہ ''وہ اب سن رہے ہیں'' تو اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مردوں کی صرف ایک حس بیدار کی یا فعال کی اور وہ حس ہے سننے کی حس یا سننے کی قوت۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق اگر ان مردوں نے جان لیا یا مان لیا تو پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے ان کی کم از کم دو حسیں (سننے اور دیکھنے) بیدار کیں یا فعال کیں۔

میرے نزدیک اس معاملے میں سن لینے، جان لینے اور مان لینے میں کوئی ایسا خاص فرق نہیں ہے اس لیے اس نکتہ کو وجہ بحث مباحثہ نہ بنایا جائے اور تفرقہ بازی سے بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تو شان ہی نرالی ہے اور وہ اللہ کیا، اگر اس کی شان نرالی نہ ہو، اس قادر مطلق نے تو اصحاب کہف کو تین سو سال تک ایک جگہ سلائے رکھا اور انہیں زندہ رکھا۔

حضرت عزیز علیہ السلام کو 100 سال تک ایک جگہ سلائے رکھا اور اسے زندہ رکھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو موت کے بعد بھی ان کے عصا کے سہارے کھڑا رکھا۔

میں نے تو اس کتاب کی پہلی جلد میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ یہ کائنات ہی، یہ دنیا ہی، رب کائنات نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں بنائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی ایک چھینٹے سے بنائی ہے اور کیوں نہ بنائے جب کہ وہی انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی مکمل پہچان ہے اور اسی شاہکار رب العالمین نے بنی نوع جن وانس کو وحدہ لاشریک کی کامل ترین پہچان کرائی ہے۔

یہ جو کسی شاعر نے ایک نعت میں کہا ہے

آپ ہیں وجہ تخلیقِ کون و مکان
آپ کے دم سے ہے یہ زمیں آسماں

یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جو تمام اہل بصیرت کو نظر آتی ہے۔

آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نباتات، جمادات، حیوانات سب ہی سنتے تھے اور حکم مانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے کے پتھر بھی سلام کرتے تھے۔

اسی باب میں آپ نے پڑھا ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی تلواریں ٹوٹ جانے پر درخت کی کوئی شاخ یا لکڑی دے دی تھیں اور وہ ان کے ہاتھوں میں جاتے ہی معیاری، ابدار

شمشیریں بن گئیں اور وہ عرصہ دراز تک ان اصحاب کے پاس رہیں۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے فرمان مبارک کو سننے کے لیے، جان جانے کے لیے، اس کو مان جانے کے لیے، مردوں کو قوت سنوائی، قوت بینائی عطا فرما دینا خالق و مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تو سورۃ نجم کی آیات 3، 4 میں خود فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔''

فارسی زبان کا ایک شعر اس کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔

گفتہ او، گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا فرمان دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی فرمان ہے۔ بس یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان مصلحتاً یا حکمتاً اللہ کے بندے کے حلق (زبان) سے ادا ہو رہے ہیں۔

علامہ ابن قیم نے سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

''یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع اور اتفاق ہے۔ اور ان سے ایسی روایات مروی ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔'' (کتاب الروح صفحہ 5)

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''تمام نصوص سے ہمیں یہی حاصل ہوتا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کا سماع ثابت ہے اور اس کے لیے کثیر التعداد صحیح احادیث موجود ہیں۔''

علامہ سید انور شاہ کشمیری کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

''میں کہتا ہوں کہ سماعِ موتی کے بارے میں احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور حضرت ابو عمر سے یہ حدیث صحیح مروی ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر دنیا میں وہ اس کو پہچانتا تھا تو اس وقت بھی وہ اسے پہچان لیتا ہے۔'' (فیض الباری جلد 2 صفحہ 476)

علامہ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں مذکورہ بالا آیت کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''کہ علماء سلف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے ایسے اقوال مروی ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی بھی ہے اور خوش بھی ہوتی ہے۔''

مسند میں امام احمد نے حضرت ام المومنین صدیقہ سے باسناد حسن روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو حدیث ابی طلحہ میں مذکور ہیں۔

''جو میں کہہ رہا ہوں تم اسے ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔''

امام احمد نے اس روایت کی سند کے بارے میں کہا ہے کہ اسناد حسن۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے دوسری روایت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سننے کے بعد اپنے پہلے قول سے رجوع فرمالیا۔

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 3 صفحہ 456)

السلام علیکم یا اہل القبور

حدیث مبارک کے مطابق ہمیں حکم ہے ہمیں ہدایت ہے کہ جب قبرستان میں جائیں یا ان کے قریب سے گزر ہو تو اہل قبور کو سلام کہیں اور ایک مخصوص دعا کریں اور اس کے بعد سب کی مغفرت اور اپنی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں۔

اہل قبور سنتے ہیں تب ہی تو انہیں سلام کیا جاتا ہے اور زندہ لوگوں کی دعائیں اللہ تبارک وتعالیٰ اہل قبور کے لیے بھی سنتے ہیں، قبول فرماتے ہیں۔ اور ان کے عذاب میں تخفیف فرماتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے صدقہ جاریہ مرحومین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

مدینے میں عظیم فتح کی اطلاع

قارئین کرام!

درج ذیل میں تین چار اہم نکات یا عوامل کا اصل موضوع سے پہلے مختصر ذکر یا بیان کرنے کا میرا ایک خاص مقصد ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں، سیرت النبی میں اگر کہیں کسی وجہ سے ابہام پیدا ہو رہا ہو یا ابہام پیدا ہونے کا ڈر ہو تو اسے مناسب انداز و دلائل قوی سے دور کیا جائے۔ ان کے پہلے بیان کر دینے سے قارئین کرام غلط اور صحیح میں آسانی سے تمیز کر سکیں گے اور وہ صحیح کو ہی اپنائیں گے۔

1- رحمتِ دوعالم ﷺ جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے تو حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سخت علیل تھیں ان کی تیمارداری کے لیے حضور پُرنور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہریں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کرنے کا حکم دیا۔

2- 12 رمضان بروز اتوار مدینہ منورہ سے سوئے بدر روانہ ہونے سے پہلے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مسلمانوں کو یہ دعوت دی تھی کہ ابوسفیان کے قافلے کے تعاقب کے لیے نکلیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''یہ ہے ابوسفیان جو اپنے قافلہ سمیت واپس آ رہا ہے۔ نکلو، شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اموال ہمیں مرحمت فرمادے۔''

اس دعوت پر کچھ حضرات تو ہم رکاب ہو گئے اور کچھ پیچھے رہ گئے۔ پیچھے رہنے والے اس خیال سے پیچھے

رہ گئے کہ قافلہ کے ساتھ صرف چالیس محافظ ہیں۔ ان پر قابو پالینا کوئی مشکل کام نہ ہوگا اس لیے سب مسلمان ساتھ نہیں گئے۔

اہل مدینہ کو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے مکرم و معظم نبی، حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے دوری بہت گراں گزرتی تھی۔ ان حالات میں وہ شدت سے لشکر اسلام کی خیر و برکت کی اطلاع کے منتظر تھے۔

3- آپ گزشتہ اوراق میں یہ پڑھ آئے ہیں کہ جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ علاقہ بدر میں پہنچے تو وہاں سے فراہمی اطلاعات کے لیے نکل پڑے اور ایک بوڑھے (شیخ) سفیان الضمری سے ملے۔ اس سے لشکر مشرکین اور لشکر اسلام کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے آپ ﷺ کو صحیح صحیح بتلا دیا کہ اگر میری اطلاعات صحیح ہیں تو لشکر کفار اس وقت فلاں جگہ ہے اور لشکر اسلام فلاں جگہ۔

میرا یہاں سفیان الضمری کا ذکر کرنے سے مقصد یہ بتانا ہے کہ سفیان الضمری نہ تو مسلمانوں کے ساتھ تھا اور نہ کفار کے ساتھ۔ وہ جنگ سے بالکل غیر متعلق آدمی تھا۔ اس کے باوجود وہ صحیح باخبر تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہراہ کے اردگرد آباد عرب ہر آنے جانے والے سے اپنے مطلب کی بات چیت کیا کرتے تھے، اطلاعات لیتے تھے اور وہ صحیح بھی ہوتی تھیں۔

4- یہ بھی پہلے تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہودی دین اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ وہ اس دوران حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور کفار مکہ کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ تھا۔ ان کی ہمدردیاں اور معاونت مشرکین مکہ کے ساتھ تھیں۔ انہیں شدت سے یہ خدشہ تھا کہ اگر دین اسلام پھیل گیا، مسلمان مضبوط ہوگئے تو ان کی اپنی دینی اجارہ داری ختم ہو جائے گی اس لیے بھی انہیں مسلمانوں سے حسد، بغض و عناد تھا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ عربوں میں اپنے اردگرد کے حالات سے باخبر رہنے کا شعور تھا اور ان کی اطلاعات بھی اکثر درست ہی ہوتی تھیں۔ یہودیوں کو مشرکین مکہ کے مسلمانوں کے خلاف بد ارادوں کا پہلے ہی پتہ تھا اب جو انہیں یہ اطلاع ملی کہ لشکر کفار مکہ سے سوئے مدینہ نکل پڑا ہے تو انہوں نے اس کی آڑ لے کر موقع سے فائدہ اٹھایا اور آئے روز مسلمانوں کو نت نئی پریشان کن اطلاعات دینے لگے۔ انہوں نے مدینہ میں افواہوں کا بازار گرم کر دیا۔

جس نکتہ کو میں اس موضوع کے بیان کرنے سے پہلے قارئین کرام پر واضح کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ''اہل مدینہ کو عظیم فتح کی خوشخبری کب پہنچائی گئی؟''

ہمارے اکثر سیرت نگاروں نے تو ان ضمن میں یہی لکھا ہے کہ فتح مکمل ہوتے ہی اسی دن دو اصحاب رضی اللہ عنہما

کو خوشخبری سنانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ فرما دیا تھا۔ (جو کہ میرے خیال میں بالکل صحیح ہے۔)

لیکن چند ایک سیرت نگاروں نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ لشکرِ اسلام غزوۂ بدر میں ظفریابی کے چوتھے یا پانچویں روز جب مقام اثیل پر پہنچا تو وہاں سے آپ ﷺ نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں خوشخبری سنانے کے لیے روانہ فرمایا تھا (جو کہ میرے خیال میں بالکل غلط ہے، حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا اور ابہام کا سبب بھی بنے گا۔)

متعلقہ اقتباسات

لیجئے اب اس بارے میں سیرت کی چند کتابوں سے متعلقہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

غزوات النبی صفحہ 139

غزوۂ بدر سے فارغ ہونے اور اسلام کی پہلی اور عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد حضور انور ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو خوشخبری دے کر عالیہ کے مقام کی طرف بھیجا جو مدینہ منورہ کے قریب اس سے چند میل کے فاصلے پر ہے، اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے سافلہ کے مقام کی طرف یہ خوشخبری دے کر بھیجا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حضور انور ﷺ نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار کر کے بھیجا اور ایک قول ہے کہ عضباء نامی اونٹنی پر بھیجا۔

الرحیق المختوم صفحہ 309

ادھر مسلمانوں کی فتح مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو جلد از جلد خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنہیں عوالی (بالائی مدینہ) کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا اور دوسرے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں زیرین مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

سیرت الرسول جلد 8 صفحہ 275

اہل مدینہ خصوصاً مسلمان جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اسلامی لشکر اور اپنے آقا و مولا ﷺ کی خیریت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، خود حضورِ انور ﷺ بھی اس عظیم فتح کی اطلاع اہل مدینہ کو دینا چاہتے تھے تاکہ ان کے حوصلے مزید بلند ہوں اور اسلامی ریاست کو استحکام نصیب ہو اور دعوت حق کا کام ہنگامی بنیادوں پر کیا جا سکے۔ حضورِ انور ﷺ نے فوری طور پر دو آدمیوں کو روانہ کیا تاکہ وہ جا کر اہل مدینہ کو یہ خوشخبری بتائیں۔

اہل مدینہ کو فتح کی خوشخبری سنانے کا فریضہ جن دو صحابیوں کے سپرد کیا گیا ان میں ایک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے جو مہاجر تھے اور دوسرے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے جو انصاری تھے، اصحاب رسول تیزی

سے سفر طے کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کو اس عظیم فتح کی خوشخبری سنائی۔

غزوۂ بدر، باشمیل صفحہ :239

منافقوں اور یہودیوں کی تمنا تھی بلکہ ان کو توقع تھی کہ اس معرکہ میں مسلمانوں کو شکست اور مشرکین کو فتح حاصل ہوگی۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری دینے والے کے پہنچنے سے قبل جھوٹی خبریں پھیلانے اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے ایک دستہ منظم کیا۔ جنھوں نے معرکہ بدر میں حضرت نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے قتل اور آپ کی فوج کی تباہی کی خبر پھیلا دی۔

اس دوران میں مسلمان افسردگی و غم کی کیفیت میں جو انگارے سے بھی زیادہ گرم تھی، جنگ کی خبروں کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں مسلمانوں کی شکست کی جھوٹی خبر کی نشر و اشاعت نے مدینہ کے اطراف کو اس صورت میں بھر دیا کہ قریب تھا کہ حضرت نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور ان کی نوخیز فوج کے متعلق سن کر رنج و غم و خوف سے مسلمانوں کی عقلیں ماری جاتیں۔

کہ اچانک عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کی تکبیر و تہلیل کی آوازیں مدینہ کے اطراف میں گونجنے لگیں۔

ضیاالنبی جلد 3 صفحہ 378

لشکر اسلام فتح و ظفر کے پرچم لہراتا ہوا جب اثیل کے مقام پر پہنچا۔ تو نبی مکرم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرمایا کہ وہ آگے چلے جائیں اور اہل مدینہ کو اسلام کی فتح و ظفر کی خوشخبری سنائیں۔ (میرے اس حوالے سے قارئین کرام ضیاء النبی کے بارے میں غلط تاثر نہ لیں۔ میرے خیال میں یہ کتاب مارکیٹ میں موجود تمام کتابوں سے کئی لحاظ سے اعلیٰ ہے۔)

قارئین کرام! اب تک میرا موقف آپ پر خوب واضح ہو چکا ہوگا۔ میں اس بارے میں اب مزید تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ مختصراً یہ کہ

1- مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی۔ اس میں کامیابی عظیم و شاندار تھی اور بہت بڑی خوشی تھی۔
2- یہ لشکر اسلام کے لیے ہی نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کے لیے بہت بڑی خوشی تھی۔
3- مدینہ کے حالات مسلمانوں کے لیے یہودیوں نے جھوٹی خبروں اور افواہوں سے بہت مشکل اور پریشان کن کیے ہوتے تھے۔
4- اہل مدینہ بھی شدت سے لشکر اسلام کی خیر و خبروں کے منتظر تھے۔
5- مدینہ میں اس خوشخبری کو جلد سے جلد پہنچا دینا، وقت کی ضرورت تھی۔

6- یہ خوشخبری مدینہ جتنی دیر سے پہنچتی اتنی ہی زیادہ دیر مسلمان ذہنی عذاب، و پریشانیوں سے دوچار رہتے۔

7- یہودیوں اور منافقوں کی خباثت اور مسلمانوں کے ان حالات میں حالت و جذبات سے آپ ﷺ کے علاوہ اور کون زیادہ واقف ہوسکتا ہے۔

8- یقینی طور پر آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو اس خوشی میں جلد سے جلد شامل کرنے کے اقدام کیے ہوں گے۔

9- اگر مقام اثیل سے خوشخبری سنانے والوں کو بھیجا ہوتا تو مدینہ سے مسلمان دوسرے ہی دن استقبال کرنے کی غرض سے روحا کیسے پہنچ سکتے تھے۔

10- اس لیے یہی سچ ہے کہ فتح مکمل ہوتے ہی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ خوشخبری دینے کے لیے روانہ فرمادیا تھا۔

11- اور یہی اکثر سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔

فتح مکمل ہوچکی تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اہل مدینہ کو جلد از جلد خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔

ایک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنہیں عوالی یعنی کہ بالائی، شمالی مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اور دوسرے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں زیریں یعنی کہ جنوبی مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا۔

17 رمضان کی شام کو دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشخبری کا پیغام لے کر خوشی خوشی برق رفتاری سے سوئے مدینہ اکٹھے روانہ ہوئے۔ عظیم فتح کی خوشی میں وہ دونوں بھی بہت خوش اور چاق و چوبند تھے اور ان کی سواری کے اونٹ بھی۔

اب وہ عام اور چھوٹے راستے سے خراماں خراماں تیز رفتاری سے واپس آئے اور اندازاً یہ 130 کلومیٹر کا فاصلہ انہوں نے دو راتوں اور ڈیڑھ دن میں طے کرلیا اور یہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 19 رمضان بروز اتوار دوپہر کے وقت مدینہ منورہ میں پہنچ گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما یہ خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ میں وقت پہنچے جب مدینہ میں رہ جانے والے یا چھوڑ دیئے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم، سرکار دو عالم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی لختِ جگر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کرکے ان کے مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ محلہ عالیہ کی طرف گئے۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھے اسی حالت میں آپ نے باآوازِ بلند اعلان کیا۔

''اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کی سلامتی کی آپ کو خوشخبری ہو۔ بہت سے مشرک قتل کر دیئے گئے اور بہت سے جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے حجاج کے دونوں بیٹے۔ ابوجہل۔ زمعہ بن اسود۔ امیہ بن خلف کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور سہیل بن عمرو کے علاوہ بہت سے مکہ کے رئیسوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔''

لوگوں کے لیے اس اعلان کو صحیح تسلیم کرنا بڑا مشکل تھا۔ عاصم بن عدی کہتے ہیں کہ میں یہ اعلان سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ کے پاس گیا اور انہیں لوگوں سے الگ لے جا کر کہا۔ ''اے رواحہ کے فرزند! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟'' انہوں نے کہا ''بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' دو تین دنوں میں حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ تم خود دیکھ لو گے۔ مکہ کے جنگی اسیر پابہ زنجیر ساتھ ہوں گے۔

آپ نے انصار کے گھر گھر جا کر یہ خوشخبری سنائی۔ بچے خوشی سے دیوانہ وار گلیوں میں دوڑ رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے:

''فاسق و فاجر ابوجہل قتل کر دیا گیا۔''

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قصویٰ ناقہ پر سوار تھے۔ وہ مدینہ طیبہ کے نشیبی محلوں کی طرف مژدہ سنانے کے چلے گئے۔ جب عیدگاہ تک پہنچے تو اعلان کرنا شروع کر دیا۔ عتبہ و شیبہ۔ حجاج کے دونوں بیٹے۔ ابوجہل۔ ابوالبختری۔ زمعہ۔ امیہ وغیرہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کے چیدہ سرداروں کو قید کر لیا گیا۔

بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا وہ کہنے لگے۔ زید تو بھاگ کر آ گیا ہے۔ ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بھی اس وقت تک تسلی نہ ہوئی جب تک میں نے قیدیوں کو خود دیکھ نہ لیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ مژدہ لے کر مدینہ طیبہ اس وقت پہنچے جب ہم سرکار دو عالم ﷺ کی لختِ جگر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے ان کے مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے۔ ان دنوں منافقین دل ہی دل میں بڑے مسرور تھے۔ انہیں یہ خوش فہمی تھی کہ قریش مکہ کا لشکر جرار مسلمانوں کی اس مختصری فوج کو تہ تیغ کر کے رکھ دے گا۔ اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ایک منافق نے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور پُرنور ﷺ کی ناقہ پر سوار دیکھا تو اس کو یارائے ضبط نہ رہا۔ اس نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تمہارا لشکر ایسا تتر بتر ہوا ہے کہ پھر ان کے مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ آپ کے نبی کے جلیل القدر صحابہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور آپ کے نبی بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا:

''جس ناقہ پر زید سوار ہے وہ حضور کی ناقہ قصویٰ ہے۔ ہم اسے بخوبی پہچانتے ہیں۔ اور زید تو اہل مکہ کے

خوف سے مرعوب ہوکر یہ اعلانات کر رہا ہے۔ یہ خود بھگوڑا ہے میدان جنگ سے بھاگ کر آیا ہے۔''
یہود کی بھی یہی رائے تھی۔ یہی کہتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان! جو آپ کہہ رہے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ نے کہا بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے تسلی ہوئی۔ پھر میں نے اس منافق کو کہا کہ تم جھوٹ بک رہے ہو۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ تشریف لے آئیں گے تو میں تمہیں حضور کے سامنے پیش کروں گا اور جو کچھ تم نے کہا ہے وہ بتاؤں گا۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ تمہارا سر قلم کردیں گے۔ منافق گھبرا گیا۔ کہنے لگا، کہ میں نے تو سنی سنائی بات کہی تھی یہ میری اپنی رائے نہیں تھی۔

یہودیوں اور منافقین کی شرانگیزیوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی شکست کی افواہیں اس وقت تک پھیلاتے رہے اور حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ایلچیوں کو جھٹلاتے رہے جب تک اسلامی لشکر فتح کے پرچم اڑاتا مشرکین کے قیدیوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی حدود میں داخل نہ ہو گیا۔

لشکر اسلام کی واپسی

جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت جبرائیل امین ایک گھوڑی پر سوار ہوکر حاضر خدمت ہوئے۔ ان کا چہرہ بھی گردآلود تھا۔ آ کر عرض کی۔ اے اللہ کے حبیب! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ جب تک میرا حبیب راضی نہ ہو واپس نہیں آنا۔ ''کیا حضور اب خوش ہیں؟'' حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا میں راضی ہوں۔ تمہیں واپسی کی اجازت ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب جنگ میں فتح یاب ہوتے تو تین روز وہیں قیام فرماتے اور متعلقہ امور کا تصفیہ فرماتے۔

بدر میں بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے تین روز (17، 18 اور 19 رمضان کی شام تک) قیام فرمایا اور تیسرے روز یعنی کہ 19 رمضان بروز اتوار کی شام کو حکم دیا کہ ناقہ پر پالان کسا جائے۔

آپ ﷺ اس دوران اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں مشرکین مقتولین کے مردہ جسم ڈالے گئے تھے۔ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی روانہ ہوئے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے وہاں مشرکین کے مردوں سے خطاب فرمایا جس کا ذکر میں گزشتہ اوراق میں تفصیل سے کرچکا ہوں اور آپ اسے پڑھ چکے ہیں۔

اس کے بعد حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اپنے جاں باز مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے جنگی قیدیوں کا ایک جم غفیر ساتھ تھا اموال غنیمت کی کثیر مقدار اونٹوں پر لدی ہوئی تھی۔ اس جنگ میں مالِ غنیمت کثیر مقدار میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔

''اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کی سلامتی کی آپ کو خوشخبری ہو۔ بہت سے مشرک قتل کر دیئے گئے اور بہت سے جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے حجاج کے دونوں بیٹے۔ ابوجہل۔ زمعہ بن اسود۔ امیہ بن خلف کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور سہیل بن عمرو کے علاوہ بہت سے مکہ کے رئیسوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔''

لوگوں کے لیے اس اعلان کو صحیح تسلیم کرنا بڑا مشکل تھا۔ عاصم بن عدی کہتے ہیں کہ میں یہ اعلان سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ کے پاس گیا اور انہیں لوگوں سے الگ لے جا کر کہا۔ ''اے رواحہ کے فرزند! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟'' انہوں نے کہا ''بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' دو تین دنوں میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ تم خود دیکھ لو گے۔ مکہ کے جنگی اسیر پا بہ زنجیر ساتھ ہوں گے۔

آپ نے انصار کے گھر گھر جا کر یہ خوشخبری سنائی۔ بچے خوشی سے دیوانہ وار گلیوں میں دوڑ رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے:

''فاسق و فاجر ابوجہل قتل کر دیا گیا۔''

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قصویٰ ناقہ پر سوار تھے۔ وہ مدینہ طیبہ کے نشیبی محلوں کی طرف مژدہ سنانے کے چلے گئے۔ جب عیدگاہ تک پہنچے تو اعلان کرنا شروع کر دیا۔ عتبہ و شیبہ۔ حجاج کے دونوں بیٹے۔ ابوجہل۔ ابوالبختری۔ زمعہ۔ امیہ وغیرہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کے چیدہ سرداروں کو قید کر لیا گیا۔

بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا وہ کہنے لگے۔ زید تو بھاگ کر آ گیا ہے۔ ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بھی اس وقت تک تسلی نہ ہوئی جب تک میں نے قیدیوں کو خود دیکھ نہ لیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ مژدہ لے کر مدینہ طیبہ اس وقت پہنچے جب ہم سرکار دو عالم ﷺ کی لختِ جگر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے ان کے مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے۔ ان دنوں منافقین دل ہی دل میں بڑے مسرور تھے۔ انہیں یہ خوش فہمی تھی کہ قریش مکہ کا لشکر جرار مسلمانوں کی اس مختصری فوج کو تہ تیغ کر کے رکھ دے گا۔ اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ایک منافق نے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور پُرنور ﷺ کی ناقہ پر سوار دیکھا تو اس کو یارائے ضبط نہ رہا۔ اس نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تمہارا لشکر ایسا تتر بتر ہوا ہے کہ پھر ان کے مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ آپ کے نبی کے جلیل القدر صحابہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور آپ کے نبی بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا:

''جس ناقہ پر زید سوار ہے وہ حضور کی ناقہ قصویٰ ہے۔ ہم اسے بخوبی پہچانتے ہیں۔ اور زید تو اہل مکہ کے

خوف سے مرعوب ہو کر یہ اعلانات کر رہا ہے۔ یہ خود بھگوڑا ہے میدان جنگ سے بھاگ کر آیا ہے۔''
یہود کی بھی یہی رائے تھی۔ یہی کہتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان! جو آپ کہہ رہے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ نے کہا بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے تسلی ہوئی۔ پھر میں نے اس منافق کو کہا کہ تم جھوٹ بک رہے ہو۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں گے تو میں تمہیں حضور کے سامنے پیش کروں گا اور جو کچھ تم نے کہا ہے وہ بتاؤں گا۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ منافق گھبرا گیا۔ کہنے لگا، کہ میں نے تو سنی سنائی بات کہی تھی یہ میری اپنی رائے نہیں تھی۔

یہودیوں اور منافقین کی شرانگیزیوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی شکست کی افواہیں اس وقت تک پھیلاتے رہے اور حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچیوں کو جھٹلاتے رہے جب تک اسلامی لشکر فتح کے پرچم اڑاتا مشرکین کے قیدیوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی حدود میں داخل نہ ہو گیا۔

لشکر اسلام کی واپسی

جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت جبرائیل امین ایک گھوڑی پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ ان کا چہرہ بھی گرد آلود تھا۔ آ کر عرض کی۔ اے اللہ کے حبیب! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ جب تک میرا حبیب راضی نہ ہو واپس نہیں آنا۔ ''کیا حضور اب خوش ہیں؟'' حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں راضی ہوں۔ تمہیں واپسی کی اجازت ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب جنگ میں فتح یاب ہوتے تو تین روز وہیں قیام فرماتے اور متعلقہ امور کا تصفیہ فرماتے۔

بدر میں بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز (17، 18 اور 19 رمضان کی شام تک) قیام فرمایا اور تیسرے روز یعنی کہ 19 رمضان بروز اتوار کی شام کو حکم دیا کہ ناقہ پر پالان کسا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں مشرکین مقتولین کے مردہ جسم ڈالے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روانہ ہوئے۔

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں مشرکین کے مردوں سے خطاب فرمایا جس کا ذکر میں گزشتہ اوراق میں تفصیل سے کر چکا ہوں اور آپ اسے پڑھ چکے ہیں۔

اس کے بعد حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں باز مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے جنگی قیدیوں کا ایک جم غفیر ساتھ تھا اموال غنیمت کی کثیر مقدار اونٹوں پر لدی ہوئی تھی۔ اس جنگ میں مالِ غنیمت کثیر مقدار میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔

اس میں ایک سو پچاس اونٹ۔ مختلف قسم کا سامان۔ چمڑے کے دسترخوان پارچات کثیر مقدار میں رنگا ہوا چمڑہ۔ مشرکین یہ سامان تجارت کے لیے ساتھ لائے تھے۔ دس گھوڑے' کثیر مقدار میں ہتھیار۔ ابوجہل کا مشہور اونٹ۔ یہ سب چیزیں مسلمانوں کو غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ یہ اونٹ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے پاس رکھا اور اس پر سوار ہو کر غزوات میں تشریف لے جاتے تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں میں اس کو بھی لے جایا گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 94)

دوسرے دن یہ کارواں عصر کے وقت اثیل کے مقام پر پہنچا اور لشکر اسلام نے حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ یہاں نماز عصر ادا کی اور پھر اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضورِانور نبی کریم، رسول معظم ﷺ فتح وظفر کے پرچم لہراتے ہوئے جب الروحاء کے مقام پر پہنچے تو اہل مدینہ کے سرکردہ لوگ ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرنے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ اور بارگاہ نبوت میں مبارک بادیں پیش کیں۔ پیشوائی میں آنے والوں میں حضرت اسید بن حضیر بھی تھے انہوں نے بڑی نیاز مندی سے گزارش کی یارسول اللہ! سب تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔

یارسول اللہ! بخدا میرے پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ میرا خیال تھا کہ حضور کا ہدف ابوسفیان کا تجارتی قافلہ ہے اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ دشمن کے لشکر سے ٹکرانا ہے تو میں کبھی پیچھے نہ رہتا۔ اپنے غلام کی یہ گزارش سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے اسید بن حضیر! تم نے سچ کہا ہے۔''

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 305......السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 472)

جب اہل مدینہ نے مجاہدین کو مبارکیں دیں تو حضرت سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تم کس بات کی ہمیں مبارک دے رہے ہو۔

''بخدا! ہمارے مقابلہ میں تو گویا بوڑھی گنجی عورتیں تھیں ان اونٹنیوں کی طرح جو رسی سے بندھی ہوئی ہوں اور ہم نے ان کو ذبح کر دیا۔''

اپنی اس بات سے وہ لشکر کفار کی تحقیر کر رہے تھے۔ گویا وہ کمزور لوگوں کا ایک انبوہ تھا۔ اور ہمارے سامنے ان کی کوئی وقعت نہ تھی ہم نے ان کو اس طرح آسانی سے ذبح کر دیا جس طرح بندھی ہوئی بوڑھی اونٹنی کو ذبح کرتے ہیں۔ حضورِانور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ سلمہ بن سلامہ کی یہ بات سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا وہ بوڑھی عورتیں تو نہ تھیں وہ لوگ تو اپنے قبیلوں کے نامور سردار اور بہادر رئیس تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 473)

اسیران جنگ بشمول عقبہ بن ابی معیط ونضر بن الحارث ہمرکاب تھے۔ اموال غنیمت کی نگرانی کے لیے حضرت عبداللہ بن کعب النجاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ مضیق الصفراء سے گزرتے ہوئے ایک ٹیلا کے قریب وادی

صفراء میں نزول فرمایا۔ یہ ٹیلا مضیق اور نازیہ کے درمیان تھا۔ اس جگہ تمام مجاہدین کے درمیان اموال غنیمت کو تقسیم کیا گیا اور سب کو برابر برابر حصہ دیا گیا۔

حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں مبارزت کے دوران زخمی ہو گئے تھے۔ دشمن کی تلوار کے وار سے ایک ٹانگ کٹ گئی تھی۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے مدمقابل کو واصل جہنم کر چکے تھے۔ آپ دونوں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور زخمی عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر اپنا رخسار رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔''

فتح مبین کے بعد جب لشکر اسلام مدینہ منورہ کے لیے واپس آ رہا تھا تو وادی صفراء میں دوران سفر آپ انتقال فرما گئے اور شہادت کا درجہ پا گئے۔ آپ کو مقام روحا میں دفن کیا گیا۔

طبری اور ابن ہشام نے اس بارے میں یہ لکھا ہے۔

''جنگ بدر سے واپسی میں منزل روحاء پر پہنچ کر یہ جاں نثار مجاہد انتقال کر گیا اور وہیں یہ شہید راہ خدا دفن کر دیا گیا۔'' (طبری صفحہ 1318 لا ابن ہشام جلد 2 صفحہ 17)

جنگی مجرموں کا قتل

عرب کے رسم و رواج کے مطابق یا تو جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیا جاتا یا انہیں قتل کر دیا جاتا۔ لیکن حضور پُرنور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت کے اس طرز عمل کو پسند نہیں کیا اور جنگی قیدیوں کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ البتہ جن دو افراد کو قتل کیا گیا ان کی حیثیت جنگی قیدیوں کی نہیں بلکہ جنگی مجرموں کی تھی۔ اگر جنگی قیدیوں کو قتل کرنا مقصود ہوتا تو تمام قیدیوں کو قتل کیا جاتا۔ نضر اور عتبہ جنگی قیدی نہیں جنگی مجرم تھے۔ یہ دونوں حسد اور عناد میں دوسروں سے بڑھ کر تھے۔ یہ دونوں اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ برائی کے ٹولہ کے سرغنہ تھے۔ انہوں نے مکہ میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے اور فتنہ و فساد پھیلانے میں پیش پیش رہتے۔ ان کمینہ خصلت دشمنوں کو اگر چھوڑ دیا جاتا تو نوزائیدہ اسلامی مملکت کی بقاء و سلامتی کے لیے یہ کسی وقت بھی کوئی بہت بڑا طوفان کھڑا کر سکتے تھے۔ یہ دشمنی اور سرکشی میں بہت آگے جا چکے تھے۔ ظلم اور تکبر کے پیکر تھے اور کسی مرحلے پر اور کسی سطح پر بھی ان سے خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کے شر سے بچنے کے لیے اور دوسروں کو ان کی فتنہ انگیزیوں سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ اللہ کی زمین کو ایسے مفسدین کے وجود ناپاک سے پاک کر دیا

جائے تاکہ اسلامی تحریک کی راہ میں دیواریں کھڑا کرنے والوں کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا جائے۔

نضر بن حارث کا قتل

اسیران بدر میں، بدر کے جنگی قیدیوں میں ایسے دشمنان دین بھی شامل تھے جو جنگی قیدی نہیں جنگی مجرم تھے ان میں ایک نضر بن حارث تھا جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں پیش پیش رہتا۔ آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھا کرتا۔ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کے جذبات مشتعل کرتا۔ بدر سے واپسی پر صفراء کے مقام پر حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اسلام کے اس کھلے اور خطرناک دشمن کے قتل کے احکامات جاری فرمائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اس دشمن کی گردن ماری۔

نضر بن حارث اور عتبہ بن ابی معیط' یہ دونوں نبی رحمت ﷺ اور اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ نضر بن حارث، ذات پاک حبیب کبریاء ﷺ کی ہجو میں شعار لکھا کرتا تھا۔ اور یہ جنگ بدر میں لشکر مشرکین کا علمبردار تھا۔ اس کی بہن قتیلہ بنت حارث کو جب اپنے بھائی نضر بن حارث کے قتل ہونے کی اطلاع ملی۔ تو اس نے ایک دردناک مرثیہ لکھا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کی بہن قتیلہ نے اپنے بھائی کے قتل پر پرسوز اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے۔

''اے سوار! پانچویں روز کی صبح تک انسان مقام اثیل تک پہنچ جاتا ہے اور تجھے اس کی ہمت دی گئی ہے۔ وہاں ایک فوت شدہ شخص کو میرا پیغام پہنچا کہ جب تک اونٹنیاں آتی جاتی ہیں تجھے سلام پہنچتا رہے گا۔ میری طرف سے تمہاری خدمت میں آنسو بہانے والے نے ایک بہایا ہوا آنسو اور دوسرا گلے میں اٹک جانے والا آنسو بھیجا ہے۔ اگر میں آواز دوں تو کیا نضر میری آواز سن لے گا، وہ مردہ بھلا کیا سنے گا جو بات کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اے محمد (ﷺ)! آپ اپنی قوم کی بہترین عورت کی اولاد ہیں۔ ایک خاندانی شریف النفس مرد ہیں۔ اگر آپ (ﷺ) احسان فرما دیتے تو اس سے آپ (ﷺ) کا کوئی نقصان نہ ہوتا۔ اور بعض اوقات انسان غصے میں بھی احسان کر دیتا ہے یا آپ (ﷺ) فدیہ لے لیتے تو عزیز ترین اور قیمتی چیزیں خرچ کردی جاتیں۔ جن لوگوں کو آپ (ﷺ) نے قید کیا نضر سب سے زیادہ قریبی تھا۔ اگر کوئی غلام آزاد ہوسکتا ہے تو وہ سب سے زیادہ اس کا حق دار تھا۔ بنی امیہ کی تلواریں اسے نوچنے لگیں۔ وہاں کیسے کیسے رشتے منقطع کئے گئے۔ اسے باندھ کر موت کی طرف حستہ حالت میں کھینچ کر لایا گیا۔ اسے زنجیروں میں باندھ کر گھسیٹا گیا حالانکہ وہ پہلے ہی بندھا ہوا قیدی تھا۔''

بعض راویوں کا بیان ہے کہ جب نضر بن حارث کی بہن کے ان موثر اور فصیح و بلیغ اشعار کی اطلاع حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اس کے قتل سے قبل اس بات کا علم ہو جاتا تو میں احسان کر دیتا۔

دوسری روایت میں یوں ہے جب حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس کا یہ مرثیہ سنا تو فرمایا۔اگر یہ اشعار اس کے قتل سے پہلے میں نے سنے ہوتے تو میں اس کو فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیتا۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 474)

لیکن علامہ زرقانی نے مشہور سیرت نگار زبیر بن بکار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض اہل علم نے اس مرثیہ کو جعلی قرار دیا ہے۔

اور ابن ہشام نے بھی ان اشعار کی صحت سے انکار کیا ہے۔بعض کی رائے یہ ہے کہ ایک جائز قتل کے حکم کو اشعار تبدیل یا منسوخ نہیں کر سکتے اس لیے مذکورہ روایت درست نہیں۔ نبی اکرم ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دیا۔نضر کی معافی کی درخواست کا علم ہو جاتا تو اسے بھی معاف کر دینا حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی رحمت سے بعید نہ تھا۔

(محمد رسول اللہ جلد 3 صفحہ 469)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض علماء سیرت نے اسے اپنی تصنیف و تالیف میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر دیگر نو مسلبوں کے علاوہ نضر کو بھی سو اونٹ عطا فرمائے تھے یہ ان کی غلط فہمی ہے، جس کو حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے سو اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔وہ نضر نہیں تھا۔اس کا بھائی نضیر تھا۔نام کی مماثلت یا ایک جیسے نام ہونے کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔حضرت نضیر رضی اللہ عنہ کو جس شخص نے یہ خوشخبری سنائی کہ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اسے سو اونٹ مرحمت فرمائے ہیں۔نضیر نے انہیں میں سے اسے بھی اس مژدہ سنانے کی خوشی میں کچھ اونٹ دیئے۔

حضرت نضیر رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ شاید حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے میری تالیف قلب (میرا دل رکھنے) کے لیے یہ عطیہ دیا ہے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اسلام قبول کرنے پر کوئی اجرت نہیں لوں گا۔بعد میں اس مسئلہ پر غور کیا کہ نہ میں نے حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے یہ اونٹ طلب کئے تھے اور نہ اس کے بارے میں سوال کیا ہے۔رسالت مآب ﷺ نے از خود مجھے یہ انعام دیا ہے۔اس کو قبول نہ کرنا بے ادبی ہے۔چنانچہ اس نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اس عطیہ کو بصد تشکر قبول کر لیا۔اور انہی اونٹوں میں سے اس شخص کو دس اونٹ دیئے جس نے سب سے پہلے اسے یہ خوشخبری سنائی تھی۔

(محمد رسول اللہ جلد 2 صفحہ 466)

اسی طرح کی صورت حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آئی۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ مال عطا فرمایا۔ آپ نے اس کو لینے میں پس وپیش کی، تو سرور کائنات نے فرمایا:

''اے عمر! اگر اس مال سے تمہیں کچھ دیا جائے لیکن تم اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ تک رہے ہو۔ تو اسے لے لیا کرو۔''

حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم کے اس ارشاد نے اس الجھن کو ہمیشہ کے لیے حل کر دیا۔

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 2 صفحہ 476)

عقبہ بن ابی معیط کا قتل

جب حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم بمع لشکر کے عرق الظبیہ پہنچے تو عقبہ کا سر قلم کیا گیا۔ جب اسے قتل کیا جانے لگا تو وہ بولا۔ میری چھوٹی بچیوں کا کون پرسان حال ہوگا۔ فرمایا آگ۔ اس کو حضرت عاصم بن ثابت نے موت کے گھاٹ اتارا۔ جب عاصم اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ تو اس نے کہا ان سب قیدی قریشیوں کو چھوڑ کر صرف مجھے کیوں قتل کیا جا رہا ہے عاصم نے فرمایا:

''اللہ اور اس کے رسول سے تمہاری عداوت کی وجہ سے۔''

امام شعبی سے مروی ہے۔ کہ اس سوال کے جواب میں حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے جو زیادتیاں میرے ساتھ کی ہیں، کیا تم انہیں جانتے ہو۔ ایک روز مقام ابراہیم کے پیچھے جب میں سر بسجود تھا، تو یہ آیا اس نے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھا اور اس کو خوب دبایا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھیں باہر نکل پڑیں گی۔

پھر ایک دفعہ یہ آیا، میں حالت سجدہ میں تھا۔ اس نے بدبودار اوجھ (اوجڑی) میری گردن پر لا کر ڈال دیا۔ وہ اوجھ میرے سر پر پڑا رہا۔ یہاں تک کہ میری بچی فاطمہ آئی۔ اس نے اسے اتار پھینکا اور میرے سر اور گردن کو دھویا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 473)

عقبہ بن ابی معیط کے جرائم کی فہرست بھی بڑی طویل تھی، اس کا تعلق بنو امیہ سے تھا، مدینہ منورہ واپسی پر عرق الظبیہ کے مقام پر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا، اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے قریش کی موجودگی میں قتل کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ اسلام کے اس بڑے مجرم کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس موقع پر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے جرائم کا ذکر بھی فرمایا کہ وہ کتنا کمینہ دشمن تھا جو فتنہ وفساد کو ہوا دیا کرتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 3: صفحہ 306)

اسی مقام پر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجام ابو ہند نے شرف نیاز حاصل کیا اور ایک مشک پیش کی۔ جو ایک خاص قسم کے حلوہ سے پر تھی۔ یہ حلوہ اس نے کھجور، ستو، گھی سے بنایا تھا۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے نیاز کیش کے اس ہدیہ کو شرف قبولیت بخشا۔اور حکم دیا کہ یہ ساری مشک انصار میں تقسیم کر دی جائے۔

یہاں سے چل کر حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بمع اپنے لشکر کے مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے۔

یعنی کہ اس مقام سے اب آپ مدینہ منورہ کے لیے چل پڑے کہ مدینہ منورہ پہنچ کر ہی قیام فرمائیں گے۔

آپ ﷺ نے یہاں جنگی قیدیوں کو ایک دستہ کی نگرانی میں ایک دن بعد یعنی کہ 23 رمضان سن 2 ہجری بروز جمعرات مدینہ منورہ میں لانے کی ہدایت فرمائی اور آپ ﷺ باقی ماندہ لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے چل پڑے۔

22 رمضان سن 2 ہجری بروز بدھ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بمع اپنے لشکر کے ثنیۃ الوداع کے مقام سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

مسلمان چہروں پر ایک نیا اعتماد لیے شہر میں داخل ہوئے۔غرور اور تکبر سے ان کی گردنیں اکڑی ہوئی نہیں تھیں، بلکہ عجز و انکسار سے جھکی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر کلمات شکر اور دعا تھے کہ اے باری تعالیٰ! اپنے دین کو سربلند فرما اور اسے پوری دنیا میں پھیلا۔اے مولا کریم! ہر دل پر تیری توحید کے پرچم لہرا رہے ہوں اور تیرے بندے تیری بارگاہ میں سربسجود ہوں۔اسلام کا ستارا اوج ثریا پر چمکے اور اکناف عالم میں تیرے دین کا ڈنکا بجے، الٰہی! کرم فرما، تمام بنی نوع جن وانس پر دین اسلام کی صورت میں رحم و کرم فرما۔تو ہی تو سب جہانوں کا، سب عالموں کا رحمٰن، رحیم و کریم ہے۔

سپہ سالار مدینہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا شاندار استقبال کیا۔اہل مدینہ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔

انصار کی بچیوں نے دف بجا بجا کر ان اشعار کے ساتھ حضور کا استقبال کیا۔

طلع البدر علینا ☆ من ثنیات الوداع

ہمارے سامنے ثنیات دواع کی طرف سے بدر کامل طلوع ہوا ہے۔

وجب الشکر علینا ☆ ما دعا للہ داع

اس نعمت کے بدلے میں ہم پر ہمیشہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم، پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، شفیع المذنبین اصل الموجودات، خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ مظفر و منصور ہو کر 22 رمضان سن 2 ہجری بروز بدھ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے۔

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے اگلے دن یعنی کہ 23 رمضان بروز جمعرات بدر کے جنگی قیدی مدینہ

پہنچے۔حضور پرُنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا اور ہدایت کی کہ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرو۔

اس فتح مبین نے دشمنان اسلام کے چھکے چھڑا دیئے۔اس فتح کے اثر سے مدینے کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش ہوئے اور اسی موقع پر عبداللہ بن ابی جیسے بدباطن نے بادل نخواستہ ظاہرداری کے لیے اسلام قبول کیا۔ یہودیوں کے دل بھی اس شان وشوکت کو دیکھ کر لرز گئے۔انہوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کی مدح وثنا تورات میں مذکور ہے۔(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 98)

مکہ میں کہرام مچ گیا

جب مسلمانوں کو حملہ کرنے کا حکم ملا تو مسلمانوں کی صفیں ایک منظم انداز میں آگے بڑھنے لگیں اور دشمن کو تہس نہس کرنے لگیں۔مشرکین اب تک میدان جنگ میں اپنے کئی سردار گنوا چکے تھے۔اب وہ مسلمانوں کی یلغار (حملے) کے سامنے رک نہ سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔انہوں نے جان بچانے کی خاطر میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔

روایت میں ہے جو سب سے پہلے مشرک میدان جنگ سے بھاگا، وہ خالد بن الاعلم تھا۔یہ شخص بنی مخزوم بن یقظہ کا حلیف تھا اور شاعر تھا۔اس نے میدان جنگ میں ثابت قدمی پر بہت اچھے اشعار کہے۔ان میں سے اس کا ایک شعر ثابت قدمی میں ضرب المثل کے طور پر بیان ہوتا ہے۔لیکن جب ثابت قدمی دکھانے کا وقت آیا تو خود یہ بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں لشکر کفار میں بھگدڑ مچ گئی اور جس کا جس طرف داؤ لگا ادھر بھاگ نکلا۔مشرکین کی اکثریت اپنے پڑاؤ (کیمپ) کی طرف ہی بھاگی۔انہوں نے پیدل اور اپنے سواری کے جانوروں (اونٹوں گھوڑوں) پر بیٹھ کر مکہ کے لیے راہ فرار اختیار کر لی۔ان کے پاس سواری کے جانوروں کی کمی نہ تھی لیکن اس افراتفری کے عالم میں جس سے جیسے بن پڑی اپنی جان بچائی اور سوئے مکہ بھاگ نکلا۔لشکر کفار کے کوئی ساڑھے آٹھ سو جنگجو تباہ کن شکست سے تہامہ کی وادیوں اور گھاٹیوں میں ٹھوکریں کھاتے، گرتے، پڑتے میدان کارزار سے بھاگ گئے اور خوف زدہ ہو کر تتر بتر مکہ کی جانب بھاگ نکلے۔

اس بھگدڑ میں مشرکین اپنے ذاتی سامان کے علاوہ ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے بھی چھوڑ گئے جو کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

مشرکین کے کئی نامور سرداران سمیت ستر (70) آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔اور ان قید ہونے والوں میں بھی ان کے کئی نامور سردار شامل تھے۔لشکر کفار کی ایک کثیر تعداد زخمی ہوئی جن میں کچھ قیدی بنا لیے گئے اور باقی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ بھاگ گئے۔

فوجی شماریات کے مطابق اس وقت کی جنگوں میں مرنے والوں اور زخمیوں کا تناسب ایک پانچ کا ہوتا تھا۔ یعنی کہ اگر ایک آدمی مرا ہے تو پانچ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔

اس شماریات کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر میں لشکر کفار کے اندازاً کوئی ساڑھے تین سو (350) فوجی یا جنگجو زخمی بھی ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر میں 313 مسلمانوں نے لشکر کفار کے ایک ہزار جنگجوؤں میں سے آدھوں کو ایک دم بیکار کردیا، ناکارہ کردیا اور باقی دم دبا کر بھاگ گئے۔

کون یہ وحشت ناک خبر دے

شکست خوردہ باقی ماندہ سردارانِ قوم کفار (ابوسفیان وغیرہ) اور جنگجو اپنے اپنے علاقوں اور مکہ کے قریب، مکہ کے گردونواح میں چار پانچ دنوں میں گرتے پڑتے پہنچ تو گئے لیکن اتنی بری شکست کی خفت وندامت کے سبب، اتنی بری شکست کے بعد اب انہیں ہمت نہیں ہورہی تھی کہ وہ مکہ میں کیسے داخل ہوں اور کب داخل ہوں۔ ویسے بھی اب ان کی جان تو بچ ہی گئی تھی اس لیے مکّہ میں داخل ہونے کی جلدی نہ تھی۔

ہر طرح کے سامان حرب سے لیس، ہر طرح کی جنگی سہولتوں کا حامل، ایک ہزار جنگجوؤں کا لشکر جرار 313 نہتے بے سروسامان مسلمانوں سے بری طرح شکست کھا گیا۔ تقریباً سارے نامور سردار مارے گئے، پکڑے گئے، قیدی بنا لیے گئے۔ اب ان کو یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اہل مکہ کے سوالوں کا کیسے جواب دیں گے۔ اتنی بری شکست کے لیے ان کے پاس کوئی جواز بھی تو نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے (سرداروں اور نامور جنگجوؤں نے) یہی مناسب جانا کہ منہ چھپائے ایک دو دن اور شہر سے باہر رہیں۔ اس دوران کوئی نہ کوئی مکہ میں چلا ہی جائے گا اور پھر ہم بھی چپکے سے رات کے اندھیرے میں اپنے گھروں میں چلے جائیں گے اور جو ہوا ہے اسے بیان کردیں گے۔

ادھر اہل مکہ کا یہ حال تھا کہ ابوجہل کی قیادت میں اہل مکہ کا جو لشکر اپنے تجارتی قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلا تھا۔ اسے کافی دن گزر چکے تھے۔ اہل مکہ اپنے لشکر کے انجام کے بارے میں جاننے کے لیے سخت بے چین تھے وہ شہر سے باہر نکل کر کسی قاصد کا انتظار کرتے رہتے

پھر یوں ہوا کہ جس روز 17 رمضان بروز جمعہ سن 2 ہجری مسلمانوں نے میدان بدر میں کفار کو شکست فاش دی اسی روز ایک ہاتف کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا گیا۔ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ نظر نہیں آرہا تھا۔

1- کیا ملت حنیفیہ کے پیروکاروں نے بدر کے واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ یہ ایسا سانحہ ہے جس نے کسریٰ اور قیصر کے محلات کی دیواروں کو گرادیا ہے۔

2- اس سانحہ نے لوئی خاندان کے بہت سے مردوں کو ہلاک کردیا اور بہت سی پردہ دار خواتین کو اس حالت

میں ظاہر کردیا کہ وہ اپنی ننگی چھاتیوں کو پیٹ رہی تھیں۔

3- پس کتنا بدبخت ہے وہ شخص جو محمد ﷺ کا دشمن ہے اس نے ہدایت کے اچھے راستہ کو ترک کر دیا اور حیران و سراسیمہ ہو گیا۔

سننے والوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ حنیفیوں کون ہیں؟ کسی نے بتایا کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ ہیں۔ کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف کے مذہب پر ہیں۔ یہ وہی دن (17 رمضان بروز جمعہ) تھا جس دن مسلمانوں نے کفار مکہ کی رعونت کا کچومر نکال دیا تھا۔

یہ اشعار سن کر اہل مکہ کی سراسیمگی کی حد نہ رہی۔ انہیں تو پہلے ہی برے خواب آرہے تھے اب ان کی نیندیں حرام ہو گئیں اور انتظار کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور عاتکہ کا خواب ان کے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ انہیں ہر وقت برے خیال آنے لگے۔

مکہ میں سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ سے شکست فاش کے بعد پہنچا وہ حیسمان بن ایاس خزاعی تھا اور اس کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی حرم مکہ میں آ گیا اور یہ مکہ پہنچنے والوں میں دوسرے نمبر پر تھا۔

حیسمان بن ایاس خزاعی جیسے ہی مکہ پہنچا لوگ اس کے اردگرد بے تابی سے جمع ہو گئے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے کسی نے پوچھا حیسمان تم پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو؟ لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا؟

حیسمان جو تھکا ماندہ اور حواس باختہ سا تھا۔ اس نے کہا۔ عتبہ' شیبہ' پسران ربیعہ' ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف' زمعہ بن اسود' نبیہ اور منبہ پسران حجاج، ابوالبختری ان کے علاوہ کئی دیگر رؤساء قریش جنگ میں مارے گئے ہیں۔

یہ وحشت ناک خبر صفوان بن امیہ نے بھی سنی جس کو بطحا کا سردار کہا جاتا تھا اور جو قریش کے سب سے زیادہ فصیح لوگوں میں سے تھا۔

صفوان بن امیہ اس وقت حجر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے یہ اعلان سنا تو کہنے لگا یہ حیسمان بن ایاس پاگل ہو گیا ہے۔ اس کے ہوش و حواس اڑ گئے ہیں۔ اس سے میرے بارے میں پوچھو۔ وہ اسی قسم کا بے سروپا جواب دے گا۔ لیکن جب حیسمان سے صفوان کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا وہ سامنے حجر میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا! میں نے اس کے باپ اور بھائی کی لاشوں کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اسلام کی روشنی ہمارے گھر میں داخل ہو چکی تھی۔ حضرت عباس اور ان کی اہلیہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت عباس کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا ان کی رقمیں بہت

سے لوگوں کے ذمہ واجب الادا تھیں اس لیے وہ اپنی قوم کی کھل کر مخالفت نہیں کر سکتے تھے کہ کہیں وہ ان کی رقمیں دبا نہ لیں۔ اور وہ مصلحتاً اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ ابولہب بھی لشکر کفار کے ساتھ نہیں گیا تھا بلکہ مکہ میں رہ گیا تھا اور اپنی جگہ اپنے ایک مقروض کو بھیج دیا تھا۔ اس نے جب شکست کی یہ اندوہناک خبر سنی۔ تو اس کے غم واندوہ کی حد نہ رہی۔ لیکن ہمیں (ابورافع وغیرہ جو درپردہ مسلمان تھے) ان کی اس شکست سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ہم اپنے آپ کو بہت طاقتور محسوس کرنے لگے۔

ابورافع کہتے ہیں کہ میں زمزم کے حجرہ میں تیر بنایا کرتا تھا۔ ایک روز میں اپنے حجرہ میں بیٹھا تیر بنا رہا تھا اور ام الفضل بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ اتنے میں اپنے پاؤں گھسیٹتے ہوئے ابولہب وہاں آ گیا۔ اس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ حجرہ کے ایک کونہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی۔ اچانک لوگوں نے کہا یہ ہے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔ ابھی ابھی میدان جنگ سے واپس آیا ہے۔

ابوسفیان بن حارث لشکر کفار کے ان سالاروں میں سے تھا جنہوں نے بدر کے روز لشکر اسلام کے خلاف اپنے دستوں کو منظم کیا تھا۔ ابوسفیان بن حارث کا نام سنتے ہی ابولہب اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ابولہب بولا۔ اے بھتیجے! ادھر آؤ اور مجھے بتاؤ کہ وہاں تم پر کیا گزری؟ دوسرے لوگ بھی تازہ حالات سننے کے لیے ابوسفیان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس نے جنگ کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''بخدا! حالات جنگ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ہماری مسلمانوں سے ٹکر ہوئی تو ہم نے اپنے کندھے ان کے سامنے کر دیئے۔ پھر جس طرح ان کی مرضی تھی وہ ہمیں تہ تیغ کرتے گئے اور جس طرح ان کی مرضی تھی وہ باقی ماندہ لوگوں کو اسیر بناتے گئے۔''

بخدا! بایں ہمہ میں ان کی ملامت نہیں کرتا۔ کیونکہ ہمارا مقابلہ سفید لباس میں ملبوس ان لوگوں سے ہوا جو ابلق (دورنگے گھوڑے، سفید اور کالے رنگ کے گھوڑے) گھوڑوں پر سوار تھے اور زمین و آسمان کے درمیان صفیں باندھے کھڑے تھے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ کرنے کی کسے جرأت ہو سکتی تھی۔

اور یوں اس نے چیدہ چیدہ سرداروں کے مارے جانے اور لشکر کفار کو شکست فاش ہو جانے کی تصدیق کر دی۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 287، 288)

ابورافع کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر میں نے کہا خدا کی قسم! یہ فرشتے تھے۔

ابولہب میری بات سن کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار طمانچہ میرے منہ پر رسید کیا۔ پھر اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور میری چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور مجھے گھونسے مارنے لگا میں دبلا پتلا کمزور آدمی تھا۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے اپنے غلام کی یہ رسوائی دیکھی نہ جا سکی۔ وہ اٹھیں ایک چوب (لکڑی) اٹھائی

اور اس کے سر پر دے ماری۔ اس کے باعث اس کا خون بہنے لگا۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ابولہب کو جھڑکتے ہوئے کہا اس کا مالک یہاں موجود نہیں اسی لیے تو نے اسے کمزور سمجھ لیا ہے۔ میں تمہارا دماغ درست کر دوں گی۔ چنانچہ ابولہب ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

اہل مکہ کا نوحہ اور ماتم

اہل مکہ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ابوجہل اور اس کے لشکر جرار کو مٹھی بھر تہی دست مسلمانوں کے مقابلے میں شکست فاش بھی ہو سکتی ہے۔ وہ تو اپنی افرادی قوت اور وسائل کی کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست ونابود کر بیٹھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ والوں کو جب اپنے لشکر کی عبرتناک شکست کی خبر ملی تو وہ اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے، انہوں نے خبر دینے والے کو پاگل قرار دیا کیونکہ وہ ذہنی طور پر اپنی شکست کی خبر سننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مکہ کے ایک ہزار بہترین سپاہی مدینہ کے تین سو نہتے افراد سے بری طرح شکست کھا جائیں گے کیونکہ مکی فوج کو مدنی فوج پر جنگی قوت کے اعتبار سے کئی گنا فوقیت حاصل تھی۔

میدانِ بدر میں بہت بری شکست سے دوچار ہونے کی جیسے جیسے تصدیق ہوتی گئی ویسے ہی مکہ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھتی گئی۔ جیسے ہی کسی مقتول کی خالی سواری اپنے گھر، اپنے خاندان میں پہنچتی تو سارا گھرانہ، سارا خاندان اس کے گرد جمع ہو جاتا اور واصل جہنم مقتول کا نام لے لے کر گریہ زاری کی جاتی۔ ہر خاندان سے کوئی نہ کوئی جنگ بدر میں قتل ہوا تھا اور ویسے بھی اہل مکہ ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہی تھے اس لیے اس تباہ کن، عبرتناک شکست سے مکہ کا ہر فرد متاثر ہوا، ہر فرد اس کی لپیٹ میں آیا تھا۔

اہل مکہ کو جونہی اپنے عزیز واقارب کے مقتول ہونے کے اطلاعات ملیں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ ہر طرف سے گریہ وزاری، آہ وفغان کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دلدوز اور جگر سوز چیخوں نے مکہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا دیا۔ عورتوں نے اپنے سروں کے بال منڈوا دیئے اپنے مقتول عزیز کی سواری کے جانور کو لے آتیں اور اس کے اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑی ہو جاتیں اور سینہ کوبی کرتیں۔ پھر اس جانور کو (گھوڑا ہوتا یا اونٹ) لے کر گلیوں میں گھومتیں اور نوحہ وفریاد کرتیں۔ بالوں کو نوچتیں منہ پر طمانچے مارتیں۔ سینہ کوبی کرتیں اور گریباں پھاڑ ڈالتیں۔ یہ شرمناک سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 103)

رنج والم وعداوت میں انہوں نے ان گھوڑوں اور اونٹوں کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ سب قیمتی جانور تڑپ تڑپ کر بھوکے پیاسے ہلاک ہو گئے۔ سارے مکہ میں ایک ماہ تک لگاتار ماتم گریہ وزاری نوحہ وسینہ کوبی ہوتی رہی اور ان کا غم ہلکا نہ ہوا۔ ایک ماہ بعد انہیں ہوش آیا کہ ہماری اس گریہ وزاری، ماتم اور نوحہ گری سے تو مسلمان خوش ہو رہے ہوں گے اس لیے ہمیں ایسی حرکتوں سے باز آ جانا چاہئے جن سے ہمارے دشمنوں کو خوشی ہو۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ آج کے بعد کوئی بھی اپنے مقتول پر آہ وفغان نہیں کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے وہ کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ ورنہ مسلمان ان سے گراں بہا فدیہ ادا کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ انہوں نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ تم اپنے اسیروں کو بالکل فراموش کر دو۔ مسلمان کب تک ان کے خورد ونوش کا بوجھ اٹھائیں گے تنگ آ کر خود بخود انہیں رہا کر دیں گے۔

ایک بوڑھے اور خبیث مشرک اسود بن مطلب کے دو جواں لڑکے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ اس جنگ میں مارے گئے تھے وہ رو رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ قوم کے اجتماعی فیصلہ کے باعث وہ اس بات کا پابند تھا کہ اپنے قلبی حزن وملال کا کسی طرح اظہار نہ کرے۔ اس کا غم ابھی تک ہلکا نہ ہوا تھا اور وہ مزید آہ وبکا کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ایک رات کسی رونے والی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے یہ سن کر فوراً اپنے غلام کو آواز دی اور کہا کہ جاؤ اور معلوم کرو کہ کیا قریش نے اپنے مقتولوں پر آہ وبکا کی، رونے پیٹنے کی اجازت دے دی ہے۔ تاکہ میں بھی رو پیٹ کر اپنے بیٹے ابوحکیمہ (زمعہ) کے قتل کے غم کو ہلکا کر سکوں۔

غلام دوڑا ہوا گیا اور واپس آ کر اس نے اپنے مالک کو بتایا کہ وہ تو ایک عورت رو رہی تھی جس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ یہ سن کر اسود بن مطلب کے زخم خوردہ دل میں جذبات کا طوفان برپا ہو گیا اور فی البدیہہ اس نے یہ شعر نظم کیے۔

1- ''وہ اس بات پر رو رہی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور بے خوابی اسے سونے نہیں دیتی۔''

2- ''اسے کہو کہ اونٹ کے گم ہونے پر نہ روئے اور اگر رونا ہے تو سانحہ بدر پر روئے جب ہماری قسمتوں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا تھا۔''

3- ''اگر تم رونا چاہتی ہو تو عقیل اور حارث کے قتل پر روؤ۔ جو شیروں کے شیر تھے۔''

4- ''ان سب پر روؤ لیکن ان سب پر فخر نہ کرو۔ ابی حکیمہ (اس کے بیٹے زمعہ کی کنیت) کا تو کوئی ہمسر ہے ہی نہیں۔''

5- ''اب ایسے لوگ ہمارے سردار بن گئے ہیں کہ اگر جنگ بدر کا حادثہ پیش نہ آتا تو وہ ہرگز سردار نہ بن سکتے۔'' (یہ ابوسفیان کی طرف اشارہ ہے)

6- اے رونے والی! اونٹ کا تو بہانہ ہے۔ میری طرح تمہارا ابھی غم ہلکا نہیں ہوا۔ اصل میں تو تو اہل بدر پر ہی رو رہی ہے۔

اسود بن مطلب بہت ہی بدفطرت، بدطینت مشرک تھا۔ وہ اس ٹولے میں سے تھا جو وقتاً فوقتاً حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو ستایا کرتے تھے اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اسود بن مطلب اور

اس کے ساتھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتے تو ان پر دل کھول کر طنز کرتے اور اکثر اوقات انہیں دیکھ کر آپس میں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنا کر) کہتے کہ لیجئے آپ کے پاس روئے زمین کے بادشاہ آ گئے ہیں۔ یہ جلد ہی شاہان قیصر و کسریٰ کو مغلوب کر لیں گے اور ان پر حکومت کریں گے۔ اس کے بعد وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ (فقہ السیرۃ صفحہ 84)

ایک دفعہ اسود کی اذیت رسانیوں سے تنگ آ کر حضور پُر نور، مخبر صادق عالم خفا و غیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود بن مطلب کو فرمایا:

اگر تم اسی طرح عقل کے اندھے رہو گے تو نظر کے، آنکھ کے اندھے بھی ہو جاؤ گے اور اپنے بیٹوں کی موت پر رویا کرو گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کے اس فرمان کو قبول فرمایا۔ پہلے اسود بن مطلب کی آنکھیں بینائی سے محروم کر دی گئیں اور جنگ بدر میں اسے اپنے تین جواں سال بچوں کے قتل ہونے پر ماتم کرنا پڑا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 310..... سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 103)

ابولہب کی ہلاکت

جنگ بدر میں ان کی رسوا کن شکست پر ابھی ایک ہفتہ بھی بمشکل گزرا تھا کہ اللہ کے عذاب نے ابولہب کو آ پکڑا۔ طاعون کی گلٹی جیسی ایک خطرناک پھنسی نکل آئی جسے عرب بہت منحوس سمجھتے تھے۔ اور اس سے بہت خوفزدہ رہتے تھے ان کے نزدیک یہ ایک متعدی (دوسروں کو لگ جانے والی) بیماری تھی۔

جب ابولہب کے بیٹوں کو پتہ چلا کہ ان کے باپ کو یہ خطرناک اور منحوس پھنسی نکل آئی ہے تو انہوں نے اس کے پاس آنا جانا ترک کر دیا۔ چنانچہ وہ تنہا اس کی اذیت اور درد سے کئی روز تک تڑپتا رہا اور بیکسی اور کسمپرسی کی موت مر گیا۔ تین دن تک اس کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ مکہ کے اس رئیس اعظم کو دفن کرنے کی بھی کسی نے زحمت گوارا نہ کی۔ جب اس کی لاش پھول کر پھٹ گئی تو اس کی بدبو سے سارے اہل محلہ کے دماغ پھٹنے لگے۔

امام بیہقی دلائل النبوت میں لکھتے ہیں ایک شخص نے اس کے بیٹوں کے پاس آ کر انہیں ملامت کی کہ بدبختو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے باپ کی لاش سے بدبو آ رہی ہے اور تم اسے دفن بھی نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ بیماری ہمیں بھی نہ لگ جائے۔

بدنامی کے خوف سے اس کے بیٹے آئے لکڑیوں سے اس کے سڑے لاشے کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس گڑھے سے دور کھڑے ہو کر پتھر پھینک کر اس کو بھر دیا۔

(دلائل النبوۃ جلد 3 صفحہ 146..... البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 309، 310)

یونس بن بکیر کہتے ہیں کہ اس کو دبانے کے لیے گڑھا بھی کسی نے نہیں کھودا بلکہ ایک دیوار کے سہارے اس کی لاش کو لگا دیا گیا اور دیوار کے پیچھے سے اس پر پتھر پھینک کر اسے آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا۔

"تبت یدآ ابی لھب وتب" کا فرمان الٰہی کس طرح پورا ہوا ساری دنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ گستاخ بارگاہ رسالت کا انجام کتنا عبرتناک اور اذیت ناک ہوتا ہے۔ ان بدبختوں کو گور و کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ان کی ہلاکت پر کسی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکتا۔ بیگانے تو ہوئے بیگانے، ان کے فرزند بھی ان کی قبروں پر ایک مشت مٹی ڈالنے کے روادار نہیں ہوتے۔

اموالِ غنیمت

مستشرقین اور امت مسلمہ کے بدخواہوں کے لغو اور بیہودہ اعتراضات کے رد میں اصل بیان سے پہلے اس موضوع سے متعلق دو صفحہ لکھ دیئے ہیں تاکہ ہمارے کمزور ایمان والے لوگ ان کے بہکاوے میں نہ آئیں اور امت مسلمہ کا بھلا ہو۔ اس سے پہلے اس باب کے شروع میں جہاد و مالِ غنیمت پر بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

مالِ غنیمت کا حصول کبھی بھی مسلمانوں کی جہادی سرگرمیوں کا مطمح نظر (اصل مقصد) نہیں رہا۔ تصور جہاد، جنگ برائے جنگ کے ہر تصور کی نفی کرتا ہے۔ عقل سلیم بھی یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ اسلام جیسے دین رحمت کے پیروکار کسی قسم کی لوٹ مار میں بھی ملوث ہو سکتے ہیں یا مالِ غنیمت کے لالچ میں وہ کسی کمزور فرد یا قبیلے کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔

ان سے متعلق جتنے بھی واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں وہ مسلمانوں کے کردار کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ جس غیر تحریری ضابطہ اخلاق پر حالت جنگ میں بھی مسلمان عمل پیرا رہے آج کا نام نہاد "مہذب دور" زمانہ امن میں بھی شرف انسانی کی پاسداری اور کردار کی اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتا، جو ہادیٔ برحق ﷺ کے پیروکاروں کے کردار کا امتیازی وصف ہے۔

انسان کے اندر مال و دولت کی محبت کا موجود ہونا ایک فطری امر ہے۔ بے نیازی کی کیفیات اور جذبات، تہذیب نفس کے بعد ایک عرصہ میں شخصیت کا حصہ بنتے ہیں۔ قطرے کو گہر بننے تک ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ حرص، لالچ اور طمع سے نجات تربیت کی بھٹی میں سے گزرے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ تعلیمات اسلامی انسانی مزاج کے مطابق بتدریج نیکی کا جذبہ انسان کے اندر سے ابھارتی ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ فرد کے ظاہر و باطن میں روشنیوں کا اہتمام مرحلہ وار کرتا ہے تاکہ فرد کی شخصیت میں نکھار ہی پیدا نہ ہو بلکہ یہ نکھار دیرپا بھی ہو۔ اور اس کی لحد کو بھی کردار کی روشنی سے منور کرنے کا ضامن ہو۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے طمع، لالچ اور حرص کی مختلف کیفیات کو مختلف اوقات اور مختلف پیراؤں

میں بیان فرمایا۔ مالِ غنیمت کو اگر چہ جائز قرار دیا گیا لیکن لالچ، طمع اور حرص کے خاتمے کے لیے مالِ غنیمت کے حصول کی حوصلہ شکنی کی گئی۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی نمود ونمائش کے لیے جہاد میں شرکت کرتا ہے، اور کوئی مالِ غنیمت کے حصول کے لیے میدان جنگ میں زور آزمائی کرتا ہے، آخر کس کا جہاد اللہ کی راہ میں مقبول ہوگا؟ پیغمبر اوّل و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم معلم اعظم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرے وہی درحقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔'' (صحیح البخاری، جلد 1: صفحہ 394، صحیح مسلم، جلد 2: صفحہ 139)

سیم وزر سے محبت اور مالِ غنیمت کی رغبت کو دیکھ کر قرآن حکیم نے اس ناروا سوچ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''تم میں سے کوئی دنیا کا خواہشمند تھا اور تم میں سے کوئی آخرت کا طلب گار تھا۔''

(سورۃ آل عمران آیت 152)

جہاد میں مالِ غنیمت کا حصول ایک ضمنی سی بات ہے، مالِ غنیمت کا حصول جہاد کا کبھی بھی مقصود نہیں رہا۔ حضورِ انور ﷺ نے ہر مرحلہ پر اپنے ساتھیوں کی اصلاح فرمائی۔ تاکہ ان کی توجہ جہاد فی سبیل اللہ کے ایمان افروز جذبہ کی طرف مبذول رہے۔ نظریں مقصود پر ہونی چاہئیں پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اضافی طور پر جو عنایت فرمادے اس پر سجدہ شکر بجالانا چاہئے۔

ارشاد نبوی ہے:

''جو لشکر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا ہے اور مالِ غنیمت حاصل کر لیتا ہے اسے اجر آخرت کا دو تہائی حصہ مل جاتا ہے اور اس کا صرف ایک تہائی اجر رہ جاتا ہے اور اگر اس کو مالِ غنیمت نہ ملے تو ان کا مکمل اجر ہوتا ہے۔'' (صحیح مسلم، جلد 2: صفحہ 140)

پہلی امتوں کے لیے غنیمت حلال نہ تھی۔ مالِ غنیمت کے بارے میں ان کے لیے اللہ، رب العالمین کا یہ حکم تھا کہ جب کسی کو غنیمت حاصل ہو جائیں تو وہ بے جان مال و متاع کو ایک کھلے میدان میں اکٹھا کردیں اور اس سے دور ہو جائیں۔ پھر اس جمع کردہ مالِ غنیمت پر آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی اور وہ آگ اسے جلا کر راکھ کردیتی تھی۔

اسلام سے پہلے اہل عرب کسی قانون اور ضابطہ کے پابند نہ تھے ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں، ان کے لاابالی مزاجوں سے وابستہ تھیں صلح و جنگ کے رسم ورواج میں عدم وانصاف کے علاوہ قوت اور دھاندلی کا دور دورہ تھا۔

دور جاہلیت میں درج ذیل ضابطہ تھا لیکن اس پر عمل شاید ہی کوئی کوئی نے کیا ہو یا کرتا ہو۔

جاہلیت کے زمانے میں جب سردار خود لشکر کے ساتھ ہوتا تھا اور اپنے حصہ سے زائد کوئی چیز چھانٹ لیتا تھا تو اس کو ''مرباع'' کہتے تھے۔ یہ لفظ ربع یعنی چوتھائی سے ۃ بنا ہے کہ موجود سردار مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ لے لیتا تھا۔

اس کے علاوہ ''صفایا'' یا ''صفی'' ہوتے تھے۔ صفی وہ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار اپنے اختیار کے تحت مالِ غنیمت میں سے چن لیتا تھا۔

اسی طرح ایک تیسری چیز ''نشیطہ'' ہوتی تھی۔ نشیطہ اس مال کو کہتے ہیں جو لشکر کو اس کی اصل منزل اور مقصد تک پہنچنے سے پہلے راستے میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح قوم کے سردار یا لشکر کے سردار کے لیے ایک چوتھی چیز ہوتی تھی جو صرف اسی کا حق سمجھی جاتی تھی اور اس کو ''نقیعہ'' کہتے ہیں۔ نقیعہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے چھانٹ کر ذبح کرتا تھا اور اس سے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ (کتاب شرح حماسہ از علامہ تبریزی)

اسلام نے یک لخت ان کی اس بے راہروی کو قانون کا پابند نہیں کر دیا بلکہ آہستہ آہستہ ضرورت احکام نافذ کئے اس طرح وہ قوم جو ابھی چند سال پہلے انانیت اور سرکشی میں ضرب المثل تھی نظم وضبط کی علمبردار بن گئی۔

بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

جب نصرت ربانی سے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں نے کفار کی غرور و نخوت کو خاک میں ملا دیا اور ان کا لشکر جرار اپنے ستر سورماؤں کے لاشے اور ستر اسیر اور بہت سا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگا تو کچھ مسلمان دور تک ان کے تعاقب میں چلے گئے اور بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا۔

حضور پُرنور رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنی فوج کے ساتھ تین دن بدر میں قیام کیا اور معرکہ کے مقام سے کوچ کرنے سے قبل، فوج میں غنائم کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔

جن لوگوں نے شکست کے بعد دشمن کا تعاقب کیا۔ انہوں نے دوسروں کو کہا ہم نے دشمن کو تم سے غافل رکھا۔ اور تم نے غنائم حاصل کر لیں۔ اور اسی طرح کمان کے محافظ دستے نے کہا تم اس کے ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو۔ ہم نے اس وقت سامان لینا چاہا جب اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن ہم ڈر گئے کہ حضورِ انور، رسول اللہ ﷺ پر حملہ نہ ہو جائے۔ پس ہم آپ کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔

اور جن لوگوں نے غنائم جمع کیں وہ کہنے لگے یہ ہماری ہیں کیونکہ ہم نے ان پر قبضہ کر لیا ہے۔ جب اختلاف بڑھ گیا تو رہبر کائنات، حبیب خدا رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حکم دیا کہ سب سامان واپس کر دیا

جائے تاکہ وہ اس کے متعلق غور کریں۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کیسے کیا جائے۔ کیا عرب کے پرانے رسم ورواج کے مطابق جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ لے کر چلتا بنے اور دوسرے منہ تکتے رہ جائیں یا اسلام اس کے متعلق بھی کوئی واضح ہدایت دے کر ہمیشہ کے لیے اس گڑبڑ کو ختم کردینا چاہتا ہے۔

اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے متعلق سورہ انفال کی آیت 1 نازل فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اے محبوب! تم سے غنیمتوں کا پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں صلح صفائی رکھو۔ اور اللہ اور رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔''

(سورہ انفال آیت 1)

''یہ فرما کر کہ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے، قرآن حکیم نے اس ساری آوارگی کو ہی ختم کردیا کہ میدان جنگ میں ہاتھ آنے والا ساز وسامان افراد کی ملکیت ہی نہیں کہ اس کی بٹائی میں ایک دوسرے سے جھگڑا شروع کریں۔ بلکہ اس کا مالک تو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کا رسول مقبول ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول اپنے مالک کے حکم سے جس طرح چاہے تقسیم فرما دے کسی کو اعتراض کا حق ہی نہیں۔

حضرت ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا یہ آیت انفال کب نازل ہوئی؟

''حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہم بدریوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جب ہم نے مالِ غنیمت کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا اور اس میں ہمارے اخلاق میں خرابی پیدا ہوئی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے ہمارے اختیار سے نکال کر اپنے رسول کے حوالے کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برابر طور پر سب میں تقسیم فرمایا۔''

فتح کے پیغامبروں (حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما) کو بھیجنے کے بعد حضورِ انورِ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم خود میدان بدر سے مدینہ واپسی کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفراء کی گھاٹی میں پہنچے تو وہاں آپ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ اس مال میں ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے تھے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان ہتھیار، کپڑے اور بے شمار کھالیں اور اون وغیرہ تھی جو مشرک اپنے ساتھ تجارت کے لیے لے کر آئے تھے۔

آپ ﷺ کے ہمراہ مشرک قیدی بھی تھے اور مشرکین سے حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت بھی، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی سونپی تھی۔ جب آپ ﷺ وادی صفراء کے درے سے باہر نکلے تو درے اور نلزیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا۔ اور وہیں خمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کر کے باقی مالِ غنیمت مسلمانوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا۔

اس تقسیم کے وقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا:

''جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کے جسم کا سامان اسی کو ملے گا اور جس نے جس شخص کو گرفتار کیا وہ قیدی اسی کا ہے۔''

جیسا کہ بیان ہوا، غالباً یہ اعلان حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی طرف سے دو مرتبہ کرایا گیا۔ ایک مرتبہ جنگ کے وقت تاکہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب ہو اور دوسری مرتبہ مالِ غنیمت تقسیم کئے جانے کے وقت یہی اعلان دہرایا گیا۔

چنانچہ مرنے والوں کے جسموں کے ساز و سامان اور قیدیوں کے علاوہ جو مال بچا وہ مسلمانوں میں برابر تقسیم کیا گیا۔

(مسند احمد جلد 5 صفحہ 323، 324 ...... حاکم، مستدرک جلد 2 صفحہ 326 ...... السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 472)

البتہ علماء سیرت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا ان اموال سے خمس نکالا گیا یا نہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس وقت تک وہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس میں خمس نکالنے کا حکم ہے۔ اس لیے خمس نکالے بغیر یہ اموال غنیمت تمام مجاہدین میں مساوی طور پر تقسیم کر دیئے گئے لیکن علامہ ابن کثیر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ان اموال سے پہلے خمس نکالا گیا پھر بقیہ اموال کو برابر تقسیم کیا گیا۔

شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے وہ لکھتے ہیں:

''یعنی میں اس قول کو ترجیح دیتا ہوں جو حافظ ابن کثیر نے پسند کیا ہے۔'' (خاتم النبیین جلد 2 صفحہ 652)

مالِ غنیمت میں سے صرف ان مجاہدین کو ہی حصہ نہیں دیا گیا جنہوں نے عملی طور پر جنگ میں شمولیت کی تھی بلکہ ان حضرات کو بھی حصہ دیا گیا جن کو کسی اہم فریضہ کے انجام دینے کے لیے کسی دوسری جگہ متعین فرمایا تھا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے پہلے حضور پُرنور نبی اکرم ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کے قافلہ اور قریش مکہ کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وہ تعمیل ارشاد کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے تو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اس وقت بدر کے لیے تشریف لے جا چکے تھے۔ یہ دونوں حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ان کی ملاقات

اس وقت ہوئی جب حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بدر میں فتح مبین حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے۔ ان دو صاحبان نے اگرچہ جنگ میں عملی طور پر شرکت نہیں کی تھی لیکن انہیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا گیا۔

اسی طرح بسبس بن عمر اور عدی بن الزغباء جو بنی جہم قبیلہ کے فرد تھے، ان کو بھی دشمن کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا گیا۔ کیونکہ رحمت دو عالم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے سلسلہ میں بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو آپ نے وہاں کا قائم مقام والی مقرر کیا۔ انہیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا گیا۔ قبا اور العالیہ کے علاقہ کے انتظام کے لیے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ انہیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

الروحاء کے مقام پر خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ اس طرح حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کو بھی چوٹ لگی انہیں بھی علاج کے لیے واپس بھیجا ان دونوں کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ ملا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ میں عملی طور پر شرکت نہیں کی لیکن حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم سرکار دو عالم ﷺ کے احکام کی تعمیل میں مصروف تھے اس لیے نہ صرف انہیں مالِ غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا گیا بلکہ ان سب کو جہاد کے اجر وثواب کی بھی بشارت دی گئی۔ (انساب الاشراف جلد 1 صفحہ 288، 289)

اسیرانِ جنگ کا فدیہ

اہل مدینہ کی غالب اکثریت لکھنے پڑھنے سے بے بہرہ تھی گنتی کے صرف چند آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان اسیرانِ جنگ میں سے جو لوگ مفلس تھے اور فدیہ کی رقم ادا کرنے سے قاصر تھے۔ لیکن کچھ پڑھے لکھے تھے ان سے علم کی روشنی پھیلانے کا کام لیا گیا۔

علم روشنی ہے اور اسلام روشنی کی ہر تفہیم و ہر شکل کا مظہر ہے۔ غار حرا کی تاریکیوں میں بھی یہی روشنی اتری تھی۔ اور بدر کے قیدیوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت بھی علم کی اسی روشنی کا فروغ، بصیرت نبوی ﷺ کے پیش نظر تھا۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن فدیہ کی رقم ادا کرنے سے قاصر تھے حضورِ انور نبی، علم پرور معلم اعظم ﷺ نے اپنی علم پروری کا ثبوت یوں دیا کہ ارشاد فرمایا: جو قیدی دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ جب کوئی قیدی اس شرط کو پورا کر دیتا، دس بچوں کو اچھی طرح لکھنے پڑھنے کے قابل بنا دیتا

تو اسے فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا جاتا۔

امام ابن سعد الطبقات میں روایت بیان کرتے ہیں:

''اسیران بدر کا فدیہ چالیس چالیس اوقیہ تھا جس کے پاس فدیہ نہ تھا اس نے دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان سیکھنے والوں میں سے ایک تھے۔'' (الطبقات لابن سعد، جلد 2: صفحہ 22)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''بدر کے روز جن قیدیوں کے پاس فدیہ نہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جو فدیہ مقرر فرمایا وہ یہ تھا کہ وہ (قیدی) انصار کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔'' (مسند احمد، جلد 1: صفحہ 247)

اور جو لوگ فدیہ کی رقم ادا کرنے سے عاجز تھے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

1- ابوالعاص بن الربیع حضرت زینب نے ان کے فدیہ کے لیے اپنا سونے کا ہار بھیجا تھا جو انہیں واپس کر دیا گیا اور ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا۔ ان کا تعلق بنی عبد شمس سے تھا۔

2- بنومخزوم سے مطلب بن حنطب اسے بھی بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیا۔

3- صیفی بن ابی رفاعہ

4- ابوعزہ

5- عمرو بن عبداللہ یہ مفلس تھا۔ اور بہت سی بچیوں کا باپ تھا اس نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں میں محتاج بھی ہوں اور عیالدار بھی ہوں مجھ پر احسان فرمایئے۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزاد فرما دیا۔ اور اس سے صرف یہ وعدہ لیا کہ وہ اسلام کے دشمنوں کی امداد نہیں کرے گا۔

اس نے حضور کی توصیف میں ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر آپ بھی پڑھیے اور لطف اٹھایئے۔

''کون ہے جو میری طرف سے اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام پہنچائے کہ آپ برحق ہیں اور آپ کا مالک ساری تعریفوں سے موصوف ہے۔ آپ وہ شخص ہیں جو حق اور ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ گواہ ہے جو بہت بڑا ہے۔''

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کا فدیہ

حضرت عباس بن عبدالمطلب حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کا شمار مکہ کے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔ آپ بھی اسیران بدر میں شامل تھے۔ بحیثیت قیدی ان سے بھی فدیہ وصول کیا گیا۔ ابن کثیر کے بیان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی وجہ سے

ان کا فدیہ معاف کرنے کی تجویز پیش کی، جسے پیغمبر اول و آخر و اعظم، پیغمبر عدل و مساوات ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔ غزوۂ بدر میں اور غزوۂ بدر کے بعد قدم قدم پر دنیاوی رشتوں پر روحانی، مذہبی نظریاتی رشتوں کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ فاتح فوج کے سپہ سالار اعظم ﷺ کے چچا بھی عام قیدیوں میں شامل ہیں اور عام قیدیوں کی طرح ان سے بھی فدیہ لے کر انہیں رہا کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے فدیے کی رقم کے علاوہ اپنے دونوں بھائیوں اور اپنے حلیف کا فدیہ بھی ادا کیا جس کی مقدار سو اوقیے تھی۔

امام بخاری، امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض انصار نے درخواست کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو ہم آپ ﷺ کے چچا عباس کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہم انہیں ایک درہم بھی معاف نہیں کریں گے۔ فدیہ کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہ تھی۔ ہر شخص سے حسب حیثیت فدیہ لیا جاتا تھا۔ کسی سے چار ہزار درہم۔ کسی سے دو ہزار درہم۔ کسی سے صرف ایک ہزار درہم نادار لوگوں سے کچھ بھی نہیں لیا گیا۔ بلاعوض انہیں رہا کر دیا گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 105)

حضرت عباس کو کہا گیا کہ آپ بھی آزاد ہونا چاہتے ہیں تو چار سو درہم فدیہ ادا کیجئے اور آزاد ہو جائیے۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس اتنا مال نہیں کہ میں اس قدر فدیہ ادا کر سکوں۔ حضور پُر نور، عالم خفا و غیوب، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا: چچا جان وہ مال کدھر گیا جو آپ نے میری چچی ام الفضل کے ساتھ مل کر زمین میں دفن کر دیا تھا؟ اور میری چچی کو کہا تھا کہ اگر میں میدان جنگ میں مارا جاؤں تو یہ مال میرے بچوں۔ فضل، عبداللہ، اور قثم کے حوالے کر دینا۔

دلوں کے پوشیدہ مناظر دیکھ لینے والے نبی برحق ﷺ کا یہ فرمان سن کر وہ ششدر رہ گئے۔ کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ان کی بیوی کے سوا کسی تیسرے آدمی کو نہ تھا۔ یوم بدر پر مسلمانوں نے ان کے قبضہ سے چالیس اوقیے لیے تھے۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور یہ سونا یا رقم وہ تھی جو حضرت عباس لشکر کفار پر خرچ کرنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے جس میں سے وہ کچھ خرچ نہ کر سکے وہ ان سے لے لیا گیا۔ انہوں نے یہ رقم فدیے میں سے منہا کرانا چاہی۔ لیکن حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے چالیس اوقیے مال غنیمت تھا اس کا فدیہ کی رقم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 105) (تاریخ طبری، جلد 2: صفحہ 290)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے مہنگا فدیہ حضرت عباس سے لیا گیا انہوں نے سو اوقیہ سونا بطور فدیہ ادا کیا۔

روز بدر نوفل بھی قیدی بنا لیا گیا تھا۔ جب فدیہ کا وقت آیا تو حضور پُر نور، عالم خفا و غیوب، مخبر صادق ﷺ نے اسے فرمایا:

”جدہ میں تمہارے جو نیزے رکھے ہیں وہ فدیہ کے طور پر دے دو۔ ہم تمہیں آزاد کر دیں گے۔ نوفل یہ سن کر ہکا بکا ہوگیا کہنے لگا اس بات کا علم میرے سوا کسی اور کو نہ تھا۔ آپ (ﷺ) کو اس راز کا علم ہے میں یہ جان کر گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جدہ میں ان کے ایک ہزار نیزے تھے وہ سب انہوں نے بطور فدیہ دے دیئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 105)

ان جنگی قیدیوں میں ابوسفیان کا بیٹا عمرو بھی تھا۔ مشرکین اہل مکہ نے ابوسفیان کو کہا کہ لوگ اپنے عزیزوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کرا رہے ہیں۔ تم بھی اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو۔ تا کہ اسے رہائی مل جائے۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ حنظلہ کا خون بھی بہا، اب میں انہیں مال بھی بطور فدیہ دوں یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ عمرو کو ان کے پاس ہی اسیر رہنے دو۔ وہ اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جب وہ اس سے تنگ آئیں گے تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔

اتفاق یہ ہوا کہ انہیں دنوں سعد بن نعمان الانصاری رضی اللہ عنہ مع اپنی بیوی کے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ انہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی انہیں اسیر بنالے گا۔ مدینہ طیبہ کے نواح میں نقیع نام کی ایک بستی ہے اپنے ریوڑ سمیت حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہاں قیام پذیر تھے۔ وہاں لوگوں نے انہیں بتایا کہ قریش مکہ کسی ایسے شخص سے تعرض نہیں کرتے جو عمرہ یا حج ادا کرنے کے لیے وہاں جاتا ہے۔

جب یہ دونوں مکہ پہنچے تو ابوسفیان نے ان کو اپنا قیدی بنالیا اور اپنے بیٹے عمرو کے بدلے میں اسے محبوس کرلیا۔ جب ان کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کو پتہ چلا کہ ان کے قبیلہ کے ایک فرد سعد بن نعمان رضی اللہ عنہ کو بمع اہل و عیال ابوسفیان نے اپنا قیدی بنالیا ہے۔ تو انہوں نے حضور پُرنور سرور کائنات ﷺ کو یہ اطلاع دی اور عرض کی کہ حضور ﷺ ہمیں عمرو بن ابی سفیان دیں۔ تا کہ اس کے بدلے میں ہم سعد بن نعمان اور اس کے اہل وعیال کو چھڑا سکیں۔ حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی اس گزارش کو شرف قبولیت بخشا۔ چنانچہ عمرو کو ابوسفیان کے حوالے کیا گیا جس کے بدلہ میں سعد کو آزاد کرالیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 108)

اسیران جنگ میں ایک قیدی ابووداعہ بن ضبیرہ السہمی بھی تھا۔ حضور پُرنور عالم خفا و غیوب، مخبر صادق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا لڑکا بڑا زیرک اور مالدار ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ کا فدیہ ادا کرنے کے لیے آیا چاہتا ہے۔

جب قریش نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہا کرانے میں جلدی نہیں کریں گے۔ تو اس کے بیٹے نے ان کی تائید کی اور کہا کہ تم فدیہ ادا کرنے میں ہرگز جلدی نہ کرنا۔ انہیں تو یہ کہا اور خود وہاں سے کھسک آیا اور مدینہ جا پہنچا۔ اور چار ہزار درہم فدیہ دے کر اپنے باپ کو آزاد کرا کے اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ پہلا قیدی تھا جسے فدیہ لے کر مسلمانوں نے آزاد کیا۔ فتح مکہ کے دن یہ مشرف بہ

اسلام ہو گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 106)

ابوالعاص دامادفخر کائنات

اسیران جنگ میں حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھا۔ یہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا شوہر تھا۔

ابوالعاص حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا داماد ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کا بیٹا بھی تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص اوراس کے بھائی عمرو کا تاوان جنگ ادا کرنے کے لیے اپنا وہ ہار بھیجا جوان کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کوان کی رخصتی کے وقت پہنایا تھا۔

حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو پہچان لیا۔ اسے دیکھ کر حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر شدید رقت طاری ہوگئی۔ فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو میری لخت جگر، زینب کے قیدی کو آزاد کردو اور بطور فدیہ یہ جو ہار زینب نے بھیجا ہے وہ بھی واپس کردو تو بہت بہتر ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی آپ ﷺ کا ارشاد ہمارے سرآنکھوں پر۔ چنانچہ انہوں نے ہار بھی واپس کردیا اوران کے قیدیوں کو بلامعاوضہ رہا کردیا۔

کچھ روایات میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ ہجرت نہ کرسکی تھیں۔ انہوں نے ابوالعاص کے فدیے کے طور پر وہ ہار بھیجا جوانہیں شادی پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تحفتاً دیا تھا۔ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت کے ایام یاد آگئے۔ اعلان نبوت کے بعد کفار کی چیرہ دستیوں کا جس طرح مقابلہ کیا تھا وہ سارے مناظر نظروں میں گھوم گئے۔ اسلام کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قربانیاں پھر سے نظر کے سامنے آگئیں۔ آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ چشمان مقدس اشکبار ہوگئیں۔ پلکوں پر آنسوؤں کی جھالر لگ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے مسلمانو! اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے اسیر کو رہا کردو اور ہار بھی واپس کردو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بخوشی وہ ہار واپس کر کے اپنے آقا ﷺ کی رضا کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ابوالعاص سے عہد لیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دے گا۔ بعد میں ابوالعاص نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تجدید کردی گئی ایک دوسری روایت کے مطابق سابقہ نکاح ہی بحال رہا۔ (تاریخ طبری، جلد 2: صفحہ 291)

سرکار دوعالم ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی صاحبزادی کو مدینہ طیبہ روانہ کردے گا۔ جب وہ چلا گیا تو حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ مکہ جائیں اور بطن یاجج میں رک جائیں۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے پاس سے

گزریں تو ان کو ہمراہ لے کر میرے پاس پہنچا دیں۔ اپنے آقا کے فرمان کو بجالانے کے لیے دونوں روانہ ہو گئے۔ ابو العاص جب مکہ پہنچا تو اس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کہا کہ وہ مدینہ اپنے والد ماجد کے پاس جا سکتی ہیں۔

علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ابو العاص بن ربیع، حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہالہ کا بیٹا تھا۔ انہوں نے حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ میری یہ خواہش ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بیٹی زینب کا رشتہ میرے بھانجے ابو العاص کو عطا فرمائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفا شعار رفیقہ حیات کی بات ٹالا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہ رشتہ دینا منظور کر لیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ابو العاص کو اپنے فرزند کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے اس محبوب بندے کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا تو حضرت خدیجہ اور آپ کی ساری صاحبزادیاں حضور پر ایمان لے آئیں۔ لیکن ابو العاص اپنے آبائی عقیدہ پر قائم رہا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ یا ام کلثوم کی شادی اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دی۔ مگر رخصتی نہ فرمائی۔ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین شروع کی تو مکہ کے رؤساء جو پہلے حضور پر سو جان سے فدا تھے۔ وہ خون کے پیاسے بن گئے۔

انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ تم لوگوں نے ان کی بچیوں کے رشتے لے کر انہیں اس فکر سے آزاد کر دیا ہے۔ اور اب وہ فارغ ہو کر تمہارے بتوں کی بیخ کنی میں لگ گئے ہیں۔ ان کی بیٹیوں کو طلاق دے کر ان کے گھر میں بٹھا دو جب وہ اپنی جواں بیٹیوں کو اپنے گھر اجڑ کر بیٹھے ہوئے دیکھیں گے تو خود ہی ان کا دماغ درست ہو جائے گا۔ اور ہمارے عقیدہ کے خلاف جو مہم انہوں نے شدت سے شروع کر رکھی ہے وہ ماند پڑ جائے گی۔

چنانچہ ان کا ایک وفد ابو العاص کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تم زینب دختر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طلاق دے دو۔ اس کے بدلے میں خاندان قریش کی جس دوشیزہ کے رشتہ کا تم مطالبہ کرو گے اس کے ساتھ تمہارا عقد زواج کر دیا جائے گا۔ اس نے دوٹوک جواب دیا کہ میں اپنی رفیقہ حیات کو کسی قیمت پر جدا کرنے کے لیے تیار نہیں اور نہ مجھے اس کے عوض کوئی دوسرا رشتہ پسند ہے۔ حضور پُرنور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس جواب پر اس کی تعریف فرمایا کرتے۔

پھر وہ وفد عتبہ بن ابی لہب کے پاس گیا اور یہی پیشکش اس کے سامنے پیش کی۔ عتبہ نے کہا کہ اگر تم مجھے ابان بن سعید بن العاص یا سعید بن عاصم کی لڑکی کا رشتہ دو تو میں اپنی زوجہ دختر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طلاق دینے کے

لیے تیار ہوں۔ چنانچہ اس بد بخت نے طلاق دے دی۔ اور اس کا عقد نکاح سعید بن عاصم کی بیٹی سے کر دیا گیا۔

ابھی اس دختر نیک اختر کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی لخت جگر کو ان کے سنگدل مشرک سسرال کے چنگل سے رہائی کا سامان فرما دیا۔

اس وقت تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مومن کی بچی کا نکاح مشرک سے نہیں ہوسکتا۔ یہ حکم 6 ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ 2 ہجری میں واقعہ بدر رونما ہوا۔ جس میں یہ ابوالعاص جنگی قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ آیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مکہ سے روانہ ہونے کی تیاری کر رہی تھی تو ہند بنت عتبہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے میرے چچا کی بیٹی! اگر تجھے ذرا سفر کے طور پر کسی چیز کی ضرورت ہو یا اثنائے سفر کوئی رقم درکار ہو تو ذرا نہ شرماؤ۔ مجھے چپکے سے بتادو میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گی۔ آپ کہتی ہیں کہ اس کی پیشکش سچی تھی۔ وہ اس سے مجھ کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اس کے سامنے اس راز کو فاش کرنا مناسب نہ سمجھا اور بات کو ٹال دیا۔

جب آپ نے تیاری مکمل کر لی تو ان کے خاوند کا بھائی کنانہ بن ربیع سواری کے لیے ایک اونٹ لے آیا۔ اس پر آپ سوار ہو گئیں۔ کنانہ نے اپنی کمان اور ترکش حمائل کیا اور دن کے اجالے میں انہیں لے کر مکہ سے روانہ ہو گیا۔ قریش کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ چند جوان آپ کے تعاقب میں نکلے۔ ذی طویٰ کے مقام پر انہوں نے آپ کو آلیا۔ ہبار بن اسود بن مطلب، سب سے پیش پیش تھا۔ جس ہودج میں آپ بیٹھی تھیں اس کے قریب پہنچ کر اپنا نیزہ لہرا لہرا کر آپ کو خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ امید سے تھیں خوف وفزع کی وجہ سے وہ ضائع ہو گیا۔ آپ کے خاوند کے بھائی کنانہ نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اپنی ترکش کے تیر نکال کر سامنے رکھ دیئے اور انہیں للکار کر کہا۔ بخدا! جو شخص تم میں سے میرے قریب آنے کی جسارت کرے گا میں اپنا تیر اس کے سینے میں پیوست کر دوں گا۔ سب پر سکتہ طاری ہو گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

اتنے میں ابوسفیان مکہ کے معززین کو ہمراہ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کنانہ کو کہا بس۔ بس اب اس وقت تک تیر نہ چلانا جب تک ہم تمہارے ساتھ گفتگو نہ کر لیں۔ وہ رک گیا۔ ابوسفیان آگے بڑھ کر اس کے قریب آگیا اور اسے کہنے لگا کہ تم نے اچھا نہیں کیا' دن کے اجالے میں لوگوں کے سامنے اعلانیہ اس خاتون کو لے کر تم چل پڑے ہو۔ حالانکہ آج جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں۔ تم اس سے بے خبر نہیں۔ ان حالات میں اگر تم اعلانیہ ان کی بیٹی کو لے جاؤ گے۔ تو جو لوگ یہ بات سنیں گے وہ یہی کہیں گے کہ اب ہم بالکل عاجز اور ناکارہ ہو گئے ہیں اور یہ بات ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا باعث بنے گی۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم! ہمیں ان کو یہاں روکنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اور نہ اس طرح ہماری آتش انتقام سرد ہوسکتی ہے۔ تم سردست انہیں لے کر واپس چلے جاؤ۔ چند روز تک یہ ہنگامہ ختم ہو جائے گا لوگ اس واقعہ کو بھول جائیں گے۔ پھر کسی رات کو اندھیرے میں انہیں لے کر چلے جانا۔ لوگ یہ دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ ہم نے انہیں لوٹا دیا۔ کنانہ نے یہ تجویز مان لی۔ اور حضرت زینب کو لے کر گھر واپس آ گیا۔

چند روز گزرنے کے بعد جب چہ میگوئیاں ختم ہوگئیں اور ماحول پرسکون ہوگیا۔ تو کنانہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے ان کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگیا۔ وادی یاجج میں حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چشم براہ تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کردیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہما انہیں ہمراہ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور انہیں بخیر و عافیت مدینہ طیبہ میں حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ کے دوسرے ساتھی کا نام ابن ہشام نے ابوخثیمہ رضی اللہ عنہ بتایا ہے۔ جو انصار کے قبیلہ بنو سالم بن عوف کے ایک فرد تھے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا جس میں میں (ابوہریرہ) بھی شریک تھا۔ ہمیں رخصت کرتے ہوئے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر ھبار بن اسود تمہارے قابو میں آ جائے تو اسے اور اس کے دوسرے ساتھی کو جنہوں نے میری بیٹی کو اذیت پہنچائی آگ کا الاؤ جلا کر انہیں اس میں پھینک دینا تا کہ وہ جل بھن کر راکھ ہو جائیں۔''

لیکن دوسری صبح حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جلا کر عذاب دینا صرف اللہ عزوجل کو سزاوار ہے اگر تم ان دونوں مشرکوں پر قابو پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔''

(تاریخ طبریٰ جلد 2 صفحہ 291......السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 2 صفحہ 302)

ابوالعاص کا ایمان

آخرکار اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ ابوالعاص کفر وشرک کی عفونتوں (گندگی، برائی، بدبو) سے گھبرا کر اور دل برداشتہ ہو کر حلقہ سرفروشان اسلام میں داخل ہوگیا اس کی تفصیل بھی سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے۔

اس واقعہ کے بعد ابوالعاص مکہ میں مقیم رہا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت میں سکونت پذیر رہیں۔ ابوالعاص بڑا متمول، دانشمند، دیانتدار تاجر تھا۔ اس کی شہرت سارے علاقہ میں بہت اچھی تھی۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک تجارتی کاروان لے کر ملک شام جانے کی تیاری شروع کردی۔ لوگوں کو پتہ چلا تو اس کی اچھی شہرت اور کاروبار میں اس کی مہارت کی وجہ سے انہوں نے اس قافلہ میں اپنا سرمایہ لگا دیا۔ جب وہ شام میں خرید وفروخت سے فارغ ہوا تو مکہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا۔

راستہ میں ایک مسلمان لشکر سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ مسلمانوں نے اس کا مال و اسباب تو اس سے چھین لیا لیکن ابوالعاص جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب لشکر اسلام اس کا سارا مال و متاع لے کر مدینہ طیبہ پہنچا تو رات کی تاریکی میں وہ بھی وہاں آ گیا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ کا خواستگار ہوا آپ نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ وہ اس لیے آیا تھا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے مال کی واپسی کی درخواست کرے۔

حضور پُرنور، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے اور تکبیر تحریمہ کہی اور سب مقتدیوں نے بھی تکبیر تحریمہ کہہ کر اپنے ہاتھ باندھ لیے تو اس وقت صفۃ النساء سے حضرت زینب کی آواز بلند ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ:

''اے لوگو! سن لو میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔''

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو لوگوں سے پوچھا کیا تم نے وہ آواز سنی جو میں نے سنی ہے۔ انہوں نے عرض کی یہ آواز ہم نے بھی سنی ہے۔

حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ مجھے اس واقعہ کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ میں نے بھی یہ بات اب سنی ہے جیسے تم نے سنی اور فرمایا:

''کہ مسلمانوں سے ایک ادنیٰ درجے کا آدمی بھی کسی کو مسلمانوں سے پناہ دے سکتا ہے۔'' یعنی اگر میری بیٹی نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے تو اس پناہ کا احترام سب پر لازم ہے۔

نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اپنی صاحبزادی کے ہاں تشریف لے آئے اور حضرت زینب کو فرمایا:

''اے میری بچی! ابوالعاص کی عزت و تکریم کرنا لیکن خیال رہے وہ تمہارے نزدیک نہ آئے کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔''

حضورِ انور نبی کریم، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ میں جو مجاہدین شریک تھے ان کو بلا بھیجا جب وہ حاضر ہوئے تو انہیں فرمایا ابوالعاص کا ہمارے ساتھ جو رشتہ ہے اس کا تمہیں علم ہے۔ اس کے مال پر تم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اگر تم احسان کرتے ہوئے اس کا مال اس کو لوٹا دو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ مجھے تمہارا یہ عمل بہت پسند ہوگا اور اگر تم اس کے لیے آمادہ نہ ہو۔ تو یہ مال فئی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں بطور غنیمت بخشا ہے تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔

اس سلسلہ میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات پسند تھی اس کا ذکر فرما دیا۔ لیکن ایسا کرنے پر انہیں مجبور نہیں کیا۔ انہیں صاف صاف بتا دیا کہ یہ اموال غنیمت ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں بخشے ہیں

اور تمہارے لیے حلال طیب ہیں اگر تم انہیں خود لینا چاہو تو تم پر کوئی پابندی نہیں۔

لیکن جن جان نثاروں نے اپنا سب کچھ اپنے محبوب آقا ﷺ کی رضا جوئی کے لیے قربان کر دیا تھا ان کے نزدیک ان اموال غنیمت کی کیا حقیقت تھی۔ سب نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم بصد مسرت یہ اموال ابوالعاص کو لوٹانے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو جو چیزیں ابوالعاص کے قافلہ سے چھینی تھیں وہ لوٹا دیں۔ جس جس کے پاس جو جو چیز تھی، وہ لا کر ڈھیر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جس کے پاس پرانا ڈول تھا وہ لے آیا۔ جس کے پاس ڈول کی بوسیدہ رسی تھی وہ لے آیا۔ جس کے پاس ٹوٹا ہوا لوٹا تھا وہ بھی پیش کر دیا۔ جس کے پاس مشکیزہ کا منہ بند کرنے کا لکڑی کا ڈاٹ تھا وہ بھی لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔ الغرض ابوالعاص کی چھوٹی بڑی تمام چیزیں اس کو لوٹا دیں۔

ابوالعاص ان تمام اموال کو لے کر مکہ واپس آیا اور ہر چیز گن گن کر ان کے مالکوں کے حوالے کر دی۔ اس کے قافلہ میں جتنا سرمایہ کسی نے لگایا تھا اصل زر بمع نفع ان حصہ داروں کو پہنچا دیا اس کے بعد اس کو اعلان کیا۔

''اے گروہ قریش! کیا کسی کا کوئی مال میرے پاس رہ گیا ہے جو اس نے نہ لیا ہو۔''

سب نے کہا نہیں، خدا تجھے جزائے خیر دے۔ بیشک ہم نے تجھے حقوق کو بحسن وخوبی ادا کرنے والا اور کریم النفس پایا ہے۔ جب سب قریش نے اس کی دیانت اور امانت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو بھرے مجمع میں ابوالعاص نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دیا:

''لو سنو! اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔''

میں نے اب تک اپنے ایمان کا اعلان اس لیے نہیں کیا تھا کہ تم یہ گمان نہ کرو کہ میں نے تمہارا مال ہڑپ کرنے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہے۔ اب جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے سرخرو کیا ہے۔ اب میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

ابن ہشام ابوعبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوالعاص جب مشرکین کے اموال کے ساتھ یہاں پہنچا تو اسے کسی نے مشورہ دیا کہ اپنے اسلام کا اعلان کر دو مشرکین کے سارے اموال تجھے مل جائیں گے۔ ابوالعاص نے حضرت ناصح کو بڑا پیارا اور ایمان افروز جواب دے کر خاموش کر دیا۔ آپ نے کہا:

''اگر میں امانت میں خیانت کا ارتکاب کر کے اپنے اسلام کا آغاز کروں تو یہ آغاز بہت برا ہو گا۔''

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 2 صفحہ 302 تا 304...... تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 291)

سہیل بن عمرو

سہیل بن عمرو قریش کا شعلہ بیان خطیب تھا اور اپنا زور خطابت اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف

استعمال کیا کرتا تھا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں سہیل بھی شامل تھا۔ جب فدیہ کی ادائیگی کا وقت آیا اور اس کی رہائی کا فیصلہ ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ اس کے اگلے دو دانت اکھڑوا دیئے جائیں تاکہ یہ تقریریں کر کر کے لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانے کے قابل نہ رہے۔ لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں مثلہ نہیں کرتا، اگر میں نے ایسا کیا تو اللہ میرا بھی مثلہ کردے گا حالانکہ میں نبی ہوں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اسے چھوڑ دو شاید یہ حمد کے مقام پر کھڑا ہو جائے۔'' (سیرت ابن ہشام، جلد 1: صفحہ 649)

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض اہل مکہ نے اسلام سے انحراف کا ارادہ کیا تو سہیل بن عمرو کھڑے ہوئے انہوں نے ایک زوردار تقریر کی اور کہا: ''اے اہل مکہ! اسلام قبول کرنے میں آخری اور ارتداد میں پہل کرنے والے نہ بنو، خدا کی قسم! جس کے معاملے نے ہمیں پریشان کیا خواہ وہ کوئی ہو، ہم اسے قتل کردیں گے'' روایات میں ہے کہ فتنہ ارتداد کو روکنے میں سہیل بن عمرو کی اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ (سیرت ابن ہشام، جلد 2: صفحہ 666)

اگر تم ناراض ہو تو اپنے آپ پر ناراض ہو

سہیل بن عمرو، شجاع اور بارعب سردار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے راست گو آدمی تھے۔ اور لوگوں کو ان کا بہت احترام تھا۔ وہ دور اندیش، زود فہم اور اچھے سفارت کار بھی تھے۔ انہیں صاف بات منہ پر کہہ دینے سے عار نہ تھی۔

ان کی راست گوئی، زود فہمی درج ذیل سے واضح ہے۔

ایک دفعہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے جن میں سہیل بن عمرو، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہم اور قریش کے کچھ شیوخ بھی تھے۔ پس آپ کی طرف سے اجازت دینے والا، اہل بدر کو اجازت دینے لگا یعنی صہیب رومی، بلال حبشی اور دیگر اہل بدر کو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے محبت رکھتے تھے اور انہوں نے ان کے متعلق حکم بھی دیا ہوا تھا کہ انہیں انتظار نہ کرایا جائے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابوسفیان کہنے لگا میں نے آج کی مانند صورت حال نہیں دیکھی۔ وہ ان غلاموں کو اجازت دے دیتے ہیں اور ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ ہماری طرف التفات ہی نہیں کرتے۔ اس پر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے لوگو! خدا کی قسم! میں نے تمہارے چہروں کے تاثرات معلوم کرلیے ہیں۔ اگر تم ناراض ہو تو اپنے آپ پر ناراض ہو۔ ان لوگوں کو اور تمہیں دعوت (دعوت اسلام) دی گئی۔ انہوں نے جلدی کی اور تم نے دیر کی۔

خدا کی قسم! جس فضل کو انہوں نے تم سے پہلے حاصل کیا ہے وہ تمہارے اس دروازے سے چلے جانے

سے تم پر زیادہ گراں ہے جس میں تم رغبت کر رہے ہو۔ پھر کہا اے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں نے تم سے سبقت کی ہے۔ خدا کی قسم! جس امر میں انہوں نے تم سے سبقت کی ہے اس تک پہنچنے کے لیے تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ دیکھو یہ جہاد ہو رہا ہے اس میں شامل ہو جاؤ شاید اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں شہادت سے سرفراز فرمادے۔''

پھر آپ نے اپنے کپڑے جھاڑے (مال واموال سے فراغت حاصل کی) اور ملک شام بغرض جہاد چلے گئے اور اپنی بیٹی ہند کے سوا، اپنے اہل کی جماعت کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شام کی طرف چلے گئے اور سب کے سب وہیں، شہید ہو گئے اور اسی مٹی میں مل گئے۔

آپ کا تعلق مکہ کے سادات سرداروں میں سے تھا۔ اہل مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ کے لیے گفت وشنید (بات چیت) اور حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ساتھ معاہدہ آپ ہی نے کیا تھا۔

بدر کے روز مالک بن الدخشم رضی اللہ عنہ نے آپ کو قید کیا تھا۔ فتح مکہ پر آپ اسلام لائے یا مسلمان ہوئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور آپ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسنِ سلوک

حقوق وفرائض کی بجا آوری سے معاشرہ اعتدال وتوازن کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے اس کے برعکس جس کی لاٹھی اس کی بھینس والے معاشرے میں ہر طاقتور کمزور کو ہڑپ کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور انسانی معاشرہ حیوانی سطح پر اتر کر اپنا تشخص کھو بیٹھتا ہے۔ طلوع اسلام سے پہلے حقوق وفرائض کا شعور ناپید تھا، پوری دنیا ملوکیت کی گرفت میں تھی، جاگیردارانہ نظام مختلف شکلوں میں انسان کے جمہوری ذہن کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مذہب کو رسمیت کا مظہر بنادیا گیا تھا۔ عیسائیت اور یہودیت کی تعلیمات کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ جنگ اور محبت میں ہر ناجائز کو جائز ٹھہرانے والے کسی قسم کی جنگی اخلاقیات پر عمل پیرا ہونے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس پس منظر میں جنگی قیدیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ ایک انہونی سی بات تھی۔

لیکن پیغمبر اوّل وآخر واعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جنگ اور جنگی قیدیوں کے حوالے سے تمام مروجہ ضابطوں اور فیصلوں پر خط تنسیخ پھیر کر انسانیت کو ایک نئے شعور سے بہرہ ور کیا۔ وہ شعور جس کا سرچشمہ وہ سرمدی آفاقی، خدائی تعلیمات ہیں جن کے ساتھ حضور پُرنور خاتم النبیین ﷺ کو منصب رسالت پر رونق افروز کیا گیا۔

غزوۂ بدر کی عظیم کامیابی کے بعد حضور پُرنور سرکار دو عالم ﷺ جب واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے

اوراس کے دوسرے روز جب ستر جنگی قیدی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر کئے گئے تو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے سب سے پہلے ان کے قیام و طعام کے انتظام کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان حسب حیثیت تقسیم کر دیا اور ہر ایک کو تاکید فرمائی کہ وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھیں۔

قیدیوں کے طعام، عزت نفس، آرام و سکون کا خیال رکھا جا رہا تھا۔ خون کے پیاسوں کو عزت دی جا رہی تھی۔ جان کے دشمنوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آقا ﷺ کے ارشاد گرامی کو اپنی جان کا حصہ بنایا اور دل و جان سے ہدایات پر عمل پیرا رہے۔ قیدیوں کا اس قدر خیال رکھا کہ خود بھوکے اور پیاسے رہے۔ مگر اپنے قیدیوں کو کھلایا اور پلایا بھی اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے بھی دیئے۔ دنیا کا کوئی متمدن معاشرہ جنگی قیدیوں سے حسن سلوک کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ عظمت کا تاج یونہی کسی کے سر پر سجایا نہیں جاتا، اندر کی روشنی جب قول و عمل کا حصہ بنتی ہے تو کردار کو عظمت عطا ہوتی ہے۔

ابوعزیز' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا سگا بھائی تھا۔ وہ خود بتاتا ہے کہ بدر کے روز کعب نامی ایک انصاری میرے بازو باندھ رہا تھا کہ میرے سگے بھائی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے۔ انہوں نے میری سفارش کرنے کے بجائے اس انصاری کو کہا کہ اس کے دونوں بازوؤں کو خوب کس کر باندھو۔ اس کی ماں بڑی دولت مند ہے وہ تمہیں گراں قدر فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑائے گی۔ میں مدینہ پہنچا تو مجھے ایک انصاری کے حوالے کر دیا گیا۔ صبح و شام جب اس انصاری کے اہل خانہ کھانا کھاتے تو حضور کی وصیت کے پیش نظر مجھے تو وہ روٹی کھلاتے اور خود کھجوروں کے چند دانوں پر اکتفا کرتے۔ جب ان میں سے کسی کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا آ جاتا تو وہ اسے پھونک کر اس کی گرد صاف کر کے مجھے پیش کر دیتے۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی۔ میں وہ ٹکڑا انہیں دینے پر اصرار کرتا لیکن وہ اس ٹکڑے کو ہرگز نہ لیتے۔ اور بضد ہوتے کہ میں ہی اسے کھاؤں۔

(تاریخ طبری جلد 2، صفحہ 287)

ابوعزیز کفار میں ایک اہم شخصیت تھے۔ نضر بن حارث کے بعد مشرکین مکہ کے لشکر کا یہی علمبردار تھا۔ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ابو یسر انصاری کو کہا کہ اسے خوب کس کر باندھو تو ابوعزیز نے اپنے بھائی کی بات سن کر اسے کہا: ''میرے بھائی میرے لیے تم اسے یوں وصیت کر رہے ہو۔'' تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرا یہ بھائی ہے' تم میرے بھائی نہیں ہو۔'' سب سے گراں قیمت فدیہ ابوعزیز کی والدہ سے طلب کیا گیا اسے کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو آزاد کرانا چاہتی ہو تو چار ہزار درہم ادا کرو اس نے یہ فدیہ ادا کیا اور اس طرح اپنے بیٹے کو آزاد کرایا۔ کچھ عرصہ بعد ابوعزیز مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

یہ اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل ہی تو تھی کہ جن قیدیوں کے پاس پہننے کو لباس تک نہ تھا انہیں لباس دیا

گیا۔ حضرت عباس لمبے قد کے تھے اس وجہ سے کوئی کرتہ ان کے جسم کو مکمل طور پر ڈھانپ نہ سکتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباس کو دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورِ انور نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے اپنا جو کرتہ عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا بدلہ تھا۔

(صحیح البخاری، جلد 1: بخاری 180)

اسیرانِ جنگ کے بارے میں مشاورت

جس طرح آپ پڑھ چکے ہیں کہ میدان بدر میں کفار کے ستر آدمی قتل کیے گئے اور ستر کفار کو جنگی قیدی بنالیا گیا اس جنگ کے بعد سب سے پیچیدہ مسئلہ جو مسلمانوں کے لیے رونما ہوا وہ یہ تھا کہ ان جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس اہم مسئلہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس مسئلہ کے متعلق وہ اپنی اپنی رائے پیش کریں۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میری رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیا جائے اور ان کو آزاد کر دیا جائے جو سرمایہ اکٹھا ہوگا وہ مسلمانوں کی تقویت کا باعث ہوگا اور رحمت الٰہی سے کچھ بعید نہیں ان میں سے کئی ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے باعث اسلام کی تقویت کا باعث بنیں اور اسلام کی خدمت کریں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4: صفحہ 92)

اب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سرورِ کائنات ہادی انس و جاں ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے پوچھا: اے عمر! تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا، جلاوطن کیا اور آپ پر قاتلانہ حملے کیے۔ اس لیے میری رائے ابوبکر کی رائے سے بہت مختلف ہے، میری رائے یہ ہے کہ ہر قیدی کو اس کے مسلمان رشتہ دار کے سپرد کر دیا جائے اور ہمیں حکم دیا جائے کہ ہم اپنے رشتہ دار کافروں کی گردنیں اڑا دیں۔'' اللہ تبارک وتعالیٰ یہ ملاحظہ فرمائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کسی قسم کی محبت (اور نرم گوشہ) نہیں۔

اور پھر یہ لوگ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں آج اگر ان کو تہ تیغ کر دیا جائے گا تو آئندہ کبھی بھی یہ اسلام کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکیں گے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 4 صفحہ 92)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز یوں پیش کی:

یارسول اللہ ﷺ! ایک وادی میں کثیر مقدار ایندھن کی جمع کی جائے پھر اسے آگ لگائی جائے پھر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ان سارے جنگی قیدیوں کو پھینک دیا جائے تاکہ جل کر خاکستر ہو جائیں۔

پیغمبراوّل وآخرواعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ ان تجاویز کوسماعت فرمانے کے بعد گھر تشریف لے گئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صورتحال پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ فرمانے لگے۔کوئی کہتا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز قبول ہوگئی،کوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز کواور کوئی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کی قبولیت پر قیاس آرائی کرنے لگا۔اسی اثناء میں حضورپُرنور، رہبر کائنات، محسن انسانیت ﷺ دوبارہ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے:

''میرے ابوبکر کی مثال انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے اپنی گنہگار امت کے لیے بالترتیب یوں بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

''پس جس نے میری پیروی کی تو وہ تو میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورۃ ابراہیم آیت 36)

''(اے اللہ)!اگرتوانہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اوراگرتوانہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے۔'' (سورۃ مائدہ آیت 118)

اور پھر حضورِانور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے یوں فرمایا:

''میرے عمر کی مثال انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ کی طرح ہے جنہوں نے مجرمین کے لیے بارگاہ الوہیت میں بالتریب یوں عرض کی:''

''اے میرے رب!(اب) روئے زمین پرکسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑ۔'' (سورۃ نوح آیت 26)

''اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کردے اوران کے دلوں کو (اتنا) سخت کردے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔'' (سورۃ یونس آیت 88)

پیغمبراوّل وآخرواعظم رسول، بحروبر، ہادئ انس وجاں، تاجدار کائنات ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو دیگر آراپر ترجیح دی۔

دوسرے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں اشک بار ہیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! رونے کی وجہ ارشادفرمائیں تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ مل کر آنسو بہانے کی سعادت حاصل کرسکوں اور اگر مجھے رونا نہ آئے تو آپ کی پیروی کرتے ہوئے کم ازکم رونے والی صورت ہی بنالوں۔حضورپُرنور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تیرے دوستوں نے فدیہ لینے کا جو مشورہ دیا تھا میں اس کے لیے رورہا ہوں،اس رائے کے باعث جو عذاب انہیں دیا جانے والا تھا وہ اس درخت سے بھی نزدیک تر میرے سامنے پیش کیا گیا۔''

(تفسیر روح البیان جلد 3 صفحہ 373)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیت 67 نازل فرمائی جس میں ارشاد اللہ تبارک وتعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

ترجمہ: ''کسی نبی کو یہ سزاوار نہیں کہ اس کے لیے (کافر) قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں ان (حربی کافروں) کا اچھی طرح خون نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی (بھلائی) چاہتا ہو اور اللہ خوب غالب حکمت والا ہے۔'' (سورہ انفال آیت 67)

گویا یہ فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے لیے مناسب یہی تھا کہ دشمنان اسلام کی خونریزی میں کثرت و مبالغہ سے کام لیتے تاکہ کفر اپنی ذلت و رسوائی کی انتہا کو پہنچتا اور اس کی عددی کثرت بھی قلت میں بدلتی۔ یوں اسلام کو عظمت اور تمکنت عطا ہوتی۔ جبکہ ان سے فدیہ لینا، قبل از وقت ہے کیونکہ ابھی دعوت اسلام کو فروغ اور ترویج دینے، لوگوں کو ایمان پر مضبوط و مستحکم کرنے اور انہیں رشد و ہدایت کی طرف راغب کرنے کا وقت ہے اور یہ غزوہ حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ ہے سو جنگی حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ بجائے فدیہ لینے کے تم دشمن کی عددی برتری کو کم کرتے اور اس کی افرادی قوت کو ختم کرنے کی طرف توجہ دیتے تو یہ زیادہ موزوں ہوتا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت 68 میں اپنے حبیب کے صدقے کچھ نرمی کا اظہار فرمادیا:

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

ترجمہ: ''اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (معافی کا حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً تم کو (مال فدیہ کے بارے) میں جو تم نے (بدر کے قیدیوں) سے حاصل کیا تھا بڑا عذاب پہنچتا۔ (سورۃ انفال آیت 68)

بارگاہ الوہیت کی طرف سے نوشتہ اوّل فرمان اوّل یہ تھا، سورۃ محمد آیت 4 میں ارشاد اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

ترجمہ: ''پس (اے مسلمانو!) جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ بچیں ان کو) رسی سے باندھ لو اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ) یا تو احسان کر کے (رہا کردو) یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو)۔'' (سورۃ محمد آیت 4)

وجہ عتاب کیا ہے؟

قدرتی طور پر ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجہ عتاب کیا امر ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیوں قابل

عتاب سمجھا گیا۔ کیا ان سے کوئی ایسی خطا سرزد ہوگئی جو احکامات خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی تھی، یا کسی غلط فہمی یا لاعلمی کی بنا پر ان سے کوئی ایسا فعل وقوع پذیر ہوگیا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند نہ کیا۔

اس کا جواب تو پہلے ہی مذکورہ بالا حدیث مبارک، مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں بیان فرما دیا گیا اور یہ جواب حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ایک دفعہ آپ مندرجہ ذیل کو اپنی نظر سے گزار لیں اس کے بعد اسی بارے میں تھوڑا تفصیل سے بھی بیان کیا جائے گا۔

1- حدیث مبارک روح البیان جلد 3 صفحہ 373

2- سورۃ انفال آیت 67

3- سورۃ انفال آیت 68

4- سورۃ محمد آیت 4

1- پہلی بات جس کی طرف حالات و واقعات ہماری رہنمائی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ فدیہ لینے اور مالِ غنیمت کے حصول میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس عجلت کا مظاہرہ کیا اللہ رب العزت کو ان کی یہ عجلت پسند نہ آئی۔

روایات میں آتا ہے کہ امم سابقہ میں مالِ غنیمت حلال نہ تھا جنگ کے بعد وہ بے جان مالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیتے، آسمانی بجلی آتی اور مالِ غنیمت کو جلا کر راکھ کر دیتی، اب تک مالِ غنیمت کے حوالے سے یہی ضابطہ خداوندی چلا آ رہا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے مالِ غنیمت حاصل کیا، پھر فدیہ بھی وصول کر لیا، یہی چیز اللہ کی ناراضی کا باعث بنی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے عتاب نازل ہوا۔''

(تفسیر کبیر، 200:15)

2- فتنہ وشر کے سرچشموں کی بیخ کنی اور دشمنان اسلام کو عبرتناک انجام تک پہنچانا لازمی تھا۔ جب تک ان کو تہ تیغ نہ کر دیا جاتا اور خوب خونریزی نہ کر دی جاتی اس وقت تک انہیں قیدی بنانا مناسب نہ تھا۔ اس حکمت میں بھی مسلمانوں کی بھلائی ہی مضمر ہے کہ اگر حاسدین اور مفسدین کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ فروغ دین میں رکاوٹیں پیدا کریں گے۔ اور پھر لوگوں کو اشتعال دلا کر قدم قدم پر فروغِ دین اسلام کی راہ میں دیواریں چننے کی سازش کریں گے۔ اسلام اور اسلام کے پیروکاروں کا مفاد اسی میں ہے کہ بدی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے اور بدی کے پرستاروں اور محافظوں کو نیست و نابود کر دیا جائے کہ وہ راہ انقلاب میں مزاحمتی ردعمل کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی سورۃ انفال کی 67 آیت میں یہی فرمایا:

''جب تک کہ وہ زمین میں ان (حربی کافروں) کا اچھی طرح خون نہ بہالے۔'' (سورۃ انفال آیت 67)

3- حکم خداوندی چونکہ جنگ سے پہلے صادر نہیں ہوا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نیک نیتی سے مالِ غنیمت جمع کیا اور نیک نیتی ہی سے جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کیا اس لیے اسے محض اجتہادی غلطی قرار دیا جاسکتا ہے۔ سو اللہ پاک نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس غلطی سے درگزر فرمایا۔ یہ عمل معصیت اور نافرمانی کے درجے میں اس لیے نہیں آتا کہ اس کا حکم سرے سے پہلے دیا ہی نہیں گیا تھا۔

مالِ غنیمت کے حوالے سے ارشاد اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ انفال کی آیت 69 میں یوں ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''سوتم اس میں سے کھاؤ، جو حلال، پاکیزہ مالِ غنیمت تم نے پایا۔'' (الانفال، 69:8)

آیت مذکورہ کے نازل ہونے کے بعد مالِ غنیمت نہ صرف حلال ہوا بلکہ اسے طیب بھی قرار دیا گیا، یہ ایک ایسا مال ٹھہرا جس کے پاک صاف ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہا، کیونکہ باغیان اسلام کی دولت درحقیقت اللہ ہی کی ملک ہوتی ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی راہ میں مجاہدہ اور جہاد کرنے والوں سے خوش ہوکر انہیں انعام کے طور پر یہ چیزیں عطا کرتا ہے پس یہ نہایت ہی متبرک مال ہے۔

عتاب کی آڑ میں رحمتیں

حدیث مبارک (جس کا اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے) یوں ہے:

''تیرے دوستوں نے فدیہ لینے کا جو مشورہ دیا تھا میں اس کے لیے رو رہا ہوں۔ اس رائے کے باعث جو عذاب انہیں دیا جانے والا تھا وہ اس درخت سے بھی نزدیک تر میرے سامنے پیش کیا گیا۔''

اب اس حدیث مبارک کو ان آیات کے تناظر میں دیکھیں:

1- سورۃ انفال آیت 68 میں رب کائنات کا ارشاد یوں ہے:

ترجمہ ''اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (معافی کا حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے فدیہ حاصل کیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ جو لکھ چکا تھا (معافی کا حکم) وہ یہ تھا کہ اجتہاد پر عمل کرنے والے سے مواخذہ نہ فرمائے گا۔ اور یہاں صحابہ کرام نے اجتہاد ہی کیا تھا اور ان کی فکر میں یہی بات آئی تھی کہ کافروں کو زندہ چھوڑ دینے میں ان کے اسلام لانے کی امید ہے اور فدیہ لینے میں دین کو تقویت ہوتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کے حوالہ سے میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عذاب کی خبر سنانے سے پہلے اسے معاف کر دینے کی خوشخبری دی ہے۔

2- سورۃ انفال آیت 33 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد یوں ہے:

ترجمہ "اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں (مشرکین) کو عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

مفسرین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ آیت مبارکہ (کا یہ مذکورہ حصہ) اس وقت نازل ہوئی جب آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مکہ میں مقیم تھے۔ اس وقت مشرکین مکہ یہ کہہ کر بھی عذاب الٰہی مانگا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے مرسل نبی ہیں تو اپنے اللہ کو کہیں کہ ہم پر عذاب لے آئے۔

میرا یہاں اس آیت مبارکہ کا حوالہ دینے سے مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو اپنے محبوب رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اعزاز میں، کے صدقے ان مشرکین، کفار پر بھی عذاب نہیں نازل فرماتا جو اپنی زبان سے، نبی کے ساتھ ضد کر کے عذاب الٰہی کو طلب کرتے ہیں۔

اور وہ عذاب بھی اس لیے نہیں نازل کیا جا رہا کہ آپ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بھی تو اسی بستی، اسی شہر میں تشریف فرما ہیں۔ حالانکہ مشرکین منکر خدا ہیں اور شدید نافرمان رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں پر کیسے عذاب نازل فرما سکتا ہے جب آپ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ انہی سے ہیں، انہیں میں بستے ہیں رہتے ہیں، ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور وہ سب ایک خاندان کی طرح ہیں۔ اور یہ سب عبادت گزار بھی ہیں اور پُرخلوص اطاعت کرنے والے فرمانبردار بھی۔

یعنی کہ وہ سب ایک ہی جسم و جان ہیں اور ان سب کے دلوں میں، خیالوں، زبانوں پر اور روحوں میں آپ ﷺ اور اللہ رب العزت ہی بستے ہیں۔

3- سورۃ مجادلہ آیت 22 میں خالق و مالک کائنات، رب العالمین کا ارشاد یوں ہے:

ترجمہ: "یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں (جنت کے باغوں) میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ فرمان رب العالمین مومنین کے بارے میں ہی ہے اور بالخصوص و بالعموم اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا مقام جنت بتایا ہے اور ان سے، ان کے اس کارنامے سے ان کے اعمال سے راضی ہو جانے کا اعتراف کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عظیم گروہ کو اپنی جماعت بتایا ہے۔

بھلا اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جماعت پر کیسے عذاب کر سکتا ہے۔

زیر بحث موضوع کو مندرجہ بالا تین آیات مبارکہ سے واضح کر دینے کے بعد مجھے یہ کہہ دینے میں کوئی عار

نہیں ہے ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ مذکورہ حدیث مبارک اور سورۃ انفال کی آیت 68 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب کا فرمانا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنی رحمتیں، نوازشیں، کرم نوازیاں عیاں کرنے، دکھانے کے خوبصورت انداز ہیں۔ اس حدیث وآیت مبارکہ میں پس پردہ یہی بتایا گیا ہے میں (اللہ) اپنے پیغمبر اوّل وآخر واعظم، رسول کائنات، پیغمبر بحر و بر، ہادئ انس و جاں، رہبر کائنات، سید المرسلین، رحمت للعالمین، خاتم النبیین ﷺ اور اس کے پرخلوص اطاعت گزار، فرمانبردار، جاں نثار اور صدق دل سے کامل اتباع کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہر طرح سے ہر طرف سے بہت بہت مہربان، رحمٰن ورحیم ہوں۔

یہاں تو ایک خوبصورت انداز سے یہ بتایا جارہا ہے کہ اے میرے محبوب! تیرے صحابہ کرام تو مجھ ہی پر توکل کرتے ہیں، دن میں اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ اور راتوں میں میری عبادت کرتے ہیں۔ وہ تو ہمہ وقت خوف خدا میں رہنے والے ہیں، دل وجان سے تیرا حکم مانتے ہیں اور تیرا پرخلوص اتباع کرنے والے ہیں۔ بھلا اے میرے محبوب! آپ سے اتنی ساری خوبیاں پا جانے والوں کو کیسے عذاب دیا جاسکتا ہے۔

اگر ان میں سے چند ایک نے وقتی طور پر دنیاداری کی طرف رجحان دکھا دیا ہے تو کیا ہے یہ وہی تو ہیں جو کل بدر میں دین اسلام کی خاطر میرے آسرے پر ہی آئے اور میرے توکل پر ہی لڑے۔ یہ میرے محبوب نبی کے اتباع میں آگے بڑھے اور نبی کے حکم وہدایت کے مطابق اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر بے سروسامانی کی حالت میں اپنے سے کئی گنا طاقتور لشکر مشرکین سے ٹکرائے ہیں۔

میرے نبی نے جو حدیں قائم کیں انہوں نے ہر جگہ، ہر حال میں ان کا پاس رکھا ہے اور اتباع واطاعت اور خوف خدا ان کے دلوں میں، ان کی روحوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔

میں نے تو اہل بدر کو ایک خاص مقام دے دیا ہے۔ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں۔ جو اتباع، اطاعت وفرمانبرداری انہوں نے کی ہے۔ جس توکل سے یہ بے سروسامانی کی حالت میں دشمن سے ٹکرانے کے لیے بڑھے جس توکل سے یہ لڑے ہیں اور جو ثابت قدمی انہوں نے جنگ بدر کے دوران دکھائی ہے میں اس سے راضی ہوں۔

اب اس کے بدلے اصحاب بدر کی، صحابہ کرام رضوان اللہ تبارک وتعالیٰ علیہم کی چھوٹی موٹی غلطیاں معاف ہیں۔ میں ان سے خوشی خوشی چشم پوشی کروں گا، درگزر کروں گا اور معاف کردوں گا۔

جیسا کہ میں نے لکھا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فدیہ لینے اور مال غنیمت حاصل کرنے پر عتاب اور اظہار ناراضی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مرتبے کو کم کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی عظمت وبلندی کو مزید اجاگر کرنے کے لیے ہے کہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں ان کے منصب سے فروتر ہیں اور یہ کہ امت اس امر سے بخوبی آگاہ ہو جائے کہ میرے پیغمبر اوّل وآخر واعظم خاتم النبیین ﷺ کے جاں نثار مجھے اس قدر محبوب ہیں کہ ان کی غلطیاں

میرا قانون بن کر پوری امت کے لیے باعث رحمت بن جاتی ہیں، جہاں تک گناہ کا معاملہ ہے تو یہ میں نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے وسیلے' صدقے سے معاف کردیا ہے، جبکہ میں تو ہوں ہی معاف کردینے والا غفور' رحمٰن و رحیم' شان غفوریت اور شان رحیمیت کا مالک، اپنے بندوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرنا میرا شیوہ ہے اور میری اس شان کے سب سے زیادہ مستحق میرے نبی ﷺ کے صحابہ ہیں جو میرے اس قول:

''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔'' (المائدہ،119:5)

کے مخاطب و مصداق ہیں۔ اور یہی سب سے بڑی کامیابی اور فلاح ہے۔

اہل ایمان کو سمجھانے کے لیے تو میں مندرجہ بالا پر ہی اکتفا کرتا کیونکہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا کے بعد معاملہ ''عتاب'' کو مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں ایسے لوگوں کے لیے جو ایسے معاملات میں ناسمجھی کا ثبوت دیتے ہوں اور مستشرقین کے لیے ان نکات کا کھول کر سمجھا دینا زیادہ مناسب ہے، زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے اسے اب ایک اور انداز سے پڑھیے۔

عتاب کس پر؟

امام قرطبی اس نکتہ کو مزید واضح کرتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ (سورۃ انفال آیت 68) میں زیر عتاب کون ہے؟ فرماتے ہیں:

''یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب فرمایا جارہا ہے، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے لیے ہرگز یہ مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انہیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے، تم اس طرح دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاع دنیا کو کبھی لائق اعتناء سمجھا، یہ غلطی عام مجاہد سے سرزد ہوئی پس یہ عتاب انہی لوگوں پر ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا، علامہ قرطبی آخر میں فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور اس کے علاوہ اس آیت کی کوئی توجیہہ درست نہیں۔''

یہی قول درست ہے کہ عتاب کا سبب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے وہی یہاں مخاطب ہیں۔

(القرطبی،45:8)

سورۃ انفال آیت 12 میں کفار و مشرکین کو قتل کرنے کا یہ خطاب

''(پس اے مسلمانو!) تم ان (کافروں کی) کی گردنوں کے اوپر سے ضرب لگانا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ جبکہ اس بات پر اجماع ہے کہ حضورِ انور رحمت دو عالم ﷺ بحیثیت رحمۃ للعالمین براہ راست اور بذات خود کفار کو قتل کرنے پر مامور نہیں کیے گئے۔ سو یہ خطاب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی مختص ہے۔ انہوں نے جب قتال نہ کیا اور اس سے پہلے دشمنان اسلام کو قیدی بنانے کا اقدام کیا تو یہ خطا بعض

صحابہ کرام سے سرزد ہوئی نہ کہ حضور پُرنور ﷺ سے۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کی خاصی تعداد کو تہ تیغ کر دیا گیا اور کفار بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا تعاقب کیا۔ اور حضورِ انور نبی اکرم ﷺ سے دور رہ کر ہی دشمنان اسلام کو قید کرنے کا اقدام کیا۔ حضورِ انور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اقدام کی اطلاع اس وقت ہوئی جب وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ کوئی ایسا حکم ہی صادر فرمایا، اب ظاہر ہے عتاب ان ہی پر ہوگا جن سے قیدی بنانے اور فدیہ لینے کا فعل قبل از وقت صادر ہوا۔

3- یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس عتاب اور اظہار ناراضی کا تعلق تاجدار کائنات ﷺ کے ساتھ قطعاً نہیں بلکہ آپ ہی کے طفیل ہمیشہ کے لیے امت سے عتاب اور عذاب اٹھالیا گیا ہے۔ ارشاد اللہ تبارک وتعالیٰ ہے:

ترجمہ ''اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب نازل فرمائے جبکہ (اے حبیب مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کررہے ہیں۔'' (سورۃ انفال آیت 33)

اللہ کی صفات کے مظہر

آقائے دو جہاں حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ذات اقدس انعامات واکرامات الٰہیہ، فضل و احسان الٰہی، لطف وعنایات ربانیہ، عفو وبخشش رحمانیہ کا باعث تو ہے مگر عتاب، ناراضی، سزا اور عذاب الٰہی کا سبب اور موجب ہرگز ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ تو پیکر رحمت، کان مروت ہیں، مرکز خیر و برکت ہیں، آپ ﷺ کے در سے تو خیر و برکت کا سب کچھ بٹتا ہے۔ آپ ﷺ نہ صرف فیوضات الٰہیہ کے امین ہیں بلکہ قاسم بھی ہیں۔ پھر یہ تصور کہ حضورِ انور نبی اکرم ﷺ معتوب ٹھہرائے گئے، یا آپ ﷺ کی وجہ سے امت زیر عتاب آئی سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

کہ لوگوں نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے کہ ان دو تجویزوں میں سے کون سی تجویز صحیح تھی۔ ایک گروہ نے اس حدیث کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کو ترجیح دی ہے۔ اور دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ آخرالامر اسی فیصلہ کو برقرار رکھا گیا نیز کتاب اللہ میں بھی اس کو حلال کر دیا گیا۔

اور مزید یہ کہ اس میں رحمت کا اظہار ہے اور اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ نیز اپنے دونوں جلیل القدر صحابہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کو جن انبیاء سے تشبیہ دی گئی ہے اس سے بھی حضرت

صدیق کی فوقیت عیاں ہو رہی ہے۔ حضور پُر نور ﷺ نے حضرت صدیق کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ سے تشبیہ دی ہے اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ سے تشبیہ دی ہے۔

نیز اس تجویز پر عمل کرنے سے اسلام کو خیر عظیم میسر آئی۔ ان قیدیوں میں سے بہت سے قیدی مشرف بہ اسلام ہوئے ان کی نسلوں میں بڑے بڑے جلیل القدر اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے گلشن اسلام کو سدا بہار کر دیا نیز فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کو بڑی مالی تقویت پہنچی۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی تجویز پر پہلے نبی رحمت نے مہر تصدیق ثبت کی اور آخر کار اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اسی تجویز کے مطابق عمل کو برقرار رکھا۔ حضرت صدیق کی نگاہ حقیقت بین کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ آپ نے پہلے ہی وہ بات کہی جس پر آخر کار اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم صادر ہوا۔

نیز آپ نے رحمت کے پہلو کو عقوبت کے پہلو پر ترجیح دی۔

رحمت کے آنسو

اب لامحالہ ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر تاجدار کائنات ﷺ معتوب نہیں کیے گئے تو پھر آپ ﷺ روئے کیوں؟ چشمان مبارک اشکوں کے موتیوں سے کیوں بھر گئیں؟ آپ ﷺ کی گریہ وزاری کی کیا وجہ تھی؟

زبان رسالت سے خود اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیدیوں سے جو فدیہ قبول کیا اس پر نزول عذاب الٰہی کو حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنی نگاہ نبوت سے اتنا قریب دیکھا کہ فرمایا:

”(اپنے قریب ترین درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اوران کا عذاب مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قریب تر دکھایا گیا۔“ (تفسیر کبیر، 198:15)

جب سرور کونین ﷺ نے عذاب الٰہی کو اتنا قریب دیکھا کہ قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جس قدر یہ درخت مجھ سے دور ہے اسی قدر عذاب اوران کے درمیان فاصلہ رہ گیا تھا۔

جب حضور رحمت عالم ﷺ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو شان رافت ورحمت کے تحت چشمان مقدس سے آنسو جاری ہو گئے، ادھر چشمانِ مصطفیٰ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کی وجہ سے اشکبار ہوئیں اور عذاب الٰہی تھم گیا اور فضا میں کرم کی رم جھم نے اپنے پر پھیلا دیئے، اپنے حبیب ﷺ کے نعلین مقدسہ کے تصدق میں رب کائنات نے نظام کائنات ہی کو بدل ڈالا، پہلے وہ قوموں کی خطاؤں پر ان کے گناہوں پر اپنا عذاب نازل کیا کرتا تھا اب وجود مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے ساری دنیا سے وہ عذاب اٹھا لیا گیا، حضورِ انور نبی اکرم ﷺ کی گریہ وزاری اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی خطاپوشی کا سبب بن گئی، گویا گریہ وزاری اور اشکباریاں اپنے کسی فعل کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اس گریہ وزاری کا باعث بنی، ان اشکباریوں نے

جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نفع دیا اور عذاب الٰہی ٹل گیا وہاں حضورِانور نبی اکرم ﷺ کو مقام عبدیت کے کیف و سرور سے بھی ہمکنار کیا گیا۔

2- یہ بات تاجدار کون و مکاں ﷺ کے کمالات نبوت کی مظہر ہے کہ وہ عذاب جو نازل ہو سکتا تھا اور آپ ﷺ کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیا گیا ٹل گیا، پھر عذاب کے نازل نہ ہونے کے باوجود اس پر رونا اور گریہ وزاری کرنا، آپ ﷺ کی شان عبدیت اور اظہار تشکر کی شان ہے کہ میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، امت مسلمہ کو یہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے کہ ایسی صورت میں رب کی پناہ کے نہ صرف طالب رہا کرو بلکہ اس قہار و جبار سے ڈرتے بھی رہا کرو حتیٰ کہ قبولیت توبہ پر اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر آنسو بہایا کرو تم جہاں اس کے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ گے وہاں انعامات و اکرامات اور عنایات الٰہیہ کے بھی مستحق ٹھہرائے جاؤ گے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ لکھا ہے کہ یہ رحمت کے آنسو مبارک تھے۔

رہا نبی رحمت ﷺ کا گریہ فرمانا' تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں نے متاع دنیا حاصل کرنے کے لیے فدیہ کی تجویز پیش کی تھی اس کے باعث جس عذاب الٰہی کے وہ مستحق قرار پائے تھے اس عذاب کو ان لوگوں سے دور کرنے کے لیے یہ رحمت کے آنسو بہے اور ان کی خطا پوشی کا سامان ہو گیا۔ کیونکہ فدیہ وصول کرنے کا ارادہ نہ اللہ کے رسول نے کیا تھا اور نہ صدیق اکبر نے' اگرچہ بعض لوگوں نے فدیہ وصول کرنے کا قصد کیا تھا۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناپسند تھا۔ بعض لوگوں نے ان آیات سے یہ اخذ کیا ہے کہ ان میں سرکار دو عالم ﷺ کو عتاب کیا جا رہا ہے لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔

ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

''یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر عتاب فرمایا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انہیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے تم اس طرح دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاع دنیا کو کبھی لائق اعتناء سمجھا۔ یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی۔ پس یہ عتاب انہی لوگوں پر ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔''

علامہ قرطبی آخر میں فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور اس کے بغیر اس آیت کی کوئی توجیہ درست نہیں۔ (القرطبی جلد 8 صفحہ 45)

فتح مبین کے اثرات

اہل عرب پر مجموعی اثرات

اس فتح مبین نے کچھ عرصہ کے لیے تو ان کے ہوش اڑا دیئے، عقلیں زائل کر دیں، عقلیں مار دیں انہیں شدید بے یقینی سے دوچار کر دیا اور ان کی زبانوں پر تالے لگا دیئے۔

ابتدا میں تو ہر ایک پر چاہے وہ مدینہ کے یہودی ہوں، چاہے مکہ کے کفار ومشرکین یا دیگر قبائل ان سب پر یہی اثر پڑا کہ مسلمانوں کا دین سچا ہے۔ ان کا نبی سچا ہے اور اللہ کا برگزیدہ رسول ہے۔ مسلمان حق پرست ہیں، حق پر ہیں اور رب کائنات، رب العالمین یا جو اللہ ہے جس کو مسلمان وحدہ لاشریک کہتے ہیں وہ ہمارے معبودوں سے یقینی طور پر بڑا ہے اور طاقتور ہے بلکہ صرف وہی اللہ ہے اور مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے نبی (ﷺ) کو اس کی مدد ونصرت حاصل ہے۔

مسلمان قوم بہت منظم ہے۔ یہ اپنے مقصد میں سچے ہیں اس لیے بہت جفاکش اور طاقتور ہیں اور ان کے نبی (ﷺ) کی قیادت واقعی بے مثال، اعلیٰ ترین، صاف ستھری اور واضح ہے۔ اسی لیے یہ قوم نہتے اور تعداد میں نمایاں کم ہونے کے باوجود پورے عزم و اعتماد کے ساتھ ایک مکمل مسلح اور بڑے لشکر جرار سے ٹکرا گئی اور اسے پاش پاش کر دیا۔

یہ قوم اپنے نبی (ﷺ) کا ہر حکم دل و جان سے بجا لاتی ہے اور ہر حکم وکلام کو اپنے لیے باعث افتخار جانتی ہے اور اپنے نبی (ﷺ) پر بچے بوڑھے عورتیں، جوان غرضیکہ ہر کوئی دل و جان سے نثار ہوتا ہے۔

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان حقائق سے نظر چرانا شروع کر دی۔ ایک دو مہینے تو انہیں ان حقائق کا اعتراف رہا لیکن پھر اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اپنی اسلام دشمن فطرت کے سبب وہ ان فلاح دارین عطا کر دینے والے خیالات پر زیادہ دیر قائم نہ رہے بلکہ ان کو یکسر ہی بھلا دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان پر اس شکست فاش کے اثرات کم ہو گئے اور اس فتح مبین سے ان پر جو مسلمانوں کا خوف و دبدبہ طاری ہو گیا تھا وہ بہت کم ہو گیا اب وہ اس مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار مکہ کی ذلت آمیز شکست فاش کو اتفاقیہ سمجھنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو ایک واقعہ اتفاقیہ ایسا ہو گیا ہے۔ اگر مسلمان اب ہم

سے ٹکرائیں گے تو ان کو پتہ چل جائے گا۔ انہیں بری مار پڑے گی۔ پھر انہیں پتہ چلے گا کہ کس سے پالا پڑا ہے۔

جب شکست فاش کے ابتدائی اثرات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوگئے تو مدینہ کے یہودی اور مکہ کے مشرکین اپنے آپ کو مسلمانوں کے مقابلے میں طاقتور سمجھنے لگے۔ دشمنانِ اسلام نے ایک دوسرے سے رابطہ کرلیا اور ایک دوسرے کی معاونت کا دم بھرنے لگے۔

مشرکین مکہ فطرتاً بھی اسلام دشمن تھے شکست فاش کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو مسلمانوں سے بدلا لینے کی سوچنے لگے۔ مدینہ کے یہودی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت کا شکار تھے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں، ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ انہوں نے اس محرومی پر ہی بس نہ کی بلکہ وہ اپنے فطری بغض، حسد وعناد کے سبب مسلمانوں اور دین اسلام کے کڑے دشمن بن گئے۔

غزوۂ بدر عرب کی جغرافیائی، سیاسی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی، اور تمدنی زندگی ہی میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کا باعث نہیں بنا بلکہ اس نے تاریخ انسانی کے سفر ارتقا کو مختلف حوالوں اور مختلف جہتوں سے یکسر بدل کے رکھ دیا۔ تعلیمات اسلامی نے علمی، فکری اور اعتقادی دنیا کو ابہام وشکوک وشبہات سے پاک کر کے یقین عدل وانصاف کی حکمرانی کے شعور کو پختہ کیا۔

جزیرہ عرب کے باشندوں کی اکثریت بتوں کی خدائی پر صمیم قلب سے یقین رکھتی تھی۔ انہیں بار بار قرآنی آیات سنائی گئیں۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے انہیں بڑے حقیقت افروز معجزات بھی دکھائے لیکن ان لوگوں کو ذرا اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے غلط عقائد ورسومات سے یوں چمٹے ہوئے تھے کہ ان سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ ان لغو عقائد کو نظر انداز کر کے ان عقائد حق وصحیح کو تسلیم کرلیں گے۔ جن کی حقانیت اور صداقت کے بارے میں کسی عقل سلیم کو ذرا انکار نہیں۔

معرکہ حق وباطل میں باطل کی شکست فاش نے ان تمام حجابات کو تار تار کر دیا جو حقیقت کے روئے زیبا کو چھپائے ہوئے تھے۔ بتوں پر ان کا یقین متزلزل ہوگیا۔ کہ ہمارے یہ معبود اپنے نعرے لگانے والوں اور قدیمی پرستاروں کو تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود انہیں مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کی دستبرد سے نہیں بچاسکے۔ ان نہتے بے سروسامان مسلمانوں نے ان کے ستر سرداروں کو تہ تیغ کردیا اور ان کے بت ان کی مدد کو نہ آئے۔ ان کے ستر رئیسوں کو جنگی قیدی بننے کی ذلت برداشت کرنا پڑی لیکن ان بتوں نے ان کی کسی زنجیر کو نہیں توڑا۔ اب انہوں نے سنجیدگی سے ان بتوں کے بارے میں سوچنے کی ضرورت محسوس کی۔

اس فتح مبین سے دعوت محمدیہ کی حقیقت آشکارا ہوئی۔ پہلے تو وہ لوگ اس کو قابل توجہ نہیں سمجھتے تھے لیکن اب انہیں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جس دعوت نے ان غریب الوطن مسلمانوں کو ناقابل تسخیر بنادیا ہے وہ اتنی معمولی چیز نہیں ہے کہ اس پر غور وخوض کرنے کی زحمت بھی یہ لوگ گوارا نہ کریں۔ مسلمانوں کی اس میدان کارزار میں اس

فتح سے اللہ کا کلمہ بلند ہوا اور کفر کا جھنڈا سرنگوں ہوا۔

غزوۂ بدر سے پہلے، اس شاندار فتح سے پہلے کفار مسلمانوں کو ضعیف و نزار، بیکس و بے نوا، بے آسرا و بے سہارا سمجھتے تھے۔ اور انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ جب چاہیں گے وہ مسلمانوں کو روندتے ہوئے چلے جائیں گے لیکن اس جنگ میں جب انہوں نے مسلمانوں کی ضربِ حیدری، قوت بازو اور ان کے نعرہ قلندرانہ کی گرج کا تجربہ کیا تو مسلمانوں کے بارے میں ان کا پہلا تصور یکسر کافور ہو گیا۔

مسلمانوں نے جانبازی کے جو جوہر دکھائے تھے۔ شجاعت و بہادری کے جن کارہائے نمایاں کا انہوں نے مظاہرہ کیا اس سے ان کا رعب اور دھاک کفار کے دلوں پر بیٹھ گیا۔

مسلمانوں پر اثرات

اس شاندار واضح فتح سے، سورۃ فتح کی آیت 4 کے بمصداق مسلمانوں کے موجود ایمان راسخ میں اور ایمان کا اضافہ ہوا۔

سورۃ فتح آیت 4 میں خالق و مالک کائنات، قادر مطلق (ہر وقت سب کچھ کر دینے پر قادر) کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اتارا تا کہ انہیں یقین، ایمان پر اور ایمان بڑھے۔'' (اور باوجود عقیدہ راسخہ کے اطمینان نفس حاصل ہو)

یعنی کہ مسلمانوں کا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

اللہ تبارک وتعالیٰ پر

اللہ کے بھروسے پر

اللہ کے توکل پر

اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت، حکمت عملی و تدابیر پر

اللہ کے قادر مطلق ہونے پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے محبوب ہونے پر

اپنا راہ حق پر ہونے پر

اور اس حقیقت پر کہ فلاحِ دارین کا حصول اتباع، اطاعت و فرمانبرداری رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ ان کا ایمان راسخ تو پہلے ہی بہت تھا اس فتح مبین کے بعد اس موجود ایمان میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان میں صبر و شکر اور بڑھا اور وہ مزید اطاعت شعار، فرمانبردار، عبادت گزار اور پرخلوص اتباع والے جاں نثار بن گئے۔

اور یوں مسلمان بطور ایک طاقت اور طاقتور قوم کے ابھر کر اہل عرب کے سامنے آئے۔

اب مسلمان قوت ایمان اور اس کی بنا پر قوت بازو کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ انہیں یہ پتہ چل گیا کہ قوت بازو دراصل قوت ایمان ہی ہے اور ایمان کی دولت حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی بدولت نصیب ہوئی اور اس کے فزوں تر ہونے کا راز اتباع، اطاعت و پرخلوص فرمانبرداری، رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ میں ہے۔

ان کے تو ارادے، عزم، ہمت وحوصلے پہلے ہی بہت بلند تھے۔ اس فتح مبین کے بعد اب وہ آسمانوں کو چھونے لگے۔

غزوۂ بدر میں مشرکین نے بھی مسلمانوں سے ٹکر لے کر دیکھ لیا کہ جنہیں وہ ریت کی دیوار سمجھتے تھے وہ فولادی چٹان ثابت ہوئے اور وہ آئندہ کے لیے، یہ جان گئے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اور انہیں شکست دینا آسان نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا مژدہ جانفزا تمام مسلمانوں کے لیے راحت بخش خوشگوار موسموں اور شاداب ساعتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ریاست مدینہ کو داخلی طور پر ہی نہیں خارجی طور پر بھی استحکام ملا۔ بے سروسامانی کے عالم میں ابلیسی طاقتوں سے ٹکرا جانے والے اہل ایمان کو ایک نئے حوصلے اور ایک نئے ولولے سے نوازا گیا۔ اعتماد کی روشنی ان کے چہروں ماحول و درودیوار کو منور کرنے لگی۔ غزوۂ بدر حق و باطل کی معرکہ آرائی میں ایک فیصلہ کن موڑ تھا مسلمانوں کو کفار پر نفسیاتی برتری بھی حاصل ہوئی۔

مسلمانوں کو اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لیے نئے اقدامات کے بارے میں عزم وعمل کے نئے انداز، نئے زاویے اور ان پر عمل ہونے کا ہنر بھی عطا ہوا۔ مدینہ منورہ کے آسمان سے خوف وہراس کے بادل چھٹ گئے۔ مدینہ منورہ کی غیر مسلم قوتیں اب کھلم کھلا اسلام دشمنی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھیں، منافقین مکہ کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

غزوۂ بدر میں فتح کے بعد مسلمانوں کو معاشی اور عسکری اور سیاسی حوالے سے بھی بے پناہ فوائد حاصل ہوئے اور وہ تمکنت اور وقار کے ساتھ نئے مسلم معاشرے کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔

غزوۂ بدر میں عظیم کامیابی سے مسلمانوں کی ثقافتی اکائی کو مسلمانوں کو بطور قوم پورے عرب میں بڑی حد تک تسلیم کر لیا گیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو قریش کا ایک ناراض گروپ سمجھا جاتا تھا اور انہیں مجلسی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ مگر غزوۂ بدر کے بعد اردگرد کی قوتوں کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ مسلمان ایک پریشر گروپ نہیں بلکہ دنیا کی ایک طاقت اور ابھرتی ہوئی قوم ہیں۔ چنانچہ اب مسلمانوں کے بارے میں سوچا جانے لگا کہ مسلمان مستقبل قریب میں ایک انقلابی قوت بن کر ابھرنے والے ہیں۔ اب آئندہ معاملات ان کی اس حیثیت کو مدنظر رکھ کر طے کئے جائیں گے۔

کفار مکہ پر اثرات

قارئین کرام! اس سے پہلے ''اہل عرب پر مجموعی اثرات کے تحت جو لکھا گیا ہے، اسے درج ذیل سے پہلے ایک بار پڑھ لیں۔ وہ اصل میں تو درج ذیل کا ہی حصہ ہے کیونکہ جس پارٹی پر سب سے زیادہ اثرات پڑے یا جن کے سبب یہ جنگ ہوئی وہ تو کفار مکہ ہی تھے۔

ہر سہولت سے آراستہ، پوری طرح مکمل ہتھیار بند ایک ہزار جنگجوؤں کا لشکر جرار، نہتے 313 مسلمانوں کے ہاتھوں جس طرح شکست فاش سے دوچار ہوا، ان کے ستر جنگجو مارے گئے اور ستر کو قیدی بنالیا گیا اور بدر میں جانے والے 14 سرداروں میں سے 11 وہیں مارے گئے۔ یہ جو کچھ ہو گیا اہل مکہ کو اس کا یقین نہ آتا تھا۔ جنگ سے جان بچا کر بھاگ آنے والوں کو تو ایسے لگتا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے وہ مسلمانوں سے خواب میں بھی ڈرتے تھے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار اور باوقار فتح کے اثرات فوری طور پر اہل مکہ پر مرتب ہوئے، اور قدرتی طور پر ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس عبرتناک شکست نے مشرکین مکہ کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ان کی تدابیر بری طرح ناکام ہوئیں۔ یہ اپنی ہی نظروں میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف جنگی جنون کو انتہا تک لے جانے والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ قریش کی عسکری اور سیاسی شہرت کا خاتمہ ہو گیا۔ مکہ میں حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کرنے والے چودہ میں سے گیارہ سردار مارے گئے۔ انہیں دفاعی حصار کے بیچ میں سے پیک اجل نے اچک لیا اور تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھوں میدان بدر میں مارے گئے۔

مشرکین مکہ نے اس شرمناک شکست سے دوچار ہونے کے باوجود کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ ان کی آتش انتقام اب اور بھڑکی۔ کچھ عرصہ تو قریش جنگ میں کام آنے والوں کے فراق میں غم سے نڈھال رہے اور ماتم کی ممانعت کے باوجود صف ماتم بچھی رہی۔ ذرا سنبھلے تو اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے پر پرزے نکالنے لگے اور اپنی بکھری ہوئی قوت کو جمع کرنے لگے۔

اسی پروگرام کے تحت کہ مسلمانوں سے ہر صورت جلد از جلد انتقام لینا ہے مشرکین مکہ نے اپنی سفارتی سرگرمیاں بہت تیز کر دیں۔ وہ اردگرد کے قبائل کو اپنا ہمنوا بنانے لگے اور مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ بھی گٹھ جوڑ کر لیا۔ احساس شکست سے ان کے جنگی جنون میں اضافہ ہو گیا۔ یہ اپنے زخم چاٹتے اور اسلام کے خلاف از سرنو صف بندی کی منصوبہ بندی کرنے لگے، قریش کے رؤساء کے مختلف اجلاس ہوئے جن میں فیصلہ کیا گیا کہ شکست کا داغ دھونے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر بھرپور تیاری کی جائے تا کہ اسلام پر فیصلہ کن ضرب لگائی جا سکے۔

اہل مکہ بت پرست تھے۔ خانہ کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے، جنہیں وہ اپنی حاجت روائی کے لیے

پکارتے۔گوکہ دین ابراہیمی کی شکل مسخ ہوچکی تھی لیکن چند رسمیں زندہ رہ گئی تھیں۔مثلاً اہل عرب کعبہ کا طواف بھی کرتے، اللہ کوبھی مانتے، اور قریش حاجیوں کی خدمت بھی بجالاتے۔اس لحاظ سے قریش مشرکین مکہ پورے عرب کے سیاسی و مذہبی قائد تھے۔اسلام سے ان کا ٹکراؤ صرف مذہبی محاذ پر ہی نہیں تھا بلکہ استحصال پر مبنی نظام کے حوالے سے بھی ان کا نقطہ نظر مسلمانوں کے خیالات سے متصادم تھا۔مسلمان اس نظام باطلہ ہی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے۔

قریش کا مفاد اسی میں تھا کہ یہ نظام باطلہ یہ سود پر مبنی نظام معیشت جوں کا توں برقرار رہے اور وہ خدا بن کر انسان کے مقدر کے فیصلے کرتے رہیں۔انہیں کعبہ اور مختلف مذہبی رسومات سے خاصی آمدنی ہوتی رہے اور اسی میں سے کچھ حاجیوں پر خرچ کر کے اپنے آپ کو سیاسی طور پر بھی مضبوط رکھیں اور سرداریاں اور اجارہ داری قائم رہیں۔

قریش کی اسلام دشمنی کی بھی اصل وجہ استحصال اور ظلم پر مبنی نظام کے خلاف حضورِانور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا آواز بلند کرنا ہی تھا۔

اس شکست فاش کے بعد تو انہیں واضح طور پر اپنا تختِ اقتدار ڈولتا نظر آیا، اپنے مفادات خطرے میں دکھائی دیئے۔اپنی سیاسی دکانداریوں کا بستر گول ہونے لگا اور اپنی مذہبی اجارہ داریوں پر زد پڑی تو یہ لوگ اپنے تمام وسائل کے ساتھ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

انہوں نے مسلمانوں سے جلد انتقام لینے کی خاطر پروگرام بنائے اور ان میں عمل پیرا ہوگئے۔غصے میں وہ عبرتناک شکست کو بھی بھول گئے۔اور پھر پہلے جیسی ہی خام خیالیوں میں مبتلا ہوگئے۔انہیں پھر یہ یقین ہوگیا کہ اپنی دولت، افرادی قوت واسلحہ کے زور پر وہ مسلمانوں کو مدینہ میں ہی تہس نہس کردیں گے اس لیے پھر زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔

شکست خوردہ قریش نے اپنا غصہ مکہ میں مقیم مسلمانوں پر نکالنا شروع کردیا۔وہ اپنے گھروں میں دبک کر رہ گئے اور ان کا سانس لینا تک دشوار کردیا۔اسلام کے دامن رحمت میں آنے والے نئے مسلمان ان حالات میں مشرکین سے اپنے ایمان کو خفیہ رکھنے پر مجبور تھے کہ کسی وقت بھی مشرکین کا غیظ وغضب ان پر عذاب بن کر ٹوٹ سکتا تھا۔

غزوۂ بدر میں شکست سے قریش کی تجارتی سرگرمیاں بھی خاصی متاثر ہوئیں لیکن وہ بدستور بغض وعناد کی آگ میں جلتے رہے امن و آشتی اور صلح کے الفاظ ان کی لغت میں تھے ہی نہیں۔اب انہوں نے ملک شام میں بغرض تجارت جانے کے لیے پرانا اور معروف راستہ، چھوڑ کر نئے راستے (جو مکہ سے مشرق کی طرف دور تک چلے جانے کے بعد پھر شمال کی طرف مڑتا ہے) اختیار کرنا شروع کردیئے۔

یہودیوں پر اثرات

اوس وخزرج کی اکثریت نے دل وجان سے دین اسلام کو قبول کرلیا تھا۔ان میں سے بہت کم تعداد ایسے

لوگوں کی تھی جو اپنے مشرکانہ عقائد پر اڑے رہے۔ اس کے بالکل برعکس یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ اور یہود بنو حارث۔ ان میں سے گنتی کے چند ایسے خوش بخت تھے جنہوں نے خوشی و رغبت سے دین اسلام اختیار کرلیا۔ لیکن ان کی اکثریت اپنے عقیدہ یہودیت پر قائم رہی۔

مدینہ اور مدینہ کے مضافات میں آباد یہود قبائل نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی عظیم فتح کی خبر پر حیرت، خوف اور نفرت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا انہیں تو سرے سے اس فتح کا یقین ہی نہ تھا۔ اپنے قومی تعصب کی بنا پر وہ تو ہر دم مسلمانوں کا برا ہی چاہتے تھے۔ وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کو سیاسی، معاشی اور عسکری حوالے سے استحکام نصیب ہو۔ وہ تو مدینہ میں مسلمانوں کو دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے قدرتی طور پر غزوۂ بدر کے انجام پر منفی ردعمل ظاہر کیا۔ مسلمانوں کی فتح سے ناخوشی کے اظہار میں اکثریت نے خاموشی اختیار کرلی۔ اور مسلمانوں کی قوت سے سہم گئے اور اب درپردہ آئندہ کا لائحہ عمل بنانے لگے۔ سرکردہ یہودیوں میں صلاح مشورے شروع ہوگئے اور ان میں سے کئی ایک نے درپردہ مشرکین مکہ سے رابطہ قائم کرلیا۔

تاہم جن کے دلوں میں حرف حق کی تلاش کی ذرا سی بھی جستجو تھی اور اپنی کتب میں نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کے بارے میں درج تمام نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ اور اب انہوں نے نامساعد حالات میں مسلمانوں کی شاندار فتح بھی دیکھ لی تھی اس لیے انہوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا۔

اس فتح مبین نے جہاں اسلام کی حقانیت واضح کی وہاں اس نے مسلمانوں کا ایک طاقتور قوم ہونے کا ثبوت بھی دے دیا۔ پرخلوص یہودیوں نے تو اپنے شوق و رغبت سے دین اسلام قبول کیا لیکن منافقین نے ڈر کر مصلحتاً اسلام قبول کرلیا۔

اسلام قبول کرنے والے یہودیوں میں کچھ نے تو دل کی گہرائیوں سے اسلام کو اپنی روح کا حصہ بنایا اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور چند ایک نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کاٹنے کا گھناؤنا تخریبی عمل شروع کردیا۔

یہودیوں کی تعداد بھی مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں خاصی تھی اور وہ تقریباً سب ہی خوشحال تھے، تجارت اور زراعت میں ان کی اجارہ داری تھی۔ دین اسلام اور مسلمان ان کی اس اجارہ داری، فوقیت کے لیے خطرہ تھے اس لیے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اپنے فطری قومی بغض و حسد و عناد کے سبب وہ مشرکین مکہ سے مل گئے۔

اسلام کی اس فتح مبین کے بعد ان کی قومی عصبیت نے شدت اختیار کرلی۔ اور ان کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے حضورِ انور نبی کریم رحمت دو عالم ﷺ کی مخالفت شروع کردی۔ انہوں نے اوس و خزرج کے مشرک افراد سے یارانہ گانٹھا اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

بدر میں اسلام کی فتح مبین کے باوجود انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی الٹا وہ مارے حسد کے انگاروں پر لوٹنے لگے۔

عبداللہ بن ابی جو قبیلہ خزرج کا فرد تھا۔ اور اس گروہ کا سربراہ تھا جو اوس و خزرج، اپنے مشرکانہ عقائد پر پختہ تھے۔ اس نے اس فتح کے بعد منافقت کا نقاب اپنے چہرے پر ڈال لیا تھا۔ وہ دکھاوے کے لیے مسلمان ہو گیا اور دل سے یہودی ہی رہا۔

عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں بظاہر جو چند ایک منافق یہودیوں نے اسلام قبول کر لینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی اب وہ در پردہ سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کی جاسوسی کر کے اسلام دشمن قوتوں سے رابطے استوار کرنے اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو شہید کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

جب یہودیوں کے مشرکین مکہ سے رابطے قائم ہو گئے اور باہمی گفت و شنید کے بعد دونوں میں یہ طے پا گیا کہ مسلمان دونوں کے لیے بہت بڑا اور یقینی خطرہ ہیں تو انہوں نے آئندہ آنے والے حالات میں ایک دوسرے کی معاونت کا در پردہ اقرار کر لیا۔

یہودی مشرکین مکہ کی نسبت کچھ زیادہ چالاک اور عیار تھے انہوں نے اس خطرہ کو ٹالنے کے لیے اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے شکست خوردہ مشرکین مکہ کو ابھی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ابھارا۔ مشرکین بھی اس شکست فاش کا بدلہ تو لینا چاہتے تھے۔ اس لیے دونوں فریق ہم خیال ہو گئے اور ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

میثاقِ مدینہ کے مطابق یہود اس بات کے پابند تھے کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر رسول کا دفاع کریں گے۔ لیکن یہودیوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ کعب بن اشرف تو کھلی دشمنی پر اتر آیا اور انہوں نے کفار کی شکست پر افسوس کا اظہار کیا۔

یہودی در پردہ ہی نہیں اعلانیہ طور پر مشرکین مکہ کو امداد کی پیش کش کرنے لگے کہ وہ آئیں اور اپنی شکست کا بدلہ لیں ہم ہر طرح سے تعاون کریں گے۔ روز بروز ان کی سرکشی میں اضافہ ہونے لگا۔

اب وہ مسلمانوں کے ساتھ کہیں کہیں ہلکی ہلکی چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگے اور بات بات پر کہنے لگے کہ تم مشرکین مکہ سے اتفاقیہ جیت گئے ہو اور اپنے آپ کو بہت جنگجو اور بہادر سمجھنے لگے ہو۔ اگر ہم سے پالا پڑ گیا تو تمہیں پتہ لگ جائے گا۔ ان کا یہ طرز عمل، بات چیت کا انداز اور باغیانہ رویہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا۔

دیگر قبائل پر اثرات

عرب کے دیگر قبائل نے بھی مسلمانوں کی شاندار فتح کی خبر کو خوش دلی سے قبول نہیں کیا۔ وہ بھی ان گنت تحفظات کا شکار ہو گئے۔ بعض قبائل کی گذر اوقات ہی لوٹ مار پر ہوتی تھی۔ تجارتی قافلے بھی ان کی دستبرد سے

محفوظ نہ تھے انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت کو استحکام ملا اور یہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی تو یہ سب سے پہلے اللہ کی حاکمیت اور اس کے قانون کی بالادستی کے لیے اقدامات کرے گی۔ اور لوٹ مار ڈاکہ زنی کی اجازت نہ دے گی۔

انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ اسلامی حکومت ترجیحی بنیادوں پر امن وامان قائم کر کے لاقانونیت اور دہشت گردی کا خاتمہ کرے گی۔ اس طرح ان کی لوٹ مار کی راہیں مسدود ہو جائیں گی، انہیں قتل وغارت گری سے ہاتھ روکنا پڑے گا۔ اور گزراوقات کے لیے کوئی اور مہذب ذرائع، راستے اختیار کرنا پڑیں گے جو کہ یقینی طور پر محنت طلب ہوں گے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے قریش کو مذہبی ہی نہیں سیاسی اور معاشی لحاظ سے بھی جزیرہ نمائے عرب میں فوقیت حاصل تھی، یہ لوگ بنیادی طور پر تاجر پیشہ تھے دیگر قبائل کے مفادات ان سے وابستہ تھے اس لیے قریش کی عسکری، سیاسی اور نفسیاتی شکست ان کے لیے بھی سوہان روح بن گئی۔

غزوۂ بدر میں ذلت آمیز شکست سے قریش کی سیاسی، مذہبی اور معاشی قیادت کے بت پر کاری ضرب پڑی۔ اور معاشرے پر قریش کی گرفت اتنی مضبوط نہ رہی جتنی پہلے تھی۔ ان کی مذہبی حیثیت بھی متاثر ہوئی لیکن قبائل مذہبی حیثیت کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کا سارا زور مالی مفادات پر تھا اس لیے ان کی وفاداریاں بھی اپنے مفادات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔

قصہ مختصر

اس فتح مبین سے اسلام کا خوب چرچا ہوا، اسلام کا بول بالا ہوا، اسلام پھیلا اور مضبوط ہوا، انسانیت کی راہ ہموار ہوئی، مسلمانوں کی قوت ایمانی میں اضافہ ہوا، مسلمان معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط ہو گئے، سارے عرب میں دین اسلام کی باتیں ہونے لگیں، مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہوا۔ مدینہ کا دفاع مضبوط ہو گیا، مسلمانوں کی قوت ایمانی اور قوت بازو سے عرب سہم گئے اور مسلمان بطور ایک طاقت ور منظم قوم کے مان لیے گئے۔ اور مدینہ منورہ پر دشمنوں کے حملہ کے فوری خطرات ٹل گئے۔

لیکن اب یہودیوں اور مشرکین نے دین اسلام کو، مسلمانوں کو اپنے مفادات کے لیے ابھرتے ہوئے حقیقی خطرے کے طور پر جان لیا اور انہوں نے خطرے سے نمٹنے کے لیے پیش بندی شروع کر دی۔

اسلام دشمن طاقتیں اب نئے سرے سے منظم ہونے لگیں اور مسلمانوں کے لیے خطرات بڑھتے گئے، عرب کے قبائل، مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں یہودی بھی اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے درپردہ سازشوں میں مصروف ہو گئے، منافقین مدینہ بھی اور سرگرم عمل ہو گئے۔ قریش نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ سفارتی سطح پر قبائل متحرک ہو گئے اور اسلام کے خلاف یہ ساری قوتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے لگیں۔

شرکائے بدر

میں نے یہ مبارک اسمائے شرکائے بدر، سیرت النبی، ابن ہشام، اردو ترجمہ از مولانا عبدالجلیل صدیقی کی جلد 1 کے صفحات 789 تا 814 سے لیے ہیں۔

قلعہ دین اسلام کی بنیادوں میں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خون پسینہ ہے۔ یہ نفوس قدسیہ حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین سپاہی و جرنیل تھے۔ یہ وہ پاک باز لوگ ہیں جنہیں پیغمبر اوّل و آخر واعظم، ہادیٔ انس و جان رہبر کائنات، رسول بحروبر، شفیع المذنبین، اصل الموجوات، فخر کائنات، سید المرسلین خاتم النبیین، حضورِ انور نبی کریم رؤف ورحیم، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی اور جنہوں نے اپنے رب کی پرخلوص عبادت اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ ترین اتباع، اطاعت و فرمانبرداری کی۔ یہ نام بہت بہت زیادہ متبرک ہیں اور ان میں سے اور بھی زیادہ ممتاز و متبرک ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ہیں جو ان ہی کے ساتھ میدان بدر میں تھے اور اللہ رب العزت نے انہیں غزوۂ بدر میں شہادت کے عظیم رتبہ سے نوازا۔

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ نام ان مسلمانوں کے ہیں جو بدر میں حاضر تھے۔

معرکہ بدر میں تین سو سترہ (317) مسلمان شامل ہوئے۔ تین سو تیرہ (313) جو لشکر اسلام کی شکل میں بدر پہنچے اور چار (4) وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں ہر طرح سے بدری شمار فرمایا گیا۔ اور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی فرمانا ہے۔ (سورۃ نجم آیات 3 اور 4)۔ ان چار کے ناموں کے ساتھ اس امر کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ان تین سو سترہ (317) میں سے چھیاسی (86) مہاجرین اور دو سو اکتیس (231) انصار تھے۔ اور انصار میں ایک سو ستر (170) خزرجی اور اکسٹھ (61) اوسی تھے۔ ان تمام بدریوں کے نام ان کے قبائل کی طرف منسوب ہیں۔

بدری مہاجرین

بنی ہاشم بن عبد مناف سے آٹھ آدمی شامل ہوئے۔

1- پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف (صلی اللہ علیہ وسلم)

2- حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف
3- علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف
4- زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی (رسول اللہ ﷺ کا غلام)
5- آنسہ حبشی (رسول اللہ ﷺ کا غلام)
6- ابو کبشہ فارسی (رسول اللہ ﷺ کا غلام)
7- کنانہ بن حصین بن یربوع (ان کا حلیف) یہ قیس عیلان سے تھا اور اس کی کنیت ابو مرثد تھی۔
8- اس کا بیٹا مرثد بن ابی مرثد (یہ بھی ان کا حلیف تھا)

بنی المطلب بن عبد مناف سے چار آدمی ہوئے۔

1- عبیدہ بن حارث بن المطلب (بدر کے روز شدید زخمی ہوئے)
2- طفیل بن حارث بن المطلب
3- حصین بن حارث بن المطلب
4- مسطح، اس کا نام عوف بن اثاثہ بن عباد بن المطلب تھا۔

بنی امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف سے سولہ آدمی شامل ہوئے۔

1- عثمان بن عفان، آپ اپنی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی عیادت کی وجہ سے مدینہ میں پیچھے رہ گئے، رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ نے غنیمت میں ان کا حصہ لگایا اور آپ کو بدریوں میں شامل کیا۔
2- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف
3- سالم، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کا غلام۔
4- عبداللہ بن جحش (ان کا حلیف)
5- عکاشہ بن محصن (ان کا حلیف)
6- شجاع بن وہب بن ربیعہ (ان کا حلیف)
7- عتبہ بن وہب بن ربیعہ (ان کا حلیف)
8- یزید بن رقیش (ان کا حلیف)
9- ابو سنان بن محصن بن حرثان بن قیس (ان کا حلیف)
10- سنان بن ابی سنان (ان کا حلیف)
11- محرز بن نضلہ بن عبداللہ (ان کا حلیف)
12- ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ (ان کا حلیف)
13- ثقیف بن عمرو (ان کا حلیف)

14- مالک بن عمرو (ان کا حلیف)

15- مدلج بن عمرو (ان کا حلیف)

16- ابومخشی (ان کا حلیف)

بنی نوفل بن عبد مناف سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- عتبہ بن غزوان (ان کا حلیف)

2- خباب، عتبہ بن غزوان کا غلام (ان کا حلیف)

بنی اسد بن العزیٰ سے تین آدمی شامل ہوئے۔

1- زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد

2- حاطب بن ابی بلتعہ یمانی (ان کا حلیف)

3- سعد کلبی (حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام) ان کا حلیف۔

بنی عبدالدار بن قصی سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار

2- سویط بن سعد بن حریملہ

بنی زہرہ بن کلاب سے آٹھ آدمی شامل ہوئے۔

1- عبدالرحمٰن بن عوف

2- سعد بن ابی وقاص

3- عمیر بن ابی وقاص

4- مقداد بن عمرو بن ثعلبہ (ان کا حلیف)

5- عبداللہ بن مسعود بن حارث ہذلی (ان کا حلیف)

6- مسعود بن ربیعہ بن عمرو بن سعد (ان کا حلیف)

7- ذوالشمالین بن عمرو بن نضلہ خزاعی (ان کا حلیف)

8- خباب بن الارت تمیمی (ان کا حلیف)

بنی تیم بن مرہ سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- ابوبکر صدیق، آپ کا نام عتیق بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم ہے۔

2- بلال بن رباح (ابوبکر صدیق کا غلام)

3- عامر بن فہیرہ (ابوبکر صدیق کا غلام)

4- صہیب بن سنان (عبداللہ بن جدعان تیمی کا غلام)

5- طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ آپ جنگ کے وقت شام گئے ہوئے تھے۔ رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ نے آپ کا حصہ لگایا اور آپ کو اجر میں بدریوں کے ساتھ شامل کیا۔

بنی مخزوم سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- ابوسلمہ بن عبدالاسد، آپ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے۔

2- شماس بن عثمان بن شرید

3- ارقم بن ابی ارقم (آپ کا نام عبد مناف بن اسد ہے)

4- عمار بن یاسر

5- معتب بن عوف بن عامر خزائی (ان کا حلیف)

بنی عدی بن کعب (حضرت عمر کا قبیلہ) سے تیرہ آدمی شامل ہوئے۔

1- عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ

2- مہجع العکی (حضرت عمر بن الخطاب کا غلام)

3- عمرو بن سراقہ بن معتمر

4- واقد بن عبداللہ بن عبد مناف یربوعی (ان کا حلیف)

5- خولی بن ابی خولی (ان کا حلیف)

6- عبداللہ بن سراقہ

7- مالک بن ابی خولی (ان کا حلیف)

8- عامر بن بکیر بن عبد یالیل (ان کا حلیف)

9- عاقل بن بکیر

10- خالد بن بکیر

11- ایاس بن بکیر

12- زید بن الخطاب (حضرت عمر بن الخطاب کا بھائی)

13- سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔ آپ شام میں تھے۔ جب آپ آئے تو رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ نے آپ کا حصہ لگایا اور اجر میں آپ کو بدریوں میں شامل کیا۔ پس آپ بدری ہوئے۔

بنی جمح بن عمرو بن مصیص بن کعب سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- عثمان بن مظعون

2- السائب بن عثمان بن مظعون

3- قدامہ بن مظعون (یہ عثمان بن مظعون کے بھائی ہیں)

4- عبداللہ بن مظعون (یہ عثمان بن مظعون کے بھائی ہیں)
5- معمر بن حارث بن معمر
بنی سہم بن عمرو بن مصیص سے ایک آدمی شامل ہوا۔
1- ایک آدمی جس کے نام کا ابن اسحاق نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن ابن ہشام نے اس کا نام خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سہم لکھا ہے۔
بنی عامر بن لوی سے سات آدمی شامل ہوئے۔
1- ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ
2- عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ
3- عبداللہ بن سہیل بن عمرو
4- عمیر بن عوف (سہیل بن عمرو کا غلام)
5- سعد بن خولہ (ان کا حلیف)
6- وہب بن سعد بن ابی سرح
7- حاطب بن عمرو
بنی حارث بن فہر سے چھ آدمی شامل ہوئے۔
1- عامر بن عبداللہ بن الجراح (جو ابوعبیدہ بن الجراح کے نام سے مشہور ہیں)
2- عمرو بن حارث بن زہیر
3- سہیل بن وہب بن ربیعہ
4- صفوان بن وہب بن ربیعہ
5- عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ
6- عیاض بن زہیر

یہ مہاجرین میں سے بدری صحابہ ہیں رضی اللہ عنہم ان میں سے تین آدمی جنگ میں شامل نہیں تھے اور وہ بدریوں میں شمار ہیں، اللہ کے ہاں ان کا اجر بھی بدریوں کی طرح ہے اور انہوں نے غنائم میں سے اپنا حصہ لیا اور وہ یہ ہیں:
عثمان بن عفان
طلحہ بن عبیداللہ
اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔
غرض جملہ مہاجرین، جو بدر میں حاضر تھے اور جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حصہ اور اجر عطا فرمایا وہ سب

تراسی (83) تھے۔

ابن ہشام نے کہا: ابن اسحاق کے سوا دوسرے بہت سے اہل علم سے بدری مہاجرین میں بنی عامر بن لوی میں سے وہب بن ابی سرح اور حاطب بن عمرو کا اور بنی الحارث بن فہر میں سے عیاض بن ابی زہیر کا بھی ذکر کیا ہے (گویا ان تینوں کو بھی شامل کرلیا جائے تو مہاجرین 86 بنیں گے)۔

بدری انصار اوس

بنی عبدالاشہل (اوس کا ایک بطن) سے پندرہ آدمی شامل ہوئے۔

1- سعد بن معاذ
2- حارث بن اوس بن معاذ
3- حارث بن انس بن رافع
4- سعد بن زید بن مالک
5- سلمہ بن سلامہ بن وقش
6- عباد بن بشر بن وقش
7- سلمہ بن ثابت بن وقش
8- رافع بن یزید بن کرز
9- حارث بن خزمہ بن عدی
10- محمد بن مسلمہ
11- سلمہ بن اسلم بن حریش (بنی حارث سے ان کا حلیف)
12- ابوالہیثم بن النبہان
13- عبید بن النبہان
14- عمرو بن معاذ بن نعمان
15- عبداللہ بن سہل

بنی ظفر (اوس کا ایک بطن) سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- قتادہ بن نعمان بن زید
2- عبید بن اوس بن مالک

بنی عبد بن رزاح (اوس کا ایک بطن سے) تین آدمی شامل ہوئے۔

1- نصر بن حارث بن عبد

2- معتب بن عبد
3- عبداللہ بن طارق البلوی (ان کا حلیف)

بنی حارثہ بن حارث (اوس کا ایک بطن) سے تین آدمی شامل ہوئے۔

1- مسعود بن سعد بن عامر
2- ابوعبس بن جبر
3- صافی بن نیار البلوی (ان کا حلیف)

بنی عمرو بن عوف (اوس کا ایک بطن) سے چھ آدمی شامل ہوئے۔

1- عاصم بن ثابت بن قیس
2- قیس ابوالافلح بن عصمہ
3- معتب بن قشیر
4- ابوملیل بن الازعر
5- عمرو بن معبد الازعر
6- سہل بن حنیف

بنی امیہ بن زید (اوس کا ایک بطن) سے نو آدمی شامل ہوئے۔

1- مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر
2- رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنبر
3- سعد بن عبید بن نعمان
4- عویم بن ساعدہ
5- رافع بن عنجدہ
6- عبید بن ابی عبید
7- ثعلبہ بن حاطب
8- حارث بن حاطب۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے راستے سے ہی واپس آ گئے۔ آپ نے ان کا حصہ لگایا اور اجر میں بدریوں کے ساتھ شامل کیا۔
9- ابولبابہ بن عبدالمنذر

بنی عبید بن زید (اوس کا ایک بطن) سے سات آدمی شامل ہوئے۔

1- انیس بن قتادہ بن ربیعہ
2- معن بن عدی بن الجد البلوی (ان کا حلیف)

3- عبداللہ بن سلمہ العجلانی (ان کا حلیف)

4- زید بن اسلم بن ثعلبہ العجلانی (ان کا حلیف)

5- ربعی بن رافع بن زید العجلانی (ان کا حلیف)

6- عاصم بن عدی بن الجد العجلانی (ان کا حلیف) آپ مسلمانوں کے ساتھ بدر کی طرف گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو واپس کر دیا اور اصحاب بدر کے ساتھ آپ کا حصہ لگایا اور آپ کو بدریوں میں شامل کیا۔

7- ثابت بن اقوم بن ثعلبہ العجلانی (ان کا حلیف)

بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف (اوس کا ایک بطن) سے سات آدمی شامل ہوئے۔

1- عبداللہ بن جبیر بن نعمان

2- عاصم بن قیس بن ثابت

3- ابوضیاح بن ثابت بن نعمان

4- ابوحنہ (اور بعض آپ کو ابوحبہ) بن ثابت بن نعمان (کہتے ہیں)

5- سالم بن عمیر بن ثابت

6- حارث بن نعمان بن امیہ

7- خوات بن جبیر بن نعمان

بنی جحجی بن کلفہ بن عوف (اوس کا ایک بطن) سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- منذر بن محمد بن عقبہ

2- ابوعقیل بن عبداللہ بن ثعلبہ جو بنی انیف سے ہیں (ان کا حلیف)

بنی غنم بن اسلم (اوس کا ایک بطن) سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- سعد بن خیثمہ

2- منذر بن قدامہ بن عرفجہ

3- مالک بن قدامہ بن عرفجہ

4- حارث بن عرفجہ

5- تمیم (ان کا غلام)

بنی معاویہ بن مالک بن عوف (اوس کا ایک بطن) سے تین آدمی شامل ہوئے۔

1- جبر بن عتیک بن حارث

2- مالک بن نمیلہ و جو مزینہ سے ان کے حلیف تھے

3- نعمان بن عصر (ان کا حلیف) بلی قبیلہ سے۔

یہ خصوصاً قبیلہ اوس کے بدری انصار ہیں اور یہ اکسٹھ (61) جانباز ہیں۔

خزرج

بنی امری القیس بن مالک سے چار آدمی شامل ہوئے۔

1- خارجہ بن زید
2- سعد بن الربیع
3- عبداللہ بن رواحہ
4- خلاد بن سوید بن ثعلبہ

بنی زید بن مالک سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- بشیر بن سعد بن ثعلبہ
2- سماک بن سعد بن ثعلبہ

بنی عدی بن کعب بن الخزرج سے تین آدمی شامل ہوئے۔

1- سبیع بن قیس بن عیشہ
2- عباد بن قیس بن عیشہ
3- عبداللہ بن عبس

بنی احمر بن حارثہ بن ثعلبہ سے ایک آدمی شامل ہوا۔

1- یزید بن حارث بن قیس

بنی جشم بن حارث بن الخزرج سے چار آدمی شامل ہوئے۔

1- خبیب بن اساف بن عتبہ
2- عبداللہ بن زید بن ثعلبہ
3- حریث بن زید بن ثعلبہ
4- سفیان بن بشر

بنی جدارہ بن عوف بن حارث سے چار آدمی شامل ہوئے۔

1- تمیم بن یسار بن قیس
2- عبداللہ بن عمیر
3- زید بن المزین بن قیس
4- عبداللہ بن عرفطہ بن عدی

بنی الابجر (اور وہ بنو حذرہ ہیں) سے ایک آدمی شامل ہوا۔

1- عبداللہ بن ربیع بن قیس

بنی عوف بن الخزرج، پھر بنی عبید سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی انصاری، ان کا باپ رئیس المنافقین تھا اور یہ اسلام کے بہترین نوجوانوں میں سے تھے اور جلیل القدر صحابی تھے۔

2- اوس بن خولی بن عبداللہ بن حارث

بنی جزء بن عدی بن مالک سے چھ آدمی شامل ہوئے۔

1- زید بن ودیعہ بن عمرو، ان کا غطفانی حلیف

2- عامر بن سلمہ بن عامر، ان کا یمنی حلیف

3- ابوحمیضہ، معبد بن عباد، انہیں ابن عبادہ بن قشیر بھی کہا جاتا ہے۔

4- عامر بن بکیر (ان کا حلیف)

5- عتبہ بن وہب بن کلدہ (ان کا غطفانی حلیف)

6- رفاعہ بن عمرو بن زید (ان کا حلیف)

بنی سالم بن عوف سے ایک آدمی شامل ہوا۔

1- نوفل بن عبداللہ بن نصلہ

بنی احرم بن فہر بن ثعلبہ سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- عبادہ بن الصامت

2- اوس بن الصامت

بنی دعد بن فہر بن ثعلبہ سے ایک آدمی شامل ہوا۔

1- نعمان بن مالک بن ثعلبہ

بنی لوذان بن سالم سے دس آدمی شامل ہوئے۔

1- ثابت بن ہزال

2- مالک بن الدخشم بن مرضخہ (اور وہ بنی مرضخہ میں سے تھا)

3- ربیع بن ایاس بن عمرو بن غنم

4- ورقہ بن ایاس

5- عمرو بن ایاس (ان کا یمنی حلیف)

6- المجذر بن زیاد البلوی (ان کا حلیف)

7- عبادہ بن خشخاش بن عمرو

8- نحاب، اور اسے بحاث بن ثعلبہ بن حزمہ بھی کہا جاتا ہے۔

9- عبداللہ بن ثعلبہ بن حزمہ

10- عتبہ بن ربیعہ بن خالد بن معاویہ (ان کا حلیف)

بنی ساعدہ بن کعب بن الخزرج سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- ابو دجانہ (سماک بن اوس بن خرشہ)

2- منذر بن عمرو بن خنیس، اور انہیں منذر بن عمرو بن خنبش بھی کہا جاتا ہے۔

بنی البدی بن عامر سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- ابو اسید بن ربیعہ البدی

2- مالک بن مسعود البدی

بنی طریف بن الخزرج سے چھ آدمی شامل ہوئے۔

1- عبدربہ بن حق بن اوس

2- کعب بن حمار (اور اسے ابن جماز بن ثعلبہ الغبشانی الجہنی بھی کہا جاتا ہے۔) (ان کا حلیف)

3- ضمرہ بن عمرو (اور اسے ابن بشر الجہنی بھی کہا جاتا ہے) (ان کا حلیف)

4- زیاد بن عمرو (اسے بھی اسی طرح ابن بشر الجہنی کہا جاتا ہے۔) (ان کا حلیف)

5- بسبس بن عمرو الجہنی، (ان کا حلیف)

6- عبداللہ بن عامر البلوی (ان کا حلیف)

بنی جشم بن الخزرج سے بارہ آدمی شامل ہوئے۔

1- خراش بن الصمہ بن عمرو

2- حباب بن منذر

3- عمیر بن الحمام

4- تمیم (خراش بن الصمہ کا غلام)

5- عبداللہ بن عمرو بن حرام

6- معاذ بن عمرو بن الجموح

7- خلاد بن عمرو بن الجموح

8- عقبہ بن عامر بن نابی

9- حبیب بن اسود (ان کا غلام)
10- ثابت بن ثعلبہ بن زید
11- معوذ بن عمرو بن الجموح
12- عمیر بن الحارث بن ثعلبہ

بنی عبید بن عدی بن غنم بن کعب سے آٹھ آدمی شامل ہوئے۔

1- بشر بن البراء بن معرور بن صخر
2- طفیل بن مالک بن خنساء
3- سنان بن صیفی بن خنساء
4- عبداللہ بن الجد بن قیس بن صخر بن خنساء
5- عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنساء
6- خارجہ بن حمیر اشجعی، (ان کا حلیف)
7- عبداللہ بن حمیر (ان کا حلیف)
8- طفیل بن نعمان بن خنساء

بنی خناس بن سنان بن عبید سے سات آدمی شامل ہوئے۔

1- یزید بن منذر بن سرح بن خناس
2- معقل بن منذر بن خناس
3- عبداللہ بن نعمان بن بلامہ
4- ضحاک بن حارثہ بن زید
5- سواد بن زریق بن ثعلبہ
6- معبد بن قیس بن صخر بن حرام
7- عبداللہ بن قیس بن صخر بن حرام

بنی سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سے چار آدمی شامل ہوئے۔

1- یزید بن حدیدہ
2- سلیم بن عمرو بن حدیدہ
3- قطبہ بن عمرو بن حدیدہ
4- عنترہ (سلیم بن عمرو کا غلام)

بنی عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- عبس بن عامر بن عدی
2- ثعلبہ بن غنمہ بن عدی
3- سہل بن قیس بن ابی کعب
4- عمرو بن طلق بن زید بن امیہ
5- معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس

بنی زریق بن عامر بن زریق سے سات آدمی شامل ہوئے۔

1- قیس بن محصن بن خالد
2- ابو خالد (حارث بن قیس بن خالد)
3- جبیر بن ایاس بن خالد
4- ابو عبادہ (سعد بن عثمان بن خلدہ)
5- ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ
6- عتبہ بن عثمان بن خلدہ
7- مسعود بن خلدہ بن عامر

بنی خالد بن عامر بن زریق سے ایک آدمی شامل ہوا۔

1- عباد بن قیس بن عامر بن خالد

بنی خلدہ بن عامر بن زریق سے پانچ آدمی شامل ہوئے۔

1- اسعد بن یزید بن الفاکہہ
2- الفاکہہ بن بشر بن الفاکہہ
3- معاذ بن ماعص بن قیس
4- مائذ بن ماعص بن قیس
5- مسعود بن سعد بن قیس

بنی العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق سے چھ آدمی شامل ہوئے۔

1- رفاعہ بن رافع بن العجلان
2- خلاد بن رافع بن مالک
3- عبید بن زید بن عامر
4- عبید بن مالک بن عمرو
5- ملیل بن وبرہ بن خالد

6- عصمہ بن الحصین بن وبرہ

بنی بیاضہ بن عامر بن زریق سے چھ آدمی شامل ہوئے۔

1- زیاد بن لبید بن عامر

2- فروہ بن عمرو بن وذفہ

3- خالد بن قیس بن مالک

4- رجیلہ بن ثعلبہ بن خالد

5- عطیہ بن نویرہ بن عامر

6- خلیفہ بن عدی بن عمرو، انہیں حلیفہ بھی کہا جاتا ہے۔

بنی حبیب بن عبد حارثہ سے دو آدمی شامل ہوئے۔

1- رافع بن المعلی بن لوذان

2- ہلال بن المعلی بن لوذان

بنی نجار (جوتیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج سے) سے ترپن (53) آدمی شامل ہوئے۔

1- خالد بن زید بن کلیب

2- ثابت بن خالد بن نعمان

3- عمارہ بن حزم بن زید

4- سراقہ بن کعب بن عبدالعزیٰ

5- حارثہ بن نعمان بن زید

6- سیم بن قیس بن فہد

7- سہیل بن رافع بن ابی عمرو

8- عدی بن الزغباء، ان کا جہینی حلیف۔

9- مسعود بن اوس بن زید

10- ابوخزیمہ بن اوس بن زید

11- رافع بن حارث بن سواد

12- عوف بن حارث بن رفاعہ

13- معوذ بن حارث بن رفاعہ

14- معاذ بن حارث بن رفاعہ (یہ تینوں عفراء کے بیٹے ہیں)

15- نعمان بن عمرو بن رفاعہ، اور اسے (نعیمان) بھی کہا جاتا ہے۔

16- عامر بن مخلد بن حارث

17- عبداللہ بن قیس بن خالد

18- عصیمہ۔ (ان کا اشجعی حلیف)

19- ودیعہ بن عمرو (ان کا جہینی حلیف)

20- ثابت بن عمرو بن زید

21- ثعلبہ بن عمرو بن محصن

22- سہل بن عتیک بن عمرو

23- حارث بن الصمہ بن عمرو، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ الروحاء میں ان کی ہڈی ٹوٹ گئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا حصہ لگایا اور یہ بدری ہو گئے۔

24- ابی بن کعب بن قیس

25- انس بن معاذ بن انس

26- اوس بن ثابت بن المنذر

27- ابو شیخ (ابی بن ثابت بن المنذر، حسان بن ثابت کے بھائی)

28- ابوطلحہ (زید بن سہل بن اسود)

29- حارث بن سراقہ بن حارث

30- عمرو بن ثعلبہ بن وہب

31- سلیط بن قیس بن عمرو بن عتیک

32- ابوزید قیس بن سکن

33- ابوخارجہ عمرو بن قیس بن مالک

34- ثابت بن خنساء بن عمرو

35- عامر بن امیہ بن زید

36- محرز بن عامر بن مالک

37- سواد بن غزیہ بن اہیب البلوی (ان کا حلیف)

38- حارث بن ظالم بن عبس (ابوالاعور) اور بعض کہتے ہیں ابوالاعور بن حارث بن ظالم

39- سلیم بن ملحان بن خالد بن زید

40- حرام بن ملحان بن خالد

41- قیس بن ابی صعصعہ

42- عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف

43- عصیمہ (بنی اسد بن خزیمہ سے ان کا حلیف)

44- عمیر بن عامر بن مالک

45- سراقہ بن عمرو بن عطیہ

46- قیس بن مخلد بن ثعلبہ

47- نعمان بن عبد عمرو بن مسعود

48- ضحاک بن عبد عمرو بن مسعود

49- سلیم بن حارث بن ثعلبہ

50- جابر بن سہیل بن عبدالاشہل

51- سعد بن سہیل بن عبدالاشہل

52- کعب بن زید بن قیس

53- بجیر بن ابی بجیر (ان کا غطفانی حلیف)

(رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ ہیں کل 317 اصحاب رسول کے اسماء مبارکہ۔ ان میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لشکر اسلام کی شکل میں بدر پہنچے اور وہاں دشمن سے نبرد آزما ہوئے۔ ان اسماء میں 4 ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسم مبارک بھی شامل ہیں جنہیں ہر طرح سے بدری شمار فرمایا گیا۔

کفر کے ساتھ اسلام کی پہلی جنگ غزوۂ بدر' یوم الفرقان کے مجاہدین صحابہ کرام جو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی قیادت میں' انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں' اپنے سے تین گنا بڑے اور پوری طرح مسلح لشکر کفار سے نبرد آزما ہوئے اور ایسے نبرد آزما ہوئے کہ کفر کی طاقت کو پاش پاش کر دیا اور دین اسلام کا جھنڈا اوج ثریا تک پہنچا دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ' خالق و مالک کائنات ان سب پر' ان کی آل اولاد پر رہتی دنیا تک اپنی رحمتوں' نعمتوں' نوازشوں' کرم نوازیوں کی خصوصی بارشیں کرے۔ آمین ثم آمین۔

نورِ اُمّ النور
نورِ رحمۃ للعالمین

ایک نظر میں

- دو جہانوں میں سب سے اونچی شان والے ﷺ کی نرالی رفعتیں، شانیں اور عظمتیں
- دل مبارک پر نزول قرآن اور شان نزول
- آپ ﷺ نے کبھی بھی، کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی
- آپ ﷺ ہر کچھ میں، جہت سے اللہ کے نزدیک ترین ہیں

انسان

- انسان اشرف المخلوقات کیوں ہوا؟
- عقل، اللہ کی ایک عظیم تخلیق، اسکی بنا پر ذمہ داریاں، اس کی بنا پر جزاء وسزا
- انسان کا سب سے خطرناک دشمن اس کے اندر موجود ہے
- نور وظلمت، نور کیا ہے؟ کائنات کے راز

عالم کون ہے؟ عقلمند کون ہے؟

- ''میں'' میں آنے والے، اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھنے والے یقینی طور پر غلط فہمی کا شکار ہیں
- ''متقی'' اتنا اچھا ترجمہ نہیں ہے جتنا کہ ''اللہ سے ڈرنے والے''۔

اسلام کی تشریح

- اسلام میں پاپائیت نہیں
- چند انتہائی مشکل آیات کی مفصل سادہ تفسیر
- دین اسلام اور امت مسلمہ کے بدخواہ، مستشرقین کی چالیں، ان کا رد اور سدِ باب
- پیچیدہ روایات کا صحیح اور آسان بیان، تحقیق و دلائل ایسے مضبوط جنہیں آپ جھٹلا نہ سکیں گے بلکہ خوشی سے انہیں قبول کریں گے اور حق کے ہمنوا ہو جائیں گے

اسلام کی تاریخ

- غزوات کا پر تحقیق اور مفصل ایسا بیان جو آپ کو اپنے اندر جذب کر لے گا
- خاص طور پر غزوہ بدر اور غزوہ احد میں ایسی نادر تحقیق جو اسلام کے بدخواہوں کی زبان و قلم کو مستقل لگام دے دے گی۔

اور اسی طرح کئی اور موضوعات کی

آسان، مدلل، مسرور کن، راحت بخش اور شگفتہ وضاحت

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006